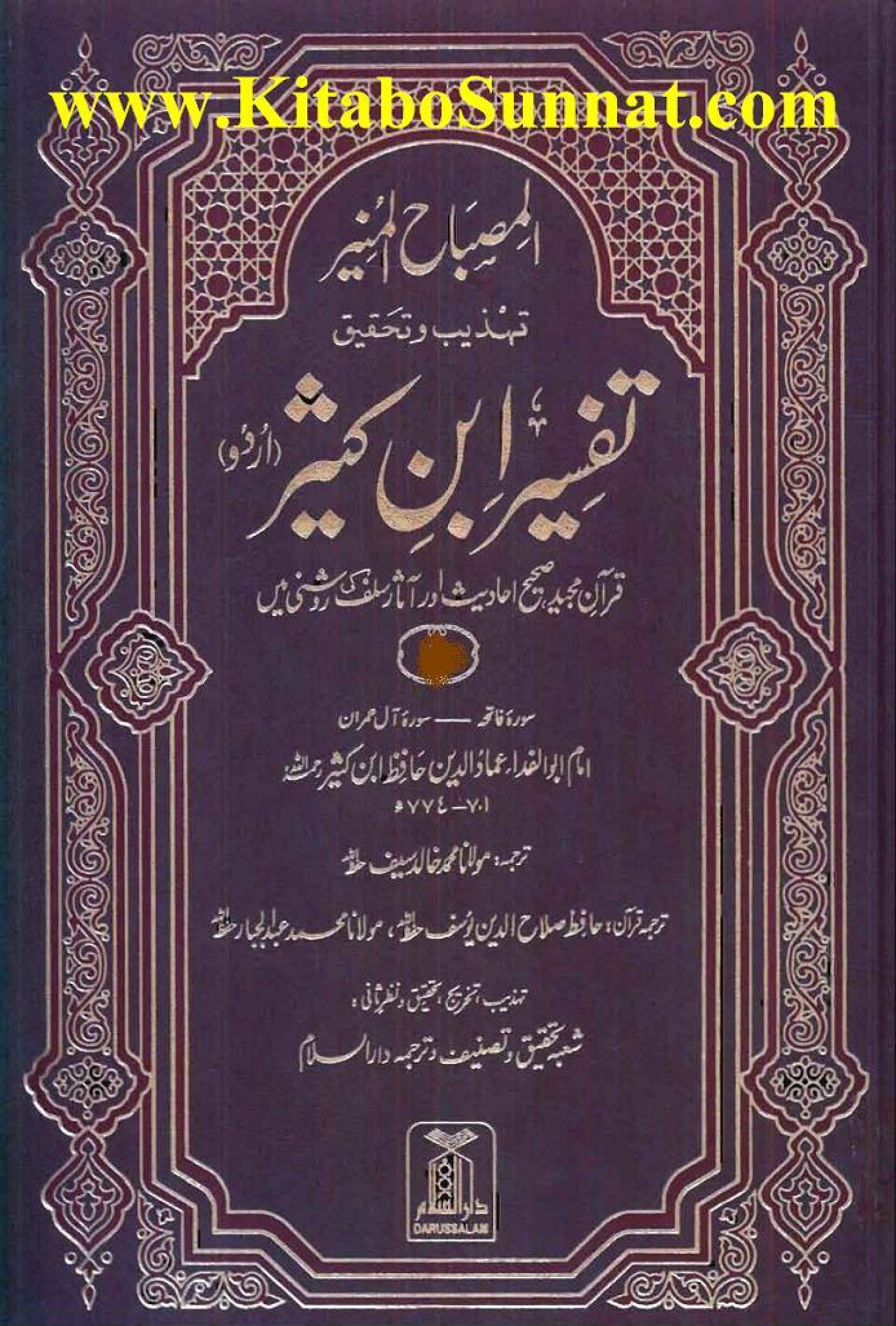
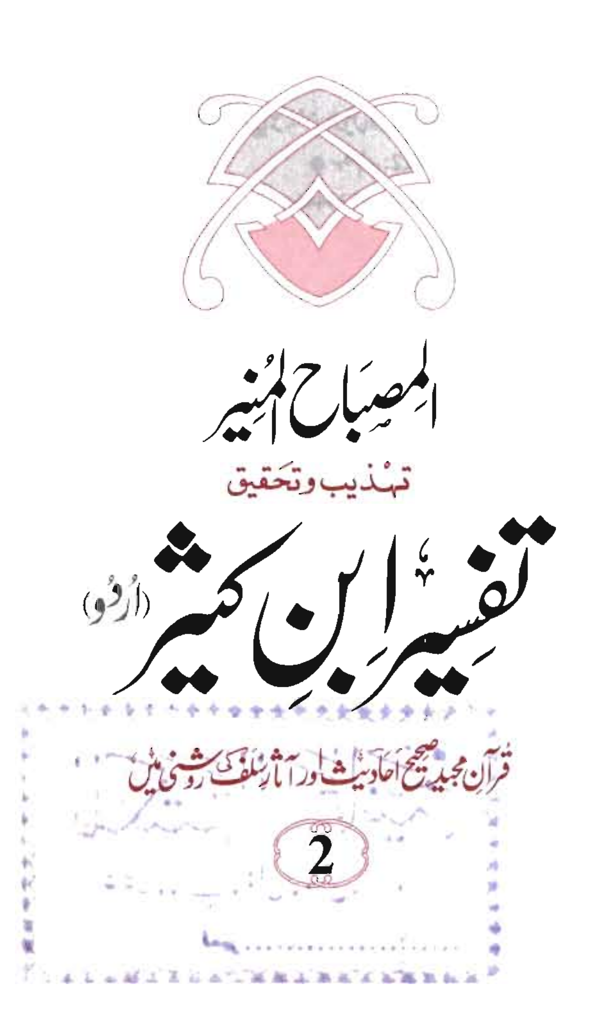
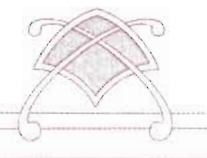


www.KitaboSunnat.com
المصباح المنیر
تہذیب وتحقیق
تفسیر ابن کثیر (اردو)
قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں
سورۂ فاتحہ ـــــ سورۂ آل عمران
امام ابو الفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ
۷۰۱-۷۷۴ھ
ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبد الجبار حفظہ اللہ
تہذیب، تخریج، تحقیق ونظرثانی:
شعبہ تحقیق وتصنیف وترجمہ دار السلام
دار السلام
DARUSSALAM


المصباح المنير
تہذیب و تحقیق
تفسیر ابن کثیر (اردو)
قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں
2



ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٢٨ هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

ابن كثير، اسماعيل بن عمر

تفسير ابن كثير - الجزء الثاني. / اسماعيل بن عمر بن كثير - الرياض ١٤٢٨ هـ

ص: ٨٤٥ مقاس: ١٤×٢١ سم

ردمك: ٤-٦-٩٩٢٧-٩٩٦٠

(النص باللغة الاردية)

١- القرآن - التفسير بالمأثور أ. العنوان

ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٨/٢٦٥٣

رقم الإيداع: ١٤٢٨/٢٦٥٣

ردمك: ٤-٦-٩٩٢٧-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.dar-us-salam.com

● طریق مکہ۔العلیا۔الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221

● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270

● مدینہ منورہ: 00966-04-8234446 فیکس: 04-8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328

● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

لندن فون: 4885 539 208 0044 فیکس: 208 5394889

امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431

❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

❸ مُون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی

فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937

Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

المصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

2

سورۂ نساء ـــــ سورۂ انفال

امام ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ـ۷۷۴ھ

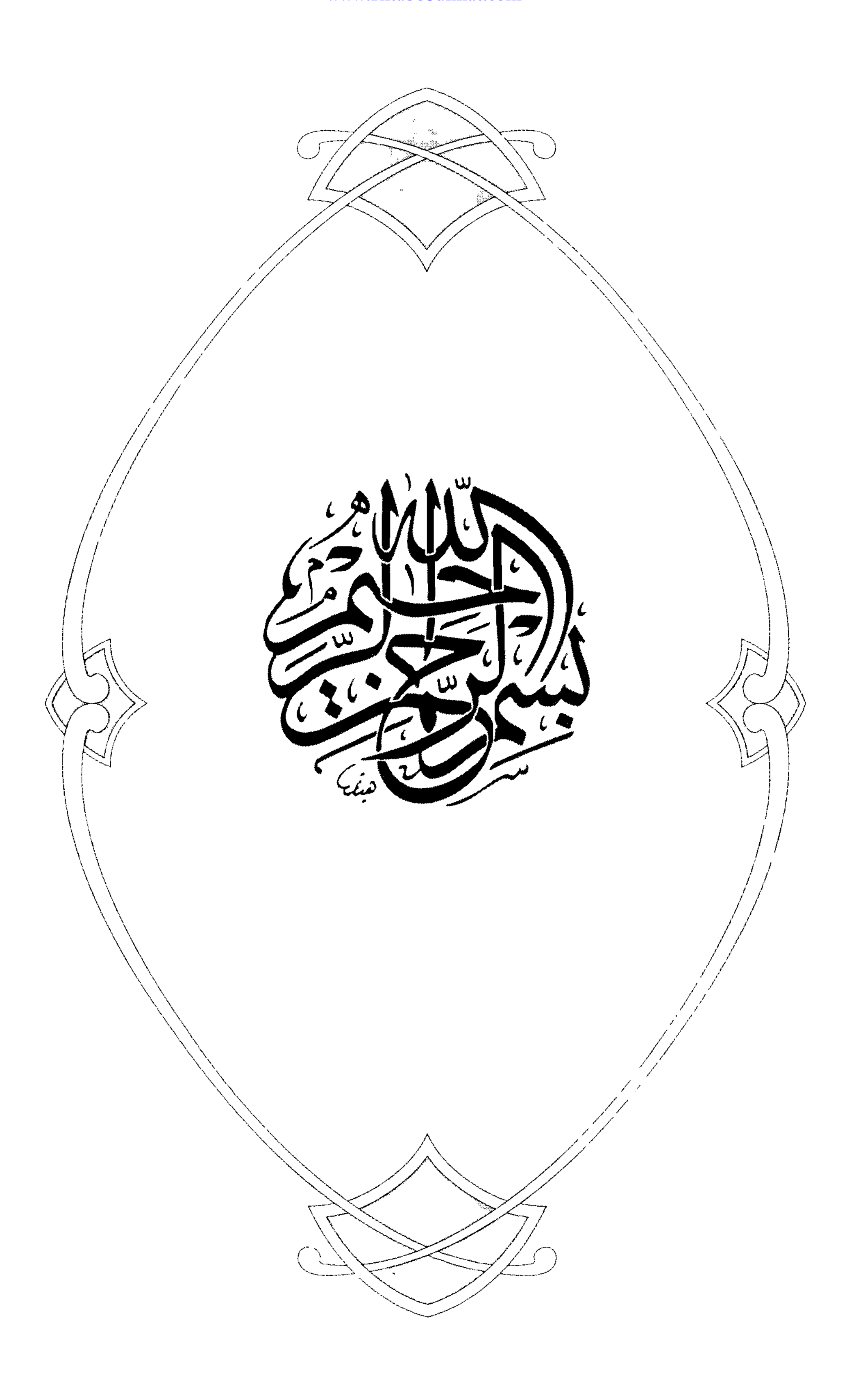
ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

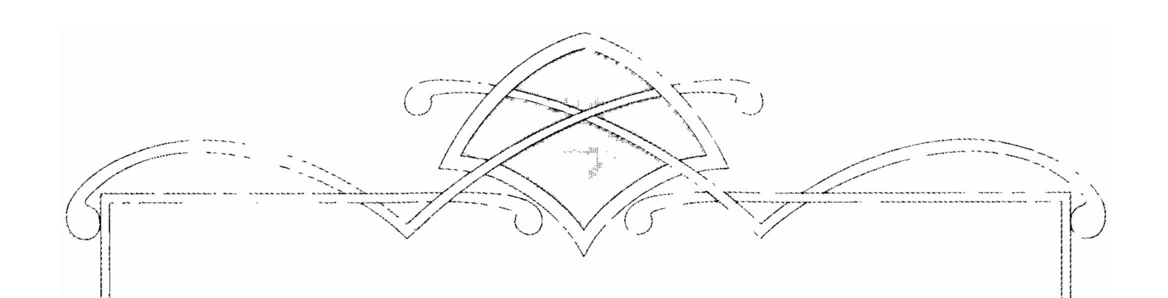
ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظر ثانی:

شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام




بسم الله الرحمن الرحيم





أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

''کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں؟''

(سورۂ محمد:24)

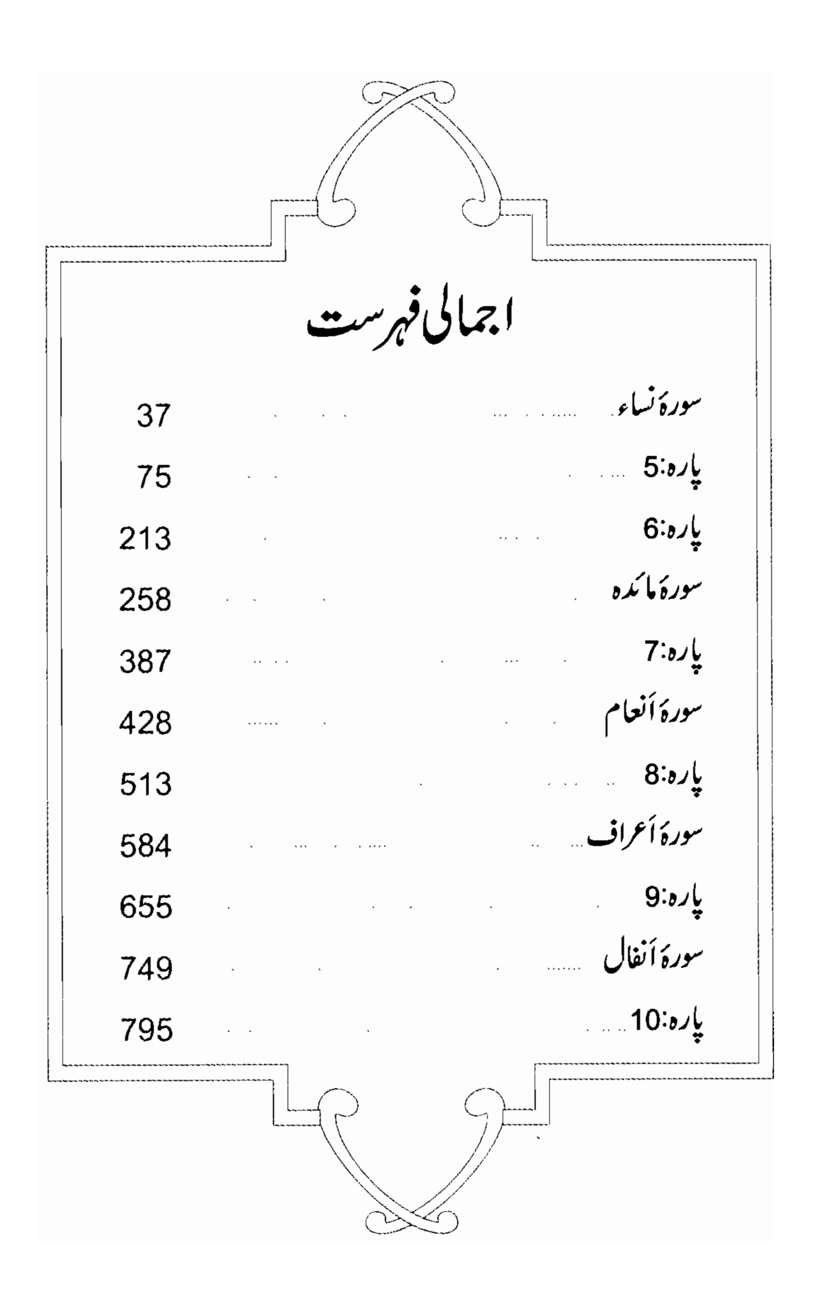


خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔''

(صحیح بخاری:5027)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

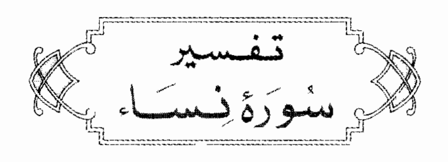


اجمالی فہرست

فہرست

صفحہ	آیات	عنـــاویـــن
		پارہ:5
75	24	شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں الآیہ کہ
76	24	مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر سے نکاح حلال ہے
77	24	متعہ اور اس کی حرمت
78	25	آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لونڈیوں سے نکاح کا جواز
79	25	زنا کے ارتکاب پر لونڈی کی سزا نصف ہے
80	28-26	
81	31-29	حرام کمائی کی ممانعت
82	31-29	تجارت میں خیارِ مجلس
82	31-29	انسان کو قتل کرنے کی ممانعت اور اس پر وعید
83	31-29	بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو چھوٹے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں
84	31-29	سات ہلاک کردینے والے گناہ
84	31-29	ایک اور حدیث جس میں جھوٹی گواہی کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے
85	31-29	ایک اور حدیث
85	31-29	ایک اور حدیث جس میں بچے کے قتل کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے
86	31-29	ایک اور حدیث جس میں جھوٹی قسم کا بھی کبائر میں شمار ہے
86	31-29	والدین کو گالی دینا بھی کبائر میں سے ہے
87	32	حرص وہوس اور حسد کی ممانعت
88	33	
89	34	
89	34	نیک عورت کی علامت

صفحہ	آیات	عناوین
		پارہ:7
387	86-83	--
388	88,87	اسلام میں رہبانیت نہیں ہے --
390	89	بے ارادہ قسم --
390	89	قسم کا کفارہ --
392	93-90	شراب اور جوئے کی حرمت --
392	93-90	انصاب واز لام کی تفسیر ---
393	93-90	شراب کی حرمت کے بارے میں احادیث ----------------------------------
394	93-90	ایک اور حدیث ---
395	93-90	ایک اور حدیث ---
396	93-90	ایک اور حدیث ---
396	93-90	ایک اور حدیث ---
397	93-90	ایک اور حدیث ---
398	95,94	حرم اور حالتِ احرام میں شکار کی حرمت ---------------------------------
400	95-94	حرم یا حالتِ احرام میں شکار کا بدلہ -----------------------------------
403	99-96	محرم کے لیے دریا کا شکار حلال ہے ------------------------------------
405	99-96	محرم کے لیے خشکی کا شکار حرام ہے -----------------------------------
408	102-100	--
408	102-100	بے فائدہ سوال کی ممانعت ---
411	104,103	بَحِیرہ، سائبہ، وصیلۃ اور حام کی تفسیر --------------------------------
415	105	اصلاح نفس کا حکم --
416	108-106	وصیت پر دو عادل آدمیوں کی شہادت -----------------------------------



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ

عورتیں کثرت سے پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے ڈرو،

اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے①

اس سورت کے مدنی ہونے اور اس کی فضیلت کا بیان: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نساء مدینہ میں نازل ہوئی۔[1] اسی طرح (کا قول) ابن مردُویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ نساء میں پانچ آیات ایسی ہیں کہ اگر مجھے پوری دنیا اور اس کا سارا ساز و سامان بھی مل جائے تو اتنی خوشی حاصل نہ ہو گی جتنی ان آیات سے خوشی حاصل ہوئی ہے اور وہ پانچ آیات یہ ہیں: 1- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ ﴾ (الآية:40.) 2- ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ ﴾ (الآية:31.) 3- ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (الآية:48.) 4- ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ﴾ (الآية: 64.) اور 5- ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ (الآية:110.) اس کے بعد امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اگرچہ عبدالرحمٰن کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے، تاہم اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا اپنے والد سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟[2]

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: سورۂ نساء کے بارے میں مجھ سے جو چاہو پوچھو! میں نے قرآن کو چھوٹی عمر ہی میں پڑھ لیا تھا۔ پھر امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے

① الدر المنثور:205/2. ② المستدرك للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة النسآء:305/2، حديث:3194 . اور دیکھیے تهذيب التهذيب:195/6.

لیکن شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔ ①

تفسیر آیت:1

تقویٰ کا حکم اور پیدائش وصلہ رحمی کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ اور تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسی وحدہٗ لا شریک کی عبادت کریں، نیز یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے جس کے ساتھ اس نے ان سب کو ایک ہی شخص، یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ ﴿ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا ﴾ ''اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔'' یعنی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا اور انھیں ان کے پیچھے کی جانب سے ان کی بائیں پسلی سے پیدا کیا جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور بیدار ہونے پر جب انھیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہو گئے۔ ②

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: [فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ، وَّإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ]، [وَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ] ''عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھاؤ تو اسی طرح فائدہ اٹھاؤ گے کہ اس میں ٹیڑھا پن ہوگا۔'' ③

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ ﴾ ''اور ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلائے۔'' یعنی آدم و حوا سے بہت سے مرد و عورت پیدا فرمائے اور انھیں مختلف اصناف و صفات اور مختلف رنگ اور بولیاں عطا فرما کر اطراف و اکنافِ عالم میں پھیلا دیا اور آخرت و محشر میں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ ﴾ ''اور اللہ سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور (قطع مودتِ) ارحام سے (بچو۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور تم اس کی اطاعت بجا لاؤ۔ ابراہیم، مجاہد اور حسن فرماتے ہیں کہ ﴿ الَّذِيۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ ﴾ یعنی یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میں تم سے اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کے نام پر یہ سوال کرتا ہوں۔ ④ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ تم اللہ سے ڈرو جس کے نام کے ساتھ تم عقد و عہد کرتے ہو۔ ⑤ اور قطع رحمی سے ڈرو اور صلہ رحمی کو اختیار کرو، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، حسن، ضحاک، ربیع اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا ہے۔ ⑥

بعض ائمہ نے ﴿ الۡاَرۡحَامَ ؕ ﴾ کو ﴿ بِهٖ ﴾ کی ضمیر پر عطف کی وجہ سے مکسور بھی پڑھا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جس اللہ اور رشتہ داریوں کے نام پر تم سوال کرتے ہو جیسا کہ امام مجاہد وغیرہ نے کہا ہے۔ ⑦ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ

① **المستدرك** للحاكم، التفسير، باب تفسير سورة النسآء: 301/2، حديث: 3178. ② **تفسير الطبری**: 297/4.
③ **صحيح البخاری**، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3331 اور اس کا بعض حصہ صحيح البخاری، النكاح، باب المُداراة مع النساء، حديث: 5184 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ④ **تفسير الطبری**: 299/4. ⑤ **تفسير الطبری**: 299/4. ⑥ **تفسير الطبری**: 300/4. ⑦ **تفسير الطبری**: 299/4.

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰۤى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰۤى

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلو۔ اور تم ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ

اَمۡوَالِكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ② وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ

ہے② اور اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے بجائے ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو دو، تین تین

لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ

اور چار چار سے نکاح کر لو، پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو) یہ زیادہ

اَيۡمَانُكُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ

بہتر ہے کہ اس طرح تم ناانصافی کرنے سے بچے رہو گے③ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو، پھر اگر وہ دل کی خوشی سے تمھیں کچھ مہر چھوڑ دیں

شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــًٔا ④

تو تم اسے شوق سے کھا سکتے ہو④

﴿ رَقِيۡبًا ① ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے تمام اعمال و احوال کی نگہبانی فرما رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴾ (البروج 9:85) ''اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔''

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(أُعْبُدِ) اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ] ''اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے (اگر یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا تو پھر یہ یقین رکھو کہ) وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔''① یہ رہنمائی بھی ہے اور حکم بھی کہ اس ذات گرامی کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے جو اپنے بندوں کی مکمل نگہبانی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ایک باپ اور ماں سے پیدا فرمایا ہے تو یہ اس لیے تاکہ یہ ایک دوسرے پر شفقت کریں اور کمزوروں سے حسن سلوک کریں۔

صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب خاندان مُضَر کے لوگ حاضر ہوئے (تو وہ افلاس و فقر کی وجہ سے) چیتھڑے پہنے ہوئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں یہ آیت کریمہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ مکمل پڑھی، پھر یہ آیت کریمہ بھی پڑھی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ ﴾ (الحشر 18:59) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور (ہر) شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے آگے کیا بھیجا ہے۔'' پھر آپ نے صدقے کی ترغیب دی: [تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِينَارِهِ، مِنْ دِرْهَمِهِ (مِنْ ثَوْبِهِ) مِنْ صَاعِ بُرِّهِ ، مِنْ صَاعِ تَمْرِهِ] ''تو آدمی اپنے درہم و دینار، کپڑے، گندم

① صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ......، حديث: 50 عن أبي هريرة رضي الله عنه. وصحيح مسلم، الإيمان ، باب بيان الإيمان والإسلام......، حديث: 8 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. اس حدیث کا ابتدائی لفظ [أُعْبُدْ] مسند أحمد: 132/2 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

اور کھجور کے صاع (بھر بھر کے) اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے لگے۔''[1] پھر انھوں نے پوری حدیث ذکر کی۔ اس حدیث کو امام احمد اور دیگر کئی اہل سنن نے بھی بیان کیا ہے۔[2] اور اہل سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے خطبۂ حاجت کے سلسلے میں بھی روایات بیان کی ہیں۔[3] ان میں یہ بھی ہے کہ آپ نے تین آیات کی تلاوت فرمائی تھی جن میں سے ایک یہ بھی ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ ..... ﴾ الآية.

تفسیر آیات: 2-4

یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یتیم جب بالغ ہو جائیں تو ان کا سارا اور پورا پورا مال انھیں دے دیا جائے، نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کو کھانے اور اپنے مال کے ساتھ ملانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ﴾ ''اور ناپاک کو پاک کے عوض نہ بدلو۔'' حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور امام زہری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کمزور اور مریل جانور دے کر ان کے صحت منداور موٹے جانور کو نہ لے لو۔[4] ابراہیم نخعی اور ضحاک فرماتے ہیں کہ کھوٹے سکے دے کر کھرے نہ لے لو۔[5] سدی فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اس طرح کیا کرتے تھے کہ یتیم کے مال میں سے موٹی تازی اور صحت مند بکری کو تو خود رکھ لیتے اور اس کے بجائے یتیم کو دبلی پتلی بکری دے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بکری کے بدلے میں بکری ہے، اسی طرح عمدہ درہم کو تو خود رکھ لیتے اور یتیم کو کھوٹا درہم دے دیتے اور کہتے کہ یہ درہم کے بدلے میں درہم ہے۔[6]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ﴾ ''اور تم ان کا مال اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ۔'' مجاہد، سعید بن جبیر، مقاتل بن حیان، سدی اور سفیان بن حسین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا مال اپنے مال میں نہ ملاؤ تاکہ سارے مال ہی کو کھا جاؤ۔[7] اور ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں بہت بڑا گناہ۔ اسی طرح امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، ابن سیرین، قتادہ، مقاتل بن حیان، ضحاک، ابو مالک، زید بن اسلم اور ابوسنان رحمہم اللہ سے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرح مروی ہے۔[8] گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارا یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا کر کھا جانا عظیم گناہ اور بہت بڑی خطا ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرو۔

کم مہر کے عوض یتیم لڑکی سے نکاح کی مخالفت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

[1] ملخص از صحیح مسلم، الزكاة، باب الحثّ على الصدقة ......، حديث:1017. [2] مسند أحمد:359,358 و سنن النسائي، الزكاة، باب التحريض على الصدقة، حديث:2555 و جامع الترمذي، العلم، باب فيمن دعا إلى هدى...... حديث:2675 مختصرًا. [3] سنن أبي داود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث:2118 و جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، حديث:1105 و سنن ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح، حديث:1892. [4] تفسير الطبري:304/4. [5] تفسير ابن أبي حاتم:856/3. [6] تفسير الطبري:304/4. [7] تفسير ابن أبي حاتم: 756/3. [8] تفسير ابن أبي حاتم:756/3.

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ ''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کے سوا) جو عورتیں تم کو پسند ہوں، ان سے نکاح کر لو۔'' یعنی جب تم میں سے کسی کی پرورش میں یتیم لڑکی ہو اور اسے یہ خوف ہو کہ وہ اسے مہر مثل نہیں دے گا تو اسے چاہیے کہ اس کے بجائے کسی اور عورت سے نکاح کر لے کیونکہ عورتیں بے شمار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو تنگ نہیں کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص کے پاس یتیم لڑکی تھی، اس نے اس سے نکاح کر لیا، اس لڑکی کا ایک کھجور کا درخت تھا، اور اسی درخت کی وجہ سے وہ اس کو اپنے پاس روکے ہوئے تھا جبکہ اس (لڑکی) کو اس کی طرف سے کچھ نہیں ملتا تھا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰی ﴾ (ہشام بن یوسف جو اس حدیث کے رواۃ میں سے ہیں، کہتے ہیں:)[1] میرا خیال ہے کہ راوی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ لڑکی اس کھجور میں اور اس کے مال میں اس کی شریک تھی۔[2]

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ بھانجے! اس سے مراد وہ لڑکی ہے جو اپنے وارث کی گود (پرورش) میں ہوتی تھی اور اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اور اسے اس کا مال اور حسن و جمال پسند ہوتا تھا، لہٰذا اس کا ولی یہ چاہتا تھا کہ حق مہر میں انصاف کیے بغیر اس سے نکاح کر لے تو انھیں منع کر دیا گیا کہ وہ یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کریں اِلا یہ کہ ان سے انصاف کریں اور اعلیٰ دستور کے مطابق انھیں مہر دیں یا پھر ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کر لیں جو ان کو پسند ہوں۔

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ اس آیت کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ﴾ (النسآء 4:127) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ دوسری آیت[3] میں جو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ (النسآء 4:127) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یتیم لڑکی جب مال اور حسن و جمال کے اعتبار سے کم ہو تو پھر تم اس میں رغبت نہیں رکھتے، لہٰذا ان یتیم لڑکیوں سے جن کا مال اور جمال انھیں پسند ہو ان سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا الا یہ کہ ان سے انصاف کریں کیونکہ جب وہ مال و جمال کے اعتبار سے کم ہوتی تھیں تو پھر انھیں ان سے نکاح کرنے میں کوئی رغبت نہیں ہوتی تھی۔[4]

چار عورتوں سے شادی کی اجازت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ﴾ ''دو دو یا تین تین یا چار چار۔''

---

[1] دیکھیے فتح الباری، حدیث: 4573 کے ذیل میں۔ [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰی ﴾ (النسآء 4:3)، حدیث: 4573. [3] یہ دوسری آیت نہیں بلکہ اسی آیت کا حصہ ہے۔ اور یہاں کچھ الفاظ ساقط ہو گئے ہیں جس کی وضاحت صحیح مسلم میں ہے، دیکھیے صحیح مسلم، التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقۃ، حدیث: 3018، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری، حدیث: 4574 کے ذیل میں۔ [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْيَتٰمٰی ﴾ (النسآء 4:3)، حدیث: 4574.

یعنی ان یتیم لڑکیوں کے سوا جن عورتوں سے چاہو شادی کرلو اگر تم میں سے کوئی چاہے تو وہ دو دو عورتوں سے اور اگر چاہے تو تین تین سے یا اگر چاہے تو چار چار عورتوں سے نکاح کرلے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ (فاطر 35:1) ''(اللہ تعالیٰ) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جو دو دو، تین تین اور چار چار پروں والے ہیں۔'' یعنی ان میں سے بعض کے دو دو اور بعض کے تین تین اور بعض کے چار چار پر ہیں، اس سے فرشتوں کے زیادہ پروں کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی دلیل موجود ہے۔[1] جبکہ مردوں کے لیے چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور خود یہ آیت بھی زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کرنے کی دلیل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء نے فرمایا ہے۔[2] کیونکہ یہ مقام ایسا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسان کا اظہار اور عورتوں سے نکاح کے جواز کو بیان فرما رہا ہے، لہٰذا اگر بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً اس مقام پر بیان فرما دیتا۔

امام احمد نے سالم کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ غَیلان بن سَلَمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: [اِخۡتَرۡ مِنۡهُنَّ أَرۡبَعًا] ''ان میں سے چار کا انتخاب کرلو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں انھوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور مال اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے تمھاری موت کی خبر سن لی ہے اور اس نے تمھارے دل میں ڈال دیا ہے کہ اب تم تھوڑا عرصہ ہی دنیا میں رہو گے۔ اللہ کی قسم! تم یا تو اپنی بیویوں سے رجوع کرلو گے اور اپنے مال کو واپس لے لو گے یا پھر انھیں تمھارا وارث قرار دے دوں گا اور حکم دے دوں گا کہ تمھاری قبر کو بھی اسی طرح رجم کیا جائے جس طرح ابو رِغال کی قبر کو رجم کیا گیا تھا۔[3] اس روایت کو امام شافعی، ترمذی، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی اور دیگر کئی محدثین نے بھی اس طرح روایت کیا ہے مگر یہاں تک کہ [اِخۡتَرۡ مِنۡهُنَّ أَرۡبَعًا] ''ان میں سے چار کا انتخاب کرلو۔''[4] اس حدیث مبارکہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر چار بیویوں سے زیادہ رکھنے کی اجازت ہوتی تو نبی ﷺ اسے ضرور اجازت دے دیتے کیونکہ وہ مسلمان بھی ہو چکی

---

[1] دیکھیے صحیح البخاری، بدء الخلق، باب إذا قال أحدکم: آمین......، حدیث: 3232 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 859/3 . [3] مسند أحمد: 14/2 اور ابو رِغال کا واقعہ دیکھیے سنن أبی داود: 3088 اور السلسلة الضعيفة: 283/10، حدیث: 4736 . [4] کتاب الأم، النکاح، باب الرجل یسلم وعنده أکثر من أربع نسوة: 170/6، حدیث: 1572 وجامع الترمذی، النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة، حدیث: 1128 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر واقعے کے ساتھ۔ وسنن ابن ماجه، النکاح، باب الرجل یسلم وعنده أکثر من أربع نسوة، حدیث: 1953 وسنن الدار قطنی، النکاح، باب المهر: 188/3، حدیث: 3641 و3652 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر واقعے کے ساتھ والسنن الکبرٰی للبیهقی، النکاح، باب من یسلم وعنده أکثر من أربع نسوة: 181/7 اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصے کے ساتھ ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے دیکھیے صحیح ابن حبان، النکاح، باب نکاح الکفار: 463/9، حدیث: 4156 ومسند أبی یعلٰی، مسند عبد الله بن عمر: 325/9، حدیث: 5437 .

تھیں، پس جب آپ نے چار کو رکھ کر باقی کو علیحدہ کرنے کا حکم دے دیا تو یہ دلیل ہے کہ چار سے زیادہ (بیویاں بیک وقت) جائز نہیں ہیں جبکہ چار سے زیادہ کا یہ سلسلہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا تو جو نئے سرے سے چار سے زیادہ رکھنا چاہے اس کے لیے یہ کام بطریق اولیٰ حرام ہوا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

عدل نہ کرنے کی صورت میں ایک عورت پر اکتفا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ﴾ ''پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو۔)'' یعنی اگر تعددِ ازواج کی صورت میں تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم ان میں انصاف نہیں کر سکو گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ ﴾ (النسآء4:129) ''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔''

جسے یہ اندیشہ ہو کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا تو اسے ایک عورت پر یا پھر لونڈیوں اور باندیوں پر اکتفا کرنا چاہیے کیونکہ ان کی باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں ہے۔ ہاں، البتہ مستحب ضرور ہے، یعنی کوئی اگر یہ کرے گا تو اچھا ہے اور نہ کر سکے تو کوئی حرج نہیں۔ ﴿ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؃ ﴾ ''اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔'' یعنی ظلم نہیں کر سکو گے، چنانچہ کہا جاتا ہے: عَالَ فِي الْحُكْمِ ''اس نے فیصلے میں ظلم کیا۔'' یعنی جب کوئی ظلم و جور اور ناانصافی کرے۔

امام ابن ابوحاتم، ابن مردویہ نے اور امام ابوحاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [﴿ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؃ ﴾ قَالَ: لَا تَجُورُوا] ''فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس طرح تم ظلم نہیں کرو گے۔''[1] امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا: یہ حدیث (مرفوعاً) درست نہیں ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موقوف روایت ہے۔ امام ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، امام مجاہد، عکرمہ، حسن، ابومالک، ابورزین، نخعی، شعبی، ضحاک، عطاء خراسانی، قتادہ، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے مروی ہے: أَنْ لَّا تَمِيلُوا ''کہ تم ایک طرف مائل نہ ہو سکو گے۔''[2]

مہر دینا واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ ﴾ ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ النحلة کے معنی مہر کے ہیں۔[3] اور محمد بن اسحاق نے امام زہری سے انھوں نے عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ﴿ نِحۡلَةً ؕ ﴾ کے معنی فریضے کے ہیں[4]، مقاتل، قتادہ، اور ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔[5] ابن جریج نے یہ بھی کہا ہے کہ ﴿ نِحۡلَةً ؕ ﴾ اس فریضے کو کہتے ہیں جس کا نام لے کر تعین کیا گیا ہو۔[6] اور ابن زید کہتے ہیں کہ ﴿ نِحۡلَةً ؕ ﴾ عربی زبان میں واجب کو کہتے ہیں، یعنی عورت

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:860/3 و صحيح ابن حبان، النكاح، ذكر الخبر المدحض قول من زعم......:338/9، حديث: 4029 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:860/3 . [3] تفسير الطبري:321/4 . [4] تفسير ابن أبي حاتم:861/3 . [5] تفسير الطبري:321/4 . [6] تفسير الطبري:321/4 .

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا

اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں، البتہ ان میں سے انھیں کھانے اور پہننے کے لیے دو۔

لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

اور ان سے اچھی بات کہو⑤ اور تم یتیموں کی جانچ پرکھ کرو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم انھیں سمجھ دار پاؤ تو ان کے مال ان کے

فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا

سپرد کر دو، اور تم ان کے مال حد سے بڑھ کر اور جلدی کرتے ہوئے (اس خیال سے) نہ کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (اور اپنا حق مانگیں گے) اور جو

فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

(سرپرست) مالدار ہو وہ (یتیم کا مال کھانے سے) بچے، اور جو غریب ہو وہ جائز طریقے سے (اس کا مال) کھا سکتا ہے۔ پھر جب تم ان کے مال ان کے سپرد

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

کرو تو ان پر کسی کو گواہ ٹھہرا لو، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے⑥

کے لیے کسی چیز کو واجب کیے بغیر اس سے نکاح نہ کرو کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کے بعد کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ مہر واجب کیے بغیر کسی عورت سے نکاح کر لے اور مہر ناحق اور جھوٹ پر بھی مبنی نہیں ہونا چاہیے۔[1]

بہر حال ان سب حضرات کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد پر یہ واجب ہے کہ وہ یقینی طور پر اپنی بیوی کو مہر ادا کرے اور نہایت خوش دلی سے ادا کرے جس طرح تحفہ اور عطیہ خوش دلی سے دیا جاتا ہے، اسی طرح بیوی کو مہر بھی بطیبِ خاطر ادا کرے اور اگر مہر کے تعین کے بعد کوئی عورت اپنا سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی خوشی سے معاف کر دے تو اسے حلال وطیّب سمجھ کر کھا لے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ④﴾ ''پھر اگر وہ دل کی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھا لو۔''

تفسیر آیات:6,5

بے عقلوں کے لیے اپنے مال میں تصرف پر پابندی: اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے کہ بے عقلوں کو اپنے مال میں تصرف کرنے دیا جائے کیونکہ مال لوگوں کے لیے سبب معیشت ہے۔ بے عقلوں پر مال میں تصرف کرنے کی پابندی اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس پابندی کی کئی قسمیں ہیں کبھی تو یہ صغرسنی کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ صغیر السن کی بات کا اعتبار نہیں اور کبھی یہ پابندی جنون کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی یہ عقل یا دین کی کمی کی وجہ سے سوءِ تصرف کے باعث ہوتی اور کبھی افلاس کے سبب۔ اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب آدمی کے قرض اس قدر زیادہ ہو جائیں کہ اس کے سارے مال سے بھی اس کے قرض ادا نہ ہوتے ہوں، لہٰذا جب قرض دار، حاکم سے مطالبہ کریں تو وہ مقروض پر یہ پابندی عائد کر سکتا ہے کہ وہ اپنے مال میں کوئی تصرف نہ کرے۔

---

[1] تفسير الطبري:321/4 .

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ ﴾ ''اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو۔'' کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد تمھارے بیٹے اور عورتیں ہیں۔ [1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حکم بن عُتَیبہ، حسن اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ [2] اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ﴿ السُّفَهَآءَ ﴾ سے مراد یتیم بچے ہیں۔ [3] مجاہد، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد صرف عورتیں ہی ہیں۔ [4]

ان پر حسبِ دستور خرچ کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ ﴾ ''اور اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول باتیں کہتے رہو۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ نہ کرو کہ اپنے مال و جائیداد کو جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے سبب معیشت بنایا ہے، اپنے بیوی بچوں کو دے دو اور ضرورت کے وقت تم ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھو بلکہ اپنے مال کو اپنے پاس رکھو اور اس کی افزائش کرتے رہو، پھر خود اپنے ہاتھ سے اپنے بیوی بچوں پر ان کے لباس، طعام اور دیگر ضروریات کے لیے خرچ کرو۔ [5] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ ﴾ یعنی نیکی و صلہ رحمی کے سلسلے میں ان سے معقول باتیں کہتے رہو۔ [6] اس آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ اہل خانہ اور ان لوگوں پر جن پر بالفعل تصرف کی پابندی ہے، ان سے حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے، لباس اور طعام وغیرہ کے لیے ان پر خرچ کیا جائے، نیز ان سے شائستہ گفتگو کی جائے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے۔

یتیموں کا امتحان اور بلوغت کے وقت مال ان کے سپرد کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى ﴾ ''اور تم یتیموں کو (سدھارتے اور) آزماتے رہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا امتحان کرلو۔ [7] ﴿ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ﴾ ''یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ نکاح سے یہاں بلوغت مراد ہے۔ [8]

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ لڑکے میں بلوغت کی نشانی احتلام ہے، یعنی وہ ایسا خواب دیکھنے لگے جس سے اس ٹپکنے والے پانی کا انزال ہو جائے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ [9] سنن ابوداود میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ یاد رکھا ہے: [لَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ ، وَّلَا صُمَاتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ] ''احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور دن سے لے کر رات تک خاموشی نہیں۔'' [10] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ]، [عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ

---

① تفسیرابن أبی حاتم:863/3 . ② تفسیر ابن أبی حاتم:863/3 . ③ تفسیر الطبری:327/4. ④ تفسیر الطبری: 329/4 وتفسیر ابن أبی حاتم:863/3. ⑤ تفسیر الطبری:332/4. ⑥ تفسیر الطبری:334/4. ⑦ تفسیر الطبری: 334/4 وتفسیر ابن أبی حاتم:865/3 . ⑧ تفسیر الطبری:335/4 . ⑨ تفسیر الرازی:188/9. ⑩ سنن أبی داود ، الوصایا، باب ماجاء متی ینقطع الیتم؟ حدیث:2873 .

حَتّٰی یُفِیقَ] ''تین شخص مرفوع القلم ہیں: (1) بچہ حتی کہ بالغ ہو جائے۔ (2) سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے اور (3) مجنون حتی کہ تندرست ہو جائے۔''[1]

یا پھر بلوغت کی علامت یہ ہے کہ بچے کی عمر پوری پندرہ سال ہو جائے، یہ استدلال اس حدیث سے کیا گیا ہے جو صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنگ احد کے دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جنگ کرنے کے لیے خوب جانچا پرکھا (مگر) میری عمر اس وقت چودہ سال تھی تو آپ نے مجھے اجازت نہ دی۔ اور جب خندق کے دن میرا جائزہ لیا تو اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔ نافع نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جب یہ حدیث پہنچائی تو انھوں نے کہا کہ بچے اور بڑے میں یہی فرق ہے۔[2]

اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب شرم گاہ کے اردگرد کھردرے بال اگ آئیں تو کیا یہ بلوغت کی علامت ہے یا نہیں؟ صحیح بات یہی ہے کہ یہ بھی بلوغت کی علامت ہے اور سنت سے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے عطیہ قُرظی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریظہ کے دن ہمیں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو جس کے (زیرِ ناف) بال اُگے تھے، اسے قتل کر دیا گیا اور جس کے بال نہیں اُگے تھے، اسے قتل نہیں کیا گیا تھا، میں ان میں سے تھا جن کے بال ابھی نہیں اُگے تھے، لہٰذا مجھے چھوڑ دیا گیا۔[3] اہل سنن اربعہ نے بھی اس حدیث کو تقریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ ﴾ ''پھر اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔'' سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ﴿ رُشْدًا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اگر تم یہ دیکھو کہ وہ دین کے اعتبار سے پختہ ہیں اور اپنے مال کی حفاظت کر سکتے ہیں تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[6] فقہاء نے بھی یہی کہا ہے کہ جب بچہ اپنے دین و مال کی حفاظت کے قابل ہو جائے تو اس سے پابندی ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے ولی کے پاس اس کا جو مال ہو، وہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔

فقراء کے لیے مالِ یتیم کو کھانے کا جواز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ ﴾ ''اور

[1] پہلا حصہ المستدرك للحاكم، البيوع: 59/2، حديث: 2350 اور اس کا دوسرا حصہ صحيح ابن حبان ، الإيمان، باب التكليف: 355/1، حديث: 142 میں ہے۔ بالفاظ دیگر یہ روایت سنن اربعہ میں بھی ہے: سنن أبي داود، الحدود، باب فی المجنون يُسرق أو يصيب حدًا، حديث: 4398 و4403 وجامع الترمذی: 1423 وسنن النسائی، حديث: 3462 وسنن ابن ماجه: 2041 . [2] صحيح البخاری، الشهادات، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، حديث: 2664 وصحيح مسلم، الإمارة، باب بيان سنّ البلوغ، حديث: 1868. [3] مسند أحمد: 310/4 . [4] سنن أبي داود ، الحدود ، باب فی الغلام يصيب الحدّ، حديث: 4405,4404 وجامع الترمذی، السير، باب ماجاء فی النزول على الحكم، حديث: 1584 وسنن النسائی، الطلاق، باب متى يقع طلاق الصبی؟ حديث: 3460,3459 وسنن ابن ماجه ، الحدود، باب من لم يجب عليه الحد؟ حديث: 2541 . [5] تفسير ابن أبي حاتم: 866/3 . [6] تفسير ابن أبي حاتم: 865/3 .

اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے) اس کو فضول خرچی اور جلدی جلدی میں نہ اڑا دینا۔'' اللہ تعالیٰ نے کسی ناگزیر حاجت وضرورت کے بغیر یتیموں کے مال کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔﴿ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا ﴾ یعنی ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی سے اسے نہ کھا جاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ ﴾ یعنی جو شخص یتیم کے مال سے بے نیاز ہو تو اسے اس سے پرہیز کرنا چاہیے اور اسے بالکل نہیں کھانا چاہیے۔﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾ ''اور جو محتاج ہو وہ مناسب طور پر (بقدر خدمت) کچھ لے لے۔'' امام ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت یتیم کے والی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز کرنا چاہیے اور جو حاجت مند ہو وہ مناسب طور پر بقدر خدمت کچھ لے لے۔[1] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے عمرو بن شعیب کی اپنے باپ سے اور شعیب کی اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میرے پاس مال نہیں ہے۔ ہاں، البتہ میرے پاس ایک یتیم (کا مال) ہے؟ آپ نے فرمایا: [كُلْ مِنْ مَّالِ يَتِيمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَّلَا مُبَذِّرٍ وَّلَا مُتَأَثِّلٍ مَّالًا، وَّمِنْ غَيْرِ أَنْ تَقِيَ مَالَكَ ۔أَوْقَالَ: تَفْدِيَ مَالَكَ۔ بِمَالِهِ] ''تم اپنے (زیر پرورش) یتیم کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف و تبذیر نہ ہو اور نہ تم مال کو جمع کرو اور نہ اس کے مال کے بجائے اپنے مال کو بچالو، حسین (ایک راوی) کو شک ہے کہ یا آپ نے یہ فرمایا کہ اپنا مال (بچا کر) رکھتے ہوئے اس کا مال، خرچ مت کر دو۔''[3]

ارشاد ربانی ہے: ﴿ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ﴾ یعنی جب وہ بلوغت اور عقل کی پختگی کو پہنچ جائیں تو ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو ﴿ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ ﴾ ''تو ان پر گواہ بنالیا کرو۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے والیوں کو حکم دیا ہے کہ یتیم جب بالغ ہو جائیں اور یہ ان کا مال ان کے حوالے کریں تو اس پر گواہ بنالیں تاکہ کوئی انکار نہ کر سکے کہ اس نے مال اپنے قبضے میں لیا ہی نہیں۔﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥ ﴾ ''اور اللہ ہی (گواہ اور) حساب لینے والا کافی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا اور گواہ کافی ہے، اور اللہ تعالیٰ والیوں کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوتا ہے، جب وہ یتیموں کے مال کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت بھی جب وہ انھیں ان کا مال حوالے کر رہے ہوتے ہیں اور اسے اس بات کا پورا پورا علم ہوتا ہے کہ یہ انھیں ان کا مال کامل اور مکمل ادا کر رہے ہیں یا اس میں کمی کر دی گئی ہے یا اس میں کھوٹے سکے داخل کر دیے ہیں، نیز حساب درست ہے یا اس میں کمی بیشی کر دی گئی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان تمام حالات و واقعات کو خوب جانتا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [يَا أَبَا ذَرٍّ ! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا، وَّ إِنِّي أُحِبُّ

---

[1] تفسیرابن أبی حاتم:869/3 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب:﴿ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ .... ﴾ (النسآء 6:4)، حدیث:4575 . [3] مسند أحمد:216,215/2 .

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ⑦ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا

رشتے دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے ⑦ اور جب تقسیم کے وقت حاضر ہوں

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ

(دور کے) رشتے دار، یتیم اور مسکین تو انھیں بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے اچھی بات کہو ⑧ اور لوگوں کو اس بات سے ڈرنا

الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا

چاہیے کہ اگر وہ مرتے وقت اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جائیں تو انھیں ان کے بارے میں کتنی فکر ہوگی، چنانچہ انھیں اللہ سے ڈرنا

قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ

چاہیے اور سیدھی بات کہنی چاہیے ⑨ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں

بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩ ع

1 ع 10 12

اور وہ جلد دہکتی آگ میں داخل ہوں گے ⑩

لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ، وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ] ''اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو، میں تمھارے لیے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر ہرگز امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کا والی بننا۔''[1]

تفسیر آیات: 7-10

وراثت تقسیم کرنے کا حکم: سعید بن جبیر اور قتادہ فرماتے ہیں کہ مشرک مالِ وراثت بالغ مردوں کو دے دیتے تھے اور عورتوں اور (کم سن) بچوں کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے تھے تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ..... ﴾ الآیۃ'' جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے ......''[2] اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس میں سب برابر ہیں۔ یعنی اصل وراثت میں سب برابر ہیں گو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے جو حصہ مقرر کیا ہے، اس کے اعتبار سے ان میں فرق ہے اور اللہ تعالیٰ نے میت کی قرابت، زوجیت یا ولایت کے اعتبار سے حصہ مقرر فرمایا ہے، ولایت بھی نسب کی قرابت کی طرح قرابت ہی ہے۔

ابن مردُویَہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اُمّ کُجّہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری دو بیٹیاں ہیں، ان کا باپ فوت ہو گیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع

① صحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، حديث:1826 عن أبي ذر رضي الله عنه. ② تفسير ابن أبي حاتم:872/3 جبکہ قتادہ کے اثر میں صرف عورتوں کو محروم رکھنے کا ذکر ہے۔ اور آیت کے بعد دوسرے جز، یعنی ﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ ...... ﴾ کا ذکر ہے۔

پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ...... ﴾ الآية.[1] اس حدیث کو آیت میراث کی تفسیر کے وقت ایک دوسری سند کے ساتھ بھی بیان کیا جائے گا۔[2] وَاللّٰهُ أعلم.

﴿ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ..... ﴾ الآية. ''اور جب میراث کی تقسیم کے وقت آ جائیں......'' بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب میراث کی تقسیم کے وقت ایسے رشتے دار آ جائیں جو وارث نہیں ہیں ﴿ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ ﴾ ''اور یتیم اور محتاج'' تو ترکے میں سے کچھ انھیں بھی دے دیا جائے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔[4] امام ابن جریر نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ یہ آیت محکم ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل کیا جائے۔[5] امام ثوری نے ابن ابو نجیح سے اور انھوں نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اہل میراث پر واجب ہے کہ وہ ان لوگوں کو بطیب خاطر دیں۔[6]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، ابوالعالیہ، شعبی اور امام حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ یہ محکم ہے منسوخ نہیں۔ ابن سیرین، سعید بن جبیر، مکحول، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابورباح، زہری اور یحییٰ بن یعمر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ یہ واجب ہے۔[7] اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا تعلق میت کی وصیت کے ساتھ ہے۔[8] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔[9]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں تقسیم سے مراد تقسیم میراث ہے، دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے۔[10] اس قول کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ جب یہ فقیر رشتہ دار جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے، یتیم اور مسکین وراثت کی تقسیم کے وقت حاضر ہوں اور وہ مختلف وارثوں کو دیکھیں کہ وہ اپنے اپنے حصوں کو لے رہے ہیں تو ان کا دل بھی چاہے گا کہ وہ بھی اس میں سے کچھ لے لیں اور اگر انھیں کچھ بھی نہ دیا جائے تو وہ بہت مایوس ہوں گے تو اللہ رؤف رحیم نے حکم دے دیا ہے کہ انھیں بھی کچھ نہ کچھ ضرور دیا جائے۔ یہ ان سے نیکی ہوگی، ان پر صدقہ ہوگا، ان سے احسان ہوگا اور یہ ان کے شکستہ دلوں کے لیے باعث تسکین بھی ہوگا۔

وصیت میں عدل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ﴾ الآیة ''اور ایسے لوگوں کو ڈرنا

---

[1] أسد الغابة:372/7، تحت رقم:7576 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں آیت میراث، یعنی ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ...... ﴾ کا ذکر ہے اور ویسے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مطوّل ہے، دیکھیے آیت نمبر:11 کے حواشی۔ [2] سورۃ النسآء آیت:11 کے ذیل میں۔ [3] المستدرك للحاكم، التفسير:303,302/2، حديث:3183 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما . [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى ... ﴾ (النسآء 4:8)، حديث: 4576 . [5] تفسير الطبري:351/4 . [6] تفسير الطبري:350/4 . [7] تفسير الطبري:355/4 وأيضًا:350/4 والمصنف لابن أبي شيبة، الفرائض، في قوله تعالى: ﴿ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى ... ﴾:226/6 وتفسير ابن أبي حاتم:873/3. [8] تفسير الطبري:352/4 . [9] تفسير ابن أبي حاتم:875/3 . [10] تفسير الطبري:354/4 .

چاہیے جو (ایسی حالت میں ہوں کہ) اپنے بعد (ننھے ننھے بچے) چھوڑ جائیں......‘‘ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے موت آ گئی ہو اور اسے کوئی شخص سنے کہ وہ ایسی وصیت کر رہا ہے جو اس کے وارثوں کے لیے نقصان دہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس وصیت سننے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور اسے سمجھا بجھا کر راہِ راست کی طرف موڑ دے اور وہ اس کے وارثوں کو بھی اسی طرح دیکھے، جیسے وہ اپنے وارثوں کو دیکھنا اور انھیں ضائع ہونے سے بچانا پسند کرتا ہے۔ مجاہد اور کئی ایک دیگر ائمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[1]

صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کی میں کافی تکلیف میں ہوں اور بہت مال دار ہوں جبکہ میری ایک ہی بیٹی ہے۔[2] تو کیا میں اپنے مال کا دو تہائی حصہ صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: [لَا، قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَالثُّلُثُ ؟ قَالَ: الثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُونَ النَّاسَ] ’’نہیں، انھوں نے عرض کی: کیا میں اس کا نصف صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے عرض کی: ایک تہائی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، ایک تہائی صدقہ کر سکتے ہو اور ایک تہائی بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ تم اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انھیں فقیر چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔‘‘[3]

یتیم کا مال کھانے والے کے لیے وعید: اس آیت کریمہ ﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا ﴾ تا ﴿ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یتیموں کے مال کے نگران بننے میں اللہ سے ڈریں اور ان کا مال ان کے بڑے ہونے سے پہلے پہلے فضول خرچی میں اور جلدی جلدی ختم نہ کریں۔ اسے امام ابن جریر نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[4] یہ قول بھی درست معلوم ہوتا ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد ظلم سے یتیموں کے مال کھانے پر بہت وعید بیان کی گئی ہے۔ یعنی جس طرح تو یہ پسند کرتا ہے کہ تیرے بعد تیری اولاد سے اچھا معاملہ کیا جائے، اسی طرح تو بھی جب لوگوں کی اولاد کا والی بنے تو ان سے اچھا معاملہ کر، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص ظلم سے یتیموں کے مال کو کھاتا ہے تو درحقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ﴾ ’’جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد ہی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔‘‘ یعنی جب وہ یتیموں کے مال بلاسبب کھائیں گے تو وہ اپنے پیٹوں میں ایسی آگ بھریں گے جو قیامت کے دن بھڑکتی ہوگی۔

---

[1] تفسیر الطبری:4/358-360. [2] یہ انھوں نے اس وقت کہا تھا جب ان کی ایک ہی بیٹی تھی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا دی اور ان کے چار بیٹے اور بارہ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ازمنۃ المنعم شرح صحیح مسلم:3/88 . [3] صحیح البخاری، المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث: 4409 وصحیح مسلم، الوصیۃ، باب الوصیۃ بالثلث، حدیث: 1628. [4] تفسیر الطبری:4/361 .

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ

اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (وہ یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے

اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ

ترکے میں دو تہائی حصہ ہے، اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے، اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ

ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔

اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ

پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے

بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

بعد ہو گی تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ (یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪

ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ⑪

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ] ''سات تباہ کن چیزوں سے اجتناب کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (2) جادو (3) اس نفس کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو (4) سود کھانا (5) یتیم کے مال کو کھانا (6) جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور (7) پاکدامن، بھولی بھالی مومن عورتوں پر بہتان لگانا۔''[1]

تفسیر آیت: 11 [2]

تقسیم وراثت کا حکم اور علم وراثت کے سیکھنے کی ترغیب: یہ آیت کریمہ، اس کے بعد والی آیت اور اس سورت کی آخری آیت علم فرائض کی آیات ہیں۔ علم فرائض (میراث) انھی تین آیات سے مستنبط ہے، اس موضوع سے متعلق احادیث گویا ان تین آیات کی تفسیر ہیں، لہٰذا ہم یہاں انھی احادیث کو ذکر کریں گے جو ان آیات کی تفسیر سے گہرا تعلق رکھتی ہیں، علم فرائض کے سیکھنے کی ترغیب بھی بہت آئی ہے اور اس آیت میں جو فرائض بیان کیے گئے ہیں، وہ بہت اہم ہیں۔

① صحيح البخاري، الحدود، باب في المحصنٰت وقول الله عزوجل: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ......﴾ الآية (النور 4:24)، حديث: 6857 وصحيح مسلم ، الإيمان ، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ② اہم نوٹ: احکامِ وراثت سے متعلق مزید تفصیلات اور تحقیقی نقشہ کے لیے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ فرمائیں۔

آیت کے نزول کا سبب: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیدل چلتے ہوئے بنوسَلِمہ میں آ کر میری عیادت کی، رسول اللہ ﷺ جس وقت تشریف لائے میں بے ہوش تھا، آپ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور مجھ پر پانی کے چھینٹے مارے جس سے میں ہوش میں آ گیا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے مال کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ﴾ ”اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔“[1] اسی طرح اس روایت کو امام مسلم، نسائی اور محدثین کی ایک جماعت نے بھی ذکر کیا ہے۔[2]

سبب نزول کے بارے میں ایک دوسری حدیث: امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی، اپنی دو بیٹیاں جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی سے تھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو لڑکیاں ہیں، ان کا باپ آپ کی معیت میں احد میں شہید ہو گیا ہے۔ اور ان کے چچا نے ان کے مال کو لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اور جب ان کے پاس مال نہیں ہوگا تو ان سے نکاح کون کرے گا؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: [يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ، قَالَ: فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ، فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى عَمِّهِمَا فَقَالَ: أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ، وَأُمَّهُمَا الثُّمُنَ ، وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ] ”اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمائے گا تو راوی کا بیان ہے کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ میراث کو نازل فرما دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں لڑکیوں کے چچا کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچ جائے وہ تمھارے لیے ہے۔“[3] اس کے علاوہ اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا۔[4]

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی (اس حدیث سے) پہلی حدیث کے مطابق اس سورت کی آخری آیت نازل ہوئی تھی جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا[5] کیونکہ اس وقت ان کی بہنیں تھیں، بیٹیاں نہیں تھیں اور وہ کلالہ تھے لیکن

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ﴾ (النسآء 11:4)، حدیث: 4577 . [2] صحیح مسلم، الفرائض، باب میراث الکلالة، حدیث:(5)-1616 والسنن الکبرٰی للنسائی، الطب، باب عیادة المغمی علیه: 355/4، حدیث:7498 وسنن أبی داود، الفرائض، باب فی الکلالة، حدیث:2886 وجامع الترمذی، التفسیر، باب ومن سورة النسآء، حدیث:3015 وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب الکلالة، حدیث:2728 ومسند أبی یعلٰی:2018 لیکن بعض طرق میں ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ﴾ کے نزول کا ذکر ہے اور بعض میں ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ﴾ (النسآء 176:4) کا۔ [3] مسند أحمد:352/3 . [4] سنن أبی داود، الفرائض، باب ماجاء فی میراث الصلب، حدیث: 2891 وجامع الترمذی، الفرائض، باب ماجاء فی میراث البنات، حدیث:2092 وسنن ابن ماجه، الفرائض ، باب فرائض الصلب، حدیث:2720 . [5] دیکھیے النسآء، آیت:176 کے ذیل میں۔

اس حدیث کو ہم نے یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کی اتباع میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے بھی اس حدیث کو اسی مقام پر ذکر کیا ہے لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی دوسری حدیث اس آیت کریمہ: ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ...... ﴾ کے نزول سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ واللہ أعلم۔

ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تم کو ارشاد فرماتا ہے ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ان کے بارے میں عدل کا حکم دیتا ہے جب کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ سارا مالِ وراثت لڑکوں کو دے دیتے تھے اور لڑکیوں کو کچھ نہیں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اصل میراث میں ان سے یکساں سلوک کیا جائے، اور دونوں صنفوں میں اس اعتبار سے فرق رکھا کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر قرار دیا، اس لیے کہ نفقہ وخرچ مرد کے ذمے ہوتا ہے اور تجارت وکمائی اور تمام امور مشقت سے عہدہ برآ ہونا بھی اس کی ذمہ داری ہے، لہٰذا یہ بالکل مناسب ہے کہ اسے عورت سے دوگنا حصہ دیا جائے۔

اس آیت کریمہ سے بعض اہل دانش نے یہ استنباط کیا ہے کہ والد اپنی اولاد پر بھی اتنا رحم دل نہیں ہوتا جتنا رحم دل اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر ہے، اسی لیے اس نے والدین کو اپنی اولاد کے بارے میں وراثت کا یہ حکم نامہ جاری فرمایا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ والدین کی نسبت ان کے لیے زیادہ رحمت وشفقت فرمانے والا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے جب ایک قیدی عورت کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی ہے تو اچانک اس نے جب اسے قیدیوں میں تلاش کر لیا تو اسے پکڑ لیا، اپنے سینے سے لگا لیا اور دودھ پلانا شروع کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: [أَ تُرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا، وَ هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهٗ ؟ فَقَالَ: لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا] ''تمھاری کیا رائے ہے، کیا یہ عورت اپنے اس بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کی: نہیں، جبکہ یہ اس کو نہ پھینکنے کی طاقت بھی رکھتی ہو تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس قدر یہ عورت اپنے بچے کے لیے رحم دل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی کہیں بڑھ کر رحمت وشفقت فرمانے والا ہے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اسی مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس قول کو بیان کیا ہے کہ مال اولاد کے لیے تھا اور وصیت والدین کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جس کو چاہا منسوخ کر دیا، اور لڑکے کے حصے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر قرار دے دیا، اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا اور تیسرا حصہ مقرر کیا، بیوی کے لیے آٹھواں اور چوتھا حصہ اور شوہر کے لیے نصف اور چوتھا حصہ۔[2]

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث:5999 وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة اللّٰه تعالٰی ......، حديث:2754 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ﴾ (النسآء4:12)، حديث:4578 .

جب صرف بیٹیاں ہی وارث ہوں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ ''پھر اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی ہے۔'' بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ﴿فَوْقَ﴾ کا لفظ یہاں زائد ہے اور اصل یہ ہے کہ اگر لڑکیاں دو ہوں جیسا کہ ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ (الأنفال 12:8) میں فوق زائد ہے لیکن یہ بات نہ یہاں درست ہے اور نہ وہاں کیونکہ یہ محال ہے کہ قرآن میں کوئی ایک ایسا حرف بھی ہو جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

اور اگر ان کی بات درست ہوتی تو پھر یہاں ﴿فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ کے بجائے [فَلَهُمَا ثُلُثَا مَا تَرَكَ] کے الفاظ ہونے چاہئیں تھے۔ دو بیٹیوں کے لیے دو ثلث کا حکم ایک دوسری آیت سے مستنبط کیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ دو بہنوں کا حصہ دو ثلث ہے۔[1] لہٰذا اگر دو بہنیں دو ثلث کی وارث ہیں تو دو بیٹیاں دو ثلث کی بطریق اولیٰ وارث ہوں گی جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیوں کے لیے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ ان کے لیے دو ثلث ہے۔[2] لہٰذا یہ حکم کتاب و سنت سے ثابت ہو گیا، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ''اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ نصف ہے۔'' اور اگر دو بیٹیوں کے لیے بھی نصف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی بیان فرما دیتے اور جب یہ حکم صرف ایک لڑکی کے لیے بیان فرمایا ہے، تاہم معلوم ہوا کہ دو بیٹیاں بھی تین کے حکم میں ہیں۔ واللہ أعلم.

والدین کا حصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ ''اور میت کے ماں باپ کا، یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ ہے۔'' والدین کے وراثت میں کئی حالات ہوتے ہیں:

(1) اولاد کے ساتھ والدین بھی شریک ہوں تو اس صورت میں والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہو گا۔ اور اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا نصف حصہ ہو گا، اور والدین میں سے ہر ایک کا چھٹا اور عصبہ ہونے کی وجہ سے دوسرا چھٹا حصہ بھی باپ کے لیے ہو گا، اس حالت میں وہ گویا اصحاب الفروض میں سے بھی ہو گا اور عصبہ بھی۔

(2) صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس حالت میں ماں کا حصہ ایک ثلث ہو گا اور باقی سارا عصبہ ہونے کی وجہ سے باپ کا ہو گا، اس حالت میں اسے ماں سے گویا دو گنا حصہ ملا، یعنی دو ثلث اور اس حالت میں اگر میت کا شوہر یا بیوی بھی ہو تو شوہر کا نصف اور بیوی کا چوتھا حصہ ہو گا۔ ان دونوں صورتوں میں شوہر اور بیوی کے حصے کے بعد باقی میں سے ثلث ماں کا ہو گا کیونکہ شوہر اور بیوی کے حصے کے بعد ان کی نسبت سے ساری میراث گویا یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ماں کا حصہ باپ کے حصے سے نصف رکھا ہے، لہٰذا باقی ماندہ مال کا ایک ثلث ماں اور دو ثلث باپ کا ہو گا۔

(3) جب والدین بھائیوں کے ساتھ شریک میراث ہوں بھائی، خواہ ماں باپ کی طرف سے ہوں یا صرف باپ کی طرف

---

[1] یہ حکم آیت: ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ﴾ (النسآء 176:4) میں ہے۔ [2] دیکھیے النسآء، آیت: 11 کی تفسیر۔

سے یا صرف ماں کی طرف سے تو انھیں باپ کی موجودگی میں کچھ نہیں ملے گا، البتہ وہ ماں کے لیے ضرور رکاوٹ بنیں گے اور ان کی موجودگی میں ماں کو ثلث کے بجائے چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ماں اور باپ کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو تو ماں کے بعد جو باقی بچے گا وہ باپ کا ہوگا۔ اور اس مذکورہ بالا صورت میں دو بھائیوں کا حکم بھی جمہور کے نزدیک وہی ہے جو دو سے زیادہ بھائیوں کا ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے ﴿ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ﴾ ''پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔'' کے بارے میں قتادہ کا قول بیان کیا ہے کہ انھوں نے ماں کے حصے میں کمی تو کی لیکن وہ وارث نہیں ہوں گے۔ اور ایک بھائی ثلث میں ماں کے لیے حاجب نہیں بنتا اور تعداد اس سے اوپر ہو تو حجبِ نقصان، یعنی ماں کے حصے میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔ اہل علم کی رائے یہ ہے کہ بھائی ماں کے لیے ثلث سے اس لیے حاجب بنتے ہیں کہ بچوں کے نکاح اور دیگر اخراجات وضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ داری باپ کی ہے،[1] ماں کی نہیں اور یہ ایک اچھی رائے ہے۔

میراث سے قرض اور وصیت مقدم ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ ''(اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی۔)''

علمائے سلف وخلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرض کو ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ کے بغور جائزے سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کیونکہ اگر قرض تمام ترکے سے زیادہ ہو تو نہ وصیت پر عمل ہو سکے گا اور نہ وراثت تقسیم ہوگی۔ فرمانِ الٰہی: ﴿ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ﴾ ''تم کو معلوم نہیں کہ تمھارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔'' یعنی ہم نے باپ دادوں اور بیٹوں کے حصے مقرر کر دیے ہیں اور اصل میراث میں ہم نے سب کو مساوی رکھا ہے، برخلاف اس کے جو زمانۂ جاہلیت میں یا ابتدائے اسلام میں تھا کہ مال تو اولاد کے لیے ہوتا اور والدین کے لیے وصیت ہوتی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[2]

اب اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر کے ان میں سے ہر ایک کا باقاعدہ حصہ مقرر کر دیا ہے کیونکہ انسان کو کبھی دینی یا اخروی یا دونوں ہی فائدے باپ سے تو حاصل ہوتے ہیں مگر بیٹے سے نہیں اور کبھی یہ فوائد بیٹے سے تو حاصل ہوتے ہیں مگر باپ سے نہیں اسی لیے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ تمھارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے۔ یعنی ان میں سے جیسے ایک سے فائدے کی امید اور توقع ہے، ایسے ہی دوسرے سے بھی ہے۔ اسی لیے ہم نے ان میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اور اصل میراث میں ان دونوں قسموں کو برابر کا شریک رکھا ہے۔ وَاللّٰہ أعلم.

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم :883/3 . [2] دیکھیے النسآء، آیت: 11 کے ذیل میں۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

اور تمھاری بیویوں کے ترکے میں تمھارا آدھا حصہ ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں تمھارا چوتھا حصہ ہے۔

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا

(یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر

تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ

اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی اور اگر وہ

بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ

آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو،اس کا بیٹا ہو نہ باپ ، یا ایسی ہی عورت ہو،اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں

اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ

میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔

فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

(یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿12﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے ﴿12﴾

﴿ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''(یہ حصے) اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔'' یعنی یہ جو ہم نے میراث کی تفصیل ذکر کی ہے اور بعض وارثوں کو بعض سے زیادہ حصہ دے دیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کا حکم دیا ہے اور فیصلہ فرمایا ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (النسآء 26:4) یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو اپنے اپنے مقام پر رکھتا ہے اور ہر ایک کو وہ دیتا ہے جس کا وہ حسبِ حال مستحق ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿11﴾ ﴾ ''بلاشبہ اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

تفسیر آیت:12

شوہر اور بیوی کی میراث: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مردو! جو مال تمھاری عورتیں چھوڑ مریں، اگر ان کے اولاد نہ ہو تو اس میں سے نصف حصہ تمھارا اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمھارا حصہ چوتھائی ہے لیکن یہ تقسیم وصیت کی تعمیل کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرض کے ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمے ہو، کی جائے گی۔ اور یہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ قرض کا ادا کرنا وصیت سے مقدم ہوگا، پھر وصیت کی تعمیل کی جائے گی۔ اس کے بعد وراثت کی تقسیم ہوگی۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ پوتوں اور پڑپوتوں کا حکم بھی اس سلسلے میں وہی ہے جو صلبی اولاد کا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ ﴾

’’اور جو مال تم مرد چھوڑ مرو تو تمھاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ ہے اگر تمھاری اولاد نہ ہو، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ ہے۔‘‘ اس چوتھے اور آٹھویں حصے میں تمام بیویاں شریک ہوں گی، خواہ وہ ایک ہو یا دو یا تین یا چار۔ ﴿مِّنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ﴾ اس کے بارے میں بحث (آیت:11 کے تحت) ہو چکی ہے۔

کلالہ کی تعریف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً﴾ ’’اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کا باپ ہو نہ بیٹا۔‘‘ کلالہ کا لفظ اِکْلِیل سے مشتق ہے اور یہ اس تاج کو کہتے ہیں جو سر کو تمام اطراف سے گھیرے ہوئے ہو اور یہاں وہ شخص مراد ہے جس کا اصول و فروع میں سے کوئی وارث نہ ہو لیکن دیگر ورثاء اسے دوسری جوانب سے گھیر لیں، یعنی اس کے وارث اس کے بھائی بہن ہوں جیسا کہ شعبی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ آپ سے کلالہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں، میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں، اگر میرا جواب صحیح ہوا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر یہ غلط ہوا تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔ کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو فرمایا مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا آتی ہے۔[1] اس روایت کو امام ابن جریر اور دیگر کئی ائمہ نے بیان فرمایا ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں وہ سب سے آخری انسان تھا جس نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تھی، میں نے اس ملاقات میں آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے، میں نے عرض کی: آپ نے کیا فرمایا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔[2] حضرت علی بن ابوطالب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[3] اور کئی ایک صحیح سندوں سے حضرت ابن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] امام شعبی، نخعی، حسن بصری، قتادہ، جابر بن زید اور حکم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] اہل مدینہ اور اہل کوفہ و بصرہ کا بھی یہی قول ہے، نیز فقہائے سبعہ، ائمہ اربعہ اور جمہور بلکہ تمام سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے۔ اور کئی ایک اہل علم نے فرمایا ہے کہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔[6]

ماں جائے بھائیوں کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوۡ أُخۡتٌ﴾ ’’اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو۔‘‘ یعنی ماں کی طرف سے جیسا کہ بعض سلف کی قراءت میں ہے جن میں سے حضرت سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔[7] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے جیسا کہ امام قتادہ نے آپ کی روایت کو بیان کیا ہے۔[8] ﴿فَلِكُلِّ

[1] تفسیر الطبری:376/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:887/3 والمستدرك للحاكم، التفسیر، سورۃ النسآء:303/2, 304. [3] الدر المنثور:443/3. [4] تفسیر الطبری:377/4. [5] تفسیر الطبری:377/4-379. [6] تفسیر الطبری: 377/4. [7] تفسیر القرطبی:78/5 حضرت سعد بن ابووقاص کی قراءت یہ ہے: [وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ مِّنْ أُمِّهِ]. [8] تفسیر الطبری:381/4 اور یہ قول قتادہ ہی کا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

یہ اللہ کی حدیں ہیں، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑬ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے⑬ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے نکلے گا تو اللہ اسے

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑭ ع

آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے⑭

﴿وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ﴾ ''تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔''

ماں کی طرف سے بھائیوں کا حکم کئی اعتبار سے دیگر وارثوں سے مختلف ہے، مثلاً: (1) یہ اُس کی موجودگی میں بھی وارث ہوتے ہیں جس کی وجہ سے یہ میت کی طرف منسوب ہیں اور وہ ماں ہے (2) میراث میں ان بھائیوں اور بہنوں کا حصہ ایک جیسا ہے۔ (3) یہ صرف اسی صورت میں وارث ہوتے ہیں جب میت کلالہ ہو، باپ، دادا، بیٹا اور پوتا کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوں گے۔ (4) خواہ ان بھائیوں اور بہنوں کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، انھیں وراثت میں ایک تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ملتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ﴾ ''(یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت و قرض بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو (تقسیم کیے جائیں گے۔)'' تاکہ وصیت عدل پر مبنی ہو، نقصان اور ظلم پر مبنی نہ ہو کہ اس میں بعض وارثوں کو محروم کر دیا گیا ہو یا ان کے حصوں میں کمی بیشی کر دی گئی ہو، اگر کوئی شخص ایسا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تقسیم کی مخالفت کرتا ہے۔

یاد رہے صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 14,13

وراثت میں حدود سے تجاوز پر وعید: یعنی یہ وہ حصے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے لیے، ان کی میت سے قرابت، ان کی ضرورت اور میت کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی ضرورت کے پورا نہ ہونے کے سبب مقرر فرما دیے ہیں تو یہ احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں، لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس

[1] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث: 2870 عن أبي أمامة رضي الله عنه. وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث: 2121 وسنن النسائي، الوصايا، باب إبطال الوصية للوارث، حديث: 3673 عن عمرو بن خارجة رضي الله عنه. وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث: 2713 عن أبي أمامة رضي الله عنه.

کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا۔‘‘ یعنی ان حدود میں اور کسی بھی حیلے اور وسیلے سے کسی بھی وارث کے حصے میں کمی بیشی نہیں کرے گا بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کے فریضے اور اس کی مقرر کردہ تقسیم کے مطابق چھوڑ دے گا ﴿ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿13﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿14﴾ ﴾ ’’اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔‘‘ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا، اس کے حکم کی مخالفت کی اور ایسا اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہ ہو، لہٰذا اس کی سزا یہ ہوگی کہ اسے دردناک اور ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً ، فَإِذَا أَوْصٰى حَافَ فِي وَصِيَّتِهٖ ، فَيُخْتَمُ لَهٗ بِشَرِّ عَمَلِهٖ ، فَيَدْخُلُ النَّارَ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً ، فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهٖ فَيُخْتَمُ لَهٗ بِخَيْرِ عَمَلِهٖ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ] ’’ایک شخص ستر سال تک نیک لوگوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں جب وصیت کرتا ہے تو وصیت میں ظلم سے کام لیتا ہے، چنانچہ اس کے اس برے عمل پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص ستر سال تک برے لوگوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے لیکن آخر میں اپنی وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کے اس نیک عمل پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور یہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔‘‘

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو فرمان باری تعالیٰ ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ ﴾ تا ﴿ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿14﴾ ﴾ پڑھ لو۔[1]

امام ابوداود نے اپنی سنن کے بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْإِضْرَارِ فِي الْوَصِيَّةِ (وصیت میں نقصان پہنچانے کی کراہت) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ أَوِ الْمَرْأَةَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّينَ سَنَةً، ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ، فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ، فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ] ’’ایک مرد یا عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتے رہتے ہیں اور جب انھیں موت آتی ہے تو وصیت میں یہ کمی بیشی کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتا ہے۔‘‘

راوی کا بیان ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ ﴾ حتی کہ آپ ﴿ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿13﴾ ﴾ تک پہنچ گئے۔[2]

[1] مسند أحمد: 278/2 . [2] سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في كراهية الإضرار في الوصية، حديث: 2867 .

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں، تو تم ان پر اپنے میں سے چار مرد گواہ ٹھہرا لو، پھر اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں

شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮

کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انھیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے⑮ اور تم میں سے جو دو بے حیائی

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کا کام کریں، تو ان کو ایذا دو ، پھر اگر وہ توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔ بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا،

كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯

بڑا مہربان ہے⑯

اسی طرح امام ترمذی وابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے جبکہ امام احمد کا سیاق زیادہ کامل اور اکمل ہے۔

تفسیر آیات:16,15

بدکار عورت کو گھر میں قید کرنے کا حکم، پھر اس حکم کی منسوخی: ابتدائے اسلام میں حکم یہ تھا کہ جب کوئی عورت بدکاری کرے اور عادلانہ گواہی سے اس کی بدکاری ثابت ہوجائے تو اسے گھر میں قید کردیا جائے اور موت تک گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ⑮﴾ ''(مسلمانو!) اور تمھاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کربیٹھیں، ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو، اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کردے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور سبیل (پیدا) کرے۔'' اللہ تعالیٰ نے جو سبیل پیدا کی وہ ہے جس نے اس حکم کو منسوخ کردیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ نور کے نازل ہونے تک یہی حکم تھا، پھر اسے اللہ تعالیٰ نے کوڑوں یا رجم کے حکم سے منسوخ کردیا۔[2]

حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، عطاء خراسانی، ابوصالح، قتادہ، زید بن اسلم اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔[3] اور یہ بات متفق علیہ ہے۔[4]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو وہ

① جامع الترمذی، الوصایا، باب ماجاء فی الضرار فی الوصیة، حدیث: 2117 وسنن ابن ماجه، الوصایا، باب الحیف فی الوصیة، حدیث:2704 . ② تفسیر الطبری:388/4 . ③ تفسیر الطبری:388/4 وتفسیر ابن أبی حاتم: 894/3 . ④ تفسیر الرازی:232/9 .

آپ پر اثر انداز ہوتی، آپ اس سے تکلیف محسوس فرماتے اور آپ کے چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دن آپ پر وحی نازل فرمائی اور جب وحی کے نزول کے وقت کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپ نے فرمایا: [خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ، وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ، اَلثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ وَّرَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ، وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ نَفْيُ سَنَةٍ] ''مجھ سے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سبیل پیدا فرما دی ہے، اگر شادی شدہ مرد، شادی شدہ عورت کے ساتھ اور کنوارا کنواری کے ساتھ بدکاری کرے تو شادی شدہ (مرد وعورت) کے لیے سو کوڑے اور پتھروں کے ساتھ رجم کرنا ہے اور کنوارے کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلا وطنی ہے۔''[1]

امام مسلم اور اصحاب سنن نے کئی سندوں سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُذُوا عَنِّي فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّ(تَغْرِيبُ عَامٍ)، وَّالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَّالرَّجْمُ] ''مجھ سے احکام سیکھ لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سبیل پیدا فرما دی ہے، کنوارا کنواری کے ساتھ بدکاری کرے تو ان (میں سے ہر ایک) کے لیے سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ بدکاری کرے تو ان (میں سے ہر ایک) کے لیے سو کوڑے اور رجم ہے۔''[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا﴾ ''اور جو دو تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ انھیں گالی دے کر، عار دلا کر اور جوتوں سے مار کر ایذا دو۔[3] یہ حکم اسی طرح تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوڑوں یا رجم کے حکم سے منسوخ کر دیا۔[4] اور عکرمہ، عطاء، حسن اور عبداللہ بن کثیر نے کہا ہے کہ یہ آیت مرد اور عورت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب وہ زنا کریں۔[5] اور امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دو مردوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنس پرستی کا ارتکاب کریں۔[6] واللّٰه أعلم.

اہل سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ وَّجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ، فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ] ''جنھیں قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول کو قتل کر دو۔''[7]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکو کار ہو جائیں'' یعنی اس برے عمل کو ترک

---

[1] مسند أحمد:318/5. [2] صحيح مسلم، الحدود، باب حد الزنى، حديث:1690 ومسند أبي عوانة، الحدود، بيان الخبر الموجب على الزاني الثيب ......، حديث:6251 وسنن أبي داود، الحدود، باب في الرجم، حديث:4415 وجامع الترمذي، الحدود، باب ما جاء في الرجم على الثيب، حديث:1434 والسنن الكبرٰى للنسائي، الرجم، عقوبة الزاني الثيب......:270/4، حديث:7143 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب حد الزنا، حديث:2550. [3] تفسير الطبري:393/4 وتفسير ابن أبي حاتم:896/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:895/3. [5] تفسير الطبري: 391/4. [6] تفسير الطبري:391/3. [7] سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث:4462 وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، حديث:1456 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حديث:2561 ومسند أحمد:300/1.

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ

اللہ تو صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے برا کام کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، چنانچہ اللہ ان کی توبہ

فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑰ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

قبول کر لیتا ہے، اور اللہ بہت جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے ⑰ اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں،

لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے، تو وہ کہتا ہے: بے شک اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے

الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑱

جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں، ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ⑱

کر کے اعمال صالحہ کو اختیار کر لیں ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ ''تو ان کا پیچھا چھوڑ دو'' اور بری بات کر کے انھیں تکلیف نہ دو کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہی نہیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ⑯﴾ ''بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے: [إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ (فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا) فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا] ''جب تم میں سے کسی کی باندی بدکاری کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو وہ اسے حد لگا دے، پھر اسے عار نہ دلائے۔''[1] یعنی حد لگانے کے بعد، جو اس کے گناہ کا کفارہ ہے، اس کے اس فعل کی وجہ سے اسے عار نہ دلائے۔

تفسیر آیات: 18,17

جان کنی سے پہلے پہلے توبہ کی قبولیت: اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے جو نادانی سے برا عمل کر بیٹھتا ہے، پھر توبہ کر لیتا ہے لیکن ملک الموت کے مشاہدے سے پہلے پہلے۔ حضرت مجاہد اور دیگر کئی ائمہ نے کہا ہے کہ جو شخص بھی غلطی سے یا جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے، وہ جاہل ہے حتی کہ وہ اس گناہ سے رک جائے۔[2] قتادہ نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ انسان جو بھی گناہ کرتا ہے وہ جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔[3] امام عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ ہمیں معمر نے قتادہ سے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابۂ کرام کی یہ متفقہ رائے تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی، خواہ وہ قصد و ارادہ سے کی جائے یا کسی اور طرح سے وہ جہالت ہے۔[4] ابن جریج فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن کثیر نے حضرت مجاہد کے حوالے سے یہ خبر دی ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی معصیت کا کوئی کام کرتا ہے تو وہ یہ کام کرتے ہوئے جاہل ہوتا ہے۔[5] ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ

① صحيح البخاري، البيوع، باب بيع المدبّر، حديث: 2234 وصحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود......، حديث: 1703 عن أبي هريرة رضي الله عنه . ② تفسير الطبري: 395/4 وتفسير ابن أبي حاتم: 897/3 . ③ تفسير الطبري: 395/4 . ④ تفسير الطبري: 395/4 . ⑤ تفسير الطبري: 396/4 .

انسان کی جہالت ونادانی کی بات ہے کہ وہ برا عمل کرتا ہے۔[1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ ﴾ ''پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں۔'' سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب سے لے کر ملک الموت کے نظر آنے سے پہلے پہلے جب بھی توبہ کر لی جائے تو وہ ﴿ قَرِيبٍ ﴾ ''جلد'' ہی ہے۔[2] ضحاک فرماتے ہیں کہ جو موت سے پہلے پہلے ہو وہ قریب ہی ہے۔[3]

امام حسن رحمہ اللہ بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نزع کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لے۔[4]

عکرمہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری زندگی قریب ہے۔[5]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ] ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کو اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک موت کے وقت روح حلق میں نہ پہنچ جائے۔''[6] اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[7] امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ وہم ہے کیونکہ اصل راوی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔[8]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝١٧ ﴾ ''پس ایسے لوگوں پر اللہ مہربانی کرتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔'' لیکن انسان جب زندگی سے مایوس ہو جائے، ملک الموت کا مشاہدہ کر لے، روح حلق میں پہنچ جائے، سینہ تنگ ہو جائے، اور سانس لڑکھڑانے لگے، پھر اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اب توبہ کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ ﴾ ''اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ موجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔'' یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ۝ ﴾ (المؤمن 85,84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جنھیں ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انھیں ان کے ایمان لانے نے کوئی نفع نہ دیا، یہی اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزرا، اور اس عذاب کے وقت کافروں نے

---

[1] تفسیر الطبری:396/4. [2] تفسیر الطبری:398/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:898/3. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 899/3. [5] تفسیر الطبری:399/4. [6] مسند أحمد:132/2. [7] جامع الترمذی، الدعوات، باب:[إن اللّٰہ یقبل توبة العبد مالم یغرغر]، حدیث:3537 وسنن ابن ماجه، الزھد، باب ذکر التوبة، حدیث:4253. [8] اس وہم کی صراحت امام ذہبی نے السیر:160/5 میں اور امام مِزّی نے تحفة الأشراف:55,54/5 میں کی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ، اور تم انھیں (اس مقصد سے) نہ روک رکھو

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ

کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو، مگر اس صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) کہ اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا

اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔ پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت

كَثِيْرًا ⑲ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

بھلائی ڈال دے⑲ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو، اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ

سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟⑳ اور تم مہر میں سے کیسے واپس لو گے

اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ

حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہے؟㉑ اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے

اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ㉒ ع 3/8/14

نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے گزر گیا سو گزر گیا بے شک یہ بے حیائی کا کام، ناراضی کی بات اور برا طریقہ ہے㉒

خسارہ اٹھایا۔‘‘

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فیصلہ فرما رکھا ہے کہ وہ اس وقت اہل زمین کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا جب وہ سورج کو مغرب سے طلوع ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ ﴾ (الأنعام6:158) ’’جس روز تمھارے پروردگار کی نشانیاں آجائیں گی، چنانچہ جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہیں ہوگا۔)‘‘

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ ﴾ ’’اور نہ ان کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں۔‘‘ یعنی کافر جب کفر و شرک کی حالت میں مرے تو اس کی ندامت اور توبہ اسے کچھ فائدہ نہ دے گی اور نہ اس سے زمین بھر فدیہ ہی قبول کیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ اور ربیع فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1]

امام احمد نے اسامہ بن سلمان سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] تفسير ابن أبي حاتم:3/901 .

[إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ عَبْدِهِ أَوْ يَغْفِرُ لِعَبْدِهِ مَا لَمْ يَقَعِ الْحِجَابُ، قِيلَ: وَمَا وُقُوعُ الْحِجَابِ ؟ قَالَ: تَخْرُجُ النَّفْسُ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ] ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ اپنے بندے کو معاف فرما دیتا ہے جب تک حجاب واقع نہ ہو، عرض کی گئی کہ وقوعِ حجاب سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ جب جان نکلے تو وہ مشرک ہو۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴾ ''ایسے لوگوں کے لیے ہم نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی جو شدید طور پر اذیت ناک ہوگا اور ہمیشہ کے لیے بھی ہوگا۔

تفسیر آیات:19-22

عورتوں کے زبردستی وارث بننے کے معنی: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے وارث اس کی بیوی کے زیادہ حق دار ہوتے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو خود اس سے شادی کر لیتا اور اگر وہ چاہتے کسی اور سے اس کی شادی کر دیتے اور اگر وہ چاہتے تو کسی سے بھی اس کی شادی نہ کرتے۔ بہر حال وہ اس عورت کے اہل خانہ سے اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھتے تھے، چنانچہ اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ﴾ ''مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔''[2]

عورتوں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ ﴾ ''اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انھیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔'' یعنی زندگی بسر کرنے میں انھیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤ تاکہ تم نے انھیں جو مہر دیا اسے یا اس کے کچھ حصے کو چھوڑ دیں یا اپنے حقوق میں سے کسی حق سے دستبردار ہو جائیں یا تمھاری زبردستی کی وجہ سے وہ اس طرح کی کسی اور چیز کو تمھارے لیے چھوڑ دیں۔ ﴿ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ﴾ ''ہاں، اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے ایک روایت کے مطابق، سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، محمد بن سیرین، سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ رحمہ اللہ (سے ایک روایت کے مطابق) عطاء خراسانی، ضحاک رحمہ اللہ (سے ایک روایت کے مطابق) ابوقلابہ، ابوصالح، سدی، زید بن اسلم اور سعید بن ابو ہلال فرماتے ہیں کہ کھلے طور پر بدکاری سے مراد زنا ہے۔[3] یعنی اگر وہ زنا کی مرتکب ہو تو تم اس سے وہ مہر واپس لے سکتے ہو جو تم نے اسے دیا ہو، تم اس پر سختی کر سکتے ہو حتی کہ وہ اسے تمھارے لیے چھوڑ دے، اس صورت میں تم اس سے علیحدگی بھی اختیار کر سکتے ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ﴾ (البقرة 2:229)

''اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں، اگر زن وشو کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم

[1] مسند أحمد:174/5 وكشف الأستار:78/4، حديث:3241 . [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ﴾ (النسآء4:19)، حديث:4579 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:904/3 وتفسير الطبري: 411/4 .

نہیں رکھ سکیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ کھلم کھلا بدکاری سے مراد عورت کی طرف سے زیادتی اور نافرمانی ہے۔[1]

امام ابن جریر نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ یہ الفاظ عام ہیں اور زنا، نافرمانی، زیادتی اور بدزبانی وغیرہ سب کو شامل ہیں، یعنی یہ سب کام ایسے ہیں جن کی وجہ سے عورت کو تنگ کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ اپنے سارے یا بعض حق سے دستبردار ہو جائے، اس صورت میں شوہر اس سے علیحدگی بھی اختیار کرسکتا ہے۔[2] امام ابن جریر کا یہ موقف بہت اچھا ہے۔ واللہ أعلم.

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ''اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔'' یعنی ان سے شائستہ انداز میں بات کرو، اچھے اچھے کام کرو اور مقدور بھر کوشش کر کے اپنی شکل وصورت کو بھی اچھا بناؤ جیسا کہ تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تمھاری بیوی تم سے احسن انداز میں اور اچھی شکل وصورت میں پیش آئے، تم بھی اس کے سامنے اسی طرح کا مظاہرہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرۃ 228:2) ''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔)''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي] ''تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تمھاری نسبت بہت اچھا ہوں۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک یہ بھی تھی کہ آپ اہل خانہ کے ساتھ خوب صورت انداز میں زندگی بسر فرماتے، ہمیشہ تبسم فرماتے رہتے، اہل خانہ سے خوش طبعی سے پیش آتے، ان سے لطف وکرم کا معاملہ فرماتے، نان ونفقہ میں وسعت رکھتے، ازواج مطہرات کو ہنساتے حتی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل جوئی کے لیے ان سے دوڑ بھی لگا لیتے۔

ام المؤمنین بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دوڑ کا مقابلہ فرمایا تو میں آپ سے سبقت لے گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب میرا جسم ابھی بھاری نہیں ہوا تھا، جسم بھاری ہونے کے بعد ایک بار پھر مقابلہ ہوا، چنانچہ آپ نے سبقت فرمالی ساتھ ہی فرمایا: [هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ] ''یہ تمھاری اس سبقت کا جواب ہے۔''[4]

تمام ازواج مطہرات ہر رات اس ام المؤمنین کے گھر میں جمع ہو جاتیں جس کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے شب بسر فرمانا ہوتی تھی۔ آپ بسا اوقات رات کا کھانا ان کے ساتھ مل کر تناول فرماتے، پھر ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے حجرے میں چلی جاتی۔ آپ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ہی بستر میں آرام فرما لیا کرتے تھے۔[5] آرام فرماتے وقت مبارک شانوں سے چادر اتار دیتے اور تہ بند ہی کے ساتھ سو جاتے، نماز عشاء سے فراغت کے بعد کاشانۂ نبوت میں تشریف

---

[1] تفسیر الطبری:411/4 و تفسیر ابن أبی حاتم:904/3 . [2] تفسیر الطبری:412/4 . [3] جامع الترمذی، المناقب، باب فضل أزواج النبی ﷺ، حدیث:3895 عن عائشة رضی اللہ عنہا. اور دیکھیے السلسلة الصحیحة ، حدیث:285 . [4] اس کا پہلا حصہ، یعنی ''......سبقت لے گئی'' سنن ابن ماجه، النکاح، باب حسن معاشرة النساء، حدیث:1979 اور آخری حصہ سنن أبی داود، الجهاد، باب فی السبق علی الرّجل، حدیث:2578 کے مطابق ہے۔ [5] دیکھیے صحیح البخاری، الحیض، باب النوم مع الحائض ...... ، حدیث:322 و مسند أحمد:332/6 .

لے آتے اور محواستراحت ہونے سے پہلے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر گفتگو بھی فرماتے تاکہ انس ومحبت کا اظہار ہو سکے۔[1]
جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب 21:33) ”تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۝۱۹ ﴾ ”پھر اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔“ یعنی ہوسکتا ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود تمھارا انھیں اپنے پاس رکھنا اور صبر کا مظاہرہ کرنا دنیا وآخرت میں خیر کثیر کا سبب بن جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ شوہر بیوی سے شفقت کا سلوک کرے اور اللہ تعالیٰ اسے اس کے بطن سے بیٹا عطا فرما دے اور یہ بیٹا خیر کثیر کا ذریعہ ثابت ہو۔

صحیح حدیث میں ہے: [لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَةً ، إِنْ (سَخِطَ) مِنْهَا خُلُقًا رَّضِيَ مِنْهَا آخَرَ] ”کوئی مومن اپنی مومنہ بیوی سے بغض نہ رکھے، ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی ایک بات ناراضی کا سبب ہو تو دوسری بات خوشی کا سبب بن جائے۔“[2]

مہر واپس لینے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا۝۲۰ ﴾ ”اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ بھلا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟“ یعنی جب تم میں سے کوئی یہ چاہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور اس کی جگہ کسی اور بیوی کو لے آئے تو اس نے اپنی اس پہلی بیوی کو جو مہر دیا تھا اسے واپس نہ لے، خواہ اس نے بہت سا مال ہی کیوں نہ دیا ہو۔ لفظ قِنْطَار کے بارے میں ہم قبل ازیں سورۂ آل عمران میں مفصل بحث کر آئے ہیں[3] کہ یہ کس مقدار کا حامل ہے! لہٰذا اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ بطورِ مہر بہت سا مال دینا بھی جائز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کثرتِ مہر سے منع کر دیا تھا لیکن پھر اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو العَجْفاء سُلَمِی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ لوگو! عورتوں کے بہت زیادہ مہر نہ باندھو، لوگو! عورتوں کے بہت زیادہ مہر نہ باندھو، اگر یہ بات دنیا میں باعث عزت یا اللہ تعالیٰ کے ہاں تقوے کا سبب ہوتی تو اس کے زیادہ حق دار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک کا مہر بارہ اوقیے چاندی (480 درہم[4] یعنی 146.88 گرام تقریباً) سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے کسی کا بھی حق مہر بارہ اوقیے چاندی سے زیادہ مقرر کیا

---

[1] دیکھیے صحیح البخاری، حدیث: 4569. [2] صحیح مسلم، الرضاع، باب الوصیة بالنساء، حدیث: 1467 ومسند أحمد: 329/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. لیکن ان دونوں میں: [سَخِطَ] کے بجائے [كَرِهَ] ہے۔ [3] دیکھیے آل عمران، آیت: 14 کے ذیل میں۔ [4] امام ترمذی نے اس کو حدیث: 1114 کے بعد ذکر کیا ہے۔

گیا تھا۔ بسا اوقات ایک شخص اپنی بیوی کے مہر کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اس سے عداوت بھی ہو جاتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے تو تیری ایک ایک سہولت کی خاطر بہت مشقت اٹھائی۔[1] اسے امام احمد اور اہل سنن نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔[2] اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔

حافظ ابو یعلیٰ نے مسروق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور آپ نے فرمایا: لوگو! تم عورتوں کو مہر بہت زیادہ دینے لگے ہو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مہر چار سو درہم یا اس سے بھی کم دیے تھے اور اگر زیادہ مہر دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں تقوے یا عزت کی بات ہوتی تو پھر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے سبقت نہیں لے جا سکتے، لہٰذا میں اب کوئی ایسا شخص نہ دیکھوں جو اپنی بیوی کو چار سو درہم سے زیادہ مہر دے۔ آپ نے یہ فرمایا اور منبر سے اتر آئے تو اس پر ایک قریشی عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ نے لوگوں کو منع فرما دیا ہے کہ وہ عورتوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ دیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو اس عورت نے کہا: کیا آپ نے نہیں سنا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے کہ ﴿وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا﴾ ”اور تم نے ان میں سے کسی ایک کو بہت سا مال دیا ہو۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سن کر کہا کہ اے اللہ! میں معافی چاہتا ہوں، عمر سے تو سب لوگ زیادہ فقیہ ہیں۔ پھر آپ دوبارہ منبر پر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ میں نے تم کو منع کر دیا تھا کہ عورتوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ دو لیکن میں اب یہ کہتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص اپنے مال میں سے جس قدر چاہے مہر دے سکتا ہے۔[3]

حافظ ابو یعلیٰ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جو شخص خوش دلی سے زیادہ مہر دینا چاہے تو وہ دے سکتا ہے۔ اس روایت کی سند جید اور قوی ہے۔

﴿وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ یعنی تم عورت سے مہر کس طرح لے سکتے ہو، حالانکہ تم اس سے اور وہ تم سے صحبت کر چکی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہاں اس (اِفضاء) سے مراد جماع ہی ہے۔[4]

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ جب دو لعان کرنے والے اپنے لعان سے فارغ ہوئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ، فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ؟ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ]، [قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَالِي ؟۔

---

① مسند أحمد:41,40/1 . ② مسند أحمد:48/1 مطوّلاً. و94,93/6 وسنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، حديث:2106 مختصرًا. وجامع الترمذي، النكاح، باب منه، حديث:1114م وسنن النسائي، النكاح، باب القسط في الأصدقة، حديث:3351 وسنن ابن ماجه ، النكاح، باب صداق النساء ، حديث:1887. ③ الدر المنثور: 237/2 ومسند البزار، وممّا روى مسروق بن الأجدع عن عمر:451/1، حديث:321 مختصرًا جدًا. وسنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في الصداق:166/1 ومجمع الزوائد ، النكاح، باب الصداق:284,283/4، حديث:598 . ④ تفسير ابن أبي حاتم:908/1 وتفسير الطبري:416/4.

یَعْنِی مَا أَصْدَقَهَا۔ قَالَ : لَا مَالَ لَكَ، إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا ، وَ إِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا] ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے تو کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے کے لیے تیار ہے؟ آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا مال؟ یعنی وہ مال جو اس نے بطور مہر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: تمھارے لیے کوئی مال نہیں۔ اگر تم اس کی بابت سچ کہہ رہے ہو تو مال اس کا معاوضہ ہے جو تم نے اس کی شرم گاہ کو حلال کیا اور اگر تم نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو پھر وہ مال عورت کی نسبت تم سے بہت زیادہ دور ہے۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟'' ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱﴾ ''اور وہ تم سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اس سے مراد عقد نکاح ہے۔[2] صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ] ''عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے۔''[3]

باپ کی منکوحہ عورتیں بیٹوں کے لیے حرام ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو، ان سے نکاح نہ کرنا۔'' اللہ تعالیٰ نے باپ کی عزت، تعظیم اور احترام کی وجہ سے یہ حرام قرار دیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرے حتی کہ اگر باپ نے محض عقد ہی کیا ہو اور اس سے مباشرت نہ کی ہو پھر بھی اس عورت سے بیٹے کے لیے نکاح کرنا حرام ہے اور اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل جاہلیت بھی باپ کی منکوحہ اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنے کے سوا ان دیگر تمام رشتوں کو حرام سمجھتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور جن عورتوں سے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا۔'' اور فرمایا: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ ''اور تمھارا دو بہنوں کو اکٹھا کرنا (بھی حرام ہے۔)''[4] عطاء اور قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[5]

---

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاری، الطلاق، باب قول الإمام للمتلاعنين: إن أحدكما ......؟ حدیث:5312 اور آخری حصہ صحیح مسلم، اللعان، حدیث:(5)-1493 کے مطابق ہے، البتہ صحیح بخاری کے لفظ بھی قریب تر ہیں۔ [2] ملخص از تفسیر الطبری:417/4 و تفسیر ابن أبی حاتم:909,908/3۔ [3] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث:1218 مطوّلاً۔ ابن کثیر میں [فاتقوا اللّٰه فی النساء] کی جگہ [واستوصوا بالنساء خیرًا] ہے لیکن یہ لفظ ترمذی اور ابن ماجہ کے ہیں، دیکھیے جامع الترمذی، الرضاع ، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث:1163 و سنن ابن ماجه:1851۔ [4] تفسیر الطبری:420/4۔ [5] تفسیر الطبری:420/4۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اس امت میں حرام ہے اور یہ بے حد قابل نفرت بات ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴾ ''بے شک یہ نہایت بے حیائی اور (اللہ کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور (وطریقہ) تھا۔'' اور اسی طرح فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الأنعام 151:6) ''اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ (بنی إسرآءیل 32:17) ''اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔''

لیکن یہاں ایک لفظ ﴿ وَّمَقْتًا ﴾ کا اضافہ ہے جس کے معنی بغض کے ہیں، یعنی یہ بات فی نفسہ بہت بری اور گراں ہے، پھر اس کے نتیجے میں بیٹا اپنے باپ سے اس کی منکوحہ سے نکاح کرنے کے بعد بغض بھی رکھنے لگتا ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اسی طرح ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کے پہلے شوہر سے بغض رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امہات المؤمنین کو امت کے لیے حرام قرار دے دیا گیا کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کی بیویاں ہونے کی وجہ سے وہ امت کی مائیں ہیں۔ اور نبیٔ اکرم ﷺ امت کے باپ کی طرح ہیں بلکہ اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ آپ کا حق باپ کے حق سے بھی زیادہ عظیم اور فائق ہے بلکہ آپ کی محبت تمام نفوس انسانی کی محبت سے مقدم ہے اور اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

عطاء بن ابورباح نے ﴿ وَّمَقْتًا ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ کی ناخوشی کی بات ہے۔[1]
﴿ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴾ ''اور بری راہ ہے۔'' اور یہ وہ بدترین رستہ ہے جس پر لوگ چلتے ہیں جو شخص حرمت کے اس حکم کے بعد بھی اس بری روش کو اختیار کرے تو وہ دین سے مرتد ہو جائے گا، واجب القتل ہوگا اور اس کا مال، مال غنیمت کے طور پر بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا جیسا کہ امام احمد اور اہل سنن نے کئی سندوں کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے جسے انھوں نے اپنے ماموں ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے اور دوسری روایت کے مطابق ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ایک تیسری روایت کے مطابق اپنے چچا[2] حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک ایسے شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی وفات کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا کہ اسے قتل کر دو اور اس کے مال کو چھین لو۔[3]

---

(1) تفسیر ابن أبي حاتم: 910/3. (2) دراصل یہ روایت حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور انھی کی کنیت ابوبردہ ہے لیکن بعض رواۃ نے انھی کو خال سے اور بعض نے عم سے تعبیر کیا ہے، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے ماموں ہی ہیں اور ابوبردہ کا مشہور نام ہانی بن نیار ہے۔ دیکھیے التاریخ الکبیر للبخاري: (ق:2/ج:1) 259/2. (3) مسند أحمد: 290/4 وسنن أبي داود، الحدود، باب فی الرجل یزنی بحریمه، حدیث: 4457,4456 وجامع الترمذي، الأحكام، باب فیمن تزوج امرأة أبیه، حدیث: 1362 وسنن النسائي، النكاح، باب نكاح ما نكح الآباء، حدیث: 3334,3333 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من تزوج امرأة أبیه من بعده، حدیث: 2607.

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ

تم پر حرام کی گئی ہیں، تمھاری مائیں، اور تمھاری بیٹیاں، اور تمھاری بہنیں،اور تمھاری پھوپھیاں،اور تمھاری خالائیں، اور تمھاری بھتیجیاں،

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ

اور تمھاری بھانجیاں،اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو،اور تمھاری دودھ شریک بہنیں، اور تمھاری بیویوں کی مائیں،

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، پھر اگر تم

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ

نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمھارے صُلبی بیٹوں کی بیویاں، اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا (بھی حرام ہے) مگر جو پہلے

تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ﴿23﴾

گزر گیا سو گزر گیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿23﴾

تفسیر آیت:23

ابدی اور غیر ابدی محرمات کا بیان: اس آیت کریمہ میں ان خواتین کا ذکر ہے جن سے نسب یا رضاعت یا سسرالی رشتے کے اعتبار سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سات قسم کی خواتین تم پر نسب کے اعتبار سے اور سات قسم کی سسرالی رشتے کے اعتبار سے حرام قرار دے دی گئی ہیں، پھر انھوں نے اس مذکورہ بالا آیت کو پڑھا۔[1]

امام طبری نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ سات قسم کی خواتین نسب سے اور سات سسرال سے حرام ہیں، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾ ''تم پر تمھاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں۔''[2] ان تمام خواتین کا تعلق نسب سے ہے۔

اور فرمایا: ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ ''اور وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں۔'' یعنی جس طرح تمھاری وہ ماں حرام ہے جس نے تمھیں جنم دیا ہو۔ اسی طرح تمھاری وہ ماں بھی حرام ہے جس نے تمھیں دودھ پلایا ہو، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ] ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش سے حرام ہوتے ہیں۔''[3]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:911/3. [2] تفسیر الطبری:423/4 وصحیح البخاری، النکاح، باب ما یحلّ من النساء وما یحرم...... ، حدیث:5105 (معلقًا). [3] صحیح البخاری، النکاح، باب: ﴿اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ (النسآء 23:4)، حدیث:5099 وصحیح مسلم، الرضاع، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة، حدیث:1444 واللفظ له.

امام مسلم کے ہاں یہ الفاظ بھی ہیں: [یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] ''رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے ہوتا ہے۔''[1]

رضاعت کی مقدار اور مدت: پانچ رضعات سے کم دودھ پیا ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں پہلے دس متعین رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا جو حرام قرار دیتے تھے، پھر ان میں سے پانچ رضعات کو منسوخ کر دیا گیا، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انھیں قرآن مجید میں پڑھا جاتا تھا۔[2] اور حدیث سہلہ بنت سہیل میں ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ وہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ کو پانچ رضعات دودھ پلا دیں۔[3]

پھر یاد رہے کہ اس رضاعت کا اعتبار ہے جو دو سال کی عمر سے پہلے صغرسنی میں ہو جیسا کہ ہم اس مسئلے کو سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ یُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ حَوۡلَیۡنِ كَامِلَیۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ﴾ (البقرۃ 2:233) کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔

بیویوں کی ماؤں اور بیٹیوں کی حرمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ ۫ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ ۫ ﴾ ''اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں، اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' جہاں تک بیوی کی ماں کا تعلق ہے تو وہ محض اس کی بیٹی سے عقد کرنے ہی سے حرام ہو جاتی ہے، خواہ اس نے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ہاں، البتہ ربیبہ، یعنی بیوی کی بیٹی تو وہ اس کی ماں کے ساتھ محض عقد کی وجہ سے حرام نہ ہوگی۔ حرام اس صورت میں ہوگی جب اس نے اس کی ماں کے ساتھ مباشرت کی ہو، اگر مباشرت سے قبل اس کی ماں کو طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ ﴾ ''اور ان کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں، اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' یہ حکم صرف ربائب کے لیے ہے۔

ربیبہ، آدمی کے زیرِ پرورش ہو یا نہ، ہر دو صورت میں حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ ﴾ ''اور ان کی لڑکیاں جنھیں تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں۔)'' کے بارے میں جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ ربیبہ، خواہ آدمی کے زیرِ پرورش ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں حرام ہے، یہ اسلوبِ کلام (اس فرمان کے ساتھ ﴿ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ ﴾ کی قید) اکثر و بیشتر

[1] صحیح مسلم، الرضاع، باب تحریم الرضاعة من ماء الفحل، حدیث:(9)-1444 . [2] صحیح مسلم، الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات، حدیث:1452. [3] ملخص از سنن أبي داود، النكاح، باب من حرّم به، حدیث:2061 .

صورتوں کے لحاظ سے ہے (کیونکہ ربیبہ زیادہ تر آدمی کے زیرِ پرورش ہی ہوتی ہے)، لہٰذا اس قید کا کوئی مفہوم نہیں ہے کہ اگر پرورش میں نہ ہو تو پھر کوئی دوسرا حکم ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور 24:33) ''اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔'' اس میں بھی شرط کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ میری بہن، ابوسفیان کی بیٹی سے۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ ہیں کہ عَزَّہ بنت ابوسفیان سے نکاح کر لیں، آپ نے فرمایا: [أَوَ تُحِبِّينَ ذٰلِكِ؟ فَقُلْتُ: نَعَم ، لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ ، وَّ أَحَبُّ مَنْ شَارَكَنِي فِي خَيرٍ أُخْتِي ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : إِنَّ ذٰلِكَ لَا يَحِلُّ لِي، قُلْتُ: فَإِنَّا نُحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنكِحَ بِنتَ أَبِي سَلَمَةَ ، قَالَ: بِنتَ أُمِّ سَلَمَةَ ؟ قُلْتُ:نَعَم ، قَالَ :لَوْ أَنَّهَا لَمْ تَكُنْ رَّبِيبَتِي فِي حَجرِي مَا حَلَّتْ لِي ، إِنَّهَا لَابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ ، أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ ، فَلَا تَعرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ] ''کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو؟ انھوں نے عرض کی: جی ہاں، مگر میں (پہلے بھی) اکیلی نہیں بلکہ آپ کی اور ازواج بھی تو ہیں، دراصل میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ خیر و بھلائی میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو، آپ نے فرمایا: مگر یہ میرے لیے حلال نہیں ہے، انھوں نے کہا کہ یہ میں نے اس لیے کہا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی (دُرّہ) سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: ام سلمہ کی بیٹی (دُرّہ) سے؟ عرض کی: جی ہاں، فرمایا کہ اگر وہ میرے زیرِ پرورش ربیبہ نہ ہوتی تو پھر بھی میرے لیے حلال نہ تھی کیونکہ یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابوسلمہ کو ثُوَیبَہ نے دودھ پلایا تھا، لہٰذا اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو میرے نکاح کے لیے پیش نہ کیا کرو۔''[1]

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: [لَولَمْ أَنكِحْ أُمَّ سَلَمَةَ مَا حَلَّتْ لِي] ''اگر میں نے ام سلمہ سے شادی نہ کی ہوتی تو یہ پھر بھی میرے لیے حلال نہ تھی۔''[2] تو یہاں اس حدیث میں آپ نے حرمت کا مناط اور علت ام سلمہ سے محض شادی کو قرار دیا اور اسی وجہ سے حرمت کا حکم لگایا۔ اس سے پتا چلا کہ یہ ﴿فِيْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ''زیرِ پرورش'' کی قید محض اتفاقی ہے۔

''دخول'' کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ ''جن عورتوں سے تم دخول کر چکے ہو۔'' یعنی ہم بستری کر چکے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔[3] ابن جریج نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت کو اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا جائے۔ وہ اس کے ستر کو کھولے اسے چھوئے اسے پرکھے اور اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ جائے۔ میں نے عرض کی: اگر وہ یہ کام اس کے والدین کے گھر کرے؟ تو فرمایا کہ اس سے کوئی فرق

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب: ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ ، حديث: 5101 وصحيح مسلم،الرضاع، باب تحريم الربيبة وأخت المرأة، حديث:(16)-1449 . [2] صحيح البخاري، النكاح،باب عرض الإنسان ابنته أوأخته على أهل الخير، حديث:5123. [3] تفسيرالطبري:426/4 والدر المنثور:243/2 .

نہیں پڑتا، دونوں صورتیں برابر ہیں، اس سے اس کی بیٹی اس پر حرام ہو جائے گی۔[1]

بیٹے کی بیوی حرام ہے، متبنّٰی (منہ بولے بیٹے) کی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ ''اور تمھارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی۔'' یعنی تمھارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں جو تمھاری اپنی پشتوں سے ہیں، اس سے وہ منہ بولے بیٹے خارج ہو گئے جن کو لوگ جاہلیت میں متبنّٰی بنا لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ ﴾ (الأحزاب 37:33) ''پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں کچھ تنگی نہ رہے۔''

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا جاتا تھا۔ واللہ أعلم۔ کہ نبی اکرم ﷺ نے جب زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تو اس بارے میں مکہ کے مشرکوں نے باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرما دی: ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ اور یہ بھی آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ (الأحزاب 4:33) ''اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا۔'' نیز یہ آیت کریمہ بھی نازل فرمائی: ﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ (الأحزاب 40:33) ''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔''[2] امام ابن ابوحاتم نے حسن اور محمد سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات: ﴿ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمْ ﴾ اور ﴿ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ ﴾ مبہم ہیں، پھر فرمایا: طاؤس، محمد بن سیرین، ابراہیم، زہری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

میں کہتا ہوں کہ مبہم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ یہ عام ہیں اور مدخول بہا و غیر مدخول بہا سب کو شامل ہیں کہ محض عقد ہی سے بیٹوں کی بیویاں اور بیویوں کی مائیں حرام ہو جاتی ہیں اور اس مسئلے پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر یہ کہا جائے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت کی کیا دلیل ہے جیسا کہ جمہور نے اسے بھی حرام قرار دیا ہے اور کچھ لوگوں نے تو کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے، حالانکہ وہ صلبی بیٹا نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ] ''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔''[4]

دو بہنوں کا ایک ہی شخص کے نکاح میں اکٹھا کرنا بھی حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا

---

[1] تفسير الطبري:426/4. [2] تفسير الطبري:427/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم:913/3. [4] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع المستفيض، حديث:2645 وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: (13)-1447 وسنن النسائي، النكاح، باب ما يحرم من الرضاع، حديث: 3304 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، حديث:1937 عن عائشة ﷞ واللفظ لهما.

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا

اور (حرام ہیں) شادی شدہ عورتیں (بھی) مگر جن کے مالک ہوں تمھارے دائیں ہاتھ (یہ) لکھ دیا ہے اللہ نے تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں تمھارے لیے جو

وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

علاوہ ہیں ان کے بشرطیکہ تم تلاش کرو اپنے مالوں کے بدلے نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ پھر جو فائدہ اُٹھایا تم نے اس کے

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ

بدلے ان سے تو تم دو انھیں ان کے مہر مقرر شدہ اور نہیں کوئی گناہ تم پر اس (کمی بیشی) میں کہ تم باہم راضی ہو جاؤ اس کے ساتھ مقرر کر لینے کے بعد، بلاشبہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾

اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ﴿24﴾

مَا قَدْ سَلَفَ ﴿ ''اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا۔)'' یعنی اس بات کو بھی تمھارے لیے حرام قرار دے دیا گیا ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھو۔ اسی طرح ملک یمین (لونڈیوں) کے طور پر بھی دو بہنوں کو اکٹھا رکھنا حرام ہے۔ ہاں، البتہ زمانۂ جاہلیت میں اس سلسلے میں جو کچھ ہو چکا اسے ہم نے معاف کر دیا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مستقبل میں اب دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا نہ رکھا جائے اور ماضی میں جو کچھ ہو چکا اسے بلا استثنا معاف کر دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ﴾ (الدخان 56:44) ''وہاں وہ موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے، سوائے (ان کی) پہلی موت کے۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت میں کبھی بھی ان کو موت نہیں آئے گی۔

تمام صحابہ و تابعین اور قدیم و جدید تمام ائمۂ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ نکاح میں دو بہنوں کو اکٹھا رکھنا حرام ہے جو شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دے دیا جائے گا کہ ان میں سے ایک کو اپنے پاس رکھ لے اور دوسری کو یقینی طور پر طلاق دے دے۔

امام احمد نے ضحاک بن فیروز کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ میں جب مسلمان ہوا تو میری دو بیویاں تھیں اور وہ آپس میں بہنیں تھیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا: [طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ] ''ان میں سے کسی ایک کو جس کو تم چاہو طلاق دے دو۔''①

تفسیر آیت:24

شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں الآیہ کہ......: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ ''اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمھارے قبضے میں آ جائیں۔'' یعنی اجنبی عورتوں میں سے شوہر والی، شادی شدہ عورتیں تو تم پر حرام ہیں مگر وہ جو اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر تمھاری ملکیت میں آ گئی ہوں تو

① مسند أحمد:232/4 و جامع الترمذي، النكاح ، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده أختان، حديث:1129.

استبرائے رحم کے بعد تمھارے لیے ان سے مباشرت کرنا حلال ہے۔ یہ آیت کریمہ اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اوطاس کی اسیر عورتیں ہمارے حصے میں آئیں، ان کے شوہر بھی تھے، اس لیے ہم نے ان سے مباشرت کو مکروہ سمجھا، لہٰذا اس کے بارے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو یہ آیت کریمہ: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ﴾ نازل ہوگئی۔ اس کے بعد ہم نے ان سے جنسی تعلق کو حلال قرار دے لیا۔[1] اسی طرح امام ترمذی، نسائی، ابن جریر اور امام مسلم رحمہم اللہ نے بھی (مختلف سندوں سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے) اس روایت کو اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[2]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو حرمت کے بارے میں یہ حکم لکھ دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے اس حکم کی اطاعت بجالاؤ، اس کے حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس نے تمھارے لیے جو شریعت مقرر کی ہے، اس کی پابندی کرو۔

مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر سے نکاح حلال ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ یعنی مذکورہ محرمات کے سوا دیگر عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں جیسا کہ امام عطاء وغیرہ نے کہا ہے۔[3] ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ ''اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو (بشرطیکہ نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو، نہ کہ شہوت رانی۔'' یعنی مال خرچ کر کے چار عورتوں تک سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور شرعی طریقے سے حاصل کردہ لونڈیاں جس قدر چاہو اپنے استعمال میں لا سکتے ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ ﴾ ''(شرط یہ ہے کہ اس سے مقصود) عفت قائم رکھنا ہو، نہ کہ شہوت رانی۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ ﴾ ''تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو، ان کا مہر جو مقرر کیا ہوا ادا کر دو۔'' یعنی جس طرح تم ان سے فائدہ حاصل کرتے ہو، اسی طرح ان کے مقرر کردہ مہر بھی ادا کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ (النسآء 4:21) ''اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو؟'' اور فرمایا: ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ (النسآء 4:4) ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ (البقرۃ 2:229) ''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔''

---

[1] مسند أحمد: 72/3. [2] جامع الترمذی، النکاح، باب ماجاء فی الرجل یسبی الأمة ولها زوج هل یحل له وطؤها؟ حدیث: 1132 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، قوله تعالی: ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾: 321/6، حدیث: 11096 وتفسیر الطبری: 4/5 وصحیح مسلم، الرضاع، باب جواز وطئ المسبیة بعد الاستبراء......، حدیث: 1456.

[3] تفسیر الطبری: 15/5 وتفسیر ابن أبی حاتم: 917/3 .

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اور تم میں سے جو شخص آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ تمھاری ملکیت مومن لونڈیوں میں سے کسی لونڈی سے نکاح

مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ

کرلے، اور اللہ تمھارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو (تم میں برتری کا معیار صرف ایمان ہے) پس تم ان کے مالکوں

بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا

کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور انھیں دستور کے مطابق ان کے مہر دو، جبکہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں اور نہ

مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

چوری چھپے آشنا بنانے والی ہوں، پھر جب وہ نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد وہ بدکاری کریں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔

الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ

یہ (اجازت) تم میں سے اس کے لیے ہے جسے گناہ کی راہ پر چلنے کا اندیشہ ہو۔ اور یہ کہ تم صبر کرو، تمھارے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿25﴾ ع

بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿25﴾

متعہ اور اس کی حرمت: حضرت ابن عباس، اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم، سعید بن جبیر اور سُدّی رحمہ اللہ اس آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے: [فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاٰتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً......] ''جن عورتوں سے تم ایک مدت مقررہ تک فائدہ حاصل کرو تو ان کا مہر جو مقرر کیا ہوا ادا کردو۔''[1] امام مجاہد بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نکاح متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] لیکن اس مسئلے میں سب سے زیادہ قابل اعتماد روایت وہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن نکاحِ متعہ اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔[3]

اور صحیح مسلم میں ربیع بن سَبْرَہ بن مَعبد جُھَنی کی اپنے باپ سے روایت ہے کہ وہ (غزوۂ فتح مکہ میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُ، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا اٰتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا] ''لوگو! میں نے تمھیں عورتوں سے متعے کی اجازت دے دی تھی مگر اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت کے دن تک کے لیے حرام قرار دے دیا ہے، اب جن کے پاس متعے والی عورتیں موجود ہوں تو وہ انھیں چھوڑ دیں اور جو مال تم نے انھیں دیا ہے، وہ ان سے

[1] تفسير الطبري:19,18/5. [2] تفسير الطبري:18/5. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة أخيرًا، حديث:5115 وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ثم......، حديث: 1407-(31).

واپس نہ لو۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ﴾ ''اور (حق مہر) مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کرلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' اس کا مفہوم وہی ہے جو اس آیت کریمہ کا ہے کہ ﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ (النسآء4:4) ''اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔'' یعنی جب تم نے مہر مقرر کرلیا ہو تو عورت اس مہر کو یا اس میں سے کچھ حصے کو معاف کردے تو اس میں تم پر یا اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔

امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرمی کا خیال ہے کہ کچھ لوگ مہر کی ایک مقدار تو معین کر لیتے تھے اور ممکن تھا کہ ان میں سے کوئی تنگ دستی میں مبتلا ہو جائے تو اس صورت حال کے بارے میں فرمایا: لوگو! اگر مہر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے اس میں کمی بیشی کرلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔[2] یعنی اگر عورت اپنی خوشی سے کچھ مہر معاف کردے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ ''بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' محرمات کے بارے میں ان احکام کو بیان کرنے کے بعد یہاں ان دو صفات باری تعالیٰ کا ذکر نہایت مناسب ہے۔

تفسیر آیت:25

آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لونڈیوں سے نکاح کا جواز: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے جس شخص کو اس بات کی استطاعت اور قدرت نہ ہو کہ ﴿ اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''وہ مومن آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔'' یہاں ﴿ مُحْصَنٰتٍ ﴾ سے مراد آزاد، عفت مآب اور مومن عورتیں ہیں۔ ﴿ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ یعنی وہ مومن لونڈیوں ہی سے جو تمہارے (مومنوں کے) قبضے میں آ گئی ہوں نکاح کرلے۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ﴾ ''اور اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، تم آپس میں (ایک دوسرے کے) ہم جنس ہو۔'' یعنی وہ تو تمام امور کے حقائق اور اسرار کو جانتا ہے جبکہ لوگو! تم صرف ظاہری امور ہی کو جانتے ہو۔

پھر فرمایا: ﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ﴾ ''تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت لے کر نکاح کرلو۔'' یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مالک اپنی لونڈی کا ولی ہے، لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر اس کی لونڈی سے نکاح نہ کیا جائے۔ اسی طرح وہ اپنے غلام کا بھی ولی ہے، لہٰذا اس کے غلام کو چاہیے کہ وہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرے جیسا کہ حدیث میں ہے: [أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَهُوَ عَاهِرٌ] ''جو غلام اپنے مالکان کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، وہ بدکار ہے۔''[3] اگر لونڈی کی مالک کوئی عورت ہو تو اس کا نکاح اس شخص کی اجازت سے کیا جائے جس کی اجازت سے اس عورت کا نکاح کیا جا سکتا ہو کیونکہ حدیث میں آیا ہے: [لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ (نَفْسَهَا) فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح......، حديث:(21)-1406. [2] تفسير الطبري:20/5.

[3] سنن أبي داود، النكاح، باب في نكاح العبد بغير إذن مواليه، حديث:2078 وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في نكاح العبد بغير إذن سيده، حديث:1111 عن جابر بن عبدالله ﷺ.

الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا] ''عورت، عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت اپنا نکاح خود کرے، وہ عورت بدکار ہے جو اپنا نکاح خود کرے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کر دو۔'' دستور کے مطابق اور بطیبِ خاطر ان کے مہر بھی ادا کرو اور ان کو لونڈیاں اور باندیاں سمجھ کر ان کی توہین کرتے ہوئے ان کے مہر کم نہ کرو۔ ﴿ مُحْصَنٰتٍ ﴾ ''(بشرطیکہ) عفیفہ ہوں۔'' یعنی پاک دامن ہوں اور زنا کا ارتکاب نہ کرتی ہوں، چنانچہ فرمایا: ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾ یعنی ایسی کھلم کھلا بدکار نہ ہوں کہ اپنے ساتھ زنا کرنے والے کسی بھی شخص کو انکار نہ کریں۔ ﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ ''اور نہ در پردہ دوستی کرنا چاہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسافحات سے مراد وہ زانی عورتیں ہیں جو کھلم کھلا بدکاری کا ارتکاب کریں۔[2] اور ﴿ مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ سے مراد وہ ہیں جنھوں نے در پردہ دوست بنا رکھے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مجاہد، شعبی، ضحاک، عطاء خراسانی، یحییٰ بن ابو کثیر، مُقاتل بن حیّان اور سُدّی رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ ﴿ اَخْدَانٍ ﴾ سے مراد أخِلّاء یعنی خفیہ دوست ہیں۔[3]

زنا کے ارتکاب پر لونڈی کی سزا نصف ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''پھر اگر نکاح میں آ کر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے، اس کی آدھی سزا ان کو دی جائے۔'' یہاں إِحصان سے مراد نکاح ہے کیونکہ سیاق آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں ہی سے جو تمھارے قبضے میں آ گئی ہوں (نکاح کر لے۔)'' واللہ أعلم.

آیت کریمہ کا سارا سیاق ہی مومن لونڈیوں کے بارے میں ہے، لہٰذا اس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ ﴿ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب وہ نکاح کر لیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کی اتباع کرنے والوں نے کہا ہے۔[4] ﴿ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''(تو) جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے، اس کی آدھی (ان کو دی جائے۔)'' اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہ سزا ہے جس کا نصف ہو سکے اور وہ کوڑوں کی سزا ہے نہ کہ رجم کی۔ واللہ أعلم.

﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ﴾ یعنی مذکورہ شرائط کے ساتھ باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس شخص کو ہے جسے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اس کا گزارا جماع کے بغیر بہت مشکل ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور

---

[1] سنن ابن ماجه، النكاح، باب لا نكاح إلّا بولي، حديث:1882 عن أبي هريرة ﷺ. دیکھیے إرواء الغليل:1841. ملحوظہ: فإن الزانية ... آخر تک مدرج ہے۔ [2] تفسير الطبري:28/5. [3] تفسير ابن أبي حاتم:922/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:923/3.

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (یہ معاملات) کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے کے نیک لوگوں کی راہ پر چلائے اور تم پر توجہ دے، اور اللہ خوب

حَكِيْمٌ ﴿26﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

جاننے والا حکمت والا ہے﴿26﴾ اور اللہ تم پر توجہ دینا چاہتا ہے، اور وہ لوگ جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (حق سے) بہت دور

عَظِيْمًا ﴿27﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾

ہو جاؤ﴿27﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کر دے، اور انسان بہت کمزور پیدا کیا گیا ہے﴿28﴾

اگر وہ لونڈی سے نکاح نہ کرے اور زنا سے باز رہنے کے لیے مجاہدۂ نفس کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے کیونکہ اگر وہ اس سے شادی کر لے گا تو اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد اسی کے مالک کی غلام ہوگی۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿25﴾ ﴾ ''اور یہ کہ تم صبر کرو، یہ تمھارے لیے بہت اچھا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

تفسیر آیات: 26-28

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ مومنو! تمھارے سامنے وہ یہ بیان فرما دے کہ اس نے تمھارے لیے کیا حلال کیا ہے اور حرام کسے قرار دیا ہے؟ اور یہ سب کچھ اس نے اس سورت میں اور دیگر سورتوں میں بیان فرما دیا ہے۔ ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''اور تم کو تم سے پہلے لوگوں کے طریقے بتائے۔'' یعنی اپنی شریعت کی اتباع میں جسے وہ پسند فرماتا ہے، ان کے قابلِ ستائش طریقے بیان کرے۔ ﴿ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اور تم پر توجہ دے۔'' اور تمھارے گناہوں اور حرام امور کے ارتکاب کو معاف فرما دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿26﴾ ﴾ ''اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' وہ اپنی شریعت اور تقدیر میں اور اپنے افعال و اقوال میں علیم و حکیم ہے۔

﴿ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿27﴾ ﴾ ''اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے بھٹک کر دور جا پڑو۔'' یعنی شیطان کے پیروکار یہودی، عیسائی اور بدکار لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے ہٹ کر باطل کو اختیار کر لو اور بھٹک کر بہت دور جا پڑو۔ ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے۔'' یعنی اپنے احکام شریعت میں، اپنے اوامر و نواہی میں اور ان امور میں جو اس نے تمھارے لیے مقدر کر دیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مقررہ شرائط کے ساتھ لونڈیوں سے نکاح کو بھی جائز قرار دے دیا ہے جیسا کہ مجاہد اور دیگر نے فرمایا ہے۔[1]

﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾ ﴾ ''اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔'' انسان چونکہ جسم و جان اور عزم و ہمت کے اعتبار سے کمزور ہے، اس لیے مناسب تھا کہ اس کے لیے احکام میں بھی تخفیف ہوتی۔ امام ابن ابو حاتم نے طاؤس سے روایت

[1] تفسیر الطبری: 42/5.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو، اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو،

مِّنْكُمْ ۫ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿29﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا

بے شک اللہ تم پر بہت رحم کرنے والا ہے﴿29﴾ اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسے (نافرمانی کے) کام کرے گا' تو اسے ہم جلد آگ میں ڈالیں گے اور یہ

وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿30﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا

اللہ کے لیے بہت آسان ہے﴿30﴾ اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تمھیں روکا جاتا ہے، تو ہم تمھاری (چھوٹی چھوٹی) برائیاں تم سے دور کر دیں

تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿31﴾

گے اور تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے﴿31﴾

کیا ہے کہ ﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ انسان عورتوں کے بارے میں کمزور پیدا ہوا ہے۔[1] امام وکیع فرماتے ہیں کہ عورتوں کے سامنے مردوں کی مت ماری جاتی ہے۔[2]

تفسیر آیات:29-31

حرام کمائی کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے کھائیں، یعنی وہ کمائی کے ایسے طریقے اختیار کریں جو غیر شرعی ہیں، مثلاً: سود، جوا اور مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کے مال کھانے کی وہ تمام صورتیں جو سود اور جوئے ہی کی طرح ہیں جیسا کہ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص اگر کسی دوسرے شخص سے کپڑا خریدتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ اگر یہ کپڑا تمھیں پسند آ گیا تو اسے اپنے پاس رکھ لینا اور اگر پسند نہ آیا تو اسے واپس کر دینا لیکن اس کے ساتھ تمھیں ایک درہم بھی واپس کرنا ہوگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ ''اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ۔''[3]

اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ کو نازل فرمایا تو مسلمانوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طریقے سے کھانے سے منع فرمایا ہے اور کھانا سب سے افضل مال ہے، لہٰذا ہم میں سے کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے پاس کھانا کھائے تو لوگ اس کام سے رک گئے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ ﴾ الآية (النور 24:61)[4] اس آیت میں یہ بیان ہے کہ اپنے یا اپنے قریبی اعزہ اور دوستوں کے گھروں سے کھانے کی اجازت ہے۔ امام قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[5]

① تفسیر ابن أبی حاتم:926/3 . ② تفسیر ابن أبی حاتم:926/3 . ③ تفسیر الطبری:43/5 . ④ تفسیر ابن أبی حاتم:927/3 . ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:927/3 .

﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''ہاں، اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہوجائے تو وہ جائز ہے۔)'' ﴿ تِجَارَةً ﴾ کو (تکُونَ کے تامّہ ہونے کی بنا پر) مرفوع اور (ناقصہ ہونے کی بنا پر بطور خبر) منصوب پڑھا گیا ہے۔ اور یہ استثنا منقطع ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مال کمانے کے لیے حرام اسباب ووسائل اختیار نہ کرو۔ ہاں، البتہ بائع اور مشتری آپس کی رضامندی سے تجارت کے ایسے طریقے اختیار کر سکتے ہیں جو شرعاً جائز ہیں۔

اور ان شرعی طریقوں کو وہ کمائی کے ذریعے کے طور پر اختیار کر سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ (بنی إسرآء یل 33:17) ''اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے۔)'' اور فرمایا: ﴿ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی ﴾ (الدخان 56:44) ''وہاں وہ موت (کا مزہ) نہیں چکھیں گے سوائے پہلی موت کے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ یا تو خرید وفروخت ہو یا کوئی کسی کو عَطِیّہ دے دے۔ اس قول کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

تجارت میں خیارِ مجلس: خیارِ مجلس آپس کی رضامندی کی تکمیل ہی کے لیے ہے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا] ''دونوں خرید وفروخت کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ الگ الگ نہ ہو جائیں۔''[2] صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [إِذَا تَبَایَعَ الرَّجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا] ''جب دو شخص آپس میں خرید وفروخت کریں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو (اس سودے کے بارے میں) اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ الگ الگ نہ ہو جائیں۔''[3]

انسان کو قتل کرنے کی ممانعت اور اس پر وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' یعنی ان امور کا ارتکاب کر کے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو اختیار کر کے اور آپس میں لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا کر۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۝۲۹ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔''

امام احمد نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب نبیٔ اکرم ﷺ نے مجھے ذاتِ سلاسل کے سال (آٹھ ہجری کو)[4] بھیجا تو مجھے ایک ایسی رات میں احتلام ہوگیا جو بہت شدید سرد تھی اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، لہٰذا میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ اور جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [یَا عَمْرُو! صَلَّیْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ

---

[1] تفسیر الطبری:45/5 . [2] صحیح البخاری، البیوع، باب البیعان بالخیار مالم یتفرّقا، حدیث:2110 وصحیح مسلم ، البیوع، باب الصدق فی البیع والبیان، حدیث:1532 عن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ. [3] صحیح البخاری، البیوع، باب: إذا خیرأحدهما صاحبه بعد البیع فقد وجب البیع، حدیث:2112 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما . [4] دیکھیے الطبقات الکبرٰی لابن سعد:131/2.

جُنُبٌ؟]''عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت ہی میں نماز پڑھادی؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے شدید ترین سرد رات میں احتلام ہوا اور خدشہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا تو اس موقع پر مجھے یہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔'' تو میں نے تیمم کر کے نماز پڑھادی، یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور آپ نے کچھ نہ فرمایا۔[1] ابن مَردُویہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهٗ بِيَدِهِ، يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَّمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِسُمٍّ فَسُمُّهٗ بِيَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَّمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ، فَهُوَ يُرَدّٰى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا]''جو شخص چھری کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کر لے تو چھری اس کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ اس کے ساتھ اپنے پیٹ کو پھاڑے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو زہر سے قتل کیا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ تھوڑا تھوڑا کر کے پیئے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں رہے گا۔اور جس نے پہاڑ سے گرا کر اپنے آپ کو قتل کر لیا تو وہ جہنم کی آگ میں گرتا رہے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔''[2] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔[3]

ابو قلابہ نے حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ]''جس نے کسی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا تو اسے اسی کے ساتھ قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔''[4] اس حدیث کو بہت سے محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔[5]

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا ﴾ ''اور جو تعدّی اور ظلم سے ایسا کرے گا۔'' یعنی جو شخص اس کا ارتکاب کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور تعدی اور ظلم سے ایسا کرے گا اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی جسارت کرے گا۔ ﴿ فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ﴾ ''تو ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے۔'' یہ بہت سخت وعید اور شدید سرزنش ہے، ہر اس عقل مند کو اس سے ڈرنا چاہیے جو دلِ آگاہ رکھتا اور دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہو۔

بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو چھوٹے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ یعنی اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے، جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے، اجتناب

---

[1] مسند أحمد:204,203/4 وسنن أبي داود، الطهارة، باب: إذا خاف الجنب البرد أيتيمّم؟ حديث:334. [2] مسند أحمد:254/2 . [3] صحيح البخاري، الطب، باب شرب السّمّ والدواء به......، حديث:5778 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه......، حديث:109. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه، حديث:110 . [5] صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى من السباب واللّعن، حديث: 6047 وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ماجاء في الحلف بالبراءة وبملة غير الإسلام، حديث:3257 .

رکھو گے تو ہم تمھارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تمھیں جنت میں داخل کر دیں گے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴾ ''اور ہم تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے'' اس آیت کریمہ سے متعلق بہت سی احادیث بھی وارد ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [أَتَدْرِي مَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ؟ قُلْتُ: هُوَ الْيَوْمُ الَّذِي جَمَعَ اللّٰهُ فِيهِ أَبَاكُمْ، قَالَ: لٰكِنِّي أَدْرِي مَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ، لَا يَتَطَهَّرُ الرَّجُلُ فَيُحْسِنُ طُهُورَهُ، ثُمَّ يَأْتِي الْجُمُعَةَ فَيُنْصِتُ حَتّٰى يَقْضِيَ الْإِمَامُ صَلَاتَهُ إِلَّا كَانَ كَفَّارَةً لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ، مَا اجْتُنِبَتِ الْمَقْتَلَةُ] ''تمھیں معلوم ہے کہ جمعے کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کی: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے والد گرامی (حضرت آدم علیہ السلام) کو پیدا فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: لیکن یہ مجھے معلوم ہے کہ جمعے کا دن کیا ہے، یہ وہ دن ہے کہ جو شخص بھی اس میں اچھے طریقے سے طہارت حاصل کرے، پھر جمعے کے لیے آئے اور خاموش رہے حتی کہ امام نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ آنے والے جمعے تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے بشرطیکہ ان گناہوں سے اجتناب کیا جائے جو تباہ و برباد کر دینے والے ہیں۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو (ایک دوسری سند سے) تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2]

سات ہلاک کر دینے والے گناہ: صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ] ''ان سات قسم کے گناہوں سے بچو جو ہلاک کر دینے والے ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون سے ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) جادو کرنا۔ (3) اُس جان (والے) کو ناحق قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ (4) سود کھانا۔ (5) یتیم کے مال کو کھانا۔ (6) میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اور (7) پاکباز مومن، بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔''[3]

ایک اور حدیث جس میں جھوٹی گواہی کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے: امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا یا آپ سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: [اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَالَ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالَ: قَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ شَهَادَةُ الزُّورِ] ''(1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) کسی انسان کو ناحق قتل

[1] مسند أحمد: 439/5. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة، حديث: 910. [3] صحيح البخاري، الحدود، باب رمي المحصنات وقول الله عزوجل: ﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ ﴾ (النور 24:4)، حديث: 6857 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89.

کرنا۔ (3) والدین کی نافرمانی کرنا اور (4) آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: وہ جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی ہے۔'' شعبہ فرماتے ہیں کہ میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ آپ نے یہاں جھوٹی گواہی کا ذکر فرمایا تھا۔[1] شعبہ کی اسی سند سے شیخین رحمہما اللہ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام بخاری و مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: [أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟۔ثَلَاثًا۔ قُلْنَا: بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَكَانَ مُتَّكِئًا، فَجَلَسَ فَقَالَ: أَلَا! وَقَوْلُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ...... فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ] ''کیا میں تمھیں یہ نہ بتاؤں کہ تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے محو استراحت تھے کہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: خبردار! یاد رکھو کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے...... آپ نے یہ بات اس قدر کثرت کے ساتھ بار بار فرمائی کہ ہم کہنے لگے: کاش! اب آپ سکوت فرمالیں (تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔)''[3]

ایک اور حدیث جس میں بچے کے قتل کو بھی کبائر میں شمار کیا گیا ہے: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے عظیم گناہ کون سا ہے؟[4] اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ، ثُمَّ قَرَأَ[5]: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ إِلٰى قَوْلِهٖ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ الآية (الفرقان 25:68-70) ''تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: پھر یہ کہ اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔'' پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ تا ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ ''اور وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی

[1] مسند أحمد: 131/3. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: 5977 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، بعد الحديث: 88 . [3] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: 5976 وأيضًا، الشّهادات، باب ماقيل في شهادة الزور، حديث: 2654 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87 . [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ (البقرة 2:22)، حديث: 4477 . [5] ثُمَّ قَرَأَ کے الفاظ صحیحین میں نہیں ہیں جبکہ بخاری میں اس طرح: [وَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ تَصْدِيقًا لِّقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ] ''یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تصدیق کے لیے نازل ہوئی۔'' ہے، ہاں! [ثُمَّ قَرَأَ] مسند أحمد: 434/1 اور تفسير الطبري: 62/5 میں ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ

اور تم اس مقام و مرتبے کی خواہش نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾

اور عورتوں نے جو کمایا' اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو' بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿32﴾

دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ نے منع کر دیا ہو، بغیر حق کے قتل نہیں کرتے اور نہ زنا ہی کے مرتکب ہوتے ہیں......مگر جو توبہ کر لے......۔''[1]

ایک اور حدیث جس میں جھوٹی قسم کا بھی کبائر میں شمار ہے: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [اَلْکَبَائِرُ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَتْلُ النَّفْسِ۔ شُعْبَةُ الشَّاكُ۔ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ] ''کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا یا آپ نے قتل جان کا ذکر فرمایا۔ شعبہ کو شک ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا۔''[2] اس روایت کو امام بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

والدین کو گالی دینا بھی کبائر میں سے ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ ؟ قَالَ: يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَ يَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ] ''بے شک کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آدمی اپنے والدین پر لعنت کس طرح بھیج سکتا ہے؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، یہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''[4] اسی طرح امام مسلم نے بھی اس حدیث کو بالفاظ دیگر روایت کیا ہے۔[5] امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[6]

اور صحیح (بخاری و مسلم میں) حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَّ قِتَالُهٗ كُفْرٌ] ''مسلمان

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان 68:25) ، حدیث: 4761 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الشرك أقبح الذنوب......، حدیث: 86. [2] مسند أحمد: 201/2 . [3] صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس: ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ﴾ (النحل 94:16) ، حدیث: 6675. صحیح بخاری اور سنن نسائی میں شعبة الشاك کے الفاظ نہیں ہیں۔ وجامع الترمذی ،تفسیر القرآن،باب ومن سورة النساء، حدیث: 3021 و سنن النسائی ، تحریم الدم، باب ذکر الکبائر، حدیث: 4016 . [4] صحیح البخاری، الأدب، باب لا یسبّ الرجل والدیه، حدیث: 5973 و مسند أحمد: 216/2 . [5] صحیح مسلم، الإیمان، باب الکبائر وأکبرها، حدیث: 90 . [6] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی عقوق الوالدین، حدیث: 1902 و سنن أبی داود، الأدب، باب فی برّ الوالدین، حدیث: 5141 .

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

ماں باپ اور قریبی رشتے دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں ہم نے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں اور جن سے تمھارا عہد و پیمان بندھ چکا ہو، تو

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿33﴾ ع

انھیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿33﴾

کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"[1]

تفسیر آیت: 32

حرص و ہوس اور حسد کی ممانعت: امام احمد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کر سکتیں اور میراث میں بھی ہمارا حصہ نصف ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ "اور جس چیز میں اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو۔"[2] اور اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾ "مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے اور عورتوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انھوں نے کیے۔" ہر ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی اگر اچھا عمل کیا تو اچھی جزا ملے گی اور اگر برا عمل کیا تو سزا ملے گی، یہ امام ابن جریر کا قول ہے۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وراثت ہے، یعنی ہر شخص اپنے حساب سے وراثت میں سے حصہ پاتا ہے۔ اسے والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[5]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس چیز کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جو ان (کی سوچ اور فکر) کو درست کر دے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ "اور اللہ سے اس کا فضل (و کرم) مانگتے رہو۔" اور جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس کی ہوس مت کرو کیونکہ یہ ایک حتمی امر ہے اور ہوس کسی کام نہیں آ سکتی۔ ہاں، البتہ مجھ سے میرے فضل و کرم کا سوال کرتے رہو تو میں تمھیں ضرور نوازوں گا کیونکہ میں فضل و کرم کرنے والا اور عطا فرمانے والا ہوں۔ پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾ ﴾ کچھ شک نہیں اللہ جانتا ہے کہ دنیا کا مستحق کون ہے تو وہ اسے عطا فرما دیتا ہے، وہی جانتا ہے کہ فقر کا مستحق کون ہے تو اسے وہ فقیر رکھتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ آخرت کا مستحق کون ہے تو اسے

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، حديث: 48 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ: [سباب المسلم فسوق]، حديث: 64 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ [2] مسند أحمد: 322/6، البتہ اس کی سند میں انقطاع ہے، دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 320/44، حديث: 26736 . [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النساء، حديث: 3022 امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے۔ [4] تفسير الطبري: 70/5 . [5] تفسير ابن أبي حاتم: 936/3 بالفاظ دیگر۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ

مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ

اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

کرتے ہیں، چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار اور خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے (مال وآبرو کی) نگہبانی کرتی ہیں اور تمھیں جن عورتوں کی سرکشی

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا

کا خوف ہو تو انھیں تم نصیحت کرو اور ان کو خواب گاہوں میں الگ کر دو، اور انھیں ہلکی سزا دو، پھر اگر وہ تمھاری فرمانبرداری کریں تو انھیں ستانے کی راہ

تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾

نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بہت بلند اور نہایت بڑا ہے ﴿34﴾

وہ آخرت کے اعمال کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ ذلت ورسوائی کا مستحق کون ہے تو اسے نیکی و بھلائی کے کاموں سے محروم کر دیتا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿32﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

تفسیر آیت: 33

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، ابوصالح، قتادہ، زید بن اسلم، سُدّی، ضحاک، اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ہر ایک کے وارث مقرر کر دیے ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نے ہر ایک کے عصبہ مقرر کر رکھے ہیں۔[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب چچازاد بھائی کو بھی مولیٰ کہتے ہیں۔[3] ﴿ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ﴾ ''جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ جائیں۔'' یعنی والدین اور رشتہ داروں کے ترکۂ میراث کے لیے ہم نے حق دار مقرر کر دیے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ﴾ ''اور جن لوگوں سے تمھارا عہد و پیمان بندھ چکا ہو تو ان کو بھی ان کا حصہ دو۔'' یعنی جن سے تم نے آپس میں پختہ قسمیں کھائی ہیں تو انھیں بھی میراث میں سے حصہ دو کیونکہ تم نے آپس میں یہ جو عہد و پیمان کیے ہیں، اللہ بھی ان کا گواہ ہے۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، پھر اسے منسوخ کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ پہلے جو عہد و پیمان کر چکے ہیں، اسے پورا کریں اور اس آیت کے نزول کے بعد اور کوئی اس طرح کا معاہدہ آئندہ نہ کریں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ مَوَالِيَ ﴾ کے معنی وارث کے ہیں۔ اور ﴿ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ یہ اس وقت کی بات ہے جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصاری کے اپنے رشتے داروں کے بجائے اس کا وارث مہاجر بنتا تھا اور یہ اس رشتۂ اخوت کے باعث تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے مابین استوار فرما

---

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ ﴾ (النسآء4:33)، حدیث:4580 وتفسیر ابن أبی حاتم:937/3 وتفسیر الطبری:72/5. ② تفسیر الطبری:72/5. ③ تفسیر الطبری:71/5.

دیا تھا لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ﴾ تو اس سے یہ بات منسوخ ہوگئی، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ﴾ ''اور جن لوگوں سے تمھارا عہد و پیمان بندھ چکا ہو تو ان کو بھی ان کا حصہ دو۔'' سے مراد یہ ہے کہ نصرت و اعانت اور نصیحت کی صورت میں انھیں ان کا حصہ دو کیونکہ میراث سے ان کا حصہ ختم ہو گیا ہے۔ ہاں، البتہ اس کے لیے وصیت کی جا سکتی ہے۔[1]

تفسیر آیت:34

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ ''مرد عورتوں پر نگران و حاکم ہیں۔'' یعنی مرد عورت کا سربراہ ہے، سردار ہے، بزرگ ہے، اس کا حاکم ہے اور راہ راست سے بھٹکنے کی صورت میں اسے ادب سکھانے والا ہے۔ ﴿ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ''اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔'' یعنی مردوں کو عورتوں سے افضل بنایا ہے۔

بہر حال مرد عورت سے بہتر ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں ہی کو سرفراز فرمایا تھا۔[2] اسی طرح اسلامی حکومت کی سربراہی بھی مرد ہی کے لیے مخصوص ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً] ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنھوں نے اپنا حاکم عورت کو بنا لیا۔''[3] اسی طرح منصب قضا پر بھی مرد ہی فائز ہو سکتا ہے۔ ﴿ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی حق مہر، نفقات اور ان اخراجات میں جن کو کتاب و سنت میں مردوں پر عورتوں کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے۔

بہر حال مرد فی نفسہ عورت سے افضل ہے اور اسے اس پر فضل و شرف حاصل ہے، لہٰذا یہی مناسب تھا کہ مرد عورت پر حاکم ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرۃ2:228) ''اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔''

نیک عورت کی علامت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ ﴾ ''پھر (جو) نیک بیویاں ہیں'' ﴿ قٰنِتٰتٌ ﴾ ''وہ فرماں بردار ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے شوہروں کی فرمانبردار ہیں۔[4] ﴿ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ﴾ ''ان کے پیٹھ پیچھے خبرداری کرتی ہیں۔'' سُدّی وغیرہ نے کہا ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں اپنی آبرو اور اس کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔[5] ﴿ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ کی حفاظت میں۔'' یعنی محفوظ وہ ہے جس کی اللہ حفاظت فرمائے۔[6] امام ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَيْرُ النِّسَاءِ امْرَأَةٌ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْكَ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْكَ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْكَ فِي نَفْسِهَا وَمَالِكَ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ...... ﴾ الآية] ''عورتوں میں سب سے بہترین وہ بیوی ہے کہ

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ ﴾ (النسآء4:33)، حدیث:4580 . ② ماخوذ از سورۃ یوسف12:109. ③ صحیح البخاری، الفتن، باب:18، حدیث:7099 عن أبی بکرۃ رضی اللہ عنہ. ④ تفسیر الطبری:5/84,85. ⑤ تفسیر الطبری:5/85 . ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم:3/941 و تفسیر الطبری:5/86 .

جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمھیں خوش کر دے، اسے حکم دو تو اطاعت بجالائے اور تمھاری عدم موجودگی میں اپنے نفس اور تمھارے مال کی حفاظت کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ الآیة.''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا، وَصَامَتْ شَهْرَهَا ، وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا ، قِيلَ لَهَا : اُدْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ] ''جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے نفس کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔''[2]

سرکشی و بدخوئی اور اس کا علاج: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ ﴾ ''اور جن عورتوں کی نسبت تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو۔'' یعنی جن عورتوں کے بارے میں تمھیں یہ خدشہ ہو کہ وہ اپنے شوہروں سے سرکشی کریں گی۔ نُشُوز کے معنی اونچا ہونے کے ہیں نَاشِز اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر سے اونچا اور بلند ہونا چاہتی ہو، اس کے حکم کو نہ مانے، اس سے اعراض کرے، اس سے بغض رکھے تو جب اس طرح کی سرکشی و بدخوئی کی علامات ظاہر ہوں تو شوہر کو چاہیے کہ وہ اسے سمجھائے اور اس کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے حق اور اس کی اطاعت کو اس پر واجب قرار دیا ہے اور اس کی نافرمانی کو حرام۔ اس لیے کہ شوہر کو اس پر فضل و شرف حاصل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا، (مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا)] ''اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ شوہر کا بیوی پر بہت بڑا حق ہے۔''[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ (عَلَيْهِ)، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ] ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔''[4] صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: [إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ] ''جب عورت اپنے شوہر کے بستر کو چھوڑتے

---

[1] تفسیر الطبری:86/5 و سنن النسائی، النکاح، باب أیّ النساء خیر؟ حدیث:3233 و المستدرک للحاکم، النکاح: 161/2، حدیث:2682 اور دیکھیے السلسلة الصحیحة، حدیث:1838. [2] مسند أحمد:191/1. [3] جامع الترمذی، الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة، حدیث:1159 عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ. اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 159/3 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ و سنن أبی داود ، النکاح، باب فی حق الزوج علی المرأة، حدیث:2140 عن قیس بن سعد رضی اللہ عنہ. [4] صحیح البخاری، النکاح ، باب: إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حدیث:5193 ،البتہ [علیه] مسند أحمد:480/2 میں ہے اور صحیح بخاری میں اس کی جگہ: [أَنْ تَجِيءَ] ہے۔

ہوئے رات بسر کرے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔"[1] (عورتوں کی طرف سے ان باتوں کا امکان ہے) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ "اور جن عورتوں کی نسبت تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ، (اور اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کو خواب گاہوں میں الگ کر دو۔"

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اَلْهِجْرَان کے معنی یہ ہیں کہ شوہر اس سے مباشرت نہ کرے، اس کے بستر پر نہ لیٹے بلکہ اس سے پیٹھ پھیر لے۔[2] کئی ایک ائمہ تفسیر نے بھی یہی کہا ہے۔[3] اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے جن میں سُدِّی، ضحاک اور عکرمہ ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے۔[4] سنن اور مسند میں معاویہ بن حَیدَہ قُشَیری سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی ایک پر اس کی بیوی کا کیا حق ہے؟ فرمایا: [أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ ......، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ ، وَلَا تُقَبِّحْ ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ] "یہ کہ جب کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، پہنو یا حاصل کرو تو اسے بھی پہناؤ، چہرے پر نہ مارو، گالی نہ دو اور ترک نہ کرو مگر گھر ہی میں۔"[5]

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ "اور ان کو زدوکوب کرو۔" یعنی اگر وعظ و نصیحت اور بستر الگ کرنے سے بھی وہ اپنے طرز عمل سے باز نہ آئیں تو انھیں اتنی جسمانی سزا دے سکتے ہو جس سے ان کے جسم پر نشان نہ پڑے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: [فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا (فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ)، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ] "عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ وہ تمھارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں (تمھاری حکومت میں ہیں۔) تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو انھیں زدوکوب تو کرو مگر بہت سخت نہیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دو۔"[6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے کہ ﴿ وَاضْرِبُوْهُنَّ ﴾ کے معنی ہیں ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ کہ ایسی مار جو بہت شدید نہ ہو۔[7] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایسی مار جس سے (جسم پر) نشان نہ پڑے۔[8]

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث:1436 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [2] تفسير ابن أبي حاتم:942/3. [3] تفسير الطبرى:91,90/5. [4] تفسير الطبرى:91,90/5. [5] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث:2142 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة......، حديث:1850 والسنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب تحريم ضرب الوجه في الأدب: 373/5 ، حديث:9171 ومسند أحمد: 3/5. [6] ماخوذ از صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ ، حديث:1218 ، البتہ قوسین والے مسند أحمد:73/5 کے مطابق ہیں۔ [7] تفسير الطبرى:97,96/5 . [8] تفسير الطبرى:98/5 .

17545

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ

اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو، اگر وہ دونوں صلح کرنا

يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿35﴾

چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا، خوب خبردار ہے ﴿35﴾

جب عورت اطاعت کرے تو پھر کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ﴾ ''پھر اگر وہ تمھاری فرمانبردار ہو جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔'' یعنی جب عورت اپنے شوہر کی ان تمام امور میں اطاعت کرے جن میں شوہر چاہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں مباح قرار دیا ہو تو پھر اس کے بعد اس کے لیے کوئی بہانہ نہیں ہے۔ اور اسے مارنے یا اس سے بے اعتنائی کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾ ﴾ ''بے شک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔'' یہ مردوں کے لیے وعید ہے کہ اگر وہ کسی سبب اور وجہ کے بغیر عورتوں پر زیادتی کریں تو اللہ تعالیٰ جو سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، وہ ان کا کارساز ہے اور وہ اس سے انتقام لے گا جو عورتوں پر ظلم و زیادتی کرے گا۔

تفسیر آیت:35

میاں بیوی میں نزاع کی صورت میں دو منصفوں کا تقرر: پہلے اس حالت کا ذکر کیا گیا تھا جب سرکشی و بدخوئی عورت کی طرف سے ہو اور اب اس دوسری حالت کا ذکر کیا جا رہا ہے جب میاں بیوی دونوں میں کشیدگی ہو تو اس کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ ''اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔''

فقہاء فرماتے ہیں کہ جب میاں بیوی میں اَن بن ہو جائے تو حاکم انھیں کسی ایسے قابل اعتماد شخص کے پاس رکھے جو ان کا جائزہ لیتا رہے اور ان میں سے جو ظالم ہو تو وہ اسے ظلم سے باز رکھے۔ اور اگر دونوں میں کشیدگی اور لڑائی جھگڑا طول اختیار کر جائے تو حاکم ایک قابل اعتماد شخص عورت کے خاندان میں سے اور ایک مرد کے خاندان میں سے بھیجے تاکہ وہ دونوں اکٹھے ہو کر ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیں اور ان کے مل جل کر رہنے یا الگ الگ ہو جانے کے بارے میں وہ فیصلہ کریں جو ان کی نگاہ میں مصلحت کے مطابق ہو لیکن شارع کی منشا یہی ہے کہ دونوں میں صلح کرا دی جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ ﴾ ''اگر وہ دونوں صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ ان (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا۔''

علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ ایک نیک شخص مرد کے خاندان میں سے اور اسی طرح ایک نیک مرد عورت کے خاندان سے مقرر کر دیں۔ وہ دونوں جائزہ لیں کہ ان میں سے برا

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ،اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں،

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ

رشتے دار پڑوسی ، اجنبی پڑوسی، ساتھ رہنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنی ملکیت کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿36﴾

بے شک اللہ ہر اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا﴿36﴾

کون ہے۔ اگر مرد برا ہو تو عورت کو اس سے روک لیں اور اسے نفقہ ادا کرنے پر مجبور کریں۔ اگر عورت بری ہو تو اسے شوہر کے پاس ہی رہنے دیں اور نفقہ سے روک دیں۔ علیحدگی یا صلح میں سے جس بات پر بھی ان کی رائے متفق ہو تو دونوں طرح جائز ہے۔ اگر دونوں منصفوں کی رائے یہ ہو کہ انھیں مل جل کر رہنا چاہیے، اور اس فیصلے پر میاں بیوی میں سے ایک راضی ہو جائے اور دوسرا راضی نہ ہو، اور اگر ان میں سے ایک فوت ہو جائے تو جو فیصلے پر راضی تھا وہ اس کا وارث ہوگا جس نے اس فیصلے کو پسند نہیں کیا تھا لیکن اس فیصلے کو ناپسند کرنے والا، پسند کرنے والے کا وارث نہیں ہوگا۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

شیخ ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں منصفوں میں جب اختلاف ہو تو پھر ان میں سے کسی کے قول کا اعتبار نہیں ہے۔ اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ صلح کی صورت میں ان کا فیصلہ نافذ ہوگا، خواہ میاں بیوی نے انھیں مقرر نہ بھی کیا ہو۔ اور اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر انھوں نے جدائی کا فیصلہ کیا ہو تو کیا پھر بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں انھوں نے جمہور کا قول یہی بیان کیا ہے کہ تفریق کی صورت میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہوگا۔[2]

تفسیر آیت:36

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے کیونکہ وہی خالق ہے، رازق ہے، منعم ہے اور تمام اوقات و حالات میں اپنی مخلوق پر فضل و کرم فرمانے والا ہے، لہٰذا وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے بندے صرف اسی کی وحدانیت کا اقرار کریں اور مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: [أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا (أَ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ إِذَاهُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ؟قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ) قَالَ: أَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمْ] ”کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے

[1] تفسير ابن أبي حاتم:945/3 وتفسير الطبري:104/5 . [2] الاستذكار لابن عبدالبرّ:111/18 .

ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنائیں۔ (پھر آپ نے فرمایا:) کیا تم جانتے ہو کہ جب وہ بندے ایسا کریں تو پھر بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کی وصیت فرمائی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمھارے والدین کو سبب بنایا کہ انھوں نے تمھیں عدم سے نکال کر وجود بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر جہاں اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے، وہاں اس کے ساتھ ہی والدین سے حسن سلوک کا بھی حکم دیا ہے، مثلاً: فرمایا: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ﴾ (لقمان 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنی إسرآئیل 23:17) ''اور آپ کے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی (کرتے رہو۔)''

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرابت دار مردوں اور عورتوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے: [اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَّعَلٰى ذِي الرَّحِمِ صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ] ''مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے جبکہ رشتے دار پر صدقہ، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''[2] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یتیموں سے بھی احسان کیا جائے کیونکہ وہ ان کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے ہوتے ہیں جو ان کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان پر خرچ کرتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان سے احسان اور شفقت کا سلوک کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ مسکینوں کے ساتھ بھی بھلائی کی جائے۔

مسکین ان ضرورت مندوں اور محتاجوں کو کہتے ہیں جن کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق ساز و سامان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان کی اس انداز سے مدد کی جائے کہ ان کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ فقیر و مسکین کے بارے میں بحث سورۂ براءت میں ہوگی۔[3]

پڑوسی کے حقوق: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ ''اور رشتے دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں (کے ساتھ احسان کرو۔)'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى ﴾ سے مراد

---

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ أمته إلى توحيد الله تبارك وتعالى، حديث:7373 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة......، حديث: 30. اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 234/5 کے مطابق ہیں۔ [2] جامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة، حديث: 658 وسنن النسائي، الزكاة، باب الصدقة على الأقارب، حديث:2583 وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب فضل الصدقة، حديث: 1844 عن سلمان بن عامر ﷺ. والمعجم الكبير للطبراني: 101/5، حديث: 4723 واللفظ له.
[3] دیکھیے التوبة، آیت: 60 کے ذیل میں۔

وہ ہمسایہ ہے جو آپ کا رشتہ دار بھی ہو۔[1] اور ﴿ وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ سے مراد وہ ہمسایہ ہے جو آپ کا رشتہ دار نہ ہو۔[2] عکرمہ، مجاہد، میمون بن مہران، ضحاک، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] اور امام مجاہد سے ﴿ وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ اس سے مراد رفیق سفر ہے۔[4] پڑوسی کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

پہلی حدیث: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَازَالَ جِبرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ] ''جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو بھی وارث قرار دے دیں گے۔''[5] اس حدیث کو امام بخاری ومسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[6]

دوسری حدیث: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) [مَا زَالَ جِبرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِحَتّٰى ظَنَنتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ] ''جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو بھی وارث قرار دے دیں گے۔''[7] امام ابوداود اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[8] اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔

تیسری حدیث: امام احمد ہی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَيرُ الْأَصحَابِ عِندَ اللّٰهِ خَيرُهُم لِصَاحِبِهِ، وَخَيرُ الْجِيرَانِ عِندَ اللّٰهِ خَيرُهُم لِجَارِهِ] ''دوستوں میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے دوست کے لیے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔''[9] امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[10] اور حسن غریب قرار دیا ہے۔

چوتھی حدیث: امام احمد ہی نے حضرت مقداد بن اسود کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: [مَا تَقُولُونَ فِي الزِّنَا؟ قَالُوا: حَرَّمَهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَهُوَ حَرَامٌ إِلٰى يَومِ الْقِيَامَةِ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصحَابِهِ: لَأَنْ يَّزنِيَ الرَّجُلُ بِعَشرَةِ نِسوَةٍ أَيسَرُ عَلَيهِ مِنْ أَنْ يَّزنِيَ بِامرَأَةِ جَارِهِ، قَالَ: فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي السَّرِقَةِ ؟ قَالُوا: حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ، فَهِيَ حَرَامٌ، قَالَ : لَأَنْ يَّسرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشرَةِ أَبيَاتٍ أَيسَرُ عَلَيهِ مِنْ أَنْ يَّسرِقَ مِنْ جَارِهِ] ''زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے، اس لیے یہ روز قیامت تک حرام ہے، حضرت مقداد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اگر

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:948/3 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:948/3 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:949/3 . [4] تفسیر ابن أبی حاتم:949/3 . [5] مسند أحمد:85/2 . [6] صحیح البخاری، الأدب، باب الوصاء ة بالجار، حدیث:6015 وصحیح مسلم، البر والصلة، باب الوصیة بالجار والإحسان إلیه، حدیث:2625 . [7] مسند أحمد:160/2. [8] سنن أبی داود، الأدب، باب فی حق الجوار، حدیث:5152 وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث:1943 اور اس میں یہ الفاظ ایک واقعے کے سیاق میں ہیں۔ [9] مسند أحمد:168,167/2. [10] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث:1944.

کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے، اس سے کہیں زیادہ بڑا گناہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ چوری کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، لہٰذا یہ حرام ہے آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص دس گھروں سے بھی چوری کرے تو اس سے کہیں زیادہ بڑا گناہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسی کی چوری کرے۔'' [1]

اور صحیحین میں بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا یہ شاہد موجود ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ] ''یہ کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا فرمایا ہے۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: اپنے بچے کو اس خدشے سے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔'' [2]

پانچویں حدیث: امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اگر میرے دو پڑوسی ہوں تو میں ان میں سے کس کو تحفہ دوں؟ فرمایا: [أَقْرَبُهُمَا مِنْكِ بَابًا] ''جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔'' [3] اسے امام بخاری نے بھی بیان کیا ہے۔ [4]

اور ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ کے متعلق بحث سورۂ براءت میں کی جائے گی۔ [5] وَبِاللّٰهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

غلاموں سے احسان کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ''اور جو لوگ تمھارے قبضے میں ہوں (ان کے ساتھ بھی احسان کرو۔)'' کیونکہ غلام بھی بہت ضعیف اور لوگوں کے ہاتھوں میں قیدی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الوفات میں اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: [اَلصَّلَاةَ اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ] ''نماز! نماز! اور اپنے غلاموں سے (اچھا سلوک کرنا۔)'' حتی کہ آپ نے یہ الفاظ بار بار اپنے دل ہی میں دہرائے۔ (لیکن شدتِ تکلیف کی بنا پر) آپ کی زبان ادائیگی سے قاصر رہی۔ [6]

امام احمد نے مِقدام بن مَعدِ یکرِب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَّمَا أَطْعَمْتَ وَلَدَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَّمَا أَطْعَمْتَ زَوْجَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَّمَا أَطْعَمْتَ

---

[1] مسند أحمد: 8/6 والمعجم الكبير للطبراني: 257,256/20، حديث: 605. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ (الفرقان 68:25)، حديث: 4761 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ......، حديث: 86. [3] مسند أحمد: 175/6. [4] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب بمن يبدأ بالهدية ؟ حديث: 2595. [5] دیکھیے آیت: 60 کے ذیل میں۔ [6] مسند أحمد: 290/6 عن أم سلمة رضي الله عنها وسنن أبي داود، الأدب، باب في حق المملوك، حديث: 5156 وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب وهل أوصى رسول الله ﷺ؟ حديث: 2698 عن علي رضي الله عنه. دیکھیے إرواء الغليل، حديث: 2178.

خَادِمَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ] ''جو تم خود کھاؤ صدقہ ہے جو اپنے بچے کو کھلاؤ صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلاؤ صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلاؤ تو وہ بھی تمھارے لیے صدقہ ہے۔''[1] اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے خازن سے کہا: کیا غلاموں کو کھانا دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں تو فرمایا: جاؤ اور انھیں کھانا دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَّحْبِسَ عَمَّنْ يَّمْلِكُ قُوتَهٗ] ''آدمی کے لیے بس یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے غلام کے کھانے کو روک لے۔''[3] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ] ''کھانا اور کپڑے وغیرہ (مالک پر) غلاموں کا حق ہے۔ اور ان سے طاقت سے زیادہ کام بھی نہیں لینا چاہیے۔''[4] اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے: [إِذَا أَتٰى أَحَدَكُمْ خَادِمُهٗ بِطَعَامِهٖ، فَإِنْ لَّمْ يُجْلِسْهُ مَعَهٗ فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ، فَإِنَّهٗ وَلِيَ حَرَّهٗ وَعِلَاجَهٗ] ''جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا لے کر آئے اور اگر وہ اسے اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے تو اسے کم از کم ایک یا دو لقمے ضرور کھلا دے کیونکہ اس نے کھانا تیار کرتے وقت گرمی بھی برداشت کی ہے اور اسے تیار بھی کیا ہے۔''[5]

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾ ''بلاشبہ اللہ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' جو اپنے بارے میں بڑائی اور برتری کے احساس میں مبتلا ہو اور لوگوں کو حقیر سمجھنے والا اور ان پر تکبر، فخر اور غرور کرنے والا ہو اور اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھنے والا ہو، ایسا شخص خود کو اگرچہ بہت بڑا سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر اور لوگوں کی نگاہوں میں انتہائی قابل نفرت ہوتا ہے۔

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ مُخْتَالًا ﴾ کے معنی متکبر کے ہیں اور ﴿ فَخُورًا ﴾ اس کو کہتے ہیں جو اپنے مال کو گن گن کر تو رکھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا۔[6] یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے جن نعمتوں سے نوازا ہوتا ہے، ان کی وجہ سے وہ لوگوں پر فخر تو ضرور کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر کم ہی بجا لاتا ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن واقد ابو رجاء ہَرَوِی کا قول بیان کیا ہے کہ جو شخص بد خلق ہوگا، وہ متکبر اور فخر و غرور کرنے والا ضرور ہوگا، پھر انھوں نے یہ پڑھا: ﴿ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴾ ''اور جو تمھاری ملکیت ہوں (کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو) بے شک اللہ ہر

[1] مسند أحمد: 131/4. [2] السنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب: 81 الفضل في ذلك: 376/5، حديث: 9185. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك......، حديث: 996. [4] صحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس......، حديث: 1662. [5] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل مع الخادم، حديث: 5460 وصحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1663. [6] تفسير الطبري: 119/5

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ

ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے

فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ

اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کردینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے﴿37﴾ اور ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو لوگوں کے دکھاوے

النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جس شخص کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ

ہے﴿38﴾ اور ان لوگوں کا کیا جاتا، اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے انھیں جو مال دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے؟

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿39﴾

اور اللہ انھیں خوب جاننے والا ہے﴿39﴾

اترانے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' اور جو شخص نافرمان ہوگا وہ سرکش و بدبخت ضرور ہوگا، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○﴾ (مریم 19:32) ''اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔''[1]

بَلُهُجَيْم کے ایک شخص جابر بن سُلَیم سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت فرمایئے، تو آپ نے (چند اہم امور کا تذکرہ فرمایا) اور ساتھ ہی فرمایا: [وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّ إِسْبَالَ الْإِزَارِ مِنَ الْمَخِيلَةِ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَا يُحِبُّ الْمَخِيلَةَ] ''تہبند کو نیچے نہ لٹکاؤ کیونکہ تہبند کا (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانا تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔''[2]

تفسیر آیات: 37-39

بخل کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے مال کے بارے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریبی پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں، رفقائے پہلو، مسافروں اور غلاموں پر احسان کرتے ہوئے خرچ نہیں کرتے اور نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو خود ادا نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی بخل سے کام لینے کا حکم دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ؟] ''بخل سے بڑھ کر بڑی بیماری اور کون سی ہو سکتی ہے؟''[3]

① تفسير الطبري: 119/5 . ② مسند أحمد: 64/5 والسنن الكبرى للنسائي، الزينة، باب: 102 الاختلاف ......: 486/5، حديث: 9691-9699. ③ مجمع الزوائد، المناقب، باب ماجاء في بشر بن البراء ......: 315/9، حديث: 15748 والمستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، ذكر مناقب بشر بن البراء بن معرور ﷺ: 219/3، حديث: 4964 عن أبي هريرة ﷺ. وصحيح البخاري، المغازي، باب قصة عمّان والبحرين، حديث: 4383 عن أبي بكر ﷺ موقوفًا.

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: [وَإِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ]، [أَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا] ''حرص وبخل سے بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا، حرص وبخل نے انھیں قطع رحمی پر آمادہ کیا تو انھوں نے قطع رحمی شروع کر دی اور اس نے انھیں گناہوں پر ابھارا تو انھوں نے گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَكْتُمُونَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور جو (مال) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، اسے چھپا چھپا کے رکھتے ہیں۔'' بخیل اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا گویا منکر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس کے کھانے پینے، لباس اور دیگر اخراجات سے اظہار نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝ ﴾ (العٰدیٰت 100: 6،7) ''بے شک انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس (اور ناشکرا) ہے اور وہ اس پر گواہ بھی ہے، (اپنی عادات وخصائل پر۔)'' ﴿ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ ﴾ (العٰدیٰت 100:8) ''اور بے شک وہ تو مال سے سخت محبت کرنے والا ہے۔'' اور یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ وَيَكْتُمُونَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے، اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔'' اسی لیے انھیں وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ ﴾ ''اور ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

کفر کے معنی چھپانے اور ڈھانپ دینے کے ہوتے ہیں تو بخیل بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو چھپاتا، اس پر پردہ ڈالتا اور اس کا انکار کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ساتھ کفر، یعنی ناشکری کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَنْعَمَ عَلٰى عَبْدٍ نِّعْمَةً أَحَبَّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَيْهِ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو نعمت سے نوازے تو وہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس (بندے) پر اپنی نعمت کے اثر کو دیکھے۔''[2]

بعض ائمہ سلف نے اس آیت کو یہود کے اس بخل پر بھی محمول کیا ہے کہ انھوں نے اس علم کا اظہار نہ کیا جو حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں ان کے پاس تھا بلکہ انھوں نے اسے لوگوں سے چھپایا۔[3] بلا شبہ اس آیت کریمہ میں اس بات کا بھی احتمال ہے اور سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت مال کے بارے میں بخل سے متعلق ہے لیکن علم کے بارے میں بخل بھی اس میں بالاولیٰ داخل ہے اگرچہ سیاق کلام قریبی رشتے داروں اور کمزوروں پر خرچ کرنے سے متعلق ہے۔ اسی طرح اس کے بعد والی آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ ''اور وہ

[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ مسند أحمد:195/2 اور دوسرا حصہ سنن أبي داود، الزكاة، باب في الشح، حديث:1698 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ [2] سنن أبي داود، اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث:4063 ومسند أحمد:473/3 عن مالك بن نضلة رضی اللہ عنہ. والمعجم الكبير للطبراني:135/18 واللفظ له عن عمران بن الحصين رضی اللہ عنہ. [3] تفسير الطبري:120/5.

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

بے شک اللہ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، اور اگر (کسی کی) کوئی نیکی ہو تو وہ اسے دگنی کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتا

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

ہے﴿40﴾ پھر ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ (ﷺ) کو اس امت پر گواہ بنائیں گے؟﴿41﴾ اس دن وہ

شَهِيْدًا ﴿41﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ

لوگ، جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، خواہش کریں گے کہ کاش! انھیں زمین کے ساتھ برابر کر دیا جاتا، اور وہ اللہ سے

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ع

6 ع 9 3

کوئی بات چھپا نہ سکیں گے﴿42﴾

لوگ خرچ بھی کریں تو (اللہ کے لیے نہیں بلکہ) لوگوں کے دکھانے کو۔‘‘

پہلے قابل مذمت کنجوس اور بخیل لوگوں کا ذکر کیا اور اب ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ریا کار ہیں اور جو شہرت و ریا کاری کے لیے اور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ جود و سخا کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے، خرچ کرنے سے ان کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے جن تین شخصوں کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا وہ عالم، غازی اور سخی ہوں گے جنھوں نے محض ریا کاری کے لیے اپنے اعمال سرانجام دیے ہونگے، چنانچہ ارشاد ہے کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال ومتاع سے نوازا تھا وہ کہے گا: [مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْءٍ تُحِبُّ أَنْ يُّنْفَقَ فِيهِ إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهِ لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ، إِنَّمَا أَرَدْتَّ أَنْ يُّقَالَ: فُلَانٌ جَوَادٌ، فَقَدْ قِيلَ] ’’میں نے ہر اس جگہ اپنا مال خرچ کیا، جہاں خرچ کرنا تجھے پسند تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے کیونکہ تیرا ارادہ تو یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں سخی ہے اور وہ کہہ دیا گیا تھا۔‘‘[1] یعنی تو نے اپنا بدلہ دنیا ہی میں پا لیا تھا اور اپنے اس فعل سے تیرا جو مقصود تھا، وہ تو نے دنیا ہی میں حاصل کر لیا تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ ’’اور ایمان نہ اللہ پر لاتے ہیں اور نہ روز آخرت پر۔‘‘ یعنی اس قبیح حرکت پر اور اللہ کی اطاعت سے اعراض پر انھیں شیطان نے آمادہ کیا ہے، وہ ان کا دوست ہے اور اسی نے ان برے اعمال کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا ہے۔ اور یاد رکھو! ﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾﴾ ’’اور جس شخص کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ﴾

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، حديث:1905 وجامع الترمذي:2382 مطوّلًا. وسنن النسائي:3139 ومسند أحمد:322,321/2 والسنن الكبرى للبيهقي، السير، باب بيان النية الّتي يقاتل عليها 168/9:...... واللفظ له عن أبي هريرة ﷺ.

''اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا تھا، اس میں سے خرچ کرتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا؟'' یعنی ان کا کیا بگڑتا تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ ایمان لے آتے، اچھے رستے پر چلتے، ریا سے اجتناب کرتے اور اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کو اختیار کرتے اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی امید رکھتے جو آخرت میں اس نے اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ فرما رکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو ان کاموں میں خرچ کرتے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں؟

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝39 ﴾ ''اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔'' وہ ان کی نیک اور بدنیتوں کو جانتا ہے، وہ جانتا ہے کہ ان میں سے توفیق کا مستحق کون ہے؟ پھر وہ اسے توفیق عطا فرماتا اور رشد و بھلائی سے نوازتا ہے۔ اور اسے ایسے عمل صالح کی توفیق عطا فرما دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون بدنصیب اس بات کا مستحق ہے جسے اس کی بارگاہ اقدس سے دھتکار دیا جائے؟ چنانچہ جسے اس کی بارگاہ قدس سے دور ہٹا دیا گیا، وہ دنیا و آخرت دونوں میں ناکام و نامراد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محض اپنے فضل و کرم سے اس سے محفوظ رکھے۔

تفسیر آیات: 40-42

اللہ تعالیٰ ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے کسی بندے پر ذرّہ بھر اور رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرے گا بلکہ ہر ہر شخص کے ساتھ انصاف کرے گا۔ اور اگر عمل نیک ہوا تو اس کا دوگنا چوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ ...... ﴾ الآية (الأنبيآء 21:47) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے......''

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے بارے میں بھی فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا تھا: ﴿ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ﴾ (لقمٰن 31:16) ''اے میرے بیٹے! بلاشبہ اگر کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں اللہ اس کو قیامت کے دن لے آئے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ڏ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ﴾ (الزلزال 99:6-8) ''اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اہل جنت کی) شفاعت سے متعلق طویل حدیث میں فرمایا: [فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: (اِرْجِعُوا) فَمَنْ وَّجَدْتُّمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ]، [حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيمَانٍ، فَأَخْرِجُوهُ (مِنَ النَّارِ)] ''پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان پاؤ

اسے جہنم سے نکال لاؤ۔''① اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [(أَدْنٰی أَدْنٰی أَدْنٰی) مِثْقَالِ ذَرَّةٍ مِّنْ خَیْرٍ، فَأَخْرِجُوهُ (مِنَ النَّارِ) فَیُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِیرًا] ''(جس کے دل میں) ایمان کے کم سے کم تر ذرے کو بھی (پاؤ) تو اسے بھی جہنم سے نکال لاؤ تو وہ بہت سی مخلوق کو نکال لائیں گے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابوسعید فرماتے کہ اگر تم میری اس حدیث کے بارے میں تصدیق نہ کرو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾ .②

کیا مشرکوں سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی؟ حضرت سعید بن جبیر سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا ﴾ ''اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا۔'' کے بارے میں روایت ہے کہ قیامت کے دن مؤمن کی نیکی کو دگنا چوگنا کر دیا جائے گا لیکن مشرک کے عذاب میں تخفیف تو کر دی جائے گی مگر اسے جہنم سے کبھی نکالا نہیں جائے گا۔③

اس کی تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا چچا ابوطالب آپ کا دفاع اور آپ کی اعانت ونصرت کرتا تھا تو کیا آپ نے اسے کوئی نفع پہنچایا؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ] ''ہاں، وہ اتھلی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔''④

ہوسکتا ہے کہ دیگر کفار کے بجائے یہ رعایت خاص طور پر ابوطالب ہی سے ہو اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ابوداود طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا یَظْلِمُ الْمُؤْمِنَ حَسَنَةً یُّثَابُ عَلَیْهَا الرِّزْقَ فِي الدُّنْیَا، وَیُجْزٰی بِهَا فِي الْآخِرَةِ، وَأَمَّا الْكَافِرُ فَیُطْعَمُ بِهَا فِي الدُّنْیَا، فَإِذَا كَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ لَمْ تَكُنْ لَّهُ حَسَنَةٌ] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومن کی کسی بھی نیکی کو رائیگاں نہیں جانے دے گا، دنیا میں اس کی وجہ سے رزق عطا فرمائے گا اور آخرت میں ثواب سے نوازے گا اور کافر کی نیکی کی وجہ سے اسے دنیا ہی میں کھلا دے گا اور قیامت کے دن اس کے لیے کوئی نیکی نہیں ہوگی۔''⑤

---

① اس کا ابتدائی حصہ صحیح البخاري، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ﴾، حدیث: 7439 اور آخری حصہ بھی صحیح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حدیث: 6560 وصحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحّدین من النار، حدیث: 184 کے مطابق ہے۔ اور صحیح مسلم، حدیث: 183 میں [اِرجعوا] جبکہ صحیح بخاری، حدیث: 7439 میں [اِذهبوا] اور [مِنَ النَّارِ] مسند أبي یعلی: 423/2 ، حدیث: 1219 میں ہے۔ ② صحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث: 183، البتہ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے میں بھی یہ مفہوم اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے آیت کریمہ کی تلاوت کرنے کا ذکر موجود ہے اور [أدنی......] کے الفاظ صحیح البخاري، التوحید، باب کلام الرب یوم القیمة مع الأنبیاء وغیرهم، حدیث: 7510 وصحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: (326)-193 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذکر میں ہیں۔ ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 955/3. ④ صحیح البخاري، الأدب، باب کنیة المشرك، حدیث: 6208 وصحیح مسلم، الإیمان، باب شفاعة النبي ﷺ لأبي طالب ...... ، حدیث: 209 . ⑤ مسند أبي داود الطیالسي: 503/3 ، حدیث: 2123 وصحیح مسلم، صفات المنافقین، باب جزاء المؤمن بحسناته في الدنیا والآخرة......، حدیث: 2808 ومسند أحمد: 123/3.

اجرِعظیم کے معنی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور ضحاک نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ''اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد جنت ہے۔[1] ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی رضا اور جنت عطا فرمائے۔ امام ابن ابو حاتم نے ابوعثمان نہدی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں بیٹھتا تھا، وہ حج کے لیے مجھ سے پہلے آئے اور میں ان کے بعد آیا۔ اہل بصرہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث بیان کی کہ آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ اللّٰهَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس لاکھ گنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔'' میں نے کہا کہ لوگو! تم پر افسوس ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس مجھ سے زیادہ بیٹھنے والا اور کوئی شخص نہ تھا لیکن میں نے ان سے یہ حدیث نہیں سنی، میں نے ارادہ کیا کہ ان سے ملاقات کرکے اس حدیث کے بارے میں دریافت کروں لیکن وہ حج کے لیے روانہ ہو گئے تو میں بھی حج کے لیے روانہ ہو گیا تاکہ ان سے مل کر اس حدیث کے بارے میں استفسار کروں، چنانچہ ان سے ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا: ابو ہریرہ! وہ کیا حدیث ہے جسے میں نے بصرہ میں اپنے بھائیوں سے سنا ہے؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سی؟ تو میں نے کہا کہ ان کا خیال ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْحَسَنَةَ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا دس لاکھ گنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے ابوعثمان! اس سے تعجب کیسا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: ''ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔'' اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾ (التوبۃ9:38) ''چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت حقیر ہے۔'' اللہ کی قسم میں نے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ يُضَاعِفُ الْحَسَنَةَ أَلْفَيْ أَلْفِ حَسَنَةٍ] ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا بیس لاکھ گنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔''[2]

روز قیامت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں شہادت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ '' بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو اس امت پر گواہ بنائیں گے؟'' اللہ تعالیٰ روز قیامت کی سختیوں اور ہولناکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہر امت میں سے ہم گواہی دینے والوں کو، یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو طلب کریں گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ (الزمر39:69) ''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:955/3 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:461/2 اور دیکھیے مسند أحمد:522,521/2 و تفسیر الطبری: 128/5 البتہ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعیفة:3975 .

جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ﴾(النحل16:89) ''اور (اے نبی! یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں ان پر انھی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِقْرَأْ عَلَيَّ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! آقْرَأُ عَلَيْكَ،وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ ؟ قَالَ: نَعَمْ (فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي) فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى أَتَيْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿41﴾ ﴾ قَالَ: حَسْبُكَ الْآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ] ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں پڑھ کر سناؤں! حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے بھی قرآن سنوں تو میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی اور جب اس آیت تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: اب بس کرو، میں نے دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿42﴾ ﴾ ''اس روز کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔'' یعنی وہ جب میدان حشر کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے اور ذلت و رسوائی اور زجر و توبیخ سے دوچار ہونگے تو خواہش کریں گے کہ اے کاش! زمین پھٹ جائے اور انھیں نگل لے یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ...... ﴾ الآية (النبأ40:78) ''جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا......'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿42﴾ ﴾ یعنی پھر وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا بھی نہیں سکیں گے بلکہ انھوں نے جو کچھ کیا ہوگا سب کا اعتراف کرلیں گے۔

امام عبدالرزاق نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ مجھے قرآن مجید کی کئی باتوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ کیا قرآن میں شک ہے؟ اس نے عرض کی: جی نہیں! شک نہیں بلکہ اختلاف، آپ نے فرمایا: ہاں، بتاؤ کیا اختلاف ہے؟ اس نے عرض کی کہ قرآن مجید میں ایک جگہ تو یہ ہے کہ ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴾ (الأنعام6:23) ''تو ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) بجز اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ کہیں اللہ کی قسم! اے ہمارے پروردگار! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔''

اور دوسری جگہ یہ ہے کہ ﴿ وَلَا يَكْتُمُونَ ﴾ حالانکہ انھوں نے چھپا تو لیا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان میں سے پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین روز قیامت جب یہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ صرف اہل اسلام ہی کے گناہوں کو

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقارئ: حسبك، حدیث:5050 اور قوسین کے الفاظ بھی صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ ﴾ (النساء4:41) ، حدیث:4582 کے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اس وقت نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کچھ تم کہتے ہو، اور نہ ناپاکی کی حالت میں

اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ

(نماز کے قریب جاؤ) یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ ہاں، اگر راہ چلتے گزر و تو اور بات ہے۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے

مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

(فارغ ہو کر) آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اسے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مل لو، بے شک

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿43﴾

اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے ﴿43﴾

معاف فرما رہا ہے اور کسی گناہ کا معاف کر دینا بھی اس کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں لیکن وہ شرک کو ہرگز معاف نہیں فرما رہا تو مشرکین اپنے شرک ہی کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ (الأنعام6:23) اس امید سے کہ انھیں بھی معاف کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے مونہوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کے بارے میں بتائیں گے، پھر یہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپانے پر قادر نہ ہوں گے تو اس وقت: ﴿يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾﴾ ''کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کر دی جاتی اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔''[1]

تفسیر آیت: 43

نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرما دیا ہے کہ وہ نشے کی حالت میں نماز ادا کریں کیونکہ اس حالت میں نمازی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اسی طرح حالت جنابت میں مسجدوں میں جانے سے بھی منع کر دیا ہے الّا یہ کہ کوئی مسجد میں ٹھہرنے والا تو نہ ہو لیکن ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے باہر نکل جانے والا ہو۔

نشے کی حالت میں نماز کے قریب جانے کی یہ ممانعت، شراب کی حرمت کے حکم سے پہلے تھی جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو ہم آیت کریمہ: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ﴾ (البقرة2:219) کی تفسیر میں تفصیل سے قبل ازیں بیان کر آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ کی تلاوت سنائی تو انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی حکم نازل فرما دے تو یہی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ نازل ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی آپ پر تلاوت فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر دست بدعا ہوئے: اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی حکم

[1] تفسیر عبدالرزاق:457/1 مطوّلًا۔ یہی روایت بالفاظ دیگر امام بخاری نے بھی بیان کی ہے، دیکھیے صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ حٰمٓ السجدة، قبل الحدیث:4816 معلّقًا۔ وتفسیر الطبری:132/5۔

نازل فرما دے، اس وقت مسلمان نماز کے اوقات میں شراب نہیں پیا کرتے تھے اور اس کے بعد جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ○﴾ (المآئدة5:90,91) ''اے ایمان والو! شراب اور جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم (ان کاموں سے) باز آتے ہو؟'' تو یہ آیات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم باز آئے، ہم باز آئے۔[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ﴾ ''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔'' اور اس کے نزول کے بعد جب نماز کھڑی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی یہ اعلان کر دیتا کہ نشے والا نماز کے قریب نہ جائے۔ یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے ہیں۔[2]

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں امام ابن ابوحاتم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں۔ ایک انصاری نے دعوت طعام کا اہتمام کیا اور اس میں (مہاجرین وانصار میں سے) کچھ لوگوں کو مدعو کیا، ہم نے کھانا کھایا اور اس کے بعد شراب پی حتی کہ جب نشے میں ہو گئے تو ہم نے فخر وغرور کا اظہار کرنا شروع کر دیا تو ایک شخص نے اونٹ کے دونوں جبڑوں کو پکڑا اور اسے مار کر سعد کی ناک توڑ دی، چنانچہ سعد ٹوٹی ہوئی ناک والے تھے، یہ واقعہ شراب کی حرمت سے پہلے کا ہے تو اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى ......﴾ الآية.[3] مسلم میں بھی یہ پوری حدیث موجود ہے۔[4] اور امام ابن ماجہ کے سوا دیگر اہل سنن نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[5]

ایک دوسرا سبب نزول: امام ابن ابوحاتم نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن

---

[1] ملخص از مسند أحمد: 53/1 مطولاً. [2] سنن أبي داود، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث:3670 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3049 عن عمر رضی اللہ عنہ . [3] تفسير ابن أبي حاتم:958/3 . [4] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ ، حديث:1748 بعد الحديث:2412 لیکن اس میں لحيي بعير......کے بجائے أحد لحيي الرأس ...... ہے۔ [5] سنن أبي داود، الجهاد، باب في النفل، حديث:2740 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة العنكبوت، حديث:3189 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة الأنفال:349:6، حديث:11196 ومسند أحمد:185/1، 186. لیکن مذکورہ حوالہ جات میں ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ﴾ کے بجائے ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ﴾ (المائدة5:90) کے نزول کا ذکر ہے۔ جبکہ مسند أبي داود الطيالسي:169/1، 170، حديث:205 میں ان دونوں آیتوں کا ذکر ہے۔

عوف نے دعوت طعام کا اہتمام کیا، ہمیں مدعو کیا، کھانا کھلایا، شراب پلائی اور جب شراب نے اپنا اثر دکھایا تو نماز کا وقت بھی ہوگیا تو انھوں نے ایک شخص کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا تو اس نے سورۂ کافرون اس طرح پڑھی: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ، وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ] تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی تھی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾[1] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[2]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ﴾ ''جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو، سمجھنے (نہ) لگو۔'' یہ نشے والے انسان کی سب سے بہتر تعریف اور وضاحت ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جس نے شراب پی ہوگی، اس کی قراءت خلط ملط ہو جائے گی۔ اور وہ قراءت میں تدبر اور نماز میں خشوع خضوع نہیں کر سکے گا۔

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَنَمْ حَتّٰى يَعْلَمَ مَا يَقُولُ] ''جب کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسے چاہیے کہ نماز چھوڑ کر سو جائے اور نماز اس وقت پڑھے، جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔''[3] یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے۔ ہاں، البتہ صحیح بخاری میں ہے،[4] نیز اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں: [لَعَلَّهُ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهُ] ''ہوسکتا ہے کہ حالتِ نیند میں نماز ادا کرتے ہوئے وہ مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے، اپنے آپ کو گالیاں دینے لگے۔''[6]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾ ''اور جنابت کی حالت میں (نماز کے پاس) نہ جاؤ، جب تک کہ غسل (نہ) کرلو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق روایت ہے وہ فرماتے ہیں: گزر تو جاؤ مگر اس حالت میں مسجد میں نہ بیٹھو۔[7] پھر امام ابن ابو حاتم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، ابوالضحیٰ، عطاء، مجاہد، مسروق، ابراہیم نخعی، زید بن اسلم، ابو مالک، عمرو بن دینار، حکم بن عُتَیبہ، عکرمہ، حسن بصری، یحییٰ بن سعید انصاری، ابن شہاب اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔[8]

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یزید بن ابو حبیب کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ کچھ انصاریوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، بسا اوقات وہ حالتِ جنابت میں ہوتے اور ان کے پاس گھروں میں پانی نہ ہوتا۔ جب پانی کے

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:958/3. [2] جامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة النساء، حديث:3026 اور اس میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے آگے کر دیا۔ اور یہاں [لأعبد] ہے۔ [3] مسند أحمد:142/3. [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب الوضوء من النوم ومن لم يرمن النعسة......، حديث:212 عن عائشة ﷺ.و213. [5] سنن النسائي، الغسل، باب الأمر بالوضوء من النوم، حديث:444. [6] صحيح البخاري، الوضوء، باب الوضوء من النوم ......، حديث:212 ومسند أحمد: 56/6 عن عائشة ﷺ. [7] تفسير ابن أبي حاتم:960/3 وتفسير الطبري:138/5. [8] تفسير ابن أبي حاتم:60/3.

لیے گھروں سے باہر نکلتے تو مسجد سے گزرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہ ہوتا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت دے دی۔①

یزید بن ابو حبیب رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [سُدُّوا عَنِّي كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ] ''ابو بکر کے دریچے کے سوا مسجد میں کھلنے والے ہر دریچے کو بند کر دو۔''② یہ ارشاد آپ نے اپنی حیات طیّبہ کے بالکل آخری ایام میں فرمایا تھا۔③ کیونکہ وحی کی روشنی میں آپ کو معلوم تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ بنیں گے اور مسلمانوں کے بہت سے اہم امور کی وجہ سے انھیں مسجد میں بار بار آنے کی ضرورت ہوگی، اس لیے آپ نے مسجد میں کھلنے والے دیگر تمام گھروں کے دروازوں کو تو بند کروا دیا مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کو بند نہ کروایا۔

اور جن لوگوں نے [إِلَّا بَابَ عَلِيٍّ] ''علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کو بند نہ کرو'' کے الفاظ روایت کیے ہیں جیسا کہ بعض کتب سنن میں ہے④ تو یہ غلط ہے اور صحیح الفاظ وہی ہیں جو صحیح (بخاری) کی روایت کے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کو بند نہ کرو۔⑤

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: [نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ، فَقُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ] ''مجھے مسجد سے چٹائی پکڑا دو تو میں نے عرض کی کہ میں حالتِ حیض میں ہوں تو آپ نے فرمایا کہ حیض تمھارے ہاتھوں میں تو نہیں ہے۔''⑥

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔⑦ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حائضہ عورت مسجد سے گزر سکتی ہے اور نفاس والی عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تیمّم کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو۔'' جس مرض کی وجہ سے تیمّم جائز ہے، اس سے مراد وہ مرض ہے جس میں پانی کے استعمال کی وجہ سے کسی عضو کے ناکارہ ہونے یا اس کے بدنما ہونے یا بیماری کے طول پکڑ جانے کا اندیشہ ہو، بعض علماء نے محض کسی بھی بیماری کی وجہ سے تیمّم جائز قرار دیا ہے۔ اور انھوں نے اس آیتِ کریمہ

① تفسير الطبري:139/5. ② صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، حديث:467 ومسند أحمد:270/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما . ③ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے میں [خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ......] ہے۔ ④ مسند أحمد:369/4 والمستدرك للحاكم:125/3 عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ. ⑤ دیکھیے المسند الضعيف للعقيلي: 170، رقم: 291 والموضوعات لابن الجوزي، باب في فضائل علي رضی اللہ عنہ:272/1 اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منهاج السنة: 9/3 میں کہا ہے کہ یہ قول شیعہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں کہے گئے قول کے مقابلے میں گھڑا ہے۔ ⑥ صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث:298. ⑦ صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل ...... ، حديث:299 مگر یہاں: [الْخُمْرَةَ] کے بجائے [الثوب] ہے۔

کے عموم سے استدلال کیا ہے۔[1] اور یہاں سفر سے مراد معروف سفر ہے اور اس میں مسافت کے زیادہ یا کم ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ ﴾ ''یا تم میں سے کوئی بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو۔'' الغائط نرم زمین کو کہتے ہیں اور یہ رفع حاجت سے کنایہ ہے جو کہ حدث اصغر ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ ''یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔'' اسے [لَمَسْتُمُ] اور [لَامَسْتُمُ] دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یہ ہم بستری سے کنایہ ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ﴾ (البقرة2:237) ''اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ﴾ (الأحزاب33:49) ''مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے پاس جانے سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ۔'' کیونکہ ان آیات میں بھی مَسّ سے مراد جماع ہے، امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بیان کیا ہے کہ ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ سے مراد جماع ہے۔[2] حضرت علی، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، طاؤس، حسن، عبید بن عمیر، سعید بن جبیر، شعبی، قتادہ اور مُقاتل بن حَیّان رحمہم اللہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔[3]

اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ﴾ ''پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص الگ تھلگ ہے اور اس نے لوگوں کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھی، آپ نے فرمایا: [يَا فُلَانُ !مَا مَنَعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ فِي الْقَوْمِ (أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ ؟) وَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَّلَامَاءَ، قَالَ:عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ] ''اے فلاں! تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حالت جنابت میں ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تم مٹی استعمال کرلو، تمھارے لیے یہ کافی ہے۔''[4]

تیمّم کے لغوی معنی: تیمّم کے معنی قصد کرنے کے ہیں، عرب کہتے ہیں تَيَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِهِ ''اللہ اپنی حفاظت میں تمھارا قصد فرمائے۔'' اور صَعِيدٌ کے معنی صرف مٹی کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴾ (الكهف18:40) ''پھر وہ چٹیل پھسلنا میدان ہو جائے۔''

---

[1] تفسير القرطبي:216/5 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:961/3 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:961/3. [4] صحيح البخاري، التيمّم، باب: 9، حديث: 348 و صحيح مسلم، المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة......، حديث: 682. مفسر رحمہ اللہ نے اس حدیث میں [أَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ] کے جو الفاظ ذکر کیے ہیں تو ان کا سیاق یہ نہیں ہے۔ دیکھیے مسند أحمد:34/4 و سنن النسائي، الإمامة، باب إعادة الصلاة مع الجماعة......، حديث:858 عن مِحْجَن رضی اللہ عنہ.

صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ : جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا، إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ] ''ہمیں تین باتوں کی وجہ سے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے: (1) ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنادی گئی ہیں۔ (2) ہمارے لیے ساری زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے۔ اور (3) جب ہمیں پانی نہ ملے تو اس کی مٹی کو بھی ہمارے لیے (پانی کے قائم مقام) پاکی کے حصول کا ذریعہ بنادیا گیا ہے۔''[1] یہاں صرف مٹی کے ذریعے طہوریت کا بطور احسان خصوصی ذکر فرمایا، اگر کوئی اور چیز اس کے قائم مقام ہوسکتی تو اس کا بھی یہاں یقیناً ذکر کیا جاتا۔

﴿ طَيِّبًا ﴾ کے لفظ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ یہاں حلال کے معنی میں ہے۔[2] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''طَیِّب'' وہ ہے جو ناپاک نہ ہو جیسا کہ امام احمد اور دیگر اہل سنن نے ابن ماجہ کے سوا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ طَهُورُ الْمُسْلِمِ، وَإِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِينَ، فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ] ''یقیناً پاک مٹی مسلمان کے لیے طہارت کا ذریعہ ہے، خواہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے اور جب پانی پالے تو اسے اپنے جسم پر استعمال کرے، یہ اس کے لیے بہتر ہے۔''[3] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ﴾ ''پھر منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمّم) کرلو۔'' تیمّم طہارت میں وضو کا بدل ہے، یہ تمام اعضاء کا بدل نہیں ہے، اس لیے اس بات پر اجماع ہے کہ صرف چہرے اور ہاتھوں کا تیمّم ہی کافی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک بار ہاتھ پھیرنا ہی کافی ہے۔ امام احمد نے عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں حالت جنابت میں ہوں لیکن پانی موجود نہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تم نماز نہ پڑھو تو حضرت عمار نے عرض کی: امیر المؤمنین! یاد نہیں کہ جب میں اور آپ ایک سَرِیّے میں تھے، ہمیں حالت جنابت لاحق ہوگئی اور ہمارے پاس پانی نہیں تھا تو آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں زمین میں اچھی طرح لوٹ پوٹ ہوا اور نماز پڑھ لی اور جب ہم واپس آئے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ، وَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ إِلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَخَ فِيهَا وَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ] ''بس تمھیں یہی کافی تھا، آپ نے اپنے دست مبارک کو زمین پر مارا، پھر اس میں پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کو مل لیا۔''[4]

[1] صحیح مسلم، کتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث: 522 . [2] تفسیر الطبری: 153/5 . [3] جامع الترمذی، الطهارة، باب ما جاء فی التیمم للجنب إذا لم یجد الماء، حدیث: 124 وسنن أبی داود، الطهارة، باب الجنب یتیمّم، حدیث: 333,332 وسنن النسائی، الطهارة، باب الصلوات بتیمّم......، حدیث: 323 ومسند أحمد: 155/5 بعض روایات میں طَهُورٌ کی جگہ وَضُوء اور حِجَج کی جگہ سِنِین ہے۔ [4] صحیح البخاری، التیمّم، باب المتیمّم هل ینفخ فیهما؟ حدیث: 338 ومسند أحمد: 265/4 واللفظ له صحیح بخاری میں [بیده إلی الأرض] کے بجائے [بکفیه الأرض] ''اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارا۔'' ہے۔

تیمّم کی رخصت ہماری ہی امت کا خاصہ ہے، سابقہ امتوں میں سے کسی کو تیمّم کی اجازت نہ تھی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ] اور ایک روایت میں الفاظ یہ بھی ہیں: [(فَعِنْدَهُ مَسْجِدُهُ وَعِنْدَهُ طَهُورُهُ) وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً]

''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئی تھیں: (1) ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ قرار دے دیا گیا ہے، لہٰذا میری امت کے آدمی کے لیے جہاں نماز کا وقت ہو جائے، وہ اسی جگہ نماز ادا کر لے، اس کے پاس مسجد بھی ہے اور طہارت کا سامان بھی (3) میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا گیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی انھیں حلال قرار نہیں دیا گیا تھا۔ (4) مجھے شفاعت عطا کر دی گئی ہے اور (5) ہر نبی کو اپنی قوم ہی کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1]

قبل ازیں صحیح مسلم میں مروی یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے:[2] [فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ، جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ، وَجُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا، وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ] ''ہمیں لوگوں پر تین چیزوں میں فضیلت دے دی گئی ہے: (1) ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنا دیا گیا ہے۔ (2) ہمارے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ (3) اور جب ہمیں پانی نہ ملے تو اس کی مٹی کو ہمارے لیے طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔''[3] اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝43 ﴾ ''پھر منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمّم) کر لو، بے شک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔'' یعنی یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور بخشش ہی کی ایک صورت ہے کہ اس نے تمھیں تیمّم کا حکم دے دیا اور پانی نہ ملنے کے وقت اس کے ساتھ نماز کو جائز قرار دے دیا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور رخصت ہے۔

اس آیت کریمہ میں تعلیم یہ دی گئی ہے کہ نماز کو ناقص طریقے سے ادا کرنے سے بچایا جائے، یعنی اگر کوئی نشے کی حالت میں ہو تو وہ اس وقت تک نماز ادا نہ کرے جب تک وہ ہوش میں آ کر یہ سمجھنے نہ لگے کہ وہ اپنے منہ سے کیا الفاظ ادا کر رہا ہے۔ اور اگر کوئی حالتِ جنابت میں ہو تو وہ اس وقت تک نماز ادا نہ کرے، جب تک غسل نہ کر لے اور کوئی بے وضو ہو تو (وضو کر کے پڑھے)

---

[1] صحيح البخاري، التيمّم، باب:1، حديث: 335 وصحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 521. اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 248/5 عن أبي أمامة الباهلي رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] دیکھیے اسی عنوان: ''تیمم کے لغوی معنی'' کا ابتدائی حصہ۔ [3] صحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 522.

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يَشۡتَرُوۡنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَضِلُّوا

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا؟ وہ گمراہی خریدتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھی راہ سے بھٹک

السَّبِيۡلَ ﴿44﴾ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاَعۡدَآئِكُمۡ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيۡرًا ﴿45﴾ مِنَ

جاؤ﴿44﴾ اور اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ دوست اور مددگار کے طور پر کافی ہے﴿45﴾ یہودیوں میں سے کچھ لوگ الفاظ کو ان کے موقع محل

الَّذِيۡنَ هَادُوۡا يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ

سے پھیر دیتے ہیں اور پھر اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر سچے دین کے خلاف طعنہ زنی کرتے ہوئے (نبی ﷺ سے) کہتے ہیں: ''ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی

غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا

کی'' اور کہتے ہیں: سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: [رَاعِنَا] یعنی ''اے ہمارے

سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ وَلٰكِنۡ

چرواہے!'' اور بے شک اگر وہ کہتے: ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اور ہماری بات سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے تو ان کے لیے بہتر اور نہایت

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿46﴾

مناسب ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی، چنانچہ وہ سوائے چند لوگوں کے ایمان نہیں لاتے﴿46﴾

سوائے اس کے کہ کوئی مریض ہو یا اس کے پاس پانی موجود نہ ہو۔ ہاں، البتہ بیماری یا پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت وشفقت فرماتے ہوئے اور دین میں کشادگی پیدا کرتے ہوئے تیمّم کی رخصت عطا فرما دی ہے۔ وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّةُ.

تیمّم کے حکم کا سبب نزول: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر کے لیے نکلے حتی کہ جب مقام بَیداء یا ذات الجیش میں تھے کہ میرا ہار ٹوٹ (کر گر) گیا، رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش کے لیے رک گئے، لوگ بھی آپ کے ساتھ رک گئے مگر نہ اس جگہ پر ہی پانی موجود تھا اور نہ لوگوں کے پاس پانی تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے: آپ دیکھتے نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو یہاں روک لیا ہے کہ نہ تو ان کے پاس پانی ہے اور نہ اس جگہ پر ہی پانی موجود ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (میرے پاس) آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر مبارک رکھے ہوئے سو رہے تھے تو فرمانے لگے: تم نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو روک رکھا ہے جبکہ یہاں پانی نہیں ہے اور نہ ان کے پاس ہی پانی ہے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور خوب برا بھلا کہا اور میرے پہلو میں ہاتھ سے مارنے لگے لیکن میں نے اس وجہ سے کوئی حرکت نہ کی کہ رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر مبارک رکھے محو استراحت تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی جب صبح اٹھے تو پانی نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم کو نازل فرما دیا تو سب لوگوں نے تیمّم کیا (اور نماز ادا کر لی۔)

اُسَید بن حُضَیر نے اس موقع پر کہا: اے آل ابوبکر! یہ تمھاری صرف پہلی برکت ہی نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی

ہیں کہ جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو ہار ہمیں اس کے نیچے سے مل گیا۔[1]

تفسیر آیات:44-46

ضلالت، تحریف اور دیگر برے اعمال کی وجہ سے یہود کی مذمت: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے بارے میں بتا رہا ہے۔ ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لعنتیں برسیں۔ کہ یہ ہدایت کے بجائے گمراہی کو خرید تے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر جو نازل فرمایا ہے، اس سے یہ اعراض کرتے ہیں اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف سے ان کے پاس حضرت محمد ﷺ کے اوصاف کے بارے میں جو علم ہے، اسے چھپا رہے ہیں تاکہ دنیا کے سامان میں سے تھوڑا سا حاصل کر سکیں۔ ﴿ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾ ﴾ ''اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ۔'' یعنی یہ چاہتے ہیں کہ مومنو! اے کاش! تم بھی اس کے ساتھ کفر کرو جسے تم پر نازل کیا گیا ہے اور تم بھی اس ہدایت اور علم نافع کو ترک کر دو جس سے تم کو نوازا گیا ہے۔ ﴿ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ﴾ ''اور اللہ تمھارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔'' وہ انھیں خوب جانتا ہے اور تمھیں ان سے بچنے کی تلقین فرماتا ہے۔ ﴿ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾ ﴾ ''اور اللہ ہی حمایتی اور کافی ہے مددگار'' وہ مدد و معاون ہے، اس کے لیے جو اس کی طرف رجوع کرے اور وہ کافی مددگار ہے اس کے لیے جو اس سے مدد طلب کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا ﴾ ''وہ جو یہودی ہیں'' یہاں ﴿ مِنَ ﴾ بیان جنس کے لیے ہے۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ ﴾ (الحج22:30) ''تو تم بتوں کی پلیدی سے بچو۔'' اور فرمایا: ﴿ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ ﴾ ''کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔'' یعنی کلام الٰہی کی غلط تاویل کرتے ہیں اور قصد و ارادہ کے ساتھ افترا پردازی کرتے ہوئے ایسی تفسیر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد کے خلاف ہوتی ہے۔ ﴿ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا۔'' یعنی کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! جو تم نے کہا ہے، ہم نے اسے سن تو لیا ہے مگر تمھاری اطاعت نہیں کریں گے، امام مجاہد اور ابن زید نے اس کی اسی طرح تفسیر بیان کی ہے۔[3] اور یہاں مراد بھی یہی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کفر اور عناد میں کہاں تک پہنچ گئے تھے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے باوجود اس سے منہ پھیرتے تھے اور جانتے تھے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے اور کتنی سنگین اس کی سزا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ﴾ ''اور (کہتے ہیں:) سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔'' یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ سنو لیکن اے کاش کہ وہ نہ سنوائے جاؤ۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[4] یہ ان کی طرف سے استہزا اور ہٹ دھرمی کا اظہار تھا۔ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ.

---

[1] صحيح البخاري، التيمّم، باب: 1، حديث: 334 وصحيح مسلم، الحيض، باب التيمم، حديث: 367 . [2] یعنی ﴿ الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ ﴾ (الآية:44) میں یہ وضاحت مطلوب ہے کہ یہاں کون سے اہل کتاب مراد ہیں تو اس آیت میں ﴿ مِّنَ ﴾ بیانیہ لا کر اس کی وضاحت کر دی گئی کہ وہ یہودی ہیں۔ [3] تفسير ابن أبي حاتم: 965/3 . [4] تفسير ابن أبي حاتم: 965/3.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس

نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ

سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت بھیجیں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت بھیجی تھی، اور (یاد

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿47﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

رکھو!) اللہ کا حکم اٹل ہے ﴿47﴾ بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿48﴾

اللہ کے ساتھ شرک کیا، تو اس نے جھوٹ گھڑا (اور) بڑے گناہ کا کام کیا ﴿48﴾

﴿وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ﴾ ”اور اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (گفتگو کے وقت) راعنا (کہتے ہیں۔)“ یعنی بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں: اپنی بات کہتے ہوئے ہماری بھی رعایت (لحاظ) رکھیں لیکن حقیقت میں وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی توہین کی خاطر (رعایت کے بجائے) رُعُونَۃ بمعنی بے وقوفی اور سستی مراد لیتے تھے جیسا کہ قبل ازیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ (البقرة 104:2) کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے بارے میں فرمایا ہے جو بظاہر الفاظ کچھ استعمال کرتے ہیں لیکن ان کا ارادہ کچھ اور ہوتا ہے۔ ﴿لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ﴾ ”اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے۔“ یعنی گفتگو کے وقت نبیٔ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿46﴾﴾ ”اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے تو یہ کچھ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔“ ان کے دل خیر سے محروم اور اس سے دور ہٹے ہوئے ہیں، لہٰذا ان میں ایمان میں سے کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہو سکتی جو ان کے لیے نفع بخش ہو۔ قبل ازیں ﴿فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (البقرة 88:2) کی تفسیر میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہے کہ یہ ایسا ایمان نہیں لائیں گے جو ان کے لیے نافع ہو۔

تفسیر آیات: 48,47

سرزنش کے ساتھ ساتھ ایمان کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کتابِ عظیم کے ساتھ ایمان لائیں جسے اس نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، پھر جس میں ان کے حالات و واقعات کی تصدیق بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ﴾ ”قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں۔“ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے

کہ طَمس کے معنی اندھا کرنے کے ہیں۔ ①

﴿ فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ ﴾ ''پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں۔'' یعنی ان کے چہروں کو ان کی گدیوں کی طرف کر دیں اور وہ الٹے پاؤں چلنے لگیں اور ان میں سے ہر ایک کی گدی پر دو آنکھیں لگا دیں۔ امام قتادہ اور عطیہ عوفی کا بھی اسی طرح قول ہے۔ ② یہ بدترین سزا ہوگی اور درحقیقت یہ مثال ہے اس بات کی کہ انھوں نے حق کو ترک کر کے باطل کو اختیار کر لیا ہے اور روز روشن کی طرح منور صراط مستقیم کو چھوڑ کر ضلالت اور گمراہی کی پگڈنڈیوں کو اختیار کر لیا ہے جن پر اپنی پیٹھوں کے بل الٹے چل رہے ہیں، یہ ایسے ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے بارے میں بھی اسی طرح فرمایا ہے:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَا فِىٓ أَعْنَٰقِهِمْ أَغْلَٰلًا فَهِىَ إِلَى ٱلْأَذْقَانِ فَهُم مُّقْمَحُونَ ○ وَجَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا...... ﴾ الآية (یٰس 9,8:36) ''ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے) ہیں، لہٰذا وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی ہے......'' یہ درحقیقت ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ضلالت کو اختیار کرنے اور ہدایت سے رک جانے کے بارے میں بیان فرمائی ہے۔ ③

اس آیت کو سن کر کعب احبار کا اسلام قبول کرنا: ذکر کیا گیا ہے کہ کعب احبار نے جب اس آیت کریمہ کو سنا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ امام ابن جریر نے عیسیٰ بن مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے ابراہیم کے پاس کعب کے اسلام لانے کا ذکر کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ کعب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا، ان کا ارادہ بیت المقدس جانے کا تھا مگر راستے میں جب مدینہ منورہ سے گزرے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور آپ نے فرمایا: کعب! مسلمان ہو جاؤ، تو انھوں نے کہا کیا تم نے اپنی کتاب میں یہ نہیں پڑھا؟ ﴿ مَثَلُ ٱلَّذِينَ حُمِّلُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ ٱلْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًۢا ﴾ (الجمعۃ 5:62) ''جن لوگوں پر تورات (کے علم و فضل) کا بار ڈالا گیا تھا، پھر انھوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بڑی بڑی کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔'' اور مجھے بھی تورات کا حامل قرار دیا گیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا، پھر کعب چلے گئے حتی کہ حِمص پہنچ گئے تو وہاں سے انھوں نے سنا کہ ایک شخص بہت دردانگیز لہجے میں پڑھ رہا تھا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ ﴾ ''اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں پھر انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں۔''

کعب نے اس آیت کریمہ کو سنا تو پکار اٹھے کہ اے میرے رب! میں ایمان لے آیا، اے اللہ! میں اسلام قبول کرتا ہوں تاکہ ایسا نہ ہو کہ میں اس آیت کا مصداق بن جاؤں، وہاں سے یہ اپنے اہل خانہ کے پاس یمن آ گئے اور ان سب کو مدینہ لے

① تفسیر ابن أبي حاتم:968/3 . ② تفسیر ابن أبي حاتم:969/3 . ③ دیکھیے تفسیر القرطبی:8/15 اور قائلین میں یحییٰ بن سلام، ابوعبیدہ اور فَرّاء رحمہم اللہ شامل ہیں۔

آئے اوران سب لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[1]

﴿ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ﴾ ''یا ان پر اسی طرح لعنت کریں جس طرح ہفتے والوں پر کی تھی۔'' یعنی جنھوں نے مچھلیوں کے شکار کے سلسلے میں حیلہ بازی اختیار کر کے ہفتے کے دن سرکشی کی تھی اوراس سرکشی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حیلہ بازی کی سزا کے طور پر انھیں بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا جیسا کہ اس قصے کی تفصیل آگے سورۂ اعراف میں آئے گی۔[2] ﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ ''اور اللہ نے جو حکم فرمایا، سو (سمجھ لو کہ) ہو چکا۔'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرما دے تو کوئی اس کی مخالفت نہیں کر سکتا اور نہ اسے وقوع پذیر ہونے سے روک سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کے بغیر شرک کو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے۔'' یعنی جو بندہ اس سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس کے ساتھ شرک کرتا ہوگا تو وہ اسے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔ ﴿ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ : يَا عَبْدِي مَا عَبَدْتَّنِي وَرَجَوْتَنِي، فَإِنِّي غَافِرٌ لَّكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيكَ، يَا عَبْدِي إِنْ لَّقِيتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً مَّا لَمْ تُشْرِكْ بِي، لَقِيتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً] ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تو جب تک میری بندگی کرتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا تو میں بھی تجھے معاف کرتا رہوں گا، خواہ تیرے جو بھی گناہ ہوں، اے میرے بندے! اگر تو زمین بھر گناہ لے کر میرے پاس آئے اور ان میں شرک نہ ہو تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا۔''[3] اسے اس سند کے ساتھ بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔

امام احمد ہی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ : وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ : عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ] ''جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اور اسی پر مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو، میں نے عرض کی: خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا اور چوری کی ہو، آپ نے یہ تین بار ارشاد فرمایا، پھر چوتھی بار یہ بھی فرمایا کہ ابوذر کی ناک خاک آلودہ ہونے کے باوجود وہ جنت میں جائے گا۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس سے نکلے تو وہ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ کہتے جا رہے تھے: خواہ ابوذر کی ناک ہی کیوں نہ خاک آلود ہو۔ بعد میں بھی ابوذر رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو یہ ضرور کہتے: خواہ ابوذر کی

---

[1] الدر المنثور: 301/2 . [2] دیکھیے آیات: 163- 166. [3] مسند أحمد: 154/5 مطوّلًا. اور [ومن لقيني...... مغفرة] صحيح مسلم، حديث: 2687 میں بھی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی خود بیان کرتے ہیں؟ بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے، اور لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا﴿49﴾ دیکھیے! وہ کس طرح اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں؟ اور ان کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کھلا گناہ کافی ہے﴿50﴾ کیا آپ نے

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ

ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں

اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿51﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ

کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں؟﴿51﴾ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے تو اس کے لیے آپ قطعاً

تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿52﴾

کوئی مددگار نہیں پائیں گے﴿52﴾

ناک ہی کیوں نہ خاک آلود ہو۔[1] امام بخاری و مسلم نے اسے بروایت حسین بیان کیا ہے۔[2]

امام بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لیے استغفار نہیں کیا کرتے تھے حتی کہ ہم نے اپنے نبی ﷺ سے یہ آیت کریمہ سنی: [﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ وَقَالَ: أَخَّرْتُ شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''بے شک اللہ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔ نیز آپ نے فرمایا: میں نے اپنی شفاعت کو مؤخر کر دیا ہے کہ وہ قیامت کے دن (میری امت میں سے) کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کے لیے ہوگی۔''[3] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿48﴾ ﴾ ''اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا، تو اس نے بڑا بہتان باندھا۔'' ایسے ہی ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (لقمٰن 31:13) ''یقیناً شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ (اللہ کے نزدیک) سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تم کو پیدا فرمایا ہے۔'' اور انھوں نے مکمل حدیث ذکر کی ہے۔[4]

[1] مسند أحمد:166/5. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب الثياب البيض، حديث:5827، امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ جس نے مرتے وقت یا اس سے پہلے توبہ کر لی، اپنے گناہوں پر پشیمان ہوا اور لا اله الا اللّٰه کہہ دیا تو اس کو بخش دیا جائے گا۔ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئًا دخل الجنة......، حديث: (154)-94. [3] كشف الأستار، التوبة، باب الاستغفار لأهل الكبائر:84/4، حديث:3254 وظلال الجنة في تخريج السنة، باب في ذكر شفاعة النبي لأهل الكبائر، حديث:830. [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ (البقرة2:22)، حديث:7520 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ......، حديث:86.

تفسیر آیات:49-52

اپنی پاکیزگی کے اظہار پر یہود کی مذمت: امام حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی خود بیان کرتے ہیں؟'' یہود و نصاریٰ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انھوں نے یہ کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔[1]

ابن زید کا بھی قول ہے کہ یہ آیت کریمہ یہود و نصاریٰ کی اس بات: ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المآئدة 18:5) ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔'' اور ﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (البقرة 111:2) ''یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔'' کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔[2] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے۔'' یعنی اس سلسلے میں مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے، اس لیے کہ تمام امور کے حقائق اور اسرار کو صرف وہی جانتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ ''اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔'' اگر کسی کا دھاگے برابر بھی اجر و ثواب بنتا ہوا تو وہ اسے ترک نہیں کرے گا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، عکرمہ، عطاء، حسن، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ فتیل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے۔[3]

﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ﴾ ''دیکھیے! یہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں؟'' کہ اپنے آپ کو پاک اور صاف قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور پیارے ہونے کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور دوزخ کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ انھوں نے اپنے آباء واجداد کے اعمال صالحہ پر ناز کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ آباء واجداد کے اعمال ان کے بچوں کے کام نہیں آئیں گے، چنانچہ فرمایا: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ (البقرة 134:2) ''یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ ''اور یہی صریح گناہ کافی ہے۔'' یعنی ان کا یہ طرز عمل محض کذب اور افترا پردازی پر مبنی ہے، پھر فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ﴾ ''بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں؟''

جبت کے بارے میں محمد بن اسحاق نے حسان بن فائد کے حوالے سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ اس سے مراد جادو اور طاغوت سے مراد شیطان ہے۔[4] علامہ ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری نے اپنی کتاب ''الصّحاح'' میں لکھا ہے کہ ''جبت'' ایک ایسا لفظ ہے جو بت، کاہن اور جادوگر وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[5] امام ابن ابوحاتم

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 972/3 وتفسير عبدالرزاق: 462/1. [2] تفسير الطبري: 127/5. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 973/3. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ﴾ (النسآء 43:4)، قبل الحديث: 4583 معلقًا. وتفسير ابن أبي حاتم: 974/3 وسنن سعيد بن منصور: 1283/4. [5] الصحاح: 219/1.

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿53﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ

کیا (وہ سمجھتے ہیں کہ) انھیں بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے ﴿53﴾ کیا وہ اس پر لوگوں سے

عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ

حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے؟ چنانچہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی دی ﴿54﴾ تو

مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿54﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾

ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لائے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان لانے سے باز رہے، اور ان کے لیے دہکتا جہنم ہی کافی ہے ﴿55﴾

نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے طواغیت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتے ہیں۔[1] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ طاغوت انسانی صورت میں شیطان ہوتا ہے جو کہ ان کا حکمران ہوتا ہے اور اس سے یہ اپنے فیصلے کراتے ہیں۔[2] امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کی جائے طاغوت ہے۔[3]

کافروں کو مسلمانوں پر فضیلت حاصل نہیں ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿51﴾ ﴾ ''اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے رستے پر ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جہالت، قلت دین اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ کفر کی وجہ سے کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حُیَی بن اخطب اور کعب بن اشرف اہل مکہ کے پاس آئے تو وہ کہنے لگے کہ تم تو اہل کتاب اور اہل علم ہو تم ہمیں ہمارے بارے میں اور محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ تو انھوں نے پوچھا کہ تم کیا ہو اور محمد کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو وہ لوگ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں، اونٹ ذبح کرتے ہیں، لوگوں کو پانی اور دودھ پلاتے ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اور محمد (ﷺ) نے رشتے داریوں کو توڑ دیا ہے اور حاجیوں کی چوری کرنے والے خاندان غِفار کے لوگوں نے اس کی پیروی شروع کر دی ہے تو ہم بہتر ہیں یا وہ؟ انھوں نے جواب دیا کہ تمھی بہتر اور سیدھے راستے پر ہو تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے بھی یہ روایت کئی سندوں سے مروی ہے۔

مشرکین سے مدد لینے کی وجہ سے یہودیوں پر لعنت: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہودیوں پر لعنت فرمائی ہے اور یہ خبر بھی دی ہے کہ دنیا و آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا کیونکہ مدد لینے کے لیے یہ مشرکوں کے پاس چلے گئے تھے اور مشرکوں سے انھوں نے یہ بات اس لیے کی تاکہ انھیں اپنی نصرت و حمایت پر آمادہ کر سکیں، چنانچہ مشرکوں نے ان کی بات کو تسلیم کیا اور احزاب کے دن ان کی مدد کے لیے بھی آئے حتی کہ ان کے مقابلے کے لیے نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ کے

[1] تفسير ابن أبي حاتم:976/3. [2] تفسير ابن أبي حاتم:976/3 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:976/3 . [4] تفسير ابن أبي حاتم:976/3 والدر المنثور:306/2 .

گرد خندق کھودی تھی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا﴾ (الأحزاب 25:33) ''اور جو کافر تھے ان کو اللہ نے پھیر دیا وہ اپنے غصے میں (بھرے ہوئے تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور اللہ طاقتور (اور) زبردست ہے۔''

تفسیر آیات: 53-55

یہودیوں کا بخل اور حسد: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ﴾ ''کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟'' یہ استفہام انکاری ہے، یعنی ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بخل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا﴾ یعنی اگر بادشاہی میں ان کا کچھ حصہ ہوتا یا انھیں کچھ بھی تصرف و اختیار حاصل ہوتا تو یہ لوگوں میں سے کسی کو خصوصاً حضرت محمد ﷺ کو کچھ بھی نہ دیتے حتی کہ کھجور کی گٹھلی میں جو نقطہ ہوتا ہے، اس کے بقدر بھی کسی کو کچھ نہ دیتے۔ نَقِير کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر ائمہ تفسیر کا یہی قول ہے۔[1]

یہ آیت اس آیتِ کریمہ کی طرح ہے: ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ﴾ (بنی إسرائیل 100:17) ''کہہ دیجیے! کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمھارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) بند کر رکھتے۔'' یعنی اس خوف سے کہ وہ کہیں ختم نہ ہو جائیں، حالانکہ ان کے ختم ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن بخل کی وجہ سے تم ایسا کرتے ہو، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴾ (بنی إسرائیل 100:17) ''اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔'' یعنی بخیل ہے۔

پھر فرمایا: ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''کیا اللہ نے لوگوں کو جو اپنے فضل سے دے رکھا ہے، اس کا حسد کرتے ہیں؟'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو جس عظیم نبوت سے سرفراز فرمایا، یہ اس کی وجہ سے آپ سے حسد کرتے ہیں اور اس حسد کی وجہ سے کہ آپ کا تعلق عربوں سے ہے بنی اسرائیل سے نہیں، یہ آپ کی نبوت کی تصدیق بھی نہیں کرتے۔ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں لوگوں سے مراد ہمیں لوگ ہیں، دوسرے کوئی اور نہیں۔[2]

﴿فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا﴾ ''تو یقیناً ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عنایت فرمائی تھی اور سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔'' یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو جو کہ ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں نبوت عطا فرمائی، ان پر کتابیں نازل کیں اور انھوں نے سنت، یعنی حکمت کے ساتھ ان میں فیصلے کیے، پھر ان میں سے ہم نے بادشاہ بھی بنائے اور اس کے باوجود ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ﴾ ''پھر لوگوں میں سے کسی نے اس (عطاء و انعام) کو

[1] تفسیر الطبری:191/5 و تفسیر ابن أبی حاتم:977/3. [2] المعجم الکبیر للطبرانی:146/11، حدیث:11312.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم جلد انھیں آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں

غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿56﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

چڑھا دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھیں، بلا شبہ اللہ بہت زبردست، بڑی حکمت والا ہے ﴿56﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے انھیں، ہم

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ

جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم انھیں

مُّطَهَّرَةٌ ز وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿57﴾

گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے ﴿57﴾

مانا۔" ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ ﴾ "اور کوئی اس سے رکا (اور دور ہٹا) رہا۔" یعنی اس نے کفر اور اعراض کیا اور لوگوں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کی، حالانکہ وہ انھی میں سے اور انھی کی جنس بنی اسرائیل میں سے تھے اس کے باوجود بھی انھوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا تو اے محمد (ﷺ)! یہ آپ سے کیوں نہ اختلاف کریں اور آپ کے ساتھ کیوں نہ کفر کریں کیونکہ آپ تو بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں؟

امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے کوئی تو اس پر ایمان لایا جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور کوئی اس سے رکا اور ہٹا رہا۔[1] چنانچہ کفار بنی اسرائیل آپ کی سخت تکذیب کرتے اور آپ جس ہدایت اور واضح حق کو لے کر آئے تھے، اس سے بہت دور ہو جاتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾ ﴾ "اور ان کے لیے دہکتا جہنم کافی ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر و عناد اور مخالفت کی سزا کے طور پر جہنم کی آگ کافی ہے۔

تفسیر آیات:57,56

اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر کرنے والوں کی سزا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرے گا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرے گا، اللہ تعالیٰ آتش دوزخ میں اسے جو سزا دے گا، اس کا ذکر کرتے ہوئے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ "یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا" تو ہم انھیں ایسی آگ میں داخل کریں گے جو ان کے تمام جسموں اور تمام اجزاء کو چاروں طرف سے گھیر لے گی، پھر اس سزا اور عذاب کے ہمیشہ ہمیشہ جاری رہنے کی بابت خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ ﴾ "جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔" امام اعمش نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو انھیں کاغذ کی طرح سفید کھالیں دے دی جائیں

[1] تفسیر الطبری:196/5.

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا

بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو،

بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿58﴾

بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿58﴾

گی۔[1] امام ابن ابو حاتم نے حضرت حسن بصری کا قول بیان کیا ہے کہ ایک دن میں ان کی کھالیں ستر ہزار مرتبہ گل اور جل جائیں گی۔ اور حسین نے بیان کیا ہے کہ فضیل نے ہشام سے اور انھوں نے امام حسن بصری سے جو روایت بیان کی ہے اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی اور جہنم کی آگ ان کے گوشت کو کھا لے گی تو ان سے کہا جائے گا کہ پھر اپنی اسی پہلی حالت پر لوٹ آؤ تو وہ لوٹ آئیں گے۔[2]

نیک لوگوں کا حُسنِ انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ ﴾ ''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے سعادت مند اور خوش بخت لوگوں کے انجام کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ سدا بہار بہشتوں میں ہوں گے جن کے تمام اطراف و اکناف میں نہریں رواں دواں ہوں گی، وہ جہاں چاہیں گے رہیں گے اور جو ارادہ کریں گے، وہ ان کو میسر آ جائے گا اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ وہ ان سے کہیں جائیں گے اور نہ کہیں اور جانے کا ارادہ ہی کریں گے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ ﴾ ''وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہیں۔'' جو حیض، نفاس، بول و براز، گھٹیا اخلاق اور بری باتوں سے پاک ہوں گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ وہ نجاستوں اور بول و براز سے پاک ہوں گی۔[3] عطاء، حسن، ضحاک، نخعی، ابو صالح، عطیہ عوفی اور سُدّی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ بول، حیض، بلغم، تھوک، منی اور بچہ پیدا کرنے سے پاک ہوں گی۔[5] ﴿ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿57﴾ ﴾ ''اور ان کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے۔'' ایسے سائے میں جو بہت گہرا، گھنا، پاکیزہ اور فرحت بخش ہوگا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا، شَجَرَةُ الْخُلْدِ] ''یقیناً جنت میں ایک درخت ایسا ہوگا کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا تو پھر بھی وہ اس سائے کو طے نہ کر پائے گا، اس درخت کا نام شَجَرَةُ الْخُلْد ہوگا۔''[6]

[1] تفسیر الطبری:197/5 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:983/3 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:984/3. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 984/3 . [5] تفسیر ابن أبی حاتم:984/3 . [6] تفسیر الطبری:200/5 و مسند أحمد:462/2 اور [شجرۃ الخلد] کے علاوہ روایت صحیح ہے، دیکھیے صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وأنها مخلوقۃ، حدیث:3251 عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ و صحیح مسلم، الجنۃ وصفۃ نعیمها، باب إن فی الجنۃ شجرۃ......، حدیث:2826 عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ .

تفسیر آیت:58

امانت ادا کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔ حسن کی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ] ''جو شخص تمھارے پاس امانت رکھے تو اس کی امانت کو ادا کر دو اور جو تم سے خیانت کرے تو تم اس سے خیانت نہ کرو۔''

اسے امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے۔[1] یہ حکم عام ہے اور ان تمام امانتوں کے لیے ہے جنھیں ادا کرنا انسان پر واجب ہے، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ، کفارہ، نذر اور ان امور سے ہو جن کے بارے میں انسان کو امین بنایا گیا ہے لیکن بندے ان کی طرف توجہ نہیں دیتے یا ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو، مثلاً: وہ امانتیں جو انسان ایک دوسرے کے پاس رکھ دیتے ہیں اور ان کے بارے میں کوئی گواہ بھی نہیں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انھیں ادا کر دیا جائے اور جو شخص دنیا میں ادا نہیں کرے گا تو اس سے اسے آخرت میں لے لیا جائے گا جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَتُؤَدَّنَّ الْحُقُوقُ إِلٰى أَهْلِهَا حَتّٰى يُقْتَصَّ لِلشَّاةِ الْجَمَّاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ] ''حق والوں کے حقوق ضرور ادا کیے جائیں گے حتی کہ بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے حق لیا جائے گا۔''[2]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کعبہ کی چابیاں لیں اور کعبہ میں داخل ہوئے تھے اور آپ جب باہر تشریف لائے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔'' پھر آپ نے عثمان کو بلایا اور چابی ان کے سپرد کر دی۔ راوی (ابن جریج) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ سے باہر تشریف لائے تو آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں میں نے آپ کو اس سے پہلے کبھی اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔[3]

مشہور بات یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ یہ اس موقع پر نازل ہوئی ہو یا نہ، بہر حال اس کا حکم عام ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا ہے کہ یہ ہر نیک و بد کے لیے ہے، یعنی یہ حکم ہر ایک کے

---

[1] حسن کی حضرت سمرہ سے مروی یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ ہاں، البتہ مسند احمد میں عن رجل اور دیگر نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے: مسند أحمد:414/3 وسنن أبي داود، البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه ......، حديث:3535,3534 وجامع الترمذي، البيوع، باب أدّ الأمانة إلى من ائتمنك، حديث:1264 . [2] صحيح مسلم، البر والصّلة، باب تحريم الظلم ، حديث:2582 وصحيح ابن حبان، ذكر الإخبار عن وصف أداء الحقوق إلى أهلها......:363/16 ، حديث:7363 واللفظ له وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب ماجاء في شأن الحساب، حديث:2420 ومسند أحمد:235/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ . [3] تفسير الطبري:201/5 .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم

تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾ ع

اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے﴿59﴾

لیے ہے کہ وہ امانت والے کی امانت کو ادا کرے۔[1]

فیصلوں میں عدل کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ ﴾ ''اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے حکم یہ دیا ہے کہ لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے، اسی وجہ سے محمد بن کعب، زید بن اسلم اور شہر بن حوشب نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ امراء، یعنی حکام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِي مَالَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ وَكَلَهُ إِلَى نَفْسِهِ] ''یقیناً اللہ تعالیٰ قاضی اور حاکم کے ساتھ ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے آپ کے سپرد کر دیتا ہے۔''[3] ایک اور روایت میں ہے: [عَدْلُ يَوْمٍ وَّاحِدٍ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّينَ سَنَةً] ''ایک دن کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔''[4] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تمھیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں امانتوں کے ادا کرنے، لوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنے اور اپنی کامل، عظیم اور جامع شریعت پر مبنی احکام کے بجا لانے کا جو حکم دیا ہے تو یہ بہت خوب نصیحت ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿58﴾ ﴾ ''بے شک اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے اقوال کو سنتا اور افعال کو دیکھتا ہے۔

تفسیر آیت:59

امیر کی اطاعت کا حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی آیت کریمہ ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔'' کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب

[1] تفسير ابن أبي حاتم:985/3. [2] تفسير ابن أبي حاتم:986/3. [3] سنن ابن ماجه، الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، حديث:2312 عن عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنه. [4] تاريخ دمشق لابن عساكر، ترجمة عبدالله بن محمد بن إبراهيم بن إدريس:110/34 و كشف الخفاء:1721 عن أبي هريرة رضي الله عنه والمعجم الكبير للطبراني:337/11، حديث:11932 والترغيب والترهيب، ترغيب من ولّيَ شيئا من المسلمين......:167/3، حديث:6 عن ابن عباس رضي الله عنه. البتہ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة:989.

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک سَر یّے پر بھیجا تھا۔[1] اسی طرح امام ابن ماجہ کے سوا دیگر محدثین نے بھی اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ بھیجا اور ایک انصاری شخص[3] کو اس کا قائد بنایا، جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو وہ کسی وجہ سے ان سے ناراض ہو گیا اور کہنے لگا: کیا رسول اللہ ﷺ نے تمھیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! تو اس نے کہا: اچھا پھر تم میرے لیے ایندھن جمع کرو، ایندھن جمع ہو گیا تو اس نے اسے آگ لگا دی اور کہا کہ میرا تمھیں حکم یہ ہے کہ اس میں داخل ہو جاؤ تو لوگوں نے آگ میں چھلانگیں لگانے کا ارادہ کر لیا مگر ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ تم آگ سے بھاگ کر تو رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہوئے ہو، لہٰذا جلد بازی سے کام نہ لو، رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر کے اس کے بارے میں پوچھ لو اگر آپ آگ میں داخل ہونے کا حکم دے دیں تو پھر بے شک داخل ہو جانا۔ یہ سب لوگ واپس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا تو آپ نے ان سے فرمایا: [لَوْ دَخَلْتُمُوهَا مَا خَرَجْتُمْ مِّنْهَا أَبَدًا، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ] ''اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی بھی نہ نکلتے، یاد رکھو! اطاعت صرف نیکی میں ہے۔''[4] اس روایت کو امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[5]

امام ابوداود نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ] ''ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر کام میں، خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند سمع و طاعت بجا لائے، بشرطیکہ اسے کسی معصیت کے کام کا حکم نہ دیا گیا ہو اور اگر اسے معصیت کے کام کا حکم دیا گیا ہو تو پھر سمع و طاعت نہیں ہے۔''[6] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[7]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی کہ ہم خوشی و ناخوشی، تنگی و آسانی اور

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ﴾ (النسآء 59:4)، حديث: 4584 . [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، حديث:1834 و سنن أبي داود، الجهاد، باب في الطاعة، حديث:2624 و جامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الرجل يبعث سرية وحده، حديث:1672 و سنن النسائي، البيعة، باب قوله تعالى: ﴿ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾، حديث:4199 و مسند أحمد:337/1 . [3] یہ شخص عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو باب سريّة عبدالله بن حذافة...... کے تحت ذکر کیا ہے۔ دیکھیے حدیث: 4340 .

[4] مسند أحمد: 82/1 . [5] صحيح البخاري، الأحكام، باب السّمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، حديث: 7145 یہاں یہ بھی ہے کہ وہ ابھی اسی بحث میں تھے کہ آگ بجھ گئی اور اس کا غصہ بھی اتر گیا۔ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ...... ، حديث:1840. [6] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الطاعة، حديث: 2626 .

[7] صحيح البخاري، الأحكام، باب السّمع والطاعة للإمام......، حديث: 7144 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ......، حديث:1839 .

اپنے پر ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی سمع وطاعت بجالائیں گے اور کسی حق والے سے حکومت کے لینے کے بارے میں جھگڑا نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا تھا:[إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ] ''سوائے اس کے کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس کوئی دلیل موجود ہو۔''[1] اس حدیث کو شیخین نے بیان کیا ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ] ''سنو اور اطاعت بجالاؤ، خواہ تمھارا امیر اس طرح کا کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو جس کا سر منقے جیسا ہو۔'' اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔[2]

ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَّقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، اِسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا] ''اگر تم پر امیر کوئی ایسا غلام ہی کیوں نہ ہو جو کتاب اللہ کے ساتھ تمھاری قیادت کرتا ہو تو تم اس کی بات بھی سنو اور اطاعت بجالاؤ۔''[3] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:[عَبْدًا حَبَشِيًّا مُّجَدَّعًا] ''خواہ وہ اعضاء کٹا ہوا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔''[4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے جو متفق علیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصٰى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي] ''جس نے میری اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو تحقیق اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو گویا اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی تو گویا اس نے میری نافرمانی کی۔''[5]

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ﴾ یعنی اللہ کی کتاب کی اتباع کرو۔ ﴿وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو لازم پکڑلو ﴿وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ اور اپنے حکمرانوں کے ان احکام کی بھی اطاعت بجالاؤ جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو اور اس کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو پھر مخلوق میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں صحیح حدیث بیان کی جا چکی ہے:[إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ] ''بلاشبہ اطاعت صرف

---

[1] صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ:[سترون أمورًا تنكرونها]، حديث:7056,7055 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث:(42)-1709، قبل الحديث:(43)-1841. [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب السّمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، حديث:7142 . [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث:1838. [4] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء ......، حديث:1838 عن أم حصين ؓ. [5] صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالى: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ (النسآء 4:59)، حديث: 7137 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: (33)-1835.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ بے شک وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اور اس

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط

پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ شیطانی چیلوں سے کرائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ ایسے شیطانوں

وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿60﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ

کا انکار کریں؟ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے دور پھینک دے ﴿60﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے

اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾ فَكَيْفَ اِذَآ

نازل کیا، اور آؤ رسول کی طرف، تو آپ منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ (کی طرف آنے) سے کتراتے ہیں ﴿61﴾ پھر ان کا کیا حال ہوتا ہے،

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ

جب ان کے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے؟ پھر وہ قسمیں کھاتے ہوئے آپ کے پاس آکر کہتے ہیں: اللہ کی قسم!

اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿62﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ

ہم نے تو بھلائی اور صلح صفائی کا ارادہ کیا تھا ﴿62﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا ہے، لہٰذا (اے نبی!) آپ ان (کی باتوں) پر

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿63﴾

دھیان نہ دیں اور انھیں نصیحت کرتے رہیں اور ان سے ان کے دلوں پر اثر کرنے والی بات کہیں ﴿63﴾

نیکی میں ہے۔''[1]

اختلاف کے وقت کتاب وسنت کی طرف رجوع کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ ''پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف لوٹا دو۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرو۔[2] بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ دین کے اصول وفروع میں سے جس چیز کے بارے میں بھی لوگوں میں اختلاف ہو تو اس اختلاف کے ختم کرنے کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط﴾ (الشوریٰ 10:42) ''اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا۔)'' پس کتاب وسنت جو فیصلہ کریں اور جس فیصلے کے صحیح ہونے کی گواہی دیں تو وہی حق ہے اور حق کے بعد تو پھر گمراہی ہی باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط﴾ ''اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

[1] صحیح البخاری، الأحکام، باب السمع والطاعة للإمام......، حدیث: 7145 وصحیح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء، حدیث: 1840. [2] تفسیر الطبری: 209/5.

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو اختلاف کے وقت کتاب وسنت سے فیصلہ نہ کرائے اور ان کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ ''یہ بہت اچھی بات ہے۔'' یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے فیصلہ کرانا اور اختلاف کے خاتمے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنا بہت اچھی بات ہے۔ ﴿وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ یعنی اس کا مآل بھی اور انجام بھی اچھا ہے جیسا کہ سُدّی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بیان کیا ہے۔[1] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کی جزا بہت اچھی ہے۔[2] بہر حال یہ دونوں معنی قریب قریب ہی ہیں۔

تفسیر آیات:60-63

جو کتاب وسنت سے روگردانی کرے وہ مسلمان نہیں ہے: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تردید فرمائی ہے جو دعویٰ تو یہ کرے کہ اس کا اس دین وشریعت پر ایمان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ اور سابقہ انبیائے کرام پر نازل فرمایا ہے لیکن اس دعوے کے باوجود وہ تنازعات کے فیصلوں کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بجائے کسی اور طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایک انصاری اور ایک یہودی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کا آپس میں تنازعہ تھا۔ یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمد ﷺ سے کرا لیتے ہیں مگر انصاری نے کہا کہ نہیں ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف سے کراتے ہیں۔[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقوں کی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جنھوں نے اظہار تو اسلام کا کیا تھا مگر وہ اپنے فیصلے حکام جاہلیت سے کراتے تھے۔[4] علاوہ ازیں اور بھی کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ آیت کریمہ عام ہے اور اس میں ہر اس شخص کی مذمت ہے جو کتاب وسنت سے روگردانی کرے اور ان کے بجائے باطل سے اپنے فیصلے کرائے اور یہاں طاغوت سے مراد باطل ہی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ﴾ ''وہ چاہتے یہ ہیں کہ (اپنا مقدمہ) ایک سرکش کے پاس لے جا کر فیصلہ کرائیں۔''

اور آگے چل کر فرمایا: ﴿يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ ''وہ آپ سے کتراتے ہیں (اور رکے جاتے ہیں۔)'' یعنی متکبر لوگوں کی طرح آپ سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ (لقمٰن31:21) ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔'' اس کے برخلاف مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (النور24:51) ''بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں: ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا۔''

[1] تفسیر الطبری:210/5 . [2] تفسیر الطبری:210/5 . [3] تفسیر الطبری:213/5 . [4] تفسیر الطبری:211/5 .

منافقوں کی مذمت: پھر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ﴾ ''تو کیسی (ندامت کی) بات ہے کہ جب ان کے اعمال (کی شامت) سے ان پر کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے؟'' یعنی جب ان کے گناہوں کے سبب لاحق ہونے والے آلام ومصائب کے موقع پر تقدیر انھیں تمھارے پاس کھینچ لاتی ہے اور اس سلسلے میں وہ تمھارے محتاج ہوجاتے ہیں ﴿ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَـٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿62﴾ ﴾ ''پھر وہ آپ کے پاس بھاگے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ! ہمارا مقصود تو بھلائی اور موافقت تھا۔''

یعنی آپ کے پاس آکر معذرت کرتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر ہم اوروں کے پاس جو گئے اور ان سے جو فیصلے کرائے تو اس سے ہمارا مقصود بھلائی اور موافقت تھا، یہ نہیں کہ ہم ان کے فیصلے کو صحیح سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک دوسری جگہ بھی فرمایا ہے: ﴿ فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَـٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ فَيُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ نَـٰدِمِينَ ﴿﴾ ...... ﴾ (المآئدۃ52:5) ''تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ ان (یہودیوں) میں دوڑ دوڑ کے (ملے جاتے ہیں)، کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے، پھر قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) تو یہ اپنے دل کی باتوں پر، جنھیں چھپایا کرتے تھے، پشیمان ہوکر رہ جائیں گے۔''

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ ابوبرزہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہودیوں کے باہمی تنازعات میں فیصلے کیا کرتا تھا تو کچھ مسلمان بھی اس سے فیصلہ کرانے کے لیے اس کے پاس چلے گئے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَـٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿62﴾ ﴾ [1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ مَا فِى قُلُوبِهِمْ ﴾ ''ان لوگوں کے دلوں میں جو کچھ ہے، اللہ اس کو (خوب) جانتا ہے۔'' لوگوں کی یہ قسم منافقین کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے کیونکہ اس سے کوئی چیز بھی تو مخفی نہیں ہے۔ پھر وہ ان کو اسی کے مطابق بدلہ دے گا، لہٰذا اے محمد (ﷺ)! ان کے بارے میں اسی بات کو کافی جانیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے۔

﴿ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ ''تو ان (کی باتوں) کا کچھ خیال نہ کریں۔'' یعنی ان کے دلوں میں جو کچھ ہے، اس کی وجہ سے انھیں برا بھلا نہ کہیں ﴿ وَعِظْهُمْ ﴾ ''اور انھیں نصیحت کریں۔'' ان کے دلوں میں جو نفاق اور شر پوشیدہ ہے، اس سے انھیں باز رہنے کی تلقین کریں۔ ﴿ وَقُل لَّهُمْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيغًا ﴿63﴾ ﴾ ''اور ان سے (ایسی باتیں) کہیں جو ان کے دلوں میں اثر کر جائیں۔'' یعنی ان سے مؤثر پیرائے میں گفتگو کریں اور ایسے انداز سے نصیحت کریں جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

[1] المعجم الکبیر للطبرانی: 373/11، حدیث: 12045.

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر بے شک وہ لوگ، جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا،

جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾

آپ کے پاس آتے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے بخشش طلب کرتا تو وہ یقیناً اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

کرنے والا پاتے ﴿64﴾ چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿65﴾

لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں ﴿65﴾

تفسیر آیات: 65,64

اطاعتِ رسول حتمی طور پر واجب ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ﴾ ''اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اس کا حکم مانا جائے۔'' یعنی میں نے رسول کی اطاعت کو ان لوگوں کے لیے فرض قرار دیا ہے جن کی طرف اس رسول کو بھیجا گیا ہو۔ اللہ کے فرمان: ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اللہ کے حکم کے مطابق۔'' کے امام مجاہد یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میرے حکم کے بغیر کوئی اطاعت نہیں کر سکتا۔[1] یعنی انبیائے کرام کی اطاعت وہی کر سکتا ہے جس کو میں نے توفیق بخشی ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾ (آل عمران 152:3) ''اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا جب تم (اُحد میں) کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔'' یعنی اس کے حکم سے، اس کی تقدیر اور مشیت سے اور اس وجہ سے کہ اس نے تمھیں ان پر مسلط کر دیا تھا تم انھیں قتل کر رہے تھے۔

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ ''اور یہ لوگ، جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے، اگر آپ کے پاس آتے۔'' اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور گناہ گاروں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ جب ان سے کوئی غلطی یا نافرمانی ہو جائے تو انھیں چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے پاس اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور آپ سے بھی درخواست کریں کہ آپ ان کی معافی کے لیے دعا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما لے گا، ان پر رحم فرمائے گا اور انھیں معاف فرما دے گا۔ اسی لیے تو اس نے فرمایا: ﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾﴾ ''تو اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔''

وہ مومن نہیں جو اپنے تنازعات میں نبیٔ اکرم ﷺ کو منصف نہ مانے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ ''چنانچہ آپ کے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں، تب تک مومن نہیں ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک اور مقدس ذات گرامی کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ

[1] تفسیر الطبری:216/5 .

اس وقت تک کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ تمام امور میں رسول اللہ ﷺ کو منصف تسلیم نہ کرے، پھر آپ جو فیصلہ فرما دیں وہی حق ہے اور باطنی وظاہری طور پر اسے تسلیم کرنا واجب ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ ''پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں اور اس کو (خوشی سے) مان لیں۔'' یعنی جب آپ کو منصف تسلیم کر لیں تو پھر باطنی طور پر بھی آپ کی اطاعت کریں اور آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ ظاہری و باطنی طور پر اسے قبول کر لیں اور کسی چون و چرا اور حیل و حجت کے بغیر اسے کلی طور پر تسلیم کر لیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عروہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک شخص سے حَرَّہ کی ندی کے پانی کے بارے میں جھگڑا ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ، فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ﷺ ، ثُمَّ قَالَ : اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ] ''زبیر! تم (اپنی کھیتی کو) پانی دے لیا کرو، پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف روانہ کر دیا کرو۔ انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا: زبیر! اپنی کھیتی کو پانی دو، پھر پانی کو روک لو حتی کہ مُنڈیروں (پشتے) تک آ جائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔''

اس طرح انصاری کے نبی ﷺ کو ناراض کرنے کے بعد آپ نے اپنے صریح حکم کے مطابق حضرت زبیر کو اختیار دیا کہ وہ اپنا حق پورا پورا وصول کر لیں، حالانکہ اس سے پہلے آپ نے ایک صورت پیش فرمائی تھی جس میں دونوں کے لیے سہولت تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ...... ﴾ الآية. اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔[1]

ایک دوسرا سبب نزول: حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن دُحَیم نے اپنی تفسیر میں حضرت ضَمُرَہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ دو آدمیوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنا جھگڑا پیش کیا تو آپ نے حق والے کے حق میں فیصلہ فرما دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ میں اس فیصلے کو قبول نہیں کرتا۔ اس کے ساتھی نے کہا: تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرائیں۔

وہ دونوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ سے بھی فیصلہ کرایا ہے اور آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا ہے یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم دونوں اس فیصلے کو قبول کرو جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مگر جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ سے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ .... ﴾ (النسآء4:65)، حديث:4585 و صحيح مسلم، الفضائل، باب وجوب اتباعه ﷺ، حديث:2357 عن عبدالله بن الزبير رضي الله عنه.

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ

اور اگر بے شک ہم ان پر فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا تم اپنے گھروں سے نکلو تو ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی بھی یہ کام نہ کرتا۔ اور

مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿66﴾ وَّاِذًا

اگر بے شک وہ مان لیتے جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا باعث ہوتا﴿66﴾ اور تب

لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿67﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿68﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

ہم ضرور انھیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے ﴿67﴾ اور ہم ضرور انھیں سیدھے راستے پر چلاتے ﴿68﴾ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی

وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

اطاعت کرے، تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ،

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿69﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾ ع 9/11/6

اور یہ لوگ اچھے رفیق ہوں گے﴿69﴾ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے، اور اللہ کافی ہے جاننے والا﴿70﴾

فیصلہ کرائیں گے۔

وہ دونوں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا فیصلہ کرایا ہے اور آپ نے میرے حق میں اس کا فیصلہ فرمایا ہے لیکن اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کیا یہ بات اسی طرح ہے؟ تو اس نے بھی اس کی تصدیق کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں چلے گئے اور واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں تلوار (سونتی ہوئی) تھی اور آتے ہی اس شخص کا سر قلم کر دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ...... ﴾ الآية.[1]

تفسیر آیات :66-70

اکثر لوگ حکم کی مخالفت کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اکثر لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر انھیں ان گناہوں کے کرنے کا حکم دیا جاتا جن کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں تو پھر وہ انھیں کبھی نہ کرتے کیونکہ ان کی گھٹیا طبیعتیں حکم کی مخالفت کی خوگر ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ جو ہوا یا نہ ہوا یا جو ہوگا، ان سب کا اسے علم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ ﴾ "اور اگر ہم انھیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے ہی ایسا

[1] الدر المنثور: 322/2 وتفسير ابن أبي حاتم: 994/3 . یہ واقعہ کئی سندوں سے مروی ہے مگر تمام ضعیف ہیں۔ ایک سند میں ابن لہیعہ ہے جبکہ وہ مرسل بھی ہے دوسری سند مرسل ہے کہ ضمرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں ملے اور تیسری سند جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اس میں کلبی متروک ہے اور باذام ابو صالح کا ابن عباس سے سماع بھی ثابت نہیں ہے۔

کرتے اور اگر یہ اس نصیحت پر کاربند ہوتے جوان کو کی جاتی ہے۔'' یعنی جو انھیں حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے اور جس سے منع کیا جاتا ہے اسے ترک کر دیتے ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ تو یہ ان کے حق میں امر کی مخالفت کرنے اور نہی کا ارتکاب کرنے سے بہتر ہوتا ﴿ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴾ ''اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔'' سُدّی فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ تصدیق کا موجب ہوتا۔[1] ﴿ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ اور ہم انھیں اپنی طرف سے اجرِ عظیم، یعنی جنت عطا فرماتے۔ ﴿ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ ''اور انھیں دنیا وآخرت میں سیدھا رستہ بھی دکھاتے۔''

اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والے انعام یافتگانِ بارگاہِ الٰہی کے ساتھ ہوں گے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔'' یعنی جس نے وہ عمل کیا جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہو اور اسے ترک کر دیا جس سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عزت کے گھر میں بسائے گا اور انبیائے کرام علیہم السلام کا ساتھ عطا فرمائے گا اور ان کے بعد کے رتبے والوں، یعنی صدیقین، پھر شہداء، پھر عام مومنوں، یعنی صالحین کا بھی ساتھ عطا فرمائے گا۔ اور صالحین وہ لوگ ہوتے ہیں جن کا ظاہر وباطن درست ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ نَبِيٍّ يَّمْرَضُ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ] ''جب بھی کوئی نبی بیمار ہوتا ہے تو اسے دنیا وآخرت میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔'' مرض الوفات میں جب آپ کی طبیعت بے حد ناساز تھی، میں نے آپ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا کہ ﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ﴾ تو مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کو بھی اس وقت دنیا یا آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دے دیا گیا ہے۔[2] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر تین بار فرمایا: [اَللّٰهُمَّ ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى] ''اے اللہ! میں (اعلیٰ علیین) میں انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں (رہنا پسند کرتا ہوں۔)''[3] پھر آپ کی روح قفسِ عُنصری سے پرواز کر گئی۔ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ تو اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔

اس آیت کریمہ کا سببِ نزول: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص

---

[1] تفسیر الطبری:223/5 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ ﴾ (النسآء 69:4)، حدیث:4586 وصحیح مسلم، فضائل الصّحابة، باب فی فضائل عائشة أمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا، حدیث:(86)-2444 . [3] صحیح البخاری، المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، حدیث:4438 عن عائشة رضی اللہ عنہا.

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس وقت وہ غم زدہ تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: [يَا فُلَانُ! مَالِي أَرَاكَ مَحْزُونًا؟] ''کیا بات ہے تم غم زدہ نظر آتے ہو؟'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک چیز کے بارے میں سوچتا ہوں، آپ نے فرمایا: [مَا هُوَ] ''وہ کیا؟'' اس نے عرض کی: ہم صبح وشام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ کے چہرۂ اقدس کا دیدار کرتے اور آپ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں لیکن کل (روز قیامت) آپ تو انبیائے کرام ﷩ کے ساتھ ہوں گے اور ہم آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا تو آپ کے پاس جبریل ﷤ یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہو گئے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''نبی اکرم ﷺ نے اسے بلا بھیجا اور اسے یہ بشارت سنا دی......۔[1] یہ اثر مسروق، عکرمہ، عامر شعبی اور قتادہ ﷭ سے بھی مرسلاً مروی ہے۔[2] نیز ربیع بن انس سے بھی اور اس کی سند سب سے بہتر ہے۔[3]

ایک دوسری سند سے اس طرح کا واقعہ مرفوعاً بھی مروی ہے جسے امام ابوبکر بن مَرْدُوْیَہ نے بروایت حضرت عائشہ ﵄ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، اپنے اہل سے بھی اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو صبر نہیں کر سکتا حتی کہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں لیکن جب اپنی اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہے کہ آپ تو جنت میں تشریف لے جائیں گے اور وہاں حضرات انبیائے کرام کی رفاقت میں ہوں گے، میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو اندیشہ ہے کہ شاید آپ کا دیدار میسر نہ آ سکے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور اسے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ جبریل ﷤ آپ پر یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہو گئے۔

حافظ ابوعبداللہ مقدسی نے بھی اپنی کتاب صِفَةُ الْجَنَّةِ میں یہ روایت اسی طرح بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[4]

صحیح مسلم میں ربیعہ بن کعب اسلمی ﵁ سے مروی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس رات بسر کرتا تھا اور آپ کے لیے وضو کا پانی اور دیگر ضروریات کا اہتمام کرتا، ایک دن آپ نے فرمایا: [سَلْ، فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ: أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ، قَالَ: فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ] ''کچھ مانگو، میں نے عرض کی: (اے اللہ کے رسول!) میری درخواست یہ ہے کہ مجھے جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو، آپ نے فرمایا: کوئی اور سوال؟ تو میں نے

[1] تفسیر الطبری:225/5. [2] تفسیر الطبری:225/5 و تفسیر ابن أبی حاتم:997/3. [3] تفسیر الطبری:226/5.

[4] مجمع الزوائد، التفسیر، النسآء: 7/7، حدیث:10937 و حلیة الأولیاء، ترجمة إبراهيم بن يزيد النخعي:267/4، حدیث:5516 و المعجم الأوسط للطبرانی:296/1، حدیث:480.

عرض کی کہ وہ بھی یہی ہے، تو آپ نے فرمایا: پھر کثرتِ سجود کے ساتھ اپنے بارے میں میری مدد کرو۔"[1]

امام احمد نے عمرو بن مُرّہ جُہَنی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، نماز پنجگانہ ادا کرتا ہوں، اپنے مال کی زکاۃ بھی دیتا ہوں، اور ماہ رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ مَّاتَ عَلٰی هٰذَا كَانَ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا - وَنَصَبَ إِصْبَعَيْهِ - مَا لَمْ يَعُقَّ وَالِدَيْهِ] "جسے اس حالت میں موت آئے تو قیامت کے دن اسے انبیاء، صدیقین اور شہداء کی اس طرح رفاقت حاصل ہوگی اور اس موقع پر آپ نے اپنی دونوں انگلیوں کو اٹھا کر اشارہ فرمایا، بشرطیکہ وہ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرے۔"[2] امام احمد اس حدیث کو روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

اس سب سے بڑھ کر عظیم بشارت وہ ہے جو کتب صحاح، مسانید اور دیگر کتب میں متواتر سندوں کے ساتھ حضرات صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے[3] کہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کچھ لوگوں سے محبت تو کرتا ہے لیکن ابھی تک وہ (ان جیسے اعمال کر کے)[4] ان سے ملا نہیں ہوتا، تو آپ نے فرمایا: [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] "آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرے۔"[5] حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں کسی اور چیز سے اس قدر خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی خوشی اس حدیث کے سننے سے ہوئی۔[6]

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ مجھے تو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بھی محبت ہے، لہٰذا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کے ساتھ ہی اٹھائے گا، گو میں ان جیسے عمل نہیں کر سکا۔[7] چنانچہ

---

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، حديث: 489 . [2] دیکھیے جامع المسانيد والسنن: 77/10 ومجمع الزوائد، البر والصلة، باب ماجاء في العقوق: 147/8، حديث: 13429. مسند احمد کے مطبوعہ نسخوں میں یہ روایت نہیں ملی۔ [3] ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، حضرت صفوان بن عسّال، حضرت ابوذر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ [4] یہ مفہوم دوسری روایات میں ہے، دیکھیے مسند أحمد: 159/3. [5] صحيح البخاري، الأدب، باب علامة الحبّ في الله لقوله تعالى: ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ (آل عمران 3:31) ، حديث: 6170 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ وحديث: 6169. وصحيح مسلم، البر والصّلة، باب المرء مع من أحبّ، حديث: 2640 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ وسنن أبي داود، الأدب، باب الرجل يحب الرجل على خير يراه، حديث: 5126 عن أبي ذر رضی اللہ عنہ و5127 عن أنس رضی اللہ عنہ وجامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء أن المرء مع من أحبّ، حديث: 2387 عن صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ ومسند أحمد: 392/4 عن أبي موسى رضی اللہ عنہ ومسند أبي يعلى: 270/5 ، حديث: 2888 عن أنس رضی اللہ عنہ. [6] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حديث: 3688 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب المرء مع من أحب، حديث: (163)-2639. لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کے یہ اور ان سے متصل الفاظ کا سیاق ایک دوسری روایت: [أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ...... عَنِ السَّاعَةِ......] ہے نہ کہ [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] دیکھیے گزشتہ حاشیہ۔ [7] دیکھیے بخاری اور مسلم بحوالۂ مذکورہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، پھر تم الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکٹھے ہو کر نکلو﴿71﴾ اور بے شک تم میں

لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿72﴾

سے کوئی ایسا بھی ہے جو نکلنے میں ضرور دیر کرتا ہے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

کے ساتھ موجود نہیں تھا﴿72﴾ اور اگر تمھیں اللہ کا فضل ملے، تو وہ گویا جیسے تمھارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہ ہو، ضرور کہے گا: کاش میں ان

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿73﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

کے ساتھ ہوتا، پھر میں بڑی کامیابی حاصل کرتا﴿73﴾ پھر جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ چکے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اللہ کے

بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿74﴾

راستے میں لڑیں، اور جو شخص اللہ کے راستے میں لڑے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم جلد اسے بہت بڑا اجر دیں گے﴿74﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں محض اپنے فضل و رحمت سے اس بات کا مستحق بنایا، وہ اپنے اعمال سے اس کے مستحق قرار نہیں پا سکتے تھے ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾﴾ ''اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔'' یعنی صرف وہی جانتا ہے کہ ہدایت اور توفیق کا مستحق کون ہے۔

تفسیر آیات: 71-74

دشمن کے مقابلے کے لیے تیاری کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے دشمن کے مقابلے کی تیاری رکھیں۔ اور یہ حکم اس بات کو مستلزم ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لیے اسلحہ بھی تیار رکھا جائے اور ہر طرح کا ساز و سامان بھی اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو تیار بھی کیا جائے۔

﴿ثُبَاتٍ﴾ یعنی ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت، ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ اور ایک سَرِیّہ کے بعد دوسرا سَرِیّہ جہاد کے لیے نکلے۔ ﴿ثُبَاتٍ﴾ ثُبَةٌ کی جمع ہے۔ ثُبَةٌ کی جمع ثُبِينَ بھی آتی ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ ﴿فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو ﴿اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾﴾ ''یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔'' مجاہد، عکرمہ، سُدّی، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی، مُقاتل بن حیّان اور خُصَیف جزری رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

جہاد سے پیچھے رہنا منافقوں کی علامت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ﴾ ''اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ہے کہ دیر لگاتا ہے۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] مُقاتل بن حیّان کہتے ہیں کہ ﴿لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہاد سے پیچھے رہتا ہے۔[3] اور یہ بھی احتمال ہے کہ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:998/3 . [2] تفسیر الطبري:228/5 . [3] تفسیر ابن أبي حاتم:999/3 .

اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ خود بھی جہاد سے پیچھے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی پیچھے رکھتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن اُبی ابن سلول کیا کرتا تھا۔ ابن جریج اور ابن جریر کا بھی یہی قول ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ جب منافق جہاد سے پیچھے رہ جاتا ہے تو ﴿فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ﴾ ''پھر اگر تم پر کوئی مصیبت پڑ جائے۔'' یعنی تم شہید ہو جاؤ اور اللہ کی طرف سے کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے تمھارا دشمن تم پر غالب آ جائے تو منافق کہتا ہے: ﴿قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان میں موجود نہ تھا۔'' یعنی جہاد میں شرکت نہ کرنے کو وہ اللہ کی مہربانیوں میں سے شمار کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ کس قدر اجر و ثواب سے محروم ہو گیا ہے جو میدان جہاد میں صبر کرنے یا شہید ہو جانے کی صورت میں اسے ملنا تھا۔

﴿وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو۔'' اور تمھیں فتح و نصرت اور غنیمت سے سرفراز فرمائے ﴿لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ﴾ ''تو وہ اس طرح سے کہتا ہے کہ گویا تم میں اور اس میں دوستی تھی ہی نہیں'' یعنی تمھارے دین سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ تھا، افسوس کرتا اور کہتا ہے: ﴿يٰلَيْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾﴾ ''کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مقصد عظیم حاصل ہوتا۔'' اور مجھے بھی مال غنیمت میں سے حصہ مل جاتا اور اس کا سب سے بڑا مقصود و مطلوب یہی ہوتا ہے کہ دنیا کے مال کو کسی نہ کسی طرح سے حاصل کر لے۔

جہاد کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ط﴾ یعنی راہِ جہاد میں نکلنے والے مومن ان لوگوں سے لڑیں جو دنیا کے تھوڑے سے مال کے بدلے اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں۔[2] اور اس کا سبب ان کا کفر اور عدم ایمان ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾﴾ یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے، پھر خواہ وہ قتل ہو جائے یا مغلوب ہو جائے یا دشمن اس کے مال کو چھین لے تو اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے لیے بے حد و حساب اجر و ثواب ہے جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ہے: [تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ] ، [إِنْ تَوَفَّاهُ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ]، [أَوْ يَرْجِعَهُ إِلٰى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ] ''اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کا ضامن ہے کہ اگر اسے فوت کر دے تو اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کے حاصل کردہ اجر و ثواب اور غنیمت کے ساتھ اسے اس کے اس گھر کی طرف لوٹائے گا جس سے وہ نکل کر میدان جنگ میں گیا تھا۔''[3]

[1] تفسیر الطبری:5/228 . [2] یعنی ﴿فَلْيُقَاتِلْ﴾ کا فاعل اَلْمُؤْمِنُ النَّافِرُ محذوف ہے اور ﴿الَّذِينَ يَشْرُونَ﴾ مفعول بنے گا۔
[3] صحیح البخاری، فرض الخمس، باب قول النبیﷺ: [أحلّت لکم الغنائم]، حدیث:3123 وصحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللّٰه، حدیث:(104)-1876 عن أبی هریرة ؓ ،البتہ اس حدیث کا پہلا حصہ مسند أبی عوانة:4/457 ، حدیث:7324 اور دوسرا حصہ سنن سعید بن منصور:2/121 ، حدیث:2311 اور آخری حصہ صحیحین کے مذکورہ بالا حوالے کے مطابق ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ

اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں کمزور مردوں ، عورتوں اوربچوں کی خاطر نہیں لڑتے ،جو

الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ

کہتے ہیں : اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال کہ اس کے باشندے ظالم ہیں ، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے

وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ⑦⑤ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

کوئی حمایتی بھیج ، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بھیج ⑦⑤ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ

جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت (شیطان) کی راہ میں لڑتے ہیں ، چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو ، بے شک شیطان کی

كَانَ ضَعِيْفًا ⑦⑥ ع 10 6 7

چال بڑی کمزور ہے⑦⑥

تفسیر آیات:76,75

کمزور مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اس کی راہ میں جہاد کریں اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو مکہ سے نکالنے میں مدد دیں جو وہاں رہنے کی وجہ سے اکتا گئے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ ''جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو اس شہر سے نکال (کر کہیں اور لے جا۔)'' یعنی مکہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ﴾ (محمد13:47) ''اور بہت سی بستیاں آپ کی اس بستی سے جس (کے باشندوں) نے آپ کو (وہاں سے) نکال دیا زور وقوت میں کہیں بڑھ کر تھیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ⑦⑤ ﴾ یعنی جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور میری والدہ بھی انھیں بے بس لوگوں میں سے تھے۔① پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ ﴾ یعنی مومن تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے لیے لڑتے ہیں اور کافر شیطان کی اطاعت کے لیے لڑتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے دشمنوں سے جہاد پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ⑦⑥ ﴾ ''سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔''

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (النسآء4:75)، حدیث:4587 .

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم (لڑائی سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو؟

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ

پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی ان میں سے ایک گروہ کا فرلوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے یا وہ

خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

اس سے بھی بڑھ کر خوفزدہ تھا۔ اور وہ کہنے لگے: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جنگ فرض کیوں کی؟ تو نے ہمیں کچھ مدت تک

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿77﴾ اَيْنَ

مہلت کیوں نہ دی؟ کہہ دیجیے: دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس شخص کے لیے جس نے پرہیز گاری اختیار کی اور تم پر

مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا﴿77﴾ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، موت تمھیں پا لے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو، اور اگر انھیں کوئی

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ

بھلائی ملے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔ کہہ دیجیے: یہ سب کچھ

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿78﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

اللہ کی طرف سے ہے، چنانچہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات سمجھنے کے قریب نہیں پھٹکتے!﴿78﴾ (اے انسان!) تجھے جو بھی بھلائی ملے، وہ اللہ

فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ

کی طرف سے ہے، اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾

اور اللہ بطور گواہ کافی ہے﴿79﴾

تفسیر آیات: 77-79

فرضیت جہاد کو پسند نہ کرنے والوں کو ملامت: مکہ میں ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو نماز اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم تھا، گو ان کے ابھی تک نصاب مقرر نہ تھے لیکن انھیں حکم تھا کہ فقیر مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کریں، مشرکوں سے عفوو درگزر سے کام لیں اور کچھ وقت تک صبر کا مظاہرہ کریں لیکن مسلمان کڑھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ انھیں جنگ کی اجازت ملے تا کہ دشمنوں سے بدلہ لے سکیں لیکن اس وقت بہت سے اسباب کی وجہ سے صورتحال جنگ کے لیے مناسب نہ تھی جن میں سے ایک سبب یہ تھا کہ ابھی تک مسلمانوں کی تعداد ان کے دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ مسلمان ابھی تک اپنے ہی شہر بلد حرام میں تھے جو روئے زمین کا سب سے اشرف مقام ہے، لہٰذا مسلمانوں کی طرف سے اس مقدس شہر میں جنگ کی ابتدا مناسب نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ میں اس وقت دیا گیا

جب مدینہ ان کا گھر بن گیا، انھیں جائے قرار نصیب ہوگئی اور مددگار میسر آ گئے لیکن اس کے باوجود جب مسلمانوں کو اس بات کا حکم مل گیا، جسے وہ پسند کرتے تھے، تو بعض لوگ اس سے گھبرانے اور دشمن کا مقابلہ کرنے سے شدید خوف کھانے لگے ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ ﴾ ''اور کہنے لگے: اے اللہ! تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا، تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی؟'' یعنی اس کی فرضیت کو کچھ عرصے کے لیے مؤخر کیوں نہ کر دیا کیونکہ جنگ میں تو خون ریزی ہوتی ہے، اس میں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں۔

یہ آیت اسی طرح ہے جس طرح یہ آیت ہے: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ... ﴾ (محمد 20:47) ''اور مومن لوگ کہتے ہیں کہ (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی؟ لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہو اور اس میں جہاد کا بیان ہو تو......۔''

امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ دوست مکہ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! جب ہم مشرک تھے تو عزت کے ساتھ رہ رہے تھے اور جب ایمان لے آئے ہیں تو ہم ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [إِنِّي أُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوا الْقَوْمَ] ''مجھے عفو و درگزر کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ان لوگوں سے تم جنگ نہ کرو۔'' پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مدینہ میں پہنچا کر جہاد کا حکم دیا تب کچھ لوگ جہاد سے رک گئے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ ﴾[1] اسے امام حاکم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ﴾ ''کہہ دیجیے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجاتِ) آخرت ہے۔'' یعنی پرہیزگار کے لیے آخرت اس کی دنیا سے بہتر ہے۔ ﴿ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ ﴾ ''اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی تمھارے اعمال کی دھاگے برابر بھی جزا کم نہیں کی جائے گی بلکہ تمھیں ان کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اس آیت میں دنیا سے بے رغبتی دلائی گئی ہے، آخرت کی ترغیب دی گئی ہے اور جہاد کے شوق کو ابھارا گیا ہے۔

موت سے مفر نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ ﴾ ''(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں رہو موت تو تمھیں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔'' یعنی ایک دن تم یقینی طور پر موت سے دوچار ہو گے کہ موت سے تم میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ ﴾

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1005/3. [2] السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، النسآء، باب قوله تعالٰى: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ ...... ﴾:325/6، حديث:11112 والمستدرك للحاكم، التفسير:307/2، حديث:3200.

(الرحمٰن26:55) ''جو (مخلوق) زمین پر ہے، سب کو فنا ہونا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ﴾ (آل عمران 185:3) ''ہر متنفس کو موت (کا مزا) چکھنا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ﴾ (الأنبیآء 34:21) ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا۔''

مقصود یہ ہے کہ موت بہر حال ہر ایک کو آ کر رہنی ہے، کوئی چیز موت سے بچا نہیں سکتی، لہٰذا جہاد کرو یا نہ کرو موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اپنے وقت مقررہ پر بہر صورت آ کر رہے گی اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جب اپنے بستر پر موت آئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے فلاں فلاں جنگوں میں شرکت کی، میرے جسم کے ایک ایک عضو پر نیزے یا تیر کا زخم ہے مگر میں اب اپنے بستر پر جان، جانِ آفرین کے سپرد کر رہا ہوں، بزدلوں کی آنکھوں کو سکون نصیب نہ ہو![1] ﴿ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ ''خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔'' یعنی کیسے ہی مضبوط و مستحکم اور بلند و بالا قلعوں میں رہو کوئی تدبیر اور کوئی قلعہ موت سے نہیں بچا سکتا۔

منافقوں کی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بدشگونی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ﴾ ''اور ان لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔'' یعنی خوش حالی اور پھلوں، فصلوں اور اولاد وغیرہ کی صورت میں رزق۔ اور یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ اور سُدّی کے اقوال کا ہے۔[2] ﴿ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ﴾ ''تو کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچتی ہے۔'' قحط، خشک سالی اور پھلوں اور فصلوں کی کمی کی صورت میں یا اولاد اور مویشیوں کی موت کی صورت میں جیسا کہ ابو العالیہ اور سُدّی کا قول ہے۔[3] ﴿ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ''تو (اے محمد ﷺ! آپ سے) کہتے ہیں کہ یہ (گزند) آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے۔''

یعنی یہ آپ کی طرف سے ہے اور یہ ہمیں اس لیے پہنچتی ہے کہ ہم نے آپ کی اتباع اور آپ کے دین کی اقتدا کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ ﴾ (الأعراف 131:7) ''تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔'' اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ﴾ (الحج 11:22) ''اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بندگی کنارے پر (رہ کر) کرتے ہیں۔''

ان منافقوں نے بھی اسی طرح کہا جو بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے تھے لیکن حقیقت میں وہ اسلام کو ناپسند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھیں کوئی گزند پہنچتی تو کہتے کہ یہ ہمیں نبی ﷺ کی اتباع کی وجہ سے پہنچی ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر، ترجمة خالد بن الوليد رضي الله عنه: 197/18. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1008/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 1008/3.

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿80﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی، تو اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا﴿80﴾ اور منافق کہتے ہیں

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

کہ (ہمارا کام تو) فرمانبرداری ہے پھر جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو رات کو ان کا ایک گروہ اس بات کے خلاف جوڑ توڑ کرتا ہے جو آپ

تَقُوْلُ ۚ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿81﴾

کہتے ہیں۔ اور اللہ لکھ لیتا ہے جو وہ رات کو سازش کرتے ہیں، چنانچہ آپ انھیں جانے دیں اور اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ کارساز کے طور پر کافی ہے﴿81﴾

اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''کہہ دیجیے کہ (رنج وراحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔'' یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے نتیجے میں ہے جو کہ ہر نیک و بد اور مومن و کافر میں کارفرما ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے جواب کے طور پر بظاہر اپنے رسول ﷺ سے خطاب فرمایا لیکن حقیقت میں اس کے مخاطب تمام بنی نوعِ انسان ہیں: ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ﴾ ''(اے آدم زاد!) تجھ کو جو فائدہ پہنچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے۔'' وہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی طرف سے لطف و رحمت ہے ﴿وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ﴾ ''اور جو نقصان پہنچے تو وہ تیری ہی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے۔'' یعنی وہ تیری ہی وجہ سے ہے اور اس کا سبب تیرا اپنا عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الشوریٰ 30:42) ''اور جو مصیبت تم پر آتی ہے سو تمھارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔''

امام سُدِّی، امام حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید فرماتے ہیں کہ ﴿فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ تیرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ امام قتادہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے ابن آدم! وہ تیرے گناہ کی سزا کے طور پر ہے۔[1]

﴿وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ﴾ ''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے'' تاکہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی شریعت پہنچا دیں اور انھیں یہ بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو پسند کرتا اور کس کو ناپسند فرماتا ہے! ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿79﴾﴾ ''اور اس بات کا اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے'' کہ اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، وہ آپ کے اور لوگوں کے مابین بھی گواہ ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آپ تو ان تک دین کو پہنچا رہے ہیں مگر وہ کفر و عناد کی وجہ سے حق کو رد کرتے ہوئے آپ کو صاف جواب دے رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 81,80

رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جس نے آپ کی اطاعت کی تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی نافرمانی کی تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی

[1] تفسیر الطبری: 241/5.

نافرمانی کی، اس لیے کہ آپ خواہش نفس سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ جو بھی فرماتے ہیں وہ وحی الٰہی پر مبنی ہوتا ہے۔
امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ أَطَاعَ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي]''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے گویا میری نافرمانی کی۔''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے۔[2] ﴿ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ ''اور جو نافرمانی کریں تو (اے پیغمبر!) آپ کو ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

یعنی اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے کیونکہ آپ کی ذمہ داری تو دین کو پہنچا دینا ہے جو آپ کی اتباع کرے تو وہ سعادت مند اور کامیاب ہے اور آپ کو بھی اس کا اجر وثواب ملے گا اور جو آپ کی نافرمانی کرے تو وہ ناکام ونامراد ہے اور آپ سے اس کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:[مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (فَإِنَّهُ لَا يَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهُ)]''جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو اس نے اپنی درستی کا سامان مہیا کر لیا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔''[3]

منافقوں کی بیوقوفی کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ﴾ ''اور یہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ (آپ کی) فرمانبرداری (منظور) ہے۔'' اللہ تعالیٰ یہ منافقین کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ بظاہر موافقت اور اطاعت کا اقرار کرتے ہیں ﴿ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ''پھر جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں'' اور آپ کے پاس سے جا کر کہیں اور چھپ جاتے ہیں ﴿ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ﴾ ''تو ان میں سے بعض لوگ رات کو آپ کی باتوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔'' آپ کے سامنے انھوں نے جو اظہار کیا ہوتا ہے، رات کو چھپ چھپ کر اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔

﴿ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں جانتا ہے اور ان کی ان تمام باتوں کو اس کے وہ نگران فرشتے لکھ لیتے ہیں جو تمام بندوں کے ساتھ مقرر کیے گئے ہیں اور وہ بندوں کے افعال کو جانتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1011/3. [2] صحیح البخاری، الأحکام، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾، حدیث: 7137 لیکن اس میں [الأمیر] کے بجائے [أمیری] ہے۔ و صحیح مسلم، الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ، حدیث:1835. [3] صحیح مسلم، الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، حدیث: 870 عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ. البتہ قوسین والے الفاظ ضعیف سند کے ساتھ، سنن أبی داود، الصلاۃ باب الرجل یخطب علی قوس، حدیث:1097 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ اور اس کی جگہ صحیح مسلم کے الفاظ:[فَقَدْ غَوٰی] ''تو یقیناً وہ شر میں منہمک ہوگیا'' ہیں۔ مزید دیکھیے تَمامُ المِنَّۃ:336,335.

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾

کیا پھر وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے ؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے﴿۸۲﴾ اور جب

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى

ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کے حوالے کر

اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ

دیتے، تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے ،اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم ضرور

وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۳﴾

شیطان کے پیچھے لگ جاتے﴿۸۳﴾

سرزنش کی ہے کہ وہ ان کی آپس میں چھپ چھپ کر کی ہوئی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے اور راتوں کو چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی کے جو منصوبے بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے بھی آگاہ ہے، اس لیے وہ ان کو اس کی ضرور سزا دے گا گو انھوں نے بظاہر اطاعت اور موافقت کا اقرار ہی کیوں نہ کیا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ﴾ (النور 47:24) ''اور (بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ یعنی ان سے درگزر کریں، ان پر شفقت کریں، ان کا مؤاخذہ نہ کریں، لوگوں کے سامنے ان کے راز فاش نہ کریں اور ان سے ڈریں بھی نہیں۔ ﴿ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا ﴿۸۱﴾ ﴾ ''اور اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔'' وہ اس کے لیے کافی، حامی و ناصر اور مددگار ہے جو اس پر بھروسا کرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔

تفسیر آیات: 83,82

قرآن مجید حق ہے: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں تدبر کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور اس سے اور اس کے محکم معانی اور بلیغ الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس کتاب میں کوئی اختلاف و اضطراب اور اس میں کوئی تضاد و تعارض نہیں ہے کیونکہ یہ حکیم وحمید ذات گرامی کی طرف سے نازل ہوا ہے، یعنی قرآن حق ہے اور ذات حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ ﴾ (محمد 24:47) ''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟''

پھر فرمایا: ﴿ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ ﴾ ''اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا۔'' یعنی اگر یہ من گھڑت اور اپنی طرف سے بنایا ہوتا جیسا کہ جاہل مشرک و منافق اپنے دل میں یہ خیال کرتے ہیں ﴿ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ ﴾ یعنی اس میں بہت سا اضطراب اور تضاد پاتے، حالانکہ یہ اس سے پاک ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل ہوا ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ﴿ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴾ (آل عمران 7:3) ''ہم ان (آیات) پر ایمان لائے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔'' یعنی محکم اور متشابہ تمام آیات حق ہیں، انھوں نے متشابہات کو بھی محکمات کی طرف لوٹا دیا جس کی وجہ سے وہ راہِ ہدایت پا گئے اور جن کے دلوں میں کجی ہے انھوں نے محکم کو متشابہ کی طرف لوٹایا جس کی وجہ سے وہ راہِ راست سے بھٹک گئے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے راسخین علم (علم میں دستگاہ کامل رکھنے والوں) کی تعریف فرمائی اور کج روی اختیار کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عمرو بن شعیب، عن ابیہ، عن جدہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور میرا بھائی ایک مجلس میں بیٹھے اور وہ مجلس اتنی گراں مایہ تھی کہ سرخ اونٹوں کی دولت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے، میں اور میرا بھائی جس وقت آئے تو اس وقت کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جمع تھے، ہم نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان کے درمیان گھس کر بیٹھیں، لہٰذا ہم ان سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے، انھوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں گفتگو شروع کی حتی کہ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے تو ناراضی کے باعث چہرۂ اقدس گلنار ہو گیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاموش کراتے ہوئے فرمایا: [مَهْلًا يَا قَوْمِ! بِهٰذَا أُهْلِكَتِ الْأُمَمُ مِنْ قَبْلِكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، وَضَرْبِهِمُ الْكُتُبَ بَعْضَهَا بِبَعْضٍ، إِنَّ الْقُرْآنَ لَمْ يَنْزِلْ يُكَذِّبُ بَعْضُهُ بَعْضًا، بَلْ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا، فَمَا عَرَفْتُمْ مِّنْهُ فَاعْمَلُوا بِهِ، وَمَا جَهِلْتُمْ مِّنْهُ فَرُدُّوهُ إِلٰى عَالِمِهِ] ''لوگو! ٹھہر جاؤ، سابقہ امتیں اس وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں کہ انھوں نے اپنے انبیاء سے اختلاف کیا اور اپنی کتابوں کے بعض حصوں کو بعض کا متعارض سمجھا۔ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کے بعض حصے بعض کی تکذیب کریں بلکہ قرآن کے بعض حصے تو بعض کی تصدیق کرتے ہیں تمھیں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو، اس کے مطابق عمل کرو اور جو معلوم نہ کر سکو، اسے جاننے والے کی طرف لوٹا دو۔''[1]

امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی کی ایک روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کیا حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں، تب آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا هَلَكَتِ الْأُمَمُ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ] ''تم سے پہلی امتیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔''[2] اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

تحقیق کے بغیر خبر پھیلانے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ﴾ ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں۔'' یہ ان لوگوں کی تردید ہے جو تحقیق کے بغیر

[1] مسند أحمد:181/2. [2] مسند أحمد:192/2. [3] صحيح مسلم، العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن والتحذير......، حديث:2666 والسنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، باب: 62 ذكر الاختلاف:33/5، حديث: 8095.

خبروں کو پھیلا دینے اور مشہور کر دینے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ بسااوقات وہ خبریں صحیح نہیں ہوتیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ] ''آدمی کے لیے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کر دے۔''(1)

امام ابوداود نے بھی اپنی سنن کی کتاب الأدب میں اسے بیان کیا ہے۔(2) صحیحین میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِدھر اُدھر کی باتوں سے منع فرمایا۔(3) قیل وقال کرنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو تحقیق و تصدیق اور غور وفکر کے بغیر لوگوں سے سنی ہوئی باتوں کو اکثر بیان کرتا رہتا ہے۔ صحیح حدیث میں یہ بھی ہے: [مَنْ حَدَّثَ بِحَدِيثٍ وَّ هُوَ يَرٰى أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ] ''جو شخص کوئی ایسی بات بیان کرتا ہے جسے وہ جھوٹی سمجھتا ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔''(4)

یہاں ہم اس حدیث کا حوالہ بھی دیں گے جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اور متفق علیہ ہے کہ جب انھیں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے تو وہ اپنے گھر سے مسجد میں آ گئے اور دیکھا کہ مسجد میں بھی لوگ یہی بات کر رہے ہیں ان سے برداشت نہ ہو سکا حتی کہ انھوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ فرمان سن کر میں نے کہا: اللہ اکبر، پھر انھوں نے باقی ساری حدیث بیان کی۔(5)

صحیح مسلم میں ہے کہ میں نے عرض کی: کیا آپ نے انھیں طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تب میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلٰٓى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْۢبِطُونَهٗ مِنْهُمْ ۗ﴾ ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اس کو پیغمبر اور اپنے میں سے کسی ذمے دار حاکم کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس امر کی تحقیق کر لی تھی۔(6)

---

(1) صحيح مسلم، المقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، حديث: 5 . (2) سنن أبي داود، الأدب، باب التشديد في الكذب، حديث: 4992 لیکن اس میں [كَذِبًا] کے بجائے [إِثْمًا] ہے۔ (3) صحيح البخاري، الرقاق، باب مايكره من قيل وقال، حديث: 6473 وصحيح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل......، حديث:1715.

(4) صحيح مسلم، المقدمة، باب وجوب الرواية عن الثقات وترك الكذّابين وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من حدّث عن رسول الله ﷺ......، حديث: 39 ومسند أحمد: 252/4 و255 واللفظ له عن المغيرة رضي الله عنه. و20/5 عن سمرة رضي الله عنه. (5) ملخص از صحيح البخاري، النكاح، باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها ، حديث:5191 . (6) ملخص از صحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء واعتزال النسآء......، حديث:1479.

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ

چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی کا ذمے دار نہیں بنایا گیا۔ اور آپ مومنوں کو (لڑائی پر) آمادہ کریں۔

بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿84﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کو لڑائی سے روک دے جنھوں نے کفر کیا، اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بہت سخت ہے ﴿84﴾

لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ

جو کوئی اچھی سفارش کرے گا، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور جو کوئی بری سفارش کرے گا، اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا، اور اللہ ہر

شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿85﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ

چیز پر نگہبان ہے ﴿85﴾ اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا خوب حساب لینے

شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿86﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ

والا ہے ﴿86﴾ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ضرور تمھیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اور بات کہنے

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿87﴾

میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے؟ ﴿87﴾

﴿ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ اس کا استخراج کرتے ہیں، یعنی اسے اس کی کانوں میں سے نکالتے ہیں۔ عربی میں کہا جاتا ہے کہ اِسْتَنْبَطَ الرَّجُلُ الْعَيْنَ ''آدمی نے کنواں کھودا'' اور یہ محاورہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے کہ جب کوئی کنواں کھودے اور اسے زمین کی گہرائیوں میں سے نکالے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿83﴾ ﴾ ''تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔'' کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مومنوں کے سوا باقی سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔[1]

تفسیر آیات:84-87

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ خود جہاد کریں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ خود بنفس نفیس جہاد کریں اور اگر کوئی اس سے اعراض کرتا ہے تو اس کی آپ پر ذمے داری نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ ''آپ اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمے دار نہیں ہیں۔'' امام ابن ابوحاتم نے ابواسحاق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایک آدمی اگر دشمن کے سو آدمیوں کا مقابلہ کرتا ہے تو کیا وہ اس آیت کا مصداق ہے: ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ ﴾ (البقرة 2:195) ''اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ ﴾ ''تو (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ اپنی ذات کے سوا کسی

[1] تفسیر الطبری: 5/251.

کے ذمے دار نہیں ہیں اور مومنوں کو بھی ترغیب دیجیے۔‘‘①

امام احمد نے سلیمان بن داود سے، انھوں نے ابوبکر بن عیاش سے اور انھوں نے ابواسحاق سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو شخص مشرکوں پر حملہ کرتا ہے تو کیا وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا اور آپ سے فرمایا: ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾ اور آپ جس آیت کا حوالہ دے رہے ہیں تو اس کا تعلق اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور نہ کرنے سے ہے۔②

مومنوں کو جہاد کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ’’اور مومنوں کو بھی ترغیب دیجیے۔‘‘ یعنی انھیں جہاد کی ترغیب بھی دیں اور ان کا حوصلہ بھی بڑھائیں جیسا کہ آپ نے جنگ بدر کے دن ان کی صفیں درست کرتے ہوئے ان سے فرمایا تھا: [قُومُوا إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ] ’’ایسی جنت کے لیے کھڑے ہو جاؤ جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔‘‘③

جہاد کی ترغیب کے بارے میں بہت سی احادیث مبارکہ ہیں، مثلاً: امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، (وَآتَى الزَّكَاةَ) وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَفَلَا (نُبَشِّرُ) النَّاسَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ : إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ، كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ]

’’جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور زکاۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اس زمین میں بیٹھ رہے جس میں وہ پیدا ہوا تھا۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے، جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ درجہ ہے، اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔‘‘④

① تفسیر ابن أبي حاتم:1017/3 . ② مسند أحمد:281/4. ③ صحیح مسلم، الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد ، حديث:1901 عن أنس رضی اللہ عنہ. ④ صحيح البخاري، التوحيد، باب: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ (هود 11:7)، حديث: 7423، البتہ [وآتى الزكاة] سنن النسائي ، حديث:3134 اور [نبشر] صحيح البخاري، حديث:2790 میں ہے۔

حضرت عبادہ، حضرت معاذ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم سے بھی تقریباً اسی طرح مروی ہے۔[1] اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَا سَعِيدٍ! مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَّبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَّبِيًّا، وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، فَعَجِبَ لَهَا أَبُو سَعِيدٍ، فَقَالَ: أَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! فَفَعَلَ، ثُمَّ قَالَ: وَأُخْرٰى يُرْفَعُ بِهَا الْعَبْدُ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ، مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، قَالَ: وَمَا هِيَ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''اے ابو سعید! جو شخص اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہو جائے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اس بات سے تعجب کیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس بات کو دوبارہ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے یہی بات دوبارہ فرمائی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک اور چیز ہے جس کی بنا پر بندۂ مومن کو جنت میں سو درجوں تک رفعتوں سے ہمکنار کیا جاتا ہے جن میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہوتا ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابو سعید نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی کو بند کر دے۔'' یعنی جب آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں گے، تب دشمنوں کے مقابلے کے لیے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ان کی ہمت، جرأت اور صبر و استقلال میں اضافہ ہو جائے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾ ﴿84﴾ ''اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بہت سخت ہے۔'' وہ دنیا و آخرت میں انھیں سزا دینے پر قادر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ (محمد 4:47) ''یہ (حکم یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کر لے۔''

اچھی اور بری سفارش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا﴾ ''جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا۔'' یعنی کسی ایسے معاملے کے لیے کوشش کرے جس کے نتیجے میں خیر و بھلائی مرتب ہو تو اسے بھی اس کے ثواب میں سے حصہ ملے گا۔ ﴿وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا﴾ ''اور جو بری بات کی سفارش کرے، اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا۔'' یعنی اسے اس گناہ میں سے حصہ

[1] جامع الترمذی، صفة الجنة، باب ماجاء فی صفة درجات الجنة، حدیث:2530 عن معاذ بن جبل و2531 و مسند أحمد:321/5 عن عبادة و241,240/5 عن معاذ بن جبل ﷺ اور ان سے مروی روایت میں [حَجَّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ] ہے اور [ولا أدری أذكر الزكاة أم لا] کے الفاظ بھی ہیں۔ و سنن النسائی، الجهاد، باب درجة المجاهد فی سبیل اللّٰه عزوجل، حدیث:3134 عن أبی الدرداء ﷺ. و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة الجنة، حدیث:4331 عن معاذ ﷺ. [2] صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان ما أعدّه اللّٰه تعالٰی للمجاهد فی الجنة......، حدیث:1884 و سنن النسائی، الجهاد، باب درجة المجاهد فی سبیل اللّٰه عزّوجل، حدیث:3133.

ملے گا جو اس کی کوشش ونیت کی وجہ سے مرتب ہوا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [اِشْفَعُوا تُؤْجَرُوا، وَ يَقْضِي اللّٰهُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ مَا شَاءَ] ''سفارش کرو تمھیں اجر وثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے فیصلہ کرا دیتا ہے۔''[1]

مجاہد بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آیت لوگوں کی آپس میں ایک دوسرے کے لیے سفارشوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2]

﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، عطیہ، قتادہ اور مطر وراق رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ مُقِيْتٌ کے معنی نگہبان کے ہیں۔[3] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی گواہ کے ہیں۔[4] اور انھی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی محاسب کے ہیں۔[5]

سلام کا بہتر انداز میں جواب دینے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ ''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو۔'' یعنی جب کوئی مسلمان تمھیں سلام کہے تو اسے اس سے بہتر کلمے سے جواب دو یا انھی الفاظ میں جواب دے دو جن میں اس نے سلام کیا ہو، یاد رہے! بہتر الفاظ میں جواب دینا مستحب ہے، جبکہ انھی الفاظ میں جواب دینا فرض ہے۔

امام احمد نے ابو رجاء عُطَارِدِی اور انھوں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا) اور اس نے کہا: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَرَدَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: عَشْرٌ، ثُمَّ جَآءَ آخَرُ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: عِشْرُونَ، ثُمَّ جَآءَ آخَرُ، فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: ثَلَاثُونَ] ''السلام علیکم! آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے دس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا، اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔''[6] امام ابوداود نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[7] نیز اس حدیث کو امام ترمذی، نسائی اور بزار نے بھی بیان کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[8] اور کہا ہے کہ اس باب میں ابوسعید، حضرت علی، اور سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها، حديث:1432 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فيما ليس بحرام، حديث:2627 عن أبي موسى ﷺ. [2] تفسير الطبري:254/5. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1019/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:1020/3. [5] تفسير ابن أبي حاتم:1020/3. [6] مسند أحمد: 439/4. [7] سنن أبي داود، الأدب، باب كيف السلام؟ حديث:5195. [8] جامع الترمذي، الاستئذان......، باب ماذكر في فضل السلام، حديث:2689 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ثواب السلام:91/6، حديث:10169 ومسند البزار:62/9، حديث:3588.

مروی ہیں۔[1]

اگر مسلمان شریعت میں مقرر کردہ آخری حد کے مطابق سلام کہے تو اسے اسی طرح سلام کا جواب دیا جائے گا جیسا اس نے کہا ہوگا۔ یاد رہے! ذمیوں کے ساتھ سلام کی پہل نہ کی جائے اور نہ ان کے سلام کے جواب میں اضافہ کیا جائے بلکہ انھیں اس طرح جواب دیا جائے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ : السَّامُ عَلَيْكَ، فَقُلْ : وَعَلَيْكَ] ''جب یہودیوں میں سے کوئی تمھیں سلام کہتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ تجھی پر موت وارد ہو، چنانچہ تم جواب میں یہ کہہ دو کہ تجھی پر (موت وارد ہو۔)''[2]

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَبْدَؤُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ] ''یہودیوں اور عیسائیوں کو پہلے سلام نہ کہو اور جب رستے میں ان میں سے کسی کو ملو تو تنگ رستے کی طرف اس کو مجبور کر دو۔''[3]

امام ابوداود نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا، أَفَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى أَمْرٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمھیں ایک ایسا کام نہ بتاؤں کہ جب اسے کرنے لگو تو آپس میں محبت بھی کرنے لگ جاؤ گے؟ (اور وہ عمل یہ ہے کہ) آپس میں ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کہا کرو۔''[4]

اور فرمان الٰہی: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ تمام مخلوقات کے لیے صرف وہ واحد و یکتا ہی معبود ہے۔ اور یہ ارشاد باری تعالیٰ قسم پر مشتمل ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ''وہ قیامت کے دن تم سب کو ضرور جمع کرے گا اس میں کوئی شک نہیں۔'' اور ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ ﴾ کا یہ لام جواب قسم ہے۔ اور ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ خبر اور ''قسم'' ہے کہ وہ پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کو عنقریب ایک میدان میں جمع کرے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟'' اپنی بات، اپنی خبر اور اپنے وعدو وعید

① مسند البزار: 53/3، حديث: 808 عن علي رضی اللہ عنہ ضعیف سند سے۔ وشعب الإيمان للبيهقي، باب في مقاربة أهل الدين......، فصل في كيفية السلام ......: 454/6، حديث: 8875 عن سهل بن حُنَيف رضی اللہ عنہ . ② صحيح البخاري، الاستئذان، باب كيف الردّ على أهل الذمة؟ حديث: 6257 وصحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام......، حديث: 2164 . ③ صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام ...... ، حديث: 2167. ④ سنن أبي داود، الأدب، باب إفشاء السّلام، حديث: 5193 .

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا

پھر تمھیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے انھیں الٹا کر دیا ہے۔ کیا تم

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ نے گمراہ کیا ہو؟ اور جسے اللہ گمراہ کرے، پھر اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے ﴿88﴾ وہ چاہتے

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ہیں کہ تم بھی کفر کرو جس طرح کہ انھوں نے کفر کیا، پھر تم ان کے برابر ہو جاؤ، چنانچہ تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿89﴾

ہجرت کریں، پھر اگر وہ (دین سے) منہ موڑیں تو انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو۔ اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ ﴿89﴾ مگر وہ لوگ (اس حکم سے

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

مستثنیٰ ہیں) جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے یا (وہ منافق بھی مستثنیٰ ہیں) جو تمھارے پاس اس حالت میں آئیں کہ وہ لڑائی

اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

سے بیزار ہوں نہ تم سے لڑنا چاہتے ہوں اور نہ اپنی قوم سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے یقیناً لڑتے، لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ

کشی اختیار کر لیں اور تمھارے ساتھ لڑنے سے باز رہیں، اور تمھاری طرف صلح اور امن کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمھارے لیے کوئی گنجائش نہیں رکھی کہ

سَبِيْلًا ﴿90﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

تم ان سے لڑائی کرو ﴿90﴾ تمھیں ایک اور قسم کے منافق ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی مگر جب کبھی وہ فتنے کا

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ

موقع پاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگ اگر تم سے مقابلہ کرنے سے باز نہ آئیں اور تمھیں صلح اور امن کی پیشکش نہ کریں اور لڑائی سے

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿91﴾ ع 12/4/9

اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم انھیں جہاں کہیں پاؤ، پکڑ کر قتل کر دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر (ہاتھ اٹھانے کے لیے) ہم نے تمھیں کھلی اجازت دے دی ہے ﴿91﴾

میں اس سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں ہوسکتا۔ فَلَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَلَا رَبَّ سِوَاهُ.

تفسیر آیات: 88-91

اُحد سے واپس آ جانے والے منافقوں کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف: منافقوں کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے مومنوں نے جو دو قول اختیار کر لیے تھے اللہ تعالیٰ نے اس روش کی تردید فرمائی۔ اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں اختلاف ہے، امام احمد نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ احد کے لیے نکلے تھے، اس وقت آپ کے ساتھ نکلنے والوں میں سے کچھ لوگ واپس آ گئے تھے، تو ان کے بارے میں

صحابۂ کرام دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ایک گروہ کا کہنا تھا کہ ہمیں انھیں قتل کر دینا چاہیے جبکہ دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ نہیں انھیں قتل نہیں کرنا چاہیے، لہٰذا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ﴾ ''تو کیا سبب ہے کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو رہے ہو؟'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهَا طَيْبَةُ وَإِنَّهَا تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ] ''یہ شہر طیبہ ہے، یہ میل کچیل کو اسی طرح دور کر دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔''[1] اسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مکہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن وہ مشرکوں کو غالب کرنا چاہتے تھے، وہ اپنی کسی ضرورت سے مکہ سے نکلے تو اس وقت کہنے لگے کہ اگر اصحاب محمد ﷺ سے ہماری ملاقات ہو گئی تو کوئی حرج نہیں ہے۔مومنوں کو جب ان کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک جماعت یہ کہنے لگی کہ ان نامرادوں کے پیچھے جاؤ اور انھیں قتل کر دو، یہ تمھارے دشمن کو تم پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔مومنوں کی ایک دوسری جماعت نے کہا کہ سبحان اللہ! کیا تم ایسے لوگوں کو قتل کرنا چاہتے ہو جو تمھاری ہی طرح مسلمان ہیں؟ محض اس وجہ سے قتل کرنا چاہتے ہو کہ انھوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھروں کو نہیں چھوڑا اور اس وجہ سے تم ان کے خونوں اور مالوں کو حلال سمجھنے لگے ہو؟

اس طرح مسلمان دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے مابین موجود تھے اور آپ ﷺ نے (ابھی تک) ان میں سے کسی کو کسی بات سے روکا بھی نہ تھا، تب اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ﴾ ''تو کیا سبب ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟''[3] اسے امام ابن ابو حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

﴿ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ﴾ ''حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب اوندھا کر دیا ہے۔'' یعنی انھیں غلطی میں مبتلا کر دیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ اَرْكَسَهُمْ ﴾ کے معنی أَوْقَعَهُمْ کہ انھیں مبتلا کر دیا ہے، الجھا دیا ہے۔[5] ﴿ بِمَا كَسَبُوْا ﴾ ''ان کے اعمال کی وجہ سے۔'' یعنی اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت کی

[1] مسند أحمد:184/5 تفسیر ابن کثیر میں: [كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ] کے الفاظ ہیں جبکہ ان کا سیاق یہ نہیں بلکہ وہ ہجرت مدینہ کے ضمن میں منقول ہیں۔ والله أعلم. دیکھیے صحیح البخاری، فضائل المدینة، باب فضل المدینة، حدیث:1871 وصحیح مسلم، الحج، باب المدینة، تنفی خبثها، حدیث:1382 عن أبی هریرة ﷺ. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ﴾ (النسآء 4:88)، حدیث: 4589 وصحیح مسلم، کتاب وباب صفات المنافقین......، حدیث:2776 مختصرًا . اور اس حدیث کا یہ حصہ: [إنها طیبة......] صحیح مسلم، الحج، باب المدینة تنفی خبثها......، حدیث:1384 میں ہے، نیز جامع الترمذی کے الفاظ یہ ہیں: [إنها طیبة] وقال [إنها تنفی الخبث کما تنفی النار خبث الحدید]، التفسیر، باب ومن سورة النسآء، حدیث:3028 . [3] تفسیر الطبری:263/5. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1023/3. [5] تفسیر الطبری:266/5 .

اور باطل کی اتباع کی۔ ﴿ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ نے گمراہ کر دیا ہو؟ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے، پھر آپ اس کے لیے کبھی بھی رستہ نہیں پائیں گے۔'' مطلب یہ ہے کہ اسے ہدایت کا رستہ نہیں مل سکتا اور وہ کبھی بھی ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴾ ''وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔'' یعنی وہ تمھارے لیے بھی گمراہی کو پسند کرتے ہیں تاکہ تم اور وہ سب بھی گمراہی میں برابر ہو جاؤ اور یہ اس لیے کہ وہ تم سے شدید عداوت اور بغض رکھتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''پس جب تک وہ اللہ کی راہ میں وطن نہ چھوڑ جائیں، لہٰذا تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بنانا۔'' ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ کے معنی عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کیے ہیں کہ اگر وہ ہجرت کو ترک کر دیں۔ اور امام سدی نے یہ بیان کیے ہیں کہ اگر وہ کفر کا اظہار کریں۔[1]

لڑائی سے مستثنیٰ کیے جانے والے: پھر اللہ تعالیٰ نے لڑائی سے مستثنیٰ کیے جانے والوں کا ذکر فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾ ''مگر جو لوگ ایسے لوگوں سے جا ملے ہوں جن کا تم سے (صلح کا) عہد ہو۔'' یعنی جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جن کا تم سے صلح یا ذمہ کا عہد ہو تو ان سے معاملہ بھی انھی کی طرح کرو۔ یہ سدی، ابن زید اور ابن جریر کا قول ہے۔[2]

صحیح بخاری میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ جس نے چاہا وہ قریش کے ساتھ صلح و عہد میں داخل ہو گیا اور جس نے چاہا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صلح اور عہد میں داخل ہو گیا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا تھا: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبۃ 9:5) ''پھر جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔''[4]

﴿ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ ﴾ ''یا (ایسے لوگ ہوں کہ) لڑائی سے دلبرداشتہ ہو کر تمھارے پاس چلے آئیں۔'' یہ کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے خلاف جنگ کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب میدان جنگ میں آتے ہیں تو ان کے دل تنگ ہوتے ہیں، وہ تم سے لڑنے کو ناپسند کرتے ہیں اور وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ تمھارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑیں، یعنی وہ نہ تمھارے ساتھ ہیں اور نہ تمھارے مخالف ہیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر غالب کر دیتا تو وہ تم سے ضرور لڑتے۔'' لیکن اپنے لطف و کرم سے اس نے انھیں تم سے دور رکھا ﴿ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ﴾

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1026/3. [2] تفسير الطبري:268/5. [3] ماخوذ از صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة ......، حديث:2731 ومسند أحمد:325/4 واللفظ له عن المِسْوَر بن مَخْرَمَة رضي الله عنه. ومروان بن الحكم مرسلًا . [4] تفسير ابن أبي حاتم:1027/3.

’’پھر اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں اور تمھاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں۔‘‘ یعنی پھر صلح کر لینی چاہیں ﴿ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ ﴾ ’’تو اللہ نے تمھارے لیے کوئی راہ نہیں رکھی کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرو۔‘‘ یعنی جب تک ان کا حال اس طرح ہے تو تمھیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں ہے، یہ بنی ہاشم کے ان لوگوں کی طرح ہیں جو بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ نکلے تھے اور وہ جنگ میں شریک تو ہوئے لیکن وہ اسے ناپسند کرتے تھے، مثلاً: حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ، اسی لیے اس دن نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل سے منع فرمایا تھا اور قید کرنے کا حکم دیا تھا۔[1]

﴿ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ﴾ ’’عنقریب کچھ اور لوگ ایسے بھی پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔‘‘ یہ لوگ ظاہری صورت میں تو ان لوگوں ہی کی طرح ہیں جن کا پہلے ذکر ہوا لیکن یہ نیت کے اعتبار سے ان سے مختلف ہیں کیونکہ یہ منافق ہیں، نبیٔ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے تو اسلام کا اظہار کرتے تا کہ اپنے خونوں، مالوں اور اولادوں کو بچا سکیں مگر خفیہ طور پر یہ کفار سے دوستی رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر وہی عبادت کرتے ہیں جو وہ عبادت کرتے ہیں تا کہ ان کے پاس مأمون ہو جائیں اور خفیہ طور پر بھی یہ انھی کے ساتھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ﴾ (البقرة 14:2) ’’اور وہ جب اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔‘‘ اور یہاں یہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ﴾ ’’(لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کو بلائے جائیں تو اس میں اوندھے منہ گر پڑیں۔‘‘ یعنی منہمک ہو جائیں۔ سُدّی کہتے ہیں کہ یہاں فتنے سے مراد شرک ہے۔[2]

ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت مکہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ جب نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس آتے تو ریا کاری کی وجہ سے آپ کو سلام کہتے اور جب قریش کے پاس واپس جاتے تو اپنے بتوں کے سامنے اوندھے منہ گر جاتے اور اس طرز عمل سے وہ یہ چاہتے تھے کہ اپنے آپ کو دونوں کے ہاں محفوظ کر لیں تو اس وجہ سے ان سے لڑنے کا حکم دیا گیا، بشرطیکہ وہ کنارہ کشی اختیار نہ کریں اور صلح نہ کر لیں۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ﴾ ’’پھر اگر تم سے (لڑنے سے) کنارہ کشی نہ کریں اور نہ تمھاری طرف (پیغام) صلح بھیجیں۔‘‘ یعنی صلح کا معاہدہ نہ کر لیں ﴿ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ ﴾ ’’اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں۔‘‘ یعنی جنگ سے ﴿ فَخُذُوْهُمْ ﴾ ’’تو ان کو پکڑ لو۔‘‘ یعنی قیدی بنا لو۔ ﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ﴾ ’’اور جہاں ان کو پاؤ قتل کر دو۔‘‘ ﴿ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ ’’اور ان لوگوں کے مقابلے میں ہم نے تمھارے لیے حجت صریح مقرر کر دی ہے۔‘‘ یعنی روشن اور واضح دلیل۔

---

[1] المستدرك للحاكم: 223/3، حديث: 4988 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. والطبقات الكبرى لابن سعد: 11,10/4 اور دیکھیے صحيح البخاري، العتق، باب إذا أسر أخو الرجل......، حديث: 2537 عن أنس رضی اللہ عنہ. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1029/3.
[3] تفسير الطبري: 273/5.

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ

اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ

ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا لازم ہے۔ ہاں، اگر وہ لوگ معاف کر دیں (تو اور بات ہے)۔ پھر اگر وہ مقتول

عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ

درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ دو

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿92﴾ وَمَنْ

ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿92﴾ اور جو شخص کسی

يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ

مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بہت

وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾

بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿93﴾

تفسیر آیات: 93,92

مومن کے قتل خطا کے بارے میں حکم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کو کسی طرح بھی قتل کرے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، (وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ)] ''کسی ایسے مسلمان آدمی کا جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تین میں سے کسی ایک صورت کے سوا خون حلال نہیں ہے: (1) جان کے بدلے جان (2) شادی شدہ بدکار اور (3) اپنے دین اسلام سے ارتداد کر کے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔''[1]

پھر جب ان تین میں سے کوئی ایک صورت وقوع پذیر ہو تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ یہ امام یا اس کے نائب کا اختیار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ﴿اِلَّا خَطَـًٔا﴾ ''مگر غلطی سے۔'' یہ استثنا منقطع ہے۔[2]

[1] صحیح البخاري، الدیات، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾، حدیث:6878 وصحیح مسلم، القسامۃ والمحاربین، باب ما یباح بہ دم المسلم، حدیث:1676 آخری جملہ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔ [2] اور اس صورت میں اِلَّا بمعنی لٰکِنَّ ہوگا اور مفہوم یہ ہوگا کہ کسی مومن کو کسی بھی صورت لائق نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے لیکن اگر اس کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس (قاتل) پر یہ حد ہے۔ تفسیر القرطبي: 312/5 .

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔امام مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت عَیَّاش بن ابو ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو ابو جہل کا اپنی ماں اسماء بنت سلمہ بن مُخَرِّبَہ کی طرف سے بھائی تھا۔اس نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جو ابو جہل کے ساتھ مل کر انھیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تکلیفیں دیا کرتا تھا اور وہ حارث بن یزید عامری تھا، عیاش نے اس کے لیے اپنے دل میں برے ارادے کو چھپائے رکھا مگر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے ہجرت بھی کر لی لیکن عیاش کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔اور اس نے فتح مکہ کے دن جب اسے دیکھا تو سمجھا کہ شاید وہ ابھی تک اپنے دین پر ہے،اس لیے اس نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا،تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا۔[1]

عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے اس وقت کلمہ پڑھ لیا تھا جب انھوں نے اس پر تلوار کو اٹھایا،انھوں نے اس واقعے کا ذکر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا تو کہا کہ اس نے محض اپنی جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:[أَ لَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟] ”کیا تم نے اس کے دل کو چیر (کر دیکھ) لیا تھا؟“[2] لیکن (صحیح بخاری و مسلم کی) حدیث میں یہ قصہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ کسی اور صحابی سے منسوب ہے۔[3]

اور فرمانِ الٰہی ہے:﴿ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ ﴾ ”اور جو غلطی سے بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔“ قتلِ خطا میں یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔ایک تو اس عظیم گناہ کا کفارہ ہے،خواہ بغیر ارادے کے غلطی ہی سے سرزد ہوا ہو اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک مومن (غلام) کی گردن کو آزاد کیا جائے،کافر کی گردن کو آزاد کر کے بھی عہدہ برآ نہ ہو سکے گا۔

امام احمد نے ایک انصاری صحابی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ ایک سیاہ رنگ کی لونڈی کو لے کر آیا اور عرض کرنے لگا:اے اللہ کے رسول!مجھ پر ایک مومن گردن کی آزادی واجب ہے،اگر آپ اس لونڈی کو مومن سمجھتے ہیں تو میں اسے آزاد کر دیتا ہوں،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:[أَتَشْهَدِينَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ قَالَتْ : نَعَمْ، قَالَ: أَتَشْهَدِينَ أَ نِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ قَالَتْ : نَعَمْ، قَالَ: أَتُؤْمِنِينَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ : أَعْتِقْهَا] ”کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟اس نے کہا:ہاں،آپ نے فرمایا:کیا تو اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے عرض کی:جی ہاں،تو آپ نے فرمایا:کیا تو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھتی ہے؟اس نے عرض کی:جی ہاں، آپ نے فرمایا:اسے آزاد کر دو۔“[4] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اگر صحابی کا نام مذکور نہیں ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

---

[1] ملخص از تفسير الطبرى:276/5 وتفسير ابن أبى حاتم:1031/3. [2] ملخص از تفسير الطبرى:278/5 لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ [3] یعنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ۔دیکھیے صحيح البخارى، المغازى، باب بعث النبى ﷺ أسامة بن زيد......، حديث:4269 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر......، حديث: 96 . [4] مسند أحمد:452,451/3 اور اس باب میں معاویہ بن حکم سے بھی روایت ہے، صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام فى الصلاة، حديث:537.

﴿ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ ﴾ ''اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔'' یہ دوسرا واجب ہے جو قاتل کو مقتول کے وارثوں کو ان کے عزیز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور واجب ہے کہ قتل خطا کی دیت میں پانچ قسم کے اونٹ ادا کیے جائیں۔[1] جیسا کہ امام احمد اور اہل سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطا کی دیت میں فیصلہ فرمایا کہ بیس بنت مخاض (ایسی اونٹنیاں جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہوگئی ہوں) بیس ابن مَخَاض (ایسے اونٹ جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہوگئے ہوں) بیس بنتِ لبون (ایسی اونٹنیاں جو عمر کے تیسرے سال میں داخل ہوگئی ہوں) بیس، جَذَعَہ (ایسے اونٹ جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہوگئے ہوں) اور بیس حِقَّہ (ایسے اونٹ جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہوگئے ہوں) ادا کیے جائیں یہ سنن نسائی کی روایت کے الفاظ ہیں۔[2]

یہ دیت قاتل کے اپنے مال میں سے نہیں بلکہ اس کے عاقلہ (قاتل کے اولاد کے علاوہ پدری رشتے دار جن پر دیت واجب ہوتی ہے) پر واجب ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خاندان ہُذَیل کی دو عورتیں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر مار کر اسے اور اس کے پیٹ کے بچے کو قتل کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ جھگڑا پیش ہوا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جنین کی دیت غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور عورت کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے۔[3]

اس کا تقاضا ہے کہ عَمدِ خطا کا حکم وجوب دیت میں محض قتل ہی کی طرح ہے لیکن اس میں دیت عمد کی طرح تین قسم کے اونٹوں کی صورت میں واجب ہے کیونکہ اس میں عمد کا شبہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنوجَذِیمہ کی طرف بھیجا، انھوں نے انھیں اسلام کی دعوت دی مگر وہ اچھی طرح سے أَسْلَمْنَا نہ کہہ سکے اور انھوں نے صَبَأْنَا صَبَأْنَا ''ہم بے دین ہوگئے ہم بے دین ہوگئے'' کہنا شروع کر دیا، تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کرنا شروع کر دیا اور...... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی، تب آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ] ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔''[4] پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انھوں نے ان کے مقتولوں کی دیت اور تلف شدہ اموال حتی کہ ان کے کتوں کے پانی پینے کے

---

[1] مسند أحمد: 384/1 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. [2] مسند أحمد: 450/1 و سنن النسائي، القسامة، باب ذكر أسنان دية الخطأ، حديث: 4806 و سنن أبي داود، الديات، باب الدية كم هي؟ حديث: 4545 و جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الدية كم هي......؟ حديث: 1386 و سنن ابن ماجه، الديات، باب دية الخطأ، حديث: 2631 مذکورہ روایت ضعیف ہے، البتہ شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ دیکھیے مسند أحمد: 78/21 و سنن أبي داود، حديث: 4541-4554 و سنن النسائي، حديث: 4805 . [3] صحيح البخاري، الديات، باب جنين المرأة، وأن العقل على الوالد وعصبة الوالد لا على الولد، حديث: 6909 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب دية الجنين ووجوب الدية في قتل الخطاء ...... ، حديث: (35)-1681 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الوليد إلى بني جذيمة، حديث: 4339 .

برتنوں تک کا معاوضہ ادا کر دیا۔[1]

اس حدیث سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ امام یا اس کے نائب کی غلطی کی دیت یا کفارہ بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔

﴿ اِلَّآ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ﴾ ''ہاں، اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے۔)'' یعنی اس میں دیت واجب ہے جو مقتول کے وارثوں کو ادا کی جائے گی۔ ہاں، اگر وہ معاف کر دیں تو پھر دیت واجب نہیں ہے۔ ﴿ فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ﴾ ''پھر اگر مقتول تمھارے دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔'' یعنی اگر مقتول مومن ہو مگر اس کے وارث حربی کافر ہوں تو ان کے لیے دیت نہیں ہے لیکن قاتل کو ایک مسلمان غلام ضرور آزاد کرنا ہوگا نہ کہ کوئی غیر مسلم۔ ﴿ وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ ﴾ ''اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن کا تم سے (صلح کا) عہد ہو۔'' یعنی اگر مقتول کے وارث ذمی ہوں یا ان سے صلح کا معاہدہ کیا گیا ہو تو پھر انھیں ان کے مقتول کی دیت ادا کی جائے۔

اور مقتول اگر مومن ہو تو کامل دیت بھی ادا کی جائے گی اور قاتل پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا بھی واجب ہوگا۔

﴿ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ ﴾ ''پھر جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔'' جن میں ایک دن کے روزے کا ناغہ بھی نہ کرے بلکہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے، اگر اس نے کسی مرض یا (عورت ہے تو) حیض و نفاس وغیرہ کے کسی شرعی عذر کے بغیر ایک دن بھی ناغہ کر لیا تو اسے از سر نو روزے رکھنا ہوں گے۔ ﴿ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝92 ﴾ ''یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑا حکمت والا ہے۔'' یعنی جس قاتل نے قتلِ خطا کا ارتکاب کیا ہو اور وہ آزاد کرنے کے لیے غلام نہ پائے تو اس کی توبہ کی صورت یہ ہے کہ وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝92 ﴾ کی تفسیر قبل ازیں کئی بار بیان کی جا چکی ہے۔[2]

قتلِ عمد پر وعید: قتلِ خطا کے حکم کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے قتلِ عمد کا حکم بیان کیا، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا ﴾ ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا۔'' یہ شدید سرزنش اور زبردست وعید ہے، اس شخص کے لیے جو اس کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے جسے کتاب اللہ کی کئی آیات میں شرک کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِيۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ﴾ (الفرقان 68:25) ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس نفس کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے۔'' اور فرمایا:

﴿ قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَاِيَّاهُمۡ ۚ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِيۡ حَرَّمَ اللّٰهُ

[1] ملخص از السيرة النبوية لابن هشام، غضب الرسول مما فعل خالد وإرساله عليا: 74,73/4 و دلائل النبوة للبيهقي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الوليد إلى بني جذيمة: 114/5. [2] دیکھیے النسآء، آیات: 11 اور 24 کے ذیل میں۔

اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام6:151) ''کہہ دیجیے (لوگو!) آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) احسان کرتے رہنا۔ اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا (کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمھیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

قتل کی حرمت کے بارے میں آیات کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ احادیث ہیں، مثلاً: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ] ''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے پہلے خونوں ہی کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔''[1] ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام ابوداود نے بروایت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا صَالِحًا مَّا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا، فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ] ''مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تیز رفتار، عمل میں ہوشیار اور نیکوکار رہتا ہے، بشرطیکہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے اور جب وہ کسی حرام خون کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ تھک ہار کر (ان صفات سے) منقطع ہو جاتا ہے۔''[2] ایک اور حدیث میں ہے: [لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ] ''پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کی نسبت کم تر ہے۔''[3]

کیا عمداً قتل کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ مومن کو قصداً مار ڈالنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن جبیر کا قول بیان کیا ہے کہ اس مسئلے میں جب اہل کوفہ میں اختلاف ہوا تو میں سفر کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ﴾ ''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے۔'' سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور اسے کسی شے نے منسوخ نہیں کیا۔[4]

جمہور سلف و خلفِ امت کا قول یہ ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے، اگر وہ توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر

[1] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ﴾، حديث:6864 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب المجازاة بالدماء في الآخرة......، حديث:1678. [2] سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب في تعظيم قتل المؤمن، حديث:4270. [3] جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن، حديث:1395 وسنن النسائي، تحريم الدم، باب تعظيم الدم، حديث:3992 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ﴾ (النسآء4:93)، حديث:4590. مزید دیکھیے حديث:3855 وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3023.

لے، خشوع وخضوع کا اظہار کرے اور نیک عمل بجالانا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور مقتول کو اپنے فضل وکرم سے نواز کر خوش کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ تا ﴿ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ﴾ (الفرقان 25:68-70) ''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے...... مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔'' اس خبر کو منسوخ قرار دینا اور اسے صرف مشرکوں پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور آیت: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا ﴾ کو صرف مومنوں پر محمول کرنا خلافِ ظاہر اور محتاجِ دلیل ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر 39:53) ''(اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دیجیے: اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔'' یہ آیت کریمہ کفر، شرک، شک، نفاق، قتل اور فسق وغیرہ سب گناہوں کے لیے عام ہے جو شخص بھی ان گناہوں سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (النسآء 4:48) ''اللہ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جس کے لیے اور جس گناہ کو چاہے معاف کر دے۔'' اور یہ آیت بھی شرک کے سوا دیگر تمام گناہوں کو شامل ہے اور اس کا اس سورۂ کریمہ میں اس آیت کے بعد اور اس سے پہلے [1] ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ گناہوں کی مغفرت کی امید کو تقویت پہنچائی جا سکے۔

صحیح بخاری و مسلم میں اس اسرائیلی کا واقعہ بھی موجود ہے جس نے ایک سو انسان کو قتل کیا تھا اور جب اس نے ایک عالم سے پوچھا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس نے کہا: کیوں نہیں! آپ کے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ پھر اس نے ایک بستی کی طرف بھی رہنمائی کی کہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس نے اس بستی کی طرف ہجرت کی تو اسے رستے ہی میں موت آ گئی تو اس کی روح کو رحمت کے فرشتے نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ [2] ہم نے اس واقعے کو کئی بار ذکر کیا ہے۔ [3] اگر بنی اسرائیل کے اس شخص کی جرمِ قتل سے توبہ قبول ہو سکتی ہے تو اس امت کے گناہ گاروں کی توبہ تو بالاولیٰ قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وہ تمام بوجھ اور بیڑیاں اتار پھینکی ہیں جو ان پر ڈال دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو آسان دین حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ﴾ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ائمہ سلف میں سے ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ سزا دینا چاہے تو یہ اس قاتل کی سزا ہے۔ [4] اسی طرح ہر گناہ کے بارے میں جو وعید بیان کی گئی ہے، اس کا یہی مفہوم ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے کچھ ایسے اعمال صالحہ بھی کیے ہوں جو اس تک اس سزا کو نہ

[1] یعنی آیت: 48 اور 116۔ [2] ملخص از صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب: 54، حدیث: 3470 و صحیح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن کثر قتله، حدیث: 2766 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مفصلاً۔ [3] دیکھیے النسآء 4:100 اور الزمر 39:53 کے ذیل میں۔ [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 3/1038. دیکھیے الدر المنثور: 2/352.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو، اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ

نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو، تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے مال غنیمت ہیں۔ تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾

میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا معاملے کی تحقیق کر لیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿94﴾

پہنچنے دیں وعید کے سلسلے میں یہ ایک انتہائی مستحسن قول ہے۔ واللہ أعلم بالصّواب. اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ قاتل جہنم میں داخل ہوگا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے ہم نوا لوگوں نے یہ فرمایا ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں یا جمہور کے بقول اس کا کوئی عمل صالح نہ ہو جو اسے جہنم سے بچا سکے تو پھر بھی وہ ابدی جہنمی نہیں ہوگا۔ خلود سے مراد یہ ہوگا کہ وہ طویل عرصے تک جہنم میں رہے گا کیونکہ متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْإِيمَانِ] ''جہنم میں سے ہر اس شخص کو باہر نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوا۔''[1]

تفسیر آیت: 94

سلام کہنا اسلام کی علامت ہے: امام احمد نے عکرمہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کو بیان کیا ہے کہ بنوسُلیم کا ایک شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے کہا کہ اس نے ہم سے بچنے کے لیے سلام کہا ہے، لہٰذا انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔[2] امام ترمذی نے اسے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور اس باب میں حضرت اسامہ بن زید سے بھی حدیث مروی ہے۔[3] امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے (اس سند سے) بیان نہیں کیا۔[4]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا کہ مسلمانوں نے اسے جا لیا، تو اس نے کہا: السلام علیکم مگر انھوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو پکڑ لیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ﴾ ''اور جو شخص تم کو سلام

① صحیح البخاری، الإیمان، باب تفاضل أهل الإیمان......، حدیث: 22 عن أبی سعید رضی اللہ عنہ. و 44 عن أنس رضی اللہ عنہ. وصحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة، حدیث:(326)-193 عن أنس رضی اللہ عنہ. وجامع الترمذی، صفة جهنم، باب منه قصة آخر أهل النار، حدیث:2598 واللفظ له عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. ② مسند أحمد: 229/1. ③ جامع الترمذی، التفسیر، باب ومن سورة النساء، حدیث:3030 اور وفی الباب سے غالباً صحیحین کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے، دیکھیے صحیح البخاری:4269 و صحیح مسلم: 96. ④ المستدرك للحاكم، التفسير:235/2، حدیث:2920.

کرے، اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت: ﴿عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ’’دنیا کی زندگی کے فائدے‘‘ سے مراد یہی مالِ غنیمت ہے۔ (اور ﴿السَّلٰمَ﴾ میں کئی اور قراءتیں بھی ہیں، مثلاً: السَّلَم اور السِّلْم.) جبکہ انھوں نے السَّلٰم ہی پڑھا ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے قَعقاع کی اپنے باپ عبداللہ بن ابوحَدْرَد رضی اللہ عنہما سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں إِضَم[2] کی طرف بھیجا، چنانچہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوا جس میں ابوقتادہ حارث بن رِبْعی اور مُحَلَّم بن جَثَّامہ بن قیس رضی اللہ عنہم بھی تھے، ہم چلے جا رہے تھے اور جب وادیٔ إِضَم میں پہنچے تو عامر بن اَضبط اَشجعی اپنے اونٹ پر سوار ہمارے قریب ہوئے تو ان کے پاس تھوڑا سا سامان اور دودھ کا مشکیزہ بھی تھا، جب وہ ہمارے پاس سے گزرے تو انھوں نے ہمیں سلام کہا جس کی وجہ سے ہم نے تو انھیں کچھ نہ کہا مگر مُحَلَّم بن جَثَّامہ نے حملہ کر کے انھیں قتل کر دیا، اس لیے کہ دونوں میں پہلے سے کوئی ناراضی تھی، مُحَلَّم نے اس کے اونٹ اور سامان کو بھی لے لیا، جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ کو یہ واقعہ بتایا، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ کو نازل فرما دیا۔[3] اس روایت کو بیان کرنے میں امام احمد رحمہ اللہ متفرد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد سے فرمایا تھا: [إِذَا كَانَ رَجُلٌ مِّمَّنْ[4] يُخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ، فَكَذٰلِكَ كُنْتَ أَنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ] ’’یہ شخص اپنی قوم کفار میں رہتے ہوئے اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے تھا مگر جب اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو تو نے اسے قتل کر دیا، حالانکہ تو بھی اس سے پہلے مکہ میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔‘‘[5] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلق اور مختصر بیان کیا ہے جبکہ یہ روایت مطوّل اور موصول بھی مروی ہے۔

چنانچہ حافظ ابوبکر بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سَرِیَّہ روانہ فرمایا جس میں مقداد بن اسود بھی تھے، جب وہ لوگوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ الگ الگ ہو چکے ہیں مگر ایک شخص جس کے پاس بہت سا مال ہے، وہ ابھی تک وہیں ہے، اس نے انھیں دیکھ کر کہہ دیا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مگر مقداد نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا: کیا تم نے ایسے آدمی کو بھی قتل کر دیا جو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَٰمَ﴾ (النسآء 4:94)، حديث: 4591 و صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث: 3025 . [2] یہ مدینہ منورہ کی شمالی جانب أرض جهينه کی ایک جگہ کا نام ہے جو جبلِ احد کے پیچھے واقع ہے۔ [3] مسند أحمد: 11/6 والسيرة النبوية لابن هشام، غزوة ابن أبي حدرد بطن إضم ......:275/4 و دلائل النبوة للبيهقي، باب السرية التي قتل فيها محلّم بن جَثّامه: 305/4 و الطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 282/4 . [4] تفسیر ابن کثیر میں مؤمن ہے جو کشف الأستار، حديث: 2202 کے ضمن میں ہے۔ [5] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ (النسآء 4:93) حديث: 6866 .

گواہی دے رہا تھا؟ اللہ کی قسم! میں اس بات کا نبیٔ اکرم ﷺ سے ضرور ذکر کروں گا، جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ایک آدمی نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر مقداد نے اسے بھی قتل کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[اُدْعُ لِيَ الْمِقْدَادَ، يَا مِقْدَادُ! أَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُولُ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَكَيْفَ لَكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ غَدًا؟ قَالَ : فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ﴾] ''مقداد کو میرے پاس بلاؤ، مقداد آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مقداد! تم نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جو لا الٰہ الا اللہ کہتا تھا تمھارا کیا حال ہوگا جب وہ کل لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ آئے گا؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ''مومنو! جب تم اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے، اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو اور اس سے تمھاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بہت سی غنیمتیں ہیں، تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو (آئندہ) تحقیق کر لیا کرو۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مقداد سے فرمایا:[كَانَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ يُّخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ، فَكَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ] ''یہ مومن شخص اپنی کافر قوم میں رہتے ہوئے اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے تھا مگر جب اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو تو نے اسے قتل کر دیا، حالانکہ تو بھی اس سے پہلے مکہ میں اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا۔''[1]

﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ ﴾ ''سو اللہ کے نزدیک تو بہت سی غنیمتیں ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس جو بھلائیاں ہیں وہ دنیا کی زندگی کے اس فائدے سے کہیں بہتر ہیں جس کی وجہ سے تم نے اس شخص کو قتل کر دیا جس نے تمھیں سلام کہا تھا اور تمھارے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا مگر تم اس سے غافل ہو گئے۔ اور تم نے اس پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنے آپ کو تم سے بچانے کے لیے تقیہ کے طور پر اسلام کا اظہار کر رہا ہے تاکہ تم دنیا کی زندگی کے فائدے کو حاصل کر سکو مگر اللہ کے پاس جو رزقِ حلال ہے وہ اس شخص کے مال سے تمھارے لیے کہیں بہتر ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔'' الغرض! اس سے پہلے تم بھی اس شخص کی طرح تھے جو اپنے ایمان کو اپنی قوم سے چھپائے ہوئے تھا جیسا کہ ابھی ابھی مرفوع حدیث کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

[1] كشف الأستار، التفسير، سورة النسآء، حديث:2202 ومختصر زوائد مسند البزار، التفسير:78/2، حديث:1458 اور دیکھیے تغليق التعليق:242/5 .

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کسی عذر کے بغیر (پیچھے) بیٹھ رہنے والے مومن اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا

دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا

وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے مجاہدین کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے (95) ان کے لیے اللہ کی طرف سے درجے ہیں اور

عَظِيْمًا ﴿95﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ ع 13 5 10

بخشش اور رحمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (96)

فِي الْاَرْضِ ﴾ (الأنفال 26:8) ''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے۔''

امام عبدالرزاق نے بھی ﴿ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ﴾ کے بارے میں سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے پہلے تم بھی اپنے ایمان کو اسی طرح چھپا کر رکھتے تھے جس طرح بکریوں کے اس چرواہے نے اپنے ایمان کو اپنی قوم سے چھپایا تھا۔[1] اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَتَبَيَّنُوْا ﴾ ''تو تحقیق کر لیا کرو۔'' یہ پہلے بیان کی گئی بات کی تاکید ہے۔ اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ کو سب کی خبر ہے۔'' کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ سرزنش اور وعید ہے۔[2]

تفسیر آیات: 96,95

جہاد کرنے والے اور گھروں میں بیٹھ رہنے والے برابر نہیں: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت لکھوائی تو حضرت ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے اپنے نابینا ہونے کی شکایت کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ﴾ ''کوئی عذر نہ رکھنے والے۔'' کے الفاظ نازل فرما دیے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت نے انھیں یہ خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے لکھوایا: [لَايَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''مسلمانوں میں سے بیٹھ رہنے والے، اللہ کے رستے میں لڑنے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔'' اور آپ جس وقت لکھوا رہے تھے عین اسی وقت ابن ام

[1] تفسیر عبدالرزاق: 472/1، رقم: 626 اور اس میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جو مذکورہ آیت کی تفسیر کی ابتدا میں بیان ہوا ہے۔
[2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1042/3. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (النسآء 95:4)، حديث: 4593 وصحيح مسلم، الإمارة، باب سقوط فرض الجهاد عن المعذورين، حديث: 1898.

مکتوم آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اگر مجھے جہاد کرنے کی استطاعت ہوتی تو میں بھی ضرور جہاد کرتا۔ انھوں نے یہ اس لیے عرض کی کہ وہ نابینا تھے، چنانچہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول شروع فرما دیا، اس وقت آپ کی ران مبارک میری ران پر تھی، مجھے اس قدر بوجھ محسوس ہوا کہ میں ڈرنے لگا کہیں میری ران ہی نہ ٹوٹ جائے، جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی (تو معلوم ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ الفاظ بھی نازل فرما دیے ہیں: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ ''کوئی عذر نہ رکھنے والے۔''[1] اس روایت کو (اسی سند سے) صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، امام مسلم نے نہیں۔[2]

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کرنے والے اور شرکت کرنے والے برابر نہیں ہیں کیونکہ جب جنگ بدر پیش آئی تو عبداللہ بن جحش[3] اور ابن ام مکتوم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم دونوں تو نابینا ہیں، کیا ہمارے لیے رخصت ہے؟ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ ''جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے (اور لڑنے سے جی چراتے) ہیں کوئی عذر نہیں رکھتے، وہ اور جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔'' اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے لیکن ان بیٹھ رہنے والوں سے مراد وہ ہیں جو کوئی عذر نہیں رکھتے۔ ﴿وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿95﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ﴾ ''اجر عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت بخشی ہے (یعنی) اللہ کی طرف سے درجات ہیں۔'' جو انھیں بغیر عذر کے جہاد سے پیچھے بیٹھ رہنے والے مومنوں پر حاصل ہیں۔ یہ ترمذی کی روایت کے الفاظ ہیں۔[4] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

پہلے یہ حکم مطلق تھا کہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ لیکن جب ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کے الفاظ بذریعہ وحی نازل ہو گئے تو اس سے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا جو نابینا پن، لنگڑا پن یا مرض وغیرہ کے ایسے عذر رکھتے ہوں جن کی وجہ سے ان کے لیے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ؟ قَالَ: وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ] ''مدینہ میں رہنے کے باوجود کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم نے جس قدر بھی سفر کیا اور جتنی وادیوں کو بھی طے کیا وہ تمھارے ساتھ تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ تو

[1] صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾، حديث: 2832.

[2] صحیح مسلم، الإمارة، باب سقوط فرض الجهاد ......، حديث: 1898 عن البراء رضی اللہ عنہ. [3] یہ وہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نہیں جو اسلام میں سب سے پہلے امیر بنائے گئے اور بدر و اُحد میں شریک ہوئے بلکہ یہ ایک دوسرے عبداللہ بن جحش ہیں۔ واللّٰه أعلم، دیکھیے الإصابة: 33/4، رقم: 4602. البتہ امام نسائی نے السنن الکبریٰ: 326/6، 327 میں عبدالرحمٰن بن جحش ذکر کیا ہے۔ [4] جامع الترمذی، تفسير القرآن، باب ومن سورة النسآء، حديث: 3032.

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

جن لوگوں کی اس حالت میں فرشتے جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں،

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ

تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ

فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿97﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ؟ چنانچہ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے ،اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ﴿97﴾ مگر وہ مرد ، عورتیں

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿98﴾ فَاُولٰٓئِكَ

اور بچے جو واقعی بے بس ہوں اور وہ اس جگہ سے نکلنے کا کوئی وسیلہ اور کوئی راستہ نہیں پاتے ﴿98﴾ اس لیے ان لوگوں کے بارے میں امید

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿99﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ

ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا ، نہایت بخشنے والا ہے ﴿99﴾ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے

اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا

وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر

اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اپنے گھر سے نکلے ، پھر اسے راستے میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا ۔ اور اللہ نہایت بخشنے والا ،

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿100﴾ ع 14/4/11

بہت رحم کرنے والا ہے ﴿100﴾

مدینہ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا: (ہاں) اگرچہ وہ مدینہ میں ہیں لیکن انھیں عذر نے جہاد میں شرکت سے روکا ہے۔''[1]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ ﴾ ''اور اللہ کا نیک وعدہ سب کے لیے ہے۔'' یعنی جنت اور بے پایاں اجر وثواب کا وعدہ۔ اور یہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جہاد فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿95﴾ ﴾ ''اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں اجرِ عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے۔'' پھر فرمایا کہ یہ فضیلت جنت کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ بالا خانوں، گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں کی صورت میں ہوگی، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ ﴾ ''(ان کے لیے) اللہ کی طرف سے درجے ہیں اور بخشش اور رحمت ہے۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔''

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب: 82 ، حدیث:4423 وصحیح مسلم، الإمارة، باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض أو......، حدیث:1911 عن جابر ؓ اوریہاں: [العذر] کے بجائے [مرض] ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَا بَيْنَ كُلِّ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] ''یقیناً جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرما رکھا ہے جبکہ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے مابین ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 97-100

ہجرت کی استطاعت رکھنے والوں کے لیے مشرکوں میں رہنے کی ممانعت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو اسود محمد بن عبدالرحمٰن کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہلِ مدینہ کی طرف سے ایک لشکر (اہلِ شام سے جنگ کرنے کے لیے) بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس میں میرا نام بھی لکھا گیا تو میں نے عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات کر کے انھیں یہ بات بتائی تو انھوں نے مجھے اس سے سختی سے منع کر دیا۔ اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان فرمایا کہ کچھ مسلمان مشرکوں کے ساتھ تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کافروں کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اور اس طرح میدانِ جنگ میں وہ تیر یا تلوار لگنے سے قتل بھی ہو جاتے تو ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ﴾ الآیۃ ''بلاشبہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں......''[2] آخر آیت تک۔

امام ضحاک کا قول ہے کہ یہ آیت کچھ ایسے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مکہ ہی میں رہ گئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت نہیں کی تھی اور جنگ بدر کے دن وہ مشرکوں کے ساتھ نکلے اور ان میں سے کچھ لوگ مارے بھی گئے تو یہ آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[3] گو، یہ آیت عام ہے اور ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے اور اقامتِ دین کے لیے کوشش نہ کرے تو وہ اپنی جان پر خود ظلم کرتا ہے۔

اور اجماعِ امت سے ثابت ہے کہ وہ ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں کی اس حالت میں فرشتے جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ

---

[1] یہ الفاظ صحیح البخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہیں، دیکھیے الجهاد والسير، باب درجات المجاهدين في سبيل الله، حديث: 2790. اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کی روایت منقول ہے، دیکھیے الإمارة، باب بيان ما أعده الله تعالٰى للمجاهد......، حديث: 1884. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (النسآء 4:97)، حديث: 4596 . یہ مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے۔ عکرمہ کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والے مؤمنوں کی مذمت فرما رہا ہے باوجود اس کے کہ وہ دلی طور پر ان سے موافقت کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح تم بھی اس لشکر میں اضافے کا باعث نہ بنو کیونکہ یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے (اس لیے کہ مدّ مقابل بھی مسلمان ہی ہیں) اور تم بھی اس لشکر کی موافقت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ دیکھیے فتح الباري مذکورہ حدیث کے تحت: 263/8. [3] تفسير الطبري: 319/4 .

کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں۔'' یعنی جنھوں نے ترک ہجرت کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوتا ہے تو جان قبض کرنے کے وقت فرشتے ﴿ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ﴾ ''ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟'' یعنی تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے، تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ ﴿ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں عاجز و ناتواں تھے۔'' گویا ہم شہر سے نکل کر کسی دوسری جگہ جانے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔ ﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً ﴾ الآیۃ ''فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین فراخ نہیں تھی؟''

امام ابوداود نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ] ''جو شخص کسی مشرک کے ساتھ مل کر رہے اور اسی کے ساتھ سکونت اختیار کرے تو وہ بھی اس جیسا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ ﴾ ''ہاں، جو بے بس ہیں۔'' سے لے کر آیت کے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ترکِ ہجرت میں معذور قرار دیا ہے کیونکہ یہ لوگ مشرکوں کے ہاتھوں سے نجات حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور اگر استطاعت رکھتے بھی ہوں تو انھیں رستے کا علم نہیں ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴾ ''وہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں۔'' امام مجاہد، عکرمہ، اور سدّی فرماتے ہیں کہ یہاں ﴿ سَبِيْلًا ﴾ سے مراد مدینہ کا رستہ ہے۔[2] ﴿ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ﴾ ''تو قریب ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے۔'' یعنی ان کے ہجرت نہ کرنے سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ ﴿ عَسَى ﴾ کا استعمال وجوب اور یقین کے معنی میں ہوتا ہے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾ ''اور اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا فرماتے ہوئے جب [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ] کہا تو پھر سجدہ کرنے سے پہلے یہ دعا کی: [اَللّٰهُمَّ! نَجِّ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اَللّٰهُمَّ! نَجِّ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اَللّٰهُمَّ! نَجِّ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اَللّٰهُمَّ ! نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ! اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، اَللّٰهُمَّ ! اجْعَلْهَا سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ] ''اے اللہ! عیاش بن ابو ربیعہ کو (ظلم سے) نجات عطا فرما، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما، اے اللہ! بے بس مومنوں کو نجات عطا فرما اور قبیلۂ مضر پر اپنی گرفت سخت کر دے اور انھیں قحط سالی میں مبتلا کر دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط پڑا تھا۔''[3]

---

[1] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإقامة بأرض الشرك، حديث: 2787 اور دیکھیے سنن أبي داود: 2645 وجامع الترمذي: 1604. [2] تفسير الطبري: 322,321/5 وتفسير ابن أبي حاتم: 1048/3. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ﴾ (النسآء 4:99)، حديث: 4598 . بعض طرق میں نَجِّ کے بجائے أَنْجِ ہے۔ اور دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 804.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں اور میری والدہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے ﴿ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ ﴾ فرما کر معذور قرار دیا ہے۔[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ جائے، وہ زمین میں بہت سی جگہ اور کشائش پائے گا۔'' اس آیت میں ہجرت کے شوق کو ابھارا گیا ہے۔ اور مشرکوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ مومن جہاں بھی جائے گا، وہ مشرکوں سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اور ایسی جگہ پائے گا جہاں وہ ان سے محفوظ رہ سکے۔ مُرَاغَم مصدر ہے، عرب کہتے ہیں رَاغَمَ فُلَانٌ قَوْمَهٗ مُرَاغَمًا وَّمُرَاغَمَةً ''فلاں اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گیا۔''[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اَلْمُرَاغَم زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔[3] امام ضحاک، ربیع بن انس اور ثوری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی اس چیز سے نجات کے ہیں جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔[5] اور ﴿ سَعَةً ﴾ کے معنی رزق کے ہیں جیسا کہ قتادہ اور کئی ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضلالت کے بجائے ہدایت سے اور فقر کے بجائے غنا سے نواز دے گا۔[6]

﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے اپنے گھر سے نکلے پھر رستے ہی میں اسے موت آ جائے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمے واجب ہو گیا۔'' یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہجرت کرنے والے ہی کا اجر و ثواب ملے گا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر کتب صحاح، مسانید اور سنن میں بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى]، [فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فَهِجْرَتُهٗ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ إِلٰى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ] ''یقیناً تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔''[7]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (النسآء 4:75)، حديث:4588 . [2] تفسير الطبري:322/5 ولسان العرب، مادة: رغم . [3] تفسير ابن أبي حاتم:1049/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:1049/3. [5] تفسير ابن أبي حاتم:1049/3. [6] تفسير الطبري:328/5 . [7] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ؟ ابتدائی حصہ، حديث: 1 اور آخری حصہ، حديث:2529 کے مطابق ہے۔ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ:[إنما الأعمال بالنية......]، حديث:1907 وسنن أبي داود، الطلاق، باب في ما عنى به الطلاق والنيات، حديث:2201 وجامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء فيمن يقاتل رياء وللدنيا، حديث:1647 وسنن النسائي، الأيمان والنذور، باب النية في اليمين، حديث:3825 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب النية، حديث:4227 ومسند أحمد:25/1 ومسند البزار:380/1 ، حديث:257 .

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرلو، اگر تمھیں ڈر ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے،

اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِیْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿101﴾

بے شک کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں﴿101﴾

یہ حکم عام ہے جو ہجرت اور دیگر تمام اعمال کے لیے بھی ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے جس میں اس شخص کا ذکر ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا، پھر ایک عابد سے پوچھا کیا اس کی توبہ ہوسکتی ہے؟ اس (عابد) نے جواب دیا: نہیں۔ تو اس نے اس کو بھی قتل کر کے اس تعداد کو سو تک پہنچا کر ایک عالم سے پوچھا: کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا: کیوں نہیں! تمھارے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہوسکتا ہے؟ پھر اس عالم نے یہ بھی رہنمائی کی کہ اپنے اس شہر سے ہجرت کر کے فلاں شہر میں چلے جاؤ اور وہاں اللہ کی عبادت کرو اور وہ جب اپنے شہر سے ہجرت کر کے اس دوسرے شہر کی طرف جا رہا تھا تو اسے رستے ہی میں موت آ گئی۔

اور اب رحمت اور عذاب کے فرشتوں نے جھگڑنا شروع کیا، رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ شخص توبہ کر کے آیا ہے، عذاب کے فرشتوں نے جواب دیا کہ اس نے اس کے بعد کبھی کوئی کام کیا ہی نہیں تو انھیں حکم دیا گیا کہ دونوں طرف کی زمین کی پیمائش کرلو جس طرف کی زمین کے یہ زیادہ قریب ہو تو اسی میں سے اسے شمار کرلیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو جو منزل مراد تھی حکم دیا کہ تو قریب ہو جا اور جہاں سے اس نے ہجرت کی تھی اسے حکم دیا کہ تو اس سے دور ہو جا، فرشتوں نے پیمائش کی تو اسے اس زمین کے ایک بالشت زیادہ قریب پایا جس کی طرف ہجرت کر کے یہ جا رہا تھا تو رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب اسے موت آئی تو یہ اپنے سینے کو اس زمین کی طرف گھسیٹ رہا تھا جہاں ہجرت کر کے جا رہا تھا۔[1]

تفسیر آیت:101

نمازِ قصر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ ﴾ ”اور جب تم زمین میں سفر کرو۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی ۙ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ...... ﴾ الآیة (المزمل 73:20) ”اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض اللہ کے فضل (معاش) کی تلاش میں زمین میں سفر کرتے ہیں......۔“ ﴿ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ ”تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کرو۔“ یعنی نماز کی کمیت میں کمی کرلو اور چار رکعتوں والی نماز کی دو رکعتیں پڑھ لو۔ ﴿ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ”اگر تمھیں خوف ہو کہ کافر (حملہ کرکے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔“

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب: 54 ، حدیث:3470 مختصرًا. وصحیح مسلم، التوبة، باب قبول توبة القاتل وإن کثر قتله، حدیث:2766 واللفظ له عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ.

اس آیت کے نزول کے وقت جو اکثر و بیشتر صورتحال تھی، یہ (خوف کی شرط) اسی کے مطابق ہے کیونکہ اسلام کے آغاز میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اپنے اکثر سفروں میں خطرات درپیش رہتے تھے بلکہ ان کے سفر ہوتے ہی عام جنگوں یا خصوصی مہموں کے لیے تھے۔ اور تمام قبائلِ عرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کر رکھی تھی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ منطوق جب اکثر و بیشتر صورتحال یا کسی خاص واقعے پر مبنی ہو تو اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا ﴾ (النور 33:24) ''اور تمھاری لونڈیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو تم دنیاوی زندگی کا سامان تلاش کرنے کی خاطر انھیں بدکاری پر مجبور نہ کرو۔'' (اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاک دامن نہ رہنا چاہیں تو پھر تم انھیں بدکاری پر مجبور کر سکتے ہو) اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ﴾ (النسآء 23:4) ''اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں۔'' (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان عورتوں کی جو لڑکیاں تمھاری پرورش میں نہ ہوں، وہ حرام نہیں ہیں۔)

امام احمد نے یعلی بن امیہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کر دو اگر تمھیں خوف ہو کہ کافر (حملہ کر کے) تمھیں فتنے میں ڈال دیں گے۔'' لیکن اب تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امن عطا فرما دیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تم تعجب کر رہے ہو تو میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تھا: [صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ] ''اب یہ تخفیف صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کر دیا ہے، لہٰذا اس کے صدقے کو قبول کرو۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[3] امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ روایت اسی سند سے محفوظ ہے۔ اس کے رجال معروف ہیں۔

امام ابوبکر بن ابوشیبہ نے ابوحنظلہ حذاء کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز سفر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: (کہ نماز سفر کی دو رکعتیں ہیں، میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے اور اب ہم تو حالت امن میں ہیں۔ انھوں نے فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھی جائیں۔[4]

---

[1] لہٰذا آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ اگر سفر میں کافروں کی طرف سے ایذا کا خوف نہ ہو تو پھر نماز قصر نہ کی جائے۔ [2] مسند أحمد: 25/1 . [3] صحيح مسلم، كتاب وباب صلاة المسافرين وقصرها، حديث:686 وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة المسافر، حديث:1199 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النسآء، حديث:3034 وسنن النسائي، تقصير الصلاة في السفر، باب، حديث:1434 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب تقصير الصلاة في السفر، حديث: 1065. [4] المصنف لابن أبي شيبة، من كان يقصر الصلاة:205/2، حديث:8158 لیکن قوسین والے الفاظ کے علاوہ۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا

اور (اے نبی!) جب آپ مومنوں کے درمیان ہوں ، پھر انھیں نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں تو ان میں سے ایک گروہ اپنے

اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

ہتھیار لگائے ہوئے آپ کے ساتھ جماعت میں کھڑا ہو ، پھر جب وہ سجدہ کرلے تو پیچھے چلا جائے اوردوسرا گروہ جس نے ابھی

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ

نماز نہیں پڑھی تو وہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرے اور وہ ساتھ لے اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار (لگائے رکھے)۔کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے

عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ

ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر یکبارگی دھاوا بول دیں ۔اور اگر تمھیں بارش سے تکلیف ہویا

كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ

تم بیمار ہو توتم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے ہتھیار(ایک طرف) رکھ دو، اور اپنا بچاؤ ساتھ لو ۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿102﴾

رسوا کردینے والا عذاب تیار کررکھا ہے﴿102﴾

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے تو آپ نماز کی دودو رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے حتی کہ ہم مدینہ میں واپس آ گئے۔ میں نے عرض کی: آپ لوگوں نے مکہ میں کتنا قیام کیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے دس دن قیام کیا تھا۔① اسی طرح اس حدیث کو دیگر محدثین نے بھی بیان کیا ہے۔②

امام احمد نے حارثہ بن وہب خزاعی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں نماز ظہر اور عصر کی دو رکعتیں ادا کی تھیں، حالانکہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور وہ بے حد امن میں تھے۔③

امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔④ بخاری کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی پرامن حالت میں بھی منیٰ میں ہمیں دو رکعتیں پڑھائی تھیں۔⑤

① صحيح البخاري، التقصير، باب ماجاء في التقصير......، حديث:1081. ② صحيح مسلم، كتاب وباب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 693 وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب متى يتم المسافر؟ حديث: 1233 وجامع الترمذي، السفر، باب ماجاء في كم تقصر الصلاة؟ حديث: 548 وسنن النسائي، تقصير الصلاة في السفر، باب، حديث:1439 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب كم يقصر الصلاة المسافر ...... ؟ حديث:1077. ③ مسند أحمد:306/4 . ④ صحيح البخاري، الحج، باب الصلاة بمنى، حديث:1656 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب قصر الصلاة بمنى، حديث: 696 وسنن أبي داود، المناسك، باب القصر لأهل مكة، حديث: 1965 وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في تقصير الصلاة بمنى، حديث: 882 وسنن النسائي، تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى، حديث:1446. ⑤ صحيح البخاري، التقصير، باب الصلاة بمنى، حديث:1083.

تفسیر آیت:102

نمازِ خوف اور اس کی اقسام: نمازِ خوف کی بہت سی اقسام ہیں کیونکہ دشمن کبھی تو قبلہ کے سامنے ہوتا ہے اور کبھی وہ کسی اور طرف ہوتا ہے، پھر نماز کبھی چار رکعتوں والی ہوتی ہے اور کبھی تین والی، مثلاً: نماز مغرب اور کبھی دو رکعتوں والی، مثلاً: نماز صبح اور نماز سفر، پھر کبھی مسلمان اسے با جماعت ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی جنگ اس قدر گھمسان کی ہوتی ہے کہ وہ با جماعت ادا کر ہی نہیں سکتے الگ الگ پڑھتے ہیں کبھی قبلہ رخ ہو کر اور کبھی غیر قبلہ رخ۔ کبھی سوار ہو کر اور کبھی سواری سے نیچے اتر کر۔ حتی کہ اس حالت میں وہ چلتے ہوئے اور دشمن پر پے در پے وار کرتے ہوئے بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حالت میں وہ صرف ایک رکعت پڑھیں گے کیونکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کی زبانی حضر میں نماز کی چار رکعات، سفر میں دو رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض قرار دی ہے۔[1] امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام منذری نے حواشی میں لکھا ہے کہ عطاء، جابر، حسن، مجاہد، حکم، قتادہ اور حماد کا بھی یہی قول ہے۔ طاؤس اور ضحاک کا بھی یہی مذہب ہے۔[2] ابو عاصم عبادی نے بیان کیا ہے کہ امام محمد بن نصر مَرْوَزِی کی رائے میں حالتِ خوف میں نماز صبح کی ایک رکعت ہے، امام ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے۔[3] امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ شمشیر زنی کے وقت ایک رکعت ہی کافی ہوگی اور اسے اشارے کے ساتھ ادا کر لو اور اگر ایک رکعت پڑھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر صرف ایک سجدہ کر لو کیونکہ نماز ذکر الٰہی کا نام ہے۔

ہم نماز خوف کی کیفیت سے قبل اس آیت کریمہ کا سبب نزول بیان کریں گے۔ امام احمد نے ابو عیّاش زُرَقی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم عُسفان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ مشرک ہمارے سامنے آ گئے، ان کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے اور وہ ہمارے اور قبلہ کے مابین تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی تو مشرکوں نے کہا کہ مسلمان ایک ایسی حالت میں تھے کہ ہمیں ان پر اچانک حملہ کر دینا چاہیے تھا، پھر کہنے لگے کہ ابھی ان کی ایک ایسی نماز کا وقت آنے لگا ہے جو انھیں اپنے بیٹوں اور اپنی جانوں سے بھی عزیز ہے تو ظہر و عصر کے درمیان جبریل ان آیات کو لے کر نازل ہو گئے: ﴿ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ...... ﴾.

جب نمازِ عصر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا اور انھوں نے اپنے ہتھیار پکڑ لیے اور ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنالیں، پھر آپ نے جب رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی سر

---

[1] صحیح مسلم، کتاب و باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث:687 و سنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة......، حديث:1247 و سنن النسائي، صلاة الخوف، حديث:1533 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب تقصير الصلاة في السفر، حديث:1068 لیکن ابن ماجہ میں: [وفي الخوف ركعة] نہیں ہے۔ [2] مختصر سنن أبي داود للحافظ المنذري، صلاة الخوف، باب من قال: يصلي بكل طائفة ركعة......، تحت الحديث: 1202 . [3] المُحَلّٰى:5/33-35 .

اٹھایا، پھر جب نبیٔ اکرم ﷺ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ والی صف نے سجدہ کیا اور دوسری صف کے لوگ کھڑے ہو کر ان کا پہرہ دیتے رہے۔ انھوں نے جب سجدہ کر لیا تو وہ کھڑے ہو گئے اور دوسرے بیٹھ گئے اور انھوں نے اپنی جگہ پر سجدہ کیا، پھر یہ ان کی جگہ پر اور وہ ان کی جگہ پر آ گئے، پھر آپ نے رکوع کیا تو سب نے رکوع کیا، پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو سب نے سر اٹھایا، پھر نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھ والی صف نے سجدہ کیا اور دوسرے لوگوں نے کھڑے ہو کر پہرہ دیا جب یہ بیٹھ گئے تو دوسرے بھی بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دو مرتبہ نماز پڑھائی ایک مرتبہ عُسفان میں اور دوسری مرتبہ بنو سُلَیم کے علاقے میں۔[1] اسی طرح اس کی روایت کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور صلاۃِ خوف کی بابت دیگر کئی احادیث بھی موجود ہیں، مثلاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، آپ نے تکبیر کہی تو ان سب نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی، آپ نے رکوع کیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ رکوع کیا، پھر آپ نے سجدہ کیا تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے تو جن لوگوں نے سجدہ کر لیا تھا وہ اٹھ گئے اور انھوں نے اپنے بھائیوں کا پہرہ دینا شروع کر دیا اور دوسرے لوگ آ گئے اور انھوں نے آپ کے ساتھ رکوع اور سجدہ کیا اور اس طرح سب لوگوں نے ایک دوسرے کا پہرہ دیتے ہوئے نماز ادا کر لی۔[3]

امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں نماز خوف اس طرح پڑھائی کہ ایک صف آپ کے آگے کھڑی ہو گئی اور دوسری آپ کے پیچھے تو جو صف آپ کے پیچھے تھی اسے آپ نے پوری ایک رکعت پڑھائی، پھر یہ صف آگے بڑھ گئی اور اپنے ساتھیوں کی جگہ پر جا کھڑی ہوئی اور وہ لوگ ان کی جگہ پر آ کر کھڑے ہو گئے، انھیں بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک مکمل رکعت پڑھائی اور سلام پھیر دیا، اس طرح نبیٔ اکرم ﷺ کی تو دو رکعتیں تھیں مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ہی رکعت پڑھی۔[4] اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اور صحیح مسلم میں ایک دوسری سند سے بالفاظ دیگر منقول ہے۔[6] علاوہ ازیں محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اس حدیث کو اپنی کتب صحاح، سنن اور مسانید میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے روایت کیا ہے۔[7]

---

[1] مسند أحمد: 59/4 . [2] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة الخوف، حديث:1236 لیکن یہاں:[فنزلت آية القصر] ہے۔ وسنن النسائی، صلاة الخوف، حديث: 1551 اور دیکھیے صحيح مسلم:(308)-840 . [3] صحيح البخاری، صلاة الخوف، باب يحرس بعضهم بعضًا في صلاة الخوف، حديث: 944 . [4] مسند أحمد: 298/3.
[5] سنن النسائی، صلاة الخوف، حديث: 1546. [6] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 840 . [7] صحيح ابن خزيمة:294/2 ، حديث:1347 والسنن الكبرٰى للبيهقي:263/3 ومسند أبي داود الطيالسي:336/3 ، حديث:1898.

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے رہو، پھر جب تمھیں اطمینان ہو جائے تو (پوری)

الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿103﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ

نماز پڑھو، بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے ﴿103﴾ اور تم دشمن قوم کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو

اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ

بے شک وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم تکلیف اٹھاتے ہو۔ اور تم اللہ سے جس چیز کی امید رکھتے ہو، وہ اس کی امید نہیں رکھتے۔ اور اللہ خوب

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾ ع

جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿104﴾

امام ابن ابو حاتم نے سالم کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ نمازِ خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو میں سے ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھائی اور دوسری جماعت اس وقت دشمن کے بالمقابل تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت کو بھی ایک رکعت پڑھائی جو دشمن کے بالمقابل تھی، پھر آپ نے سلام پھیر دیا اور دونوں جماعتوں نے کھڑے ہو کر اپنے طور پر ایک ایک رکعت پڑھ لی۔[1] اس حدیث کو محدثین کی ایک جماعت نے بطریقِ معمر اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔[2] علاوہ ازیں یہ حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بہت سی سندوں کے ساتھ مروی ہے۔[3] حافظ ابو بکر بن مَرْدُوْیَہ نے اس کی سندوں اور الفاظ کو بہت احسن انداز میں یکجا بیان کر دیا ہے، نیز امام ابن جریر نے بھی اسی طرح اس کے تمام طرق و الفاظ ایک ہی جگہ بیان کر دیے ہیں۔[4]

آیت کریمہ کے بظاہر الفاظ کے مطابق نمازِ خوف میں ہتھیار اٹھانے کا حکم علماء کی ایک جماعت کے نزدیک وجوب پر محمول ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ﴾ ''اگر تم بارش کے سبب تکلیف میں ہو یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو، مگر ہوشیار ضرور رہنا۔'' یعنی ہر وقت اس طرح چوکنے رہنا کہ جب بھی تمھیں ہتھیار پہننے کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف پہن سکو۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿102﴾﴾ ''بلاشبہ اللہ نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1054/4. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، حديث:4133 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث:839 وسنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ثم يسلّم......، حديث:1243 وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في صلاة الخوف، حديث:564.

[3] ان صحابۂ کرام میں حضرت جابر، حذیفہ، زید بن ثابت، ابن عباس، ابو ہریرہ، ابن مسعود، سہل بن ابو حثمہ اور ابو عیاش زُرَقی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ [4] تفسير الطبري:341,340/5.

تفسیر آیات:104,103

نمازِ خوف کے بعد کثرت سے ذکرِ الٰہی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نمازِ خوف کے بعد کثرت سے اس کا ذکر کیا جائے گو ذکرِ الٰہی دیگر تمام نمازوں کے بعد بھی مشروع اور مرغوب ہے لیکن نمازِ خوف کے بعد اس کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ اس نماز کے ارکان میں تخفیف کردی گئی ہے۔ اور اس میں آنے جانے کی بھی رخصت ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی سہولتیں ہیں جو دیگر نمازوں میں نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ (التوبۃ 36:9) ''تو ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔''

اگرچہ دوسرے مہینوں میں بھی ظلم کرنا منع ہے لیکن حرمت والے مہینوں کی سخت حرمت وعظمت کی وجہ سے اس کی ممانعت کی زیادہ تاکید ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ ''پھر جب تم نماز تمام کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرو۔'' یعنی ہر ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرو۔ ﴿فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو۔)'' یعنی جب امن حاصل ہو جائے، خوف جاتا رہے اور طمانیت حاصل ہو جائے تو پوری نماز پڑھو اور اسے اس طرح پڑھو جس طرح تمھیں اس کی حدود، خشوع، رکوع، سجود اور دیگر تمام ارکان کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝﴾ ''بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ کے معنی ہیں مفروضًا، یعنی اسے اپنے اوقات میں ادا کرنا فرض ہے۔[1] مجاہد، سالم بن عبداللہ، علی بن حسین، محمد بن علی، حسن، مُقاتل، سُدّی اور عطیہ عوفی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نماز کا وقت بھی حج کے وقت کی طرح مقرر ہے۔[3]

زخمی ہونے کے باوجود دشمن کے تعاقب کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ﴾ ''اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔'' یعنی دشمن کی تلاش میں کسی کمزوری کا ثبوت نہ دو بلکہ ان کا تعاقب کرو، ان سے خوب لڑو، اور گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔ ﴿اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ﴾ ''اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں جیسے تم بے آرام ہوتے ہو۔'' یعنی اگر تم زخمی اور قتل ہوتے ہو وہ بھی تو اسی طرح زخمی اور قتل ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ﴾ (آل عمران 140:3) ''اگر تمھیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ﴾ ''اور تم اللہ سے (ایسی ایسی) امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے۔'' مطلب یہ ہے کہ جو تمھیں اور انھیں زخم اور دکھ پہنچتے ہیں، اس اعتبار سے تو تم سب برابر ہو مگر تم اللہ تعالیٰ سے ثواب

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1057/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1057/4. [3] تفسیر الطبری:355/5 .

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ

(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿105﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿106﴾ وَلَا تُجَادِلْ

کے درمیان فیصلہ کریں، اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں﴿105﴾ اور اللہ سے بخشش مانگیں۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے

عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿107﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ

والا ہے﴿106﴾ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو خیانت

مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ

کرنے والا، گناہ گار ہو﴿107﴾ وہ لوگوں سے (تو اپنی حرکتیں) چھپا سکتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے اور وہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

رات کو چھپ کر ایسا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں، اور وہ جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ اسے گھیرے ہوئے ہے﴿108﴾ ہاں، تم لوگوں نے یہاں دنیا کی

الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾

زندگی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے جھگڑا کر لیا، پھر قیامت کے دن اللہ کے ہاں ان کی طرف سے کون جھگڑے گا؟ یا (وہاں) کون ان کا وکیل ہوگا؟﴿109﴾

اور نصرت و حمایت کی امید رکھتے ہو جیسا کہ اس نے تم سے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور اس کا وعدہ برحق اور اس کی خبر سچی ہے لیکن تمھارے دشمنوں کو اس طرح کی کسی چیز کی امید نہیں ہے، لہٰذا تم ہی ان کی نسبت جہاد کرنے کے زیادہ حق دار ہو اور تمھیں ہی اللہ تعالیٰ کے کلمے کی اقامت اور سربلندی کی زیادہ شدید رغبت ہونی چاہیے۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾﴾ ''اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ زیادہ علم و حکمت والا ہے اپنے ان تکوینی اور شرعی احکام کے بارے میں جن کا وہ فیصلہ فرما دیتا اور جنھیں نافذ کر دیتا ہے، اس کی ذاتِ گرامی ہر حال میں قابلِ ستائش ہے۔

تفسیر آیات:105-109

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلے کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''(اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی سچی کتاب ہے جو حالات و واقعات کے بیان کرنے میں بھی سچی ہے اور لوگوں سے مطالبات کرنے میں بھی سچی ہے۔ ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''تاکہ آپ کو اللہ نے جو ہدایت دی ہے (اس کے مطابق) لوگوں (کے مقدمات) کا فیصلہ کریں۔''

صحیح بخاری و مسلم میں زینب بنت اُمِ سلمہ کی حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑنے والوں کی آواز کو سنا تو آپ کاشانۂ نبوت سے نکل کر ان کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: [إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّإِنَّمَا أَقْضِي عَلٰى نَحْوِ مِّمَّا أَسْمَعُ، وَلَعَلَّ (أَحَدَكُمْ) أَنْ يَّكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ لَهُ،

فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ، فَلْيَحْمِلْهَا أَوْ لِيَذَرْهَا] ''میں بھی ایک بشر ہوں اور جس طرح سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی دلیل کو دوسرے کی نسبت زیادہ اچھے طریقے سے پیش کرے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو جسے میں فیصلہ کر کے کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا ہے، خواہ وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ دو انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ آپ سے اپنی اس میراث کے بارے میں فیصلہ کرانا چاہتے تھے جس (کی حد بندی) کے نشانات مٹ چکے تھے لیکن دونوں کے پاس کوئی گواہی نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَلْحَنُ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَإِنِّي أَقْضِي بَيْنَكُمْ عَلٰى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ يَأْتِي بِهَا إِسْطَامًا فِي عُنُقِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَبَكَى الرَّجُلَانِ، وَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا: حَقِّي لِأَخِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا إِذْ قُلْتُمَا فَاذْهَبَا فَاقْتَسِمَا، ثُمَّ تَوَخَّيَا الْحَقَّ ثُمَّ اسْتَهِمَا، ثُمَّ لِيُحْلِلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْكُمَا صَاحِبَهُ]

''بلاشبہ تم اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو اور میں تو صرف ایک بشر ہوں، ہوسکتا ہے تم میں سے بعض لوگ بعض لوگوں کی نسبت اپنی بات (دلیل) زیادہ چرب زبانی سے پیش کرسکیں۔ لیکن میں تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں جو میں سنتا ہوں، لہٰذا اگر میں نے فیصلہ کرتے ہوئے کسی کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دے دیا تو وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ تو میں اسے جہنم کی آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں جسے وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر بھڑکاتا ہوا لے کر آئے گا۔

یہ ارشاد نبوی سن کر وہ دونوں انصاری رونے لگے اور دونوں میں سے ہر ایک نے کہا کہ میرا حق بھی میرے بھائی ہی کے لیے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! جب تم نے یہ بات کہی ہے تو جاؤ اور اسے آپس میں تقسیم کرلو، صرف اپنے اپنے حق کی جستجو کرو اور قرعہ ڈال لو، پھر تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی (کے حقوق) سے بری الذمہ ہو جائے۔''[2]

اس حدیث کو امام ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[3] اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: [إِنِّي إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِيمَا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيَّ فِيهِ] ''جن احکام کے متعلق مجھ پر کوئی چیز نازل نہیں ہوئی، ان میں تو میں یقیناً اپنی رائے ہی سے فیصلہ کرتا ہوں۔''[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ ......﴾ الآية ''یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ

① اسی ترتیب سے حدیث کے یہ الفاظ کسی ایک حدیث میں بیان نہیں ہوئے، بخاری و مسلم میں حضرت اُم سلمہ کی روایت کے مختلف طرق سے یہ الفاظ ماخوذ ہیں، دیکھیے صحيح البخاري، المظالم، باب إثم من خاصم في باطل......، حديث:2458 وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لايغير الباطن، حديث:1713 بس یہاں [أحدكم] کے بجائے [بَعْضَكُمْ] ہے۔ اوروہ المعجم الكبير للطبراني:343/23 میں ہے۔ ② مسند أحمد:320/6. ③ سنن أبي داود، القضاء، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، حديث:3584 . ④ سنن أبي داود، القضاء، باب في قضاء القاضي إذا أخطأ، حديث:3585 .

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿110﴾ وَمَنْ

اور جو شخص برا عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ اللہ سے بخشش مانگے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا پائے گا﴿110﴾ اور جو شخص

يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿111﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

کوئی گناہ کرتا ہے تو بے شک اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے﴿111﴾ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ

خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿112﴾ ع وَلَوْلَا فَضْلُ

کرتا ہے، پھر کسی بے گناہ پر اس کا الزام لگا دیتا ہے تو (ایسا کرکے) وہ ایک بڑے بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتا ہے﴿112﴾ اور اگر آپ پر اللہ کا

اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو لوگوں کے ایک گروہ نے یقیناً ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کو بہکا دے، اور وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو نہیں بہکاتے،

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

اور وہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اللہ نے آپ پر یہ کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔

تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾

اور آپ پر اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے﴿113﴾

سے نہیں چھپتے......'' یہ منافقوں کی تردید ہے کہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے لوگوں سے تو چھپتے ہیں تاکہ وہ انھیں برا بھلا نہ کہیں مگر وہ اپنے ان برے اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے آجاتے ہیں جبکہ وہ تو ان کی مخفی باتوں سے بھی آگاہ ہے اور وہ ان کے دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾ ﴾ ''حالانکہ جب وہ رات کو ایسے مشورے کرتے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا تو وہ ان کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور اللہ ان کے (تمام) کاموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یہ منافقوں کے لیے زبردست سرزنش اور وعید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''ہاں! تم لوگ دنیا کی زندگی میں تو ان (مجرموں) کی طرف سے بحث کر لیتے ہو۔'' فرض کرو کہ یہ لوگ اگر اس کی وجہ سے دنیا میں کامیاب بھی ہو جائیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں یا جسے ان حکام کے سامنے ظاہر کیا جاتا ہے جو ظاہری حالات کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور وہ اسی بات کے مکلّف ہیں تو کل روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا کریں گے جو ظاہر اور خفیہ تمام حالات کو جانتا ہے؟ اس دن ان کے دعوے کو سچا ثابت کرنے کے لیے کون ان کی وکالت کرے گا؟ یعنی اس دن کوئی ان کا وکیل بننے کے لیے تیار نہ ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾ ﴾ ''یا کون ان کا وکیل بنے گا؟''

تفسیر آیات: 110-113

توبہ واستغفار کی ترغیب: اللہ تعالیٰ اپنے جود وکرم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ جو شخص توبہ کرے، خواہ اس نے کوئی بھی گناہ کیا ہو تو وہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ

﴿ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرلے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔'' علی بن ابوطلحہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں بھی فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے عفو، حلم وکرم، وسعتِ رحمت اور مغفرت کے بارے میں بتایا ہے کہ جو شخص کوئی بھی چھوٹا یا بڑا گناہ کر بیٹھے ﴿ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ ''پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔'' خواہ اس کے گناہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں۔[1]

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان کو سنتا تو اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے اس سے نفع پہنچا دیتا۔ مجھ سے یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ اور ابوبکر نے سچ بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّذْنِبُ ذَنْبًا، ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِذٰلِكَ الذَّنْبِ، إِلَّا غَفَرَ لَهٗ] ''جو مسلمان کوئی بھی گناہ کر بیٹھے، پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔''

پھر آپ نے یہ دو آیتیں پڑھیں: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرلے، پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا۔'' اور ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ...... ﴾ الآية . (آل عمران 3:135) ''اور وہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں......۔''[2]

﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ﴾ ''اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ (الأنعام 6:164) ''اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یعنی کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کا خود حساب دینا ہوگا، کوئی کسی کے اعمال کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ ''اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' اور یہ اس کے علم وحکمت اور عدل ورحمت ہی کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کے گناہ کا وبال اسی پر ہو اور اس کے سوا کسی اور پر نہ ہو۔ ﴿ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ ''اور آپ کو وہ باتیں سکھائی ہیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' یعنی ان کے نازل ہونے سے پہلے جانتے نہیں تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ ﴾ (الشورى 42:52) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف روح (وحی) بھیجی ہے، آپ کتاب کو نہ جانتے تھے۔'' یہ آخر سورت تک۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (القصص 28:86) ''اور آپ کو امید نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر آپ کے پروردگار کی مہربانی سے (نازل ہوئی۔)'' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے:

[1] تفسير الطبرى:5/371 . [2] مسند أحمد:1/8،9 .

لَاخَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ

ان کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو شخص صدقے یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کا حکم دے (تو یہ اچھی بات ہے) اور جو کوئی اللہ کی

النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿114﴾

رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے، تو ہم اسے جلد بہت بڑا اجر عطا کریں گے﴿114﴾ اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اس کے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

بعد وہ رسول کی مخالفت کرے، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے، تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿115﴾ ع 17 3 14

چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے﴿115﴾

﴿ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾ ﴾ ''اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

تفسیر آیات: 115,114

حسنِ گفتار: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ﴾ ''ان لوگوں کی بہت سی سرگوشیاں اچھی نہیں۔'' یعنی لوگوں کا بہت سا کلام اچھا نہیں ہوتا ﴿ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ ''ہاں، (اس شخص کی بات اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔''

امام احمد نے اُمِّ کلثوم بنت عُقبہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا] ''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں میں صلح کرا دے اور اچھی خبر منسوب کرے یا اچھی بات کہے۔'' (نیز انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے نہیں سنا کہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں، آپ نے ان میں سے تین کے سوا کسی اور بات کی رخصت دی ہو (اور وہ تین باتیں یہ ہیں:) (1) جنگ اور (2) لوگوں میں صلح کے بارے میں بات۔ (3) مرد کی اپنی بیوی سے بات اور بیوی کی اپنے شوہر سے بات۔) امام احمد بیان کرتے ہیں کہ یہ ام کلثوم بنت عقبہ ان مہاجر خواتین میں سے تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔[1] امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

[1] مسند أحمد: 403/6 اور قوسین والی عبارت حقیقت میں ابن شہاب زہری کی ہے۔ دیکھیے صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الکذب ......، حدیث: 2605 وفتح الباری، حدیث: 2692 کے ذیل میں اور الموسوعة الحدیثیة (مسند أحمد): 245/45 . [2] صحیح البخاری، الصلح، باب لیس الکاذب الّذی یصلح بین الناس، حدیث: 2692 اور اس میں امام زہری کا قول نہیں ہے۔ وصحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الکذب وبیان ما یباح منه، حدیث: 2605 وسنن أبی داود، الأدب، باب فی إصلاح ذات البین، حدیث: 4921,4920 وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی إصلاح ذات البین، حدیث: 1938 مختصرًا. والسنن الکبرٰی للنسائی، عشرة النساء، باب الرخصة فی أن یحدث الرجل أهله بما لم یکن......: 351/5، حدیث: 9123 .

امام احمد ہی نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ،وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلٰى، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ : إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ] ”کیا میں تمھیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں جو درجے کے اعتبار سے نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہو؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: وہ عمل لوگوں میں صلح کرا دینا ہے۔ اور فرمایا: لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کر دینا تو ایک ایسا عمل ہے جو تباہ و برباد کر دینے والا ہے۔“[1]

اس حدیث کو امام ابوداود اور ترمذی رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ ”اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے گا۔“ یعنی اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کی امید سے کرے گا ﴿ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ”تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔“

پیغمبر کی مخالفت کرنے والے کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى ﴾ ”اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے۔“ یعنی جو شخص اس شریعت کے راستے کے علاوہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں، کسی اور رستے پر چلے تو وہ ایک طرف ہے اور شریعت دوسری طرف ہے، پھر اگر وہ قصد و ارادے سے ایسا کر رہا ہو کہ حق اس کے سامنے ظاہر، واضح اور روشن ہو گیا ہو ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے۔“ اگرچہ یہ پہلی صفت کے ساتھ لازم و ملزوم ہی ہے لیکن مخالفت کبھی تو شارع کی نص کی ہوتی ہے اور کبھی اس بات کی جس پر یقینی طور پر امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا اجماع ہو۔ اس لیے کہ امت کی فضیلت اور اس کے نبی کی عظمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ کسی غلط بات پر اس کا اجماع ہو جیسا کہ بہت سی احادیثِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے۔[3]

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور مومنوں کے رستے کے سوا کسی اور راہ کو اختیار کرے تو اسے اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ ”تو جدھر وہ پھرتا ہے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔“ یعنی جو شخص ایسے رستے پر چلتا ہے تو

---

[1] مسند أحمد:445,444/6 . [2] سنن أبي داود، الأدب، باب في إصلاح ذات البين، حديث:4919 وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في فضل صلاح ذات البين، حديث:2509 بعض الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے۔ [3] دیکھیے سنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، حديث:4253 وجامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، حديث:2167 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب السواد الأعظم، حديث:3950 وكتاب السنة لابن أبي عاصم، باب ما ذكر عن النبي ﷺ من أمره بلزوم الجماعة......:80-85 والسلسلة الصحيحة:1331 وتلخيص الحبير:141/3 تحت الحديث:1474.

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ

بے شک اللہ یہ گناہ ہرگز نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے سوا جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿116﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا

کرتا ہے، تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ہے ﴿116﴾ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں، اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں ﴿117﴾

شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿117﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿118﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

وقف لازم

اللہ نے اس پر لعنت کی ہے، اور اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ ضرور لے کر رہوں گا ﴿118﴾ اور میں انھیں گمراہ کروں گا، اور

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ

انھیں امیدیں دلاؤں گا، اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیریں گے، اور میں انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بناوٹ میں ردو بدل

اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿119﴾ يَعِدُهُمْ

کریں گے۔ اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنا لے تو وہ یقیناً کھلے نقصان میں جا پڑا ﴿119﴾ شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے

وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿120﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ

اور انھیں امیدیں دلاتا ہے مگر شیطان کے سارے وعدے فریب کے سوا کچھ نہیں ﴿120﴾ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ اس سے چھٹکارے

عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿121﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کی کوئی صورت نہ پائیں گے ﴿121﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ہم جلد انھیں ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾

نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور اللہ سے بڑھ کر کون قول و قرار میں سچا ہے؟ ﴿122﴾

ہم اسے اس پر چلنے دیتے ہیں اور اسے مہلت دیتے ہوئے ایسے رستے کو اس کے لیے اچھا اور مزین کر کے پیش کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ﴾ (القلم 44:68) ''لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔''

اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ (الصف 5:61) ''پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے'' اور فرمایا: ﴿وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ (الأنعام 110:6) ''اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔'' اور آخرت میں ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم بنایا ہے کیونکہ جو شخص راہِ ہدایت کو چھوڑ دے تو قیامت کے دن اس کے لیے جہنم کے رستے کے سوا اور کوئی رستہ نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ...... ﴾ الآية. (الصّٰفّٰت 22:37) ''جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے ہم جنسوں کو جمع کر لو......'' اور فرمایا: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾ (الكهف 53:18) ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو

یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔"

تفسیر آیات:116-122

شرک معاف نہیں ہوگا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ "اللہ (اس گناہ کو) نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے گا بخش دے گا۔" اس آیت کے بارے میں تفصیل پہلے ہو چکی ہے، نیز اس آیت کریمہ سے متعلق آثار بھی ہم (اسی آیت کے ذیل میں) ۔اسی سورت کے آغاز میں بیان کر آئے ہیں۔[1] ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴾ "اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دور جا پڑا۔" یعنی وہ طریقِ حق کے سوا اور رستے پر چلا، راہِ ہدایت سے دور ہو گیا، اس نے اپنے آپ کو دنیا وآخرت میں نا کام ونامراد بنا لیا جس کی وجہ سے وہ دنیا وآخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے محروم ہو گیا۔

﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ﴾ "یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو عورتوں ہی کی۔" جُوَیبِر نے ضَحّاک سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مشرکین کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔اور ہم ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں، انھوں نے فرشتوں کو رب بنا لیا اور لڑکیوں جیسی ان کی تصویریں بنالی تھیں، پھر انھیں زیور پہناتے اور کہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ان بیٹیوں، یعنی فرشتوں کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔[2]

یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴾ (النجم 53:19) "بھلا تم لوگوں نے لات اور عزّیٰ کو دیکھا؟" یہ چند آیات ۔اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ﴾ (الزخرف 43:19) "اور انھوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں مؤنث قرار دے لیا۔" اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:158) "اور ان لوگوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی۔" یہ دو آیات۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴾ "اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو۔" کیونکہ شیطان ہی نے انھیں اس کا حکم دیا اور مزین اور خوبصورت کر کے پیش کیا، لہٰذا درحقیقت یہ ابلیس ہی کی پوجا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ...... ﴾ الآیة (یٰس 36:60) "اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا......" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن ان مشرکوں کے بارے میں کہیں گے جو دنیا میں ان کی عبادت کے دعوے دار تھے: ﴿ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (سبا 34:41) "بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے (اور) ان میں سے اکثر اُنھی کو مانتے تھے۔"

[1] دیکھیے النسآء، آیت: 48. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1068,1067/4.

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ ''جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔'' یعنی اسے دھتکار دیا، اپنی رحمت سے دور کر دیا اور بارگاہ سے نکال دیا تھا۔ تو اس نے کہا: ﴿ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ ''میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔'' یعنی ایک متعین، طے شدہ، اور معلوم حصہ۔ مُقاتِل بن حَیّان فرماتے ہیں کہ ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے لوگ جہنم رسید ہوں گے اور صرف ایک شخص جنت میں جائے گا۔[1] ﴿ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ ﴾ ''اور ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔'' یعنی حق قبول کرنے کے بجائے انھیں گمراہ کر دوں گا، ﴿ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ﴾ ''اور امیدیں دلاتا رہوں گا۔'' یعنی ترکِ توبہ کو ان کے لیے مزین کر دوں گا، انھیں امیدیں دلاؤں گا جس کی وجہ سے وہ توبہ کرنے میں بہت دیر کر دیں گے، پھر ان کے نفسوں کے بارے میں انھیں فریب اور دھوکے میں مبتلا کر دوں گا، ﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ ﴾ ''میں انھیں حکم دوں گا تو وہ جانوروں کے کان چیریں گے۔''

قتادہ، سُدِّی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جانوروں کے کانوں کو چیر کر انھیں ان کے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ ہونے کی علامت قرار دے دیں گے۔[2] ﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ ''اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں۔'' امام حسن بن ابوالحسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اَلْوَشْم، یعنی گودنا ہے۔[3] اور صحیح مسلم میں یہ حدیث بھی ہے کہ (جانور کے) چہرے پر داغ لگانا منع ہے۔[4] ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔[5]

صحیح حدیث میں بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت ہے کہ گودنے والی (جسم پر سوئی وغیرہ سے سرمایا نیل بھرنے والی) اور گودوانے والی، چہرے کے بال صاف کرنے اور کروانے والی، حسن کے لیے دانتوں میں فاصلہ کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے فرمایا کہ میں اس پر لعنت کیوں نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1069/4. [2] تفسیر الطبری:381/5 و تفسیر ابن أبی حاتم:1069/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1070/4. [4] صحیح مسلم، اللباس والزینة، باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ووسمه فیه، حدیث: 2116 عن جابر رضی اللہ عنہ. نوٹ: تفسیر ابن کثیر کے مطبوعہ نسخوں میں الوشم فی الوجه ہے جبکہ دلائل کی رُو سے یہ واضح ہے کہ وشم، یعنی گودنا انسانی جسم کے کسی حصے پر بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ اس کے مشابہ ایک لفظ الوسم ہے جو جانوروں کے داغنے کے بارے میں مستعمل ہے جیسا کہ الوَسْمُ هُوَأَثَرُ كَيَّةٍ، مثلاً: [يَسِمُ إِبِلَ الصَّدَقَةِ] ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکاۃ کے اونٹوں پر علامتِ امتیاز لگاتے۔'' (صحیح البخاری:1502 عن أنس رضی اللہ عنہ.) اور اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِي وَسَمَهُ] ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اس (گدھے کے چہرے) پر داغ لگایا ہے۔'' (صحیح مسلم:117 عن جابر رضی اللہ عنہ.) اور اسی سے مِیْسَم، یعنی داغ لگانے کا آلہ ہے۔ اور یہ جانور کے چہرے کے علاوہ باقی جسم پر جائز ہے۔ اسی لیے قوسین میں ''جانور'' کا اضافہ کیا گیا ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو پھر یہاں فی الوجه کے لفظ زائد ہیں۔ اور صحیح مسلم کی آگے آنے والی حدیث اس کی واضح دلیل ہے۔ واللہ أعلم. [5] صحیح مسلم، اللباس والزینة، باب النهی عن ضرب الحیوان……، حدیث:2117 عن جابر رضی اللہ عنہ.

فرمائی ہو اور اس کا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی ذکر ہو، آپ کا اشارہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف تھا: ﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (الحشر 59:7) ''اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں تو (اس سے) باز رہو۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴾ ''اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا، وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔'' غرض یہ کہ وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہو گیا اور یہ ایک ایسا خسارہ ہے جو کسی صورت میں بھی پورا نہ ہو سکے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ ''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔'' یہ ایک امر واقع ہے جس کے بارے میں بتایا جا رہا ہے اور وہ یہ کہ شیطان اپنے دوستوں سے وعدہ کرتا ہے کہ صرف وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے، حالانکہ وہ صریحاً جھوٹ بولتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان جو کچھ وعدے انھیں دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حوالے سے ابلیس کے بارے میں بتایا ہے: ﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ تا ﴿ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (إبراهيم 14:22) ''اور جب (حساب کتاب کے) اُمور کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا: (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا یقیناً سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا، تو میں نے اس کی خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں، میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے، بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔'' ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ ''ایسے لوگوں کا۔'' یعنی شیطان کے وعدوں اور امیدوں کو اچھا سمجھنے والوں کا ﴿ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ مطلب یہ کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانا اور ان کا انجام جہنم ہو گا ﴿ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴾ ''اور وہ اس سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔'' یعنی جہنم سے نجات، خلاصی اور جان بخشی کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

نیک مومنوں کی جزا: پھر اللہ تعالیٰ نے سعادت مند اور متقی و پرہیزگار لوگوں کے آخرت میں حسنِ انجام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔'' یعنی جن اچھے کاموں کے کرنے اور برے کاموں کے ترک کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا، ان کے دلوں نے اس کی تصدیق کی اور اعضاء نے اس کے

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب المتفلّجات للحسن، حديث:4886و5931 وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة ......، حديث:2125 مفصّلًا .

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ

(انجام کا دارومدار) نہ تمھاری خواہشات پر ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات پر، بلکہ جو کوئی برا عمل کرے گا، اس کا اسے بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ کے سوا

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿123﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا﴿123﴾ اور جو کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿124﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ

ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿124﴾ اور دین میں اس شخص سے زیادہ اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی

لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿125﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ہو، اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے، جو صرف حق پرست تھا؟ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنایا تھا﴿125﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ ع 18/11/15

ہی کا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے﴿126﴾

مطابق عمل کیا ﴿سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''ان کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔'' ان میں وہ جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں گے بلا تکلف آ جا سکیں گے ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ ''ابدالآباد ان میں رہیں گے۔'' نہ انھیں وہاں کبھی زوال ہوگا اور نہ وہ وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہونا چاہیں گے۔

﴿وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا﴾ یعنی یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے بارے میں یقینی طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گا۔ اسی لیے مفعول مطلق ﴿حَقًّا﴾ لا کر اس وعدے کی صداقت کی تاکید کی ہے کیونکہ مفعول مطلق یقینی طور پر خبر کے وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور فرمایا: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾﴾ ''اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟'' مطلب یہ ہے کہ قول اور خبر کے اعتبار سے اس سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے: [إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، (وَخَيْرَ) الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَّكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ] ''بے شک سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین امور وہ ہیں جن کو دین میں نیا نیا ایجاد کر لیا گیا ہو اور دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔''[1]

[1] سنن النسائي، صلاة العيدين، باب كيف الخطبة؟ حديث:1579 اور یہاں [خیر] کے بجائے [أحسن] ہے۔ وصحيح ابن خزيمة، باب صفة خطبة النبي ﷺ......:143/3 مزید دیکھیے صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث:867 ومسند أحمد:310/3، 311 عن جابر بن عبدالله ﷺ.

تفسیر آیات:123-126

نجات آرزوؤں پر نہیں بلکہ عملِ صالح پر موقوف ہے: امام قتادہ کہتے ہیں: ہم سے یہ بیان کیا گیا کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا۔ اہلِ کتاب نے کہا کہ ہمارا نبی تمھارے نبی سے پہلے گزرا ہے، ہماری کتاب تمھاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی ہے، لہٰذا تمھاری نسبت ہم اللہ کے زیادہ قریب ہیں، اس کے جواب میں مسلمانوں نے کہا کہ تمھاری نسبت ہم اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ہمارے نبی ﷺ تو خاتم النبیین ہیں۔ اور ہماری کتاب سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی ناسخ ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمادیں: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ تا ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''(نجات) نہ تو تمھاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا......اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہوسکتا ہے جس نے اللہ کے حکم کو قبول کیا اور وہ نیکو کار بھی ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ مسلمانوں کی حجت کو ان اہل کتاب کے خلاف ظاہر اور غالب کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا تھا۔[1] سُدِّی، مسروق، ضحاک، ابوصالح اور دیگر کئی مفسرین سے تقریباً اسی طرح منقول ہے۔[2]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بھی اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ مختلف ادیان سے وابستہ لوگوں نے آپس میں جھگڑا کیا، اہلِ تورات نے کہا کہ ہماری کتاب تمام کتابوں سے بہتر ہے، ہمارے نبی تمام نبیوں سے بہتر ہیں، اہل انجیل نے بھی اسی طرح کہا۔ اور اہلِ اسلام نے کہا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین، دین ہی نہیں ہے، ہماری کتاب نے سابقہ تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے، ہمارے نبی ﷺ تو خاتم النبیین ہیں اور ہمیں اور تمھیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمھاری کتاب پر ایمان ضرور لائیں لیکن عمل اپنی ہی کتاب کے مطابق کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان مختلف اہل ادیان میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ ''(نجات) نہ تو تمھاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا۔''[3]

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ دین ظاہری نمود و نمائش کا نام ہے نہ خواہشوں اور آرزوؤں کا بلکہ دین تو اس ایمان کا نام ہے جو دلوں میں راسخ ہو جائے اور اعمال اس کی تصدیق کریں جو شخص کسی چیز کا دعویٰ کرے تو اسے محض اپنے دعوے سے سب کچھ حاصل نہیں ہو جاتا اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس کی بات حق ہے تو محض اس کے دعوے سے اس کی بات کو حق اور سچ نہیں مان لیا جائے گا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس کوئی دلیل ہو۔ اس لیے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمھیں اور انھیں محض اپنی آرزوؤں کی وجہ سے نجات نہیں مل سکے گی بلکہ نجات کا انحصار تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس شریعت کی اتباع پر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی زبانی حکم دیا، اسی لیے اس کے بعد

[1] تفسیر الطبری:5/390 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:4/1073. [3] تفسیر الطبری:5/391 .

فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ ''اور جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی کا بدلہ دیا جائے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ ﴾ (الزلزال 99:7,8) ''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔''

روایت کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو یہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری (جیسا کہ) امام ابن ابوحاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے معلوم ہے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ سخت آیت کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا: [مَا هِيَ يَا عَائِشَةُ؟] ''عائشہ! وہ کون سی آیت ہے؟'' میں نے عرض کی: ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ تب آپ نے فرمایا: [هُوَ مَا يُصِيبُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ حَتَّى النَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا] ''اس بدلے سے مراد وہ تکلیف ہے جو مردِ مومن کو پہنچتی ہے حتی کہ اسے جو بھی مصیبت پہنچتی ہے (وہ اس کے برے عمل کا بدلہ بن جاتی ہے۔)''[1] اسی طرح اس حدیث کو امام ابن جریر اور امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

سعید بن منصور نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ تو یہ مسلمانوں پر بہت گراں گزری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: [قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّ كُلَّ مَا يُصَابُ بِهِ الْمُسْلِمُ كَفَّارَةٌ، حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا، وَالنَّكْبَةِ يُنْكَبُهَا] ''اعتدال پسندی سے کام لو اور درست راہ اختیار کرو، مسلمان کو جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، وہ اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے حتی کہ اسے جو کانٹا بھی چبھے اور جو مصیبت بھی پہنچے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔''[3] اسی طرح (کچھ کمی بیشی سے) اس کو امام احمد، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ ﴾ ''اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہاں، اگر وہ اپنی موت سے قبل توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو قبول فرمالے گا، اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[5] ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ نَقِيْرًا ۝ ﴾ ''اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو۔'' جب اللہ تعالیٰ نے برے اعمال کے بدلے کا ذکر کیا کہ وہ برے اعمال کرنے والے بندے کو ضرور پکڑے گا یا دنیا میں اور یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ اس کے برے اعمال کی اسے دنیا ہی میں سزا مل جائے اور یا پھر آخرت میں پکڑے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. ہم دعا

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1072/4. [2] تفسير الطبري:399/5 و سنن أبي داود، الجنائز، باب عيادة النساء، حديث: 3093 مفصلاً . [3] سنن سعيد بن منصور:1378/4، حديث: 694 . [4] صحيح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض......، حديث:2574 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة النسء، حديث: 3038 و السنن الكبرىٰ للنسائي، التفسير، باب:102 قوله تعالىٰ: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ ﴾:328/6 ، حديث:11122 و مسند أحمد:248/2 . [5] تفسير الطبري:396/5 و تفسير ابن أبي حاتم:1072/4 .

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا وآخرت میں عافیت، درگزر اور معافی عطا فرمائے۔

چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان اور فضل ورحمت کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں نیک اعمال کو شرفِ قبولیت سے نوازے گا بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہوں۔ پھر انھیں جنت میں داخل فرمائے گا اور ان کی نیکیوں میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کرے گا۔ یہاں اس سلسلے میں ﴿نَقِيْرًا﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور نَقِیر اس چھوٹے سے گڑھے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے اور فَتِیلٌ کے متعلق بات پہلے گذر چکی ہے۔[1] یعنی وہ دھاگہ جو گٹھلی کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اسی طرح قِطْمِیرٌ اس لفافے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔ فتیل، نقیر اور قطمیر، تینوں الفاظ کا تعلق کھجور سے ہے اور یہ تینوں الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔[2]

قبولیتِ عمل کی شرائط: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ ''اور اس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا؟'' جس نے اپنے رب تعالیٰ کے لیے عمل کو خالص کیا اور ایمان کے ساتھ حصولِ ثواب کی نیت سے عمل کیا ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ''اور وہ نیکوکار بھی ہے۔'' یعنی اپنا عمل اس طریق کار کے مطابق سرانجام دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور جس ہدایت اور دین حق کے ساتھ اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔

اور یہ دو ایسی شرطیں ہیں کہ ان کے بغیر کسی عمل کرنے والے کا عمل صحیح ہو ہی نہیں سکتا، یعنی عمل کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالص بھی ہو اور درست بھی۔ خالص سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ ہی کے لیے ہو اور درست سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو، عمل کا ظاہر اتباع اور باطن اخلاص کے ساتھ صحیح قرار پائے گا۔ عمل میں اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو وہ فاسد ہوگا۔ جس کے عمل میں اخلاص کی شرط نہ ہو تو وہ منافق ہوگا۔ منافق وہ ہوتے ہیں جو لوگوں کے دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔ اور جس شخص کا عمل رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے مطابق نہیں ہوگا تو وہ گمراہ اور جاہل ہوگا۔ اور جس عمل میں یہ دونوں شرطیں موجود ہوں تو وہ مومنوں کا عمل ہے۔ جن کے اچھے اعمال کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا اور برے اعمال کو معاف فرما دیتا ہے۔

اسی لیے فرمایا: ﴿وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ ''اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔'' ان سے مراد حضرت محمد ﷺ اور روز قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ ......﴾ الآیة (آل عمران 68:3) ''ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزمان)......'' اور فرمایا: ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○﴾ (النحل 123:16) ''پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی

[1] دیکھیے النساء، آیت: 49 کی تفسیر میں۔ [2] دیکھیے ﴿فَتِيْلًا ○﴾ (النساء 49:4) اور ﴿قِطْمِيْرٍ ○﴾ (فاطر 13:35).

کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

حنیف اسے کہتے ہیں جو اپنے قصد وارادے کے ساتھ شرک سے الگ ہو جائے، یعنی شرک کو علی وجہ البصیرت ترک کر دے، حق کو کلیتًا قبول کر لے کوئی روکنے والا اسے راہِ حق سے روک نہ سکے اور کوئی بھی اس کے قدموں کو حق سے ڈگمگا نہ سکے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ ”اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔“ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کی ترغیب دی ہے کیونکہ وہ ایک ایسے پیشوا ہیں کہ جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ تقرب الٰہی کے اس سب سے بلند مقام تک پہنچ گئے تھے، جہاں تک رسائی ممکن ہے، یعنی وہ درجۂ خُلّت کے اس مقام پر پہنچ گئے تھے جو محبت کے مقامات میں سے بلند ترین مقام ہے اور انھیں یہ مقام اپنے رب کی کثرت کے ساتھ اطاعت کی وجہ سے حاصل ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤي ﴾ (النجم 38:53) ”اور ابراہیم جنھوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰۤي اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ...... ﴾ الآية (البقرة 124:2) ”اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے......“

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (النحل 120:16) ”بیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن میمون کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن تشریف لائے تو انھوں نے صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ تو ایک آدمی بول اٹھا کہ پھر تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ماں کی آنکھوں کے لیے یہ بات باعث ٹھنڈک تھی۔[1] انھیں خلیل اللہ کے لقب سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ ان کے رب تعالیٰ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔ اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا وہ مظاہرہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: [(أَيُّهَا النَّاسُ!) لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ خَلِيلًا لَّاتَّخَذْتُ ابْنَ أَبِي قُحَافَةَ خَلِيلًا، وَّلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ] ”لوگو! اگر میں نے اہلِ زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بنانا ہوتا تو ابن ابو قحافہ کو اپنا خلیل بنا لیتا لیکن تمھارے صاحب تو اللہ کے خلیل ہیں۔“[2]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسى ومعاذ إلى اليمن، حديث: 4348 . [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة......، حديث: 466 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، حديث:2382 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. وحديث:2383 واللفظ له عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه. [أيها النَّاس] اور خطبے وغیرہ کا ذکر اسی حدیث کے دوسرے طرق میں ہے، مثلاً: صحيح مسلم: 2382 والطبقات الكبرى لابن سعد: 227/2 ومسند أحمد: 18/3.

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ لا وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى

اور (اے نبی!) لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ خود ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور کتاب کی وہ آیتیں

النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

بھی، جو یتیم لڑکیوں کے بارے میں تمھیں (پڑھ کر) سنائی جاتی ہیں جنھیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور تم چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو، اور (وہ) کمزور

الْوِلْدَانِ لا وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾

بچوں کے بارے میں (تمھیں حکم دے رہا ہے) اور یہ کہ تم یتیموں سے انصاف کرو۔ اور تم جو بھی نیکی کرو، تو بے شک اللہ اس کا خوب علم رکھتا ہے ﴿127﴾

جُنْدُب بن عبداللہ بَجَلی، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا اسی طرح خلیل بنا لیا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔'' سب اسی کی ملکیت، اسی کے بندے اور اسی کی مخلوق ہیں، سب میں اسی کا تصرف و اختیار کار فرما ہے، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا، اس کی عظمت، قدرت، عدل، حکمت، لطف اور رحمت کی وجہ سے جو وہ کرتا ہے، کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اس کا علم ساری مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اپنے بندوں کی کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں، آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بھی کوئی چھوٹی یا بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، ہر وہ ذرہ جو لوگوں کو نظر آتا ہو یا نہ آتا ہو اس سے مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت:127

یتیم لڑکی کے بارے میں حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس آیت کریمہ: ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ﴾ إِلٰى قَوْلِهٖ ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ کے بارے میں روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت اس آدمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کے پاس یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہی اس کا والی وارث ہوتا تھا۔ وہ لڑکی اسے اپنے تمام مال حتی کہ کھجور کے درخت میں شریک کر لیتی تھی۔ اور اس کی اس سے نکاح کرنے میں بھی رغبت ہوتی تھی اور اس بات کو وہ ناپسند کرتا تھا کہ اسے کسی اور کے نکاح میں دے تا کہ وہ شراکت کی وجہ سے اس کے مال میں حصے دار بن جائے، لہٰذا وہ اسے نکاح کرنے سے روکے رکھتا تھا۔ تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[2] اور اسی طرح اس

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور......، حدیث: 532 والمستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، ذكر إبراهيم النبی ﷺ......:550/2، حدیث:4018 [illegible] عن جندب رضی اللہ عنہ وسنن ابن ماجه، المقدمة، فضل العباس بن عبدالمطلب، حدیث: 141 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ. ودلائل النبوة للبيهقی، باب ماجاء فی تحدث رسول الله ﷺ......:484/5 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. [2] صحیح البخاری، التفسير، باب قوله: ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ﴾ (النسآء4:127)، حدیث:4600.

کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

امام ابن ابو حاتم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ...... ﴾ الآیۃ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور کتاب کی وہ آیتیں بھی جو تمھیں (پڑھ کر) سنائی جاتی ہیں۔'' اور اس پہلے حکم سے مراد یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (النسآء 3:4) ''اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (ان کے سوا) جو عورتیں تم کو پسند ہوں، ان سے نکاح کر لو۔''[2]

اسی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے: ﴿ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ ''اور خواہش رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کر لو۔'' یعنی یتیم لڑکی جو تمھارے زیر پرورش ہو اگر وہ کم مال اور معمولی حسن و جمال والی ہو تو پھر تم اس سے نکاح نہیں کرنا چاہتے، لہٰذا انھیں منع کر دیا گیا کہ اگر وہ محض مال اور جمال کی وجہ سے نکاح کرنا چاہتے ہوں تو پھر نکاح نہ کریں الا یہ کہ عدل و انصاف سے کام لیں۔[3] اس حدیث کا اصل صحیحین میں بھی ہے۔[4]

مقصود یہ ہے کہ کسی آدمی کے زیر پرورش اگر کوئی ایسی یتیم لڑکی ہو جس سے نکاح کرنا اس کے لیے حلال ہو اور اس کی یہ خواہش بھی ہو کہ وہ اس سے نکاح کر لے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ اسی طرح کا مہر دے جس طرح کا مہر اس جیسی عورتوں کو دیا جاتا ہو اور اگر وہ مہرِ مثل نہ دینا چاہے تو پھر اس کے سوا کسی اور عورت سے نکاح کر لے عورتوں کی کونسی کمی ہے۔[5] یہ مفہوم اس آیت کریمہ کا ہے جو اس سورۂ مبارکہ کے شروع میں ہے۔ اور (جو آیت یہاں بیان ہوئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ) اگر آدمی کی اس سے نکاح کرنے کی خواہش نہ ہو اور وہ اس کی نظر میں یا حقیقت میں بدصورت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس بات سے منع کر دیا ہے کہ وہ اسے روک رکھے اور شادی نہ کرے کہ کہیں اس کا شوہر اس کے حصے کے مال کا شریک نہ بن جائے جیسا کہ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی آدمی کے پاس کوئی یتیم لڑکی ہوتی تو وہ اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا جس کے معنی یہ تھے کہ اب اس سے کوئی نکاح نہیں کر سکے گا۔ اگر وہ خوبصورت ہوتی اور اس کی خواہش ہوتی تو اس سے خود نکاح کر لیتا اور اس کے مال کو کھا لیتا اور اگر بدصورت ہوتی تو نہ خود نکاح

① صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:(9)-3018 . ② تفسير ابن أبي حاتم:1076/4.
③ تفسير ابن أبي حاتم:1077/4. ④ صحيح البخاري، الشركة، باب شركة اليتيم وأهل الميراث، حديث:2494 وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3018 . ④ صحيح البخاري، الشركة، باب شركة اليتيم......، حديث: 2494 وصحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة ، حديث: 3018 . ⑤ تفسير الطبري:410/5 .

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم وزیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا

کرلیں، اور صلح ہی اچھی ہے، اور انسانی نفس میں بخیلی رکھی گئی ہے، اور اگر تم احسان کرو اور پرہیز گار بنو تو بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس کی

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿128﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ

خوب خبر رکھتا ہے ﴿128﴾ اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، پھر تم کسی ایک کی

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا

طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو، اور اگر تم اصلاح کا رویہ اختیار کرو اور پرہیز گار بنو تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ

کرنے والا ہے ﴿129﴾ اور اگر وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو (دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔

وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾

اور اللہ بڑی وسعت والا، خوب حکمت والا ہے ﴿130﴾

کرتا اور نہ اسے کسی اور کے نکاح میں دیتا حتی کہ وہ اسی طرح مرجاتی اور جب مرجاتی تو یہ اس کے مال کا وارث بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیتے ہوئے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔[1]

﴿ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ﴾ ''اور بے چارے بے کس بچوں کے بارے میں (حکم دے رہا ہے۔)'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ چھوٹے بچوں اور لڑکیوں کو وراثت میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے تھے۔ اور یہ چیز اس فرمانِ الٰہی سے واضح ہے: ﴿ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ ﴾ ''جن کو تم ان کا حق تو دیتے نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا اور ہر حصے دار کا حصہ واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ (النسآء 4:11) ''ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔'' خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔[2] سعید بن جبیر وغیرہ کا قول بھی تقریباً اسی طرح ہے۔[3]

سعید بن جبیر نے فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ﴾ ''اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ جیسے یتیم لڑکی کے صاحبِ مال و جمال ہونے کی صورت میں تم اس کو ترجیح دیتے ہوئے اس سے خود نکاح کر لیتے ہو تو ایسے ہی اگر وہ صاحب مال و جمال نہ ہو تو پھر بھی اس سے نکاح کرلو اور اس صورت میں بھی تم اسی کو ترجیح دو۔[4] ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾ ﴾ ''اور جو بھلائی تم کرو گے تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔'' یہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے اور اپنی اطاعت بجالانے کا شوق دلایا ہے، اللہ تعالیٰ تمھارے

① تفسیر الطبری:410/5 . ② تفسیر الطبری:411/5 . ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1076/4. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:1078/4.

تمام اعمال کو جانتا ہے اور وہ ان کا پورا پورا صلہ عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیات:128-130

خاوند کی زیادتی کے بارے میں احکام: اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات کے بارے میں آگاہ فرماتے اور شرعی احکام بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ کبھی خاوند بیوی سے نفرت کرتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ اتفاق سے رہتا ہے اور کبھی اس سے جدائی اختیار کر لیتا ہے تو ان میں سے جب پہلی حالت ہو اور بیوی کو خدشہ ہو کہ اس کا خاوند اس سے نفرت یا بے رغبتی کرے گا تو اسے یہ اختیار ہے کہ شوہر کو اس سے باز رکھنے کے لیے وہ اپنے کچھ نفقہ یا لباس یا شب باشی وغیرہ کے کسی حق سے دستبردار ہو کر صلح کر لے۔ اور شوہر کو اختیار ہے کہ اگر اس کی بیوی اس طرح کی کوئی پیش کش کرے تو وہ اسے قبول کر لے۔ عورت کے لیے اس طرح کی کوئی پیش کش کرنے اور شوہر کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ﴾ ''تو میاں بیوی پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں (کسی قرارداد پر) صلح کر لیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ ''اور صلح خوب (چیز) ہے۔'' یعنی صلح کر لینا جدائی اختیار کر لینے سے بہتر ہے۔ ﴿ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ﴾ یہاں ﴿ الشُّحَّ ﴾ بمعنی شَاحّۃ لیا گیا ہے، یعنی اختلاف کی صورت میں جدائی کے اختیار کر لینے سے صلح کر لینا بہتر ہے۔

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا کو اندیشہ لاحق ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں طلاق دے دیں گے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیں مگر مجھے طلاق نہ دیں تو آپ نے اسی طرح کیا، چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ ...... ﴾ الآیة ''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں......'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ دونوں جس چیز پر بھی صلح کر لیں وہ جائز ہے۔[1] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب سودہ بنت زَمعَہ رضی اللہ عنہا عمر رسیدہ ہوگئیں تو انھوں نے اپنا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دن بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزارتے تھے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت مبارکہ ﴿ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ﴾ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مرد کے پاس سن رسیدہ عورت ہوتی ہے جس سے وہ زیادہ محبت و معاشرت

---

[1] **مسند أبی داود الطیالسی**، فی ترجمة عکرمة مولی ابن عباس: 403/4 ، حدیث: 2805. [2] **جامع الترمذی**، تفسیر القرآن، باب ومن سورة النسآء، حدیث: 3040 . [3] **صحیح البخاری**، النکاح، باب المرأة تهب یومها من زوجها ...... ، حدیث: 5212 لیکن یہاں عمر رسیدہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ و**صحیح مسلم**، الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها، حدیث: 1463.

نہیں کرتا بلکہ اسے الگ کر دینا چاہتا ہے تو وہ یہ کہتی ہے کہ میں اپنے (نان ونفقہ اور تقسیم وغیرہ کے) معاملے میں تجھے مکمل اختیار دیتی ہوں، یعنی تو مجھے کسی بھی صورت طلاق نہ دے، چنانچہ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ [1]

﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ کے معنی: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شوہر اگر بیوی کو یہ اختیار دے دے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے پاس رہے اور اگر چاہے تو علیحدگی اختیار کرلے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ شوہر اسی پر اصرار کرے کہ وہ دوسری بیوی کو ترجیح دیتے ہوئے اسے طلاق دے دے گا۔ [2] لیکن آیت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں کا اس بات پر صلح کر لینا کہ بیوی اپنے بعض حقوق ترک کر دے گی اور شوہر اس کی اس پیشکش کو قبول کر لے گا یہ کلیتًا جدائی اختیار کرنے سے بہتر ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ معاملہ طے کر لیا تھا کہ وہ اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کر دیں گی اور آپ انھیں طلاق نہیں دیں گے اور وہ بدستور ازواجِ مطہرات میں شمار رہیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہی صورت افضل تھی تاکہ امت بھی اس صلح کی مشروعیت اور جواز کے سلسلے میں آپ کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بات زیادہ پسند ہے کہ اس کے بندے جدائی اور علیحدگی اختیار کرنے کے بجائے الفت ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ ''اور صلح خوب (چیز) ہے۔'' جبکہ طلاق اللہ سبحانہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ چیز ہے۔ [3] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾ ''اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ تمھارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' یعنی اگر تم بیوی کو ناپسند کرنے کے باوجود اپنے پاس ہی رکھو اور صبر کرو اور اسے وہ تمام حقوق عطا کر دو جو اس طرح کی عورتوں کے ہوں تو تمھاری اس نیکی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور وہ تمھیں اس کی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ﴾ ''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو عورتوں میں ہرگز برابری نہیں کر سکو گے۔'' یعنی لوگو! تم تمام وجوہ سے عورتوں میں برابری نہیں کر سکتے۔ اگر تم ایک رات ایک کے پاس اور دوسری رات دوسری کے پاس گزارنے کی باری کی تقسیم کر بھی دو تو تم محبت، شہوت اور مباشرت کے اعتبار سے فرق کو دور نہیں کر سکتے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عَبِیدہ سَلمانی، مجاہد، حسن بصری اور ضحّاک بن مُزاحم رحمہم اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ [4]

امام احمد اور اہل سنن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں باریوں کی تقسیم کے اعتبار سے پورا پورا عدل وانصاف فرمایا کرتے تھے، پھر دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ ،

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا ﴾ (النسآء4:128)، حدیث :4601. ہاں، عمر رسیدہ ہونے کا ذکر حدیث:2694 میں ہے۔ [2] الدر المنثور:411/2 . [3] دیکھیے سنن أبي داود ، الطلاق ، باب في کراھیة الطلاق، حدیث:2178 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سوید بن سعید، حدیث: 2018 والمستدرك للحاکم، الطلاق:196/2 ، حدیث:2794 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ . یہ روایت ضعیف ہے، إرواء الغلیل:7/106-108، حدیث:2040.
[4] تفسیر الطبری:423/5 و تفسیر ابن أبي حاتم:1083/4.

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور ہم نے تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی، ان کو اور تمھیں بھی یہی حکم دیا کہ

اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا

اللہ سے ڈرتے رہو، پھر اگر تم کفر کرو گے تو بے شک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ بہت بے پروا،

حَمِيْدًا ﴿131﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

قابل تعریف ہے ﴿131﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ بطور کارساز کافی ہے ﴿132﴾ اے لوگو! اگر اللہ چاہے

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿133﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ

تو تمھیں ہٹا کر تمھاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے ﴿133﴾ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو

الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿134﴾ ع 19 8 16

تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿134﴾

فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ] ''اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے اور اس پر مجھے ملامت نہ کرنا جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یعنی دل کے معاملے میں مجھے ملامت نہ کرنا۔ یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے مطابق ہیں۔[1] اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

﴿ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ ﴾ ''تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی طرف جھک جاؤ۔'' یعنی اگر ایک کی طرف میلان زیادہ ہو تو یہ نہ کرو کہ کلیتًا ہی اس کی طرف مائل ہو جاؤ، ﴿ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ﴾ ''پھر دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، ضحاک، ربیع بن انس، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسری کو اس طرح چھوڑ دو گویا وہ نہ شوہر والی ہو اور نہ مطلقہ۔[2]

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ كَانَ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَحَدُ شِقَّيْهِ سَاقِطٌ] ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط (فالج زدہ) ہو گا۔''[3] ﴿ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾ ﴾ ''اور اگر آپس میں موافقت کر لو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اگر اپنے امور کی اصلاح کر لو اور اپنے مقدور کے مطابق عدل وانصاف سے باری مقرر کرو اور تمام حالات میں اللہ

---

[1] **مسند أحمد**:144/6 وسنن **أبي داود**، النكاح، باب في القسم بين النساء ، حديث: 2134 و**جامع الترمذي**، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، حديث:1140 و**سنن النسائي**، عشرة النساء، باب ميل الرجل إلى بعض نسائه دون بعض ، حديث:3395 و**سنن ابن ماجه**، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث:1971 . [2] **تفسير ابن أبي حاتم**:1084/4. [3] **مسند أبي داود الطيالسي**، ترجمة بشير بن نَهِيك:201/4، حديث:2576 .

تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو اللہ تعالیٰ بعض عورتوں کی طرف تمھارے زیادہ میلان کو معاف فرمادے گا۔

﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝﴾ ''اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہوسکے اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) حکمت والا ہے۔'' یہ تیسری حالت، یعنی جدائی اور علیحدگی اختیار کرنے کی حالت کو بیان کیا جارہا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تب اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اور دونوں کو ایک دوسرے سے بہتر جیون ساتھی عطا فرمادے گا۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝﴾ یعنی اللہ تعالیٰ بہت فضل فرمانے والا ہے اور عظیم احسان فرمانے والا ہے اور وہ اپنے تمام افعال، اپنے تمام فیصلوں اور اپنی شریعت کے تمام حکموں میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات:131-134

اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت: اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، ان سب کا وہی حاکم ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ ﴾ ''اور یقیناً جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو بھی اور تم کو بھی ہم نے تاکیدی حکم کیا ہے۔'' یعنی تم کو بھی وہی حکم دیا ہے جو انھیں حکم دیا کہ اللہ عزوجل سے ڈرو اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔

پھر فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور اگر کفر کرو گے تو (سمجھ رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾ (ابراھیم 14:8) ''اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو بے شک اللہ بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾ (التغابن 64:6) ''تو انھوں نے انکار کر دیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تعالیٰ تو ہے ہی بہت بے نیاز، سب خوبیوں والا۔'' یعنی اپنے بندوں سے بے نیاز ہے اور اپنے تمام فیصلوں اور احکام میں قابلِ ستائش ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' یعنی ہر جاندار جو کچھ کررہا ہے، وہ اسے دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان اور نگران ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝﴾ ''لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمھاری جگہ) اور لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔'' مفہوم یہ ہے کہ جب تم اس کی نافرمانی کرتے ہو تو اس بات کو مت بھولو کہ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ تم سب کو فنا کر دے اور تمھاری جگہ اور لوگوں کو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف یا

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ

تمھارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو، معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب، دونوں صورتوں میں تمھاری نسبت اللہ زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ پس

اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ

تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اور اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو بے شک تم جو بھی

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿135﴾

عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿135﴾

یہاں بسا دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴾ (محمد 38:47) ''اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔''

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ ''جو شخص دنیا کی جزا کا طالب ہو تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کے لیے اجر (موجود) ہے۔'' یعنی جس شخص کا مطلوب و مقصود صرف دنیا ہی ہے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے، لہٰذا جب تم اس سے دونوں کا ثواب طلب کرو گے تو وہ تمھیں دونوں کا اجر و ثواب عطا فرما کر بے نیاز کر دے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ...... ﴾ الآية (البقرة 2:200-202) ''پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر، ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور بعضے ایسے ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت سے نواز اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (بہترین اجر) ہے......''

اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ﴾ (الشورىٰ 42:20) ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لیے ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ ...... ﴾ الآية (بنی إسرآئیل 17:18-21) ''جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا)

مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ ذلیل اور رحمت سے محروم ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے، ہم ان کو بھی اور ان کو بھی تمھارے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمھارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔ دیکھو! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ ''اور اللہ سنتا، دیکھتا ہے۔''

تفسیر آیت:135

عدل قائم کرنے اور اللہ کی رضا کے لیے گواہی دینے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل وانصاف پر قائم رہیں اور اسے چھوڑ کر دائیں بائیں نہ جھکیں، کسی ملامت گر کی ملامت یا کسی دوسرے انسان کی کوشش انھیں راہِ عدل سے نہ ہٹائے۔ مومنوں کو چاہیے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار اور حامی و ناصر بن جائیں۔ ﴿ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾ ''اللہ کے لیے (سچی) گواہی دینے والے۔'' اور یہ فرمان اس طرح ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ (الطلاق 2:65) یعنی گواہی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے دینی چاہیے اور جب گواہی سے مطلوب ومقصود یہی ہوگا تو پھر وہ یقینی طور پر صحیح، مبنی بر عدل وانصاف اور تحریف، تبدیلی اور کتمان سے پاک ہوگی، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ﴾ یعنی گواہی سچی دو، خواہ اس میں تمھارا اپنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

اور اسی طرح جب تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو سچی بات کہو، خواہ اس میں بھی تمھارا نقصان ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، وہ اسے ہر مشکل سے نکال کر اس کے لیے آسانی پیدا فرما دے گا۔ ﴿ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ یا اگر گواہی تمھارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو تو اس میں ان سے رعایت نہ کرو بلکہ سچی گواہی دو، خواہ اس کی وجہ سے انھیں نقصان ہی کیوں نہ ہو کیونکہ حق ہر ایک پر حاکم اور ہر ایک سے مقدم ہے۔ ﴿ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ﴾ ''اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے۔'' یعنی نہ تو کسی کی دولت کی وجہ سے اس سے رعایت کرو اور نہ کسی کے فقر کی وجہ سے (اس معاملے میں) اس پر شفقت کرو کہ ان دونوں کا اللہ والی ہے۔ اور تمھاری نسبت وہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ اور وہ زیادہ جانتا ہے کہ ان دونوں کی بہتری کس چیز میں ہے۔

﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ﴾ ''تو تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔'' مطلب یہ کہ خواہش نفس، عصبیت اور لوگوں کا تم سے بغض تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اپنے امور ومعاملات میں عدل کو چھوڑ دو بلکہ ہر حال میں عدل کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (المائدۃ 8:5) ''اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''

اسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اس وقت کہا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ، اس کے رسول اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس کتاب پر بھی جو اس

الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

نے اس سے پہلے نازل کی۔ اور جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿136﴾

تو وہ یقیناً بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا ﴿136﴾

اہل خیبر کے پھلوں اور فصلوں کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا تھا اور اہل خیبر نے انھیں رشوت دینا چاہی تا کہ ان کے ساتھ نرمی برتیں تو انھوں نے فرمایا تھا: اللہ کی قسم! میں اس گرامی قدر شخصیت کی طرف سے تمھارے پاس آیا ہوں جو ساری مخلوق سے مجھے زیادہ محبوب ہیں اور تم مجھے بندروں اور خنزیروں سے بھی بہت زیادہ ناپسند ہو، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے محبت اور تم سے نفرت اس بات پر مجبور نہیں کر سکتی کہ میں تمھارے بارے میں عدل سے کام نہ لوں۔ انھوں نے جواب دیا: ہاں، عدل ہی کی وجہ سے آسمانوں اور زمین کا نظام قائم ہے۔[1] یہ حدیث ان شاء اللہ سورۂ مائدہ کی تفسیر میں باسند بیان کی جائے گی۔[2]

﴿ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا ﴾ ”اگر تم (شہادت میں) کج بیانی کرو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے۔“ امام مجاہد اور دیگر کئی ائمہ سلف نے فرمایا ہے کہ ﴿ تَلْوٗۤا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم شہادت میں تحریف اور تبدیلی کرو گے۔[3] اور اللَّیُّ کے معنی تحریف کرنے اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ ﴾ (آل عمران 3:78) اور ﴿ اَوْ تُعْرِضُوْا ﴾ اعراض سے ہے جس کے معنی شہادت کے چھپانے اور ترک کرنے کے ہیں۔[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ﴾ (البقرة 2:283) ”اور جو اس کو چھپائے گا تو وہ دل کا گناہ گار ہو گا۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا] ”کیا میں تمھیں بہترین گواہ کے متعلق نہ بتاؤں؟ وہ، وہ ہے جو پوچھنے سے پہلے ہی گواہی دے دے۔“[5]

---

[1] مسند أحمد: 367/3 وصحيح ابن حبان، المزارعة، باب ذكر خبر ثالث......: 608,607/11 والسنن الكبرىٰ للبيهقي، السير، باب من رأى قسمة: 137/9 والمصنف لعبد الرزاق: 7201-7209 نحوه. اور مختصراً یہ روایت سنن أبي داود، البيوع، باب في الخرص، حديث: 3415,3414 وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب خرص النخل والعنب، حديث: 1820 میں ہے۔ [2] سورۂ مائدہ کی تفسیر میں بالخصوص اور باقی تفسیر میں بالعموم یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ [3] تفسير الطبري: 436/5.
[4] تفسير الطبري: 436/5. [5] صحيح مسلم، الأقضية، باب بيان خيرالشهود، حديث: 1779 وسنن أبي داود، القضاء، باب في الشهادات، حديث: 3596 عن زيد بن خالد رضي الله عنه.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، پھر ایمان لے آئے، پھر کفر کیا پھر کفر میں کہیں بڑھ گئے، اللہ انھیں ہرگز نہیں

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿137﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿138﴾ الَّذِيْنَ

بخشے گا اور نہ انھیں ہدایت کا راستہ دکھائے گا﴿137﴾ (اے نبی!) منافقوں کو خبردار کر دیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿138﴾ جو مومنوں

يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ

کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کافروں کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں؟ پھر بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے

الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿139﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

ہے﴿139﴾ اور اس نے اس کتاب میں تمھارے لیے نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہو یا ان کا مذاق اڑایا جارہا

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ط اِنَّ

ہو تو تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت یقیناً انھی جیسے ہو گے،

اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿140﴾

بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے﴿140﴾

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿135﴾ ﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تمھارے سب کاموں سے خوب واقف ہے۔'' اور ان کا وہ پورا پورا بدلہ بھی دے گا۔

تفسیر آیت:136

مومنوں کو ایمان لانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان لائیں، یعنی ایمان کے تمام احکام، شاخوں، ارکان اور ستونوں میں داخل ہو جائیں، یہ تحصیلِ حاصل نہیں ہے بلکہ یہ کامل کی تکمیل، پختگی اور اس پر ہمیشہ قائم دائم رہنے کے باب میں سے ہے جیسا کہ مومن اپنی ہر نماز میں کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ (الفاتحة 1:5) ''ہم کو سیدھے رستے چلا۔'' یعنی ہمیں اس میں بصیرت عطا فرما ہدایت میں اضافہ فرما اور اس پر ثابت قدم رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ ﴾ (الحديد 28:57) ''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔''

اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ ''اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے۔'' یعنی قرآن مجید ﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں (سب پر ایمان لاؤ۔)'' یہاں کتاب کا لفظ جنس کے لیے ہے جو سابقہ تمام کتابوں پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے لیے یہاں ﴿ نَزَّلَ ﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ یہ حسبِ حالات و واقعات تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے جیسے بندوں کو اپنے دنیا و آخرت کے معاملات میں ضرورت تھی جبکہ سابقہ تمام آسمانی کتابیں (اپنے اپنے دور میں) یک بار نازل ہوئی تھیں، اس لیے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿136﴾ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔'' یعنی طریقِ ہدایت سے بھٹک گیا اور راہِ اعتدال سے بہت دور ہو گیا۔

تفسیر آیات :137-140

منافقوں کے حالات اور ان کا انجام: اللہ تعالیٰ اس شخص کے بارے میں فرما رہا ہے جس نے ایمان کو قبول کر لیا اور اسے چھوڑ دیا، پھر اسے قبول کر لیا، پھر اسے چھوڑ کر ضلالت کو قبول کر لیا اور ضلالت و گمراہی میں بڑھتا چلا گیا حتی کہ مر گیا تو مرنے کے بعد ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں، اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا۔ جس صورتِ حال میں وہ مبتلا ہو گا، اس سے نکلنے کی اس کے لیے کوئی صورت پیدا نہیں فرمائے گا، ہدایت کا کوئی رستہ اسے عطا نہیں کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿137﴾ ﴾ ''ان کو اللہ نہ تو بخشے گا اور نہ سیدھا رستہ دکھائے گا۔''

امام ابن ابو حاتم نے ﴿ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ﴾ ''پھر کفر میں بڑھتے گئے۔'' کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر ہی پر قائم رہے حتی کہ مر گئے۔ امام مجاہد نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿138﴾ ﴾ ''(اے پیغمبر!) منافقوں (دورخے لوگوں) کو بشارت سنا دیں کہ ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔''

منافقین وہ ہیں جن کی یہ خصلت ہو کہ وہ ایمان لانے کے بعد پھر کفر کو اختیار کر لیں تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک نشانی یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں، یعنی حقیقت میں یہ کافروں ہی کے ساتھ ہیں، انھی کے ساتھ یہ دوستی اور محبت کے تعلقات قائم رکھتے ہیں۔ اور جب علیحدگی میں ان سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں، مسلمانوں سے تو ہم مذاق کرتے ہیں جب ان سے ہم آہنگی کا اظہار کرتے ہیں۔

منافقوں نے کافروں سے جو دوستی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ ﴾ ''کیا یہ ان کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عزت تو سب اللہ وحدہ لا شریک کی ہے اور اس کی جسے وہ عزت عطا فرما دے جیسا کہ اس نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ﴾ (فاطر 10:35) ''جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت سب اللہ ہی کی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المنفقون 8:63) ''عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1091/4.

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ

وہ لوگ تمھارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمھیں اللہ کی طرف سے فتح حاصل ہو تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

کو کچھ غلبہ ملے تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور (کیا) ہم نے تمھیں مومنوں سے نہیں بچایا؟ پھر قیامت کے دن اللہ ان کے

الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ع

20 ع 7 17

درمیان فیصلہ کردے گا، اور اللہ کافروں کو مومنوں کے خلاف ہرگز کوئی راستہ نہیں دے گا﴿141﴾

اور البتہ منافق نہیں جانتے۔‘‘

مقصود یہ ہے کہ جو شخص عزت کا طلب گار ہو تو اسے چاہیے کہ اسے اللہ ہی کی جناب سے طلب کرے۔ اس کی عبودیت کو اختیار کرے اور اپنے آپ کو اس کے مومن بندوں میں سے بنالے جن سے اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں فتح و نصرت کے وعدے فرمائے ہیں۔ فرمانِ الٰہی: ﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ ﴾ ’’اور بے شک اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو، ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو جاؤ گے۔‘‘ یعنی ممانعت کا حکم پہنچنے کے بعد جب تم اس کا ارتکاب کرو گے اور کافروں کے ساتھ اس جگہ بیٹھنے پر راضی ہو جاؤ گے جس میں اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو، ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہو اور ان کی عظمتِ شان میں کمی کی جا رہی ہو اور تم انھیں ایسا کرنے دو تو پھر تم بھی ان کے اس گناہ میں برابر کے شریک ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ ’’یقیناً تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔‘‘ یعنی گناہ کے اعتبار سے تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔[1]

اس آیت کی ابتدا میں جس حکم (کے اتارے جانے) کی طرف اشارہ فرمایا ہے تو اس سے مراد سورۂ انعام، جو مکی سورت ہے، کی یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ (الأنعام 68:6) ’’اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں نکتہ چینی کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ۔‘‘ مُقاتل بن حَیّان بیان کرتے ہیں کہ سورۂ انعام کی اس آیت نے ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ ’’ورنہ تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔‘‘ کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 69:6) ’’اور پرہیز گاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ بھی جواب دہی نہیں لیکن نصیحت کرنا (فرض ہے) تاکہ وہ بھی پرہیز گار ہوں۔‘‘ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴿140﴾ ﴾ ’’کچھ شک نہیں کہ اللہ منافقوں

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1092/4 .

اور کافروں سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔'' یعنی منافق جیسے یہاں کافروں کے ساتھ کفر میں شریک رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں جہنم کی آگ میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اکٹھا رکھے گا۔ جہنم کی سزاؤں، زنجیروں، بیڑیوں اور شیریں، ٹھنڈے پانی کے بجائے گرم پانی اور دوزخیوں کے جسموں سے نکلنے والی پیپ کے پینے اور دیگر سزاؤں میں یہ شریک ہوں گے۔

تفسیر آیت:141

منافق، مسلمانوں پر مصائب و آلام کے انتظار میں رہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں ہمیں یہ خبر دی ہے کہ وہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمان برے حالات سے دوچار ہوں۔ ان کی حکومت زوال پذیر ہو جائے اور کافروں کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''پھر اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے۔'' یعنی فتح و نصرت، تائید و حمایت اور غنیمت حاصل ہو ﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ ''تو کہتے ہیں: کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے؟'' یہ کہہ کر وہ مومنوں سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ﴾ ''اور اگر کافروں کو غلبہ حاصل ہو۔'' یعنی ﴿ نَصِيْبٌ ﴾ بمعنی فتح اور غلبہ کے ہے۔ جیسا کہ احد کے دن ہوا کیونکہ رسولوں کی بھی آزمائش ہوتی ہے اور بالآخر انجام کار فتح و نصرت انھی کی ہوتی ہے۔

﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''تو (ان سے) کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں تھے اور تم کو مسلمانوں (کے ہاتھ) سے بچایا نہیں؟'' مطلب یہ کہ خفیہ طور پر ہم نے تمھاری مدد کی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور رسوا کرنے میں ہم نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی حتی کہ تم ان پر غالب آ گئے۔ سدّی بیان کرتے ہیں: ﴿ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم تم پر غالب تھے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ (المجادلة 58:19) ''شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا۔'' یہ بھی منافقوں کی طرف سے کافروں کے ساتھ اظہار محبت تھا۔ یہ کافروں کے ساتھ اپنے تعلقات قائم رکھنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ بھی تاکہ مسلمانوں کے ہاں بھی انھیں پذیرائی حاصل ہو اور کافروں کے مکر و فریب سے بھی محفوظ رہیں اور یہ ان کے ضعفِ ایمان اور قلتِ ایقان کا نتیجہ تھا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''تو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔'' یعنی منافقو! اللہ تعالیٰ تمھارے ردی باطن کو جانتا ہے لیکن دنیا کی زندگی میں بظاہر تم پر جو احکامِ شرعیہ نافذ ہوتے ہیں تو اس سے فریب نہ کھاؤ۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت ہے۔ یاد رکھو! تمھارے یہ ظاہری حالات قیامت کے دن تمھارے لیے کچھ فائدہ مند نہ ہوں گے کیونکہ اس دن تو بھید ظاہر کیے جائیں گے اور سینوں کے راز افشا کر دیے جائیں گے۔ اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ ''اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔''

امام عبدالرزاق نے یُسَیع کِندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس

---

[1] تفسیر الطبری: 446/5۔ [2] سورۂ مجادلہ کی مذکورہ آیت کے سیاق و سباق سے یہ چیز واضح ہوتی ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا

بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو دل

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿142﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ

سے نہ چاہتے ہوئے، لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، اور وہ اللہ کو بس تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں ﴿142﴾ وہ کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿143﴾

ہیں، نہ (پورے) اس طرف نہ (پورے) اس طرف، اور (اے نبی!) جسے اللہ گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے ﴿143﴾

نے اس آیت کا مطلب پوچھا اور کہنے لگا کہ کافر ان کو شہید بھی کر دیتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، اور فرمایا: ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ﴾ ”تو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا اور اللہ کافروں کو مومنوں پر (روز قیامت) ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔“[1] ابن جریج نے عطاء خراسانی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ اس کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔[2] اسی طرح سُدّی نے ابو مالک اشجعی کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔[3] سدّی کا قول ہے کہ یہاں ﴿ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ﴾ کے معنی حجت ہیں۔[4]

جبکہ آیت کریمہ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر اس طرح غالب اور مسلط نہیں کرے گا کہ وہ انھیں صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دیں، گو بعض اوقات کافروں کو کچھ مسلمانوں کے مقابلے میں کامیابی ضرور حاصل ہو جاتی ہے لیکن دنیا و آخرت میں انجام کار فتح و نصرت مسلمانوں ہی کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (المؤمن 51:40) ”یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں۔“

بہر حال منافقوں نے امیدیں لگا رکھی تھیں، مسلمانوں کی حکومت کے زوال پذیر ہونے کے منتظر تھے اور کافروں سے دوستی اور محبت کے تعلقات استوار کر رکھے تھے تاکہ مسلمانوں پر غلبے کے وقت کفار ان منافقوں کو گزند نہ پہنچائیں۔ ان تمام باتوں کی اس آیت کریمہ میں تردید ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۭ ﴾ (المآئدة 52:5) ”تو (اے نبی!) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کر (ملے جاتے ہیں) کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے سو قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے

[1] تفسیر عبدالرزاق:480/1، رقم:647. [2] تفسیر الطبری:448/5 . [3] تفسیر الطبری:448/5 . [4] تفسیر الطبری: 448/5 .

ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر، جو چھپایا کرتے تھے، پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔''

تفسیر آیات:143,142

منافقوں کا اللہ کو دھوکا دینا، نماز میں سستی کرنا اور تذبذب کا شکار رہنا: سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (البقرة 2:9) ''یہ (اپنے پندار میں) اللہ کو اور مومنوں کو دھوکا دیتے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ ''بے شک منافق (اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انھی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔'' اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو دھوکا نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ تو دلوں کی دھڑکنوں بلکہ پوشیدہ رازوں اور بھیدوں کو بھی جانتا ہے لیکن منافقین اپنی جہالت اور قلتِ علم وعقل کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا چکما جیسے لوگوں میں چل گیا اور ان کے ظاہری حالات کے باعث ان پر احکامِ شریعت جاری ہو گئے، اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان سے یہی سلوک ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو بھی چکما دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ یہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس قسمیں کھائیں گے کہ دنیا میں یہ استقامت اور راستی پر تھے اور ان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح کی باتیں اور قسمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے نفع بخش ثابت ہوں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ ﴾ (المجادلة 58:18) ''جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ ''اور وہ انھی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔'' یعنی وہ انھیں ان کی سرکشی و گمراہی کے باوجود مہلت دیتا ہے اور انھیں اس طرح ذلیل و رسوا کرتا ہے کہ دنیا میں یہ حق کو پا ہی نہیں سکیں گے اور قیامت کے دن بھی ان سے اسی طرح کا معاملہ کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْیَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ ﴾ (الحدید 57:13-15) ''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ہماری طرف نظر (شفقت) کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے روشنی حاصل کر لیں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ سو (وہاں) نور تلاش کرو، پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے اس طرف عذاب (و اذیت) تو (منافق لوگ مومنوں سے) کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمھارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے:

کیوں نہیں! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنوں میں مبتلا کر رکھا اور (ہمارے حق میں حوادث کے) منتظر رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لاطائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اور اللہ کے بارے میں تم کو (شیطان) دغا باز دھوکہ دیتا رہا، لہٰذا آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں ہی سے (قبول کیا جائے گا) تمھارا (سب کا) ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمھارے زیادہ لائق ہے اور وہ لوٹ جانے کی بہت بری جگہ ہے۔"

اور حدیث میں آیا ہے: [مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ رَّاءٰى رَاءَى اللّٰهُ بِهٖ] "جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے کوئی بات کرے تو اللہ (روز قیامت) لوگوں کو سنا دے گا (کہ اس نے یہ کام شہرت و ناموری کے لیے کیا تھا) اور جو ریا کاری کے لیے کوئی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ (روزِ قیامت) اس کی ریا کاری کو واضح (کر کے اسے ذلیل و رسوا) کر دے گا۔"[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾ "اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر۔" سب سے اشرف، افضل اور بہترین عمل، یعنی نماز کے بارے میں ان کا حال یہ ہے کہ جب اسے ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بے حدسست اور کاہل ہو کر کیونکہ ان کی نماز ادا کرنے کی نیت ہی نہیں ہوتی اور نہ اس پر ایمان ہوتا ہے، لہٰذا اسے یہ نہ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں اور نہ اس کے معانی کو سمجھتے ہیں۔

یہ ان کی ظاہری حالت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی باطنی فاسد حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ﴾ "(صرف) لوگوں کے دکھانے کو۔" یعنی ان میں نہ اخلاص ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ہی سے معاملہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ یہ محض تَقِیَّہ اور تکلف کے طور پر نماز ادا کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو دکھا سکیں کہ یہ بڑے نمازی ہیں، اس وجہ سے یہ ان نمازوں میں شرکت نہیں کرتے جن میں (اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے) اکثر و بیشتر صورتوں میں لوگ دیکھ نہیں سکتے، مثلاً: عشا اور صبح کی نمازیں جو اندھیرے میں ادا کی جاتی ہیں۔

صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَثْقَلَ صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا وَّلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِيَ بِرِجَالٍ مَّعَهُمْ حُزَمٌ مِّنْ حَطَبٍ إِلٰى قَوْمٍ لَّا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ] "منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشا اور صبح کی نماز ہے۔ اور اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ ان میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو یہ ان میں ضرور شریک ہوں، خواہ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے آئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ نماز کا حکم دوں اور اقامت کہی جائے اور کسی دوسرے آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں اپنے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو لے کر جاؤں جن کے پاس ایندھن کے گٹھے ہوں، چنانچہ جو لوگ نماز کے لیے نہ آئے ہوں تو ان کے گھروں کو آگ

---

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب الرياء والسُّمعة، حديث: 6499 عن جندب ﷺ. وصحيح مسلم، الزهد، باب تحريم الرياء، حديث: 2986 و اللفظ له عن ابن عباس ﷺ. البتہ بعض نسخوں میں [راءی] کے بجائے [رایا] ہے۔

سے جلادوں۔''[1]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ، لَشَهِدَ الْعِشَاءَ]، [لَوْلَا مَا فِي الْبُيُوتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ لَأَقَمْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَأَمَرْتُ فِتْيَانِي يُحَرِّقُونَ مَا فِي الْبُيُوتِ بِالنَّارِ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے ایک موٹی ہڈی یا دو عمدہ کھر ملیں گے تو وہ نماز ادا کرنے کے لیے ضرور آئے۔ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نمازِ عشا پڑھاتا اور نوجوانوں کو حکم دیتا کہ وہ ان کے گھروں کو آگ سے جلادیں۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ ''اور وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔'' یعنی یہ اپنی نمازوں میں نہ خشوع وخضوع سے کام لیتے ہیں اور نہ جانتے ہیں کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہے ہیں بلکہ یہ نہایت غفلت اور بے پروائی سے کام لیتے ہیں اور نماز سے مقصود جو خیر و بھلائی ہے اس سے اعراض کیے رہتے ہیں۔

امام مالک نے علاء بن عبدالرحمٰن کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِينَ] ، [يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ ، قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا ، لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا] ''یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، یہ منافقوں کی نماز ہے، بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتی کہ جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان میں ہو جاتا ہے تو یہ کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور ان میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔''[3] اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔'' یعنی منافقین ایمان اور کفر کے مابین حیران ہیں۔ ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے نہ مومنوں کے ساتھ ہیں اور نہ کافروں کے ساتھ بلکہ ظاہری طور پر مومنوں کے ساتھ ہیں اور باطنی طور پر کافروں کے ساتھ۔ کچھ شک میں اس طرح مبتلا ہیں کہ کبھی مومنوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور کبھی کافروں کی طرف جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَآ

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، حديث: 657 وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة......، حديث: (252)-651 واللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ . [2] پہلا حصہ صحيح البخاري، الأذان ، باب وجوب صلاة الجماعة، حديث: 644 وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة ......، حديث: 651. اور دوسرا حصہ مسند أحمد: 367/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [3] پہلا حصہ الموطأ للإمام مالك، القرآن، باب النهي عن الصلاة بعد الصبح: 75/1، حديث: 523 وسنن أبي داود، الصلاة ، باب وقت العصر، حديث: 413 اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب التبكير......، حديث: 622 کے مطابق ہے۔ [4] صحيح مسلم، حوالہ مذکورہ و جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في تعجيل العصر، حديث: 160 وسنن النسائي، المواقيت، باب التشديد في تأخير العصر، حديث: 512.

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت

اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿144﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

دے دو؟ ﴿144﴾ بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور وہاں آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے ﴿145﴾

وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ﴿145﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا

سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی، اور تھام لیا اللہ (کے دین) کو اور اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر لیا تو ایسے لوگ

دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿146﴾

مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ مومنوں کو جلد بہت بڑا اجر عطا کرے گا ﴿146﴾ اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمھیں عذاب دے کر

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ﴿147﴾

کیا کرے گا؟ اور اللہ بڑا قدر دان، خوب جاننے والا ہے ﴿147﴾

اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ (البقرۃ 20:2) ''جب بجلی (چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ کے معنی یہ ہیں کہ یہ نہ اصحاب محمد ﷺ کی طرف ہوتے ہیں اور نہ ان یہودیوں کی طرف۔[1] امام ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ ، تَعِیرُ إِلٰی هٰذِهِ مَرَّةً وَّإِلٰی هٰذِهِ مَرَّةً لَّا تَدْرِی أَیَّهُمَا تَتْبَعُ؟] ''منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان متردد ہوتی ہے کبھی اس ریوڑ کی طرف آتی ہے اور کبھی اس کی طرف اور نہیں جانتی کہ ان دونوں میں سے کس کے پیچھے لگے؟''[2] اس روایت کو شیخین رحمہما اللہ میں سے صرف امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے۔[3]

اسی لیے فرمایا: وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا ﴿143﴾ ''اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے تو تم اس کے لیے کبھی بھی رستہ نہیں پاؤ گے۔'' یعنی جسے اللہ راہ ہدایت سے دور ہٹا دے تم اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔ دوسری جگہ فرمایا: فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝ (الكهف 17:18) ''پھر آپ اس کے لیے کوئی دوست رہنما نہ پائیں گے۔'' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ (الأعراف 186:7) ''جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لا سکتا۔'' اور منافقین جن کو اللہ نے راہ نجات سے دور ہٹا دیا تھا، ان کے لیے کوئی ہادی اور اس صورت حال سے جس میں

---

[1] تفسير الطبرى:452/5 . [2] تفسير الطبرى:451/5 . [3] صحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين......، حديث:2784، البتہ [لا تدرى أيهما تتبع] یہاں نہیں، اس کے لیے دیکھیے مسند أحمد:102/2 وسنن النسائى، الإيمان، باب مثل المنافق، حديث:5040 .

یہ مبتلا ہیں کوئی نجات دینے والا نہیں ہے کیونکہ ان کے لیے یہ صورت حال اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور اللہ کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور جو وہ کرتا ہے، اس کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ تمام انسانوں سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

تفسیر آیات:144-147

کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بنائیں، ان کی صحبت و رفاقت اختیار کریں، ان کی ہمدردی و خیر خواہی کریں۔ ان سے محبت کے تعلقات استوار کریں اور مومنوں کے خفیہ حالات ان سے بیان کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ ﴾ (آل عمران 28:3) ''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں۔ ہاں، اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے۔'' یعنی وہ تمھیں اپنے غضب اور اپنی سزا سے ڈراتا ہے، لہٰذا اس نے جس بات سے منع کیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو؟'' یعنی تمھیں سزا دینے میں اس کی حجت تم پر پوری ہو جائے۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ سُلطان کا لفظ حجت کے معنی میں آیا ہے۔[1] اس روایت کی سند صحیح ہے۔ امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قُرظی، ضَحّاک، سُدّی اور نضر بن عربی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔'' قیامت کے دن انھیں ان کے شدید کفر کی سزا یہ دی جائے گی کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ علی بن ابو طلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں سب سے نیچے ہوں گے۔[3] اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ جہنم کے بھی اس طرح مختلف دَرکات (پستی کی منزلیں) ہیں جس طرح جنت کے مختلف درجات ہیں۔[4] امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ منافقین کو دوزخ میں تابوتوں میں بند کر کے تالے لگا دیے جائیں گے۔[5]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1097/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1097/4. [3] تفسیر الطبری:454/5 و تفسیر ابن أبی حاتم:1098/4. [4] تفسیر القرطبی:425/5. [5] تفسیر الطبری:454/5.

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿148﴾

اللہ اونچی آواز میں برائی کی بات کرنے کو پسند نہیں کرتا، مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (اسے اجازت ہے) اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿148﴾ اگر تم

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾

کھلے طور پر کوئی نیکی کر دیا چھپا کر کرو، یا برائی سے درگزر کر دو، تو اللہ بھی بہت معاف کرنے والا، بڑی قدرت والا ہے ﴿149﴾

امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منافقین کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ انھیں تابوتوں میں بند کر کے جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ڈال دیا جائے گا۔[1] ﴿ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾ ﴾ ''اور آپ ان کا کسی کو مددگار نہ پائیں گے۔'' جو انھیں اس حالت سے نجات دے سکے اور دردناک عذاب سے باہر نکال سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان میں سے جو شخص دنیا میں توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ اور ندامت کو قبول فرمالے گا بشرطیکہ یہ خالص توبہ کرے، نیک عمل کرے اور تمام امور میں اپنے رب کی اطاعت کرے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ ﴾ ''ہاں، جنھوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑا اور خاص اللہ کے حکم بردار ہو گئے۔'' یعنی انھوں نے ریا کاری کے بجائے اخلاص کو اختیار کیا تو انھیں عملِ صالح نفع دے گا، خواہ وہ کم ہی ہو۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی قیامت کے دن یہ مومنوں کے زمرے میں شمار ہوں گے۔ ﴿ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿146﴾ ﴾ ''اور اللہ عنقریب مومنوں کو اجرِ عظیم دے گا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے سوا سب سے بے نیاز ہے اور بندوں کو ان کے گناہوں پر عذاب دے سکتا ہے، لہٰذا اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ﴾ ''اگر تم (اللہ کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟'' یعنی اگر تم اپنے عمل درست کر لو اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لے آؤ تو ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾ ﴾ ''اور اللہ تو قدر شناس (اور) جاننے والا ہے۔'' یعنی جو اللہ کا شکر ادا کرے تو وہ اسے اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے اور جو دل سے اس کی ذاتِ گرامی پر ایمان لائے تو وہ اسے جانتا اور اس کی پوری پوری جزا عطا فرماتا ہے۔

تفسیر آیات:149,148

مظلوم کے لیے ظالم کو علانیہ برا کہنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ درگزر کرنے کی ترغیب: ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ ''اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو علانیہ برا کہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ کوئی کسی کے لیے بددعا کرے الا یہ کہ وہ مظلوم ہو تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کے لیے بددعا کر سکتا ہے، اس لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ﴾ ''مگر وہ جو مظلوم ہو۔'' اور اگر وہ صبر کر لے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔[2] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے بددعا نہ کرے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1098/4 و تفسیر الطبری:454/5. [2] تفسیر الطبری:3/6.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور وہ کہتے

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿150﴾ اُولٰٓئِكَ

ہیں: ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی راہ اختیار کریں﴿150﴾ وہی لوگ حقیقی کافر

هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿151﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے﴿151﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور انھوں نے ان

وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿152﴾ ع 21/11/1

میں سے کسی ایک کے درمیان بھی تفریق نہیں کی، وہی لوگ ہیں جنھیں اللہ جلد ان کا اجر دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے﴿152﴾

بلکہ یہ دعا کرے کہ اے اللہ! میری اس کے خلاف مدد فرما اور مجھے اس سے میرا حق دلا دے۔[1] اور آپ ہی سے ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اسے اجازت دی گئی ہے کہ وہ ظالم کے لیے بددعا کر سکتا ہے لیکن اس پر زیادتی نہ کرے۔[2]

عبدالکریم بن مالک جزری نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص تمھیں گالی دے تو تم اسے گالی دے سکتے ہو لیکن اگر وہ تم پر کوئی بہتان باندھے تو تم اس پر بہتان نہ باندھو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ (الشوریٰ 41:42) ''اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔''[3]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ] ''دونوں گالیاں دینے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا گناہ ان دونوں میں سے ابتدا کرنے والے پر ہے بشرطیکہ مظلوم زیادتی نہ کرے۔''[4]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾﴾ ''اگر تم لوگ بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر، یا برائی سے درگزر کرو گے تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) صاحب قدرت ہے۔'' یعنی لوگو! اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو یا چھپا کر یا اسے معاف کر دو جو تم سے برائی کرے تو یہ بات تمھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گی۔ اور اس کے ہاں تمھیں اس کا بہت ثواب ملے گا کہ اس کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے، حالانکہ وہ انھیں سزا دینے پر بھی قادر ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾﴾ ''تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) صاحبِ قدرت ہے۔'' اسی لیے ایک موقوف روایت میں ہے کہ حاملینِ عرش میں سے بعض فرشتے یہ کہتے ہیں: [سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ] ''تو پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ کہ علم کے باوجود حلم سے کام لیتا

---

① تفسير الطبري: 3/6 . ② تفسير ابن أبي حاتم:1101/4. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1101/4. ④ سنن أبي داود، الأدب، باب المستبّان، حديث:4894 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن السباب، حديث:2587.

ہے۔'' اور بعض یہ کہتے ہیں: [سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ] ''تیری ذات پاک ہے اپنی تعریف کے ساتھ کہ تو قدرت کے باوجود معاف فرما دیتا ہے۔''[1]

اور صحیح حدیث میں ہے: [مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ صَدَقَةٍ] ، [وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا] ، [وَّمَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ] ''صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرما دیتا ہے۔''[2]

تفسیر آیات: 150-152

بعض رسولوں کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا خالص کفر ہے: اللہ تعالیٰ نے ان یہود و نصاریٰ کی سرزنش کی ہے جو اس کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انھوں نے ایمان لانے میں اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کر دیا ہے۔ پھر بعض انبیاء پر ان کا ایمان ہے اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ محض اپنی خواہش و عادت اور اپنے آباء و اجداد کی تقلید کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے۔ ان کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ محض خواہش و عصبیت سے کام لیتے ہیں۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے۔ ان کا دیگر انبیاء پر تو ایمان تھا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کا دیگر انبیاء پر تو ایمان تھا مگر خاتم النبیین اور اشرف المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرتے تھے۔ سامرہ[3] حضرت موسیٰ بن عمران کے خلیفہ حضرت یُوشَع کے بعد اور کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتے۔ اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ مجوسیوں کا زِرَادِشت نامی ایک نبی پر ایمان تھا، پھر انھوں نے اس کی شریعت کے ساتھ بھی کفر شروع کر دیا تو شریعت کو ان کے درمیان میں سے اٹھا لیا گیا۔ واللہ أعلم.

بہرحال مقصود یہ ہے کہ جو کسی بھی نبی کے ساتھ کفر کرے تو گویا اس نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا کیونکہ ہر اس نبی پر ایمان لانا واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا، لہٰذا جو شخص حسد یا عصبیت یا خواہش کی وجہ سے

---

[1] شعب الإيمان للبيهقي، الباب الثامن، فصل في معنى قول الله عزوجل: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ، حديث:364 وكتاب العظمة للأصفهاني:954/3، حديث: 481 وكتاب العرش للحافظ الذهبي، الفصل الرابع،الكلام على حملة العرش ......، المبحث الأوّل، ص:300,299 وتفسير عبدالرزاق: 342 ، رقم: 3314 وتفسير الطبري:10/19. [2] پہلا جملہ المعجم الأوسط، من اسمه أحمد:619,618، حديث:2270 عن أم سلمة رضی اللہ عنہا. یہ روایت ضعیف اور سیاق مختلف ہے، البتہ یہ معناً صحیح ہے۔ ومسند البزار:243/3، حديث: 1032، دوسرا جملہ صحیح مسلم، البر والصلة، حديث: 2588 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. اور تیسرا جملہ حلية الأولياء، إبراهيم بن أدهم: 48/8، حديث:11339 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 2328 . اور صحیح مسلم وغیرہ میں بحوالۂ مذکورہ حدیث کا متن اس طرح ہے: [مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ، وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا ، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ] عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [3] یہودی قبیلے سامرہ کا مذہب یہودی مذہب سے مختلف تھا یہ شریعت موسوی کی بڑی پابندی کرتے تھے اور یہودیوں پر مقدس صحائف میں تحریف کا الزام لگاتے تھے اور ان کی بولی آرامی تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

کسی بھی نبی کی نبوت کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جن انبیاء پر اس کا ایمان ہے وہ بھی شرعی ایمان نہیں ہے بلکہ وہ کسی غرض، خواہش اور عصبیت پر مبنی ہے۔ اسی لیے یہ فرما کر ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں'' انھیں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرنے والے نامزد کر دیا گیا ہے۔

﴿ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔'' یعنی ایمان لانے میں ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ ﴾ ''وہ بلا اشتباہ کافر ہیں۔'' یعنی ان کا کفر یقینی ہے کیونکہ جن انبیاء کے ساتھ یہ ایمان کا دعوی کرتے ہیں وہ شرعی ایمان نہیں ہے کیونکہ اگر اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے ایمان ہوتا تو وہ ان جیسے دیگر انبیاء پر اور ان انبیاء پر بھی ایمان لے آتے جن کی نبوت دلیل کے اعتبار سے زیادہ واضح اور برہان کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ اور ان کی نبوت کے بارے میں بھی یہ حقیقت پسندانہ رویہ رکھتے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ ﴾ ''اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' یعنی جس طرح انھوں نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ گستاخانہ رویہ اختیار کیا جن کے ساتھ یہ ایمان نہیں لائے تھے اسی طرح انھیں بھی ذلت اور رسوائی کا عذاب دیا جائے گا۔ یہ اس لیے کہ یا تو انھوں نے اس دین و ہدایت کو کوئی اہمیت ہی نہ دی جسے یہ رسول اللہ کے پاس سے لے کر آئے بلکہ اس سے انھوں نے مکمل طور پر اعراض کیا اور دنیا کے اس ساز و سامان کے جمع کرنے میں لگے رہے جس کی انھیں قطعاً کوئی ضرورت ہی نہیں تھی یا انھیں یہ عذاب اس لیے ہوگا کہ انھوں نے ان کی نبوت کا علم ہونے کے باوجود کفر کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت سے علمائے یہود نے کیا کہ انھوں نے اس عظیم نبوت کے عطا کیے جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کیا،[1] آپ کی مخالفت اور تکذیب کی، آپ سے دشمنی کی اور جنگیں لڑیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیوی ذلت مسلّط کر دی جیسا کہ اس کے بعد اخروی ذلت سے بھی دو چار ہوں گے۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (البقرة 2:61) ''اور ان پر ذلت اور مسکنت ڈال دی گئی اور اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔'' اور یہ ذلت و رسوائی دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ان پر مسلط کی گئی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (سب کو مانا۔)'' سے مراد امت محمدیہ علی صاحبها الصلوٰۃ والسلام کے لوگ ہیں کہ وہ

---

[1] جیسا کہ النسآء کی آیت :54 میں ہے: ﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ ﴾ اور اسی طرح البقرۃ کی آیت :109 سے بھی واضح ہوتا ہے: ﴿ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾ .

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ

(اے نبی!) اہل کتاب آپ سے تقاضا کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں، چنانچہ ان لوگوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑا تقاضا

ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

کیا تھا، انھوں نے کہا تھا: (اے موسیٰ!) ہمیں اللہ بالکل آنکھوں کے سامنے دکھا، پھر ان کے ظلم کی وجہ سے کڑاکے کی بجلی ان پر آپڑی، پھر ان کے پاس کھلی

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿153﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ

نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا، پھر اس پر بھی ہم نے انھیں معاف کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا کیا﴿153﴾ اور ہم نے ان

الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ

سے اقرار لینے کے لیے ان پر طور پہاڑ بلند کیا، اور ہم نے ان سے کہا: (شہر کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ، اور ہم نے ان سے کہا:

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿154﴾

ہفتے کے دن میں زیادتی نہ کرو، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا﴿154﴾

ہر اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور ہر اس نبی پر ایمان رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ ...... ﴾ الآية (البقرة 2:285) ''رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم رسولوں میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے......۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے بے حد و حساب جزا، بے پایاں اجر و ثواب اور بہت خوبصورت عطیات تیار فرما رکھے ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ ﴾ ''ایسے لوگوں کو وہ عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا'' اس ایمان کی وجہ سے جو یہ اللہ اور اس کے رسولوں پر رکھتے تھے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿152﴾ ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' اگر ان میں سے کچھ لوگوں سے گناہ سرزد ہوئے بھی تو وہ انھیں معاف فرما دے گا۔

تفسیر آیات: 154,153

یہودیوں کا عناد: محمد بن کعب قُرَظی، سُدّی اور قتادہ نے کہا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ ان پر آسمان سے اسی طرح کتاب نازل کر دیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر لکھی ہوئی تورات نازل ہوئی تھی، تو یہ مذکورہ آیات نازل ہو گئیں۔[1] ابن جریج کہتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں، فلاں اور فلاں شخص کے لیے صحیفے اتار دیں جن میں آپ کی نبوت کی تصدیق ہو۔[2] ان کا یہ مطالبہ ضد، ہٹ دھرمی اور کفر و الحاد کی وجہ سے تھا۔ جس طرح کہ ان سے پہلے کفارِ قریش نے بھی رسول اللہ ﷺ سے وہ مطالبات کیے تھے جو سورۂ سبحٰن

[1] ملخص از تفسیر الطبری: 11,10/6۔ [2] ملخص از تفسیر الطبری: 11/6۔

(بنی اسرائیل) میں اس طرح مذکور ہیں: ﴿ وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ ...... ﴾ الآیات (بنی إسرائیل 17:90-93) ''اور کہنے لگے کہ ہم تو آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ (عجیب وغریب باتیں نہ دکھائیں یا) ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دیں......۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ﴾ ''تو یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں (ان سے) کہتے تھے: ہمیں اللہ کو ظاہر (آنکھوں سے) دکھا دو، سو ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔'' یعنی ان کی سرکشی، بغاوت، ضد اور عناد کی وجہ سے اور سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 2:55,56) ''اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے، پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تم کو از سرِ نو زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ ''پھر ان کے پاس کھلی نشانیاں آ جانے کے باوجود وہ بچھڑے کو (معبود) بنا بیٹھے۔'' یعنی اگرچہ بلادِ مصر میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں وہ کھلی نشانیاں اور زبردست دلائل دیکھ چکے تھے اور یہ مشاہدہ کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن فرعون کو اپنے تمام لشکروں کے ساتھ سمندر میں غرق کر دیا تھا اور انھیں سمندر سے صحیح سلامت پار کر دیا تھا مگر سمندر پار کرنے کے بعد ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان کا جب ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت کرتے تھے تو یہ کہنے لگے: ﴿ اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾ (الأعراف 7:138) ''جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا (مقرر کر) دو۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ [1] میں ان کا بچھڑے کو معبود بنانے کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لیے تشریف لے جانے کے بعد لوٹے تو انھوں نے بچھڑے کو معبود بنانے کا یہ بھیانک جرم دیکھا جس سے توبہ کی اللہ تعالیٰ نے یہ صورت قرار دی کہ جس نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ اس کو قتل کر دے جس نے بچھڑے کی پوجا کی ہے۔ اس طرح انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾ ''تو اس سے بھی ہم نے درگزر کی اور موسیٰ کو صریح غلبہ دیا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ ﴾ ''اور ان سے عہد لینے کے لیے ہم نے ان پر (کوہِ) طور اٹھا کھڑا کیا۔'' اور یہ اس وقت کی بات ہے جب انھوں نے تورات کے احکام کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا تھا

[1] دیکھیے الأعراف، آیات: 148-155 وطٰہٰ، آیات: 85-97 .

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا

پھر (ہم نے ان پر لعنت کی) اس لیے کہ انھوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے اور انھوں نے یہ کہا کہ ہمارے دل

غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿155﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ

پردوں میں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے ہی ﴿155﴾ اور (ہم نے ان پر لعنت کی) ان

عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿156﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

کے کفر کی وجہ سے اور مریم پر بہت بڑا بہتان لگانے کی وجہ سے ﴿156﴾ اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا،

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا وہ

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ﴿157﴾ بَلْ

ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل

رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿158﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ

نہیں کیا ﴿157﴾ بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھا لیا، اور اللہ بڑا زبردست، بہت حکمت والا ہے ﴿158﴾ اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ پر ان

قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿159﴾

کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے، اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہ ہوں گے ﴿159﴾

اور موسیٰ علیہ السلام جس دین و شریعت کو لائے تھے، اس کی حکم عدولی ان سے ظاہر ہو رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو بلند کر دیا اور ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مانو تو انھوں نے ماننا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے مگر حالتِ سجدہ میں بھی اپنے سروں کے اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ ان پر گر نہ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ ...... ﴾ الآية (الأعراف 7:171) ''اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ ایک سائبان تھا اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گرنے ہی والا ہے تو (ہم نے کہا:) جو ہم نے تمھیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو۔'' ﴿ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ ''اور انھیں حکم دیا کہ (شہر کے) دروازے میں (داخل ہونا تو) سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔'' انھیں جس قول و فعل کا حکم دیا گیا تھا، اس کی انھوں نے مخالفت کی۔ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ بیت المُقدّس کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ (البقرة 2:58) کہتے ہوئے داخل ہوں، یعنی اے اللہ! جہاد ترک کرنے اور اس سے اعراض کی صورت میں جو گناہ ہم سے سرزد ہوا اسے معاف فرما دے، تو نے ہمیں وادیٔ تِیہ میں چالیس سال تک ذلیل کیا، چنانچہ یہ اپنی سرینوں کے بل حِنْطَةٌ فِي شَعَرَةٍ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔[1]

[1] دیکھیے البقرة، آیات:58,59.

﴿ وَّ قُلۡنَا لَهُمۡ لَا تَعۡدُوۡا فِي السَّبۡتِ ﴾ ''اور یہ بھی حکم دیا کہ ہفتے کے دن (مچھلیاں پکڑنے) میں تجاوز (حکم کے خلاف) نہ کرنا۔'' یعنی ہم نے انھیں صریح حکم کیا کہ ہفتے کے دن کی حفاظت کرنا اور اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا ہے، اس کی حرمت پامال نہ کرنا، جب تک اس کا حکم برقرار رہے۔ ﴿ وَ اَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴾ ''اور (غرض) ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔'' غلیظ کے معنی پختہ اور مضبوط کے ہیں مگر انھوں نے اس پختہ عہد کی مخالفت کی، نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ نے جو حرام کیا اس کے ارتکاب کے لیے حیلہ سازی سے کام لیا جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت مبارکہ: ﴿ وَسۡـَٔلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِيۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ ﴾ (الأعراف 163:7) کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

تفسیر آیات:155-159

یہودیوں کے جرائم: یہ ان گناہوں کا ذکر ہے جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا اور انھی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کو واجب قرار دے کر انھیں ہدایت سے محروم کر دیا۔ انھوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا۔ آیات سے مراد دلائل و براہین اور وہ معجزات ہیں جن کا انھوں نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں مشاہدہ کیا تھا۔ ﴿ وَقَتۡلِهِمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ﴾ ''اور ان کے انبیاء کو ناحق مار ڈالنے کی وجہ سے۔''

ان کے جرائم کی کثرت اور انبیاء کے بارے میں جرأت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک بہت بڑی جماعت کو شہید کر دیا تھا۔ ﴿ وَّقَوۡلِهِمۡ قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ﴾ ''اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سُدِّی، قتادہ رحمہم اللہ اور کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ غُلۡفٌ ﴾ کے معنی پردے کے ہیں۔[1] یہ ایسے ہی ہے جیسے مشرکوں نے یہ کہا تھا: ﴿ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِيۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 5:41) ''اور انھوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو اس سے پردے میں ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ ﴾ ''بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی۔'' گویا انھوں نے عذر یہ پیش کیا کہ ان کے دل اسے یاد نہیں رکھ سکتے جو وہ کہتا ہے کیونکہ وہ پردے میں ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔[2] ﴿ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴾ ''تو (یہ) کم ہی ایمان لاتے ہیں۔'' یعنی ان کے دل کفر، سرکشی اور قلتِ ایمان کے عادی ہو چکے ہیں۔

حضرت مریم پر بہتان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ﴾ ''اور ان کے کفر کے سبب اور مریم (علیہا السلام) پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت مریم پر بدکاری کا الزام لگایا تھا۔[3] سُدِّی، جُوَیبِر، محمد بن

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1108/4. [2] دیکھیے البقرة، آیت: 7. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1109/4.

اسحاق اور دیگر کئی اہل علم نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[1] اس آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت مریم اور ان کے بیٹے پر بڑے بڑے بہتان باندھے۔ حضرت مریم پر یہ بہتان باندھا کہ انھوں نے زنا کیا اور اسی زنا کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، بعض یہودیوں نے تو حد کر دی اور کہا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے زنا بھی حیض کی حالت میں کیا۔ اللہ تعالیٰ ان یہود مردود پر قیامت تک مسلسل لعنت برسائے۔

﴿ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ ''اور ان کے یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر تھے قتل کر دیا۔'' یعنی یہ شخص جو اپنے لیے اس مَنصبِ رسالت کا مدعی تھا، ہم نے اسے قتل کر دیا ہے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''رسول اللہ'' حقارت اور مذاق کے طور پر کہتے تھے جیسا کہ مشرکوں نے کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ ﴾ (الحجر 6:15) ''اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا! یقیناً تو تو کوئی دیوانہ ہے۔'' یہودیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی لعنت، ناراضی اور غضب وعتاب میں مبتلا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جب عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلائل اور ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو انھوں نے نبوت اور آپ کے زبردست معجزات کی وجہ سے آپ سے حسد کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معجزات عطا فرمائے کہ آپ مادرزاد اندھے اور برص وجذام کے مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے، مٹی سے پرندے کی شکل بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا اور اسے اڑتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا۔[2] علاوہ ازیں اور بھی کئی معجزات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا اور جن کا آپ کے ہاتھوں ظہور ہوا تھا لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہودیوں نے آپ کی تکذیب اور مخالفت کی اور ہر ممکن طریقے سے آپ کو ایذا پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ مل کر کسی ایک شہر میں سکونت اختیار نہیں کر سکتے تھے بلکہ آپ اپنی والدہ کے ہمراہ اکثر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے مگر یہودی اس کے باوجود خاموش نہ رہے اور انھوں نے اس وقت کے دِمَشق کے بادشاہ کے پاس آپ کی شکایت کی جو کہ مشرک اور ستارہ پرست تھا اور اس کی قوم کے لوگوں کو یونان کہا جاتا تھا۔

یہودیوں نے اس بادشاہ کے پاس آپ علیہ السلام کی شکایت کرتے ہوئے کہا: بیت المَقدِس میں ایک ایسا شخص ہے جو لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر کے گمراہ کر رہا ہے اور بادشاہ کی رعایا کو خراب کر رہا ہے۔ بادشاہ یہ بات سن کر سخت ناراض ہوا اور اس نے بیت المقدس میں اپنے نائب کو لکھا کہ اس شخص کو گرفتار کر کے پھانسی پر چڑھا دے اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دے اور لوگوں کو اس کی ایذا رسانی سے محفوظ کر دے۔ جب بیت المقدس کے نگران کو بادشاہ کا یہ خط ملا تو اس نے حکم کی اس طرح تعمیل کی کہ وہ یہودیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ اس گھر میں گیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ سکونت پذیر تھے۔ آپ کے ان اصحاب کی تعداد بارہ یا تیرہ یا سترہ بیان کی جاتی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1109/4. [2] عیسیٰ ابن مریم کے معجزات کی تفصیل دیکھیے آل عمران 49:3 و المآئدۃ 110:5.

یہ جمعے کا دن، عصر کے بعد کا وقت تھا اور آنے والی رات ہفتے کی رات تھی۔ یہودیوں نے اس گھر کا محاصرہ کر لیا۔ آپ نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ لوگ یقیناً اب اس گھر کے اندر داخل ہو جائیں گے یا مجھے باہر نکلنا پڑے گا تو آپ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا کہ تم میں سے کوئی ہے جس کی مجھ سے مشابہت پیدا کر دی جائے تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا؟ اس کے لیے ایک نوجوان اٹھا مگر آپ نے محسوس فرمایا کہ وہ کم عمر ہے۔ اس لیے آپ نے یہ بات دو تین بار دہرائی مگر ہر دفعہ وہی نوجوان اٹھا تو آپ نے فرمایا: ہاں! تم ہی اس لائق ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت ڈال دی جس کی وجہ سے وہ بالکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا، پھر اس مکان کی چھت میں ایک روشن دان کھول دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ طاری کر کے آپ کو آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (آل عمران 3:55) ”جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے پورا لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو آپ کے ساتھی اس مکان سے باہر نکل گئے۔ یہودیوں نے جب اس نوجوان کو دیکھا جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ بنا دیا گیا تھا تو انھوں نے سمجھا کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں، چنانچہ انھوں نے رات کے وقت انھیں پکڑ کر پھانسی چڑھا دیا اور سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ یہودیوں نے اظہار کیا کہ انھوں نے آپ کے پھانسی دیے جانے کے بارے میں کوشش کی ہے اور اس پر انھوں نے بڑا فخر بھی کیا۔

جہالت اور عقل کی کمی کی وجہ سے بعض عیسائیوں نے بھی یہودیوں کی اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا تھا، البتہ ان لوگوں نے اسے صحیح تسلیم نہیں کیا تھا جو اس وقت اس گھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے کیونکہ انھوں نے تو آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ باقی عیسائیوں کا وہی خیال تھا جو یہودیوں کا خیال تھا کہ جن کو پھانسی دی گئی ہے، وہ حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام ہی ہیں حتی کہ انھوں نے ذکر کیا ہے کہ ان کی پھانسی پر لٹکتی ہوئی لاش کے نیچے بیٹھ کر حضرت مریم علیہا السلام روئی بھی تھیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس مصلوب شخص نے اس وقت حضرت مریم علیہا السلام سے بات بھی کی تھی۔[1] واللہ أعلم. یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کا امتحان تھا اور اس میں بڑی حکمت بھی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو بالکل واضح، روشن اور اس قرآن عظیم میں ظاہر کر دیا ہے جسے اس نے اپنے اس رسول کریم پر نازل فرمایا ہے جنھیں اس نے روشن معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ مؤید فرمایا ہے۔ اللہ رب العالمین جو اصدق القائلین ہے، تمام مخفی باتوں اور دلوں کی دھڑکنوں سے آگاہ ہے، آسمانوں اور زمین کی تمام مخفی چیزوں کو جانتا ہے اور ان سب باتوں کو جانتا ہے جو ہوئی ہیں یا ہوں گی یا نہیں ہوئیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ ہوتیں تو کس طرح ہوتیں؟ بہر حال اس ذات گرامی نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾ ”اور انھوں نے نہ انھیں (عیسیٰ کو) قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔“ یعنی انھوں نے ان کی سی صورت دیکھ کر اسے عیسیٰ ہی سمجھ لیا۔

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے الدرالمنثور و تفسیر الطبری، اسی آیت کے ذیل میں۔ اور البدایة والنهایة، رفع عیسٰی علیہ السلام: 84/2 .

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ﴾ ''اور یقیناً جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروئ ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں۔'' ان سے مراد یہودیوں میں سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کے قتل کا دعویٰ کیا تھا اور عیسائیوں میں سے وہ جاہل لوگ مراد ہیں جنھوں نے یہودیوں کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کر لیا تھا۔ یہ سب لوگ شک، حیرت، گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿157﴾ ﴾ ''اور انھوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔'' یعنی جسے انھوں نے قتل کیا اس کے بارے میں انھیں یقین نہیں تھا کہ وہ عیسیٰ ہیں بلکہ یہ شک اور وہم میں مبتلا تھے۔

﴿ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿158﴾ ﴾ ''بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اس قدر عالی جناب ہے کہ اس کی جناب کا برے ارادے سے قصد نہیں کیا جا سکتا اور جو اس کے دروازے پر آ کر پناہ لے لے اس کا کچھ بگاڑا نہیں جا سکتا۔ اور وہ جن امور کو پیدا فرماتا ہے، ان میں وہ حکمت والا ہے اور اس کی حکمت عظیم الشان، اس کی دلیل قاطع، اس کی سلطنت زبردست اور اس کا امر قدیم ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے آپ ان کے پاس گھر کے چشمے سے (غسل کر کے) آئے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ مجھ پر ایک بار ایمان لائے ہیں تو بارہ بار کفر بھی کریں گے، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی صورت میری صورت جیسی ہو جائے اور میری جگہ قتل کیا جائے، پھر وہ جنت میں میرے ساتھ میرے درجے میں ہو؟ ایک نوجوان کھڑا ہوا جوان سب میں سے کم عمر تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ، آپ نے اس بات کو دوہرایا تو بھی وہی نوجوان کھڑا ہوا، آپ نے پھر اس سے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ آپ نے اپنی اس بات کو ایک بار پھر دوہرایا[1] تو وہی نوجوان کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اس کام کے لیے میں تیار ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تم ہی یہ کام کر سکتے ہو، چنانچہ اس کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی بنا دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے روشن دان سے آسمان پر اٹھا لیا گیا، یہودی آپ کی تلاش میں نکلے تو انھوں نے اس نوجوان کو پکڑ کر قتل کر دیا، پھر سولی پر چڑھا دیا، چنانچہ ان میں سے واقعی بعض لوگ جو آپ پر ایمان لائے تھے تو انھوں نے بارہ بار آپ کے ساتھ کفر کیا اور وہ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

ان میں سے ایک فرقے نے کہا کہ اللہ ہم میں اس وقت تک رہا جب تک اس نے چاہا، پھر وہ آسمان پر چڑھ گیا، یہ فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے۔ دوسرے فرقے نے کہا کہ اللہ کے بیٹے نے جب تک چاہا ہم میں قیام کیا، پھر اللہ نے اسے اپنے پاس اٹھا

[1] تفسیر ابن ابوحاتم میں تیسری بار دوہرانے کا ذکر نہیں ہے جبکہ تیسری مرتبہ کا ذکر الدر المنثور: 423/2 اور السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب سورۃ الصف: 489/6، حدیث: 11591 میں ہے۔

لیا، یہ فرقہ نسطوریہ کہلاتا ہے اور تیسرے فرقے نے کہا کہ جب تک اللہ نے چاہا اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہم میں رہا، پھر اسے اللہ نے اپنے پاس اٹھا لیا، یہ لوگ مسلمان کہلائے۔ مذکورہ دونوں کافر فرقے اس تیسرے مسلمان فرقے پر غالب آ گئے اور اسے قتل کر دیا۔ اسلام مٹتا جارہا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام نسائی نے بھی اس کو بروایت ابوکُریب (محمد بن العلاء) بواسطہ ابومعاویہ اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ائمہ سلف میں سے بھی کئی ایک نے اسی طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کون ہے جس کی صورت میری صورت جیسی بنا دی جائے، پھر اسے میری جگہ قتل کیا جائے اور اس کے صلہ میں وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا؟[3]

ہر اہل کتاب آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا﴾ ''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔'' امام ابن جریر نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی موت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے گا۔[4] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[5]

ابومالک نے ﴿اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت اہل کتاب ایمان لے آئیں گے حتی کہ ہر اہل کتاب آپ کی موت سے پہلے آپ پر لازمی طور پر ایمان لے آئے گا۔[6]

قیامت سے قبل عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کے اللہ کی طرف دعوت دینے کے بارے میں احادیث مبارکہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، جسے شرفِ قبولیت حاصل ہے، کی کتاب ذکر الأنبیاء کے باب نزول عیسی ابن مریم علیہما السلام میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ ! لَیُوشِکَنَّ أَنْ یَّنزِلَ فِیکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا ، فَیَکْسِرَ الصَّلِیبَ ، وَیَقْتُلَ الْخِنزِیرَ ، وَیَضَعَ الْجِزْیَۃَ ، وَیَفِیضَ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ أَحَدٌ، حَتّٰی تَکُونَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیھَا] ''اس ذاتِ گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ تم میں عیسیٰ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیے کو ختم کر دیں گے اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا حتی کہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1110/4۔ [2] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، سورۃ الصف:489/6۔ [3] تفسیر الطبری: 19/6 وتفسیر ابن أبی حاتم:1110/4۔ [4] تفسیر الطبری:25/6۔ [5] تفسیر الطبری:26/6۔ [6] تفسیر الطبری: 25/6۔

ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴾ ''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔''① اسی طرح اس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔② اور فرمانِ الٰہی: ﴿ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيُهِلَّنَّ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ بِالْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوْ لَيُثَنِّيَنَّهُمَا جَمِيعًا] ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام فَجُّ الرَّوْحَاء نامی جگہ سے حج یا عمرے یا دونوں کا اکٹھا ہی تلبیہ پکاریں گے۔''③ اسی طرح اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔④

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيُمْحِي الصَّلِيبَ وَتُجْمَعُ لَهُ الصَّلَاةُ وَيُعْطَى الْمَالُ حَتّٰى لَا يُقْبَلَ وَيَضَعُ الْخَرَاجَ وَيَنْزِلُ الرَّوْحَاءَ فَيَحُجُّ مِنْهَا أَوْ يَعْتَمِرُ أَوْ يَجْمَعُهُمَا] ''عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے تو وہ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹا دیں گے، آپ کے لیے نماز کو جمع کیا جائے گا، اور (لوگوں کو) مال سے اس قدر نوازا جائے گا کہ اسے قبول کرنے والا کوئی نہ ہوگا، آپ خراج کو ختم کر دیں گے، مقام رَوْحاء میں نازل ہوں گے اور وہاں سے حج یا عمرے یا دونوں ہی کا احرام باندھیں گے۔'' اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ حنظلہ کا خیال ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہر اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حصہ ہے یا یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمائی تھی۔⑤ اسی طرح امام ابن ابوحاتم نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔⑥

ایک اور روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِّنْكُمْ؟] ''تمھارا کیا حال ہوگا جب تم میں مسیح ابن مریم نازل ہوں گے اور تمھارا امام تمھی میں سے ہوگا؟''⑦ اسی طرح اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔⑧ اور امام مسلم رحمہ اللہ

① صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم، حدیث:3448. ② صحیح مسلم، الإیمان، باب نزول عیسی ابن مریم حاكمًا بشریعة نبینا محمد ﷺ……، حدیث:155. ③ مسند أحمد:513/2. ④ صحیح مسلم، الحج، باب إهلال النبي ﷺ، حدیث:1252 اور یہاں حاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا ہے۔ فَجِّ الروحاء کے متعلق مولانا صفی الرحمن مبارکپوری حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ مقام دراصل روحاء ہے اور فج کشادہ راہ کو کہا جاتا ہے اور یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ کی جانب 73 کلو میٹر پر واقع ہے۔ اور اس سے اگلی روایت سے بھی پتا چلتا ہے کہ اس جگہ کا نام روحاء ہے۔ ⑤ مسند أحمد:290/2. ⑥ تفسیر ابن أبي حاتم:1113/4. ⑦ صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام، حدیث:3449. ⑧ مسند أحمد:272/2.

نے بھی بیان کیا ہے۔[1]

ایک اور روایت: امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اَلْأَنبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ وَّأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ، لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَّإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ: رَجُلٌ مَّرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ، كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَّمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ ، فَيَدُقُّ الصَّلِيبَ ، وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ ، وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ ، وَيَدْعُو النَّاسَ إِلَى الْإِسْلَامِ ، فَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ، وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، وَتَقَعُ الْأَمَنَةُ عَلَى الْأَرْضِ حَتّٰى تَرْتَعَ الْأُسُودُ مَعَ الْإِبِلِ، وَالنِّمَارُ مَعَ الْبَقَرِ ، وَالذِّئَابُ مَعَ الْغَنَمِ، وَيَلْعَبَ الصِّبْيَانُ بِالْحَيَّاتِ لَا تَضُرُّهُمْ ، فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى ، وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ]

''تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں مگر ان کا دین ایک ہے۔ میں عیسیٰ علیہ السلام کا اور لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ قریبی ہوں کیونکہ میرے اور ان کے مابین اور کوئی نبی نہیں ہے۔ اور وہ نازل ہونے والے ہیں۔ جب انھیں دیکھو گے تو تم انھیں اس طرح پہچان لو کہ وہ ایک ایسے شخص ہوں گے جن کا قد درمیانہ، رنگ سرخ سفیدی مائل ہوگا، انھوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے پہن رکھے ہوں گے۔ ان کا سر یوں محسوس ہوگا جیسے اس سے پانی کے قطرے گر رہے ہوں، حالانکہ وہ گیلا نہیں ہوگا، وہ صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا دیگر تمام ملتوں کو ہلاک کر دے گا، اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں مسیح دجال کو بھی ہلاک کر دے گا، پھر زمین اس قدر پرامن ہو جائے گی کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ مل کر چریں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور سانپ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر فوت ہو جائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔''[2] اسی طرح اس کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

ایک اور حدیث: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْزِلَ الرُّومُ بِالْأَعْمَاقِ أَوْ بِدَابِقَ ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِّنَ الْمَدِينَةِ مِنْ خِيَارِ أَهْلِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ ، فَإِذَا تَصَافُّوا ، قَالَتِ الرُّومُ : خَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِينَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ ، فَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ : لَا وَاللّٰهِ !لَا نُخَلِّي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ إِخْوَانِنَا ، فَيُقَاتِلُونَهُمْ ، فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَّا يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ أَبَدًا ، وَّيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ ، وَيَفْتَحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُونَ أَبَدًا ، فَيَفْتَتِحُونَ قُسْطَنْطِينِيَّةَ ، فَبَيْنَمَا هُمْ يَقْتَسِمُونَ

[1] صحيح مسلم ، الإيمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكمًا بشريعة نبينا محمد ﷺ......، حديث:(244)-155. [2] مسند أحمد:406/2. [3] سنن أبي داود ، الملاحم، باب خروج الدجال ، حديث:4324 لیکن اس میں حدیث کا ابتدائی حصہ اور امن وامان کا بول بالا ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ و صحيح ابن حبان:234,233/15 ، حديث:6821 .

الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوا سُيُوفَهُمْ بِالزَّيْتُونِ، إِذْ صَاحَ فِيهِمُ الشَّيْطَانُ: إِنَّ الْمَسِيحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِي أَهْلِيكُمْ، فَيَخْرُجُونَ، وَذٰلِكَ بَاطِلٌ، فَإِذَا جَاءُوا الشَّامَ خَرَجَ، فَبَيْنَا هُمْ يُعِدُّونَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّونَ الصُّفُوفَ ، إِذْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ، فَأَمَّهُمْ ، فَإِذَا رَآهُ عَدُوُّ اللّٰهِ ، ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ ، فَلَوْ تَرَكَهُ لَانْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ ، وَلٰكِنْ يَقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهِ ، فَيُرِيهِمْ دَمَهُ فِي حَرْبَتِهِ]

''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک رومی مقام اَعماق یا دابق[1] میں حملہ آور نہ ہوں گے، ان کے مقابلے کے لیے مدینہ سے ایک ایسا لشکر آئے گا جو اس وقت روئے زمین کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب وہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوں گے تو رومی کہیں گے کہ ہمیں چھوڑ دو تاکہ ہم ان لوگوں سے جنگ کریں جنھوں نے ہمارے آدمیوں کو قیدی بنالیا ہے تو مسلمان جواب دیں گے: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تمھیں اپنے بھائیوں سے جنگ نہیں کرنے دیں گے مگر وہ ان سے لڑائی کریں گے تو ان میں سے ایک تہائی پسپائی اختیار کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا۔ اور ایک تہائی شہید ہوجائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل شہداء ہوں گے اور ایک تہائی فتح یاب ہوجائیں گے اور وہ کبھی بھی فتنے میں مبتلا نہ ہوں گے اور وہ قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے۔

وہ اپنی غنیمتوں کو تقسیم کررہے ہوں گے اور انھوں نے زیتون کے ساتھ اپنی تلواروں کو لٹکا رکھا ہوگا جبکہ شیطان ان میں چیخ کر کہے گا کہ مسیح (دجال) تمھارے پیچھے تمھارے اہل وعیال میں موجود ہے تو سب لوگ واپس جا کر دیکھیں گے مگر یہ بات جھوٹی ہوگی لیکن جب وہ شام آئیں گے تو مسیح (دجال) کا خروج ہو چکا ہوگا، مسلمان لڑائی کے لیے صفوں کو درست کررہے ہوں گے، تب نماز کھڑی ہوگی تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ ان کے امام کو امامت کا کہیں گے جب اللہ کا دشمن (مسیح دجال) آپ کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو وہ پگھل پگھل کر ہی ہلاک ہوجائے مگر اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ کے نیزے پر اس کا خون دکھائے گا۔''[2]

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَتُقَاتِلَنَّ الْيَهُودُ فَلَتَقْتُلُنَّهُمْ، حَتّٰى يَقُولَ الْحَجَرُ : يَا مُسْلِمُ ! هٰذَا يَهُودِيٌّ، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ] ''یہودی تم سے ضرور جنگ کریں گے، چنانچہ تم انھیں یقیناً قتل کردو گے حتی کہ پتھر بھی کہے گا: اے مسلم! یہ یہودی ہے، آ اور اسے قتل کردو۔''[3] صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ،

[1] یہ دونوں شام کے علاقے ہیں جو ترکی اور شام کی سرحد پر حلب سے تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ [2] صحیح مسلم، الفتن، باب فی فتح قسطنطینیة وخروج الدجال......، حدیث:2897. اور دیکھیے مسند أحمد:420/3. [3] صحیح البخاری، المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، حدیث:3593 وصحیح مسلم ، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل......، حدیث:2921 و اللفظ لہ.



دابق، اعماق پر رومی حملہ اور فتح قسطنطنیہ

دابق: قصبہ دابق، حلب کے قریب عزاز (موجودہ اعزاز) کی عملداری میں واقع ہے۔ **اعماق:** یہ حلب اور انطاکیہ کے درمیان ایک علاقے کا نام ہے، اور یہیں جھیل العمق واقع ہے۔

فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ أَوِ الشَّجَرِ ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ : يَا مُسْلِمُ! يَا عَبْدَ اللّٰهِ ! هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ] ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کرلیں گے، مسلمان یہودیوں کو قتل کردیں گے حتی کہ یہودی پتھروں یا درختوں کے پیچھے چھپتے پھریں گے اور حجر یا شجر پکار پکار کر کہیں گے کہ اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے آؤ اور اسے قتل کردو سوائے غرقد کے درخت کے وہ ایسا نہیں کہے گا کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔''[1]

اس حدیث سے مشابہت کے پیش نظر ہم یہاں حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ذکر کرتے ہیں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صبح دجال کا ذکر فرمایا، اور اس کی چھوٹی بڑی تمام باتوں کو بیان فرمایا حتی کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے۔ جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس خوف کو ہمارے چہروں سے معلوم کرلیا اور فرمایا:

[مَا شَأْنُكُمْ ؟ قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ غَدَاةً فَخَفَّضْتَ فِيهِ وَرَفَّعْتَ ، حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ ، فَقَالَ : غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُنِي عَلَيْكُمْ ، إِنْ يَّخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ فَأَنَا حَجِيجُهٗ دُونَكُمْ ، وَإِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهٖ ، وَاللّٰهُ خَلِيفَتِي عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ.

إِنَّهٗ شَابٌّ قَطَطٌ ، عَيْنُهٗ طَافِئَةٌ كَأَنِّي أُشَبِّهُهٗ بِعَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قَطَنٍ ، فَمَنْ أَدْرَكَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ ، إِنَّهٗ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ ، فَعَاثَ يَمِينًا وَّعَاثَ شِمَالًا ، يَّاعِبَادَ اللّٰهِ! فَاثْبُتُوا ، قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا لَبْثُهٗ فِي الْأَرْضِ ؟ قَالَ : أَرْبَعُونَ يَوْمًا ، يَّوْمٌ كَسَنَةٍ ، وَّيَوْمٌ كَشَهْرٍ ، وَّيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ ، وَّسَائِرُ أَيَّامِهٖ كَأَيَّامِكُمْ ، قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَةٍ أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ؟ قَالَ : لَا ، اُقْدُرُوا لَهٗ قَدْرَهٗ، قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا إِسْرَاعُهٗ فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ : كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ، فَيَأْتِي عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوهُمْ فَيُؤْمِنُونَ بِهٖ، وَيَسْتَجِيبُونَ لَهٗ ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ، وَالْأَرْضَ فَتُنْبِتُ ، فَتَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ أَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَّأَسْبَغَهٗ ضُرُوعًا وَّأَمَدَّهٗ خَوَاصِرَ، ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيَرُدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ ، فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُونَ مُمْحِلِينَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ مِّنْ أَمْوَالِهِمْ ، وَيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوزَكِ، فَتَتْبَعُهٗ كُنُوزُهَا كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ، ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا مُّمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِالسَّيْفِ، فَيَقْطَعُهٗ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ، ثُمَّ يَدْعُوهُ ، فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهٗ وَيَضْحَكُ .

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ علیہ السلام فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ ، إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهٗ قَطَرَ ، وَإِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ،

---

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب قتال اليهود، حديث:2926. لیکن یہاں غرقد کا ذکر نہیں ہے۔ وصحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل ...... ، حديث:2922 و لفظه له.

فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَّجِدُ رِيحَ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ ، وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ ، فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلَهُ، ثُمَّ يَأْتِيَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عليه السلام قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُّجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ.

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِلٰى عِيسٰى عليه السلام : إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّي، لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ ، فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ ، وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ ، فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا ، وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ : لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ ، وَّيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ ، حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِّنْ مِّائَةِ دِينَارٍ لِّأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ، ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَّا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ .

ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ :أَنْبِتِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ ، فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ ، وَيَسْتَظِلُّونَ بِقِحْفِهَا ، وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى إِنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْإِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ (وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ) وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ.

فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً ، فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ ، فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّكُلِّ مُسْلِمٍ ، وَّيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ ، فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ]

”کیا بات ہے؟ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے صبح دجال کی بابت وضاحت فرمائی اور اس کی چھوٹی بڑی تمام باتوں کو بیان فرمایا حتی کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے، آپ نے فرمایا: دجال کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تمھارے بارے میں زیادہ خوف ہے۔ اگر دجال نے میری موجودگی میں خروج کیا تو تمھاری طرف سے میں اس پر حجت قائم کرتے ہوئے غالب آ جاؤں گا اور اگر میری عدم موجودگی میں اس نے خروج کیا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرے اور ہر مسلمان کے لیے اللہ میرا خلیفہ ہوگا۔

بے شک دجال ایک گھنگریالے بالوں والا نوجوان ہوگا۔ اس کی ایک آنکھ پھولی ہوئی ہوگی، گویا میں اسے عبدالعزّٰی بن قطن کے ساتھ مشابہت دینا چاہوں گا۔ تم میں سے جو شخص اسے پا لے تو وہ اس پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ کر دم کرے۔ وہ شام اور عراق کے درمیان ایک راستے پر نکلے گا اور دائیں بائیں فساد برپا کردے گا لیکن تمھیں اے بندگانِ الٰہی!

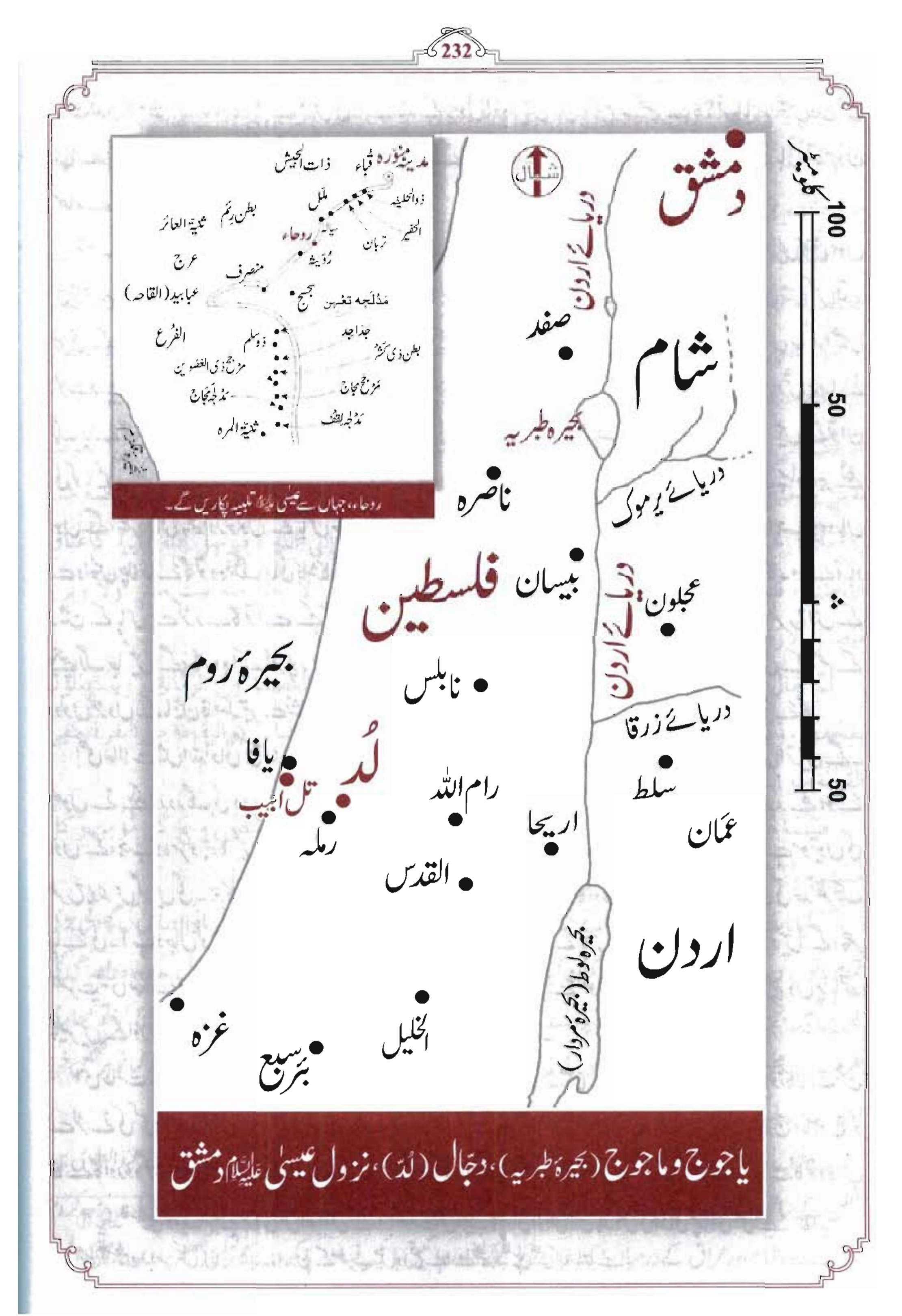
ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کتنا عرصہ ٹھہرے گا؟ فرمایا: چالیس دن جن میں سے ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک جمعے (7 دن) کے برابر اور باقی تمام دن تمھارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ دن جو سال کے برابر ہوگا، کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا: نہیں، بلکہ اس وقت نماز کے اوقات کا اندازہ لگا لینا۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ زمین میں کس قدر تیزی کے ساتھ گھومے گا؟ فرمایا: اس بارش کے مانند جسے پیچھے سے تیز ہوا دھکیل رہی ہو۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس جا کر انھیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے۔ وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسانے لگ جائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اگانے لگ جائے گی، لوگوں کے چوپائے جب شام کو ان کے پاس آئیں گے تو ان کی کوہانیں پہلے کی نسبت زیادہ لمبی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ سے بہت زیادہ بھرے ہوں گے اور ان کے پہلو باہر نکلے ہوں گے، پھر دجال کچھ اور لوگوں کے پاس جا کر انھیں بھی دعوت دے گا تو وہ اس کی دعوت کو ٹھکرا دیں گے، لہٰذا جب وہ وہاں سے واپس چلا جائے گا تو وہ خشک سالی کا شکار ہو جائیں گے حتی کہ ان کے ہاتھ میں کوئی مال و دولت باقی نہ بچے گا۔ وہ بے آباد زمین کے پاس سے گزرے گا تو اسے کہے گا کہ تو اپنے خزانے باہر نکال دے تو اس کے خزانے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جائیں گے، پھر وہ ایک بھرپور جوانی کے مالک کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر دولخت کر دے گا۔ اس کے جسم کے دونوں ٹکڑوں کے مابین فاصلہ تیر سے نشانہ تک جتنا ہوگا، پھر وہ اسے بلائے گا تو وہ اس کی طرف ہنستا مسکراتا ہوا آئے گا۔

انھی حالات میں اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو مبعوث فرما دے گا وہ دِمَشق کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس اتریں گے۔ انھوں نے ہلکے زرد رنگ کی دو چادریں زیبِ تن کر رکھی ہوں گی اور دو فرشتوں کے پروں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے، جب وہ سر کو جھکائیں گے تب اس سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر کو اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں کی طرح بوندیں گریں گی۔ جو کافر بھی آپ کی سانس کی ہوا کو پائے گا، وہ مر جائے گا اور ان کی سانس کی ہوا، ان کی حد نظر تک جائے گی۔ آپ دجال کو تلاش کریں گے حتی کہ اسے لُدّ شہر [1] کے دروازے کے پاس پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے شر سے محفوظ رکھا ہوگا۔ آپ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور انھیں جنت میں ان کے درجات کے بارے میں بتائیں گے۔

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائے گا کہ میں نے اب اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن سے لڑنے کی کسی کو تاب نہیں ہے، لہٰذا میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر محفوظ کر لو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو نکالے گا اور وہ گویا اونچی جگہوں سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، ان کا پہلا دستہ بُحَیرۂ طَبَرِیہ [2] کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس

[1] یہ لُد فلسطین کا ایک شہر ہے جو آج کل اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب کا ہوائی اڈا ہی نہیں بلکہ اس کی فضائی چھاؤنی بھی ہے۔ [2] یہ شمالی فلسطین (اسرائیل) میں دریائے اردن کے مغرب میں واقع ہے اسے بُحَیرۂ گلیلی بھی کہا جاتا ہے۔



دمشق
شام
فلسطین
اردن
بحیرۂ روم
دریائے اردن
بحیرہ طبریہ
دریائے یرموک
دریائے زرقا
صفد
ناصرہ
بیسان
عجلون
نابلس
لُد
یافا
تل ابیب
رملہ
رام اللہ
اریحا
سلط
عمان
القدس
بحیرہ لوط (بحیرۂ مردار)
الخلیل
غزہ
بئر سبع
شمال
کلومیٹر
100
50
50
مدینہ منورہ
قباء
ذات الجیش
ذوالحلیفہ
ملل
الخفیر
تربان
روحاء
رویثہ
بطن ریم
ثنیۃ العائر
عرج
منصرف
عبابید (القاحہ)
جحیح
مدلجہ تعہن
الفرع
ذو سلم
جداجد
مرجح ذی الغضوین
مدلجہ مجاج
مرجح مجاج
ثنیۃ المرہ
مدلجہ لقف
روحاء، جہاں سے عیسیٰ علیہ السلام تلبیہ پکاریں گے۔
یاجوج وماجوج (بحیرۂ طبریہ)، دجال (لُد)، نزول عیسیٰ علیہ السلام دمشق

میں موجود سارا پانی پی لے گا اور جب ان کا آخری دستہ گزرے گا تو وہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوتا تھا۔ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء محصور ہو جائیں گے حتی کہ (تنگی معیشت کے سبب) بیل کا سر ان کے نزدیک تمھارے آج کے سو دینار سے بہتر ہوگا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا داخل فرما دے گا اور وہ سب کے سب اس طرح مر جائیں گے جیسے کوئی ایک شخص مرتا ہے، پھر اس کے بعد اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے رفقاء پہاڑ سے اتر کر میدانی علاقے میں آجائیں گے اور وہ زمین میں ایک بالشت کے برابر جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے کیونکہ ساری زمین ان کی چربی اور بدبو سے بھری ہوئی ہوگی، پھر اللہ کے نبی عیسیٰ اور آپ کے رفقاء اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیج دے گا جو خراسانی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے تو وہ انھیں اٹھا کر وہاں پھینک دیں گے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ ایسی موسلا دھار بارش برسائے گا جو ہر ہر گھر پر برسے گی، خواہ وہ اینٹوں کا بنا ہو یا خیمے کی صورت میں ہو، اس سے اللہ تعالیٰ زمین کو دھو کر آئینے کے مانند شفاف بنا دے گا۔

پھر زمین سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے پھل اگائے اور اپنی برکت کو واپس لے آئے تو اس برکت کی وجہ سے اتنے بڑے بڑے انار پیدا ہوں گے کہ پوری ایک جماعت کے لیے ایک انار کافی ہوگا اور وہ اس کے چھلکے کے سائے میں آرام کر سکیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ دودھ میں بھی اتنی برکت پیدا فرما دے گا کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگا۔ گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لیے اور ایک بکری کا دودھ ایک کنبے کے لیے کافی ہوگا۔

اس حالت میں اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا، جو ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی اور ہر ہر مومن اور مسلم کی روح کو قبض کر لے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی طرح کھلم کھلا جنسی عمل کریں گے اور انھی بدترین قسم کے لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔"[1] اس روایت کو امام احمد اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اس حدیث کو ہم امام احمد ہی کی سند سے سورۂ انبیاء کی آیت: ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ﴾ (الأنبيآء 21:96) کی تفسیر میں بھی بیان کریں گے۔

ہمارے اس زمانے، یعنی 741ھ میں جامع مسجد اموی کا تراشیدہ پتھروں سے ایک سفید مینار تعمیر کیا گیا ہے اور یہ اس قدیم مینار کے عوض تعمیر کیا گیا ہے جو ملعون عیسائیوں کی طرف منسوب آگ سے منہدم ہو گیا تھا،[3] اور اس منار کی (دوبارہ) تعمیر کا اکثر خرچ انھی کے مالوں سے تھا۔ اور ظنِ غالب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی مینار پر اتریں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے (کہ وہ منارہ دمشق کی مشرقی جانب ہوگا۔)

---

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب ذكر الدجّال، حديث:2937 . [2] مسند أحمد:181/4 وسنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حديث:4321 مختصرًا جدًا. وجامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال، حديث: 2240 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب ما يجير من الدجال:235/6، حديث:10783 مختصرًا . وسنن ابن ماجه ، الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسى ابن مريم وخروج يأجوج ومأجوج، حديث:4075 . [3] تفصیل کے لیے دیکھیے البداية والنهاية، ثم دخلت سنة أربعين وسبع مائة:198,197/14.

ایک اور حدیث: اس حدیث کو بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود ثقفی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا، جب ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یہ کیا حدیث ہے جو تم بیان کرتے ہو کہ قیامت فلاں فلاں وقت قائم ہوگی؟ انھوں نے سُبْحَانَ اللّٰہِ یا لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ یا اس طرح کا کوئی کلمہ کہا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ کسی سے کچھ بھی بیان نہیں کروں گا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تھوڑے عرصے بعد تم ایک بہت بڑا سانحہ دیکھو گے اور وہ یہ کہ بیت اللہ جل جائے گا اور یہ یہ واقعات پیش آئیں گے، پھر انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

[یَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَیَمْکُثُ أَرْبَعِینَ،لَا أَدْرِي أَرْبَعِینَ یَوْمًا أَوْ أَرْبَعِینَ شَھْرًا أَوْ أَرْبَعِینَ عَامًا ، فَیَبْعَثُ اللّٰہُ عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ کَأَنَّہُ عُرْوَۃُ ابْنُ مَسْعُودٍ ، فَیَطْلُبُہُ فَیُھْلِکُہُ ، ثُمَّ یَمْکُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِینَ لَیْسَ بَیْنَ اثْنَیْنِ عَدَاوَۃٌ ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ رِیحًا بَارِدَۃً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ ، فَلَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ خَیْرٍ أَوْ إِیمَانٍ إِلَّا قَبَضَتْہُ ، حَتّٰی لَوْ أَنَّ أَحَدَکُمْ دَخَلَ فِي کَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْہُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَقْبِضَہُ.

قَالَ : سَمِعْتُھَا مِنْ رَّسُولِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: فَیَبْقٰی شِرَارُ النَّاسِ فِي خِفَّۃِ الطَّیْرِ وَأَحْلَامِ السِّبَاعِ ، لَا یَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا، وَّلَا یُنْکِرُونَ مُنْکَرًا ، فَیَتَمَثَّلُ لَھُمُ الشَّیْطَانُ فَیَقُولُ : أَلَا تَسْتَجِیبُونَ ؟ فَیَقُولُونَ : فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَیَأْمُرُھُمْ بِعِبَادَۃِ الْأَوْثَانِ ، وَھُمْ فِي ذٰلِكَ دَارٌّ رِّزْقُھُمْ ، حَسَنٌ عَیْشُھُمْ ، ثُمَّ یُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَلَا یَسْمَعُہُ أَحَدٌ إِلَّا أَصْغٰی لِیتًا وَّرَفَعَ لِیتًا ، قَالَ: وَأَوَّلُ مَنْ یَّسْمَعُہُ رَجُلٌ یَّلُوطُ حَوْضَ إِبِلِہٖ، قَالَ: فَیَصْعَقُ وَیَصْعَقُ النَّاسُ، ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ ۔ أَوْ قَالَ : یُنْزِلُ اللّٰہُ ۔ مَطَرًا کَأَنَّہُ الطَّلُّ أَوِ الظِّلُّ ۔ نُعْمَانُ الشَّاكُّ ۔ فَتَنْبُتُ مِنْہُ أَجْسَادُ النَّاسِ، ثُمَّ یُنْفَخُ ﴿ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ﴾ (الزمر 68:39) ثُمَّ یُقَالُ: یَاأَیُّھَاالنَّاسُ! ھَلُمُّوا إِلٰی رَبِّکُمْ ﴿ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ﴾ (الصّٰفّٰت 24:37) قَالَ : ثُمَّ یُقَالُ: أَخْرِجُوا بَعْثَ النَّارِ ، فَیُقَالُ : مِنْ کَمْ ؟ فَیُقَالُ: مِنْ کُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَۃٍ وَّتِسْعَۃً وَّتِسْعِینَ ، قَالَ: فَذٰلِكَ یَوْمَ ﴿ یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا﴾ (المزّمّل 17:73) وَذٰلِكَ ﴿ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ (القلم 42:68)]

''میری امت میں سے دجال نکلے گا جو چالیس۔ معلوم نہیں آپ نے دن یا مہینے یا سال فرمایا۔[1] تک رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم کو مبعوث فرما دے گا، ان کی شکل وصورت گویا عروہ بن مسعود جیسی ہوگی۔ حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کر کے ہلاک کر دیں گے، پھر لوگ سات سال اس طرح پُرامن گزاریں گے کہ کوئی سے دو انسانوں میں بھی دشمنی نہ ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جس سے روئے زمین کا ہر وہ شخص فوت ہو جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خیر یا

[1] حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وضاحت گزری ہے کہ اس سے مراد چالیس دن ہیں جو ہمارے موجودہ دنوں کے مطابق تقریباً 424 دن بنتے ہیں۔

ایمان ہوگا حتی کہ اگر کوئی شخص پہاڑ کے اندر بھی گھسا ہوا ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچ کر اس کی روح کو قبض کر لے گی۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ شرّ وفساد میں پرندوں کی طرح آگے بڑھنے والے اور ظلم وزیادتی میں درندوں جیسے بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھیں گے۔ شیطان ان کے پاس انسانی شکل وصورت میں آئے گا اور کہے گا کہ تم میری بات کیوں نہیں مانتے ہو؟ وہ پوچھیں گے کیا حکم ہے؟ تو شیطان انھیں بتوں کی عبادت کا حکم دے گا۔ اس کے باوجود ان کے پاس رزق کی فراوانی ہوگی اور ان کی زندگی بھی مزے کی ہوگی، پھر صور میں پھونکا جائے گا اور جو شخص بھی اس کی آواز کو سنے گا، وہ گردن کا ایک پہلو جھکا دے گا اور دوسرا اٹھا لے گا۔[1] سب سے پہلے اس آواز کو سننے والا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹوں کے حوض کو مٹی کا لیپ کر رہا ہوگا وہ یہ آواز سن کر بے ہوش ہو جائے گا اور دیگر لوگ بھی بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا- یا فرمایا: نازل فرمائے گا- جو شبنم یا سائے جیسی ہوگی۔ نعمان راوی کو شک ہے کہ یہاں آپ نے الطَّلّ یعنی شبنم کا لفظ استعمال فرمایا یا الظِّلّ یعنی سائے کا۔[2] اس سے لوگوں کے جسم اگ آئیں گے، پھر دوبارہ صور میں پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ کہا جائے گا کہ اے لوگو! تم سب اپنے رب کی طرف چلو: اور انھیں ٹھہراؤ (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں، پھر کہا جائے گا کہ آگ کا حصہ نکالو تو پوچھا جائے گا کہ کتنا حصہ؟ تو جواب دیا جائے گا کہ ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ نیز یہ وہ دن ہوگا جس دن پنڈلی کھولی جائے گی۔''[3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ: عبدالرحمٰن بن آدم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ [فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ: رَجُلٌ مَّرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، عَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَصَّرَانِ، كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ وَإِنْ لَّمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ] ''جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لو کہ وہ ایک درمیانے قد کے شخص ہیں جن کا رنگ سرخ سفیدی مائل ہے، انھوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے زیب تن فرما رکھے ہوں گے، ان کے سر کو خواہ پانی نہ بھی لگا ہو مگر وہ یوں معلوم ہوگا گویا اس سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں۔''[4]

اور حضرت نوّاس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی قبل ازیں بیان ہو چکا ہے: [فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ، إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ، وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ، فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَّجِدُ رِيحَ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ، وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ] ''آپ دمشق

---

[1] دہشت اور ہولناکی کی وجہ سے بے ہوش ہو جائے گا جیسا کہ السنن الکبرٰی للنسائی میں [أصغی لیتا ورفع لیتًا] کی جگہ [فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا صُعِقَ] کے الفاظ ہیں۔ دیکھیے:6/501، حدیث:11629. [2] الطَّلّ ہی راجح ہے، شرح النووي: حديث: 2940 کے ضمن میں۔ [3] صحيح مسلم، الفتن، باب في خروج الدجال ومكثه في الأرض، ونزول عيسى وقتله إياه ......، حديث:2940 ومسند أحمد:2/166. [4] مسند أحمد:2/406 وسنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حديث:4324.

کی مشرقی جانب سفید مینار کے پاس ہلکے زرد رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے نازل ہوں گے۔ جب آپ سر جھکائیں گے تو اس سے پانی کے قطرے گریں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو اس سے موتیوں جیسی بوندیں گریں گی۔ آپ کی سانس کی ہوا محسوس کرنے کے بعد ہر کافر فوراً مر جائے گا اور آپ کی سانس کی ہوا آپ کی حد نظر تک جائے گی۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسٰى ، قَالَ:فَنَعَتَهٗ۔ فَإِذَا رَجُلٌ ۔حَسِبْتُهٗ قَالَ۔: مُضْطَرِبٌ ، رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، قَالَ: وَلَقِيتُ عِيسٰى ۔ فَنَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ، يَعْنِي الْحَمَّامَ، ورَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهٖ بِهٖ] ''شب معراج موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا: عبدالرزاق بن ہمّام جو راوی ہیں کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ معمر نے یہ کہا تھا: دراز قد درمیانے جسم اور معمولی خم دار بالوں والے گویا وہ شَنُوءَۃ (یمن کے ایک قبیلے) کے باشندوں میں سے ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی تو ان کا حلیہ آپ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا: کہ ان کا قد درمیانہ اور رنگ سرخ ہے اور دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا ابھی ابھی حمام سے باہر نکلے ہوں۔ اور آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا اور میں آپ کی ساری اولاد میں سے آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے مجاہد کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَيْتُ عِيسٰى وَمُوسٰى وَإِبْرَاهِيمَ ، فَأَمَّا عِيسٰى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ، وَأَمَّا مُوسٰى فَآدَمُ جَسِيمٌ سَبْطٌ كَأَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ الزُّطِّ] ''میں نے حضرت عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں اور چوڑے سینے والے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ، دراز قد والے اور سیدھے بالوں والے تھے،[3] گویا آپ زطّ[4] قبیلے کے لوگوں میں سے ہوں۔''[5]

---

① صحيح مسلم ، الفتن، باب ذكر الدجال، حديث:2937 . ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ...... ﴾ (مريم19:16)، حديث:3437 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ إلى السمٰوات وفرض الصلوات، حديث:168 . ③ جسیم کا معنی طویل القامت اس لیے کیا گیا ہے کہ گذشتہ حدیث میں مُضْطَرِبٌ اور ایک روایت میں ضَرْبٌ ہے جس کا اطلاق دبلے پتلے شخص پر ہوتا ہے، لہٰذا یہاں جسیم سے مراد دراز قد ہے۔ اور اس حدیث میں سبط ''سیدھے بالوں والے'' کا ذکر ہے جبکہ اس سے پہلے حوالے میں رجل الرأس کے الفاظ ہیں۔ جو بال بالکل معمولی خم دار ہوں ان پر سیدھے بالوں کا اطلاق ممکن ہے۔ (فتح الباری) ④ الزط یہ قبیلہ یا تو ہند کے قبائل میں سے ہے جیسا کہ صاحب عون الباری نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دراصل ''جٹ'' کا معرّب ہے جنھیں ''جاٹ'' بھی کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں دراز قد، جسامت اور طاقت میں مشہور ہیں یا پھر یہ سوڈانیوں کا قبیلہ ہے۔ دیکھیے فتح الباری وإرشاد الساري وغیرہ۔ ⑤ صحيح البخاري ، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا ﴾ (مريم19:16) حديث:3438 . یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بجائے مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں میں مسیح دجال کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:[إِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا إِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى ، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ] ''بے شک اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں ہے جبکہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا اور اس کی آنکھ منقّٰی کی طرح ابھری ہوئی ہوگی۔''، صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے:[1]

[أَرَانِي اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا تَرٰى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ ، تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَّاضِعًا يَّدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ ، وَهُوَ بَيْنَهُمَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالُوا : هٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، وَرَأَيْتُ وَرَاءَهُ رَجُلًا جَعْدًا قَطَطًا ، أَعْوَرَ عَيْنِ الْيُمْنٰى ، كَأَشْبَهِ مَنْ رَّأَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ ، وَّاضِعًا يَّدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ، يَطُوفُ بِالْبَيْتِ ، فَقُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ]

''(اللہ تعالیٰ) نے مجھے رات خواب میں کعبے کے پاس دکھایا کہ ایک شخص نہایت خوبصورت گندمی رنگ کا ہے جس کے بال دونوں کندھوں کے درمیان تک ہیں اور بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے سر سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ دو آدمیوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام ہیں، پھر میں نے آپ کے پیچھے ایک اور شخص کو دیکھا کہ جس کے بال گھنگریالے اور چھوٹے چھوٹے ہیں، جو دائیں آنکھ سے کانا اور میرے مشاہدے میں ابن قطن سے بے حد مشابہ ہے اور وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے ہوئے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔''[2]

پھر امام بخاری نے سالم کی اپنے باپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ اللہ کی قسم! نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ کے ہیں[3] بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے:[بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبِطُ الشَّعْرِ ، يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ ، يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً ـ أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً ـ فَقُلْتُ:

---

① ''صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے....'' یہ الفاظ تفسیر کے بعض نسخوں میں نہیں ہیں اور یہی مناسب ہے کیونکہ یہ سابق حدیث میں اسی سند سے بیان ہوئے ہیں اور دوسرا یہ کہ حدیث کا یہ حصہ صحیح بخاری میں بھی ہے جبکہ مذکورہ الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ اس میں نہیں ہے۔ ② **صحیح البخاري**، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ......﴾، حديث:3439 و **صحيح مسلم**، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجّال، حديث:(274)-169. البتہ ابتدائی حصہ صحیح بخاری اور دوسرا حصہ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔ ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ظن غالب تھا کہ أحمر مسیح ابن مریم علیہ السلام کی صفت نہیں بتائی گئی بلکہ یہ صفت تو مسیح دجال کی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو گندمی رنگ کے ہیں جیسا کہ آ رہا ہے، اس لیے انھوں نے قسم کھائی تھی، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے شروحات صحیح بخاری۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

پھر جولوگ یہودی ہوئے ان کے ظلم کی وجہ سے اور ان کے اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کردیں جو

كَثِيْرًا ﴿160﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا

پہلے ان کے لیے حلال تھیں ﴿160﴾ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق

لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿161﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ

کھاتے تھے۔ اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿161﴾ لیکن ان میں سے جو علم میں پختہ اور مومن ہیں وہ ایمان

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

لاتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور آخرت کے دن پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿162﴾ ع 22/10/2

ایمان رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں جنھیں ہم جلد بہت بڑا اجر دیں گے ﴿162﴾

مَنْ هٰذَا ؟ قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ ، فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ ، فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ، جَسِيمٌ ، جَعْدُ الرَّأْسِ ، أَعْوَرُ عَيْنِهِ الْيُمْنٰى ، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ ، قُلْتُ : مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا : هٰذَا الدَّجَّالُ، وَأَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ] ''میں خواب میں کعبہ کا طواف کررہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ گندمی رنگ اور سیدھے بالوں والا ایک شخص دو آدمیوں کے درمیان چل رہا ہے اور اس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں تو میں نے کہا: یہ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ ابن مریم ہیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو مجھے ایک اور شخص بھی نظر آیا جس کا رنگ سرخ، جسم موٹا، سر کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھنگریالے ہیں وہ دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ اس کی آنکھ گویا منقّٰی کی طرح اپنے مقام سے ابھری ہوئی ہے، میں نے کہا: یہ کون ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ دجال ہے۔ اس کے ساتھ لوگوں میں سے سب سے زیادہ مشابہت ابن قطن کی ہے۔''[1] امام زہری فرماتے ہیں کہ ابن قطن خاندان خُزاعہ میں سے ایک شخص تھا جو زمانۂ جاہلیت میں مرگیا تھا۔ یہ تمام الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿159﴾ ﴾ ''اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ بنی اسرائیل کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ آپ نے ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور آپ نے خود بھی اللہ عزوجل کی بندگی کا اثبات کیا تھا۔[2] اور یہ فرمان اللہ کے اس فرمان کی طرح ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آخری آیات میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ ﴾ تا ﴿ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدة 5:116-118).

تفسیر آیات: 160-162

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول اللّٰه تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ .... ﴾ ، حديث:3441 . [2] تفسير الطبري:31/6 .

ظلم کی وجہ سے یہود کے لیے پاکیزہ چیزوں کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہودیوں کے ظلم اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اس نے ان کے لیے بہت سی ایسی پاکیزہ چیزوں کو بھی حرام قرار دے دیا تھا جسے ان کے لیے پہلے حلال قرار دیا تھا۔ یہ حرمت قدری بھی ہوسکتی ہے، یعنی اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی کتاب کی تاویل کی اور احکام الٰہی کو بدل کر بہت سی حلال چیزوں کو اپنے اوپر تشدد، سختی اور تنگی کے باعث حرام قرار دے لیا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس حرمت سے مراد شرعی حرمت ہو اور اس کے معنی یہ ہوں کہ بہت سی چیزیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں، اللہ تعالیٰ نے تورات میں انھیں ان کے لیے حرام قرار دے دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ (آل عمران 93:3) ”بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں، سوائے ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے[1] کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں علاوہ اونٹ کے گوشت اور دودھ وغیرہ کے جسے حضرت یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تورات میں بھی ان کے لیے بہت سی اشیاء کو حرام قرار دے دیا جیسا کہ اس نے سورۂ انعام میں فرمایا ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 146:6) ”اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو، یہ سزا ہم نے ان کی سرکشی کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔“

یعنی ان چیزوں کو ہم نے ان کے لیے اس لیے حرام قرار دیا تھا کہ وہ اپنی بغاوت، سرکشی، اپنے رسولوں کی مخالفت اور ان سے اختلاف کے باعث اسی بات کے مستحق تھے۔ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝﴾ ”تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں، جو ان کے لیے حلال تھیں، حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔“ انھوں نے خود بھی حق کی پیروی نہ کی اور دوسرے لوگوں کو بھی اتباعِ حق سے روکا اور قدیم و جدید ہر دور میں ان کی یہی خصلت رہی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اللہ کے نبیوں کے دشمن تھے، بہت سے انبیائے کرام کو انھوں نے شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کی انھوں نے تکذیب کی۔

[1] دیکھیے آل عمران، آیت: 93.

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ

(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق،

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ ۚ

یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داود کو زبور عطا کی ﴿163﴾ اور ہم نے کئی رسول بھیجے،

وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿163﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

اس سے پہلے ہم ان کا حال آپ کے سامنے بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی رسول ایسے ہیں کہ ان کا حال ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیا۔

عَلَیْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴿164﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی

اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام کیا ﴿164﴾ اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے

اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿165﴾

اللہ کو الزام دینے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ اور اللہ بڑا زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿165﴾

فرمانِ الٰہی: ﴿ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ ﴾ ”اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے جانے کے سود لیتے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں سود سے منع فرمادیا تھا مگر انھوں نے مختلف مکروفریب اور طرح طرح کی حیلہ سازیوں کے ذریعے سے سود لینا اور لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے کھانا شروع کر دیا تھا۔ اور فرمایا: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿161﴾ ﴾ ”اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے ہم نے درد دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

پھر فرمایا: ﴿ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ ﴾ ”البتہ جو لوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں۔“ یعنی جو دین میں ثابت قدم ہیں، حقیقت میں انھیں ہی علم نافع میں پختگی کا ملکہ حاصل ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔[1]

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ یہ ﴿ الرّٰسِخُوْنَ ﴾ پر عطف ہے اور یہ جملہ: ﴿ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ ”وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں“ اس کی خبر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن سلام، ثعلبہ بن سَعْیَہ، اُسَید بن سَعْیَہ اور اسد بن عبید رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے اور انھوں نے اس دین و شریعت کی تصدیق کی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا۔[2] ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ ”اور زکاۃ دیتے ہیں۔“ یہاں زکاۃ سے مراد مال کی زکاۃ بھی ہو سکتی ہے اور جان کی بھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کی زکاۃ مراد ہو۔ واللّٰہ أعلم.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ”اور اللہ اور روز آخرت کو مانتے ہیں۔“ یعنی اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا اور اچھے یا برے اعمال کی

[1] دیکھیے آل عمران، آیت: 7 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1116/4 والدر المنثور: 434/2 .

جزا اور سزا سے ہمکنار ہونا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ سے مذکورہ بالا کی خبر شروع ہوتی ہے [1] اور ﴿ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ''ان کو ہم عنقریب اجر عظیم دیں گے۔'' اجر عظیم سے یہاں جنت مراد ہے۔

تفسیر آیات:163-165

نبی اکرم ﷺ کی طرف سابقہ انبیاء کی طرح وحی بھیجی گئی: محمد بن اسحاق نے محمد بن ابو محمد کے حوالے سے عکرمہ یا سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سُکَین اور عدی بن زید نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! ہمیں تو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے بعد کسی اور انسان پر وحی نازل فرمائی ہو؟ تو ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ تا ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ ''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی ...... اور اللہ بڑا زبردست اور خوب حکمت والا ہے۔'' [2] اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اپنے عبد اور رسول محمد ﷺ کی طرف بھی اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اس نے آپ سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر وحی نازل فرمائی تھی۔ ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ ''اور داود (علیہ السلام) کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔'' زبور اس کتاب کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داود علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔

قرآن مجید میں پچیس رسولوں کا ذکر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ﴾ ''اور بہت سے پیغمبر ہیں کہ جن کے حالات ہم آپ سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے۔'' یعنی اس آیت سے پہلے مکی اور غیر مکی سورتوں میں جن انبیائے کرام علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (1) آدم (2) ادریس (3) نوح (4) ہود (5) صالح (6) ابراہیم (7) لوط (8) اسماعیل (9) اسحاق (10) یعقوب (11) یوسف (12) ایوب (13) شعیب (14) موسیٰ (15) ہارون (16) یونس (17) داود (18) سلیمان (19) الیاس (20) الیسع (21) زکریا (22) یحییٰ (23) عیسیٰ (24) بہت سے مفسرین کے نزدیک ذوالکفل بھی نبی ہیں اور (25) ان سب کے سردار حضرت محمد ﷺ۔ ان کے علاوہ بہت سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر نہیں ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے شرف سے نوازا ہے، اسی وجہ سے آپ کو کلیم بھی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابوبکر بن مردویہ نے عبدالجبار بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص ابوبکر بن عیاش کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں نے ایک شخص کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے: [وَكَلَّمَ اللّٰهَ مُوسٰى تَكْلِيمًا] ''اور اللہ تعالیٰ سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کلام کیا۔'' تو ابوبکر بن عیاش نے فرمایا کہ اس طرح تو کوئی

---

[1] یعنی ﴿ الرّٰسِخُوْنَ ﴾ مبتدا اور ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ خبر، مبتدا اور خبر مل کر جملہ ہو کر مبتدا اور ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ اس کی خبر بن جائے گی۔ [2] السيرة النبوية لابن هشام:562/2 و تفسير الطبري:38/6 .

کافر ہی پڑھ سکتا ہے۔ میں نے اعمش سے، انھوں نے یحیٰی بن وثاب سے، انھوں نے عبدالرحمٰن سلمی سے، انھوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اسی طرح پڑھا ہے: ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾[1] ابوبکر بن عیاش نے اس طرح پڑھنے والے پر شدید ناراضی کا اظہار اس لیے کیا کہ اس نے قرآن کے لفظ اور معنی میں تحریف کر دی تھی اور وہ شخص ان معتزلہ میں سے تھا جو اس بات کے منکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا ہو یا وہ اپنی مخلوق میں سے کسی سے کلام کرتا ہو۔

ایک معتزلی کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے جب ایک استاذ کے پاس اس طرح پڑھا: [وَ كَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيمًا] تو اس نے کہا: اے بری ماں کے بیٹے! اس ارشاد باری تعالیٰ کی کیا تاویل ہوگی جس میں آیا ہے: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ (الأعراف 143:7) ''اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔'' کیونکہ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہونے کے بارے میں اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی تحریف اور تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

انبیاء کی بعثت سے مقصود حجت قائم کرنا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ﴾ ''(سب) پیغمبروں کو خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا۔)'' یعنی ان کو خوش خبری سناتے تھے جو اللہ کی اطاعت کرتے اور نیکیوں کے ساتھ اس کی خوشنودی کے طالب ہوتے تھے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور سزاؤں سے ڈراتے تھے جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ ''تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر حجت اور الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے خوش خبری سنانے اور ڈرانے کے لیے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور وہ سب کچھ واضح فرما دیا جسے وہ پسند فرماتا اور ناپسند فرماتا ہے تا کہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے کہ اسے تو خبر ہی نہ ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 134:20) ''اور اگر ہم بلاشبہ ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پیشتر کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (واحکام) کی پیروی کرتے۔''

اسی طرح یہ بھی فرمایا: ﴿ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 47:28) ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں

[1] المعجم الأوسط للطبراني :276/9، حديث :8603 و مجمع الزوائد :13,12/7، حديث :10959.

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

لیکن اللہ نے آپ پر جو نازل کیا ہے، وہ اس کی بابت گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں

شَهِيْدًا ﴿166﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿167﴾ اِنَّ

اور اللہ بطور گواہ کافی ہے﴿166﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، یقیناً وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں﴿167﴾ بے شک جن

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿168﴾ اِلَّا طَرِيْقَ

لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ کے شایان نہیں کہ وہ انھیں بخش دے اور نہ یہ شایان ہے کہ وہ انھیں سیدھی راہ دکھائے﴿168﴾ مگر وہ انھیں جہنم کا

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿169﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ

راستہ دکھائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے﴿169﴾ اے لوگو! یقیناً یہ رسول تمھارے رب کی طرف سے حق

الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

لے کر تمھارے پاس آیا ہے، لہٰذا تم ایمان لاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہوگا، اور اگر تم کفر کرو گے تو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کے لیے ہے،

وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿170﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿170﴾

نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیات کی تابع داری کرتے اور ایمان والوں میں ہو جاتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے۔)''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ، وَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا شَيْءَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ، وَلِذٰلِكَ مَدَحَ نَفْسَهُ] [وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ]، [مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ اللّٰهُ الْمُرْسَلِينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ] ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیور کوئی نہیں اسی وجہ سے اس نے ظاہری اور خفیہ برائیوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح کو پسند کرنے والا اور کوئی نہیں اسی وجہ سے اس نے اپنی ذات گرامی کی خود مدح فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی پر حجت قائم کرنا اور عذر کا کوئی موقع باقی نہ رکھنا کسی کو پسند نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس نے نبیوں کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا۔''[1] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَأَرْسَلَ الرُّسُلَ] ''اسی وجہ سے اس نے اپنی کتابوں کو نازل فرمایا اور اپنے رسولوں کو بھیجا۔''[2]

تفسیر آیات :166-170

[1] اس حدیث کا پہلا جز صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الأنعام 6:151)، حدیث: 4634 وصحیح مسلم، التوبة، باب غیرة الله تعالٰی وتحریم الفواحش، حدیث: (34)-2760 کے مطابق ہے۔ اور دوسرے حصے کا سیاق مختلف ہے اور وہ صحیح البخاری: 7416 میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اور تیسرا جز اسی دوسرے سیاق سے صحیح مسلم: 1499 کے مطابق ہے۔ [2] صحیح مسلم، التوبة، باب غیرة الله تعالٰی وتحریم الفواحش، حدیث: (35)-2760.

﴿ اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ﴾ تا ﴿ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:163-165) میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اثبات اور ان مشرکین واہل کتاب کی تردید ہے جنھوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا تھا، چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) آپ پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے وہ اپنے علم سے نازل کی ہے۔'' یعنی اگرچہ آپ کی تکذیب اور مخالفت کرنے والے اس بات کے منکر ہیں مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے وہ رسول ہیں جن پر اس نے اپنی کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ کتاب سے مراد وہ قرآن مجید ہے کہ ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:42)
''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ ''اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔'' یعنی اپنے اس علم کے مطابق جس کے بارے میں اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا، یعنی روشن دلائل، ہدایت اور فرقان اور وہ امور جنھیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا یا ناپسند فرماتا ہے۔ اور جس میں ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ صفات مقدسہ بھی شامل ہیں جنھیں کوئی نبی مرسل اور ملکِ مقرب اس وقت تک معلوم نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس کو علم سے نہ نواز دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ﴾ (البقرۃ 2:255) ''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے، ہاں! جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:110) ''اور وہ (اپنے) علم سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔'' ارشاد ہے: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ ﴾ ''اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں۔'' یعنی اس کے سچ ہونے کی جو آپ کے پاس آیا، جو آپ کی طرف وحی کیا گیا اور جسے آپ پر اتارا گیا، حالانکہ اس کی گواہی تو خود اللہ تعالیٰ بھی دے چکا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ﴾ ''اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔''

ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝ ﴾ ''جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستے سے روکا، یقیناً وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑے۔'' انھوں نے خود بھی کفر کیا، حق کو اختیار نہ کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی حق کی اتباع اور اقتدا سے روکا تو وہ حق سے خارج ہو گئے، بھٹک گئے اور بے حد دور جا پڑے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے بارے میں اپنا حکم صادر فرمایا ہے، جو اس کی آیات، اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ کفر اور اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، اسی طرح اللہ کے رستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور محرمات کی بے حرمتی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں بخشے گا نہیں۔ ﴿ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ ﴾ ''اور نہ انھیں (نیکی اور بھلائی کا) رستہ ہی دکھائے گا۔'' ﴿ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ ﴾ ''ہاں، جہنم کا رستہ (دکھائے گا۔)'' یہ استثنا منقطع ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ﴾ ''جس میں وہ ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔''

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ‌ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ

اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ بے شک مسیح عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کا

مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ‌ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ‌ ۚ

رسول اور اس کا کلمہ ہی ہے جسے اس نے مریم کی طرف ڈالا، اور وہ اس کی طرف سے ایک روح ہے، چنانچہ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ

وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ‌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ‌ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۘ

کہو کہ معبود تین ہیں۔ اس سے باز آجاؤ، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، بے شک اللہ ہی واحد معبود ہے، وہ اس (امر) سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو،

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۱۷۱﴾

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور اللہ بطور کارساز کافی ہے ﴿۱۷۱﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَـقِّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَيۡرًا لَّـكُمۡ‌ؕ ﴾ ”لوگو! اللہ کے پیغمبر تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو (ان پر) ایمان لاؤ (تاکہ) تمھارے حق میں بہتر ہو۔“ یعنی تمھارے پاس حضرت محمد ﷺ تمھارے پروردگار کی طرف سے ہدایت، دین حق اور بیانِ شافی لے کر آئے ہیں تو جس چیز کو وہ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لاؤ، آپ ﷺ کی پیروی کرو، یہی بات تمھارے حق میں بہتر ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَاِنۡ تَكۡفُرُوۡا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ ﴾ ”اور اگر کفر کرو گے تو (جان رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے۔“ وہ تم سے اور تمھارے ایمان سے بے نیاز ہے اور تمھارے کفر سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ مُوۡسٰۤى اِنۡ تَكۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَـغَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:8) ”اور موسیٰ علیہ السلام نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو بے شک اللہ بھی بے نیاز (اور) قابلِ تعریف ہے۔“ اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا ﴾ ”اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا ہے۔“ یعنی وہ جانتا ہے کہ مستحقِ ہدایت کون ہے تو وہ اسے ہدایت سے نواز دیتا ہے اور گمراہی کا مستحق کون ہے تو وہ اسے گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ﴿ حَكِيۡمًا ﴿۱۷۰﴾ ﴾ یعنی وہ اپنے تمام اقوال و افعال اور شرع و قدر میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت: 171

دین میں غلو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں مبالغہ آرائی کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو غلو اور مبالغہ آرائی سے منع فرمایا ہے۔ عیسائیوں میں یہ مرض بہت زیادہ ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے بہت تجاوز کر گئے ہیں اور انھوں نے آپ کے بارے میں اس سے بہت اونچے درجے کا تصور کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ انھوں نے آپ کو دائرۂ نبوت سے نکال کر دائرۂ الوہیت تک پہنچا دیا اور آپ کی بھی اسی طرح عبادت شروع کر دی جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں بلکہ انھوں نے تو آپ کے ان پیروکاروں کے بارے میں بھی بہت غلو سے کام لیا ہے جن کے

بارے میں آپ علیہ السلام کی رائے یہ تھی کہ وہ آپ کے دین پر ہیں۔ عیسائیوں کے بارے میں ان کا دعوٰی یہ ہے کہ وہ معصوم تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ان کی ہر بات میں اتباع کی، خواہ وہ حق ہو یا باطل، گمراہی ہو یا ہدایت، صحیح ہو یا غلط۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبۃ 9:31) ”انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔“

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا : عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ] ”تم میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا تھا، میں تو صرف بندہ ہوں، اس لیے تم مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“① امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اور آپ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: [فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا : عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ] ”میں تو صرف اسی کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“②

امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اے ہمارے سردار! ہمارے سردار کے صاحبزادے! اے ہم میں سے بہترین انسان اور ہم میں سے بہترین انسان کے صاحبزادے! (تو یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَاأَيُّهَا النَّاسُ ! عَلَيْكُمْ بِتَقْوَاكُمْ ،③ لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهٗ، وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنْ تَرْفَعُونِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي أَنْزَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ”اے لوگو! (اپنی گفتگو میں بھی) تقوٰی اختیار کرو، کہیں شیطان تمھارے دل و دماغ پر چھا نہ جائے، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے بلند مرتبے پر پہنچاؤ جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔“④ اس حدیث کو بعینہ اس سند سے صرف امام احمد نے بیان کیا ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ ”اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔“ یعنی اس پر افترا پردازی نہ کرو، کسی کو اس کی بیوی اور بیٹا قرار نہ دو، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے بہت بلند و بالا، منزہ اور مقدس ہے، وہ اپنی سیادت، کبریائی اور عظمت میں وحدہ لاشریک ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب، اس لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ ”مسیح (یعنی) مریم کے

① مسند أحمد:24/1 . ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول اللّٰه تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا ﴾ (مريم19:16)، حديث: 3445 . ③ مفسر رحمہ اللہ نے جو سند بیان کی ہے اس سند میں [بقولکم] کے بجائے [بتقواكم] ہے جبکہ دوسرے طریق سے [قُولُوا بِقَوْلِكُمْ] ”اپنے وہی الفاظ کہا کرو“ کے الفاظ بھی ہیں۔ دیکھیے مسند أحمد:241/3.
④ مسند أحمد:153/3 و صحيح ابن حبان:133/14، حديث:6240 لیکن یہاں آخری فقرہ نہیں ہے۔ والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة:70/6 ، حديث:10078,10077.

بیٹے عیسیٰ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القا فرمایا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔'' یعنی وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اس کا وہ کلمۂ بشارت ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کلمے کے ذریعے سے پیدا فرمایا جس کے ساتھ اس نے جبریل علیہ السلام کو مریم کی طرف بھیجا۔ اور جبریل نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسی کے اذن سے ان میں روح پھونک دی تھی اور اس طرح عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہو گئے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری تھی اور یہ پھونک ان کے اندامِ نہانی میں اس طرح داخل ہو گئی جس طرح ماں باپ کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بہر حال ساری مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اس طرح پیدائش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، آپ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُنْ سے اور اس روح سے پیدا ہوئے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے جبریل کو دے کر بھیجا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ (المآئدة 75:5) ''مسیح ابن مریم تو صرف پیغمبر تھے، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (اللہ کی) سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (آل عمران 59:3) ''عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الأنبيآء 91:21) ''اور ان (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنھوں نے اپنی عفت کو محفوظ رکھا تو ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور ان کو اور ان کے بیٹے کو اہل عالم کے لیے نشانی بنا دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ﴾ (التحريم 12:66) ''اور عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کی (مثال) جنھوں نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔'' اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ﴾ (الزخرف 59:43) ''وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا۔''

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے روایت کیا ہے: ﴿ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ سے مراد کلمہ کُنْ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور آپ پیدا ہو گئے۔[1] امام ابن ابو حاتم نے احمد بن سنان واسطی سے روایت کیا ہے کہ میں نے شاذّ بن یحییٰ سے سنا کہ کلمہ ہی عیسیٰ علیہ السلام نہیں بن گئے تھے بلکہ کلمے کے ذریعے سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَالْجَنَّةَ حَقٌّ، وَّالنَّارَ حَقٌّ، أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ] ''جو شخص

[1] تفسير عبدالرزاق: 485/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1123/4.

اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے، رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں اور جنت حق ہے اور جہنم بھی حق ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا، خواہ وہ کیسا ہی عمل کرتا ہو۔''[1] اور جُنادہ نے عُبادہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: [مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ أَيِّهَا شَاءَ] ''اللہ تعالیٰ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس میں سے چاہے اس کو داخل فرما دے گا۔''[2] اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

آیت اور حدیث میں ﴿ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ﴾ کے الفاظ اسی طرح ہیں جس طرح یہ آیت ہے: ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ (الجاثية 13:45) ''اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنی طرف سے تمھارے کام میں لگا دیا۔'' یعنی یہ سب کچھ اسی کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی طرف سے ہے، یہاں [مِنْ] بعض کا مفہوم ادا کرنے کے لیے نہیں ہے (کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا جز ہوں) جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں۔ ان پر مسلسل لعنت ہو۔ بلکہ یہ تو ابتدائے غایت کے لیے ہے جیسا کہ مذکورہ دوسری آیت، یعنی ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا...... ﴾ میں ہے۔

اور روح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف تشریف و تکریم کے طور پر ہے۔ جس طرح ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ ﴾ (هود 64:11) ''یہ اللہ کی اونٹنی ہے۔'' اور ﴿ وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ ﴾ (الحج 26:22) ''اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھا کرو۔'' ان دونوں آیتوں میں ناقہ اور بیت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی ہے: [فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي فِي دَارِهٖ] ''میں اپنے رب سے اس کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہوں گا۔''[4] یہ تمام استعمالات ایک ہی انداز اور اسلوب کے مطابق ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔'' یعنی اس بات پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ بالکل اکیلا، یکتا اور لاثانی ہے، اس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیوی اور خوب خوب جان لو اور مان لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ﴾ ''اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین ہیں۔'' یعنی عیسیٰ اور ان کی والدہ کو اللہ کے شریک نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسے سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ (المآئدة 73:5) ''تحقیق وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله تعالى: ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾ (النسآء4:171)، حديث: 3435. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث:3435. [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، حديث: 28 لیکن یہاں حضرت عیسیٰ کے متعلق [ورسوله] کے بجائے [وابْنُ أَمَتِهِ] ہے۔ [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ﴾ (القيمة 23,22:75)، حديث:7440 ومسند أحمد:244/3 عن أنس رضی اللہ عنہ. یہ طویل حدیث شفاعت کا حصہ ہے۔

تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' اور جیسا کہ اسی سورۂ مائدہ ہی کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰـھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ﴾ (المآئدة 116:5) ''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو؟'' اور سورۂ مائدہ میں یہ بھی فرمایا: ﴿ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ﴾ (المآئدة 72:5) ''وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں۔''

ان ملعون عیسائیوں کے پاس جہالت کی وجہ سے نہ تو کوئی ضابطہ ہے اور نہ ان کے کفر کی کوئی حد ہے، ان کے اقوال اور ان کی ضلالت مختلف ہے، ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے بہت سے گروہ ہیں جن کی مختلف آراء ہیں اور متضاد اقوال ہیں۔ بعض متکلمین نے کیا خوب کہا ہے کہ اگر کسی جگہ دس عیسائی بیٹھے ہوں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے گیارہ اقوال ہوں گے۔

عیسائیوں کے فرقے: ان کے مشہور عالم سعید بن بطریق، جو چوتھی صدی ہجری میں اسکندریہ میں ان کا ایک بڑا عالم تھا، نے ذکر کیا ہے کہ سرکردہ عیسائی پادریوں کی ایک بہت بڑی کونسل امانتِ کبیرہ [1] کے سلسلے میں منعقد ہوئی۔ حالانکہ یہ ایک نہایت گھٹیا خیانت تھی۔ اور یہ مشہور شہر قسطنطنیہ کے بانی قسطنطین کے دور (325ء) کی بات ہے۔ اس کونسل میں عیسائی پادریوں نے

[1] 325ء میں قسطنطنیہ کے قریب (موجودہ ترکی میں) نیقیہ (Nicaea) کے مقام پر تاریخ عیسائیت کی ''پہلی عالمی کونسل'' (First Ecumenical Council) منعقد ہوئی۔ اس میں کم و بیش دو ہزار تین سو چالیس (2340) سرکردہ پادریوں (Bishops) نے شرکت کی اور ایک ''شاہی مذہب'' اختیار کیا گیا۔ اس کونسل میں انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے اور رسول علیہ السلام کے متعلق جن اعتقادات پر اتفاق کیا، خواہ وہ عیسائیت کے مطابق تھے یا نہیں، ان اعتقادات کو ''امانتِ کبیرہ'' یا ''امانت'' کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی ''عقیدہ نیقیہ'' (Nicene Creed) یا (Nicene Constantinopolitan creed) کہلاتا ہے۔ پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ نے ''انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا'' (1962)657/6 کے حوالے سے اپنی کتاب ''عیسائیت'' میں اسے نقل فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''عقائد میں خصوصی اہمیت اس عقیدے کی ہے جسے نیقیہ کی پہلی کلیسائی کونسل منعقدہ 325ء نے آریوسی نظریات کے دفاع میں وضع کیا اور یہ اس طرح ہے:

''ہم ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں جو مقتدر باپ اور تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء کا خالق ہے، نیز ہم خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو خدا کا بیٹا تھا۔ صرف وہی تھا جو باپ سے پیدا ہوا (باپ ہی کے جوہر سے بنا) خدا میں سے خدا، نور میں سے نور (اصل خدا ہی میں سے اصل خدا، خدا نے بنایا نہیں بلکہ خدا سے پیدا ہوا اور اسی جوہر سے جو خدا کا ہے۔) جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اسی کے ذریعے سے بنا۔ وہ ہم بنی آدم کی خاطر اور ہماری نجات کے لیے نیچے (زمین پر) آیا اور گوشت پوست کا انسان بنا، تکلیف اٹھائی، تیسرے دن جی اٹھا، اور آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے آئے گا اور ہم روح القدس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے۔ اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش و تعظیم ہوتی ہے۔'' (''عیسائیت'': 16,15 اور دیکھیے 77-116) اس ''امانت'' کو علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے باب: الخبر عن عیسی ابن مریم: 173,172/2 میں بھی بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ مشہور عیسائی مؤرخ ابن العمید نے بھی (المجموع المبارك) میں ذکر کیا ہے۔ اور ملاحظہ کیجیے: الملل والنحل للشهرستاني: 168/1 اور مفسر رحمہ اللہ کی البداية والنهاية ، بيان بناء بيت لحم والقمامة: 94/2 وباب ليس للجنب لمس التوراة: 137-139 . اور اسی طرح مفسر رحمہ اللہ نے ان فرقوں کا ذکر سورۂ آل عمران، آیت: 55، سورۂ مائدہ، آیت: 14، سورۂ مریم، آیت: 37 اور سورۂ روم، آیت: 1 کے تحت بھی کیا ہے۔

بدترین اختلاف کا ثبوت دیا، اس کونسل میں دو ہزار سے زیادہ پادری جمع تھے جو مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ان میں پچاس ایک بات کہہ رہے تھے، بیس دوسری بات، سو تیسری بات اور ستر چوتھی بات۔ قسطنطین نے جب یہ دیکھا کہ ان میں سے تین سو اٹھارہ سے بھی زیادہ ایک بات پر متفق ہیں تو بادشاہ نے اس بات کو قبول کر کے اس کی تائید و حمایت شروع کر دی۔ یہ خود بھی ایک بڑا فلسفی تھا۔ اس نے اس گروہ کے اقوال کے علاوہ دیگر تمام اقوال کو مسترد کر دیا، ان تین سو اٹھارہ کو منظّم کر کے ایک گروپ بنا دیا گیا، ان کے لیے گرجے تعمیر کیے گئے، اور انھوں نے کتابیں اور قوانین وضع کیے اور اس میں انھوں نے اس ''امانت'' کا ذکر کیا جسے وہ چھوٹے بچوں کو تلقین کرتے ہیں تاکہ اسے وہ اپنے پختہ عقیدے کے طور پر اختیار کر لیں اس گروہ کے پیروکار مَلَکِیَّہ Melchite یا Melkite (یا ملکانیہ، شاہی مذہب والے کہلاتے ہیں اور یہی آرتھوڈکس Orthodox، بنیاد پرست اور دقیانوسی عیسائی) ہیں۔ [1]

پھر انھوں نے ایک دوسری کونسل منعقد کی تو اس میں فرقہ یعقوبیہ (Jacobites) [2] نے جنم لیا، پھر تیسری کونسل منعقد ہوئی اور اس میں فرقہ نَسْطُورِیَّہ (Nestorians) پیدا ہوا۔ [3] ان میں سے ہر فرقہ مسیح میں اقانیم ثلاثہ کو ثابت تو کرتا ہے لیکن اس کی کیفیت کے بارے میں مختلف ہے۔ اسی طرح ان کے بقول لاہوت و ناسوت میں بھی ان کا اختلاف ہے کہ کیا یہ دونوں متحد ہو گئے یا نہیں یا دونوں باہم مل گئے ہیں یا اس میں حلول کر گئے ہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں ان تین فرقوں کے تین مختلف اقوال ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کو کافر سمجھتا ہے جبکہ ہم ان تینوں ہی کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے فرمایا ہے: ﴿ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ﴾ ''(اس اعتقاد سے) باز آ ؤ کہ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یہاں ﴿ خَيْرًا ﴾ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی يَكُنْ خَيْرًا. ﴿ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ⑰ ﴾ ''اللہ ہی معبود واحد ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔'' یعنی سب کچھ اسی کی ملکیت اور اسی کی مخلوق ہے، آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کے غلام اور اسی کی تدبیر و تصرف کے ماتحت ہیں۔ وہ ہر چیز کا کارساز ہے تو مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی یا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ اسی نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (الأنعام 101:6) ''(وہی) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی

---

① اس فرقے کو 451ء میں خلقدونی (خلقیدونی) کونسل نے بحال رکھا اور زیادہ تر عیسائی اسی پر ہیں اور یہ فرقہ زیادہ تر روم میں ہے۔
② ابن العمید عیسائی مؤرخ نے لکھا ہے کہ دِیسقُورُس جو اسکندریہ کا بڑا عیسائی راہنما تھا، اس کا نام بچپن میں یعقوب تھا اور یہی یعقوب الاِسکاف البرادعی تھا۔ اس وجہ سے اس کے مذہب کے پیروکاروں کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے۔ بحوالہ تاریخ ابن خلدون: 175/2. ③ یہ کونسل پہلی کونسل سے کم و بیش 290 سال بعد ہوئی۔ عیسائیوں کا یہ فرقہ مشرق (موجودہ شرق اوسط) میں ہے۔ یہ قسطنطنیہ کے عیسائی راہنما نسطوریوں کے پیروکار تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی عیسائی کونسلیں منعقد ہوئیں جن میں بہت سے فرقے رونما ہوئے۔

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ

مسیح (عیسیٰ ابن مریم) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے ، اور جو کوئی اللہ کی عبادت کو عار

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿172﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

خیال کرے اور تکبر کرے ، تو اللہ جلد ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا ﴿172﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا

تو اللہ انھیں ان کے پورے اجر دے گا اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ عطا کرے گا ، اور جن لوگوں نے اللہ کی عبادت کو عار خیال

وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿173﴾

کیا اور تکبر کیا تو وہ انھیں بہت دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہیں پائیں گے ﴿173﴾

بیوی ہی نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴾ (مریم19:88-95) ''اور کہتے ہیں رحمٰن اولاد رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو، قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد تجویز کی اور رحمٰن کو شایاں نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے، تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب رحمٰن کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

تفسیر آیات:173,172

انبیاء اور فرشتے اللہ کے بندے ہونے کو موجب عار نہیں سمجھتے: امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ ﴾ کے معنی ہیں وہ تکبر نہیں کرتے۔[1] اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے معنی ہیں کہ وہ اسے موجب عار نہیں سمجھتے۔[2] ﴿ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ ﴾ ''مسیح (عیسیٰ ابن مریم) کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی عار نہیں اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے۔'' کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿172﴾ ﴾ ''اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔'' یعنی ان سب کو قیامت کے دن اپنے پاس جمع کرے گا اور ان کے بارے میں مبنی بر عدل وانصاف فیصلہ فرمائے گا۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ﴾ یعنی ان

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1124/4. [2] تفسیر الطبری:50/6 و تفسیر ابن أبی حاتم:1124/4.

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿174﴾

اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک دلیل آ گئی ہے، اور ہم نے تمھاری طرف ایک واضح نور نازل کیا ہے﴿174﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ

پھر جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ ضرور انھیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا، اور انھیں

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿175﴾ ؕ

اپنی طرف (پہنچنے کے لیے) سیدھا راستہ دکھائے گا﴿175﴾

کے اعمال صالحہ کے مطابق انھیں نہ صرف پورا پورا اجر وثواب دے گا بلکہ اپنے فضل وکرم اور رحمت واحسان سے انھیں ان کے اعمال سے زیادہ بدلہ عطا فرمائے گا۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا﴾ ”اور جنھوں نے (بندہ ہونے کو) عار سمجھا اور انکار کیا۔“ اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طاعت وبندگی سے دور رہے ﴿فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿173﴾﴾ ”تو ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔“ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾ ”جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر خودسری کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“ (المؤمن 60:40) مطلب یہ کہ دنیا میں یہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طاعت وبندگی سے خودسری اور تکبر وغرور کا اظہار کرتے تھے، اب اسی طرح حقیر وذلیل اور رسوا ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔

تفسیر آیات: 175,174

قرآن مجید کے اوصاف: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے انھیں مطلع فرما رہا ہے کہ ان کے پاس اس کی طرف سے ایک برہان عظیم آ چکی ہے، برہان عظیم اس حجت اور قطعی دلیل کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی عذر باقی نہ رہے اور ہر قسم کے شک وشبہے کا ازالہ ہو جائے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿174﴾﴾ ”اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کو) تمھاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔“ نور مبین کے معنی ایسی روشنی کے ہیں جو حق کو واضح کرتی ہو۔ ابن جریج اور دیگر مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔[1]

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ﴾ ”چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے۔“ یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کو اختیار کیا اور اپنے تمام امور ومعاملات میں اس کی ذات گرامی پر توکل کیا۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور انھوں نے قرآن کو مضبوطی سے تھام لیا۔[2]

﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ﴾ ”تو عنقریب ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔“ یعنی ان پر رحمت فرماتے ہوئے انھیں جنت میں داخل کرے گا اور اپنے فضل واحسان سے نوازتے ہوئے انھیں کئی گنا زیادہ اجر وثواب

[1] تفسیر الطبری: 53/6. [2] تفسیر الطبری: 53/6.

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ

(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ "کلالہ" کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک

فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ

بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے۔ اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو، تو اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا، پھر اگر بہنیں دو (یا دو

فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

سے زیادہ) ہوں تو ان کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿176﴾ ع

24 ع 5 4

کے حصے کے برابر ہوگا، اللہ تمھارے لیے وضاحت سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے﴿176﴾

اور درجات کی بلندی عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿175﴾ ﴾ "اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا رستہ دکھائے گا۔" صراط مستقیم سے مراد ایسا واضح، صاف اور سیدھا رستہ ہے جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ پن نہ ہو۔ دنیا و آخرت میں مومنوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں اپنے اعتقاد اور اعمال کے اعتبار سے سلامتی و استقامت کی راہ پر ہوتے ہیں اور آخرت میں اس صراط مستقیم پر ہوں گے جو انھیں کشاں کشاں باغہائے بہشت کی طرف لے جائے گا۔

تفسیر آیت:176

کلالہ کے بارے میں حکم، اور یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۂ براءت اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ ﴾ ہے۔[1]

امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں اس وقت بیمار اور بے ہوش تھا، آپ نے وضو فرمایا، پھر مجھ پر پانی کے چھینٹے مارے یا آپ نے فرمایا کہ اس پر پانی کے چھینٹے مارو تو اس سے میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے عرض کی کہ میرا وارث کلالہ ہے تو میراث کی تقسیم کیسے ہوگی؟ چنانچہ اس موقع پر آیتِ فرض (میراث) نازل ہوگئی۔[2] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3] اسی طرح اسے محدثین کی ایک جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔[4] اور بعض روایات میں الفاظ یہ ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت میراث نازل فرمائی:

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ...... ﴾ (النسآء4:176)، حديث:4605 وصحيح مسلم، الفرائض، باب آخر آية أنزلت آية الكلالة، حديث:1618. [2] مسند أحمد:298/3. [3] صحيح البخاري، المرض، باب وضوء العائد للمريض، حديث:5676 و194 وصحيح مسلم، الفرائض، باب ميراث الكللة، حديث:(7)-1616. [4] سنن أبي داود، الفرائض، باب في الكلالة، حديث:2886 وجامع الترمذي، الفرائض، باب ميراث الأخوات، حديث:2097 والسنن الكبرى للنسائي، الطب، باب وضوء العائد للمريض:359/4، حديث: 7512 وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب الكللة، حديث:2728.

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ ﴾ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے حکم (الٰہی) پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے۔''[1]

گویا معنی یہ ہوئے کہ لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں حکم الٰہی دریافت کرتے ہیں۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے: اللہ تمھیں (کلالہ کے بارے میں) یہ حکم دیتا ہے۔'' تو اس جواب میں کلالہ کے ذکر سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ استفتا (سوال) کلالہ کے بارے میں ہے جو سوال میں مذکور نہیں ہے۔

کلالہ اور اس کے اشتقاق کے بارے میں قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے[2] کہ یہ لفظ إِكْلِيل سے مشتق ہے اور اکلیل اس تاج کو کہتے ہیں جو تمام اطراف سے سر کو ڈھانپے ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر علماء نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو فوت ہو اور اس کا نہ کوئی بیٹا ہو اور نہ باپ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جو لا ولد ہو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بھی ہے: ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ ''اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو۔''

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر کلالہ کی میراث کا مسئلہ پیچیدہ ہو گیا تھا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں: میری آرزو تھی کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فراق سے پہلے تین چیزوں کی وضاحت فرما دیں: (1) دادا کی میراث (2) کلالہ کے بارے میں حکم اور (3) ربا کے مسائل میں سے کچھ مسائل۔[3]

امام احمد نے مَعدان بن ابوطلحہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کسی چیز کے بارے میں اس قدر کثرت سے سوال نہیں کیا جس طرح کثرت سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں پوچھا تھا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی مبارک میرے سینے پر ماری اور فرمایا: [يَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ] ''تمھارے لیے موسم گرما میں نازل ہونے والی یہ آیت کافی ہے جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔''[4] امام احمد نے اسے اسی طرح اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔[5]

اور امام مسلم نے اسے اس سے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔[6]

آیت کریمہ کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ ﴾ ''اگر کوئی (ایسا) مرد مر جائے۔'' ﴿ هَلَكَ ﴾ کے معنی مر

---

[1] صحيح مسلم، الفرائض، باب ميراث الكللة، حديث: 1616 اور گذشتہ حوالہ۔ اور بعض طرق میں اس موقع پر ﴿ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (النسآء 11:4) کے نزول کا ذکر بھی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباري: 307/8، حديث: 4577 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے النسآء آیت: 12 کے ذیل میں۔ [3] صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء في أن الخمر ما خامر العقل، حديث: 5588 وصحيح مسلم، التفسير، باب في نزول تحريم الخمر، حديث: 3032۔ [4] مسند أحمد: 26/1 مَعدان ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ [الَّتِي نَزَلَتْ فِي الصَّيْفِ ......] ہیں۔ مسند أحمد: 48/1۔ [5] لیکن کئی دوسرے طرق سے مسند احمد میں مفصلاً بھی ذکر ہوئی ہے، دیکھیے مسند أحمد: 48,27,15/1۔ [6] صحيح مسلم، المساجد، باب نهي من أكل ثومًا أو بصلًا......، حديث: 567 و1617۔

جانے کے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾ (القصص 28:88) یعنی اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 27,26:55) ''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور آپ کے پروردگار ذوالجلال والاکرام کا چہرہ ہی باقی رہے گا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ ''جس کی اولاد نہ ہو۔'' یعنی نہ اولاد ہو اور نہ ماں باپ اور یہ مفہوم اس جملے سے معلوم ہوتا ہے: ﴿ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ ''اور اس کی بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکے سے آدھا حصہ ملے گا۔'' اور اگر مرنے والے کا باپ زندہ ہوتا تو اس صورت میں اس کی بہن کو وراثت میں سے کچھ بھی نہ ملتا کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ باپ موجود ہو تو بہن محروم رہتی ہے تو اس نص قرآن سے معلوم ہوا کہ کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جو مر جائے اور اس کی نہ اولاد ہو اور نہ ماں باپ۔ اس کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ باپ موجود ہو تو بہن کو نصف تو کیا میراث میں سے بالکل کوئی حصہ نہیں ملتا۔

امام ابن جریر اور دیگر کئی ائمہ نے حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اگر کسی میت نے اپنے وارثوں میں ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی تو اس صورت میں بہن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ﴾ ''اگر کوئی (ایسا) مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو (اور نہ ماں باپ) اور اس کی بہن ہو تو اس کو بھائی کے ترکے میں سے آدھا ملے گا۔''[1] ان کا کہنا یہ ہے کہ اور اگر وہ اپنے پیچھے بیٹی چھوڑے تو یہ اس کی اولاد ہے اور بہن کو عدمِ اولاد کی صورت میں ملتا ہے جیسا کہ فرمان ہے: ﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ تو اس صورت میں بہن کو کچھ نہیں ملے گا لیکن جمہور نے اس میں حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی رائے کے خلاف یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس صورت میں بیٹی کو اصحاب الفروض میں سے ہونے کی وجہ سے نصف حصہ ملے گا اور بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے نصف حصہ ملے گا اور اس کی دلیل اس آیت کے سوا اور ہے (جو عنقریب آ رہی ہے۔)

اس آیت میں تو اس کے حصے کو فرض ہونے کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔ اور عصبہ ہونے کے اعتبار سے میراث میں سے اس کے حصے کا ذکر اس روایت میں ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بطریق سلیمان از ابراہیم از اسود بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ہمارے ایک مسئلے میں اسی طرح فیصلہ کیا تھا کہ بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے بھی نصف حصہ ہے، پھر سلیمان نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے ہمارے ایک مسئلے میں اس طرح فیصلہ کیا تھا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ فیصلہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں کیا تھا۔[2]

صحیح بخاری ہی میں ہُزَیل بن شُرَحْبِیل سے بھی روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک بیٹی، ایک پوتی اور

[1] تفسیر الطبری:60/6 والمصنف لابن أبی شیبة، الفرائض، باب فی رجل مات وترك ابنته وأخته:244/6، حدیث: 31059 والسنن الکبرٰی للبیهقی، الفرائض، باب الأخوات مع البنات عصبة:233/6 . [2] صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث الأخوات مع البنات عصبة، حدیث:6741 .

ایک بہن کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ بیٹی اور بہن کو نصف نصف حصہ ملے گا اور ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ جاؤ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لو وہ بھی میری تائید کریں گے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھا گیا اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات کا بھی ذکر کر دیا گیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں یہ جواب دوں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا، لہٰذا میں تو اس بارے میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا اور وہ یہ کہ بیٹی کے لیے نصف حصہ ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ، تاکہ دو ثلث کا تکملہ ہو جائے اور جو باقی بچے گا وہ بہن کے لیے ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے واپس جا کر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ جواب بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ جب تک یہ عالم تم میں موجود ہیں مجھ سے نہ پوچھا کرو۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ﴾ ''اور اگر بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا۔'' یعنی اگر بہن کلالہ فوت ہو جائے جبکہ اس کی اولاد ہو نہ ماں باپ تو اس کے تمام مال کا وارث اس کا بھائی ہوگا اور اگر اس کا باپ زندہ ہو تو بھائی کو اس کی وراثت میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اور اگر اس کے ساتھ اصحاب الفروض میں سے کوئی ہو تو اسے اس کا حصہ دیا جائے گا، مثلاً: شوہر یا ماں کی طرف سے بھائی اور باقی حقیقی بھائی کو ملے گا کیونکہ صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا ، فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ] ''اصحاب الفروض کو ان کے حصے دو اور ان مقررہ حصوں کے بعد جو کچھ باقی بچے، وہ قریب ترین مرد رشتہ دار کے لیے ہے۔''[2] ﴿فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ ''اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کے لیے بھائی کے ترکے میں سے دو تہائی ہے۔'' اگر کلالہ کی صورت میں مرنے والے کسی شخص کی دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ دو ثلث ہے۔

اسی طرح بہنیں اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حکم بھی یہی ہوگا۔ اسی سے علماء کی ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم مستنبط کیا ہے جیسا کہ بیٹیوں کے متعلق حکم ﴿فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ (النسآء 11:4) ''پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں متروکہ مال کا دو تہائی ملے گا'' سے بہنوں کے بارے میں حکم کا بھی استنباط کیا گیا ہے۔ ﴿وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ''اور اگر بھائی بہن، یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔'' یہ عصبات، یعنی بیٹوں، پوتوں اور بھائیوں کے بارے میں حکم ہے جبکہ مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو اس صورت میں مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔

﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان فرائض اور حدود کا تعین اور احکام کی وضاحت فرماتا ہے۔ اللہ کا فرمان: ﴿أَن

---

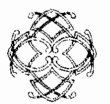
[1] صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث ابنة ابن مع ابنة، حدیث:6736. [2] صحیح البخاری، الفرائض، باب ابنی عمّ أحدهما أخ للأم......، حدیث:6746 وصحیح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، حدیث:1615.

تَضِلُّوْا ﴾ بمعنی لِئَلَّا تَضِلُّوا ہے۔مطلب یہ کہ حق واضح ہونے کے بعد اس سے دور نہ ہٹ جاؤ۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿١٧٦﴾ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' یعنی وہ تمام امور کے انجام اور ان کی مصلحتوں کو اور ان میں بندوں کے لیے بہتری کے پہلوؤں کو جانتا ہے۔اور اس بات کو بھی خوب جانتا ہے کہ رشتہ داروں میں سے مرنے والے کے ترکے کا کون کس قدر مستحق ہے!

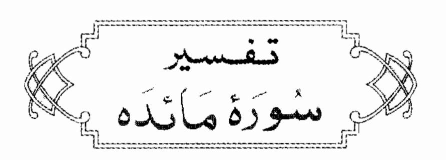
امام ابن جریر نے طارق بن شہاب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شانے کی ہڈی کو پکڑا، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور فرمایا کہ کلالہ کے بارے میں، میں ایک ایسا فیصلہ کروں گا جس کے متعلق خواتین اپنے گھروں میں بھی باتیں کریں گی۔اس وقت اچانک گھر سے ایک سانپ نکل آیا اور تمام لوگ منتشر ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا تو یہ کام مکمل فرما دیتا۔ [1] اس روایت کی سند صحیح ہے۔

ابوعبداللہ امام حاکم نیشاپوری نے بھی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تین سوال پوچھ لیتا تو یہ مجھے سرخ اونٹوں (کی دولت) سے بھی زیادہ محبوب ہوتے: (1) آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ (2) جو لوگ یہ کہیں کہ ہم مال میں زکاۃ کی فرضیت کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن زکاۃ آپ کو نہیں دیں گے تو کیا ان سے جنگ کرنا حلال ہے؟ اور (3) کلالہ کے بارے میں سوال کرتا۔امام حاکم نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ [2]

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ مجھے اس مسئلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے حیا دامن گیر ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کلالہ سے مراد وہ شخص ہے جس کا نہ بیٹا ہو اور نہ باپ۔ [3] حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے تو جمہور صحابۂ کرام و تابعین عظام اور قدیم وجدید ہر دور کے ائمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے۔قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿١٧٦﴾ ﴾ ''(یہ احکام) اللہ تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔واللّٰہ أعلم.



[1] تفسیر الطبری 58/6 والسنن الکبرٰی للبیهقی، الفرائض، باب التشدید فی الکلام فی مسئلة الجد مع الإخوة ......: 245/6 . [2] المستدرك للحاکم، التفسیر، باب تفسیر سورة النسآء:303/2، حدیث:3186 . [3] تفسیر الطبری: 376/4 . نوٹ: احکامِ وراثت کے لیے آخر میں ضمیمہ ملاحظہ کیجیے۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَـكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کیا کرو، تمھارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان کے جن کے نام تمھیں پڑھ کر سنا دیے

مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا يُرِيۡدُ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا

جائیں گے، جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے ① اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی نشانیوں

شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَـرَامَ وَلَا الۡهَدۡىَ وَلَا الۡقَلَۤائِدَ وَلَاۤ آٰمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَـرَامَ

کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینوں کی، نہ حرم میں قربان ہونے والے اور نہ پٹے پہنائے جانوروں کی، اور نہ بیت الحرام کا قصد کرنے والوں

يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ

کی وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے ہیں۔ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں صرف اس لیے ان سے

اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوۡا

وقف لازم

زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے روک دیا تھا، اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ

عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ②

النزول

اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ②

فضیلت اور زمانۂ نزول: امام ترمذی رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورتیں مائدہ اور فتح ہیں۔[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا اور کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ سب سے آخر میں سورت ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ﴾ نازل ہوئی تھی۔[2] امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں ترمذی کی روایت کی طرح (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے) بیان کیا، اسے صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا اور لکھا ہے کہ شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔[3] امام حاکم نے جُبَیر بن نُفَیر کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: میں نے حج

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3063. امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہاں سورۂ فتح سے مراد ﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ﴾ ہے۔ (الإتقان:37/1.) ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3063. ③ المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المآئدة 311:2، حديث:3211.

کیا اور اس عرصے میں جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا: جبیر! تم سورۂ مائدہ پڑھتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انھوں نے فرمایا: یہ نازل ہونے والی آخری سورت ہے، اس میں جن باتوں کو حلال پاؤ انھیں حلال قرار دے لو اور جنھیں حرام پاؤ، انھیں حرام سمجھو۔ اس کے بارے میں بھی امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔[1]

امام احمد نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی معاویہ بن صالح سے روایت کو بیان کیا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ میں نے ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ کا اخلاق قرآن تھا۔[2] اسے امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 2،1

امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا مجھے کوئی وصیت کیجیے تو انھوں نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنو: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''اے ایمان والو!'' تو خوب غور سے سنو کیونکہ یہ کوئی خیر کی بات ہوتی ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہوتا ہے یا یہ کوئی شر کی بات ہوتی ہے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہوتا ہے۔[4] خیثمہ سے روایت ہے کہ ہر وہ چیز جسے قرآن مجید میں ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''اے ایمان والو!'' کے خطاب سے بیان کیا گیا ہے، اسے تورات میں يَا أَيُّهَا الْمَسَاكِينُ! ''اے مسکینو!'' کے خطاب سے بیان کیا گیا ہے۔[5]

فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ ''معاہدے پورے کیا کرو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی دیگر ائمہ تفسیر نے بیان فرمایا ہے کہ عقود سے مراد عہود (معاہدے) ہیں۔[6] امام ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عقود سے مراد (معاہدے) ہیں۔ اور اس سے مراد وہ اقرار ہیں جو لوگ قسمیں اٹھا کر کیا کرتے ہیں۔[7] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ معاہدوں کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور حرام قرار دیا ہے اور جو فرائض و حدود قرآن میں مقرر کیے ہیں، ان کی پابندی کرو اور انھیں نہ توڑو، انھیں توڑنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سخت حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (الرعد25:13) ''اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان کو قطع کر دیتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) گھر بھی بہت برا ہے۔''[8]

---

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المآئدة2:311، حديث:3210. [2] مسند أحمد:188/6. [3] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة المآئدة:333/6:11138. [4] تفسير ابن أبي حاتم:196/1. [5] المصنف لابن أبي شيبة، الزهد، باب خيثمة بن عبدالرحمن، رقم:35014. [6] تفسير الطبري: 63/6. [7] تفسير الطبري: 63/6. [8] تفسير الطبري:65/6.

امام ضحاک بھی فرماتے ہیں کہ معاہدوں کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حلال وحرام قرار دیا ہے، نبی اور کتاب کے ساتھ ایمان لانے والوں سے جو عہد و پیمان لیا ہے اور اپنے بندوں پر حلال اور حرام میں سے جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے ان سب کے بارے میں حکم ہے کہ ان کی پابندی کی جائے۔

حلال وحرام جانور: ارشاد الٰہی: ﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ﴾ ''تمھارے لیے چوپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیے گئے ہیں۔'' ان سے مراد اونٹ، گائے اور بکریاں ہیں جیسا کہ امام حسن، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے۔[1] ابن جریر فرماتے ہیں کہ عرب بہیمۃ الانعام انھی جانوروں کو کہتے ہیں۔[2] حضرت ابن عمر، ابن عباس اور کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اگر کسی مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں مردہ جنین ہو تو وہ بھی حلال ہے۔[3]

جنین کے بارے میں سنن ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی، گائے یا بکری ذبح کرتے ہیں تو ان کے پیٹ سے بچے بھی نکل آتے ہیں تو کیا ہم ان کو پھینک دیں یا کھالیا کریں؟ فرمایا: [كُلُوهُ إِنْ شِئْتُمْ فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ] ''اگر تم چاہو تو کھا سکتے ہو ان کی ماں کا ذبح کرنا ہی کافی ہے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن (صحیح) قرار دیا ہے۔[4] امام ابوداود نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ] ''پیٹ کے بچے کو ذبح کرنے کے لیے اس کی ماں کو ذبح کرنا ہی کافی ہے۔''[5] اسے صرف امام ابوداود نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''سوائے ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ہے مردار، خون، سؤر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔[6] امام قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مردار اور ہر وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔[7] حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد آیت کریمہ: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ ...... ﴾ الآية (المآئدة 3:5) ''تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مرجانے والا، چوٹ لگ کر مرجانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا، اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں......'' میں

[1] تفسير الطبرى:67/6 و تفسير الخازن:4/2 و تفسير القرطبى:34/6 . [2] تفسير الطبرى:68/6 . [3] تفسير الطبرى: 68/6 . [4] سنن أبى داود، الضحايا، باب ماجاء فى ذكاة الجنين، حديث:2827 و جامع الترمذى، الصيد، باب ماجاء فى ذكاة الجنين، حديث:1476 و سنن ابن ماجه، الذبائح، باب ذكاة الجنين ذكاة أمه ، حديث:3199 . [5] سنن أبى داود، الضحايا، باب ماجاء فى ذكاة الجنين، حديث:2828. [6] تفسير الطبرى:69/6 . [7] تفسير الطبرى: 69/6 .

مذکور چیزیں ہیں (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔)

اس آیت میں مذکور چوپائے جانور اگرچہ فی نفسہ حلال ہیں لیکن وہ عوارض کی وجہ سے حرام ہوگئے ہیں، اس لیے فرمایا: ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ ''مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کرلو۔'' یعنی ان (مذکور) جانوروں میں سے، ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ ''اور جو تھان پر ذبح کیا جائے۔'' حرام ہے اور وہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہوسکتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''تمھارے لیے چوپائے جانور (جو چرنے والے ہیں) حلال کر دیے گئے ہیں سوائے ان کے جو تمھیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' یعنی سوائے ان بعض جانوروں کے جو بعض حالات میں حرام قرار دے دیے جاتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ ''جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو۔'' بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں چوپائے جانوروں سے مراد عام پالتو جانور اونٹ، گائے، بکریاں اور عام وحشی جانور، مثلاً: ہرن اور نیل گائے وغیرہ ہیں۔ پالتو جانوروں میں سے حرام کو ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى ﴾ ''مگر جو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' کہہ کر مستثنیٰ قرار دے دیا اور وحشی جانوروں میں سے حلال کو حالتِ احرام میں حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ ''جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے تمھارے لیے چوپائے جانوروں کو تمام حالات میں حلال قرار دے دیا ہے مگر ایک صورت اس شخص کے لیے مستثنیٰ ہے جو حالتِ احرام میں ہونے کی وجہ سے شکار کو حرام سمجھنے کا پابند ہو۔ یہ (حکم) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (النحل 115:16) ''ہاں، اگر کوئی ناچار ہو جائے بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی مجبور و مضطر کے لیے ہم نے مردار کھانے کو بھی جائز قرار دے دیا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد گناہ کا ارتکاب کرنا اور حد سے تجاوز کرنا نہ ہو، اس طرح گو ہم نے یہاں چوپائے جانوروں کو تمام حالات میں حلال قرار دیا ہے لیکن تم حالت احرام میں شکار کو حرام قرار دو کیونکہ یہ اس اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کے تمام اوامر ونواہی سے متعلق فیصلے اور احکام مبنی بر حکمت ہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ﴾ ''بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے۔''

بیت اللہ اور حرمت والے مہینے کے احترام کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ﴾ ''مومنو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شعائر اللہ سے مراد مناسک حج ہیں۔[1] امام مجاہد کا قول ہے کہ صفا، مروہ، ہدی اور اونٹ شعائر اللہ میں سے ہیں۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شعائر اللہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے تو اس صورت میں آیت کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، تم انھیں حلال نہ سمجھو، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 73/6 . [2] تفسیر الطبری: 73/6 .

’’اور نہ (بے حرمتی کرو) حرمت والے مہینے کی۔‘‘یعنی اس کی حرمت کی پاسداری کرو اور اس کی عظمت کا اعتراف کرو، اس مہینے میں جنگ کی پہل نہ کرو اور حرام چیزوں کے ارتکاب سے اجتناب کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ (البقرۃ2:217) ’’(اے محمد!) لوگ آپ سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے: ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے۔‘‘اور فرمایا: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (التوبۃ9:36) ’’اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں۔‘‘

صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: [إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ : ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحَجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ] ’’زمانہ اب اپنی اسی حالت میں لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال کے مہینے بارہ ہیں جن میں سے چار حرمت والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔‘‘[1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان مہینوں کی حرمت قیامت تک باقی رہے گی۔

بیت اللہ کی طرف قربانی کے جانوروں کو لے جانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ ’’اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں۔‘‘یعنی بیت الحرام کی طرف قربانی کے جانور بھیجنا ترک نہ کرو کیونکہ اس میں شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ اور ان کی گردنوں میں پٹے ڈالنا بھی ترک نہ کرو تاکہ یہ دوسرے جانوروں سے ممتاز ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ یہ کعبے کی ہدی کے جانور ہیں اور ان کے بارے میں برا ارادہ کرنے والا اپنے ارادے سے باز رہے اور انھیں دیکھنے والا بھی اسی طرح کے جانور بھیجنے کی خواہش کرے۔ اور جو شخص نیکی و ہدایت کی دعوت دیتا ہے، اسے بھی عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جاتی۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے جب حج ادا فرمایا تو آپ نے ذوالحلیفہ، یعنی وادی عقیق میں شب بسر فرمائی تھی، صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ، جو تعداد میں نو تھیں، مباشرت بھی فرمائی تھی، پھر آپ نے غسل فرمایا، خوشبو استعمال کی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، اس کے بعد قربانی کے جانوروں کو اِشعار کیا، یعنی نشان لگائے اور پٹے پہنائے اور حج اور عمرے کا احرام

---

[1] **صحيح البخاري،** التفسير، باب قوله: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ......﴾ الآية (التوبة 9:36)، حديث: 4662 و**صحيح مسلم،** القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء، حديث: 1679 . [2] یہ اصول رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا] **سنن أبي داود،** السنة، باب من دعا إلى السنة، حديث: 4609 و**جامع الترمذي،** العلم، باب فيمن دعا إلى هدى، حديث: 2674 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ اور یہ مکمل روایت عنقریب آرہی ہے۔

باندھا،① آپ ﷺ کے ہدی کے جانور جو بہت سے اونٹ تھے جن کی تعداد ساٹھ سے بھی زیادہ تھی اور وہ بہت ہی خوبصورت شکلوں اور رنگوں کے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ ﴾ (الحج22:33) ''یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے تو بلا شبہ یہ (فعل) دلوں کی پرہیز گاری میں سے ہے۔''

مُقاتل بن حیان کہتے ہیں: فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا الْقَلَآئِدَ ﴾ ''اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان جانوروں کو بھی حلال نہ سمجھو۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت یہ تھی کہ حرمت والے مہینوں کے علاوہ دیگر مہینوں میں جب وہ اپنے علاقوں سے باہر نکلتے تو وہ اپنے گلوں میں بال اور اون کے پٹے ڈال لیتے تھے، مشرکینِ حرم، حرم کے درختوں کی داڑھیوں کے پٹے ڈال لیتے تھے اور اس سے وہ امن میں رہتے تھے۔ اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے، پھر انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی ذکر کی ہے کہ اس سورت میں سے دو آیتیں منسوخ ہیں: ایک یہ آیت قلائد اور دوسری آیت: ﴿ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ ﴾ (المآئدة 5:42) ''پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) آپ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔''②

بیت اللہ جانے والوں کی بے حرمتی کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو عزت کے گھر (بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں۔'' یعنی بیت اللہ کا قصد کر کے جانے والوں سے لڑنے کو بھی حلال نہ سمجھو کیونکہ جو اس گھر میں داخل ہوتا ہے، وہ امن میں ہو جاتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے حصول کی خاطر بیت اللہ کی طرف جا رہا ہو تو اسے بھی نہ روکو اور نہ اسے کوئی تکلیف یا ایذاء پہنچاؤ۔ مجاہد، عطاء، ابوالعالیہ، مُطرِّف بن عبداللہ، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، قتادہ اور کئی ایک دیگر ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس آیت: ﴿ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ میں اللہ کے فضل سے مراد تجارت ہے۔③ جیسا کہ قبل ازیں: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾ (البقرة2:198) ''اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔'' کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

---

① ماخوذ از صحیح البخاری، الحج ، باب خروج النبیﷺ علی طریق الشجرة ، حدیث:1533 وباب من أشعر وقلد بذی الحلیفة ثم أحرم، حدیث: 1695,1694 والغسل، باب إذا جامع ثم عاد ......، حدیث: 267 وصحیح مسلم، الحج، باب الصلاة فی مسجد ذی الحلیفة ، حدیث:1188 وباب الطیب للمحرم عند الإحرام، حدیث:1192. ② الدر المنثور:503/2 والمستدرك للحاكم، التفسیر، تفسیر سورة المآئدة2:312 ، حدیث:3217 اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کی مثل امام مجاہد سے بیان کیا ہے۔ تفسیر الطبری:333/6. ③ تفسیر الطبری: 84,83/6 ، وتفسیر القرطبی: 44/6 والدر المنثور:451/2 .

اورارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ رِضْوَانًا ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وہ اپنے حج سے اللہ کی رضا کے طلب گار ہیں۔[1] عکرمہ، سدی اور ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حُطَم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا تھا۔ اور آئندہ سال جب اس نے بیت اللہ کے لیے عمرے کا قصد کیا تو بعض صحابہ نے پروگرام بنایا کہ اسے راستے میں روکیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمادیا: ﴿ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (بیت اللہ) کو جارہے ہوں (اور) اپنے پروردگار کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں۔''[2]

احرام اتارنے کے بعد شکار کا جواز: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ﴾ ''اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔'' یعنی جب تم احرام سے فارغ ہو کر حلال ہو جاؤ تو ہم نے تمھارے لیے جس شکار کو حرام قرار دیا تھا، اب اسے حلال قرار دے دیا ہے۔ یہ (شکار کرنے کی) ممانعت کے بعد (اس کے کرنے کا) حکم ہے اور اصول کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ حکم کو ممانعت سے پہلے کی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، پس اگر ممانعت سے پہلے واجب ہو تو اسے واجب کی طرف، مستحب ہو تو مستحب کی طرف اور اگر مباح (جائز) ہو تو مباح کی طرف لوٹایا جائے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممانعت کے بعد حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے تو بہت سی آیات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔[3] اور جو یہ کہتے ہیں کہ ممانعت کے بعد حکم اباحت پر دلالت کرتا ہے تو بہت سی آیات سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔[4] تمام دلائل سے جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

عدل وانصاف ہر حال میں واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ ''اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انھوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا، ہرگز تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔'' اس کے معنی ظاہر ہیں کہ ان لوگوں سے بغض اور دشمنی جنھوں نے حدیبیہ کے سال تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا، تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے، ان سے ازراہِ ظلم وعداوت انتقام لینے لگو بلکہ ہر ایک کے ساتھ جیسا کہ حکم الٰہی ہے، عدل و انصاف کا معاملہ کرو جس طرح یہ آیت ہے، اسی طرح آگے بھی ایک آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (المآئدۃ 5:8) ''اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی بات پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔'' یعنی کسی قوم سے بغض تمھیں ترکِ عدل پر آمادہ نہ کرے کیونکہ ہر ایک کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ کسی سے بھی کسی حال میں بھی معاملہ کرتے ہوئے عدل کے دامن کو ہاتھ

---

[1] تفسیر الطبری: 84/6 . [2] تفسیر الطبری: 78/6 و الدر المنثور: 451/2 . [3] جیسا کہ فرمان باری ہے: ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ (الجمعة 62:10) ''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔'' [4] جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (التوبة 9:5) ''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو قتل کر دو۔''

سے نہ چھوڑے۔

امام ابن ابوحاتم نے زید بن اسلم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حدیبیہ میں تھے جب مشرکوں نے انھیں بیت اللہ جانے سے روک دیا تھا اور یہ بات ان پر بہت گراں گزری تھی۔ اور اسی دوران میں جب مشرق کے کچھ مشرک وہاں سے گزر رہے تھے اور ان کا عمرہ کرنے کا ارادہ تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہم بھی ان کی راہ میں رکاوٹ پیدا کریں گے جیسا کہ ان کے ساتھیوں نے ہماری راہ روکی تھی تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔[1] اور ﴿ شَنَاٰنُ ﴾ کے معنی بغض کے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ ﴾ ''اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ فعل خیرات اور ترک منکرات، یعنی نیکی و تقوے کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کریں مگر باطل، گناہ اور حرام کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کریں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اِثم یہ ہے کہ جس کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اسے ترک کر دیا جائے اور عدوان یہ ہے کہ ان حدود سے تجاوز کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دین، تمھاری جانوں یا دوسرے انسانوں کے بارے میں مقرر کی ہیں۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، قِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! ، هٰذَا أَنْصُرُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ ظَالِمًا ؟ قَالَ: تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ] ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وہ جب مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن اگر وہ ظالم ہو تو پھر اس کی مدد کس طرح کروں؟ فرمایا: اسے ظلم کرنے سے روکو یا باز رکھو تو یقیناً یہ اس کی مدد ہے۔''[4] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے بطریق ہُشَیم اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[5]

امام احمد نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [اَلْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِّنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ] ''وہ مومن جو لوگوں سے مل جل کر رہتا اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، اسے اس سے زیادہ اجر و ثواب ملے گا جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی تکلیفوں پر صبر نہیں کرتا۔''[6]

اور صحیح حدیث میں ہے: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ

① الدر المنثور:450/2 . ② تفسير الطبرى:87/6 والدر المنثور:451/2 . ③ تفسير الطبرى:89/6 . ④ مسند أحمد: 99/3. ⑤ صحيح البخارى، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه: أنه أخوه ...... ، حديث:6952 عن أنس رضی اللہ عنہ. ⑥ مسند أحمد:365/5 وجامع الترمذى، صفة القيامة، باب فى فضل المخالطة......، حديث:2507 وسنن ابن ماجه ، الفتن، باب الصبر على البلاء، حديث:4032 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما.

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ

تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے سے مرجانے والا،

وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ

چوٹ لگ کر مرنے والا، اوپر سے گر کر مرجانے والا، کسی کا سینگ لگ کر مرنے والا اور وہ جانور بھی جسے درندے کھا جائیں، سوائے اس کے جسے تم ذبح

عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

کرلو، اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تم فال کے تیروں سے قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج وہ لوگ ناامید ہوگئے

دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

جنھوں نے تمھارے دین کا انکار کیا، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو، اور مجھی سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

کردی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کرلیا، پس جو شخص بھوک سے بے بس ہوجائے جبکہ وہ گناہ پر مائل ہونے والا نہ ہو، تو یقیناً اللہ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے③

أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَّمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا] ''جو شخص ہدایت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے اجر وثواب کے مطابق اجر وثواب ملے گا جو اس کے مطابق عمل کریں گے۔ اور اس سے عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص گمراہی وضلالت کی دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کے مطابق عمل کریں گے اور اس سے عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔''①

تفسیر آیت:3

جن حیوانات کو کھانا حرام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مطلع فرمایا ہے کہ ان کے لیے مردار حرام ہے۔ اس سے مراد ہر وہ جانور ہے جو ذبح کیے اور شکار کیے بغیر از خود مر جائے۔ مردار کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ خون نہ بہنے کی وجہ سے دین اور بدن کے لیے بے حد نقصان دہ ہوتا ہے، ہاں! البتہ مچھلی اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ہر حال میں حلال ہے، خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں، امام ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اپنی اپنی سنن میں اور امام ابن خزیمہ وابن حبان رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سمندر کے پانی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ] ''اس کا پانی پاک اور مردار حلال

① صحيح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ......، حديث:2674 وسنن أبي داود، السنة، باب من دعا إلى السنة، حديث:4609 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

ہے۔''[1] اسی طرح مکڑی بھی حلال ہے جیسا کہ عنقریب حدیث آ رہی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَالدَّمُ ﴾ ''اور خون'' اس سے ذبح کے وقت گردن سے بہنے والا خون مراد ہے، اسی وجہ سے ایک دوسرے مقام پر﴿ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ﴾ (الأنعام6:145) ''یا بہتا خون'' فرمایا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے۔ امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلیجی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے کھا سکتے ہو، لوگوں نے کہا کہ وہ تو خون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو خون حرام ہے، اس سے مراد بہتا ہوا خون ہے۔[2] امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[أُحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ: فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ: فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ] ''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال قرار دے دیے گئے ہیں، دو مردار سے مراد: مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون سے مراد جگر اور کلیجی ہیں۔''[3] امام احمد بن حنبل، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی رحمہم اللہ نے بھی اسے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔[4]

اور فرمان الٰہی ہے:﴿ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ﴾ ''اور سؤر کا گوشت (بھی حرام ہے۔)'' سؤر، خواہ پالتو ہو یا جنگلی جس طرح اس کا گوشت حرام ہے، اسی طرح اس کے جسم کے باقی تمام اعضاء اور چربی وغیرہ بھی حرام ہے۔ ظاہریہ نے یہاں جس جمود اور استدلال میں تکلف سے کام لیا ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:﴿ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ ﴾ (الأنعام6:145) میں فَإِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع خنزیر ہے لحم خنزیر نہیں ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ خنزیر کے جسم کے تمام اجزاء ہی حرام ہیں لیکن از روئے لغت یہ استدلال بہت بعید از قیاس ہے، اس لیے کہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع مضاف ہوتا ہے مضاف الیہ نہیں۔ (اس لیے کہنا یوں چاہیے کہ) یقیناً لحم (گوشت) ہی عام ہے اور اس

---

[1] الموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: 45 وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 83 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر أنه طهور، حديث: 69 وسنن النسائي، المياه، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 333 وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 386 وصحيح ابن خزيمة، الوضوء، باب الرخصة في الغسل والوضوء من ماء البحر......: 59/1 ، حديث: 111 وصحيح ابن حبان، الطهارة، باب المياه: 49/4 ، حديث:1243. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1406/5. [3] كتاب الأمّ للشافعي ، الصّيد والذبائح ، باب ذكاة الجراد والحيتان:177/3. [4] مسند أحمد:97/2 وسنن ابن ماجه، الأطعمة ، باب الكبد والطحال، حديث: 3314 واللفظ له، البتہ[أُحِلَّ] کے بجائے حوالوں میں[أُحِلَّتْ] ہے۔ اور [أُحِلَّ] کے لیے دیکھیے: سنن الدارقطني، الأشربة وغيرها، باب الصّيد والذبائح والأطعمة وغير ذلك:271,270/4، حديث:4687 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الطهارة، باب الحوت يموت في الماء والجراد:254/1 . یہ روایت مرفوعاً ضعیف ہے، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہونے کی حیثیت سے صحیح ہے اور اس لحاظ سے یہ درحقیقت مرفوع ہی ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا: ''ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے'' یہ مرفوع کے حکم ہی میں ہوتا ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد) :16/10 .

سے مراد اس کے جسم کے تمام اجزاء ہیں جیسا کہ عربی زبان کے اس لفظ اور عرف عام سے یہ مفہوم بالکل واضح طور پر سمجھ میں آ رہا ہے۔

صحیح مسلم میں بُریدہ بن حُصَیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ لَّعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَّدَمِهِ] ''جو شخص نردشیر (شطرنج کی طرح کا ایک کھیل، بعض نے اسے چوسر بھی لکھا ہے۔) کھیلے تو اس نے گویا اپنا ہاتھ سؤر کے گوشت اور خون میں ڈالا۔''[1] اس حدیث سے اندازہ فرمائیں کہ اگر محض اس کے گوشت کو ہاتھ لگانے سے اس قدر نفرت دلائی گئی ہے تو اسے کھانے اور بطور غذا استعمال کرنے کی ممانعت کس قدر شدید ہوگی۔ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ لحم (گوشت) کا لفظ اس کی چربی اور دیگر تمام اعضاء پر بھی مشتمل ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ (وَرَسُولَهُ) حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ، فَقِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ ، فَإِنَّهَا يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ ، وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ : لَا ، هُوَ حَرَامٌ] ''اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں کیا حکم ہے اس سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے، چمڑوں کو تیل لگایا جاتا ہے اور لوگ اسے چراغوں میں جلاتے ہیں؟ فرمایا: نہیں، یہ حرام ہے۔''[2] صحیح بخاری میں حدیثِ ابوسفیان میں ہے کہ انھوں نے ہرقل شاہ روم سے یہ کہا تھا کہ ''وہ (نبی) ہمیں مردار اور خون سے منع کرتے ہیں۔''[3]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ''اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔'' یعنی جو چیز ذبح کی جائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے تو وہ بھی حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واجب قرار دیا ہے کہ اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اس کے عظیم نام سے ذبح کیا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس سے اعراض کرتے ہوئے جانور ذبح کرتے وقت کسی صنم، طاغوت، بت یا دیگر تمام مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کا نام لے گا تو ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَالْمُنْخَنِقَةُ﴾ ''اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو گلا گھٹ کر مر جائے، خواہ قصد و ارادے سے یا اتفاق سے، مثلاً: یہ کہ وہ اپنی اس رسی وغیرہ سے الجھ جائے جس سے اسے باندھا گیا ہو اور اس طرح وہ مر جائے تو وہ بھی حرام ہوگا۔ ﴿وَالْمَوْقُوذَةُ﴾ ''اور جو چوٹ لگ کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جسے کسی بھاری اور

---

[1] صحيح مسلم ، الشعر، باب تحريم اللعب بالنردشير، حديث: 2260 . [2] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث: 2236 وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، حديث: 1581 عن جابر بن عبد الله ﷺ. [3] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب: كيف كان بدء الوحي، حديث: 7 یہاں بھی اور اسی طرح صحیح بخاری کے کئی مقامات پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تو موجود ہے لیکن یہ الفاظ نہیں ہیں، البتہ مذکورہ الفاظ اسی سیاق سے مسند أبي عوانة، الجهاد، بيان كتاب النبي ﷺ إلى هرقل: 273/4 میں ہیں۔

غیر دھار والی چیز سے مارا جائے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جسے کسی لکڑی سے مارا جائے اور اس سے اسے اس قدر چوٹ لگ جائے کہ وہ مر جائے۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ جانوروں کو لاٹھیوں سے مارتے تھے اور جب وہ مر جاتے تو پھر انھیں کھا لیتے تھے۔[2]

صحیح (بخاری) میں عدی بن ابو حاتم سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں شکار پر ایک ایسی لاٹھی پھینکتا ہوں جس کے آگے چھری لگی ہوتی ہے اور وہ شکار کو لگ جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا: [إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ ، وَإِنْ أَصَابَهُ بَعَرْضِهِ (فَإِنَّهُ وَقِيذٌ) فَلَا تَأْكُلْهُ] ''اگر تم چھری لگی لاٹھی پھینکو اور وہ جانور کو پھاڑ دے تو اسے کھا لو اور اگر وہ اسے عرض کے بل لگے تو وہ وقیذ (موقوذ) یعنی چوٹ لگ کر مرا ہے، لہٰذا اسے نہ کھاؤ۔''[3] اس حدیث میں آپ نے فرق بیان فرما دیا ہے کہ اگر جانور کو تیر یا چھوٹا نیزہ وغیرہ دھار کی طرف سے لگے تو اسے آپ نے حلال قرار دیا ہے اور اگر وہ عرض کے بل لگے اور اس سے چوٹ لگ کر جانور مر جائے تو اسے آپ نے حلال قرار نہیں دیا۔ فقہاء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے۔

﴿ وَالْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ ''اور جو گر کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو پہاڑ وغیرہ کی چوٹی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر جائے تو وہ بھی حلال نہیں ہے۔ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر مر جائے۔[4] قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو کنویں میں گر کر مر جائے۔[5] سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو پہاڑ سے گر کر یا کنویں میں گر کر مر جائے۔[6]

﴿ وَالنَّطِيحَةُ ﴾ ''اور جو سینگ لگ کر مر جائے۔'' اس سے مراد وہ جانور ہے جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے، خواہ وہ سینگ سے زخمی ہوا ہو اور اس سے خون بھی نکلا ہو، خواہ خون ذبح کرنے کی جگہ سے نکلا ہو تو پھر بھی وہ حرام ہے۔ نطیحۃ کا لفظ فَعِيلَةٌ کے وزن پر مَفْعُولَةٌ کے معنی میں ہے، یعنی مَنْطُوحَةٌ اور اس کے معنی ہیں جسے سینگ مار دیا گیا ہو۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ ﴾ ''اور وہ جانور بھی (حرام ہے) جس کو درندے پھاڑ کھائیں۔'' یعنی جس پر شیر، ببر شیر، چیتا، بھیڑیا یا کتا وغیرہ حملہ کر کے اس کے کچھ حصے کو کھا لے اور وہ اس کی وجہ سے مر جائے تو وہ بھی حرام ہے، خواہ اس کا خون بہا ہو اور بہا بھی ذبح کرنے کی جگہ سے ہو تو ایسا جانور بھی بالاجماع حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس بکری، گائے

---

[1] تفسير الطبرى:93/6 . [2] تفسير الطبرى:93/4 . [3] صحيح البخارى، الذبائح والصيد، باب صيد المعراض، حديث:5476 وصحيح مسلم، الصيد والذبائح......، باب الصيد بالكلاب المعلّمة والرمى، حديث:1929 [illegible]، البتہ [فإنه وقيذ] کے الفاظ صحیح مسلم، حدیث:(3)-1929 میں ہیں۔ [4] تفسير الطبرى:93/6 . [5] تفسير الطبرى: 93/6 . [6] تفسير الطبرى:94/6 .

اور اونٹ وغیرہ کو کھا لیا کرتے تھے جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہوتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ایسے جانور کو کھانا حرام قرار دے دیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ ”مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کرلو۔“ اس سے مراد وہ جانور ہے جو مر رہا ہو مگر ابھی تک اس میں زندگی موجود ہو اور اسے ذبح کرنا ممکن ہو۔ اور اس استثنا کا تعلق مذکورہ جانوروں میں سے ان سے ہے جن کو مستثنیٰ کرنا ممکن ہو۔ اور وہ گلا گھٹ کر، چوٹ لگ کر، گر کر، سینگ لگ کر زخمی ہونے والے اور درندوں کے پھاڑ کھائے ہوئے جانور ہی ہو سکتے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری: ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان جانوروں میں سے جن میں ابھی روح موجود ہو اور تم ان کو ذبح کرلو تو انھیں کھا لو وہ حلال ہیں۔[1] سعید بن جبیر، حسن بصری اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2]

امام ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اگر تم چوٹ لگنے، گرنے والے اور سینگ لگنے والے جانور کو اس طرح پالو کہ وہ ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہو تو اسے کھا لیا کرو۔[3] اسی طرح طاؤس، حسن، قتادہ، عبید بن عمیر، ضحاک اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر سے مروی ہے کہ ذبح کیے جانے والے جانور میں جب ایسی حرکت موجود ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ ابھی اس میں زندگی موجود ہے تو وہ ذبح کرنے کے بعد حلال ہے۔[4]

صحیحین میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کل دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوگی[5] اور ہمارے پاس چھری موجود نہیں ہے تو کیا ہم سرکنڈے سے ذبح کرلیں؟ آپ نے فرمایا: [مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ ، وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، أَمَّا السِّنُّ: فَعَظْمٌ وَّأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ] ”جو چیز بھی خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھا لو لیکن اسے دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو اور ابھی میں اس کی وجہ بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔“[6]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ ”اور وہ جانور بھی (حرام ہے) جو تھان پر ذبح کیا جائے۔“ مجاہد اور ابن جریج کہتے ہیں کہ نصب سے مراد وہ پتھر ہیں جو کعبے کے اِرد گرد رکھے ہوئے تھے۔[7] ابن جریج کہتے ہیں کہ یہ تین سو ساٹھ بت تھے اور زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ اور ان کے خون بیت اللہ کے اگلے حصے پر مل دیتے تھے اور گوشت ٹکڑے ٹکڑے کر کے بتوں کے آگے رکھ دیتے تھے۔[8] کئی ایک اہل علم نے اسی طرح ذکر کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا اور ایسے ذبیحوں کے کھانے کو حرام قرار دیا، خواہ بتوں کے لیے ذبح کرتے ہوئے ان پر اللہ

---

[1] تفسير الطبرى:96/6. [2] تفسير الطبرى:96/6 . [3] تفسير الطبرى:97/6 . [4] تفسير الطبرى:97/6 . [5] یہ غزوۂ حنین کی طرف اشارہ ہے اور دشمن سے مراد ثقیف اور ہوازن وغیرہ ہیں۔ [6] صحيح البخارى، الشركة، باب قسمة الغنم، حديث:2488. ”...... دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوگی“ یہ الفاظ، حدیث: 5509 کے مطابق ہیں۔ وصحيح مسلم، الأضاحى، باب جواز الذبح بكل ماأنهرالدم ......، حديث:1968. [7] تفسير الطبرى:100/6. [8] تفسير الطبرى:100/6.

کا نام ہی کیوں نہ لیا گیا ہو، کیونکہ بتوں کے نام پر ذبح کرنا شرک ہے اور اسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اور اسے اسی پر محمول کرنا درست ہے، کیونکہ اس سے پہلے یہ مذکور ہے کہ جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، وہ حرام ہے۔

پانسوں سے قسمت معلوم کرنا حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾ ''اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔'' یعنی مومنو! تمھارے لیے پانسوں سے قسمت معلوم کرنا بھی ہم نے حرام قرار دیا ہے۔ أَزْلَام جمع ہے، اس کا واحد زُلَمٌ ہے، اسے زَلَمٌ بھی پڑھا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ پانسوں سے قسمت آزمائی کیا کرتے تھے اور وہ اس طرح کہ ان کے پاس تین تیر ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا: اِفْعَلْ ''کرو'' دوسرے پر لکھا ہوتا تھا: لَا تَفْعَلْ ''نہ کرو۔'' اور تیسرا خالی ہوتا تھا اور اس پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک تیر پر یہ لکھا ہوتا تھا: أَمَرَنِي رَبِّي ''میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے۔'' دوسرے پر لکھا ہوتا تھا: نَهَانِي رَبِّي ''میرے رب نے مجھے منع فرمایا ہے۔'' اور تیسرا خالی ہوتا اور اس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ اور جب وہ انھیں فضا میں اچھالتے اور وہ تیر اوپر آ جاتا جس پر کام کرنے کا لکھا ہوتا تو وہ اس کام کو کر لیتے، یا نہ کرنے والا اوپر آ جاتا تو وہ اسے نہ کرتے اور اگر خالی تیر اوپر آ جاتا تو وہ اس عمل کو دوبارہ کرتے۔

استقسام، قسمت کے تیروں (اَزلام) کے ذریعے سے قسمت معلوم کرنا سے ماخوذ ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ ان تیروں سے اپنے امور و معاملات کے انجام معلوم کیا کرتے تھے۔[1]

محمد بن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قریش کے سب سے بڑے بت کا نام ہُبَل تھا، جو کعبے کے اندر ایک کنویں پر نصب کیا گیا تھا جس میں تحائف اور کعبے کے اموال ڈالے جاتے تھے، یہاں سات تیر رکھے ہوئے تھے اور ان پر ان کے مشکل کاموں کے فیصلے لکھے ہوتے تھے، قسمت آزمائی کے وقت ان میں سے جو تیر نکل آتا اس کے مطابق عمل کرتے اور اس سے انحراف نہیں کرتے تھے۔[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب (فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ) تشریف لائے تو آپ نے کعبے میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، اس میں جھوٹے معبود تھے، آپ نے انھیں نکالنے کا حکم دیا، انھوں نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بت نکالے ان دونوں کے ہاتھوں میں تیر تھے تو (یہ دیکھ کر) آپ نے فرمایا: [قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ، (أَمَ وَاللّٰهِ!) لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّهُمَا لَمْ يَسْتَقْسِمَا بِهَا (قَطُّ)] ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کرے، اللہ کی قسم! کیا انھیں معلوم نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تیروں کے ساتھ کبھی قسمت آزمائی نہیں کی تھی۔''[3]

امام مجاہد فرماتے ہیں: أَزْلَامُ سے مراد عربوں کے تیر اور ایرانیوں اور رومیوں کے شطرنج کے مہرے ہیں جن کے ساتھ وہ جوا

[1] تفسیر الطبری:104/6. [2] تفسیر الطبری:103/6. [3] صحیح البخاری، الحج، باب من کبّر فی نواحی الکعبة، حدیث:1601 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. اور تفسیر ابن کثیر میں [قَطُّ] کی جگہ [أَبَدًا] ہے۔

کھیلا کرتے تھے۔① لیکن ان کی یہ بات کہ وہ جوئے کے لیے بنائے گئے تھے، محل نظر ہے۔ ہاں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انھیں کبھی خیر کی طلب کے لیے اور کبھی جوئے کے لیے استعمال کر لیتے ہوں گے۔ واللہ أعلم. کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں اَزلام اور میسر (جوا) کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے:② ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ○﴾ (المآئدۃ 91,90:5) ''اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان میں سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈال دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم (ان شیطانی کاموں سے) باز آتے ہو؟'' اور اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ﴾ ''اور یہ بھی کہ فال نکالنے کے تیروں سے تم قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔'' یعنی یہ سب کام گناہ، سرکشی، ضلالت، جہالت اور شرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ انھیں اپنے امور و معاملات میں جب کوئی تردد ہو تو وہ استخارہ کر لیا کریں اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور جس کام کے کرنے کا وہ ارادہ رکھتے ہوں، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ (خیر طلب) کر لیا کریں۔

امام احمد، بخاری اور اہل سنن رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ امور و معاملات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں استخارہ اسی طرح سکھایا کرتے تھے جیسا کہ آپ ہمیں قرآن مجید کی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے، آپ فرماتے:

[إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ، ثُمَّ لِيَقُلْ : اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ ـ يُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ ـ خَيْرٌ لِّي فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْقَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ۔ فَاقْدُرْهُ لِي، وَيَسِّرْهُ ، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ ، اَللّٰهُمَّ! وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهُ شَرًّا لِّي فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي ـ أَوْقَالَ: عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ۔ فَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ]

''اگر تم میں سے کسی کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ فرضی نماز کے علاوہ دو رکعتیں ادا کرے اور کہے: اے

① تفسیر الطبری: 102/6. ② یہ قِرَن کے معنی ہیں لیکن تفسیر کے اکثر نسخوں میں فَرَّقَ ہے اور یہاں یہی زیادہ موزوں ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ازلام اور جوئے میں فرق کیا ہے اور قَرَنَ کے لفظ سے بھی یہی مقصود ہے، اس لیے ازلام سے صرف جوا مراد لینا محل نظر ہے۔

اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے سے تجھ سے خیر و بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس لیے کہ تو تو ہر کام کی قدرت رکھتا ہے اور میں کسی بھی کام کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور تو تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ بھی نہیں جانتا اور تو ہی تمام پوشیدہ باتوں کو خوب اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تجھے معلوم ہے کہ یہ کام۔ اور یہاں اس کام کا نام لے جس کے لیے استخارہ کیا جا رہا ہے۔ میرے حق میں میرے دین کے اعتبار سے۔ دنیا کے اعتبار سے، معاش کے اعتبار سے اور انجام کے اعتبار سے یا آپ نے یہ فرمایا: میری دنیوی زندگی کے اعتبار سے اور اخروی زندگی کے اعتبار سے۔ میرے حق میں بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان فرما دے، پھر اس میں میرے لیے برکت بھی عطا فرما دے۔ اے اللہ! اگر تجھے یہ معلوم ہے کہ یہ کام میرے لیے میرے دین، میری دنیا، میری معاش اور میری آخرت کے اعتبار سے۔ یا آپ نے یہ فرمایا: میری دنیوی زندگی کے اعتبار سے اور اخروی زندگی کے اعتبار سے۔ میرے حق میں برا ہے تو مجھے اس کام سے اور اس کام کو مجھ سے دور کر دے اور جس کام میں بھی میرے لیے خیر و بھلائی مقدر ہو، وہ مجھے عطا فرما دے، پھر مجھے اس سے راضی بھی کر دے۔''[1] یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے ہیں اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

کفار اور شیطان کی مسلمانوں کے دین سے ناامیدی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْیَوْمَ یَىِٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ ﴾ ''آج کافر تمھارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب کفار مایوس ہو گئے ہیں کہ مسلمان اب کبھی بھی ان کے دین کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔[2] عطاء بن ابو رباح، سدی اور مقاتل بن حیان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

اسی مفہوم کے مطابق یہ صحیح حدیث بھی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے: [إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، وَلٰكِنْ (بِالتَّحْرِيشِ) بَيْنَهُمْ] ''شیطان اب اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ نمازی جزیرۃ العرب میں اس کی عبادت کریں۔ ہاں، البتہ وہ ان کے باہمی تعلقات خراب کرنے سے مایوس نہیں ہے۔''[4] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس جملے کے معنی یہ ہوں کہ کفار مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرنے سے ناامید ہو گئے ہیں کیونکہ مسلمان

---

[1] صحیح البخاری، التهجد، باب ماجاء فی التطوع مثنی مثنی، حدیث:1162 ومسند أحمد:344/3 و [illegible]، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ وجامع الترمذی، الوتر، باب ماجاء فی صلاة الاستخارة، حدیث: 480 وسنن النسائی، النكاح، باب كيف الاستخارة، حدیث:3255 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی صلاة الاستخارة، حدیث:1383. اور [دُنْيَايَ] مسند أحمد:423/5 میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ [2] تفسیر الطبری:105/6 والدرالمنثور:455/2 . [3] تفسیر الطبری:105/6. [4] صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان......،حدیث:2812 عن جابر رضی اللہ عنہ. وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی التباغض ، حدیث:1937 ومسند أحمد:313/3. لیکن [بالتحریش] مسند أبی یعلی الموصلی:194/4 میں ہے۔

ایسی صفات سے اتصاف پذیر ہو گئے ہیں جو شرک اور مشرکوں کے خلاف ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ صبر کریں، کفار کی مخالفت میں ثابت قدم رہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، پس فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ ''تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔'' یعنی اگر وہ تمھاری مخالفت کرتے ہیں تو ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو، میں تمھیں ان کے مقابلے میں فتح و نصرت سے سرفراز کروں گا، تمھارے سینوں کو ٹھنڈا کروں گا اور تمھیں دنیا و آخرت میں ان پر سربلندی عطا کروں گا۔

اسلام ہی کامل دین ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کیا ہے۔'' اس امت پر اللہ تعالیٰ کی یہ سب سے بڑی اور عظیم الشان نعمت ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کے دین کو کامل اور مکمل کر دیا ہے، اب انھیں اسلام کے سوا نہ کسی اور دین کی ضرورت ہے اور نہ اپنے نبی صلوات اللہ و سلامہ علیہ کے سوا کسی اور نبی کی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر قیامت تک کے جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا اب حلال وہ ہے جسے آپ حلال قرار دیں، حرام وہ ہے جسے آپ حرام کہیں، دین وہ ہے جو آپ پیش فرمائیں اور آپ جو بھی فرمائیں وہ حق اور سچ ہے، اس میں کذب و شک کا ادنیٰ سا بھی شائبہ تصور نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں خبر کے اعتبار سے سچ اور امر و نہی کے اعتبار سے عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ان کے دین کو کامل کر دیا اور ان پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا تو پھر ارشاد فرمایا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔'' لہٰذا تم بھی اسی دین پر خوش ہو جاؤ کیونکہ یہ وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے، اسی دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیائے کرام میں سے افضل رسول حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان پر تمام کتابوں میں سے اشرف کتاب کو نازل فرمایا۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے ہارون بن عَنْتَرہ کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ حج اکبر کے دن نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگ گئے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَا يُبْكِيكَ ؟ قَالَ: أَبْكَانِي أَنَّا كُنَّا فِي زِيَادَةٍ مِّنْ دِينِنَا ، فَأَمَّا إِذَا كَمَلَ فَإِنَّهُ لَمْ يَكْمُلْ شَيْءٌ إِلَّا نَقَصَ ، فَقَالَ : صَدَقْتَ] ''روتے کیوں ہو؟ انھوں نے عرض کی: مجھے یہ بات رلا رہی ہے کہ پہلے ہمارے دین میں اضافہ ہو رہا تھا اور جب کوئی چیز مکمل ہو جائے تو پھر اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو۔''[1] اس کی تائید اس صحیح و ثابت حدیث سے بھی ہوتی ہے:

[1] تفسیر الطبری: 107,106/6 و المصنف لابن أبی شیبة، الزهد، باب ما ذکر عن نبینا ﷺ فی الزهد، رقم: 34397 یہ روایت مرسل ہے۔

[إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا ، وَّسَيَعُودُ غَرِيبًا كَمَا بَدَأَ ، (فَطُوبٰى لِلْغُرَبَاءِ)] ''اسلام کا آغاز اجنبیت میں ہوا اور حالتِ اجنبیت ہی کی طرف یہ عنقریب لوٹ آئے گا، جیسے اس کا آغاز ہوا تو ان اجنبیوں کے لیے خوش خبری ہے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے طارق بن شہاب کی روایت بیان کی ہے کہ ایک یہودی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: امیر المؤمنین! آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر ہم یہودیوں کی کتاب میں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ آپ نے فرمایا: کون سی آیت؟ اس نے جواب دیا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس دن کو جانتا ہوں جس میں یہ آیت کریمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور میں اس وقت کو بھی جانتا ہوں جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، وقت عرفے کی شام کا تھا اور دن جمعۃ المبارک کا (ہماری تو اس دن دو عیدیں تھیں۔)[2] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن بن صباح از جعفر بن عون کی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3] نیز اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

صحیح بخاری میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طارق کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: واللہ! آپ ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ اگر ہمارے ہاں یہ آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم اسے عید بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ یہ آیتِ کریمہ کب اور کہاں نازل ہوئی تھی اور جب یہ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہ عرفے کا دن تھا اور اللہ کی قسم! ہم بھی اس وقت عرفے ہی میں تھے، سفیان کہتے ہیں کہ مجھے اس میں شک ہے کہ وہ جمعے کا دن تھا یا نہیں، اور اس آیت سے مراد ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾.[5]

سفیان رحمہ اللہ کا اگر روایت میں شک ہے تو یہ ان کے تقوے کی وجہ سے ہے کہ انھیں اس بات میں شک ہے کہ ان کے شیخ نے انھیں اس کے بارے میں خبر دی ہے یا نہیں اور اگر انھیں اس کے بارے میں شک ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وقوف عرفہ جمعے کے دن تھا یا نہیں تو میرا خیال ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے۔ اور اصحابِ مغازی و سیر اور فقہاء میں سے بھی کسی کا اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اختلاف ہو بھی کیسے کہ یہ بات تو ایسی احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ واللّٰه أعلم. حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث کئی

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنّ الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا ……، حديث: 146 [فطوبى للغرباء] کے الفاظ صحیح مسلم کی حدیث:145 کے ہیں۔ وجامع الترمذی، الإيمان ، باب ماجاء أن الإسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا، حديث:2629 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب بدأ الإسلام غريبا، حديث:3986 . [2] مسند أحمد:28/1 . [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، حديث: 45 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. [4] صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3017 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث:3043 وسنن النسائي، مناسك الحج، باب ما ذكر في يوم عرفة، حديث:3005 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. [5] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ (المآئدة 3:5) ، حديث:4606 .

سندوں سے مروی ہے۔

اضطراری حالت میں مردار کھانے کا جواز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ③ ﴾ ''پس جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (جبکہ وہ) گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اگر کسی کو ان حرام اشیاء میں سے کسی چیز کے کھانے کی ضرورت پیش آ جائے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کو کھانے کے لیے مجبور و مضطر ہو جائے تو وہ کھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مجبور و مضطر بندے کی حاجت و ضرورت کو جانتا ہے، لہٰذا وہ اس سے درگزر فرماتا ہے۔

مسند (احمد) اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے جیسا کہ وہ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ اس کی معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔'' یہ الفاظ ابن حبان کی روایت کے ہیں۔[1] مردار کھانے کے جواز کی یہ شرط نہیں ہے کہ تین دن گزر جائیں اور اسے کھانے کی کوئی چیز نہ ملے جیسا کہ اکثر عوام اور دیگر میں یہ بات مشہور ہے بلکہ جب بھی کوئی مجبور و مضطر ہو جائے تو اس کے لیے اسے کھانا جائز ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوواقد لیثی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک ایسے علاقے میں ہیں، جہاں ہم بھوک سے ناچار ہو جاتے ہیں تو ہمارے لیے مردار کھانا کب حلال ہوتا ہے؟ فرمایا: [إِذَا لَمْ تَصْطَبِحُوا ، وَلَمْ تَغْتَبِقُوا ، وَلَمْ تَحْتَفِئُوا بَقْلًا فَشَأْنُكُمْ بِهَا] ''جب تمھیں صبح کا کھانا نہ ملے اور جب شام کا کھانا نہ ملے اور تمھیں کوئی سبزی ترکاری وغیرہ بھی نہ ملے تو اسے کھا لو۔''[2] اس سند سے اسے صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔

اس حدیث کے الفاظ [إِذَا لَمْ تَصْطَبِحُوا] کے معنی ہیں کہ جب تک تمھیں صبح کا کھانا نہ ملے، [وَ لَمْ تَغْتَبِقُوا] کے معنی ہیں کہ جب تک تمھیں شام کا کھانا نہ ملے [أَوْ تَحْتَفِئُوا بَقْلًا] یعنی یا تمھیں سبزی ترکاری وغیرہ نہ ملے۔ اور [فَشَأْنُكُمْ بِهَا] کے معنی ہیں کہ تم اسے کھا لو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ ۙ ﴾ ''(بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو تو اس کے لیے اللہ نے اسے جائز قرار دے دیا ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی دوسرے انسان سے سکوت فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾ (البقرۃ 173:2) ''ہاں جو شخص ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر

---

① صحيح ابن حبان، الصلاة، فصل في صلاة السفر، ذكر استحباب قبول رخصة الله إذ الله جل وعلا يحب قبولها: 451/6، حديث:2731 ومسند أحمد:108/2 والمعجم الكبير للطبراني:85,84/10، حديث:10030. ② مسند أحمد:218/5 وسنن الدارمي، الأضاحي، باب في أكل الميتة للمضطرّ :75/2، حديث:1996 .

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

(اے نبی!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے (کھانے کی) کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں؟ کہہ دیجیے: تمھارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ

ہیں۔ اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار حلال ہے) جنھیں تم سدھا لیتے ہو، اللہ نے تمھیں جو سکھایا ہے اس کے مطابق تم انھیں سکھاتے ہو، پس وہ جس

اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

شکار کو تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس پر اللہ کا نام پڑھو اور اس میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے④

کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔‘‘

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ معصیت کے سفر میں سفر کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیتوں اور نافرمانیوں کے ساتھ اس سے رخصتوں کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ و اللّٰہ أعلم.

تفسیر آیت: 4

حلال کا بیان: سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان ناپاک چیزوں کا ذکر کیا تھا جو کھانے والے کے جسم یا دین یا دونوں ہی کے لیے نقصان دہ ہیں اور ان کے کھانے کی صرف حالتِ اضطرار ہی میں اجازت دی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ ﴾ (الأنعام 119:6) ’’جو چیزیں اس نے تمھارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں، وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں، (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے (کھانے کے) لیے ناچار ہو جاؤ۔‘‘ اور اب اس آیت کے بعد فرمایا ہے: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ ﴾ ’’وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی ہیں (ان سے) کہہ دیجیے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔‘‘ جیسا کہ سورۂ اعراف میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔[1]

مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے، وہ حلال رزق ہے۔[2] امام زہری سے پیشاب کے بطور دوا استعمال کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ پاک چیزوں میں سے نہیں ہے، لہٰذا اسے بطور دوا بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

سدھائے ہوئے شکاری جانوروں سے شکار کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ ’’اور ان شکاری جانوروں کا (کیا ہوا شکار) بھی حلال ہے جن کو تم نے سدھا رکھا ہو۔‘‘ یعنی تمھارے لیے وہ ذبیحے حلال ہیں جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، کھانے کی پاک چیزیں حلال ہیں اور وہ شکار حلال ہے جسے تم شکاری جانوروں، مثلاً: کتوں، چیتوں اور بازوں وغیرہ کے ذریعے سے شکار کرو جیسا کہ جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ کا مذہب ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

[1] دیکھیے آیت: 157 . [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1985/6.

روایت کیا ہے کہ شکاری جانوروں سے مراد سدھائے ہوئے کتے، باز اور ہر وہ پرندہ ہے جو شکار کرنا جانتا ہے۔ اور جوارح سے مراد شکاری کتے، چیتے اور شکرے وغیرہ ہیں۔[1] اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خیثمہ، طاؤس، مجاہد، مکحول اور یحییٰ بن ابوکثیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

اسی طرح امام ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ پرندوں میں سے باز وغیرہ جو شکار کریں تو اس شکار کو تم پالو تو وہ تمھارا ہے اور اگر اس نے خود کھالیا ہو تو پھر تم اسے نہ کھاؤ۔[2] جمہور کا قول یہ ہے کہ پرندوں کے ساتھ شکار بھی کتوں ہی کے ساتھ شکار کی طرح ہے کیونکہ وہ بھی کتوں کی طرح اپنے پنجوں ہی سے شکار کرتے ہیں اور اس اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ امام ابن جریر نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے شکار کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: [مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَكُلْ] ''وہ جو تمھارے لیے روک لے تو تم اسے کھالو۔''[3]

ان حیوانات کو جن کے ساتھ شکار کیا جاتا ہے ''جوارح'' کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ جوارح، جرح سے ہے جس کے معنی کمانے کے ہیں، عرب کہتے ہیں: فُلَانٌ جَرَحَ أَهْلَهٗ خَيْرًا ''فلاں شخص نے اپنے اہل وعیال کے لیے نیک نامی کمائی ہے۔'' اسی طرح وہ کہتے ہیں: فُلَانٌ لَا جَارِحَ لَهٗ ''فلاں شخص کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ (الأنعام 60:6) ''اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ خبر رکھتا ہے۔'' یعنی تم اچھا یا برا جو عمل کماؤ، وہ اسے جانتا ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿مُكَلِّبِيْنَ﴾ کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ ﴿عَلَّمْتُمْ﴾ کی ضمیر سے حال ہو، مطلب یہ کہ یہ فاعل سے حال ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ مفعول، یعنی: ﴿الْجَوَارِحِ﴾ سے حال ہو، یعنی وہ شکار بھی حلال ہے جو تمھارے سکھائے ہوئے ان جانوروں نے کیا ہو جو شکار کرنے کے لیے سدھائے گئے ہوں اور وہ انھیں اپنے پنجوں یا ناخنوں کے ساتھ شکار کریں۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شکاری جانور اپنے پنجے یا ناخن کے بجائے ٹکر مار کر شکار کو قتل کرے تو وہ حلال نہیں ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور جس (طریق) سے اللہ نے تمھیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو۔'' اور وہ اس طرح کہ جب اسے شکار کے لیے چھوڑا جائے تو وہ چل پڑے اور جب اسے روکا جائے تو فوراً رک جائے اور جب وہ شکار کو پکڑ لے تو اسے اپنے مالک کے لیے پکڑے رکھے حتی کہ وہ اس کے پاس آجائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ ''تو جو شکار وہ تمھارے

---

[1] تفسير ابن عباس: 171/1، رقم: 291 وتفسير الطبرى: 121/6 والسنن الكبرى للبيهقى، الصيد والذبائح: 235/9 والدر المنثور: 460/2. [2] تفسير الطبرى: 122/6. [3] تفسير الطبرى: 122/6 وجامع الترمذى، الصيد، باب ماجاء فى صيد البزاة، حديث: 1467 وسنن أبى داود، الضحايا، باب فى الصيد، حديث: 2851.

لیے پکڑ رکھیں اس کو کھالیا کرو (اور شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو۔'' جب شکاری جانور سدھایا ہوا ہو، وہ شکار کو اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو تو یہ شکار حلال ہے، خواہ وہ اسے قتل ہی کیوں نہ کر دے اور اس مسئلہ پر اجماع ہے۔

اس آیت کریمہ کی طرح سنت سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑتا ہوں اور میرے لیے شکار پکڑتے ہیں اور میں اللہ کا نام لے لیا کرتا ہوں؟ فرمایا:

[إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ، (فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ) ، قُلْتُ : وَإِنْ قَتَلْنَ ؟ قَالَ : وَإِنْ قَتَلْنَ ، مَا لَمْ يَشْرَكْهَا كَلْبٌ لَّيْسَ مَعَهَا، (فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰى غَيْرِهٖ) قُلْتُ لَهٗ : فَإِنِّي أَرْمِي بِالْمِعْرَاضِ الصَّيْدَ، فَأُصِيبُ؟ فَقَالَ : إِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْهُ ، وَإِنْ أَصَابَهٗ بِعَرْضِهٖ ، فَإِنَّهٗ وَقِيذٌ فَلَا تَأْكُلْ]

''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑ و اور اللہ کا نام بھی لے لو تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑے، اسے کھا لو میں نے کہا کہ اگر وہ اسے قتل کر دیں؟ فرمایا: خواہ وہ اسے قتل کر دیں۔ بشرطیکہ قتل میں کوئی ایسا کتا شریک نہ ہو جو ان میں سے نہ ہو کیونکہ تم نے تو اپنے کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہوتا ہے اور کسی دوسرے پر اللہ کا نام نہیں لیا ہوتا، میں نے عرض کی کہ میں شکار پر چھری لگی ہوئی لاٹھی پھینکتا ہوں جو اسے لگ جاتی ہے؟ فرمایا: اگر تم ایسی لاٹھی پھینکو اور وہ اسے پھاڑ دے تو اسے کھا لو اور اگر وہ لاٹھی عرض کی طرف سے لگے تو وہ چوٹ لگا ہوا جانور ہے، اسے مت کھاؤ۔''[1]

اور صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ ، فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهٗ حَيًّا فَاذْبَحْهُ ، وَ إِنْ أَدْرَكْتَهٗ قَدْ قَتَلَ وَ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ (فَإِنَّ أَخْذَ الْكَلْبِ ذَكَاتُهٗ)] ''جب تم اپنے کتے کو بھیجو تو اس پر اللہ کا نام لو اور اگر وہ تمھارے لیے پکڑے اور تم اسے زندہ پا لو تو اسے ذبح کر لو اور اگر تم اسے پاؤ کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے لیکن اسے خود نہیں کھایا تو پھر تم اسے کھا لو کیونکہ کتے کا اسے پکڑنا ہی اسے ذبح کرنا ہے۔''[2] اور

---

[1] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب صید القوس، حدیث: 5477 و صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان، حدیث: (1)-1929 واللفظ لہ، البتہ قوسین والے الفاظ علی الترتیب درج ذیل حوالوں کے مطابق ہیں: جامع الترمذی، الصید، باب ماجاء فی الکلب یأکل من الصید، حدیث: 1470 و سنن النسائی، الصید والذبائح، باب النہی عن أکل مالم یذکر اسم اللہ علیہ ، حدیث: 4269 و صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب: إذا وجد مع الصید کلبا آخر، حدیث: 5486 . [2] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب التسمیہ علی الصید، حدیث: 5475 و صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان، حدیث: (6)-1929 واللفظ لہ، البتہ قوسین والے الفاظ المعجم الکبیر للطبرانی: 71/17 کے مطابق ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:[فَإِنْ أَكَلَ فَلَا تَأْكُلْ ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَكُونَ إِنَّمَا أَمْسَكَ عَلَى نَفْسِهِ] ''اگر اس نے شکار کو خود کھا لیا ہو تو پھر تم اسے نہ کھاؤ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ شکار خود اس نے اپنے لیے کیا ہوگا۔''①

شکاری جانور کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ ''تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو۔'' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:[إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ ، فَكُلْ مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ] ''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اسے چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لو تو جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑے اسے کھا لو۔''②

صحیحین میں ابوثعلبہ سے مروی حدیث میں بھی ہے:[إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ]، [وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ] ''جب تم اپنے کتے کو چھوڑو تو اس پر اللہ کا نام لے لو، اور جب تم اپنے تیر کو پھینکو تو اس پر اللہ کا نام لے لو۔''③

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب تم اپنے شکاری جانور کو بھیجو تو اللہ کا نام لے لو اور اگر بھول جاؤ تو کوئی حرج نہیں۔④ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اسے کھانے کے وقت اللہ کا نام لیا جائے جیسا کہ صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پرورش کردہ عمر بن ابوسلمہ سے فرمایا تھا:[سَمِّ اللّٰهَ ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ] ''اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے

① صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب الصید إذا غابه عنه یومین أوثلاثة، حدیث:5484 وصحیح مسلم، الصید والذبائح وما یؤکل من الحیوان، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی، حدیث:(2)-1929 [illegible] . ② صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب إذا أکل الکلب ......، حدیث:5483 وصحیح مسلم، الصید والذبائح ......، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی، حدیث:1929 وجامع الترمذی، الصید ماجاء فی الکلب یأکل من الصید، حدیث:1470 [illegible] . ③ صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب الصید إذا غاب عنه یومین أو ثلاثة، حدیث:5484 اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلّمة والرمی، حدیث:(6) [illegible] اور آخری حصہ (7)-1929 کے مطابق ہے لیکن یہ الفاظ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہیں، البتہ ابوثعلبہ کی روایت جو تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے اس کے قریب ترین الفاظ جامع ترمذی میں اس طرح ہیں:[إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ ...... وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ] جامع الترمذی، الأطعمة، باب ماجاء فی الأکل فی آنیة الکفار، حدیث:1797 اور ابوثعلبہ کی روایت صحیحین میں بالفاظ دیگر مروی ہے دیکھیے: صحیح البخاری، الذبائح والصیّد، باب ماجاء فی التصید، حدیث:5488 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلّمة والرمی، حدیث:1930 مطوّلا . ④ تفسیر الطبری: 135/6 والدر المنثور:460/2 .

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ

آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے، اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، اور تمھارے لیے

لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ

پاک دامن مسلمان عورتیں، اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی آشنائی رکھنے والے، اور جو ایمان سے انکار کرے گا تو اس کا عمل یقیناً برباد ہو گیا

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع ⑤

اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا⑤

آگے سے کھاؤ۔''[1] اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) ہمارے پاس کچھ ایسے لوگ جنھوں نے کفر کو نیا نیا چھوڑا ہوتا ہے، گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ انھوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہوتا ہے یا نہیں؟ فرمایا: [سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (أَنْتُم) وَ كُلُوا] ''تم خود اس پر اللہ کا نام لے لو اور کھا لو۔''[2]

تفسیر آیت: 5

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے: اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے لیے ناپاک چیزوں کو حرام اور پاک اشیاء کو حلال قرار دیا ہے، فرمایا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ﴾ ''آج تمھارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبیحوں کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪﴾ ''اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمھارے لیے حلال ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوامامہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں کھانے سے مراد اہل کتاب کے ذبیحے ہیں۔[3] اور اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحے مسلمانوں کے لیے حلال ہیں کیونکہ وہ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے، اس لیے وہ بھی اپنے ذبیحوں پر اللہ ہی کا نام لیتے ہیں، گو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کے عقیدے میں ایسی باتیں بھی ہیں جن سے اس کی ذات منزہ، ارفع و اعلیٰ اور پاک ہے۔

① صحیح البخاری، الأطعمة، باب التسمیة علی الطعام والأکل بالیمین، حدیث:5376 و صحیح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحکامها، حدیث:2022. ② صحیح البخاری، البیوع، باب من لم یرالوساوس......، حدیث:2057 اور [أَنْتُم] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب ذبیحة الأعراب ونحوهم، حدیث:5507 کے مطابق ہے۔ ③ تفسیر الطبری:137,136/6 .

صحیح حدیث میں عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ خیبر کے دن چربی سے بھرا ہوا ایک تھیلا پھینکا گیا جسے میں نے سنبھال لیا اور کہا کہ آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا۔ اور جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری اس بات پر مسکرا رہے تھے۔[1]

اس حدیث سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے بوقت ضرورت کھانے پینے کی چیزوں کو لے لینا جائز ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ اصحاب مالک نے یہود کے ذبیحے میں سے چربی وغیرہ کے کھانے کو، جو ان کے عقیدے کے مطابق حرام ہے، ممنوع قرار دیا ہے اور جمہور نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ بہتر دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ اہل خیبر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روسٹ کی ہوئی بکری کا تحفہ دیا اور اس کی دستی کو زہر آلود کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا، اس لیے جیسے ہی آپ نے اسے کھانے کے لیے منہ لگایا تو وہ دستی بول اٹھی کہ وہ زہر آلود ہے، البتہ اس سے آپ کے سامنے کے دو دانت مبارک اور رگ ابہر متاثر ہو گئے تھے، آپ کے ساتھ بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کھا لیا تھا اور اسی وجہ سے وہ فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نامی اس یہودی عورت کو قتل کرا دیا تھا جس نے گوشت میں زہر ملایا تھا۔[2]

اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ آپ نے اور آپ کے ساتھ اس وقت موجود صحابہ نے اسے کھانے کا ارادہ تو کر لیا تھا مگر یہودیوں سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ انھوں نے اس میں سے اس چربی وغیرہ کو دور کر دیا ہے یا نہیں جس کا کھانا ان کے عقیدے کے مطابق حرام ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ ''اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔'' یعنی تمھارے لیے یہ حلال ہے کہ تم اپنے ذبیحے اہل کتاب کو کھلاؤ، یہ ان کے ہاں حکم کے بارے میں خبر نہیں ہے، ہاں! البتہ اس کے بارے میں یہ خبر ہو سکتی ہے جو انھیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر اس کھانے کو کھا لیں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، خواہ وہ کھانا ان کی اپنی ملت کے لوگوں کا ہو یا کسی دوسری ملت کے لوگوں کا لیکن پہلے معنی زیادہ واضح ہیں، یعنی مسلمانو! تمھارے لیے یہ حلال ہے کہ تم اپنے ذبیحے انھیں کھلاؤ جس طرح ان کے ذبیحے تم خود کھا لیتے ہو، اور یہ بدلے و مقابلے کے قبیل سے ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لباس مبارک عبداللہ بن اُبَیّ ابن سلول کے لیے اس وقت دیا تھا جب وہ فوت ہوا تا کہ اس میں اسے کفن دیا جا سکے کیونکہ اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مدینہ میں تشریف آوری کے وقت انھیں اپنا لباس دیا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے میں اسے

---

[1] **صحیح البخاری**، فرض الخمس، باب ما يصيب من الطعام في أرض الحرب، حدیث:3153 و**صحیح مسلم**، الجهاد، باب جواز الأكل من طعام الغنيمة في دارالحرب، حدیث:1772 بالفاظ دیگر، البتہ سنن أبي داود:2702 و سنن النسائی:4440 کے الفاظ قریب تر ہیں۔ [2] ملخص از **صحیح البخاری**، المغازي، باب الشاة التي سُمَّت للنبيﷺ بخيبر، حدیث:4249 و**صحیح مسلم**، السلام، باب السم، حدیث:2190 و**سنن أبي داود**، الديات، باب فيمن سقى رجلا سما أو أطعمه فمات، أيُقاد منه، حدیث:4510-4512 .

اپنا لباس دیا[1] اور وہ حدیث جس میں یہ حکم ہے: [لَا تَصْحَبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَّلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ] ''مومن ہی کو اپنا ساتھی بناؤ اور تمھارا کھانا متقی و پرہیز گار ہی کھائے۔''[2] تو اسے فضیلت اور استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ و اللّٰہ أعلم.

اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح جائز ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''اور پاک دامن مومن عورتیں۔'' یعنی تمھارے لیے پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آیت کریمہ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ پاک دامن سے مراد یہ ہے کہ وہ بدکاری سے پاک ہوں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ (النسآء 25:4) ''عفیفہ ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ در پردہ دوستی کرنا چاہیں۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے تھی کہ عیسائی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، آپ فرماتے تھے کہ اس سے بڑھ کر اور زیادہ شرک کیا ہوسکتا ہے کہ عیسائی عورت یہ کہتی ہے کہ اس کا رب عیسیٰ ہے۔[3] اور اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرۃ 221:2) ''اور (مومنو!) تم مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو۔''

امام ابن ابوحاتم نے ابو مالک غفاری کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ نازل ہوئی تو لوگ ان سے نکاح کرنے سے رک گئے حتی کہ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی۔'' تو لوگوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیا۔[4]

صحابۂ کرام میں سے بہت سے لوگوں نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا[5] اور اس میں اس آیت کریمہ میں دی گئی اجازت کے پیش نظر کوئی حرج محسوس نہیں کیا تھا۔ اور اس آیت سے انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ کی تخصیص کر دی تھی بشرطیکہ یہ کہا جائے کہ اہل کتاب کی عورتیں بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں، ورنہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اہل کتاب اور مشرکین کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ لَمْ يَكُنِ

[1] **صحيح البخاري**، الجنائز باب هل يُخرج الميت من القبر واللحد لعلة؟ حديث:1350. [2] **سنن أبي داود**، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، حديث:4832 و**جامع الترمذي**، الزهد، باب ما جاء في صحبة المؤمن، حديث:2395 و**مسند أحمد**:38/3 واللفظ له. [3] **ماخوذ از صحيح البخاري**، الطلاق ، باب قول الله تعالى: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ...... ﴾ (البقرة2:221)، حديث:5285 . [4] **تفسير ابن أبي حاتم**:397/2 و**المعجم الكبير** للطبراني:105/12، حديث:12607 . [5] ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں عثمان بن عفان، حذیفہ بن یمان اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں اور ان میں سے بعض نے یہودی عورتوں سے بھی نکاح کیا تھا، دیکھیے **السنن الكبرٰى** للبيهقي، النكاح، باب ماجاء في تحريم حرائر أهل الشرك:172/7 و**المصنف** لعبد الرزاق، أهل الكتاب، باب نكاح نساء أهل الكتاب:78/6 و**المصنف** لا بن أبي شيبة، النكاح، باب من كان يكره النكاح في أهل الكتاب:462/3 و باب من رخص......:463/3 .

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کرلو

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى

اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو۔) اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہوتو غسل کر لو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا

میں سے کوئی قضائے حاجت سے (فارغ ہوکر) آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم

صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ

کرلو، پس اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ نہیں چاہتا کہ تمھیں تنگی میں ڈالے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کردے،

حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑥

اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر کرو ⑥

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۙ (البینة 98:1) ''اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رُکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے۔'' اور جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ (آل عمران 3:20) ''اور (اے نبی!) اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ تو اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو یقیناً ہدایت پالیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ ''جب تم انھیں ان کا مہر دے دو۔'' یعنی جس طرح وہ پاک دامن اور عفت مآب ہیں تو تم بھی خوش دلی سے ان کا مہر انھیں ادا کرو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور اسی طرح عامر شعبی، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہم اللہ کا اس کے بارے میں فتویٰ ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ (عورت) دخول سے پہلے زنا کرلے تو ان دونوں میں تفریق کرادی جائے گی اور عورت مرد کو اس کا دیا ہوا مہر واپس کردے گی۔ اس فتوے کو ان سے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ ﴾ ''اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔'' جیسے عورتوں کے بارے میں پاک دامنی اور عفت مآبی کی شرط تھی، ایسے ہی مرد کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ وہ پاک دامن اور عفت مآب ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ﴾ وہ ایسے بدکار نہ ہوں کہ معصیت سے باز ہی نہ آئیں اور اپنے نفسوں پر قابو ہی نہ پاسکیں۔ ﴿ وَلَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ ؕ ﴾ یعنی اور نہ وہ (مخفی طور پر)

[1] تفسیر الطبری:6/144.

انھیں اپنی محبوبائیں بنائیں کہ بدکاری صرف انھی سے کریں[1] جیسا کہ سورۂ نساء میں بھی اسی طرح بیان کیا جاچکا ہے۔[2]

تفسیر آیت: 6

وضو کا حکم: اس آیت کریمہ میں قصدِ نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو شخص بے وضو ہو تو اس کے لیے وضو کرنا واجب ہے اور جو باوضو ہو اس کے لیے دوبارہ وضو کر لینا مستحب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب تھا لیکن بعدازاں اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے سلیمان بن بُریدہ کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے لیکن فتح مکہ کے دن آپ نے وضو فرمایا اور موزوں پر مسح کیا اور ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: [إِنِّي عَمْدًا فَعَلْتُهُ يَاعُمَرُ!] ''عمر! میں نے یہ دانستہ کیا ہے۔''[4] اس طرح اس حدیث کو امام مسلم اور اہل سنن نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر نے فضل بن مبشر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ ایک ہی وضو سے کئی نمازیں ادا فرما لیا کرتے تھے لیکن جب پیشاب کرتے یا بے وضو ہو جاتے تو وضو کر لیتے اور وضو سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ موزوں پر مسح کر لیا کرتے تھے، میں نے عرض کی: ابوعبداللہ! یہ کام آپ اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔[6]

---

[1] دراصل جاہلیت میں بدکاری کی دو صورتیں تھیں، ایک تو وہ مرد یا عورتیں تھیں جو اجرت پر سرعام اس کے مرتکب ہوتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ کئی مردوں یا عورتوں نے اپنے اپنے پوشیدہ دوست اور محبوب بنا رکھے ہوتے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گل چھرّے اڑاتے۔ ان کے ہاں سرعام بدکاری کرنا تو جرم اور باعث ملامت تھا لیکن چھپی دوستی اور آشنائی جو کسی ایک کے ساتھ خاص ہو، اسے وہ روا سمجھتے تھے یہاں سورۂ مائدہ میں ایسے مردوں کو چھپی آشنائی سے روکا گیا ہے اور سورۂ نساء میں ایسی عورتوں کو منع کیا گیا ہے جو کسی مرد کو مختص کر کے آشنا بنالیں، پھر اسے روا بھی سمجھیں، دیکھیے تفسير الطبرى: 5/28-30 . [2] دیکھیے آیت: 25 کے ذیل میں عنوان: ''آزاد عورتوں سے نکاح......'' البتہ مصباح المنیر میں امام ضحاک رحمہ اللہ کا وہ قول سورۂ نساء میں بیان نہیں ہوا کہ ﴿ وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ (النسآء 4:25) سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو صرف ایک ہی کو اپنا چھپا آشنا بنالیں اور اسی کی ہو جائیں، دیکھیے تفسير الطبرى: 5/29. [3] دیکھیے مسند أحمد: 5/225. [4] مسند أحمد: 5/358، البتہ مسند میں [فعلته] کے بجائے [فعلت] ہے۔ اور وہ کتب سنن میں موجود ہے۔

[5] **صحيح مسلم**، الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 277 و سنن أبى داود، الطهارة، باب الرجل يصلى الصلوات بوضوء واحد، حديث: 172 و **جامع الترمذى**، الطهارة، باب ماجاء أنه يصلى الصلوات بوضوء واحد، حديث: 61 و سنن النسائى، الطهارة، باب الوضوء لكل صلاة، حديث: 133 و سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء لكل صلاة والصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 510 و تفسير الطبرى: 6/153. [6] **تفسير الطبرى**: 6/151 اور دیکھیے سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء لكل صلاة والصلوات كلها بوضوء واحد، حديث: 511 .

امام احمد نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبیداللہ سے کہا: کیا تم نے دیکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما باوضو ہوں یا بے وضو وہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے ہیں تو انھوں نے یہ طریقہ کس سے لیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اسماء بنت زید بن خطاب نے ان سے بیان کیا کہ ان سے عبداللہ بن حنظلہ بن ابو عامر ابن غسیل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا تھا، خواہ آپ باوضو ہوں یا بے وضو۔ جب آپ کو اس میں دشواری محسوس ہوئی تو آپ کو ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دے دیا گیا اور وضو کے بارے میں یہ حکم دے دیا گیا کہ اس وقت وضو کریں جب بے وضو ہوں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ انھیں اس بات کی طاقت ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کر سکتے ہیں حتی کہ وہ ساری زندگی وفات تک اسی طرح کرتے رہے۔[1] اسی طرح اسے امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نماز کے لیے ہمیشہ تازہ اور مکمل وضو کرنے کا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

امام ابوداود نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا تو صحابہ نے عرض کی کہ ہم آپ کے پاس وضو کے لیے پانی لائیں؟ تو آپ نے فرمایا: [إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ] ''مجھے صرف نماز پڑھنے کے لیے وضو کا حکم دیا گیا ہے۔''[3] اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے۔[4] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن (صحیح) قرار دیا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ باہر تشریف لے گئے، پھر آپ جب قضائے حاجت سے واپس تشریف لائے تو کھانا پیش کیا گیا اور عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ وضو نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: [لِمَ، أُصَلِّي فَأَتَوَضَّأُ؟] ''کیوں، کیا میں نے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟''[5]

وضو کی نیت اور تسمیہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ **فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** ﴾ ''تو اپنے چہرے دھولو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** ﴾ ''جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ دھو لیا کرو۔'' سے استدلال کیا گیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے گویا اصل کلام اس طرح ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو نماز کے لیے منہ دھو لیا کرو جیسا کہ عرب کہتے ہیں: إِذَا رَأَيْتَ الْأَمِيرَ فَقُمْ ''جب تم امیر کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔'' یعنی امیر کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ صحیحین میں حدیث ہے: [إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى] ''بس تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے

[1] مسند أحمد:225/5 . [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب السواك، حديث:48 . [3] سنن أبي داود، الأطعمة، باب في غسل اليدين عند الطعام، حديث:3760 . [4] **جامع الترمذي**، الأطعمة، باب في ترك الوضوء قبل الطعام، حديث:1847 و **سنن النسائي**، الطهارة، باب الوضوء لكل صلاة، حديث:132. [5] **صحيح مسلم**، الحيض، باب جواز أكل المحدث الطعام وأنه لا كراهة في ذلك......، حديث:(119)-374 و **مسند أحمد**:359/1 .

لیے وہی کچھ ہے جو وہ نیت کرے۔‘‘①

اور یہ بھی مستحب ہے کہ چہرہ دھونے سے پہلے وضو شروع کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھی جائے کیونکہ بہت سی جید سندوں کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ] ’’جو وضو (شروع) کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے، اس کا وضو ہی نہیں ہوتا۔‘‘② اور یہ مستحب ہے کہ برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھولے اور سو کر اٹھنے کے بعد تو اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِّنْ نَّوْمِهِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ قَبْلَ أَنْ يَّغْسِلَهَا ثَلَاثًا، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ] ’’جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو تین بار دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔‘‘③

فقہاء کے نزدیک چہرے کی حد طول کی طرف سے سر کے بالوں کے اگنے کی جگہ سے لے کر رخساروں اور ٹھوڑی کے نیچے تک اور عرض کی طرف سے ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک ہے۔ یاد رہے! اس میں اعتبار عام صورت حال کا ہے اگر کسی کی پیشانی سے بال گر گئے ہوں یا اس قدر بڑھ گئے ہوں کہ انھوں نے پیشانی کو بھی ڈھانپ رکھا ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

داڑھی کا خلال: امام احمد رحمہ اللہ نے ابووائل (شقیق بن سلمہ) کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا...... اس حدیث میں انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے چہرہ دھوتے وقت تین بار داڑھی کا خلال بھی کیا، پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا جس طرح یہ کام کرتے ہوئے تم نے مجھے دیکھا ہے۔④ اسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔⑤ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ اور امام بخاری

---

① **صحيح البخاري**، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ......، حديث: 1 و**صحيح مسلم**، الإمارة، باب قوله ﷺ: إنما الأعمال بالنية......، حديث: 1907. ② **سنن أبي داود**، الطهارة، باب في التسمية على الوضوء، حديث: 101 عن أبي هريرة رضي الله عنه. وجامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في التسمية عند الوضوء، حديث: 25 عن سعيد بن زيد رضي الله عنه. **وسنن النسائي**، الطهارة، باب التسمية عند الوضوء، حديث: 78 عن أنس رضي الله عنه. **وسنن ابن ماجه**، الطهارة وسننها، باب ماجاء في التسمية في الوضوء، حديث: 397 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. وحديث: 400 عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه. ③ **صحيح البخاري**، الوضوء، باب الاستجمار وترًا، حديث: 162 و**صحيح مسلم**، الطهارة، باب كراهة غمس المتوضئ ......، حديث: 278. لیکن [فَلَا يُدْخِلْ] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الرجل يدخل يده في الإناء قبل أن يغسلها، حديث: 105 میں ہے۔ ④ **مسند أحمد**: 57/1. لیکن تخليل لحية (داڑھی کا خلال) کا ذکر یہاں نہیں جبکہ یہ **صحيح ابن حبان**، الطهارة، باب سنن الوضوء: 363/3، حديث: 1081 و**سنن الدارقطني**، الطهارة، باب ماروي في الحث......: 85/1، حديث: 283 میں ہے، اور دیکھیے **مسند أحمد**: 234/6 عن عائشة رضي الله عنها. ⑤ **جامع الترمذي**، الطهارة، باب ماجاء في تخليل اللحية، حديث: 31 و**سنن ابن ماجه**، الطهارة وسننها، باب ماجاء في تخليل اللحية، حديث: 430.

نے حسن قرار دیا ہے۔ ①

وضو کی کیفیت: امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے وضو (شروع) کیا تو اپنے چہرے کو دھویا، پھر پانی کا ایک چلو لیا اور اس سے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چلو لے کر اس طرح کیا، یعنی اس کے ساتھ دوسرے ہاتھ کو ملا لیا اور اس سے چہرے کو دھویا، پھر پانی کا چلو لے کر اس سے اپنے دائیں ہاتھ کو دھویا، پھر پانی کا چلو لے کر اس سے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر پانی کا چلو لے کر اپنے دائیں پاؤں پر اس قدر چھینٹے مارے حتی کہ اسے دھو دیا، پھر پانی کا چلو لے کر اپنے بائیں پاؤں کو دھویا اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ ② اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ ﴾ ''اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو۔'' یعنی کہنیوں سمیت جیسا کہ حسب ذیل آیت میں بھی إلی حرف جار مع کے معنی میں ہے: ﴿ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا ○ ﴾ (النسآء 4:2) ''اور نہ تم ان کا مال اپنے مال کے ساتھ (ملا کر) کھاؤ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔'' وضو کرنے والے کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے وقت بازوؤں کے کچھ حصے کو بھی دھولے کیونکہ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أُمَّتِی یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِینَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، (فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُّطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ) ''میری امت (کے لوگوں) کو روز قیامت جب بلایا جائے گا تو وضو کے اثرات کی وجہ سے ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے (تو جسے اپنی چمک دمک کو لمبا کرنے کی استطاعت ہو تو وہ ایسا ضرور کرے)۔'' ④

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے محبوب دوست صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوءُ] ''جہاں تک وضو کا پانی پہنچا ہوگا وہاں تک مومن (چمک دمک کے) زیور سے آراستہ ہوگا۔'' ⑤

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ ﴾ ''اور سر کا مسح کر لیا کرو۔'' یہاں باء الصاق (ملانے) جوڑنے کے لیے ہے۔ صحیحین میں امام مالک کے طریق سے عمرو بن یحییٰ مازنی کی اپنے باپ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن زید بن عاصم سے کہا، جو عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں اور جن کا شمار حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، کیا آپ مجھے یہ دکھا سکتے ہیں کہ

① السنن الکبریٰ للبیہقی، الطھارۃ، باب تخلیل اللحیۃ: 54/1 اور بعض محققین نے اس کو العلل الکبیر للترمذی: 115/1 کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ ② مسند أحمد: 268/1. ③ صحیح البخاری، الوضوء، باب إسباغ الوضوء، حدیث: 140. ④ صحیح البخاری، الوضوء، باب فضل الوضوء......، حدیث: 136 و صحیح مسلم، الطھارۃ، باب استحباب إطالۃ الغرّۃ والتحجیل فی الوضوء، حدیث: (35)-246. ⑤ صحیح مسلم، الطھارۃ، باب تبلغ الحلیۃ حیث یبلغ الوضوء، حدیث: 250.

رسول اللہ ﷺ وضو کس طرح فرمایا کرتے تھے؟ عبداللہ بن زید نے کہا: ہاں، پھر انھوں نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالا، دونوں ہاتھوں کو دو بار دھویا، پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا، دونوں ہاتھوں کو آگے بھی لے آئے اور پیچھے بھی لے گئے لیکن مسح کا آغاز سر کے ابتدائی حصے سے کیا تھا اور انھیں گدی تک لے گئے تھے، پھر واپس وہاں تک لے آئے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے وضو کی صفت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عبد خیر نے جو حدیث بیان کی ہے، وہ بھی اسی طرح ہے۔[2] نیز امام ابوداود نے حضرت معاویہ اور مِقدام بن مَعد یکرِب سے بھی رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں جو احادیث بیان کی ہیں، ان میں بھی اسی طرح ہے۔[3] الغرض یہ تمام احادیث اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ سارے سر کا مسح کرنا واجب ہے۔

امام عبدالرزاق نے حُمران بن ابان کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا اور انھیں دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرے کو تین بار دھویا، پھر دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر بائیں کو اسی طرح، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر دائیں پاؤں کو اسی طرح دھویا، پھر بائیں پاؤں کو تین بار دھویا۔ اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح وضو فرمایا تھا جس طرح میں نے یہ وضو کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوئِي هٰذَا ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ''جو شخص اس طرح وضو کرے جس طرح میں نے یہ وضو کیا ہے، پھر دو رکعتیں پڑھ لے اور ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کرے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[4] اسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی صحیحین میں بیان فرمایا ہے۔[5]

سنن ابوداود میں وضو کی کیفیت کے بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سر کا مسح ایک بار ہی کیا۔[6]

پاؤں کا بغیر موزوں یا جرابوں کے مسح نہیں بلکہ انھیں دھونا واجب ہے: ارشاد الٰہی: ﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

[1] صحيح البخاري، الوضوء ، باب مسح الرأس كله، حديث: 185 و صحيح مسلم، الطهارة، باب آخر في صفة (الوضوء)، حديث: 235 . [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبيﷺ، حديث: 111 و جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في وضوء النبيﷺ كيف كان؟ حديث: 49 . [3] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ، حديث: 121-124. [4] المصنف لعبدالرزاق، الطهارة، باب ما يُكفِّر الوضوء والصلاة: 45,44/1، حديث: 139. [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، حديث: 159 و صحيح مسلم، الطهارة ، باب صفة الوضوء و كماله، حديث: 226. [6] سنن أبي داود، الطهارة، باب صفة وضوء النبي ﷺ، حديث: 108.

میں ﴿ وَاَرْجُلَكُمْ ﴾ کو ﴿ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ﴾ پر عطف کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے اسے ﴿ وَاَرْجُلَكُمْ ﴾ (نصب کے ساتھ) پڑھا اور فرمایا ہے کہ پاؤں کا تعلق دھونے سے ہے۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عروہ، عطاء، عکرمہ، حسن، مجاہد، ابراہیم، ضحاک، سدی، مقاتل بن حیان، زہری اور ابراہیم تیمی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] پاؤں کے دھونے کے واجب ہونے کے بارے میں یہ قراءت ظاہر ہے جیسا کہ سلف نے کہا ہے۔

مجاورت اور کلام کی مناسبت کی وجہ سے اسے مجرور بھی پڑھا گیا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ ''سانڈے کا خراب سوراخ۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ﴾ (الدھر 21:76) ''ان (کے بدنوں) پر دیبا کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے۔'' عربی زبان میں یہ ایک جانا بوجھا اور مشہور و معروف اسلوب ہے۔

پاؤں دھونے کے بارے میں احادیث مبارکہ: امیر المؤمنین حضرت عثمان، امیر المؤمنین حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ، عبداللہ بن زید بن عاصم اور مقداد بن مَعد یکرِب رضی اللہ عنہم سے مروی یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرماتے ہوئے اپنے پاؤں کو اختلاف روایات کے مطابق ایک بار یا دو بار یا تین بار دھویا تھا۔[3]

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک سفر میں، جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا، آپ ہم سے پیچھے تھے۔ آپ جب ہمارے پاس تشریف لائے تو نماز عصر کا وقت ہوگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے اور ہم نے اپنے پاؤں پر مسح کرنا شروع کر دیا تھا تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا: [(أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ) وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ] ''(وضو کو اچھی طرح پورا کرو) ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے۔'' یہ آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔[4] صحیحین میں یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[5]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ (فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ:) وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ] ''(اے ابوعبدالرحمٰن!) وضو اچھی طرح مکمل کرو بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''ہلاکت ہے ایڑیوں کے لیے جہنم کی آگ سے۔''[6]

---

[1] تفسير الطبري:173/6. [2] تفسير الطبري:173,172/6. [3] دیکھیے عنوان ''وضو کی کیفیت'' [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب غسل الرجلين [ولا يمسح على القدمين]، حديث:163 وصحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما، حديث:(27)-241. نوٹ: اس حدیث کے ابتدائی الفاظ [أسبغو الوضوء] صحیح مسلم میں شروع کے بجائے حدیث کے آخر میں ہیں اور صحیح بخاری کی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب غسل الأعقاب، حديث:165 وصحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما، حديث:(30)-242 عن أبي هريرة رضي الله عنه مختصراً. [6] صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما، حديث:240 جبکہ صحیح مسلم میں [أسبغوا] کے بجائے [أَسْبِغْ] ہے۔

عبداللہ بن حارث بن جزء سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ [وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ وَبُطُونِ الْأَقْدَامِ مِنَ النَّارِ] ''ایڑیوں اور پاؤں کے تلووں کو ہلاکت ہے جہنم کی آگ سے۔'' اسے امام بیہقی و حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔[1]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص نے وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر ناخن کے بقدر جگہ چھوڑ دی جسے پانی نہیں پہنچا تھا، نبی اکرم ﷺ نے اسے دیکھ لیا تو فرمایا: [اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ] ''واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔''[2] حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا، اس نے وضو کیا اور پاؤں پر ناخن جتنی جگہ چھوڑ دی (جسے اس نے نہ دھویا) تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: [اِرْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ] ''لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔''[3]

امام احمد نے بعض اصحاب نبی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا دراں حالیکہ اس کے پاؤں کی پشت پر درہم کے بقدر جگہ خشک تھی جسے پانی نہیں لگا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا۔[4] امام ابوداود نے اسے بروایت بقیہ بن ولید بیان کیا ہے اور اس میں یہ زائد الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے فرمایا: نماز بھی دوبارہ پڑھو۔[5] اس حدیث کی سند جید، قوی اور صحیح ہے۔ واللہ أعلم.

انگلیوں میں خلال کرنے کا حکم: حُمران کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے بارے میں مروی حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی انگلیوں میں خلال کیا۔[6] اہل سنن نے لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے عرض کی: اے

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي، الطهارة، باب الدليل على أن فرض الرجلين الغسل ......، حديث: 70/1 والمستدرك للحاكم: 162/1، حديث: 580. [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب استيعاب جميع أجزاء محل الطهارة، حديث: 243. [3] السنن الكبرى للبيهقي، الطهارة، باب الدليل على أن فرض الرجلين الغسل......: 70/1. اور دیکھیے سنن أبي داود، الطهارة، باب تفريق الوضوء، حديث: 173. [4] مسند أحمد: 424/3 تفسیر میں اس روایت کی سند میں بعض اصحاب النبی ﷺ کے بجائے بعض ازواج النبی ﷺ تھا لیکن اول الذکر ہی درست ہے کیونکہ مسند احمد کے علاوہ سنن ابوداود اور سنن بیہقی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، دیکھیے بعد والا حاشیہ۔ [5] سنن أبي داود، الطهارة، باب تفريق الوضوء، حديث: 175 والسنن الكبرى للبيهقي، الطهارة، باب تفريق الوضوء: 83/1 اور دیکھیے إرواء الغليل: 127,126/1. [6] المصنف لعبدالرزاق، الطهارة، باب كم الوضوء من غسلة: 41/1، حديث: 125 ومجمع الزوائد، الطهارة، باب التخليل: 539/1، حديث: 1202 وصحيح ابن خزيمة، الوضوء، باب تخليل اللحية في الوضوء عند غسل الوجه: 79,78/1، حديث: 152,151 والمسند الجامع: 432/12، حديث: 9661 مذکورہ اور دیگر حوالوں میں انگلیوں میں خلال کے متعلق یہ روایت حمران کے بجائے شقیق بن سلمہ سے ہے، اور جو روایات حمران کی عثمان رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہیں ان میں انگلیوں کے خلال کا ذکر نہیں۔ واللہ أعلم. دیکھیے صحیح البخاري، حديث: 159 وصحيح مسلم، حديث: 226 اور بعض روایات میں ذکر ہے کہ ''پاؤں کی انگلیوں میں خلال کیا۔'' بہر حال حضرت ابن عباس سے مسند أحمد: 287/1 میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: [خَلِّلْ أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ] ''اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر۔''

اللہ کے رسول! مجھے وضو کے بارے میں بتائیں؟ آپ نے فرمایا: [أَسْبِغِ الْوُضُوءَ ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ، وَ بَالِغْ فِي الْإِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا] ''خوب اچھی طرح پورا وضو کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں خوب اچھی طرح پانی چڑھایا کرو، الا یہ کہ تم نے روزہ رکھا ہو۔''①

موزوں پر مسح سنت سے ثابت ہے: امام احمد بن حنبل نے حضرت اَوس بن ابواوس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے وضو فرمایا اور نعلین پر مسح فرمایا، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔② امام ابوداود نے بھی اسے اوس بن ابواوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر کے پاس تشریف لائے، پھر آپ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور نعلین اور دونوں پاؤں پر مسح کیا۔③

امام احمد نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوا تھا اور میں نے مسلمان ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے دیکھا۔④ صحیحین میں ہمام سے مروی ہے کہ جریر نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا، کہا گیا کہ آپ اس طرح کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کیا، پھر وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔ اعمش نے کہا کہ ابراہیم نے بیان کیا کہ انھیں یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔⑤ یہ الفاظ مسلم کی روایت کے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولی و فعلی تواتر کے ساتھ موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔

پانی کی عدم موجودگی یا مرض میں تیمّم کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ﴾

① سنن أبي داود، الطهارة، باب في الاستنثار، حديث:142 و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في كراهية مبالغة الاستنشاق للصائم، حديث:788/1 و سنن النسائي، الطهارة، باب المبالغة في الاستنشاق، حديث: 87 و باب الأمر بتخليل الأصابع، حديث:114 و سنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب تخليل الأصابع، حديث:448 . ② مسند أحمد: 8/4 . ③ سنن أبي داود، الطهارة، باب، قبل باب كيف المسح، حديث: 160 سنن ابوداود کے اس مذکورہ حوالے میں [كِظَامَةَ قَوْمٍ] ''قوم کے وضو کرنے کی جگہ'' کے الفاظ ہیں لیکن تفسیر ابن کثیر میں [سُبَاطَةَ قَوْمٍ] ''قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر'' کے الفاظ ہیں جو سنن أبي داود، الطهارة، باب البول قائما، حديث: 23 عن حذيفة رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ ④ مسند أحمد:363/4 و سنن أبي داود، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث:154. ⑤ صحيح البخاري، الصلاة، باب الصلاة في الخفاف، حديث:387 و صحيح مسلم، الطهارة، باب المسح على الخفين، حديث:272 . اس کا پس منظر یہ ہے کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنے کا عمل سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اور سورۂ مائدہ میں پاؤں کے دھونے کا حکم ہے، لہٰذا موزوں پر مسح کرنے کا حکم منسوخ ہے۔ اور بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب شامل ہیں، کا یہ موقف تھا کہ یہ حکم منسوخ نہیں (بلکہ پاؤں کے دھونے کا حکم اس صورت میں ہے جب موزے نہ ہوں) بہر حال جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث فیصلہ کن ثابت ہوئی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے اس کے بعد آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کو اچھی لگتی تھی۔

''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمھیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو اور اس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (تیمّم) کر لو۔''

تیمّم کے سلسلے میں قبل ازیں سورۂ نساء کی آیت کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے تاکہ کلام موجبِ طوالت نہ ہو، وہاں ہم نے آیتِ تیمّم کا سبب نزول بھی بیان کر دیا تھا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک حدیث بھی بیان فرمائی ہے جس میں خصوصی طور پر سورۂ مائدہ کی اس آیت کا ذکر ہے۔[2]

اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرا ہار ''بیداء'' میں اس وقت گر گیا جب ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو بٹھا دیا اور آپ سواری سے نیچے تشریف لے آئے، میری گود میں سر مبارک رکھا اور استراحت فرمانے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے مجھے زور سے کچوکا مارا اور فرمایا کہ تم نے ہار کی وجہ سے یہاں لوگوں کو روک رکھا ہے؟ نبی کریم کے آرام کے خیال سے میں بے حس و حرکت بیٹھی رہی، حالانکہ مجھے تکلیف ہوئی تھی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیدار ہوئے اور صبح (کی نماز) کا وقت ہوا تو پانی تلاش کیا گیا لیکن میسر نہ آسکا تو یہ آیت کریمہ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ ...... ﴾ الآیۃ نازل ہوگئی، اس آیت کے نزول کے بعد اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے آل ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے تم میں برکت پیدا فرما دی ہے، تم تو لوگوں کے لیے سراپا برکت ہو۔[3]

ارشاد الٰہی: ﴿مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ ''اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔'' اسی لیے اس نے تمھارے لیے سہولت و آسانی پیدا فرما دی ہے اور کسی مشکل میں مبتلا نہیں کیا بلکہ مرض اور پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں اس نے توسع اور رحمت کے پیش نظر تیمّم کی اجازت دے دی ہے اور بعض وجوہ و اسباب کے سوا جن کا قبل ازیں بیان ہو چکا ہے، تیمّم کو پانی کے استعمال کے قائم مقام قرار دے دیا ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ''الاحکام الکبیر'' میں ان تمام مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑥﴾ ''بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔'' یعنی تم اپنے رب کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بجا لاؤ جنھیں اس نے وسعت دے کر شفقت، رحمت، سہولت اور فیاضی کی صورت میں، تمھارے لیے مشروع قرار دیا ہے۔

وضو کے بعد دعا: سنت سے یہ ثابت ہے کہ وضو کرنے والا وضو کے بعد یہ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اس آیت کریمہ پر عمل کرنے والوں میں داخل کر کے پاک صاف ہونے والوں میں سے بنا دے جیسا کہ امام احمد، امام مسلم اور اہل سنن نے

① دیکھیے آیت: 43 کے ذیل میں عنوان: ''تیمّم کا بیان'' ② صحیح بخاری میں اس حدیث کے تمام طرق میں آیت تیمّم کے نزول کا ذکر ہے، اس حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ اس موقع پر جو آیت نازل ہوئی وہ سورۂ مائدہ کی تھی سورۂ نساء کی نہیں۔ ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (المآئدۃ 6:5)، حدیث: 4608 وصحیح مسلم، الحیض، باب التیمم، حدیث: 367.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ہم خود ہی (باری باری اپنے) اونٹوں کی نگہداشت کرتے تھے جب میری باری آئی تو میں نے شام کے وقت اونٹوں کو واپس (باڑے میں) چھوڑا (خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا) تو اس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے، اس وقت میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَّتَوَضَّأُ فَیُحْسِنُ وُضُوءَہُ، ثُمَّ یَقُومُ فَیُصَلِّی رَکْعَتَیْنِ ، مُقْبِلٌ عَلَیْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ، إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ] ''جو بھی مسلمان وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے، اور کھڑے ہو کر دل اور چہرے سے خوب متوجہ ہو کر دو رکعت نماز ادا کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا: یہ کس قدر عمدہ بات ہے، میرے سامنے سے ایک شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے جو بات بیان فرمائی تھی، وہ تو اس سے بھی زیادہ عمدہ تھی، میں نے دیکھا تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ ابھی آئے ہیں۔ (اس سے پہلے) آپ نے یہ بیان فرمایا ہے: [مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ یَّتَوَضَّأُ فَیُبْلِغُ ۔ أَوْ فَیُسْبِغُ ۔ الْوُضُوءَ ، ثُمَّ یَقُولُ:] تم میں سے جو شخص خوب اچھی طرح وضو کرے، پھر وضو کرنے کے بعد یہ کہے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' [إِلَّا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِیَةُ ، یَدْخُلُ مِنْ أَیِّهَا شَاءَ] ''تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں، ان میں سے جس دروازے سے بھی وہ چاہے، داخل ہو جائے۔''[1] یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

وضو کی فضیلت: امام مالک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ ۔ أَوِ الْمُؤْمِنُ ۔ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ، خَرَجَ مِنْ وَّجْهِهٖ كُلُّ خَطِیئَةٍ نَّظَرَ إِلَیْهَا بِعَیْنَیْهِ مَعَ الْمَاءِ ۔ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ ۔ فَإِذَا غَسَلَ یَدَیْهِ خَرَجَ مِنْ یَّدَیْهِ كُلُّ خَطِیئَةٍ بَطَشَتْهَا یَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ ۔ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ ۔ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَیْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِیئَةٍ مَّشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ ۔ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ ۔ حَتّٰی یَخْرُجَ نَقِیًّا مِّنَ الذُّنُوبِ]

''جب کوئی مرد مسلم۔ یا مرد مومن۔ وضو کرتے ہوئے اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کے چہرے کی ہر وہ غلطی جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ ڈھل جاتی ہے۔ جب وہ اپنے ہاتھوں کو دھوتا ہے تو ہر وہ غلطی جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے چھوا ہوتا ہے پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔

---

[1] **صحیح مسلم**، الطهارة، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، حدیث: 234 **ومسند أحمد**: 153/4 **وسنن أبی داود**، الطهارة، باب مایقول الرجل إذا توضأ، حدیث: 169 **وسنن النسائی**، الطهارة، باب القول بعد الفراغ من الوضوء، حدیث: 148 مختصراً. **وسنن ابن ماجه**، الطهارة و سننها، باب مایقال بعد الوضوء، حدیث: 470 **وصحیح ابن خزیمة**، الوضوء ، باب فضل التهلیل والشهادة للنبی ﷺ بالرسالة والعبودیة ......: 111,110/1، حدیث: 222 **والسنن الکبرٰی** للبیهقی، الطهارة، باب مایقول بعد الفراغ من الوضوء: 78/1 .

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا

اور تم پر اللہ کی جو نعمت ہوئی اسے یاد رکھو، اور وہ عہد بھی یاد رکھو جو اس نے تم سے معاہدہ کیا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور اللہ

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ

سے ڈرو، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے⑦ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی

بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑧ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ

بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے⑧ اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩ يٰٓاَيُّهَا

لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے⑨ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخی ہیں⑩ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

پر جو نعمت نازل کی وہ یاد کرو، جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا،

اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ ع

اور اللہ سے ڈرو، اور ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں⑪

ڈھل جاتی ہے۔ اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ غلطی جس کی طرف اس کے پاؤں چلے ہوں، پانی کے ساتھ۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ۔ ڈھل جاتی ہے حتی کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔''[1] اس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ۔ أَوْ تَمْلَأُ۔ مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، الصَّلَاةُ نُورٌ، وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَّالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَايِعٌ نَّفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا] ''طہارت نصف ایمان ہے، الحمد للہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے، سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنے سے آسمان وزمین کے درمیان کا یہ سارا خلا بھر جاتا ہے۔ نماز نور ہے، صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے، صبر روشنی ہے، قرآن آپ کے حق میں یا آپ کے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو بیچ دیتا ہے، پھر اسے آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر دیتا ہے۔''[3]

[1] الموطأ للإمام مالك، الطهارة، جامع الوضوء: 18/1، حديث: 60. [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، حديث: 244. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223. تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں [وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ] کے الفاظ ہیں۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَدَقَةً مِّنْ غُلُولٍ وَّلَا صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُورٍ] ''اللہ تعالیٰ خیانت کے مال سے صدقہ اور بغیر وضو کے نماز قبول نہیں کرتا۔''①

تفسیر آیات:7-11

رسالت و اسلام کی نعمت کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہ یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انھیں ان نعمتوں سے نوازا ہے کہ انھیں یہ عظیم الشان دین عطا فرمایا، رسول کریم ﷺ کو ان کی طرف مبعوث فرمایا اور جو ان سے یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ آپ کی بیعت کریں گے، اتباع و اطاعت بجا لائیں گے، تائید و حمایت کریں گے، دست و بازو بن جائیں گے اور آپ کے دین سے نہ صرف خود وابستہ ہو جائیں گے بلکہ اسے آگے دوسرے لوگوں تک بھی پہنچائیں گے، ان تمام نعمتوں کی یاد دہانی کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ﴾ ''اور اللہ نے جو تم پر احسان کیے ہیں ان کو یاد رکھو اور اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا۔'' یہی وہ بیعت ہوتی تھی جو مسلمان دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بیعت کر رکھی تھی کہ ہم اپنی خوشی اور ناخوشی، تنگی اور آسانی میں بھی اور خود پر دوسروں کو ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی بات سنیں گے اور اطاعت بجا لائیں گے اور صاحب امر لوگوں سے ہم کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔② ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الحدید 8:57) ''اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ رسول تمھیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اگر تم مومن ہو تو وہ تم سے (اس کا) پختہ عہد بھی لے چکا ہے۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ یہودیوں کو اس عہد و پیمان کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو ان سے حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت کو تسلیم کرنے کے بارے میں لیا گیا تھا۔ اس قول کو علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔③

پھر فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' یہ ترغیب و تاکید ہے کہ ہر حال میں اللہ کے ڈر اور خوف کو پیش نظر رکھا جائے، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توجہ اس طرف مبذول کروائی کہ وہ ذات گرامی تو ﴿عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾ یعنی سینوں کے بھیدوں اور دلوں کی دھڑکنوں تک سے آگاہ ہے۔

---

① صحیح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة للصلاة، حدیث: 224 و سنن أبي داود، الطهارة، باب فرض الوضوء، حدیث: 59 . ② صحیح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ سترون بعدي أمورا تنكرونها، حدیث: 7056 و صحیح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في......، حدیث: 1709 (بعد الحدیث: 1840) عن عبادة بن الصامت ﷺ. ③ تفسير الطبري: 192/6 و الدر المنثور: 469/2 .

عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے بنو۔“ یعنی لوگوں کے لیے یا ریا کاری کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے حق کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور ﴿ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ”انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔“ یعنی عدل وانصاف کے لیے گواہی دو، ظلم و استبداد کے حق میں گواہی نہ دو۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد نے مجھے بعض مال کا عطیہ دیا اور میری والدہ عَمرَہ بن رَواحہ نے کہا کہ میں تو اس وقت تک خوش نہ ہوں گی جب تک آپ رسول اللہ ﷺ کو اس پر گواہ نہ بنالیں، میرے والد آپ ﷺ کی خدمت میں اس مقصد کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ ؟ قَالَ: لَا]، [قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلَادِكُمْ] ”کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔“ نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے واپس آ کر اپنا صدقہ واپس لے لیا۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ ”اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔“ یعنی کسی قوم سے بغض تمھیں ترک عدل پر مجبور نہ کرے بلکہ ہر ایک سے عدل کا معاملہ کرو، خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ”انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔“ یعنی ترک عدل کی نسبت تمھارا عدل کرنا پرہیز گاری ہے۔ اور فعل اس مصدر عَدْلٌ پر دلالت کر رہا ہے جس کی طرف هُوَ ضمیر راجع ہے اور قرآن مجید اور عربی زبان میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: قرآن مجید میں ہے: ﴿ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ﴾ (النور28:24) ”اور اگر (یہ) کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو، یہ تمھارے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔“

اور فرمان الٰہی: ﴿ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ”یہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے۔“ یہاں اسم تفضیل کا صیغہ أقرب ایسی جگہ استعمال ہوا ہے کہ دوسری جانب اس سے متعلق کوئی چیز نہیں ہے جیسا کہ حسب ذیل آیت کریمہ میں ہے: ﴿ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ ﴾ (الفرقان24:25) ”اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام استراحت بھی خوب ہوگا۔“ اسی طرح بعض صحابیات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ ”(رسول اللہ ﷺ سخت مزاج نہیں) تم رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں درشت مزاج اور سخت دل ہو۔“[2]

---

[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحیح البخاری، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، حديث:2586 اور دوسرا حصہ صحيح البخاری، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الإشهاد في الهبة، حديث: 2587 کے مطابق ہے۔ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهية تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث:(13,14)-1623. [2] صحيح البخاری، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب......، حديث:3683 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث:2396 عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ.

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تمھارے سب اعمال سے خبردار ہے۔'' اور تم جو اعمال کرو گے، ان کی وہ تمھیں جزا دے گا، اچھے اعمال بجالاؤ گے تو اچھا بدلہ دے گا اور اگر برے اعمال کرو گے تو سزا دے گا، اسی لیے اس کے بعد کی آیت میں فرمایا: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادے گا اور اجر عظیم، یعنی جنت سے سرفراز فرمائے گا، جو اپنے بندوں پر اس کی بیش بہا رحمت ہے، جسے بندے اپنے اعمال سے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت ہی سے حاصل کرتے ہیں، گو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب بندوں کے اعمال ہی بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کو اپنی رحمت، فضل، عفو اور رضوان کے حصول کے لیے اسباب بنا دیا ہے، بہرحال سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور اسی کا ہے۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ ''اور جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔'' یہ اس کا عدل، اس کی حکمت اور اس کا وہ حکم ہے جس میں ظلم کا ادنیٰ شائبہ تک نہیں بلکہ وہ تو حاکمِ عادل، حکیم اور قدیر ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اس نے کافروں کے ہاتھوں کو مسلمانوں سے روک دیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ روک دیے۔'' امام عبدالرزاق نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جگہ (آرام فرمانے کے لیے) اتر پڑے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم درختوں کے سائے کی تلاش میں متفرق ہو گئے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنے ہتھیار کو ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے پاس آیا، اس نے اسے پکڑ کر سونت لیا اور نبیٔ اکرم ﷺ سے کہنے لگا: ''آج تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟''

آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ، قَالَ الْأَعْرَابِيُّ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا : مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي؟ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: اَللّٰهُ] ''اللہ عزوجل (بچائے گا) اس اعرابی نے یہ بات دو یا تین بار کہی کہ آج تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اور نبیٔ اکرم ﷺ ہر بار جواب میں یہی فرماتے رہے کہ مجھے اللہ بچائے گا۔'' تو اعرابی نے تلوار کو پھینک دیا، نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابہ کو بلایا اور انھیں اس اعرابی کی یہ بات بتائی جو اس وقت آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے اسے اس کی اس بدتمیزی کی کوئی سزا نہ دی۔

معمر کہتے ہیں کہ امام قتادہ اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا کرتے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ عربوں نے رسول اللہ ﷺ کو اچانک شہید کر دینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی مقصد سے انھوں نے اس بدو کو بھیجا تھا، چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں یہی

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰہُ

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کیے تھے، اور اللہ نے کہا: بے شک میں تمھارے

اِنِّیْ مَعَکُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ

ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرو گے، اور زکاۃ ادا کرو گے، اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو اچھا قرض

وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

دو گے، تو میں ضرور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دوں گا، اور ضرور تمھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پھر اس

مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ⑫ فَبِمَا

کے بعد جس نے کفر کیا تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا⑫ چنانچہ ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی، اور ہم نے ان کے

نَقْضِھِمْ مِّیْثَاقَھُمْ لَعَنّٰھُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَھُمْ قٰسِیَۃً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ۙ

دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ کلمات کو ان کے موقع ومحل سے بدل ڈالتے ہیں، اور جس چیز کی انھیں تاکید کی گئی تھی اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا

وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنْھُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ

اور آپ کو ان میں سے چند افراد کے سوا دوسروں کی خیانت کی اکثر اطلاع ملتی رہتی ہے، چنانچہ آپ انھیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر

فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ⑬ وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا

کریں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے⑬ اور جن لوگوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا تھا، پھر

نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَھُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ ۠ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ

جس چیز کی انھیں تاکید کی گئی تھی، اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا، چنانچہ ہم نے روز قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا،

اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ۭ وَسَوْفَ یُنَبِّئُھُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ⑭

اور وہ جو کچھ کرتے رہتے ہیں اللہ جلد انھیں اس سے آگاہ کرے گا⑭

واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔[1] اس بدو کا نام غورث بن حارث تھا اور اس کا یہ قصہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[2]

محمد بن اسحاق بن یسار، مجاہد، عکرمہ اور کئی ایک دیگر ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ بنونضیر کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انھوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر پتھر گرا کر آپ کو شہید کر دیں۔ جب آپ ان کے پاس بنی عامر کے لوگوں کی دیت میں تعاون حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ان بدبختوں نے اس ناپاک منصوبے کو عمرو بن جحاش بن کعب کے سپرد کر دیا تھا اور انھوں نے اسے یہ کہہ دیا تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ دیوار کے سائے میں بیٹھیں اور یہ آپ کے اردگرد جمع ہو جائیں تو وہ آپ کے اوپر پتھر گرا دے مگر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس سازش

---

① تفسیر عبدالرزاق:10/2، رقم:684. ② صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع، حدیث:4136,4135 وصحیح مسلم، الفضائل، باب توکلہ علی اللّٰہ تعالٰی وعصمۃ اللّٰہ تعالٰی لہ من الناس، حدیث:843 نحوہ.

سے آپ کو مطلع فرما دیا اور آپ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں مدینہ تشریف لے آئے، اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا۔[1]

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ارادوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اسے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے، پھر اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دے دیا گیا کہ آپ یہودیوں کا محاصرہ کر لیں۔ آپ نے ان کا محاصرہ کیا انھیں ان کے قلعوں سے باہر نکالا اور مدینہ منورہ سے انھیں جلاوطن کر دیا تھا۔

تفسیر آیات: 12-14

اہل کتاب سے عہد اور عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس عہد و پیمان کو پورا کریں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان سے لیا ہے، اور حق کو قائم کریں اور انصاف کی گواہی دیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں یاد دلایا ہے کہ حق اور ہدایت کی توفیق عطا فرما کر، انھیں کیسی کیسی عظیم الشان ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کرنا شروع فرمایا ہے کہ عہد و پیمان تو اس نے مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ سے بھی لیا تھا مگر جب انھوں نے اس عہد و پیمان کی تمام دھجیوں کو اڑا دیا تو سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے انھیں لعنت میں مبتلا کر دیا، اپنی جناب سے انھیں دھتکار دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے تاکہ وہ ہدایت اور دین حق تک پہنچ ہی نہ سکیں اور وہ ہے علم نافع اور عمل صالح۔

چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ ﴾ ''اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے قرار لیا تھا اور ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے تھے۔'' یعنی ان کے قبیلوں کے سردار مقرر کر دیے تاکہ وہ ان کی بیعت کر کے اللہ، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی باتوں کو سن کر اطاعت بجا لانے کا عہد کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن اسحاق اور کئی ایک ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جابر و سرکش لوگوں سے جہاد کے لیے متوجہ تھے تو آپ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ ہر خاندان سے ایک ایک سردار مقرر کر دیں۔[2]

عَقَبہ کی رات انصار کے نقیب: اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عقبہ کی رات جب انصار سے بیعت لی تو ان کے بھی بارہ نقیب تھے جن میں سے تین خاندان اَوس میں سے تھے: (1) اُسَید بن حُضَیر (2) سعد بن خَیثمہ اور (3) رفاعہ بن عبد المُنذِر۔ (رفاعہ کے بجائے ابوالھیثم بن التَّیِّھان رضی اللہ عنہم کا نام بھی لیا جاتا ہے۔) اور نو خاندان خزرج میں سے تھے: (1) ابوامامہ اسعد بن زُرارہ (2) سعد بن ربیع (3) عبداللہ بن رَواحہ (4) رافع بن مالک بن عجلان (5) براء بن مَعرور (6) عبادہ بن صامت (7) سعد بن عبادہ (8) عبداللہ بن عمرو بن حرام اور (9) منذِر بن عمرو بن خُنَیس رضی اللہ عنہم۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں بھی ان کا ذکر

[1] تفسیر الطبری: 198,197/6. [2] تفسیر الطبری: 205,204/6 امام ابن جریر نے ان نقیبوں کے نام بھی ذکر کیے ہیں۔

کیا ہے اور ان اشعار کو ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔ ① مقصود یہ ہے کہ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس رات نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کے نقیب تھے اور انھوں نے ہی سمع وطاعت بجالانے کے لیے اپنی قوم کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ ②

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ﴾ ''اور اللہ نے فرمایا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں۔'' میں تمھاری حفاظت کروں گا اور اپنی تائید وحمایت سے نوازوں گا۔ ﴿ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ ''اگر تم نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے۔'' یعنی تمھارے سامنے وحی الٰہی کی جو باتیں پیش کریں گے، تم ان کی تصدیق کرو گے۔ ﴿ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اور تم ان کی مدد کرو گے۔'' یعنی حق کی حمایت میں ان کی نصرت واعانت کرو گے۔ ﴿ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ ''اور تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے۔'' یعنی اس کی راہ میں اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنے مال کو خرچ کرو گے۔ ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ ''تو میں ضرور تم سے تمھارے گناہ دور کردوں گا۔'' یعنی تمھارے گناہ مٹادوں گا اور ان کی پردہ پوشی کروں گا اور تم سے کوئی مؤاخذہ نہیں کروں گا۔ ﴿ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اور ضرور تم کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' الغرض تم سے تمام تکلیف دہ چیزوں کو دور کردوں گا اور تمھیں تمھارا مقصود عطا کردوں گا۔

عہد شکنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ⑫ ﴾ ''پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا، وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔'' یعنی جس نے یہ پختہ عہد وپیمان کرنے کے بعد اسے توڑ دیا، اس کی مخالفت کی، اس کا انکار کردیا اور اس کے ساتھ اس شخص کی طرح معاملہ کیا جو اسے جانتا ہی نہ ہو تو اس نے واضح راستے کو چھوڑ کر غلطی کی اور وہ راہ ہدایت سے بھٹک کر گمراہی کی دلدل میں جا پھنسا۔

پھر یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس عہد شکنی کی انھیں کیا سزا ملی، اللہ نے فرمایا: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ ﴾ ''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی۔'' یعنی انھیں حق سے دور اور ہدایت سے محروم کردیا۔ ﴿ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کردیا۔'' کہ دلوں کی قساوت اور سنگینی کی وجہ سے کسی بھی نصیحت کو حاصل ہی نہیں کرتے۔ ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ ''یہ لوگ کلماتِ (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں ان کا رویہ خراب اور ان کا تصرف بدترین ہے کہ یہ ان کی غلط تاویل کرتے ہیں، یہ انھیں غلط معنی پہناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جو اس نے بیان فرمائی ہی نہیں ہیں۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

﴿ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ ''اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے۔'' اور

① السيرة النبوية لابن هشام، أسماء النقباء الاثني عشر وتمام خبر العقبة: 2/443-445. ② دیکھیے دلائل النبوة للبيهقي: 2/452,453 وصحيح ابن حبان، التاريخ، باب بدء الخلق ، ذكر وصف بيعة الأنصار......: 14/172-174 ومسند أحمد: 3/322,323 عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه.

اس سے اعراض کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل ترک کر دیا۔ ﴿ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''ہمیشہ آپ ان میں سے (کسی ایک نہ ایک کی) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہیں۔'' یعنی یہ آپ اور آپ کے صحابہ سے جو مکاری اور غداری کرتے رہتے ہیں آپ اس سے مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ امام مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی، یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔[1]

﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ﴾ ''تو ان کی خطائیں معاف کیجیے اور (ان سے) درگزر کیجیے۔'' کہ یہی حقیقی فتح ونصرت ہے جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور کوئی معاملہ نہیں ہوسکتا کہ جو شخص آپ کے بارے میں اللہ کے حکم کی نافرمانی کرے مگر آپ اس کے بارے میں اللہ کے حکم کی اطاعت بجالائیں، اس سے ان کی تالیف قلبی ہوگی اور شاید اس طرح وہ حق اور ہدایت کو قبول کر لیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' یہاں احسان سے مراد اس شخص سے درگزر کرنا ہے جو آپ سے برا سلوک کرے۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت: ﴿ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ﴾ منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ (التوبۃ 9:29) ''جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) ان سے جنگ کرو۔''[2]

عیسائیوں کی عہد فراموشی اور اس کا نتیجہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا۔'' یعنی جن لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ نصاریٰ اور حضرت مسیح ابن مریم علیہما السلام کے پیروکار ہیں، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے، ہم نے ان سے بھی یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کی نصرت وحمایت کریں گے، آپ کے نقش قدم پر چلیں گے اور ہر اس نبی کے ساتھ ایمان لائیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہوگا مگر ان کا طرز عمل بھی یہود سے مختلف نہ تھا، انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے اس عہد و پیمان کی دھجیاں اڑا دیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''پھر انھوں نے بھی اس نعمت کا جو ان کو دی گئی تھی، ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور کینہ ڈال دیا۔'' وہ باہمی طور پر عداوت و بغض میں مبتلا ہو گئے اور قیامت تک اسی طرح ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے۔

اسی طرح عیسائیوں کے مختلف جنسوں کے مختلف گروہوں کا یہی حال ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں بدترین قسم کی دشمنی و بغض میں مبتلا ہیں، ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کو ناپاک قرار دیتا اور اپنے گرجے میں آنے کی اجازت نہیں دیتا۔ فرقہ مَلکیہ یعقوبیہ کو کافر قرار دیتا ہے، نسطوریہ اور

---

[1] تفسير الطبرى :213/6 . [2] تفسير الطبرى:215/6 و تفسير عبدالرزاق:11/2 ، رقم :687 .

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے، اور

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ

بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے⑮ جس کے ذریعے سے اللہ

اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ

اس شخص کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرنا چاہتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯

اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے⑯

آریوسیہ فرقے بھی ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگاتے رہتے ہیں۔ بہر حال ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کو دنیا میں کافر قرار دیتا ہے اور آخرت میں بھی اہل کفر ہی سے شمار کرتا ہے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ⑭﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے رہے، اللہ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔'' یہ عیسائیوں کو زبردست سرزنش کی جا رہی ہے کہ انھوں نے بدترین قسم کے جرم کا ارتکاب کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذمے جھوٹی باتیں لگائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جن سے وہ بہت پاک، بے حد بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ انھوں نے اللہ کی بیوی اور بیٹا بنا دیا، حالانکہ وہ ذات باری تعالیٰ واحد، احد، یکتا اور بے نیاز ہے، وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ باپ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

تفسیر آیات: 16,15

رسول ﷺ اور قرآن کے ساتھ حق کا بیان: اللہ تعالیٰ اپنی ذات بابرکات کے بارے میں یہاں یہ فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام کائنات ارضی کے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے، خواہ وہ عرب ہوں یا عجم، امی ہوں یا کتابی۔ اور روشن دلائل اور حق و باطل کے درمیان کھلم کھلے فرق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬﴾ ''اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزمان) آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے، وہ اس میں سے بہت کچھ تمھیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمھارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں۔'' اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں جو تبدیلی، تحریف اور تاویل کی آپ اسے اور ان کی افتراء پردازیوں کو کھول کھول کر بیان فرما دیتے ہیں اور ان کی تبدیل کی ہوئی بہت سی باتوں سے سکوت بھی فرماتے ہیں کیونکہ ان کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جو شخص رجم کا انکار کرے تو اس نے

[1] عیسائیوں کے فرقوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ النساء، آیت: 171 کے ذیل میں عنوان: ''عیسائیوں کے فرقے''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا

یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: پس کون ہے جو اللہ کے آگے کچھ اختیار رکھتا

اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

ہو اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لے؟ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے ⑰ اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا: ہم اللہ کے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ

بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: پھر وہ تمھیں تمھارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ

انسان ہو، وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جو کچھ ان دونوں کے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱

درمیان ہے، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ⑱

درحقیقت قرآن کا اس انداز سے انکار کیا کہ اسے اس کا شعور بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جو فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارے رسول (آخر الزمان) آ گئے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب (الٰہی) میں سے چھپاتے تھے، وہ اس میں سے بہت کچھ تمھیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں۔'' اہل کتاب نے جن باتوں کو چھپایا تھا، ان میں سے رجم بھی ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس قرآن عظیم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جسے اس نے نبی کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا: ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ⑮ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ ''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آ چکی ہے جس کے ذریعے سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو سلامتی کے رستے دکھاتا ہے۔'' یعنی نجات، سلامتی اور استقامت کے رستے۔ ﴿ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑯ ﴾ ''اور انھیں اپنے حکم سے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔'' یعنی انھیں مصیبتوں سے نجات عطا فرماتا ہے، سب سے زیادہ سیدھے رستے کو واضح فرماتا ہے، ناپسندیدہ چیزوں کو ان سے دور فرماتا اور پسندیدہ چیزوں کے حصول کی توفیق عطا فرماتا ہے، گمراہی کو ان سے دور کرتا اور سب سے صحیح حالت کی طرف رہنمائی فرماتا ہے۔

[1] المستدرك للحاكم، الحدود:359/4، حديث:8069.

تفسیر آیات: 18,17

عیسائیوں کا شرک و کفر: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ عیسائیوں نے مسیح ابن مریم - جو بندگان الٰہی میں سے ایک بندے اور مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں - کے بارے میں یہ دعویٰ کر کے کہ وہ اللہ ہیں، بدترین قسم کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان کی اس بات سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ تمام اشیاء پر اسے قدرت حاصل ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف و اختیار میں ہے۔ فرمایا: ﴿ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ط ﴾ ''(ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ عیسیٰ ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کسی کی پیش چل سکتی ہے؟'' اگر وہ ایسا کرنے کا ارادہ فرما لے تو اسے کون روک سکتا ہے؟ کس کی یہ مجال ہے کہ وہ اسے اس سے روک سکے؟

پھر فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط ﴾ ''اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' تمام موجودات کا وہی مالک و خالق ہے اور وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جسے وہ چاہے۔ وہ اپنی قدرت، حکمت، عدل اور عظمت کے ساتھ جو کام بھی کرنا چاہے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے درحقیقت ملعون نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

اہل کتاب کے اس دعوے کی تردید کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے کذب و افتراء کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ط ﴾ ''اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔'' یعنی ہم اس کے انبیاء کی طرف منسوب ہیں اور وہ (انبیاء) اس (اللہ) کے بیٹے ہیں، لہٰذا اللہ کی ان پر خاص عنایت ہے اور وہ ان سے بہت محبت کرتا ہے۔ یہ اپنی کتاب کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اسرائیل سے یہ کہا تھا: [أَنْتَ ابْنِي بِكْرِي] ''تو میرا پہلوٹھی کا بیٹا ہے۔'' انھوں نے اس کی غلط تاویل کی بلکہ تحریف کی یہی وجہ ہے کہ انھی میں سے بہت سے مسلمان ہونے والے عقل مند لوگوں نے ان کی اس بات کی تردید کی اور کہا کہ ان کے ہاں اس طرح کے الفاظ اعزاز و اکرام کے طور پر استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ عیسائیوں نے اپنی کتاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: [إِنِّي ذَاهِبٌ إِلٰى أَبِي وَأَبِيكُمْ، يَعْنِي رَبِّي وَرَبِّكُمْ] ''بے شک میں اپنے اور تمھارے باپ، یعنی اپنے اور تمھارے رب کے پاس جا رہا ہوں۔'' اور معلوم ہے کہ وہی نسبت جو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے ان کی تمام امت کی طرف ہے، یعنی [أَبِي وَأَبِيكُمْ] لیکن انھوں نے اپنے بارے میں کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ ہے۔

اُن کا اِن الفاظ کے استعمال کرنے سے مقصود یہ تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں اعزاز اور پذیرائی حاصل ہے، اسی وجہ سے انھوں نے جب یہ کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تو اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا

اے اہل کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، جو رسولوں کے وقفے کے بعد تمھارے لیے باتیں کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس تو

جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲

کوئی خوشخبری دینے والا اور کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ پس یقیناً تمھارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑲

ہے: ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ پھر وہ تمھاری بداعمالیوں کے سبب تمھیں عذاب کیوں دیتا ہے؟'' یعنی اپنے دعوے کے مطابق اگر تم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہو تو پھر تمھارے کفر، کذب اور افتراء کی وجہ سے اس نے تمھارے لیے آتش جہنم کیوں تیار کر رکھی ہے؟

ارشاد الٰہی: ﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ﴾ ''بلکہ تم اس کی مخلوقات میں سے انسان ہو۔'' اور دیگر انسانوں کی زندگی تمھارے لیے نمونہ ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے تمام بندوں پر حاکم ہے۔ ﴿يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔'' وہ جو ارادہ فرماتا ہے، اسے کر گزرتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ﴾ ''اور آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے۔'' سب کچھ اس کی ملکیت اور اسی کے تصرف و اختیار میں ہے۔ ﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱﴾ ''اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی اسی کے پاس سب کا ٹھکانا ہے اور وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمائے گا لیکن وہ ذات گرامی سراپا عدل ہے اور وہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیت: 19

اللہ تعالیٰ اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے مخاطب ہو کر فرما رہا ہے کہ اس نے ان کی طرف اپنے رسول خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے جن کے بعد اور کوئی نبی و رسول نہیں ہے بلکہ آپ ہی تمام انبیائے کرام کے بعد تشریف لانے والے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ''رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد'' یعنی آپ ﷺ کے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے درمیان کافی طویل مدت ہے۔ اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ مدت کتنی تھی؟ ابوعثمان نہدی اور امام قتادہ کا ایک روایت کے مطابق قول یہ ہے کہ یہ مدت چھ سو سال تھی۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔[2] حضرت قتادہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ مدت پانچ سو ساٹھ سال تھی۔[3] معمر نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کیا ہے کہ یہ مدت پانچ سو چالیس سال تھی۔[4]

اور مشہور قول پہلا ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ مدت چھ سو سال تھی۔ اور بعض اہل علم نے اس مدت کو چھ سو بیس سال قرار دیا

① تفسير البغوي:33/2 وتفسير القرطبي:121/6. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام سلمان الفارسي رضی اللہ عنہ، حديث:3948. ③ تفسير البغوي:33/2 وتفسير عبدالرزاق:12/2، رقم:691 . ④ تفسير البغوي:33/2 وتفسير عبدالرزاق:12/2، رقم:691.

ہے۔[1] تو ان دونوں (چھ سو اور چھ سو بیس سال کے اقوال) میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ پہلے قائل کی مراد چھ سو شمسی سال ہیں اور دوسرے کی مراد قمری سال ہیں۔ اور ہر سو شمسی اور قمری سالوں میں قریباً تین سال کا فرق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصے میں یہ بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝﴾ (الکھف 18:25) ''اور وہ غار میں تین سو سال اور نو سال زیادہ رہے۔'' یعنی قمری حساب سے وہ تین سو نو سال غار میں رہے (یہ اس لیے فرمایا) تاکہ اہل کتاب کو شمسی حساب سے ان کی تین سو سال کی جس مدت کا علم تھا۔ اسے (قمری لحاظ سے) پورا کر دیا جائے۔

''فترت'' سے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام جو انبیائے بنی اسرائیل میں سے آخری نبی ہیں، اور حضرت محمد ﷺ، جو علی الاطلاق بنی آدم کی طرف مبعوث ہونے والے نبیوں میں سے آخری نبی ہیں، کے درمیان کی مدت مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِابْنِ مَرْيَمَ ...... لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ] میں دوسروں کی نسبت ''ابن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں...... میرے اور ان کے درمیان اور کوئی نبی نہیں ہے۔''[2]

اس حدیث سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اور نبی بھی آئے ہیں جن کا نام خالد بن سنان ہے[3] جیسا کہ قُضاعی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ موقوف ہو چکا تھا، ہدایت کے رستے مٹ چکے تھے، ادیان کو بدل دیا گیا تھا اور اللہ وحدہ لاشریک کے بجائے دنیا میں بتوں، آگ اور صلیب کی پوجا شروع ہو چکی تھی تو ان حالات میں آپ کی بعثت انسانیت کے لیے ایک بہت بڑی نعمت تھی۔ اور اس نعمت کی ضرورت بھی نہایت شدت سے محسوس ہو رہی تھی کیونکہ تمام روئے زمین فتنہ و فساد سے بھر گئی تھی۔ اور یہود و نصاریٰ و صابئین کے صرف ان چند علماء کے سوا جو سابقہ انبیاء کے دین سے وابستہ تھے، باقی تمام لوگ بدترین قسم کی سرکشی و جہالت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

جیسے امام احمد رحمہ اللہ نے عِیاض بن حمار مُجاشعی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

[إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَّا جَهِلْتُمْ مِّمَّا عَلَّمَنِي فِي يَوْمِي هٰذَا، كُلُّ مَالٍ نَّحَلْتُهُ عِبَادِي حَلَالٌ،

---

[1] تفسیر القرطبی:121/6 امام ابن جریر نے بھی ان اقوال کو ذکر کیا ہے۔ دیکھیے تفسیر الطبری:228/4. [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ﴾ (مریم 19:16)، حدیث:3442 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عیسی علیہ السلام، حدیث:2365. [3] المعجم الکبیر للطبرانی:442,441/11، حدیث:12250 والمصنف لابن أبي شیبة، الفضائل، باب ماجاء في بني عبس:416/6، حدیث:32483. حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خالد بن سنان کی بیٹی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اپنا کپڑا اس کے لیے بچھا دیا اور فرمایا: [بِنْتُ نَبِيٍّ ضَيَّعَهُ قَوْمُهُ] ''یہ ایسے نبی کی بیٹی ہے جسے اس کی قوم نے کھو دیا تھا۔'' لیکن یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔

وَّإِنِّی خَلَقْتُ عِبَادِی حُنَفَاءَ کُلَّھُمْ ، وَإِنَّھُمْ أَتَتْھُمُ الشَّیَاطِینُ فَأَضَلَّتْھُمْ عَنْ دِینِھِمْ ، وَحَرَّمَتْ عَلَیْھِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَھُمْ ، وَأَمَرَتْھُمْ أَنْ یُّشْرِکُوا بِی مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهٖ سُلْطَانًا، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَظَرَ إِلٰی أَھْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَھُمْ عَجَمِیَّھُمْ وَعَرَبِیَّھُمْ، إِلَّا بَقَایَا مِنْ أَھْلِ الْکِتَابِ ، وَقَالَ : إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِیَكَ وَأَبْتَلِیَ بِكَ ، وَ أَنْزَلْتُ عَلَیْكَ کِتَابًا لَّا یَغْسِلُهُ الْمَاءُ ، تَقْرَؤُهٗ نَائِمًا وَّیَقْظَانًا ، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِی أَنْ أُحَرِّقَ قُرَیْشًا، فَقُلْتُ : یَا رَبِّ! إِذَنْ یَّثْلَغُوا رَأْسِی ، فَیَدَعُوهُ خُبْزَةً ، فَقَالَ : اِسْتَخْرِجْھُمْ کَمَا اسْتَخْرَجُوكَ ، فَاغْزُھُمْ نُغْزِكَ ، وَأَنْفِقْ عَلَیْھِمْ فَسَنُنْفِقَ عَلَیْكَ وَابْعَثْ جُنْدًا نَّبْعَثْ خَمْسَةً مِّثْلَهٗ، وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ .

وَأَھْلُ الْجَنَّةِ ثَلَاثَةٌ: ذُوسُلْطَانٍ مُقْسِطٌ، مُتَصَدِّقٌ مُّوَفَّقٌ، وَّرَجُلٌ رَّحِیمٌ رَّقِیقُ الْقَلْبِ لِکُلِّ ذِی قُرْبٰی وَمُسْلِمٍ ، وَّرَجُلٌ فَقِیرٌ عَفِیفٌ مُّتَصَدِّقٌ وَّأَھْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ : اَلضَّعِیفُ الَّذِی لَا زَبْرَ لَهٗ ، الَّذِینَ ھُمْ فِیکُمْ تَبَعًا۔ أَوْ تُبَعَاءَ ، شَكَّ یَحْیٰ۔ لَا یَبْتَغُونَ أَھْلًا وَّلَا مَالًا، وَّالْخَائِنُ الَّذِی لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ طَمَعٌ وَّإِنْ دَقَّ إِلَّا خَانَهٗ ، وَرَجُلٌ لَّا یُصْبِحُ وَلَا یُمْسِی إِلَّا وَھُوَ یُخَادِعُكَ عَنْ أَھْلِكَ وَمَالِكَ ۔ وَذَکَرَ الْبُخْلَ أَوِ الْکَذِبَ ۔ وَالشِّنْظِیرَ۔ الْفَاحِشَ]

’’بے شک میرے رب نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تم جن باتوں سے بے علم ہو اور اس نے وہ مجھے آج سکھا دی ہیں، میں تمھیں بھی ان کی تعلیم دوں، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) میں نے اپنے بندوں کو جو مال عطا فرمایا ہے، وہ سب حلال ہے۔ میں نے اپنے سب بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے گمراہ کر دیا اور جن چیزوں کو میں نے ان کے لیے حلال قرار دیا تھا، انھوں نے حرام کر دیا۔ شیطانوں ہی نے انھیں یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ شرک کریں جبکہ میں نے اس کی کوئی سند نازل نہیں کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف دیکھا اور اہل کتاب کے چند لوگوں کے سوا تمام عرب وعجم سے ناراضی کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ میں نے آپ کو مبعوث کیا ہے تا کہ آپ کو آزماؤں اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگوں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے آپ نیند و بیداری ہر حالت میں پڑھیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں قریش کو جلا دوں، میں نے عرض کی: اے میرے رب! وہ تو میرے سر کو کچل دیں گے اور اسے روٹی کی طرح بنا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ ان کو نکال دیں جیسا کہ انھوں نے آپ کو نکالا، آپ ان کے خلاف جہاد کریں ہم آپ کا ساتھ دیں گے، آپ ان کے خلاف خرچ کریں، ہم آپ پر خرچ کریں گے، آپ ایک لشکر بھیجیں ہم اس سے پانچ گنا بھیجیں گے اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں، ان کے ساتھ مل کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کریں۔

اہل جنت تین قسم کے لوگ ہیں: (1) عدل واصلاح والا اور صدقہ کرنے والا بادشاہ (2) رحم دل اور ہر رشتے دار اور مسلمان کے ساتھ رقیق القلب انسان اور (3) معاف کرنے والا، فقیر، صدقہ کرنے والا انسان۔ اور اہل جہنم پانچ قسم کے لوگ ہیں:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو اس نے تم پر کی، جب اس نے تم میں سے نبی بنائے اور تمھیں بادشاہ بنایا،

مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ

اور تمھیں وہ کچھ دیا جو ساری دنیا میں کسی کو نہیں دیا گیا ⑳ اے میری قوم! مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے نام لکھ دی ہے اور تم اپنی

الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا

پشت کے بل منہ نہ موڑو، پھر تم خسارہ اٹھانے والے ہو جاؤ گے ㉑ انھوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! بے شک اس زمین میں ایک بڑی زور آور قوم

قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا

ہے۔ اور ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں، پھر اگر وہ اس میں سے نکل گئے تو بے شک ہم داخل

دٰخِلُوْنَ ㉒ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ

ہو جائیں گے ㉒ جو لوگ اللہ سے ڈرتے تھے، ان میں سے دو آدمی جن پر اللہ کا فضل تھا، وہ بولے: تم ان کے مقابلے کے لیے دروازے میں داخل ہو

فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ㉓ قَالُوْا

جاؤ، پھر جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو بے شک تم غالب آ جاؤ گے اور اگر تم مومن ہو تو تمھیں اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ㉓ وہ کہنے لگے: اے

يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا

موسیٰ! ہم ہرگز اس زمین میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، چنانچہ تو اور تیرا رب جائے، پھر تم دونوں ان سے لڑو، ہم تو یہیں

قٰعِدُوْنَ ㉔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ

بیٹھے ہیں ㉔ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! بے شک مجھے اپنے آپ اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں، چنانچہ تو ہمیں اس نافرمان قوم سے الگ

الْفٰسِقِيْنَ ㉕ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ

کر دے ㉕ اللہ نے فرمایا: بے شک وہ (مقدس زمین) ان لوگوں پر چالیس برس تک حرام کر دی گئی ہے، وہ زمین میں چالیس برس تک ادھر ادھر بھٹکتے

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ㉖ ع

پھریں گے، چنانچہ آپ اس نافرمان قوم کا غم نہ کھائیں ㉖

4/7/8

(1) وہ کمزور جس میں (ایسی) عقل نہیں (جو اس کو گناہوں سے بچائے) جو تمھارے پیچھے چلنے والے ہیں جن کا اپنا کوئی اہل اور مال نہیں (جس میں ٹھہر کر وہ زندگی کے حقوق و فرائض جان کر جہنم سے بچ سکیں۔ ان کو کمزور عدم بصیرت کی وجہ سے کہا گیا۔) (2) وہ خائن جو ہر چھوٹی بڑی چیز کی خیانت کرتا ہے۔ (3) وہ شخص جو ہر صبح شام اپنے اہل و مال کی طرف سے آپ کو دھوکا دینا چاہتا ہے، پھر (4) آپ نے بخل یا کذب کا ذکر کیا اور (5) فحاشی کا ارتکاب کرنے والے کا بھی ذکر کیا۔''[1]

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث: 2865 ومسند أحمد: 162/4.

اس حدیث کے یہاں ذکر کرنے سے مقصود ان الفاظ کی طرف توجہ مبذول کروانا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ نَظَرَ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَجَمِيَّهُمْ وَعَرَبِيَّهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف دیکھا اور اہل کتاب کے چند لوگوں کے سوا تمام عرب وعجم سے ناراضی کا اظہار کیا۔''

روئے زمین کے تمام لوگ دین کی بابت التباس کا شکار ہو گئے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اس طرح مخلوق کی ہدایت کا سامان فراہم کیا، آپ کی کوششوں سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں اور اُجالوں میں پہنچا دیا اور انھیں انتہائی منور اور روشن شریعت عطا کر دی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ﴾ ''تا کہ تم (یہ نہ) کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے یا ڈرسنانے والا نہیں آیا۔'' یعنی دین میں تغیر وتبدل کر دینے والو! تا کہ کل تم یہ دلیل نہ پیش کر سکو کہ ہمارے پاس تو کوئی ایسا رسول آیا ہی نہیں جو خیر کی خوش خبری سناتا اور شر سے ڈراتا تو اب دیکھو کہ تمھارے پاس بشیر ونذیر پیغمبر حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس بات پر قادر ہوں کہ جو میری نافرمانی کرے میں اسے سزا دوں اور جو میری اطاعت بجالائے، اسے اجر وثواب سے نوازوں۔ [1]

تفسیر آیات: 20-26

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلانا: اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول اور کلیم موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا ذکر فرما رہا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں یاد دلائیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں سرفراز فرمایا تھا اور کہا کہ اگر تم استقامت کے ساتھ صراط مستقیم پر رہے تو اللہ تعالیٰ تمھیں دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں سے نواز دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ ﴾ ''اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم پر اللہ تعالیٰ نے جو احسان کیے ہیں، ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے۔'' یعنی جب کوئی نبی فوت ہو جاتا ہے تو تم میں اللہ تعالیٰ ایک دوسرا نبی بھیج دیتا ہے اور تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح ان میں بے شمار انبیاء آئے جنھوں نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اس کے عذاب سے ڈرایا حتی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کو وحی وتنزیل سے سرفراز فرمایا۔ آپ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے اشرف وافضل ہیں۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ﴾ ''اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' امام عبدالرزاق نے اس جملے کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے کہ تم نے خدمت کے لیے خادم، عورت اور گھر کو استعمال کیا۔ [2] امام حاکم نے بھی مستدرک

---

① تفسیر الطبری: 229/6 . ② تفسیر عبدالرزاق:14/2 ، رقم:700 و تفسیر الطبری: 231/6 .

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول روایت کیا ہے کہ اس سے مراد عورت اور خادم کو خدمت کے لیے استعمال کرنا ہے۔ ﴿ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ ﴾ یعنی تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اس وقت کے اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔[1] امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے سب سے پہلے خادموں کو اپنی خدمت کے لیے استعمال کیا تھا۔[2]

حدیث میں آیا ہے: [مَنْ أَصْبَحَ مِنكُمْ مُّعَافًى فِي جَسَدِهِ ، آمِنًا فِي سِرْبِهِ، عِندَهُ قُوتُ يَوْمِهِ ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا (بِحَذَافِيرِهَا)] ''تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اہل و مال کے اعتبار سے مطمئن ہو، جسمانی طور پر وہ صحت مند ہو اور اس دن کی خوراک اس کے پاس موجود ہو تو اسے گویا دنیا اپنی تمام تر نعمتوں کے ساتھ مل گئی ہے۔''[3]

بنی اسرائیل کی فضیلت صرف ان کے اپنے زمانے کے لوگوں پر تھی: اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ ﴾ ''اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔'' یعنی تمھارے زمانے کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیا کہ یہ لوگ اپنے زمانے میں یونانیوں، قبطیوں اور دیگر تمام اقوام عالم سے اشرف و افضل تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الجاثية16:45) ''اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت بخشی اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انھیں اہل عالم پر فضیلت دی۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان سے کہا: ﴿ يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف7:138-140) ''اے موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دے، موسیٰ نے کہا کہ بے شک تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، بے شک یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ اور (یہ بھی) کہا کہ بھلا میں (اللہ کے سوا) تمھارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں، حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے؟''

بہر حال مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل اپنے زمانے کے لوگوں سے افضل تھے جبکہ ہماری یہ امت ان سے اشرف، اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل، شریعت کے اعتبار سے اکمل، رستے کے اعتبار سے اقوم، نبی کے اعتبار سے اکرم، حکومت کے اعتبار سے اعظم،

---

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المآئدة:312/2 ، حديث:3214. [2] تفسير الطبرى:231/6 . [3] جامع الترمذى، الزهد، باب فى الوصف من حيزت له الدنيا، حديث:2346 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب القناعة، حديث:4141 عن عبيد الله بن مِحصَن ﷺ. واللفظ له وصحيح ابن حبان، الرقائق، باب الفقر والزهد والقناعة ، ذكر الإخبار عمن طيّب الله جل وعلا عيشه فى هذه الدنيا:446/2 ، حديث: 671 عن أبى الدرداء ﷺ. والسلسلة الصحيحة:408/5 ، حديث:2318. حدیث میں لفظ [بحذا فيرها] کا ذکر علامہ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۂ صحیحہ میں کیا ہے۔

رزق کے اعتبار سے زیادہ، اموال واولاد کے اعتبار سے اکثر مملکت کے اعتبار سے اوسع اور عزت واقبال کے اعتبار سے ادوم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ (البقرۃ2:143) ''اور اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔''

ہم نے سورۂ آل عمران کی آیت: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران 3:110) کی تفسیر میں اس امت کی فضیلت، شرف اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی پذیرائی سے متعلق بہت سی متواتر احادیث بیان کی ہیں۔[1]

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم دینا اور قوم کی سرکشی: پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ ترغیب دی کہ وہ جہاد کریں اور بیت المقدس[2] میں داخل ہوں جو ان کے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں ان کے ہاتھ میں تھا (اس سے پہلے کہ) جب انھوں نے اور ان کے اہل وعیال نے حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں وہاں سے مصر ہجرت کر لی تھی، پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے تک وہاں مصر ہی میں رہے تھے۔ اور اب جب واپس آئے تو دیکھا کہ اب بیت المقدس پر سرکش عمالقہ کا قبضہ وتسلط ہے تو اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس میں داخل ہو کر اپنے ان دشمنوں سے جہاد کریں اور ساتھ ہی ساتھ فتح ونصرت کی خوشخبری بھی سنائی مگر انھوں نے جہاد سے منہ موڑ لیا اور اپنے پیغمبر کی مخالفت اور نافرمانی کی تو سزا کے طور پر انھیں ریگستان تیہ میں بھیج دیا گیا جہاں وہ چالیس سال تک بھٹکتے پھرے اور ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ منزل مقصود تک کس طرح پہنچیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی انھیں دنیا میں سزا ملی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ ﴾ ''اے میری قوم! تم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔'' المقدسہ سے یہاں مراد پاک ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''جسے اللہ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے۔'' یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ اسرائیل کی زبانی تم سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ یہ تم میں سے ان لوگوں کی وراثت ہوگی جو مومن ہوں گے۔ ﴿ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ ﴾ ''اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا۔'' یعنی جہاد سے منہ نہ موڑنا ﴿ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ ﴾ ''ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! بے شک وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں یقیناً ہم وہاں نہیں جا سکتے ہاں، اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے۔'' یعنی انھوں نے عذر یہ پیش کیا کہ موسیٰ! جس شہر میں داخل ہو کر جہاد کرنے کا تم نے ہمیں حکم دیا ہے، وہاں بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں جو جسمانی طور پر بڑے تنومند اور طاقت ور ہیں اور ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں ہے، لہٰذا جب تک وہ اس شہر میں موجود

[1] دیکھیے آیت: 110 کے ذیل میں عنوان: ''امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل اور بہتر امت ہے'' [2] حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھیے

»» بیت المقدّس اور ہیکل سلیمانی: شہر بیت المَقدِس یا بیت المُقدَّس کو عرب آج کل اَلقُدس کہتے ہیں جبکہ یہود ونصاریٰ اسے اُورشَلیم یا یروشَلم (Jerusalem) کا نام دیتے ہیں۔ شروع میں بیت المقدس سے مراد ''ہیکل'' یا معبد تھا اور یہ عبرانی ''بیت ہَمِقدَش'' کا عربی مترادف ہے مگر بعد میں اس کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں ایک پہاڑی پر قیام کیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق یہاں بیت المقدس (مسجد) کی بنیاد ڈالی جس کی وجہ سے شہر بیت المقدس آباد ہوا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ دشت تیہ سے فلسطین جاتے ہوئے موآب (اردن) پہنچے تو وہاں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد بنی اسرائیل نے یوشع بن نون کی قیادت میں دریائے اردن پار کر کے اریحا، بیت المقدس اور پورا کنعان (فلسطین) فتح کرلیا۔ پھر جالوت کے قتل کے بعد داود علیہ السلام نے فلسطین دوبارہ فتح کیا اور ان کے نقشے کے مطابق سلیمان علیہ السلام (متوفی 961ق م) نے بیت المقدس میں مسجد تعمیر کرائی، اس لیے یہودی اسے ہیکل سلیمانی کہنے لگے۔ 586ق م میں بخت نصر نے ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس کو مسمار کردیا اور ایک لاکھ یہودیوں کو غلام بنا لے گیا۔ 539ق م میں شاہ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم) نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی دلائی اور بیت المقدس پھر آباد ہوگیا۔ یہودی حکمران ہیرودا اعظم نے 18ق م میں ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کیا مگر 70ء میں ایک بار پھر رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم شہر اور ہیکل سلیمانی تباہ و برباد کردیے۔ 135ء میں شاہ ہیڈرین نے شہر دوبارہ تعمیر کر کے اسے اِیلیا کیپٹلونیم کا نام دیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومی حکمران قسطنطین اعظم نے عیسائیت قبول کرلی تو بیت المقدس میں کنیسۃ القیامہ (قمامہ) اور کنیسہ صیہون تعمیر کیے گئے۔

مسجد اقصیٰ اور قُبَّۃُ الصَّخْرَۃ: 16ھ/637ء میں بیت المقدس کے مسیحی بطریق صفرینوس نے شہر کی چابیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیں تو آپ نے مسلمانوں کے ہمراہ اس جگہ کی صفائی کر کے نماز ادا کی جہاں ایک چٹان (صخرہ) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ اسی احاطے کو قرآن میں ''مسجد اقصیٰ'' کہا گیا کیونکہ وہ مکہ سے بہت بعید (اقصیٰ) تھی، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں باقاعدہ مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا جو مسجد اقصیٰ کہلاتی ہے۔ خلیفہ عبدالملک (65 تا 85ھ) نے قبۃ الصخرہ تعمیر کرایا اور مسجد اقصیٰ ولید بن عبدالملک کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ پورے احاطے کا رقبہ 36 ایکڑ ہے۔ مسجد اقصیٰ احاطے کے جنوبی حصے میں ہے۔ مسجد کی مغربی دیوار کو مسلمان حَائِطُ البراق کہتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ''بُراق'' کو جبریل نے اس دیوار سے باندھا تھا مگر یہودی اسے حَائِطُ المَبکیٰ یا دیوارِ گریہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ دیوار ہیکل کا باقی ماندہ حصہ ہے۔

ہلال و صلیب کی کشمکش اور اسرائیل: 492ھ/1099ء میں یورپی صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے مسجد اقصیٰ میں بہت ردوبدل کیا اور اس کا نام پھر ہیکل سلیمانی (Templum Solomonis) رکھا، نیز مسجد کے اندر گرجا بنالیا۔ 583ھ/1187ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کر کے مسجد اقصیٰ کو مسیحی نشانات سے پاک کیا اور محراب اور مسجد کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ سلطان نے قبۃ الصخرہ سے صلیب اتار کر وہاں ہلال نصب کیا، صخرہ کے گرد کی دیوار مع قربان گاہ ہٹا دی، نیز گنبد پر دوبارہ سنہری رنگ پھروایا۔ پہلی جنگ عظیم چھڑی تو دسمبر 1917ء میں برطانوی فوج فلسطین اور بیت المقدس پر آن قابض ہوئی۔ برطانویوں نے سازش کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی کھلی چھوٹ دی، چنانچہ 1948 میں یہاں اسرائیل وجود میں لایا گیا اور آخر کار جون 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیلی بیت المقدس سمیت بقیہ فلسطینی علاقوں پر بھی قابض ہوگئے۔

(محسن فارانی، بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 1/16۔ اٹلس سیرت نبوی (دارالسلام)۔ نشاناتِ ارضِ قرآن)

ہیں، ہمارے لیے وہاں جانا ممکن نہیں ہے، ہاں! البتہ اگر وہ وہاں سے از خود چلے جائیں تو پھر ہم اس شہر میں داخل ہو جائیں گے ورنہ ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

یوشع اور کالب کا جہاد کے بارے میں خطاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ ''جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے، ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی، کہنے لگے۔'' یعنی جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے اعراض کیا تو دو آدمیوں نے، جن کو اللہ نے عظیم نعمت سے نوازا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے تھے، انھیں جہاد کی ترغیب دی۔ بعض ائمہ نے قرآن مجید کے ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا ہے: [قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يُخَافُونَ] ''جن لوگوں سے ڈرا جاتا تھا، ان میں سے دو شخص کہنے لگے۔''[1] یعنی لوگوں میں ان کا رعب و دبدبہ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دو شخص یُوشع بن نون اور کالب بن یُوفنّا ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، عطیہ، سدی، ربیع بن انس اور کئی ائمہ سلف وخلف رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔[2]

بہر حال ان دونوں نے ان سے کہا: ﴿ اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''تم ان لوگوں کے مقابلے کے لیے دروازے میں داخل ہو جاؤ، جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو یقیناً فتح تمھاری ہے اور اللہ ہی پر بھروسا رکھو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو۔'' یعنی اگر تم نے اللہ پر بھروسا رکھا، اس کے حکم کی اطاعت کی اور اپنے رسول کی بات مانی تو اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے دشمن کے مقابلے میں کامیاب کرے گا اور تمھیں اپنی تائید وحمایت سے سرفراز فرمائے گا اور تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے مگر اس وعظ ونصیحت کا بھی ان پر قطعاً کوئی اثر نہ ہوا۔

﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''وہ بولے کہ موسیٰ! بے شک جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر ضرور ہی لڑنا ہے) تو تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو! بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' اس طرح بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کیا، اپنے رسول کی مخالفت کی اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں بزدلی و دوں ہمتی کا ثبوت دیا۔

غزوۂ بدر کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا انتہائی شاندار جواب: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کتنا خوبصورت جواب دیا تھا جب آپ نے اس لشکر سے لڑائی کے لیے مشورہ کیا تھا جو ابوسفیان کے قافلے کی حفاظت کے لیے آیا تھا۔ یہ قافلہ تو بچ نکلا مگر لشکر مدینہ کے قریب آ گیا تھا اور اس کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار کے درمیان تھی اور یہ ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے ساتھ جہاد کے لیے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات کی اور بہت احسن انداز میں

[1] تفسیر الطبری:241/6 . [2] تفسیر الطبری:241,240/6. ''کالب'' کو بعض نے کلاب اور کالوب بھی ذکر کیا ہے۔

بات کی، پھر مہاجرین میں سے کچھ اور صحابۂ کرام نے بھی بات کی مگر رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: [أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ!] ''مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔'' دراصل آپ اس مسئلے میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس دن ان کی حیثیت جمہور کی تھی۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! گویا آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے، اس ذاتِ اقدس کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ اس سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگیں لگا دیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا، اور ہم اس بات سے قطعاً منہ نہیں موڑیں گے کہ آپ کل دشمن سے مقابلہ کریں۔ ہم جنگ میں بڑا صبر کرنے والے ہیں، دشمن کے مقابلے میں بڑے سچے اور دلیر ثابت ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے کوئی ایسا کارنامہ دکھائے جس سے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے چلیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد کی یہ بات سن کر بے حد خوش ہوئے۔ [1]

ابوبکر بن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورہ فرمایا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا، آپ نے پھر مشورہ طلب فرمایا تو انصاری کہنے لگے کہ اے گروہ انصار! رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن تمھاری طرف ہے۔ انصار کہنے لگے کہ اگر حضور اقدس ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے تو ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ ''تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' اے اللہ کے رسول! اس ذات اقدس کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ برک غماد تک جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔ اسے امام احمد، نسائی، اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے (بخاری شریف کی کتاب) مغازی اور تفسیر میں کئی سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ اور کتاب التفسیر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت مِقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ ''تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔'' ہم تو عرض کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ اقدس فرطِ مسرت سے

---

[1] البداية والنهاية، غزوة بدر العظمى يوم الفرقان يوم التقى الجمعان:262/3 امام صاحب نے بدایہ میں مختلف الفاظ کے ساتھ اس واقعے کو بیان کیا ہے۔ اور بالفاظ دیگر یہ واقعہ صحیح مسلم وغیرہ میں بھی ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الجهاد، باب غزوة بدر، حديث:1779 ومسند أحمد:220,219/3 وصحيح ابن حبان:25,24/11، حديث:4722. [2] مسند أحمد:188/3 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا......﴾ الآية:334/6، حديث: 11141 وصحيح ابن حبان:24,23/11، حديث:4721.

جگمگا اٹھا۔[1]

موسیٰ علیہ السلام کی یہودیوں کو بددعا: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''موسیٰ نے (اللہ سے) التجا کی کہ پروردگار! بے شک میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔'' یعنی بنی اسرائیل نے جب جہاد کرنے سے انکار کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام ان سے بہت ناراض ہوئے اور ان کے لیے بددعا کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگے: ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ ﴾ ''پروردگار! بے شک میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔'' ان میں سے کوئی میری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے اور میری دعوت پر لبیک کہے۔

﴿ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''چنانچہ تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔'' عطیہ عوفی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے۔[2] علی بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3] امام ضحاک رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے اور حق کو باطل سے ممتاز کر دے۔[4] اور ان کے علاوہ دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے اور ان (بنی اسرائیل) کے درمیان جدائی ڈال دے۔[5]

بیت المقدس میں چالیس سال تک یہودیوں کا داخلہ حرام قرار دے دیا گیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''پھر بے شک وہ (مقدس زمین) ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دی گئی (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور تیہ کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت اپنی قوم کے لیے بددعا کی جب انھوں نے جہاد سے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے چالیس سال تک ارض مقدس میں داخل ہونے کو حرام قرار دے دیا۔ یہ سارا عرصہ انھوں نے جنگل میں حیران و سرگرداں پھرتے ہوئے گزارا کہ انھیں باہر نکلنے کا رستہ ہی نہیں ملتا تھا۔

تاہم اس میدان تیہ میں بھی بہت سے عجیب و غریب امور اور خرق عادت واقعات پیش آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر بادلوں کا سایہ فرمایا، ان کے لیے من و سلویٰ نازل کیا، ایک ہی پتھر سے پانی کے بارہ (12) چشمے جاری فرما دیے، علاوہ ازیں اس طرح کے دیگر بہت سے معجزات بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تائید و حمایت میں انھی کے ہاتھوں ظاہر فرمائے، اسی جنگل (تیہ) ہی میں تورات نازل ہوئی، بنی اسرائیل کو احکام دیے گئے تھے اور اسی جنگل میں وہ قبۂ عہد جسے قبۂ

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ ...... ﴾ (المائدۃ 5:24)، حدیث:4609.
[2] تفسیر الطبری:246/6 و الدر المنثور:481/2. [3] تفسیر الطبری:246/6. [4] تفسیر الطبری:247/6. [5] تفسیر الطبری:246/6 و تفسیر الرازی:200/11.

زمان بھی کہا جاتا ہے،[1] بنایا گیا تھا۔

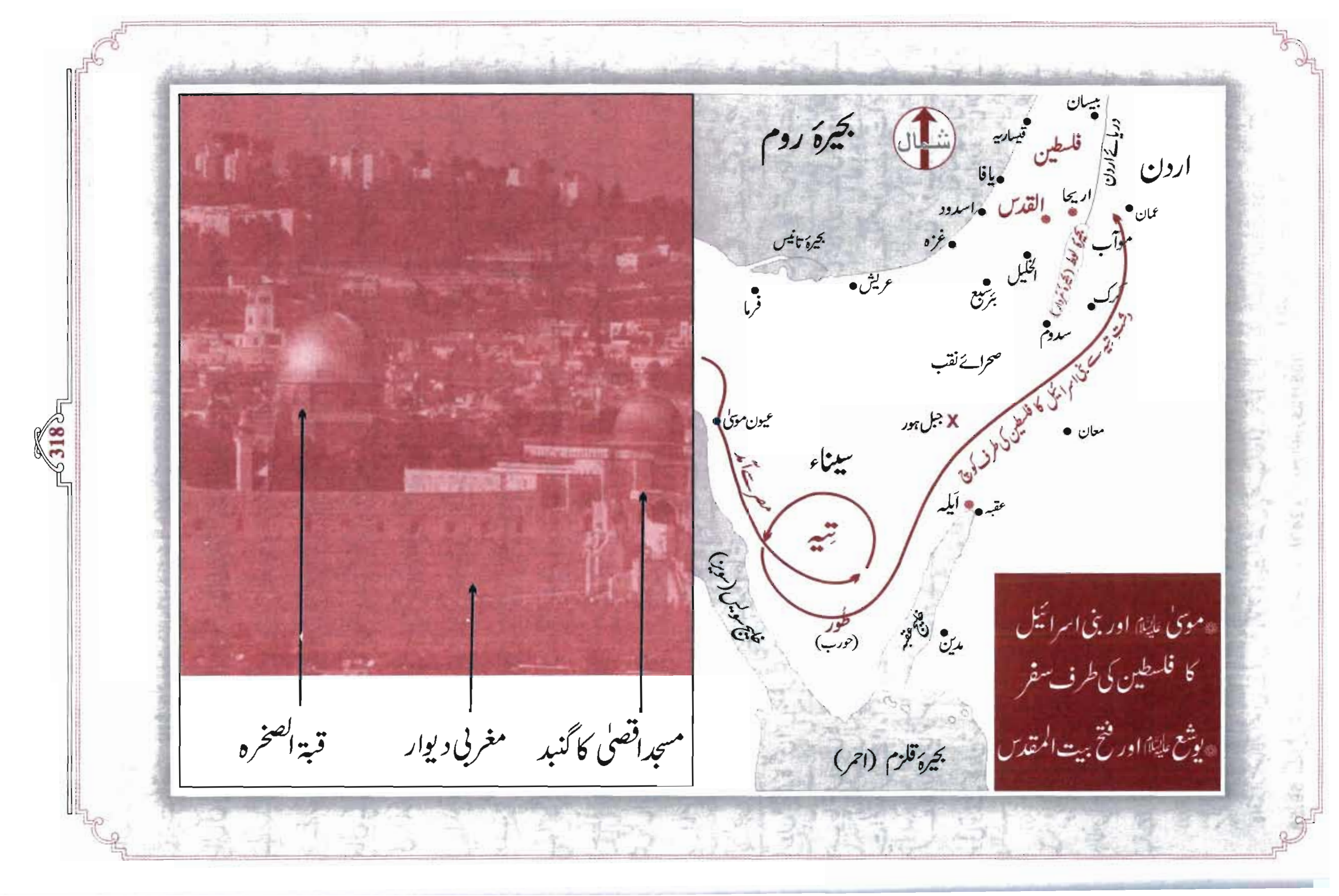
فتح بیت المقدس: ارشادِ الٰہی: ﴿ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ﴾، ﴿ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ کی وجہ سے منصوب ہے، بہرحال چالیس سال کی یہ مدت جب ختم ہوگئی تو یوشع بن نون علیہ السلام انھیں یا ان میں سے باقی ماندہ لوگوں اور دوسری نسل کے تمام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے، بیت المقدس کا قصد کیا اور اس کا جا کر محاصرہ کر لیا اور جمعے کے دن عصر کے بعد اسے فتح کر لیا۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور حضرت یوشع کو خطرہ لاحق ہوا کہ ہفتے کا دن شروع ہو جائے گا تو انھوں نے کہا کہ اے سورج! تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اسی کے حکم کا پابند ہوں، اے اللہ! سورج کی رفتار کو روک دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورج کی رفتار کو روک دیا تھا حتی کہ حضرت یوشع نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل سے کہیں کہ وہ جب شہر کے دروازے سے داخل ہوں تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور زبان سے [حِطَّةٌ] کا لفظ کہتے جائیں، یعنی اے اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے مگر ان لوگوں نے اس حکم کو بھی بدل دیا اور اس کی مخالفت اس طرح کی کہ حالت سجدہ کے بجائے اُلٹے پاؤں سرینوں کے بل داخل ہوئے اور [حِطَّةٌ] کے بجائے [حَبَّةٌ فِی شَعُرَةٍ] کہنے لگے، یعنی ہم دانے مانگتے ہیں۔ یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[2]

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ وہ چالیس برس تک اس جنگل میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے حتی کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا بھی اس جنگل ہی میں انتقال ہو گیا تھا بلکہ ہر اس شخص کا انتقال ہو گیا تھا جس کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی اور جب چالیس سال کا یہ عرصہ گزر گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی قیادت حضرت یوشع بن نون نے کی اور وہ انھیں لے کر بیت المقدس گئے اور انھی نے اسے فتح کیا تھا۔[3] انھی سے کہا گیا تھا کہ آج جمعے کا دن ہے، انھوں نے بیت المقدس کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو سورج غروب ہونے کے قریب تھا، لہٰذا انھیں خطرہ لاحق ہوا کہ اگر سورج غروب ہونے سے قبل فتح نہ ہوئی تو ہفتے کا دن شروع ہو جائے گا تو انھوں نے سورج سے مخاطب ہو کر کہا: میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں اور تو بھی اللہ کے حکم کا

---

① اہل کتاب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ ایک قُبّہ (گنبد) تعمیر کریں جس میں درخت شمشاد کی لکڑیاں، مویشیوں کی کھالیں اور بکریوں کے بال استعمال کیے جائیں اور اسے سونے چاندی کے تانے بانے سے تیار کردہ حریر کے کپڑے سے آراستہ کیا جائے۔ اس گنبد میں، جو اندر سے بڑا وسیع و عریض تھا، دس چوکور ستون تھے جن کی لمبائی اٹھائیس فٹ اور چاروں طرف سے ان کی چوڑائی چار فٹ رکھی گئی تھی۔ اس گنبد کی چھت بھی مرصع تھی اور اس میں سونے چاندی سے نقش بنائے گئے تھے۔ اور اس کے ہر پہلو میں دو دو دروازے تھے جن کی سر دلیں اور چوکھٹیں سونے چاندی سے تیار کر کے انھیں نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے سب سے بڑے مرکزی دروازے کو بھی اسی طرح سونے چاندی سے تیار کر کے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اور جب یوشع بن نون علیہ السلام نے بیت المقدس کا اقتدار سنبھالا تو انھوں نے اس قبے کو صخرۂ بیت المقدس پر نصب کروایا۔ ماخوذ از البداية والنهاية:1/286-288 . ② دیکھیے آیات: 59,58 کے ذیل میں۔ ③ تفسير الطبري:6/249 و تاريخ الطبري:1/306 .



موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل
کا فلسطین کی طرف سفر
یوشع علیہ السلام اور فتح بیت المقدس
بحیرۂ روم
شمال
اردن
فلسطین
القدس
بیسان
قیساریہ
یافا
اسدود
اریحا
دریائے اردن
عمان
غزہ
بحیرۂ تانیس
عریش
فرما
بئرسبع
الخلیل
موآب
سدوم
صحرائے نقب
جبل ہور
معان
عیون موسیٰ
سیناء
تیہ
ایلہ
عقبہ
طور
(حورب)
مدین
بحیرۂ قلزم (احمر)
مسجد اقصیٰ کا گنبد
مغربی دیوار
قبۃ الصخرہ

پابند ہے، اس سے سورج کی رفتار تھم گئی حتی کہ انھوں نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔

اور جب فتح کیا تو انھیں وہاں سے اس قدر زبردست مال و دولت ملا کہ انھوں نے اس سے پہلے اس طرح کا مال کبھی نہیں دیکھا تھا مگر جب انھوں نے اس مال کو جمع کر کے رکھ دیا تا کہ اسے آگ کھا لے تو اسے کھانے کے لیے آگ نہ آئی، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تم نے خیانت کی ہے، اس کا سراغ لگانے کے لیے انھوں نے مختلف خاندانوں کے سرداروں کو جو تعداد میں بارہ تھے، بلایا اور کہا کہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو تو ان میں سے ایک شخص کا ہاتھ آپ کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا تو آپ نے اس سے کہا کہ تم نے خیانت کی ہے، لہٰذا اس مال کو لے آؤ جو تم نے چھپایا ہے تو وہ سونے کا بنا ہوا گائے کا ایک ایسا سر لے کر آیا جس میں یاقوت کی دو آنکھیں اور موتیوں کے دانت تھے اسے بھی جب مال غنیمت کے ساتھ رکھا گیا تو آگ آئی اور مال غنیمت کو کھا گئی۔[1] واقعے کے اس سیاق کا شاہد صحیح بخاری میں بھی ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کی موسیٰ علیہ السلام کو تسلی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ ''تو تم ان نافرمان لوگوں (کے حال) پر افسوس نہ کرو۔'' میں درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تسلی ہے کہ میں نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کر دیا ہے تم اس پر حزن و ملال کا اظہار نہ کرو کیونکہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسی سزا کے مستحق ہیں، اس قصے کو بیان کرتے ہوئے یہودیوں کو بھی سرزنش کی جا رہی ہے اور ان کی ذلتوں، رسوائیوں، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں اور ان کے حکم جہاد سے انکار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے میں بزدلی و دوں ہمتی کا ثبوت دیا، حالانکہ ان میں اللہ کے رسول اور کلیم اور اس زمانے کے تمام لوگوں سے برگزیدہ شخصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے جو فرما رہے تھے کہ تم جہاد کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت سے نوازے گا۔

اور وہ اس سے پہلے اپنے سر کی آنکھوں سے خود یہ مشاہدہ بھی کر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بہت بڑے دشمن فرعون کو اس کے تمام لشکر سمیت دریا میں غرق کر دیا تھا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس واقعے کو ابھی کوئی بہت عرصہ بھی نہیں گزرا تھا مگر اب وہ اس شہر کے لوگوں سے جہاد کرنے سے انکار کر رہے تھے، حالانکہ یہ تعداد اور اسباب و وسائل کے اعتبار سے اہل مصر کے مقابلے میں عشر عشیر بھی نہ تھے مگر اب ان کی یہ کرتوتیں ہر خاص و عام کے سامنے واضح ہو گئی ہیں اور ایسی ذلت و رسوائی ان کے چہروں پر مل گئی ہے کہ جسے کوئی پردہ بلکہ رات کا اندھیرا بھی نہیں چھپا سکتا مگر اس کے باوجود یہ اپنی جہالت میں حیران اور سرکشی میں سرگرداں پھرتے ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ بلکہ اس کے دشمن ہونے کے باوجود دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا ہی میں یہ عبرت ناک سزا دی کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو خنزیروں اور بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا اور ان پر

---

[1] الدر المنثور:481/2 . [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ: [أحلت لكم الغنائم]، حديث: 3124 وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، حديث:1747.

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

اور (اے نبی!) آپ انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک سنائیں، جب ان دونوں نے قربانی کی تھی، پھر ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی

مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ

اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ دوسرا بولا: میں تجھے قتل کر دوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: اللہ صرف پرہیز گاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے ﴿27﴾ اگر تو نے

اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

اپنا ہاتھ میری طرف (اس ارادے سے) بڑھایا کہ مجھے قتل کر دے تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کر دوں۔ بے شک میں اللہ

الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے ﴿28﴾ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے۔ اور ظالموں کا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ۚ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾ فَبَعَثَ

یہی بدلہ ہے ﴿29﴾ پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کو قتل کرنے پر اکسایا، چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا ﴿30﴾ پھر

اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ

اللہ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا، وہ (اپنے پنجوں سے) زمین کریدنے لگا، تا کہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے، وہ کہنے لگا: افسوس! میں

اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿31﴾ۚۛ

اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش دفنا دیتا، چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا ﴿31﴾

ایسی لعنت برسائی جو جہنم رسید ہونے تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی بلکہ انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہی میں رکھے گی۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي جَمِيعِ الْوُجُودِ.

تفسیر آیات: 27-31

قصۂ ہابیل وقابیل: اللہ تعالیٰ نے سرکشی، حسد اور ظلم کے خوفناک انجام کو بیان کرنے کے لیے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے دو حقیقی بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے پر کس طرح زیادتی کی حتی کہ اسے قتل کر دیا اور یہ محض سرکشی اور اس نعمت پر حسد کی وجہ سے تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا تھا کہ اس کی اس قربانی کو اس نے شرف قبولیت عطا فرما دیا تھا جو اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں پیش کی تھی اور اس طرح مقتول گناہوں کی معافی اور جنت میں داخلے کی وجہ سے کامیاب ہو گیا، اور قاتل دنیا و آخرت میں ناکام و نامراد رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ﴾ ''اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا دیں۔'' یعنی ان یہودی حاسدوں، سرکشوں، بندروں اور خنزیروں کے بھائیوں اور ان جیسے دیگر تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سنا دیں، کئی ایک ائمۂ سلف و خلف کے بقول، جن کے نام ہابیل اور قابیل تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ کہ یہ واقعہ بالکل سچا اور یہ قصہ اس قدر واضح ہے کہ اس میں کوئی شک اور کذب، کوئی وہم اور تبدیلی اور کوئی کمی بیشی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ﴾ (آل عمران 3:62) ''بے شک یہی بیان سچا ہے'' اور فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ﴾ (الکہف 18:13) ''ہم ان کے حالات آپ سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ ﴾ (مریم 19:34) ''یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے۔''

حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں کا قصہ یہ ہے جیسا کہ کئی ایک ائمۂ سلف وخلف نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں انھیں اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ ضرورت کے پیش نظر وہ اپنی بیٹیوں کا اپنے ہی بیٹوں سے نکاح کر دیں لیکن انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ کے ہاں ہر دفعہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ولادت ہوتی تھی تو وہ ایک بار کی بیٹی کی دوسری بار کے بیٹے سے شادی کر دیتے تھے، ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہت خوب صورت تھی، لہٰذا اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ خود اس سے نکاح کرے لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے انکار فرما دیا مگر یہ کہ دونوں قربانی کریں اور جس کی قربانی قبول ہو جائے، وہ اس لڑکی سے نکاح کر لے، اس طرح ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی مگر قابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی تو پھر وہ واقعہ پیش آیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس وقت اس بات سے منع کر دیا گیا تھا کہ لڑکی کی اس کے جڑواں بھائی سے شادی کی جائے بلکہ اس کی شادی دیگر بھائیوں میں سے کسی کے ساتھ کی جاتی تھی اور ہر دفعہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ اسی طرح معاملہ رہا ایک مرتبہ ایک لڑکے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدصورت اور دوسرے کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی خوبصورت تھی تو بدصورت لڑکی کے بھائی نے کہا کہ تو اپنی بہن میرے نکاح میں دے دے اور میں اپنی بہن تیرے نکاح میں دے دیتا ہوں مگر اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ نہیں، اپنی بہن سے شادی کرنے کا میں خود زیادہ حق دار ہوں اور اس کے لیے دونوں نے قربانی بھی کی اور اس طرح بکری والے کی قربانی تو قبول ہوگئی مگر کھیتی والے کی قربانی قبول نہ ہوئی تو اس نے اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیا۔ اس روایت کی سند جید ہے۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ ''اللہ صرف پرہیز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرماتا ہے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص اپنے فعل میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قربانی قبول فرما لیتا ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ ''اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک نماز قبول فرمالی ہے تو یہ بات مجھے دنیا اور دنیا کی ساری دولتوں سے زیادہ عزیز ہوگی۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ

[1] ہابیل اور قابیل کے واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیں تفسیر الطبری:6/254-257 و تفسیر القرطبی:6/133,134 و تفسیر الرازی:11/203,204 و تفسیر البغوی:2/38,39 .

الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی سے قبول فرماتا ہے۔[1]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾﴾ ''اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، بے شک مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔'' جب کسی جرم یا گناہ کے بغیر بھائی نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس کے اس نیک بھائی نے اسے یہ جواب دیا تھا۔ تقوے کی وجہ سے اللہ نے جس کی قربانی کو قبول فرمالیا تھا کہ میں تمھاری اس بری حرکت کا جواب اسی طرح کی بری حرکت سے نہیں دوں گا کیونکہ اس طرح تو ہم دونوں گناہ کے اعتبار سے برابر ہو جائیں گے اور ہم میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں کہ اس طرح کا کوئی کام کروں جس طرح کا کام تم کرنا چاہتے ہو، اس لیے میں تو صبر کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھوں گا۔ عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ اللہ کی قسم! یہ شخص دونوں میں سے زیادہ بہادر اور طاقت ور تھا مگر تقوے کی وجہ سے اس نے کوئی زیادتی نہ کی۔[2]

اسی وجہ سے صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِذَا (تَوَاجَهَ) الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ۔ فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ!:هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ : إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ] ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کا کیا قصور ہے؟ (کہ وہ بھی جہنم میں جائے گا۔) فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔''[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنے کے موقع پر کہا تھا: میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ ، الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي] ''بلاشک وشبہ عنقریب ایک فتنہ رونما ہوگا کہ جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔'' عرض کی: رسول اللہ! اگر وہ میرے گھر میں داخل ہو کر میری طرف اپنا ہاتھ دراز کرے تاکہ مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا: [كُنْ كَابْنِ آدَمَ] ''اس صورت میں ابن آدم (ہابیل) کی طرح ہو جاؤ (جس نے قتل ہونا گوارا کر لیا تھا۔)''[4] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[5]

[1] الدرالمنثور:484/2 . [2] تفسير الطبرى:254/6-261. [3] صحيح البخارى، الإيمان، باب: ﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا......﴾ ، الآية (الحجرات 9:49) ، حديث: 31 عن الأحنف بن قيس ﷺ. وصحيح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حديث:2888 . [4] مسند أحمد:185/1. [5] جامع الترمذى، الفتن، باب ماجاء إنه تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، حديث:2194 وسنن أبى داود، الفتن والملاحم باب النهى عن السعى فى الفتنة ، حديث:4257 .

اور اس باب میں حضرت ابوہریرہ، خباب بن اَرَت، ابوبکرہ، ابن مسعود، ابوواقد، ابوموسیٰ اور خَرَشہ بن الحُرّ الفزاری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔'' حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تو میرے قتل کے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے ان گناہوں میں بھی جو تو نے اس سے پہلے کیے ہیں جیسا کہ امام ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ ''پھر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی، چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔'' یعنی اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا اور اکسایا اور اس وعظ ونصیحت اور زجر وتوبیخ کے باوجود اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ جب اس نے قتل کا ارادہ کیا تو اپنے بھائی کی گردن کو مروڑنا شروع کر دیا (مگر اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح قتل کرے) تو ابلیس ایک جانور کو لے کر آیا اور اس نے اس کے سر کو ایک پتھر پر رکھ دیا اور ایک دوسرے پتھر سے مار مار کر اس کے سر کو کچل کر اسے قتل کر دیا، آدم علیہ السلام کا بیٹا یہ منظر دیکھ رہا تھا تو اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ اسی طرح کیا۔[3] اسے امام ابن ابوحاتم نے بھی روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن وہب نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ اس نے اپنے بھائی کو سر سے پکڑا تا کہ اسے قتل کر دے تو وہ اس کے سامنے لیٹ گیا تو اس نے اس کے سر اور ہڈیوں پر مارنا شروع کر دیا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے قتل کس طرح کرے، ابلیس آیا اور اس نے پوچھا کیا تو اسے قتل کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، تو ابلیس نے کہا کہ یہ پتھر لو اور اس کے سر پر دے مارو، اس نے ایسے ہی کیا کہ پتھر اس کے سر پر دے مارا جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر ابلیس جلدی سے حضرت حواء کے پاس آیا اور کہنے لگا: حواء! قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا ہے، حضرت حواء نے فرمایا: تجھ پر افسوس!

---

[1] صحیح البخاری، الفتن ، باب تکون فتنة القاعد فیها خیر من القائم ، حدیث:7071 وصحیح مسلم، الفتن، باب نزول الفتن کمواقع القطر، حدیث: 2886 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. وسنن الدار قطنی: 3224 عن خباب بن أرتّ رضی اللہ عنہ. وسنن أبی داود، الفتن والملاحم، باب النهی عن السعی فی الفتنة، حدیث:4256 عن أبی بکرة رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 449,448/1 عن أبی مسعود رضی اللہ عنہ. والمعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة بسر بن سعید عن أبی واقد:249/3 ، حدیث: 3307 عن أبی واقد رضی اللہ عنہ. وصحیح ابن حبان، الرهن، باب ذکر البیان بأن علی المرءِ عندالفتن أن یکون مقتولا لا قاتلا:297/13 ، حدیث:5962 عن أبی موسیٰ رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 106/4 عن خَرَشَةَ بن الحرالفزاری رضی اللہ عنہ. [2] تفسیر الطبری :262/6 . [3] تفسیر الطبری:266/6 والدر المنثور: 488/2 .

قتل کیا ہوتا ہے؟ ابلیس نے کہا کہ وہ اب نہ کھائے گا، نہ پیے گا اور نہ حرکت ہی کر سکے گا، حضرت حواء نے فرمایا کہ یہ تو موت ہے، ابلیس نے کہا کہ ہاں، میرا مقصد یہی ہے کہ قابیل نے ہابیل کو مار دیا ہے تو اس سے حضرت حواء نے رونا شروع کر دیا، حضرت آدم علیہ السلام آئے تو حضرت حواء رو رہی تھیں، انھوں نے فرمایا: کیا بات ہے؟ حضرت حوا نے کوئی جواب نہ دیا، حضرت آدم علیہ السلام نے دوبارہ اور پوچھا مگر انھوں نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ تو اور تیری بیٹیاں روتی رہیں گی، میں اور میرے بیٹے اس رونے سے بری ہیں۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''تو وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگیا۔'' یعنی دنیا و آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے، اور اس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ ہو بھی کیا سکتا ہے؟ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا، إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا ، لِأَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ] ''جب بھی کسی انسان کو ظلم سے قتل کیا جائے گا تو آدم کے اس پہلے بیٹے کے ذمے بھی اس کے خون کا حصہ ہوگا کیونکہ وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کو ایجاد کیا۔''[1] اسے امام ابوداود کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2]

امام ابن جریر نے عبداللہ بن عمرو کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: تمام انسانوں میں سے سب سے زیادہ بد بخت آدم کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا، اس وقت سے لے کر قیامت تک زمین پر جس قدر بھی خون بہایا جائے گا، اسے اس کا گناہ ملے گا کیونکہ یہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کو ایجاد کیا تھا۔[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے چھپائے۔ وہ کہنے لگا: افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا، پھر وہ پچھتانے والوں میں سے ہوگیا۔''

سدی نے حضرات صحابۂ کرام تک اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب یہ لڑکا فوت ہوگیا تو اس کے بھائی نے اسے جنگل ہی میں چھوڑ دیا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کس طرح دفن کرے تو اللہ تعالیٰ نے دو کوّوں کو بھیجا جو بھائی تھے، انھوں نے بھی آپس میں لڑائی کی اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، پھر اس کے لیے گڑھا کھودا اور اس میں ڈال کر اس پر مٹی ڈال دی تو یہ منظر

---

[1] مسند أحمد: 383/1 . [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3335 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب بيان إثم من سن القتل، حديث: 1677 وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء أن الدال على الخير كفاعله، حديث: 2673 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالىٰ: ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا ...... ﴾ :334/6، حديث: 11142 وسنن ابن ماجه، الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلما، حديث: 2616 . [3] تفسير الطبري: 264/6 .

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو،

فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ

تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔ اور ہمارے

وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾

رسول واضح نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے، پھر بے شک اس کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں حد سے نکل جانے والے ہیں ﴿32﴾

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا

اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ

جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت

فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿33﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ

ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿33﴾ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں، پس تم جان لو کہ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿34﴾ ع

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿34﴾

دیکھ کر کہنے لگا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ ﴾ ''افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔''[1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ زندہ کوّا مردہ کوّے کے پاس آیا تو اس نے مردہ کوّے کو دفن کر دیا تو ابن آدم، جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا، کہنے لگا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ ﴾ ''افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے عاجز رہا۔''[2]

اور ارشاد الٰہی: ﴿ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خسارہ اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے نادم و پشیمان بھی کر دیا۔

سرکشی و قطع رحمی کی جلد سزا: حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لِصَاحِبِهِ ، فِي الْآخِرَةِ، مِنَ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ] ''سرکشی و قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کی اللہ تعالیٰ آخرت میں سزا کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی جلد سزا دیتا ہو۔''[3] اسی قانون

① تفسير الطبري: 268/6 . ② تفسير الطبري: 268/6 . ③ سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث: 4902 وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على البغي وقطيعة الرحم، حديث: 2511 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب البغي، حديث: 4211 ومسند أحمد: 36/5 .

قدرت کے مطابق قابیل کو بھی اپنے اس گناہ کی یہ دونوں سزائیں ملی ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

تفسیر آیات: 32-34

انسان کا احترام واجب ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم نے اپنے ہی بھائی کو ظلم اور دشمنی سے قتل کر دیا، لہٰذا اسی وجہ سے ﴿ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا۔'' یعنی انھیں معلوم کرا دیا کہ ان کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ ﴿ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ ﴾ ''کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔'' یعنی جو شخص کسی کو قصاص یا زمین میں خرابی کی سزا وغیرہ کے کسی سبب کے بغیر قتل کرے اور بغیر کسی سبب اور جرم کے، اس کے قتل کو حلال سمجھے تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا کیونکہ اس کے نزدیک انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا ﴾ ''اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا۔'' اور اس نے عقیدہ یہ رکھا کہ اسے قتل کرنا حرام ہے تو اس اعتبار سے وہ گویا تمام انسانوں کی سلامتی اور زندگی کا موجب ہوا، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ ﴾ ''تو وہ گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔''

اعمش وغیرہ نے ابو صالح سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس دن حاضر ہوا جب آپ کو اپنے گھر میں محصور کر دیا گیا تھا تو میں نے عرض کی: امیر المؤمنین! میں آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ! کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ تمام لوگوں کو، پھر ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دیں؟ میں نے عرض کی: جی نہیں! فرمایا: اگر آپ نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا تو گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا، لہٰذا آپ چلے جائیں، میں آپ کو اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب دے گا اور آپ کو کوئی گناہ نہیں ہوگا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کی یہ بات سن کر واپس آ گیا اور میں نے کسی سے کوئی لڑائی نہیں کی۔ [1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بات ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ ﴾ کے مطابق تھی۔ زندگی کے موجب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایسے انسان کو قتل نہ کرے جسے اللہ تعالیٰ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہو، اسی لیے اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگانی بخشی، یعنی جو اس کے قتل کو حرام سمجھے مگر یہ کہ اسے قتل کرنا حق ہو تو اس سے تمام انسان محفوظ رہے۔ [2] امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قتل سے رک گیا۔ [3]

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 70/3 والدر المنثور: 490/2. [2] تفسیر الطبری: 275/6. [3] تفسیر الطبری: 275/6.

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جس نے کسی ایک ایسے انسان کو قتل کیا جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔ [1] سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ جس نے کسی ایک مسلمان کے خون کو حلال سمجھا اس نے گویا تمام انسانوں کے خون کو حلال سمجھا اور جس نے کسی ایک مسلمان کے خون کو حرام سمجھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کے خون کو حرام سمجھا۔ ابن جریج نے اعرج سے اور انھوں نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم رسید کرے گا، اسے غضب اور لعنت میں مبتلا کرے گا، اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار کرے گا۔ فرماتے ہیں: اگر وہ سب لوگوں کو بھی قتل کرے تو اس سے زیادہ اسے عذاب نہ ہو، ابن جریج ہی نے امام مجاہد سے یہ بھی روایت کیا ہے: ﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ ﴾ کہ جو شخص کسی ایک انسان کو بھی قتل نہ کرے تو اس کی وجہ سے سب لوگوں کی زندگی محفوظ ہو گئی۔ [2]

حد اعتدال سے نکل جانے والوں کے لیے سرزنش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ز ﴾ ''اور یقیناً ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں۔'' یعنی بینات سے روشن اور واضح دلائل و براہین مراد ہیں۔ ﴿ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''پھر بے شک اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔'' یعنی حرام امور کا علم ہونے کے باوجود ان کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے یہ ان کی سرزنش کی جا رہی ہے۔

مدینہ کے گرد و پیش کے یہودی قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع وغیرہ کا یہی حال تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں اوس و خزرج کے خاندانوں کے ساتھ ان کی لڑائیاں جاری رہتی تھیں اور جب حالت جنگ ختم ہو جاتی تو اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرتے تھے اور جسے چاہتے قتل کر دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کرتوتوں کی مذمت کرتے ہوئے سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ○ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (البقرة 2:84,85) ''اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا اور اپنے لوگوں کو ان کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس بات کے) گواہ ہو، پھر تم وہی ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کر کے انھیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور اگر وہ تمھارے پاس قید ہو کر آئیں تو فدیہ دے کر ان کو چھڑا بھی لیتے ہو، حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا (یہ) کیا (بات ہے کہ) تم (اللہ کی) کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے

---

[1] تفسیر الطبری:6/275,276 . [2] تفسیر الطبری:6/275 .

ہواور بعض سے انکار کیے دیتے ہو تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے غافل نہیں۔''

لڑائی کرنے والے اور اشرار کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ...... ﴾ الآیۃ ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں......۔''

محاربہ کے معنی جنگ اور مخالفت کے ہیں، اس لفظ کا اطلاق کفر، راہ زنی، مسافروں کو ڈرانے دھمکانے، زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے اور دیگر مختلف قسم کی شرارتوں پر ہوتا ہے۔ ابن جریر نے عکرمہ اور امام حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ﴾ تا ﴿ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ ﴾ مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان میں سے جو شخص تمھارے قابو میں آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا جائے گا لیکن یاد رہے! یہ آیت کسی ایسے مسلمان کو حد سے نہیں بچاتی جو قتل کر دے یا ملک میں فساد برپا کرے یا اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کر کے اور مسلمانوں کے قابو میں آنے سے پہلے کفار سے جا ملے تو اس پر ہر صورت میں حد قائم کی جائے گی، مسلمانوں سے بھاگ کر کفار کے ہاں پناہ لینا اسے حد سے بچا نہیں سکے گا۔[1]

امام ابوداود اور نسائی نے بطریق عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت: ﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا ﴾ مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے[2] اور مومنوں[3] میں سے جو شخص قابو میں آنے سے پہلے توبہ کر لے تو یہ بات اسے حد سے بچا نہ سکے گی۔[4]

صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے اور مشرک وغیر مشرک ان سب لوگوں کے لیے ہے جو ان جرائم کا ارتکاب کریں جیسا کہ امام بخاری ومسلم نے ابوقلابہ (عبداللہ بن زید جرمی بصری) کے طریق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان

---

[1] تفسیر الطبری:280/6. [2] یعنی کوئی کافر یا مشرک اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے، فساد برپا کرے اور راہ زنی وغیرہ کرے، پھر گرفتار ہونے سے قبل توبہ کر لے تو اس پر کوئی حد نہیں لگے گی کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو پہلے اس سے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کر لیں۔'' [3] ابوداود کی اس روایت کو بظاہر دیکھنے سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ [فَمَنْ تَابَ مِنْهُمْ] ''جو ان میں سے توبہ کر لے۔'' سے مراد مشرک ہی ہیں لیکن یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے خلاف ہے، جیسا کہ سنن نسائی میں اسی روایت سے واضح ہے، اسی لیے ترجمے میں ''مومنوں'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور نسائی میں اس روایت کا وہی مفہوم ہے جو امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے اوپر بیان ہوا ہے۔ [4] سنن أبي داود، الحدود، باب ماجاء في المحاربة، حديث:4372 و سنن النسائي، تحريم الدم، باب ذكر اختلاف طلحة بن مصرف ومعاوية بن صالح على يحيى بن سعيد في هذا الحديث، حديث:4051.

کیا ہے کہ خاندان عُکل کے آٹھ اشخاص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے اسلام قبول کرنے کی بیعت کر لی، مدینہ کی آب و ہوا انھیں موافق نہ آئی تو وہ بیمار ہو گئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: [أَلَا تَخْرُجُونَ مَعَ رَاعِينَا فِي إِبِلِهِ ، فَتُصِيبُونَ مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا؟] ''تم لوگ ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹوں کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے تاکہ ان کے پیشاب اور دودھ استعمال کرو؟'' انھوں نے کہا: ہاں، یہ ٹھیک ہے تو وہ مدینہ سے باہر چلے گئے، انھوں نے اونٹوں کے پیشاب اور دودھ کو پیا تو وہ تندرست ہو گئے اور انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں صحابۂ کرام کو بھیجا جو انھیں پکڑ کر مدینہ میں واپس لے آئے تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں اور انھیں دھوپ میں پھینک دیا جائے حتی کہ یہ سب مر گئے۔ یہ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔[1] اور بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ان لوگوں کا تعلق خاندان عکل یا عُرَینہ سے تھا۔[2] ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انھیں دھوپ میں ڈال دیا گیا اور یہ پانی مانگتے تھے تو انھیں پانی بھی نہیں دیا گیا۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ ''یہ کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔'' کے بارے میں ابن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان جماعت پر ہتھیار اٹھائے اور رستے کو خطرناک بنا دے، پھر مسلمانوں کو اس پر فتح حاصل ہو جائے اور وہ اسے گرفتار کر لیں تو اس کے بارے میں امام المسلمین کو یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اسے قتل کر دے یا سولی چڑھا دے یا اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے۔[4] سعید بن مسیّب، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے اور ان کے اقوال کو امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔[5]

ان اقوال کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں حرف أَوْ (یا) استعمال کیا گیا ہے جو اختیار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کے اس استعمال کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مثلاً: حالتِ احرام میں شکار کے بدلے کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب إذا حرّق المشرك المسلم هل يُحرق؟ حديث:3018 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين ، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث:(10)-1671. [2] صحيح البخاري، الوضوء، باب أبوال الإبل والدواب والغنم ومرابضها، حديث: 233 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث:(11)-1671. [3] صحيح البخاري، الوضوء، باب أبوال الإبل والداب والغنم ومرابضها، حديث:233 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث:(11)-1671. [4] تفسير الطبري:291/6 . [5] تفسير الطبري:292,291/6 .

عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ (المآئدۃ 95:9) ''پھر بدلہ (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے۔'' کفارۂ فدیہ کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾ (البقرۃ 196:2) ''پھر اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈا لے تو) اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' اور اسی طرح قسم کے کفارے کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾ (المآئدۃ 89:5) ''تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔''

ان تمام آیات کریمہ میں حرف أو اختیار کے لیے استعمال ہوا ہے تو اسی طرح اس آیت میں بھی یہ اختیار ہی کے لیے ہے، یعنی حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جو مناسب سمجھے سزا دے دے۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ ''یا ملک سے نکال دیے جائیں۔'' کے معنی بعض اہل علم نے یہ بھی بیان کیے ہیں کہ ایسے مجرم کو جب پکڑ کر قابو کر لیا جائے تو امام کو اختیار ہے کہ اس پر حد قائم کرے یا اسے دارالاسلام سے جلاوطن کر دے۔ اسے امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انس بن مالک، سعید بن جبیر، ضحاک، ربیع بن انس، زہری، لیث بن سعد اور امام مالک بن انس سے روایت کیا ہے۔[1] جبکہ دیگر ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ اسے ایک شہر سے نکال کر دوسرے شہر میں بھیج دے بادشاہ یا اس کا کوئی نائب اسے اپنے سارے معاملات میں سے نکال دے۔ سعید بن جبیر، ابوالشعثاء، حسن، زہری، ضحاک اور مقاتل بن حیان فرماتے ہیں کہ اسے شہر بدر کیا جائے لیکن سرزمین اسلام سے اسے باہر نہ بھیجا جائے۔[2] کچھ اور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں جلاوطنی سے مراد قید کرنا ہے۔[3]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔'' یعنی یہ انھیں قتل کرنا، تختۂ دار پر لٹکانا، ہاتھ پاؤں کا مخالف سمت سے کاٹنا اور جلاوطن کرنا اس دنیا میں لوگوں کے سامنے انھیں ذلت و رسوائی سے دوچار کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان مجرموں کے لیے قیامت کے دن جو عذاب عظیم تیار فرما رکھا ہے وہ اس کے علاوہ ہے، اس سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جہاں تک اہل اسلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم سے بھی رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیعت لی جس طرح خواتین سے بیعت لی تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، چوری نہ کریں، بدکاری نہ کریں، اپنے بچوں

---

[1] تفسیر الطبری:6/294-296 وتفسیر الماوردی:2/34 . [2] تفسیر الطبری:6/296 والدر المنثور:2/494 وتفسیر الماوردی:2/34 . [3] تفسیر الطبری:6/298 وتفسیر الرازی:11/217 .

کو قتل نہ کریں اور ایک دوسرے پر [1] بہتان نہ لگائیں جو اس وعدے کو نبھائے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔
اگر کسی نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگی اور جس کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو وہ اسے معاف فرما دے۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ أَذْنَبَ فِي الدُّنْيَا ذَنْبًا فَعُوقِبَ بِهِ ، فَاللّٰهُ أَعْدَلُ مِنْ أَنْ يُّثَنِّيَ عُقُوبَتَهُ عَلٰى عَبْدِهِ ، وَ مَنْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فِي الدُّنْيَا فَسَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ ، فَاللّٰهُ أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يَّعُودَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ] ''جو شخص دنیا میں کوئی گناہ کرے اور اسے اس کی سزا مل جائے تو اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل ہے، وہ اپنے بندے کو اس کی دوبارہ سزا نہیں دے گا اور جو شخص دنیا میں کوئی گناہ کرے اور اللہ اس کی پردہ پوشی فرمالے اور اسے معاف فرما دے تو وہ ذات گرامی بہت معزز ہے کہ جسے اس نے معاف فرما دیا ہو اس کی اسے سزا دے۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔[3] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب (صحیح) قرار دیا ہے۔ حافظ دارقطنی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے اور اس روایت کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔[4]

امام ابن جریر نے ﴿ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ ''یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے۔'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آخرت سے پہلے ہی دنیا میں ان کے لیے شر، عار، سزا، ذلت اور رسوائی ہے۔ ﴿وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿33﴾﴾ ''اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔'' اگر وہ اپنے اس فعل سے توبہ نہ کریں اور اس طرح مر جائیں تو دنیا کی اس سزا اور ذلت و رسوائی کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا کہ انھیں عذاب جہنم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔[5]

محاربین گرفتاری سے قبل توبہ کرلیں تو حدود ساقط ہو جائیں گی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿34﴾﴾ ''مگر جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمھارے قابو آ جائیں توبہ کرلی تو جان رکھو کہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا تعلق مشرکین سے

---

[1] اس حدیث میں یہاں الفاظ یہ ہیں: [وَلَا يَعْضَهُ بَعْضُنَا بَعْضًا] اور اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر بہتان نہ لگائیں یا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک دوسرے کی غیبت نہ کریں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یعضه کے معنی کے بارے میں تین اقوال ہیں (1) جادو کرنا (2) بہتان باندھنا اور (3) غیبت کرنا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں اقوال قریب المعنی ہیں اور ان سب میں جھوٹ کا عنصر قدرے مشترک ہے۔ (مترجم) [2] صحیح مسلم، الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها، حديث:(43)-1709. [3] مسند أحمد:159/1 و سنن ابن ماجه ، الحدود، باب الحدود الكفارة ، حديث:2604 و جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء لا يزني الزاني وهو مؤمن، حديث:2626 . [4] سنن الدارقطني، الحدود والديات:215/3. دیکھیے مسند البزار:126/2 ، حدیث:482 کے ذیل میں۔ [5] تفسير الطبري:299/6 .

ہے تو ان کے بقول اس کا مفہوم ظاہر ہے اور جہاں تک مسلمان محاربین کا تعلق ہے تو وہ بھی اگر گرفتار ہونے سے قبل توبہ کر لیں تو ان سے بھی قتل، پھانسی اور ہاتھ پاؤں کاٹے جانے کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

آیت کریمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی قابو میں آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو اس سے سزا ساقط ہو جائے گی، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے جیسا کہ امام ابن ابوحاتم نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حارثہ بن بدر تمیمی اہل بصرہ میں سے تھا، اس نے فتنہ وفساد اور جنگ برپا کی لیکن پھر اس نے قریش کے کئی لوگوں سے اس سلسلے میں معذرت کی جن میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو آپ نے اس کی معذرت کو قبول نہ کیا تو یہ شخص سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آ گیا جس نے اسے اپنے گھر میں چھپا دیا، پھر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا: یا امیر المؤمنین! جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرے اور زمین میں فتنہ وفساد برپا کرے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے، اس نے یہ کہہ کر ان آیات کو پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ یہاں تک پہنچ گیا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ ”تو یہ ارشاد باری تعالیٰ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے لیے امان لکھ دی۔ سعید بن قیس کہتے ہیں کہ اس شخص کا نام حارثہ بن بدر تھا۔ امام ابن جریر نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[1]

امام ابن جریر نے عامر شعبی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ خاندانِ مراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت آیا جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوفے کے گورنر تھے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرض نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ وہ کہنے لگا: ابوموسیٰ! میں فلاں بن فلاں مرادی ہوں اور میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں کیونکہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور زمین میں فتنہ وفساد برپا کیا ہے اور میں تمھارے قابو میں آنے سے پہلے ہی توبہ کر رہا ہوں، یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا: اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی، زمین میں فساد برپا کیا اور ہمارے قابو میں آنے سے پہلے ہی اس نے توبہ کر لی ہے، لہٰذا جو شخص بھی اس سے ملے تو اس سے اچھا سلوک کرے، (اگر سچا ہوا تو اچھے رستے پر چلتا رہے گا اور اگر جھوٹا ہوا تو خود ہی اپنے گناہوں کی لپیٹ میں آ جائے گا) تو یہ شخص کچھ عرصے تک تو پر سکون رہا مگر اس نے پھر بغاوت شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے گناہوں کی سزا یہ دی کہ یہ قتل ہو گیا۔[2]

اس کے بعد امام ابن جریر نے موسیٰ بن اسحاق مدنی کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ علی اسدی نے بھی لڑائی کی، راستہ پرخطر بنا دیا، خون ریزی کی اور مال لوٹ لیا، حکمرانوں اور عوام نے اسے قابو کرنے کی کوشش کی مگر وہ قابو میں نہ آیا حتی کہ وہ از خود تائب ہو کر آ گیا اور اس نے توبہ اس وقت کی جب ایک شخص کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا: ﴿ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ (الزمر 53:39) ”اے

[1] تفسير الطبرى:302,301/6 . [2] تفسير الطبرى:303/6 .

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، اور اس کا قرب تلاش کرو، اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ﴿35﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا

تُفْلِحُوْنَ ﴿35﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا

اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے اور اس کے برابر اور بھی ہوتا کہ وہ قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیے میں دے

بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿36﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا

دیں تو بھی وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے﴿36﴾ وہ آگ سے نکلنا چاہیں گے مگر وہ اس میں سے نہیں نکل

مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿37﴾

سکیں گے، اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے﴿37﴾

میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بے شک اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) یقیناً وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔'' تو کہا کہ اللہ کے بندے! اس آیت کو ذرا دوبارہ پڑھنا، اس نے اسے دوبارہ پڑھا تو اس نے فوراً اپنی تلوار کو میان میں ڈال لیا اور توبہ کرتے ہوئے صبح کے وقت مدینہ میں پہنچ گیا، غسل کیا، مسجد نبوی میں حاضر ہو گیا، صبح کی نماز ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے جھرمٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا، دن روشن ہوا تو لوگوں نے اسے پہچان لیا اور اس کے سامنے کھڑے ہو گئے تو یہ کہنے لگا کہ تم مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ میں تو تمھارے قابو میں آنے سے قبل از خود توبہ کر کے آ گیا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، یہ سچ کہہ رہا ہے، پھر اسے ہاتھ سے پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو ان دنوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے اور فرمایا: دیکھو! یہ علی (اسدی) توبہ کر کے آ گیا ہے، تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے، اسے قتل نہیں کر سکتے، چنانچہ مروان نے بھی اسے چھوڑ دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس علی (اسدی) نے توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سمندر میں جہاد بھی کیا جب رومیوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور اس کی کشتی رومیوں کی کشتی کے قریب ہوئی تو اس نے ان کی کشتی میں چھلانگ لگا دی تو وہ سب ڈر کے مارے بھاگ کر کشتی کے ایک دوسرے کنارے کی طرف چلے گئے جس کی وجہ سے توازن برقرار نہ رہا، کشتی الٹ گئی اور یہ بھی اور اس کشتی میں سوار تمام رومی بھی سمندر میں ڈوب گئے۔[1]

تفسیر آیات:35-37

تقویٰ، وسیلہ اور جہاد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے تقوے کو اختیار کریں، تقوے کو جب طاعتِ الٰہی کے ساتھ ملا لیا جائے تو پھر اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ان تمام امور کو ترک کر دیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا اور جنھیں اس نے حرام قرار دیا ہے اور اس کے بعد فرمایا: ﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ ''اور اس کا قرب تلاش کرتے

[1] تفسیر الطبری:304/6 .

رہو۔" امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے، انھوں نے طلحہ سے، انھوں نے عطاء سے روایت بیان کی ہے کہ وسیلے کے معنی قربت کے ہیں۔[1] مجاہد، ابووائل، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی، ابن زید اور کئی ایک دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2]

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اطاعت بجا لا کر اور اس کی خوشنودی کے عمل سر انجام دے کر اس کا قرب حاصل کرو۔[3] ابن زید نے اس کی تائید میں اس آیت کریمہ کو بھی پڑھا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ (بنی إسرآئیل 57:17) "یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں، وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں۔"[4]

وسیلہ اس سبب کو کہتے ہیں جس سے مقصود تک پہنچا جا سکے، وسیلہ جنت کے سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجے کا نام بھی ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ اور آپ کا جنت میں گھر ہوگا اور جنت کا یہ مقام اللہ تعالیٰ کے عرش کے سب سے قریب ہوگا۔ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ! رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ، وَالصَّلَاةِ الْقَآئِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّهُ (إِلَّا) حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ] "جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: اے اللہ! جو تو اس پوری دعوتِ (توحید) اور قائم ہونے والی نماز کا مالک ہے، حضرت محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور آپ کو اس قابل تعریف مقام (شفاعت) تک پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے، اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔"[5]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ [إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ: ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا (اللّٰهَ) لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ] "جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے: پھر مجھ پر درود بھیجو جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا، پھر میرے لیے وسیلے کی دعا کرو، وسیلہ جنت کا وہ عظیم الشان مقام ہے جو بندگانِ الٰہی میں سے صرف ایک ہی کو نصیب ہوگا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں گا، لہٰذا جس نے میرے لیے وسیلے کی دعا کی تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔"[6]

---

[1] تفسیر الطبری:308/6 . [2] تفسیر الطبری:309,308/6 . [3] تفسیر الطبری:309/6 . [4] تفسیر الطبری: 309/6. [5] صحیح البخاری، الأذان، باب الدعاء عندالنداء، حدیث:614 لفظ (إلا) سنن النسائی ، الأذان ، باب الدعاء عند الأذان ، حدیث:681 میں ہے۔ [6] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه......، حدیث:384 .

اورارشادالٰہی ﴿ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ”اوراس کے رستے میں جہاد کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔“ محرمات کے ترک کرنے اور طاعات کے بجالانے کے حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کافروں، مشرکوں، سیدھے رستے کو چھوڑ دینے والوں اور دین حق کو ترک کر دینے والے دشمنوں کے خلاف جہاد بھی کریں اوراس کی رغبت دیتے ہوئے اس نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن کی فلاح اور وہ عظیم سعادت تیارفرما رکھی ہے جوان ابدی وسرمدی نعمتوں کی صورت میں ہے جو کبھی ختم نہ ہوں گی، کبھی زوال پذیر نہ ہوں گی، انھیں رہنے سہنے کے لیے ایسے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ بالا خانے عطا کیے جائیں گے جو امن وسکون کا مرکز ہوں گے جن کا منظر انتہائی حسین ہوگا جن میں سکونت انتہائی خوش گوار ہوگی اور جن کے رہنے والے سدا شاداں وفرحاں ہوں گے جو کبھی افسردہ و غمگین نہیں ہوں گے، ہمیشہ ہمیش زندہ رہیں گے اور کبھی جام موت نہ پئیں گے نہ ان کا لباس ہی کبھی بوسیدہ ہوگا اور نہ ان کا شباب ہی کبھی ختم ہوگا۔

قیامت کے دن کفار سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا: اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سزا اور اس عذاب کا ذکر فرمایا ہے جو قیامت کے دن اس نے اپنے کافر دشمنوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ”بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اوراس) کا سب مال ومتاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتا کہ قیامت کے روز عذاب (سے رستگاری حاصل کرنے) کا بدلہ دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔“

اگر ان میں سے کوئی شخص زمین بھر کر اور اس کے ساتھ اسی قدر اور سونا بھی لے کر آئے تا کہ اس دن کے عذاب کا فدیہ ادا کر سکے جس نے اس کا احاطہ کر رکھا ہوگا اور یقینی طور پر اس تک پہنچنے ہی والا ہوگا تو اس سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ عذاب الٰہی سے وہ ہرگز ہرگز کسی بھی قیمت پر چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے گا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ”ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔“ ﴿ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴾ ”(ہر چند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں مگر اس سے نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔“ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ﴾ (الحج22:22) ”جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (وتکلیف کی وجہ) سے دوزخ سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے۔“

جہنم کے عذاب کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے وہ ہمیشہ یہ چاہیں گے کہ اس سے نکل جائیں مگر انھیں اس سے نکل جانے کا کوئی رستہ نہ ملے گا، جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے جب بھی انھیں اٹھا کر جہنم کی بالائی سطح پر لے آئیں گے تو جہنم کے فرشتے لوہے کے ہتھوڑوں سے مار مار کر پھر جہنم کے نچلے طبقے میں گرا دیں گے۔ ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴾ ”اور ان کے لیے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اور تم چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا،

حَكِيْمٌ ﴿38﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿38﴾ پھر جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے، بے

رَّحِيْمٌ ﴿39﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

شک اللہ بڑا بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿39﴾ کیا تمھیں علم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہ جسے چاہتا ہے عذاب دیتا

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿40﴾

ہے اور جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے ﴿40﴾

ہمیشہ کا عذاب ہے۔'' جو دائمی اور ابدی ہے اور جس سے وہ نہ نکل سکیں گے اور نہ کسی طرح نجات حاصل کر سکیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ لَهٗ: يَاابْنَ آدَمَ! كَيْفَ وَجَدْتَّ مَضْجَعَكَ؟ فَيَقُولُ: شَرَّ مَضْجَعٍ، فَيُقَالُ: هَلْ تَفْتَدِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ ذَهَبًا؟ قَالَ: نَعَمْ، يَارَبِّ! فَيَقُولُ اللّٰهُ: كَذَبْتَ قَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَلَمْ تَفْعَلْ، فَيُؤْمَرُ بِهٖ إِلَى النَّارِ]

''جہنمیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا، اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے بستر کو کیسا پایا؟ وہ جواب دے گا: بدترین بستر، اس سے کہا جائے گا: کیا تو ساری زمین کے برابر سونا بطور فدیہ دینے کے لیے تیار ہے؟ وہ جواب دے گا: ہاں، یا رب! میں تیار ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے کیونکہ میں نے تجھ سے اس کی نسبت بہت کم اور آسان سوال کیا تھا مگر تو نے اسے پورا نہ کیا، لہٰذا حکم ہو گا اسے جہنم رسید کر دو۔'' اس حدیث کو امام مسلم اور امام نسائی نے (بالفاظ دیگر) بیان کیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 38-40

چور کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، زمانۂ جاہلیت میں بھی چوری کی سزا قطع ید ہی تھی، اسلام نے بھی اسی سزا کو برقرار رکھا۔ ہاں، البتہ اس کے لیے کچھ شرائط کا اضافہ کر دیا گیا جیسا کہ ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے، جیسے: شریعت مطہرہ میں قسامہ، دیت اور قرض وغیرہ سے متعلق زمانۂ جاہلیت کے معمولات کو برقرار رکھا گیا اور ان میں بھی جو کمی تھی اسے دور کر کے انسانی مصلحتوں کے مطابق کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا گیا۔

چور کا ہاتھ کب کاٹا جائے؟ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ، وَ يَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهٗ] ''اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے خود چراتا ہے تو اس کا

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء بملء الأرض ذهبا، حديث: 2805 و2807 وسنن النسائي، الجهاد، باب ما يتمنى أهل الجنة، حديث: 3162 مختصرًا.

ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔‘‘[1]

امام بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا]’’چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار اور اس سے زیادہ میں کاٹ دیا جائے۔‘‘[2] صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ إِلَّا فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا]’’چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار اور اس سے زیادہ (مالیت کا سامان چوری کرنے ہی) پر کاٹا جائے۔‘‘[3] یہ حدیث اس مسئلے میں فیصلہ کن نص ہے کہ اعتبار ربع دینار کا ہے اور وہ حدیث جس میں ڈھال کی قیمت، یعنی تین درہم کو سرقہ کا نصاب قرار دیا گیا ہے وہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس دور میں ایک دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا تو تین درہم اس کا چوتھائی حصہ ہی بنے گا، لہٰذا اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تطبیق ہوگئی۔

اس مسئلے میں حضرت عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز، لیث بن سعد، اوزاعی، امام شافعی اور آپ کے اصحاب، ایک روایت کے مطابق امام اسحاق بن راہویہ، ابوثور اور امام داود بن علی ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ایک روایت کے مطابق امام اسحاق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے کہ نصاب سرقہ کے سلسلہ میں ربع دینار اور تین درہم دونوں باتیں شریعت سے ثابت ہیں، لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی ایک کے بقدر یا اس کے مساوی قیمت کی کوئی چیز چرالے تو اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔[4]

امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ابو یوسف، محمد، زفر اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سرقہ کا نصاب بغیر ملاوٹ کے دس خالص درہم ہیں لیکن احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت پہلا قول ہی ہے کہ نصابِ سرقہ ربع دینار اور اس سے اوپر ہے اور مناسب بھی یہی ہے کہ ربع دینار کی مقدار ہی کو نصاب قرار دیا جائے تاکہ لوگ دوسروں کے مال چرانے میں جلدی نہ کریں، اہل عقل کے ہاں اس میں یہی حکمت و مصلحت کارفرما ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ’’یہ ان کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے۔‘‘ یعنی یہ چور مرد و عورت کی اس بری کرتوت کی سزا ہے کہ انھوں نے اپنے جن ہاتھوں کے ساتھ لوگوں کے مال پر دست درازی کی تھی انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عبرت کے طور پر کاٹ دیا جائے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ ’’اور اللہ زبردست ہے۔‘‘ یعنی اپنے انتقام لینے میں اور ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ’’صاحبِ حکمت ہے۔‘‘ اپنے امر و نہی اور شرع و قدر میں۔

---

[1] صحيح البخاري، الحدود، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ ...... ﴾، حديث:6799 وصحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة و نصابها، حديث:1687. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ ...... ﴾، حديث:6790,6789 وصحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة و نصابها، حديث:1684. [3] صحيح مسلم، الحدود، باب حد السرقة و نصابها، حديث:(2)-1684. [4] فتح الباري:106,105/12.

چور کی توبہ مقبول ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ''اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو بے شک اللہ اس کو معاف کر دے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' جو شخص چوری کے بعد توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چوری کی تو جن لوگوں کی اس نے چوری کی تھی وہ اسے دربارِ رسالت میں لے آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اس عورت نے ہماری چوری کی ہے، عورت کی قوم نے کہا کہ ہم اس کا فدیہ ادا کر دیتے ہیں، یعنی اس کے اہل والوں نے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِقْطَعُوا يَدَهَا] ''اس کا ہاتھ کاٹ دو۔'' اس کی قوم نے کہا کہ ہم اس کا پانچ سو دینار فدیہ ادا کرنے کو تیار ہیں مگر آپ نے پھر بھی یہی فرمایا: [اِقْطَعُوا يَدَهَا] ''اس کا ہاتھ کاٹ دو۔'' چنانچہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ [قَالَ: نَعَمْ، أَنْتِ الْيَوْمَ مِنْ خَطِيئَتِكِ كَيَوْمَ وَلَدَتْكِ أُمُّكِ] ''آپ نے فرمایا: ہاں، اب تم اپنے گناہ سے اس طرح پاک ہو گئی ہو جس طرح اس دن پاک تھی جب تمھاری ماں نے تمھیں جنم دیا تھا۔'' اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ''اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو بے شک اللہ اس کو معاف کر دے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[1]

یہ عورت جس نے چوری کی تھی، خاندانِ مخزوم کی عورت تھی اور اس کا واقعہ صحیحین میں بھی بروایت امام زہری عن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کو اس عورت کے بارے میں فکر دامن گیر ہوئی، جس نے نبیٔ اکرم ﷺ کے عہد میں غزوۂ فتح کے زمانے میں چوری کر لی تھی، آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ کون ہو جو اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرے؟ کہنے لگے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارے ہیں، ان کے سوا اور کون جرأت کر سکتا ہے۔ اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور اسامہ بن زید نے اس کی سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا: [أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ ؟] ''اللہ عزوجل کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' اسامہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ سے معافی طلب فرمائیں۔

شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: [أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مَنْ قَبْلِكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَ إِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ، لَقَطَعْتُ يَدَهَا] ''اما بعد! تم

[1] مسند أحمد:177/2.

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

اے رسول! آپ ان لوگوں کا غم نہ کھائیں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنے منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے،

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ

حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لاتے، اور کچھ ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے، وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور دوسری قوم کی جاسوسی کرنے

لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

والے ہیں جو (ابھی اطاعت کے لیے) آپ کے پاس نہیں آئی۔ وہ کلمات کا موقع ومحل ثابت ہونے کے بعد اسے بدل دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر تمھیں

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

یہ حکم دیا جائے تو قبول کرلو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو ان سے الگ تھلگ ہو جاؤ۔ اور جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو آپ اللہ کی طرف سے اس

شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ

کے بارے میں قطعاً کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے، ان کے لیے دنیا

وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿41﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ

میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿41﴾ وہ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں اور جی بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ پھر اگر

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔا ۭ

وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کردیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تو بھی

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿42﴾ وَكَيْفَ

وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے

يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ

والوں کو پسند کرتا ہے ﴿42﴾ اور وہ کیسے آپ سے فیصلے کرواتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر وہ اس (حکم) سے منہ

وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿43﴾ ع اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ

ع 6/9 10

موڑتے ہیں۔ اور وہ ایمان لانے والے نہیں ﴿43﴾ بے شک ہم نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ انبیاء جو اللہ کی اطاعت کرنے

الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

والے تھے، اس کے مطابق یہودیوں کے فیصلے کرتے تھے اور اللہ والے اور علماء فیصلے کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران بنائے گئے

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ

تھے اور وہ اس پر گواہ تھے، چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتیں تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾

کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں ﴿44﴾

سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کیا تھا کہ ان میں سے اگر کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر (میری بیٹی) فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔'' پھر آپ نے حکم جاری فرمایا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بعد میں اس عورت نے اچھی طرح توبہ کر لی تھی، شادی بھی کی اور بعد میں جب کبھی ہمارے پاس آتی تو میں اس کی ضرورت وحاجت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیتی تھی۔[1]

صحیح مسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہ عورت دوسروں سے مستعار لے کر انکار کر دیا کرتی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا تھا۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے بعد فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ''کیا تم کو معلوم نہیں کہ بے شک آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے۔'' وہ تمام کائنات کا مالک اور حاکم ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ جو ارادہ فرماتا ہے، اسے کر گزرتا ہے: ﴿يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۰﴾ ''جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تفسیر آیات:41-44

یہودیوں اور منافقوں کی حرکتوں پر غم نہ کرنے کی تلقین: یہ آیات کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو کفر میں بہت جلدی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل جاتے ہیں اور اپنے افکار وآراء اور نظریات کو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے مقدم قرار دیتے ہیں: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''(کچھ تو) ان میں سے (ہیں) جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں۔'' یعنی اپنی زبانوں سے تو انھوں نے ایمان کا اظہار کیا مگر ان کے دل ایمان سے خالی ہیں اور یہی لوگ منافق ہیں۔

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ''اور (کچھ) ان میں سے جو یہودی ہیں۔'' جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور یہ سب ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ''غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں۔'' جھوٹی باتوں کو سننے اور انھیں آگے پھیلانے میں سرگرم رہتے ہیں۔ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ﴾ ''ایسے لوگوں (کے بہکانے) کے لیے جاسوس بنتے ہیں جو ابھی آپ کے پاس نہیں آئے۔'' یعنی یہ ایسے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جاسوسی کرتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو ابھی تک آپ کی مجلس میں آئے ہی نہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ باتوں کی جاسوسی کر کے انھیں آپ کے ان دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آتے۔

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: (54) بعد باب حديث الغار، حديث:3475 وأيضاً، المغازي، باب: (54) بعد باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح، حديث:4304 وصحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره ......، حديث:(9)-1688. [2] صحيح مسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره......، حديث:(10)-1688.

یہودیوں کی تحریف اور رجم سے انحراف: ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ﴾ ''(صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں۔'' یعنی ان کی غلط تاویل کرتے ہیں اور سمجھنے بوجھنے اور جاننے کے باوجود انھیں بدل دیتے ہیں۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ﴾ ''(لوگوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اسے قبول کر لینا اور اگر نہ ملے تو (اس سے) احتراز کرنا۔'' بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور کہنے لگے کہ آؤ اس کا فیصلہ ہم محمد ﷺ سے کروا لیتے ہیں اگر وہ دیت ادا کرنے کا فیصلہ کریں تو قبول کر لو اور اگر قصاص کا فیصلہ کریں تو پھر ان کی بات نہ سنو۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ ان دو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے زنا کیا تھا اور انھوں نے اپنی کتاب کے اس حکم کو بدل دیا تھا کہ اگر کوئی شادی شدہ شخص زنا کرے تو اسے رجم کر دیا جائے، انھوں نے اس حکم میں یہ تبدیلی کر دی تھی کہ رجم کے بجائے سو کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کر ذلیل و رسوا کیا جائے۔

ہجرت کے بعد ان میں زنا کا جب یہ واقعہ پیش آیا تو کہنے لگے کہ آؤ ہم ان سے فیصلہ کرا لیتے ہیں اگر کوڑے مارنے اور منہ کالا کرنے کا فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لو اور اسے اپنے اور اللہ کے مابین حجت قرار دے لو کیونکہ یہ اللہ کے ایک نبی کا فیصلہ ہے اور اگر وہ رجم کا فیصلہ کریں تو پھر بات کو تسلیم نہ کرو۔ اس واقعے کا ذکر کئی احادیث میں بھی آیا ہے۔

امام مالک نے نافع سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟] ''رجم کے بارے میں تم تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا یہ کہ ہم انھیں ذلیل و رسوا کر کے کوڑے مار دیں، یہ سن کر عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تورات میں حکم رجم موجود ہے، تورات لاؤ، وہ تورات لائے، انھوں نے اسے کھولا اور ان میں سے ایک شخص نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا، عبداللہ بن سلام نے فرمایا کہ ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیتِ رجم تھی۔ یہودی کہنے لگے: ہاں، اے محمد! یہ صحیح کہہ رہے ہیں، تورات میں آیت رجم موجود ہے، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور ان دونوں بدکاری کرنے والوں کو رجم کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ رجم کے وقت مرد عورت کی طرف جھک رہا اور اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔ [1]

اور بخاری ہی کی ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے یہودیوں سے فرمایا: [مَا تَصْنَعُونَ بِهِمَا؟] ''تم ایسے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ہم ان کے چہروں کو کالا کر کے انھیں ذلیل و رسوا کر دیتے

[1] صحيح البخاري، الحدود، باب أحكام أهل الذمة وإحصانهم إذا زنوا......، حديث: 6841 وصحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود، أهل الذمة، فى الزنى، حديث: 1699 والموطأ للإمام مالك ، الحدود، باب ماجاء فى الرجم: 331/2، حديث: 1576 .

ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ﴿فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 3:93) ''اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (دلیل پیش کرو۔)'' چنانچہ وہ تورات لے آئے اور انھوں نے اپنے ایک شخص اعور سے کہا کہ اسے پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ پڑھتے پڑھتے جب وہ آیت رجم پر پہنچا تو اس نے اس آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، (ابن سلام) نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم چمک رہی تھی، اس نے کہا: اے محمد! اس میں آیت رجم ہے لیکن ہم اس آیت کو چھپائے ہوئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا اور ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ ①

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسے یہودی مرد و عورت کو لایا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا تو رسول اللہ یہودیوں کے پاس آئے اور فرمایا: [مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ عَلٰى مَنْ زَنٰى ؟] ''زنا کرنے والے کے بارے میں تم تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا یہ کہ ہم ان کے چہروں کو کالا کر دیں، انھیں گدھے پر سوار کر کے الٹے منہ بٹھا دیں اور گلیوں بازاروں میں گھما کر انھیں ذلیل و رسوا کریں۔ آپ نے فرمایا: ﴿فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 3:93) ''اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو (دلیل پیش کرو۔)'' وہ تورات کو لے آئے اور انھوں نے اسے پڑھنا شروع کر دیا حتی کہ اسے پڑھنے والا جوان جب آیت رجم پر پہنچا تو اس نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔

عبداللہ بن سلام نے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسے حکم دیں کہ یہ اپنا ہاتھ اٹھائے، اس نے ہاتھ اٹھایا تو ہاتھ کے نیچے آیتِ رجم تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اس بدکار جوڑے کو رجم کر دیا گیا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں بھی انھیں رجم کرنے والوں میں شامل تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ مرد اس عورت کو پتھروں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ②

امام ابوداود نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو مدینہ کی وادی قُف میں آنے کی دعوت دی تو آپ ان کے بیت المدراس (وہ گھر جس میں وہ پڑھتے پڑھاتے تھے) میں تشریف لے گئے، انھوں نے عرض کی: اے ابوالقاسم! ہم میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا ہے، لہٰذا آپ فیصلہ فرمائیں، (راوی کا بیان ہے کہ) انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک تکیہ بھی رکھا تھا جس پر آپ جلوہ افروز تھے، آپ نے فرمایا: [اِئْتُونِي بِالتَّوْرَاةِ فَأُتِيَ بِهَا، فَنَزَعَ الْوِسَادَةَ مِنْ تَحْتِهِ وَوَضَعَ التَّوْرَاةَ عَلَيْهَا، وَقَالَ: آمَنْتُ بِكِ وَبِمَنْ أَنْزَلَكِ، ثُمَّ قَالَ: ائْتُونِي بِأَعْلَمِكُمْ، فَأُتِيَ بِفَتًى شَابٍّ] ''میرے پاس تورات لاؤ، تورات کو لایا گیا تو آپ نے تکیہ نکال کر اس کے اوپر تورات کو رکھ دیا، آپ نے تورات سے مخاطب ہو کر کہا: میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور

① صحیح البخاري، التوحید، باب ما یجوز من تفسیر التوراة......، حدیث:7543. ② صحیح مسلم، الحدود، باب رجم الیهود، أهل الذمة في الزنٰى، حدیث:1699.

اس ذات گرامی پر بھی جس نے تجھے نازل فرمایا ہے، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنے میں سے سب سے بڑے عالم کو لاؤ، چنانچہ ایک نوجوان (عبداللہ بن صُوریا) کو بلایا گیا۔''[1] اور باقی قصہ اسی طرح روایت کیا گیا ہے جیسا کہ قبل ازیں امام مالک کی نافع سے روایت کے حوالے سے اوپر بیان کیا گیا ہے۔

یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم تورات کے مطابق فیصلہ فرمایا اور یہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ جس چیز کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے آپ نے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی کیونکہ یہودیوں کو تو خود یہ حکم تھا کہ وہ ہر حال میں شریعت محمدیہ کی اتباع کریں۔ آپ نے تورات کے مطابق یہ فیصلہ اس لیے فرمایا تھا کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور خاص وحی کے ذریعے سے مطلع فرما دیا تھا، اس وجہ سے آپ نے ان سے یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ اس کے بارے میں تورات میں کیا حکم ہے؟ تا کہ آپ ان سے اس بات کا اقرار کرالیں جوان کے پاس موجود ہے جسے وہ مسلسل چھپا رہے ہے، انکار کررہے اور طویل زمانوں سے اس کے مطابق عمل نہیں کررہے تھے۔ جب انھوں نے اس کا اعتراف کرلیا، حالانکہ انھیں معلوم تھا کہ ان کا عمل اس کے خلاف ہے اور اپنی جس کتاب کے صحیح ہونے کا یہ عقیدہ رکھتے ہیں اپنی کج روی، عناد اور تکذیب کے باعث اس کی مخالفت بھی کررہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع بھی انھوں نے اس خواہش کی وجہ سے کیا تھا کہ آپ ان کی آراء کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس لیے نہیں کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ آپ صحیح فیصلہ فرمائیں گے۔ اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا ﴾ ''اگر تمھیں یہ (حکم) دیا جائے'' کہ انھیں کوڑے مارو اور ان کے منہ کالے کردو ﴿ فَخُذُوهُ ﴾ ''تو اسے قبول کرلو۔'' ﴿ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ ﴾ ''اور اگر یہ (حکم) نہ دیا جائے تو احتراز کرنا'' یعنی اس کو قبول کرنے اور اس کی اتباع کرنے سے۔

﴿ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿41﴾ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ ﴾ ''اور اگر کسی کو اللہ گمراہ کرنا چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے (یہ) جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں۔'' جھوٹی باتوں سے یہاں مراد باطل باتیں ہیں۔ ﴿ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ ﴾ ''جی بھر کے حرام (مال) کھانے والے ہیں۔'' سحت کے معنی مال حرام کے ہیں اور اس سے مراد رشوت ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی ایک صحابہ سے مروی ہے۔[2] یعنی جس کا یہ حال ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا دل کیسے پاک کرے اور اس کی دعا کس طرح قبول کرے!

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿ فَإِن جَاءُوكَ ﴾ ''تو اگر یہ آپ کے پاس آئیں'' کسی مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے ﴿ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ ﴾ ''تو آپ

[1] سنن أبی داود، الحدود، باب فی رجم الیهودیین، حدیث:4449 . [2] تفسیر الطبری:326/6 .

(کواختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کردیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے اعراض کرلیں گے تو وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔" آپ ان کا فیصلہ نہ کریں تو آپ کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ سے فیصلہ کرانے میں ان کا مقصود اتباعِ حق نہیں ہے بلکہ یہ تو اس سے بھی اپنی خواہشات کی پیروی چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، زید بن اسلم، عطاء خراسانی اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور ناسخ یہ آیت ہے: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المآئدة 49:5) "اور جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کریں۔"[1] اور فرمایا: ﴿وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ "اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کا فیصلہ کریں۔" یعنی حق اور عدل کے ساتھ، گو یہ خود ظالم اور راہ عدل سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ "بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

یہودیوں کے غلط مقاصد کی مذمت اور تورات کی تعریف: پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی فاسد آراء اور غلط مقاصد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنی اس کتاب کو جو ان کے پاس موجود ہے جس کے صحیح ہونے کا یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں اور جس کے مطابق ہمیشہ عمل کرنے کا انھیں حکم بھی دیا گیا تھا اسے ترک کرکے ایک دوسری چیز کی طرف رجوع کر رہے ہیں، حالانکہ اس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ باطل ہے اور اس کی پابندی ان کے لیے لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ "اور یہ آپ سے کیسے فیصلے کراتے ہیں جبکہ خود ان کے پاس تورات (موجود) ہے۔ جس میں اللہ کا حکم (لکھا ہوا) ہے؟ (یہ اسے جانتے ہیں) پھر اس کے بعد اس (حکم) سے منہ موڑتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا جسے اس نے اپنے بندے اور رسول موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ "بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔" وہ اس کے حکم سے نہ اعراض کرتے تھے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی یا تحریف ہی کرتے تھے۔ ﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ "اور اللہ والے اور علماء بھی۔" اور ان میں سے علماء اور خصوصاً علمائے ربانی بھی اسی کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ "اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے۔" کتاب اللہ کو ان کے پاس امانت رکھا گیا تھا اور انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اس کے احکام کو ظاہر کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

﴿وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ "اور اس پر گواہ تھے (حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) چنانچہ تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔" ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں صرف مجھی سے ڈرو۔ ﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ﴾

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1136,1135/4 وتفسیر الطبری: 334,333/6.

ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ ''اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو اور جو لوگ اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔'' اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں جن کا بیان آگے آرہا ہے۔

ان آیات کریمہ کا ایک اور سبب نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔'' ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (المآئدۃ5:45) ''تو یہی لوگ ظالم ہیں۔'' ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (المآئدۃ5:47) ''تو یہی لوگ بدکار ہیں۔'' یہودیوں کی دو جماعتوں کے بارے میں نازل فرمائی ہیں ان میں سے ایک جماعت دوسری پر زمانۂ جاہلیت میں غالب آگئی تھی حتی کہ ان کا اس بات پر معاہدہ ہوگیا کہ اگر غالب جماعت نے مغلوب کے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا فدیہ پچاس وسق ہوگا لیکن مغلوب جماعت کے کسی فرد نے اگر غالب کے کسی شخص کو قتل کر دیا تو اس کا فدیہ سو وسق ہوگا، یہ اپنے اس معاہدے پر قائم تھے کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ میں جلوہ افروز ہوگئے اور آپ کی تشریف آوری کے بعد یہ دونوں جماعتیں ہی مغلوب اور ذلیل ہوگئیں، حالانکہ ابھی تک رسول اللہ ﷺ ان پر غالب بھی نہیں آئے تھے اور اس (قانون) پر ان کی موافقت بھی نہیں کی تھی، دراں حالیکہ آپ مدت صلح میں تھے۔

اسی اثنا میں مغلوب پارٹی نے غالب پارٹی کے ایک شخص کو قتل کر دیا تو اس نے پیغام بھیجا کہ اس کے فدیے کے طور پر سو وسق ارسال کرو، مغلوب پارٹی نے جواب دیا کہ بھلا ان دو قبیلوں میں کبھی ایسا ہوسکتا ہے جن کا دین ایک ہو، نسب ایک ہو اور شہر بھی ایک ہو کہ ان میں سے ایک کی دیت تو پوری ہو اور دوسرے کی دیت نصف ہو۔ ہم نے تو تم سے یہ معاہدہ تمھارے ڈر اور ظلم کی وجہ سے کیا تھا اور اب جبکہ محمد ﷺ تشریف لے آئے ہیں ہم تمھیں یہ نہیں دیں گے، قریب تھا کہ اس کی وجہ سے پھر ان میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے مگر وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ اپنا یہ فیصلہ کرالیں۔

غالب پارٹی نے اس موقع پر یہ کہا بھی کہ اللہ کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا کہ جتنا تم کمزور پارٹی کو دو محمد ﷺ اس سے دوگنا لے کر تم کو دیں اور یہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے محض ہمارے ظلم اور ڈر کی وجہ سے ہم سے یہ معاہدہ کیا تھا، لہٰذا کسی کو خفیہ طور پر محمد ﷺ کے پاس بھیجو جو تمھیں یہ بتا سکے کہ اس مسئلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ اگر نبی کریم ﷺ تمھاری مرضی کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کو منصف تسلیم کرلو اور اگر آپ یہ فیصلہ نہ کریں تو پھر ان کو منصف تسلیم نہ کرو، انھوں نے کچھ منافقوں کو خفیہ طور پر آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کی رائے سے مطلع کرسکیں جب یہ منافق دربار رسالت میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے اپنے رسول ﷺ کو ان کے تمام مقاصد اور ارادوں سے مطلع فرمادیا اور اس موقع پر ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ تا ﴿ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (المآئدۃ5:41-47) ''اے پیغمبر ﷺ جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں، ان کی وجہ سے غمناک نہ ہونا...... ایسے لوگ نافرمان ہیں۔'' آیات نازل فرمادیں اور ان آیات

میں انھی کی طرف اشارہ ہے۔[1] تقریباً اسی طرح اس روایت کو امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

حافظ ابوجعفر بن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیات: ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ تا ﴿ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ بنونضیر اور بنو قریظہ کی دیت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ بنونضیر کے مقتولوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی پوری دیت ادا کی جاتی تھی جبکہ بنو قریظہ کے مقتولوں کی نصف دیت تھی انھوں نے اس سلسلے میں جب رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ان آیات کو نازل فرما دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس مسئلے میں حق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور سب کی دیت برابر قرار دے دی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا واقعہ ان آیات کے نزول کا سبب قرار پایا تھا۔[3] اس روایت کو امام احمد، ابوداود، اور نسائی نے بھی بروایت ابن اسحاق اسی طرح بیان کیا ہے۔[4]

عوفی اور علی بن ابوطلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات ان دو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنھوں نے زنا کیا تھا جیسا کہ سابقہ احادیث کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں سبب جمع ہو گئے ہوں اور ان دونوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم.

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ﴾ (المآئدة 5:45) ''اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔'' اس سے اس بات کو تقویت پہنچتی ہے کہ ان آیات کا سبب نزول مسئلۂ قصاص ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی أَعْلَم.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں۔'' کے بارے میں براء بن عازب، حذیفہ بن یمان، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابومجلز، ابورجاء عطاردی، عکرمہ، عبیداللہ بن عبداللہ اور امام حسن بصری رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[5] امام حسن بصری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کے مطابق عمل ہمارے لیے بھی واجب ہے۔[6] عبدالرزاق نے سفیان ثوری سے، انھوں نے منصور سے اور انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور اس امت سے بھی اللہ تعالیٰ ان کے مطابق عمل کرنے ہی سے راضی ہوگا۔[7]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

[1] مسند أحمد:246/1. [2] سنن أبي داود، القضاء، باب في القاضي يخطيء، حديث:3576 مختصرًا. [3] تفسير الطبري:330/6 . [4] سنن أبي داود، القضاء، باب الحكم بين أهل الذمة، حديث:3591 و سنن النسائي، القسامة، باب ذكر الاختلاف على عكرمة في ذلك، حديث:4737 و مسند أحمد:363/1 . [5] تفسير ابن أبي حاتم:1143/4 و تفسير الطبري:344,343/6 و تفسير الماوردي:43/2 . [6] تفسير الطبري:349/6 . [7] تفسير الطبري:349/6.

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ

اور ہم نے تورات میں ان کے لیے لکھ دیا تھا کہ بے شک جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے

بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ

بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کا قصاص ہے، پھر جو شخص اسے معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے

لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾

نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی ظالم ہیں ﴿45﴾

الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کا انکار کرے تو اسی نے کفر کیا اور جو ان کا اقرار تو کرے مگر ان کے مطابق فیصلے نہ کرے تو وہ ظالم اور فاسق ہے۔ [1]

امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ہمیں معمر نے طاؤس سے خبر دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق حکم نہ دینا کفر ہے۔ ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ یہ کفر تو ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے انکار جیسا کفر نہیں ہے۔ [2] امام ثوری نے ابن جریج سے اور انھوں نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ یہ حقیقی کفر سے کم درجے کا کفر، حقیقی ظلم سے کم درجے کا ظلم اور حقیقی فسق سے کم درجے کا فسق ہے۔ [3] وکیع نے سعید مکی سے اور انھوں نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں کفر سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج قرار دے دیتا ہے۔ [4]

تفسیر آیت:45

یہ بھی یہودیوں کو توبیخ و سرزنش کی جا رہی ہے کہ تورات میں ان کے لیے حکم یہ تھا کہ جان کے بدلے جان ہے مگر وہ جان بوجھ کر اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حکم کی مخالفت کرتے تھے اور بنو نضیر کے مقتول کا تو بنو قریظہ سے قصاص لے لیتے تھے لیکن بنو قریظہ کے مقتول کا بنو نضیر سے قصاص نہیں لیتے تھے بلکہ دیت لے لیتے تھے، اس طرح شادی شدہ زانی کی سزائے رجم کے بارے میں بھی انھوں نے تورات کے حکم کی مخالفت شروع کر دی تھی اور اس کے بجائے کوڑے مارنے اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ (المآئدۃ 44:5) ”اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔“ کیونکہ انھوں نے جان بوجھ کر اپنے قصد و ارادے سے سرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کیا تھا، اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ”تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔“ کیونکہ انھوں نے اس معاملے میں مظلوم کو ظالم سے انصاف نہ دلایا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام کے ساتھ عدل و انصاف اور مساوات کا حکم

---

[1] تفسیر الطبری:349/6 و تفسیر الماوردی:43/2۔ [2] تفسیر عبدالرزاق:19/2، رقم:713 و تفسیر الطبری:348/6۔

[3] تفسیر عبدالرزاق:20/2، رقم:717۔ [4] تفسیر الطبری:348/6۔

دیا تھا مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی، ظلم کی روش کو اختیار کیا اور ایک دوسرے پر زیادتی شروع کر دی۔

مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کرنا: امام ابونصر بن صباغ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کے پیش نظر تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ہے جسے امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم کے نام خط میں لکھا تھا: [وَأَنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ] ''اور بے شک مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔''① اور ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں: [اَلْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ] ''تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔''② جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن صباغ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے جو فرمایا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس کی پھوپھی رُبَیِّع نے ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا انھوں نے لڑکی کے خاندان سے معافی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے اس کا انکار کر دیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [اَلْقِصَاصَ] ''اس کا قصاص دینا ہوگا'' اس کے بھائی انس بن نضر نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا اس کے دانت کو توڑ دیا جائے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ] ''انس! اللہ کی کتاب میں قصاص ہی کا حکم ہے۔'' اس نے عرض کی: نہیں، اے اللہ کے رسول! اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس کے بعد اس عورت کے خاندان کے لوگ راضی ہو گئے اور انھوں نے معاف کر دیا اور قصاص کا مطالبہ ترک کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ] ''کچھ بندگانِ الٰہی ایسے بھی ہیں کہ وہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو قسم دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا فرماتا ہے۔''③

امام بخاری اور مسلم نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔④

زخموں کا قصاص: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ط﴾ ''اور سب زخموں کا (اسی طرح) بدلہ ہے۔'' علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جان کو جان کے بدلے قتل کیا جائے، آنکھ کے بدلے آنکھ کو پھوڑا جائے، ناک کے بدلے ناک کو کاٹا جائے، دانت کے بدلے دانت کو توڑا جائے، اور اسی طرح سب زخموں کا زخموں ہی کی صورت میں قصاص لیا جائے۔ اس حکم میں تمام آزاد مسلمان مرد اور عورتیں برابر ہیں جبکہ جرم کا ارتکاب عَمْداً کیا گیا ہو، خواہ

① سنن النسائی، القسامة، باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول واختلاف الناقلين له، حديث:4857 والمستدرك للحاكم، الزكاة:397/1، حديث:1447 وصحيح ابن حبان:510/14، حديث:6559. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في السرية ترد على أهل العسكر، حديث:2751 وسنن ابن ماجه، الديات، باب: [المسلمون تتكافأ دماؤهم]، حديث:2683 ومسند أحمد:180/2. ③ مسند أحمد:128/3. ④ صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح في الدية، حديث: 2703 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب إثبات القصاص في الأسنان وما في معناها، حديث:1675.

اس سے جان کا نقصان ہوا ہو یا جان سے کم تر، اس طرح غلاموں اور لونڈیوں نے اگر آپس میں اس جرم کا ارتکاب کیا ہو تو وہ بھی حکم میں سب برابر ہیں۔ اسے امام ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[1]

ایک اہم قاعدہ: جب تک زخم مندمل نہ ہو جائے قصاص لینا جائز نہیں کیونکہ اگر زخم کے مندمل ہونے سے پہلے قصاص لیا گیا اور بعد میں زخم میں اضافہ ہو گیا تو مجرم کے لیے مزید کوئی اور سزا نہیں ہو گی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے پر سینگ مار (کر زخم کر) دیا تو وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے قصاص دلا دیجیے، آپ نے فرمایا: [حَتّٰى تَبْرَأَ] (جلدی نہ کرو) ''حتی کہ تمھارا زخم مندمل ہو جائے۔''

وہ دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے قصاص دلا دیجیے تو آپ نے اسے قصاص دلوا دیا۔ (کچھ عرصے کے بعد وہ پھر حاضر ہوا) اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں لنگڑا ہو گیا ہوں (مجھے اس لنگڑے پن کا قصاص دلایئے۔) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِي فَأَبْعَدَكَ اللّٰهُ وَبَطَلَ عَرَجُكَ ثُمَّ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحٍ حَتّٰى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ] ''تحقیق میں نے تمھیں منع کیا تھا مگر تم نے میری نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں (رحمت سے) دور کر دیا (اب) تمھارا لنگڑا پن رائیگاں ہے (اب تمھیں اس کا قصاص نہیں ملے گا۔) پھر رسول اللہ ﷺ نے منع کر دیا اور فرمایا: اس وقت تک زخم کا قصاص نہ لیا جائے جب تک زخمی شخص تندرست نہ ہو جائے۔''[2] اس روایت کو صرف امام احمد ہی نے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: جس شخص پر زیادتی کی گئی ہو وہ اگر مجرم سے قصاص لے اور قصاص لینے کی وجہ سے مجرم کی موت واقع ہو جائے تو قصاص لینے والے کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جمہور صحابہ و تابعین اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے۔

معاف کر دینا گناہوں کا کفارہ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾ ''پھر جو شخص بدلہ معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو گا۔'' علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص معاف کر دے اور مجرم پر صدقہ کر دے تو وہ مطلوب کے لیے کفارہ اور طالب کے لیے باعث اجر و ثواب ہو گا۔[3] سفیان ثوری نے بھی عطاء بن سائب، سعید بن جبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص معاف کر دے تو وہ زخمی کرنے والے کے لیے کفارہ اور زخمی ہونے والے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کا ذریعہ ہو گا۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[4]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ معاف کر دینا مجروح کے لیے کفارہ ہو گا۔ امام حسن بصری، ایک روایت کے مطابق ابراہیم نخعی اور ابو اسحاق ہمدانی کا بھی یہی قول ہے۔[5] امام احمد نے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو

[1] تفسیر الطبری:352/6 وتفسیر ابن أبی حاتم:1145/4. [2] مسند أحمد:217/2 والسنن الکبریٰ للبیھقی، الجنایات، باب ما جاء فی الاستثناء بالقصاص:68/8 واللفظ له اور دیکھیے إرواء الغلیل:299,298/7. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 1145/4. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1146/4. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1146/4.

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور ہم نے ان (رسولوں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انھیں انجیل

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى

دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور پرہیزگاروں کے لیے (سراسر) ہدایت اور نصیحت

وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿46﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ

تھی ﴿46﴾ اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا اس کے مطابق فیصلے کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلے نہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾

کریں تو وہی نافرمان ہیں ﴿47﴾

بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ رَّجُلٍ يُّجْرَحُ فِي جَسَدِهٖ جِرَاحَةً فَيَتَصَدَّقُ بِهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَ مَا تَصَدَّقَ بِهٖ] ''جس شخص کے جسم پر کوئی زخم لگا دیا جائے، پھر وہ اسے معاف کر دے تو جس قدر اس نے معاف کیا ہوگا، اسی قدر اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔''[1] اسے امام نسائی اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿45﴾﴾ ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔'' طاؤس اور عطاء کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان آیات میں کفر سے مراد کم تر درجے کا کفر، ظلم سے مراد کم تر درجے کا ظلم اور فسق سے مراد کم تر درجے کا فسق ہے۔[2]

تفسیر آیات: 47,46

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور انجیل کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ﴾ ''اور ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا۔'' یعنی انبیائے بنی اسرائیل کے بعد ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے۔'' اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور اس کے احکام کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔ ﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ ''اور ہم نے ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔'' یعنی وہ حق اور ایسے نور کی طرف رہنمائی کرتی ہے جس سے شبہات کے ازالے اور مشکلات کے حل کے لیے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ ﴿وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ﴾ ''اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی اس کی اتباع کرتی ہے اور ان چند قلیل مسائل کے سوا نہیں کرتی جن کو بنی اسرائیل کے لیے بیان کر دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا تھا: ﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

---

[1] مسند أحمد:316/5 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ﴾:335/6، حديث:11146 وتفسير الطبري:353/6 . [2] دیکھیے سورة المائدة، آیت: 44 کے ذیل میں۔

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (آل عمران 3:50) ''اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) تاکہ بعض چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں ان کو تمھارے لیے حلال کر دوں۔'' اس لیے علماء کے دو اقوال میں سے مشہور قول یہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام کو منسوخ کر دیا تھا۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔'' یعنی انجیل کو ہم نے ذریعہ ہدایت بنا دیا تھا جس سے ہدایت حاصل کی جاتی تھی اور اسے نصیحت بنا دیا جو حرام اور گناہ کے کاموں سے روکتی تھی۔ ﴿ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''پرہیزگاروں کے لیے۔'' یعنی ان کے لیے جو اللہ کا خوف رکھتے اور اس کے وعید و عتاب سے ڈرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴾ ''اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں، اس کے مطابق فیصلے کریں۔'' [وَلِيَحكُمَ أَهلُ الإنجِيلِ] کو میم پر نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی یہاں لام لامِ کَی ہے، یعنی ہم نے انھیں اس لیے انجیل دی تھی تاکہ وہ اپنے زمانے کے لوگوں کو اس کے مطابق حکم دیں۔ اسے لام پر جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی لام امر کی صورت میں اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے: چاہیے کہ وہ اس کے تمام احکام کے مطابق ایمان لائیں، اس میں جو حکم دیا گیا ہے اسے قائم کریں اور اس میں حضرت محمد ﷺ کی آمد کی جو بشارت دی گئی ہے اور آپ کی اتباع اور تصدیق کا جو حکم دیا گیا ہے، آپ کی تشریف آوری پر اس پر عمل کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (المآئدۃ 5:68) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمھارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں، ان کو قائم نہ رکھو گے تو اصل دین پر کار بند نہیں ہو سکتے۔''

اور اللہ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الأعراف 7:157) ''وہ لوگ جو اس رسول نبی امی محمد ﷺ کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور وہ طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں، چنانچہ جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انھیں مدد دی اور جو نور (ہدایت) ان پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَنْ لَّمْ

[1] تفسير روح المعاني: 274/3.

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے،

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ

چنانچہ آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلے کریں اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اسے نظر انداز کر کے ان کی خواہشات کی

الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

پیروی نہ کریں۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ بنایا اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ضرور ایک امت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ

وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا

تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے، چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم سب نے اللہ ہی کی

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿48﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا

طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں (اصل حقیقت) بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ﴿48﴾ اور (اے نبی!) آپ ان لوگوں کے درمیان اس

تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ

کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے (آپ پر) نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں وہ آپ کو کسی ایسے حکم

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا

سے ادھر ادھر نہ کر دیں جو اللہ نے آپ پر اتارا ہے، پھر اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو جان لیں کہ اللہ کا فقط یہی ارادہ ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ

مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿49﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا

سے انھیں سزا دے، اور بے شک ان لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں ﴿49﴾ کیا پھر وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو قوم اللہ پر یقین رکھتی ہے، اس

لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿50﴾ ع 7/7/11

کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ ﴿50﴾

يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿47﴾ ”اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی لوگ نافرمان ہیں۔“ وہ اپنے رب کی اطاعت سے خارج، باطل کی طرف مائل اور حق کے تارک ہیں۔ یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے بھی ظاہر ہے۔

تفسیر آیات: 48-50

قرآن مجید کی مدح وستائش اور اس کے مطابق فیصلے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے پہلے تورات کا ذکر فرمایا جسے اس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر نازل فرمایا تھا اس کی مدح وستائش کی اور اس کے زمانے کے لوگوں کو اس کی اتباع کا حکم دیا، پھر انجیل کا ذکر کیا، اس کی مدح وستائش کی اور اہل انجیل کو اسے قائم کرنے اور اس کی اتباع کرنے کا حکم دیا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1]

[1] ملاحظہ ہو سابقہ آیت کی تفسیر۔

اوراب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کا ذکر شروع فرمادیا ہے جسے اس نے اپنے عبد اور رسول کریم حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے۔'' یعنی یہ سچی کتاب ہے اوراس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی ان پہلی کتابوں کی جن میں اس کا ذکر اوراس کی تعریف بھی ہے اور یہ بھی کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمائے گا تو جب وہ قرآن ان کی کتابوں کے بیان کے مطابق نازل ہوا تو اس نے اہل کتاب کے عقل مند و دانا لوگوں کے ایمان میں اور اضافہ کردیا۔ جنھوں نے حکم الٰہی کو تسلیم کرلیا، اللہ کی شریعت کی اتباع کی اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝﴾ (بنی إسرآئیل 17:107,108) ''کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے سابقہ رسولوں کی زبانی ہم سے حضرت محمد ﷺ کی آمد کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے، وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔

﴿وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ﴾ ''اوران (سب) پر نگہبان ہے۔'' امام سفیان ثوری نے ابواسحاق سے، انھوں نے تمیمی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَ مُهَیْمِنًا﴾ کے معنی امین کے ہیں۔[1] علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ ﴿وَ مُهَیْمِنًا﴾ کے معنی امین کے ہیں کیونکہ قرآن سابقہ تمام کتابوں کا امین ہے۔[2] حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، محمد بن کعب، عطیہ، حسن، قتادہ، عطاء خراسانی اور ابن زید سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سابقہ تمام کتابوں کا امین ہے، (ان میں سے جو قرآن کے مطابق ہو وہ حق اور جو مخالف ہو وہ باطل ہے۔)[4] والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَ مُهَیْمِنًا﴾ کے معنی گواہ کے ہیں۔[5] مجاہد، قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[6] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَ مُهَیْمِنًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن سابقہ تمام کتابوں پر حاکم ہے۔[7] ان تمام اقوال کے معنی قریباً قریباً ایک ہی ہیں، ﴿وَ مُهَیْمِنًا﴾ کا لفظ ان تمام معانی

① تفسیر ابن أبی حاتم:4/1150 و تفسیر الطبری:6/361. ② تفسیر الطبری:6/362 و تفسیر ابن أبی حاتم:4/1150.
③ تفسیر ابن أبی حاتم:4/1150. ④ تفسیر الطبری:6/361 . ⑤ تفسیر الطبری:6/361 و تفسیر البغوی:2/57 .
⑥ تفسیر الطبری:6/361 و تفسیر روح المعانی:4/222 و تفسیر الماوردی:2/45 . ⑦ تفسیر الطبری:6/362.

پر مشتمل ہے۔[1]

لہٰذا قرآن مجید اپنے سے پہلی ہر آسمانی کتاب کا امین بھی ہے، شاہد بھی اور حاکم بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عظیم کو جسے اس نے انسانیت کی ہدایت کے لیے آخری کتاب کے طور پر نازل فرمایا ہے، تمام کتابوں سے زیادہ جامع، سب سے عظیم اور سب سے اکمل بنا کر اس میں سابقہ تمام کتابوں کے محاسن کو نہ صرف جمع فرما دیا بلکہ اسے ایسے ایسے کمالات عطا فرمائے ہیں جو سابقہ کتابوں میں سے کسی اور کو نصیب نہ ہو سکے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام کتابوں پر شاہد، امین اور حاکم بنا دیا ہے اور قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اٹھایا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ (الحجر 15:9) ''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

ارشاد الٰہی: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ ''تو جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق ان کے فیصلے کریں۔'' یعنی اے محمد ﷺ! عرب و عجم اور امی و کتابی تمام لوگوں میں اس کے مطابق فیصلہ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عظیم میں آپ کی طرف نازل فرمایا ہے اور سابقہ انبیائے کرام کی تعلیمات میں جسے اس نے برقرار رکھا اور آپ کی شریعت میں منسوخ قرار نہیں دیا ہے۔ امام ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[2] امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ان میں فیصلے فرمائیں اور اگر چاہیں تو ان سے اعراض فرمالیں اور انھیں اپنے احکام کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیں لیکن پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا تھا: ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ ''اور جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلے کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔''[3] یعنی اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ان کا بھی ہماری اس کتاب ہی کے مطابق فیصلہ فرمایا کریں۔

اور فرمان الٰہی: ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ﴾ ''اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔'' یعنی ان کی ان آراء کی جنھیں انھوں نے اختیار کر لیا اور جن کے سبب اسے ترک کر دیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، اسی لیے فرمایا:

---

[1] قرآن مجید نے یہاں ایک بہت جامع لفظ مُهَيْمِنٌ استعمال کیا ہے، اس کی وضاحت کے لیے اردو میں کوئی ایک لفظ کافی نہیں، اس کے معنی میں شہادت یا شاہد کا مفہوم بھی شامل ہے، قضیے اور مسئلے کی روح کو سمجھنا اور اس کے بارے میں صحیح فتویٰ دینا بھی اس میں شمار ہوتا ہے، اس کے معنی خلق اللہ کے امور و مسائل کی نگہبانی و حفاظت کے فرائض انجام دینا بھی ہیں، اکثر و بیشتر امین کے معنوں میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ استاذ گرامی مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مدلولات پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن حکیم سابقہ تعلیمات کے بارے میں جب مُهَيْمِنٌ کا موقف اختیار کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قرآن حکیم نے ایک شاہد و امین انسان کی طرح نہ صرف سابقہ تعلیمات کی روح کو محفوظ رکھا ہے بلکہ مُهَيْمِنٌ کی حیثیت سے اس بات کی نگرانی بھی کی ہے کہ کہاں کہاں اس روح کو بدلا گیا ہے؟ کہاں کہاں فکر و عقیدہ اور مسائل میں تحریف و تغیر سے کام لیا گیا ہے؟ اور کن کن مقامات میں حقائق دینی کے فہم و عمل میں گزشتہ قوموں میں لغزش و خطا کا صدور ہوا ہے؟ (مطالعۂ قرآن، ص:26) (مترجم) [2] تفسير الطبري:364/6. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 1151/4.

﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ ''اور آپ کے پاس جو حق آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔'' یعنی اس حق کو چھوڑ کر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، ان جاہل اور بدبخت لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔ فرمان الٰہی: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔'' امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾ کے معنی رستے کے ہیں۔[1] اور ایک روایت کے مطابق رستے اور طریقے کے ہیں۔[2]

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا۔'' یہ تمام امتوں سے خطاب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی اس عظیم قدرت کی خبر بھی دی گئی ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک دین اور ایک شریعت پر جمع فرما دیتا اور اس میں سے کسی چیز کو بھی منسوخ قرار نہ دیتا لیکن اس نے ہر رسول کے لیے ایک الگ شریعت مقرر فرمائی اور بعد میں آنے والے رسول کے ساتھ اسے یا اس کے بعض حصوں کو منسوخ کر دیا حتی کہ اپنے عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ کے ساتھ جنھیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا اور خاتم الانبیاء بنایا، سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے۔'' یعنی اس نے شریعتیں مختلف اس لیے بنائی ہیں تا کہ اپنے بندوں کی آزمائش کرے، اطاعت کی صورت میں انھیں ثواب اور نافرمانی کی صورت میں سزا دے۔ عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں: ﴿ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ سے مراد کتاب ہے۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ ''چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔'' نیک کاموں سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کی اس شریعت کی اتباع جو سابقہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اور اس کی کتاب قرآن مجید کی تصدیق ہے جسے اس نے اپنی آخری کتاب کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ ''تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' لوگو! تم سب کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''پھر وہ تمھیں (اصل حقیقت) بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔'' یعنی حق کے بارے میں تم نے جو اختلاف کیا وہ تم سب کو بتا دے گا، راست باز لوگوں کو ان کی صداقت کی وجہ سے جزا دے گا اور کفر کرنے والوں، انکار کرنے والوں، حق کی تکذیب کرنے والوں اور کسی دلیل و برہان کے بغیر حق سے روگردانی کرنے والوں کو سزا دے گا کیونکہ انھوں نے قطعی براہین، مضبوط اور ٹھوس دلائل کے باوجود حق کی

---

[1] تفسير الطبري:364/6. [2] امام بخاری نے اسے باب کے عنوان میں بیان کیا ہے، دیکھیے صحيح البخاري، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: [بني الإسلام على خمس......] و تفسير ابن أبي حاتم:1152/4. [3] تفسير الطبري:369/6.

مخالفت کی تھی۔ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ﴾ سے مراد امت محمد یہ ہے۔لیکن پہلے معنی زیادہ نمایاں ہیں۔[1]

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ ''اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان میں فیصلے کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔'' پہلے جو حکم دیا گیا ہے، یہ اسی کی تاکید اور اس کی مخالفت کی ممانعت ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ﴾ ''اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں وہ آپ کو کسی ایسے حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں جو اللہ نے آپ پر اتارا ہے۔'' اپنے دشمن، یہودیوں سے بچیں کہ کہیں حق کے بارے میں آپ کو بہکا نہ دیں، یہ اگر اپنے بعض مسائل آپ کے پاس لے کر آتے ہیں تو اس کی وجہ سے آپ ان سے فریب نہ کھائیں کیونکہ یہ تو سراسر کاذب، کافر اور خائن ہیں۔

﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ''پھر اگر وہ روگردانی کریں۔'' اس فیصلے سے جو حق کے مطابق آپ ان میں کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی یہ مخالفت کریں۔ ﴿ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ﴾ ''تو جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے۔'' یعنی ان کے بارے میں یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت سے یہ ہونے والا ہے کہ وہ انھیں ہدایت سے دور کر دے اور یہ ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ ہے کہ انھیں ہدایت سے محروم کر کے گمراہی میں مبتلا کر دیا جائے۔

﴿ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ ﴾ ''اور بے شک ان لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں۔'' اکثر لوگ اپنے رب کی اطاعت سے خارج، حق کے مخالف اور اس کے منکر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ﴾ (الأنعام 116:6) ''اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر آپ ان کا کہا مان لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے۔''

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ کعب بن اسد، ابن صوریا، عبداللہ بن نورن اور شاس بن قیس نے ایک دوسرے سے کہا کہ آؤ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اور انھیں ان کے دین سے بہکا دیں، یہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء، اشراف اور سادات ہیں اگر ہم آپ کی پیروی کر لیں تو تمام یہودی ہماری بات تسلیم کر لیں گے اور وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے، ہمارا اپنی قوم سے ایک جھگڑا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ سے اس کا فیصلہ کرائیں، لہٰذا آپ ہمارے حق میں فیصلہ فرمائیں تو اس کی وجہ سے ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کر دیں گے مگر آپ نے ان یہودیوں کی اس بات کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا، اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں ﴿ وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ ﴾ تا ﴿ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ﴾ نازل فرما دیا تھا۔ اسے امام ابن جریر

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1153/4.

اور ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا پھر وہ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو اس کے اس حکم سے اعراض کریں جو محکم، ہر خیر پر مشتمل اور ہر شر سے منع کرنے والا ہے اور اس کے بجائے ان افکار و آراء اور اصطلاحات کو اختیار کرے جنھیں کچھ انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی کسی دلیل کے بغیر وضع کیا ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ ان ضلالتوں اور جہالتوں کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے جنھیں انھوں نے اپنی آراء سے اور اپنی خواہشات کے مطابق گھڑ رکھا تھا۔

اسی طرح تاتاری اپنے امور مملکت و سیاست کو ان احکام کے مطابق چلاتے تھے جنھیں انھوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے حاصل کیا تھا جس نے ان کے لیے احکام پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ مرتب کیا تھا جو یہودیت، عیسائیت، اسلام اور دیگر مختلف شریعتوں کا مرکب تھا، اس میں بہت سے احکام ایسے بھی تھے جو محض اس کی اپنی رائے اور خواہش کے مطابق تھے اور ان کا کسی بھی شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن اس کے بیٹے اس کتاب کو شریعت کا درجہ دیتے اور اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی مقدم قرار دیتے تھے لیکن جو شخص ایسا کرے وہ کافر اور واجب القتل ہے حتی کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کو تسلیم کرے۔

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ ﴾ ''کیا پھر وہ زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟'' یعنی زمانۂ جاہلیت کے حکم کی خواہش رکھتے، اسے چاہتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کرتے ہیں۔ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو قوم اللہ پر یقین رکھتی ہے، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟'' اس شخص کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑھ کر اور کوئی حکم زیادہ عادلانہ نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کو سمجھتا، اس پر یقین و ایمان رکھتا اور یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے، جتنا والدہ اپنے بچے سے محبت و شفقت کا سلوک کرتی ہے، وہ اپنی مخلوق کے ساتھ اس سے بھی زیادہ رحمت کا معاملہ فرماتا ہے، وہ ہر چیز کو جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا اور ہر چیز میں عدل فرمانے والا ہے۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ، مُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَطَالِبُ دَمِ امْرِىءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِّيُهْرِيقَ دَمَهُ] ''اللہ عزوجل کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کے طریقے کا خواہش مند ہو، نیز وہ جو کسی انسان کا ناحق خون بہائے۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو ابوالیمان سے اسی طرح اور قدرے زائد الفاظ کے ساتھ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1154/4 و تفسیر الطبری: 371,370/6. [2] المعجم الکبیر للطبرانی: 308/10، حدیث: 10749.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ

رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿51﴾ (اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى

(منافقت کا) روگ ہے کہ وہ دوڑ کر ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں اور (ان سے) کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت (نہ) پہنچے، پھر قریب ہے

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ

کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے، تو یہ لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے

نٰدِمِيْنَ ﴿52﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

ہوئے ہیں﴿52﴾ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شد و مد سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے

اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿53﴾

شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہو گئے چنانچہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گئے﴿53﴾

روایت فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 51-53

یہود و نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ اسلام سے دوستی کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنائیں کیونکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں تباہ و برباد کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور ان سے دوستی کا دم بھرنے والے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾ ''اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو بے شک وہ بھی انھی میں سے ہوگا۔''

امام ابن ابوحاتم نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو حکم دیا کہ انھوں نے جو لیا اور دیا ہے اس کا حساب پیش کریں، انھوں نے ایک عیسائی کو کاتب رکھا ہوا تھا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حساب پیش کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: کیا یہ محافظ ہے؟ کیا یہ مسجد میں آ کر ہمیں وہ خط پڑھ کر سنا سکتا ہے جو ملک شام سے آیا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ حالتِ جنابت میں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ اس لیے کہ یہ عیسائی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے ڈانٹا، میری ران پر مارا اور فرمایا اسے نکال دو، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا

[1] صحيح البخاري، الديات، باب من طلب دم امرئ بغير حق، حديث: 6882.

الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ﴾ ”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔“[1] پھر انھوں نے عبداللہ بن عتبہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو اس بات سے بچنا چاہیے کہ وہ غیر شعوری طور پر یہودی یا عیسائی نہ ہو جائے، ہمارے خیال میں ان کا اشارہ اسی آیت کریمہ کی طرف تھا۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ ”(اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے۔“ یعنی جن کے دلوں میں شک و ریب اور نفاق کا مرض ہے، وہ ظاہری اور باطنی ان سے دوستی کا دم بھرتے اور ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ ”وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر (زمانے کی) گردش نہ آ جائے۔“ یعنی وہ ان سے دوستی اور محبت کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں کافروں کو مسلمانوں پر فتح و نصرت حاصل نہ ہو جائے تو اس صورت میں یہود و نصاریٰ کی دوستی اور ان پر احسانات ان کے کام آئیں گے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ ﴾ ”پھر قریب ہے کہ اللہ فتح دے۔“ سدی فرماتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔[3] ﴿ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ ﴾ ”یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل فرمائے۔)“ سدی فرماتے ہیں کہ اس سے یہود و نصاریٰ پر عائد کیے جانے والے جزیے کی طرف اشارہ ہے۔[4] ﴿ فَيُصْبِحُوْا ﴾ ”تو وہ ہو جائیں گے“ یہ منافق جنھوں نے یہود و نصاریٰ سے دوستی کی تھی ﴿ عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ”اپنے دل کی ان باتوں پر جو وہ چھپایا کرتے تھے“ یعنی اپنی دوستی پر ﴿ نٰدِمِيْنَ ۝ ﴾ ”پشیمان۔“ یعنی ان کی یہ دوستی ان کے کچھ کام نہ آئے گی اور جس بات سے یہ ڈرتے ہیں، اس سے انھیں قطعاً نہ بچا سکے گی بلکہ اس میں خرابی کا پہلو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے یہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے پہلے اگر ان کا حال مخفی تھا تو اب اللہ تعالیٰ اسے دنیا ہی میں اپنے مومن بندوں کے سامنے واضح فرما دے گا اور انھیں اس سے تعجب ہوگا کہ یہ کیسے لوگ تھے کہ اپنے مومن ہونے کا اظہار کرتے اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم مومن ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے کذب و افتراء کو بالکل واضح فرما دے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ ”اور (اس وقت) جو لوگ ایمان لائے (تعجب سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی ہیں جو شد و مد سے اللہ کی قسمیں کھایا کرتے تھے کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل اکارت گئے اور وہ خسارے میں پڑ گئے۔“

سببِ نزول: محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہودیوں کا پہلا قبیلہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدے کو توڑا، وہ بنو قینقاع تھا۔ مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمالیا اور وہ مجبور ہو گئے کہ آپ جو چاہیں ان کے بارے میں فیصلہ فرمائیں تو عبداللہ بن اُبیّ ابن سَلُول نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے محمد! میرے ان

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1156/4 و الدر المنثور:516/2 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1156/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 1158/4 و تفسیر الطبری:378/6 . [4] تفسیر الطبری:379/6 و تفسیر ابن أبی حاتم:1159/4.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے، تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس

وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

سے محبت کرتے ہوں گے، وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے

عَلِيْمٌ ﴿54﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

والا ہے ﴿54﴾ تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿55﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ

والے ہیں ﴿55﴾ اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں، تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور)

اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿56﴾ ع 8/6/12

یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے ﴿56﴾

دوستوں سے اچھا سلوک کریں۔ یاد رہے! یہ قبیلۂ خزرج کے حلیف تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو اس نے پھر یہ کہا کہ اے محمد! میرے ان دوستوں سے اچھا سلوک کریں، آپ نے پھر بھی اعراض فرمایا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی زِرہ کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ نے فرمایا: [أَرْسِلْنِي] ''مجھے چھوڑ دو'' اور آپ نے اس قدر شدید ناراضی کا اظہار فرمایا حتی کہ آپ کے چہرۂ اقدس پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں، آپ نے پھر فرمایا: [وَيْحَكَ أَرْسِلْنِي] ''تیرا بیڑا غرق ہو! مجھے چھوڑ دے۔'' اس نے کہا کہ نہیں، اللہ کی قسم! میں نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ میرے ان دوستوں سے اچھا سلوک نہیں کریں گے جن میں سے چار سو ننگے سر اور تین سو زِرہیں پہنے ہوئے ہیں اور جنھوں نے ہر سرخ و سیاہ سے میری حفاظت کی ہے تو کیا آپ ایک ہی دن ان سب کو تہ تیغ کر دیں گے؟ مجھے ان کی پھر بھی ضرورت ہے کیونکہ میں زمانے کی گردشوں سے ڈرتا ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [هُمْ لَكَ] ''(جا میں نے) تیرے لیے انھیں معاف کر دیا ہے۔''

محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ مجھ سے ابو اسحاق بن یسار نے اور ان سے عُبادہ بن ولید بن عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی تو عبداللہ بن اُبیّ نے ان کے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے کر انھیں بچانا شروع کر دیا۔ عبادہ بن صامت بھی، جن کا تعلق بنو عوف بن خزرج سے تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس سلسلے میں حاضر ہوئے تھے کیونکہ وہ بھی عبداللہ بن اُبیّ کی طرح ان کے حلیف تھے مگر انھوں نے ان کے حلیف بننے کو ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول کے دامن سے وابستگی کو اختیار کر لیا تھا اور بارگاہ رسالت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کے پاس ان کا حلیف بننے سے اظہار برأت کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کا

اقرار کرتا ہوں اور کافروں کی دوستی سے انکار کرتا ہوں۔ سورۂ مائدہ کی ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ ﴾ تا ﴿ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ ﴾ (المآئدة 5:51-56) آیات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اُبی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 54-56

دین سے پھر جانے کی صورت میں سرزنش: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ اسے یہ عظیم الشان قدرت حاصل ہے کہ جو لوگ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی اقامت سے اعراض کریں گے تو ان کے بجائے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرما دے گا جو ان سے بہتر، ان سے زیادہ مضبوط اور ان کی نسبت زیادہ راہ راست پر ہوں گے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ ﴾ (محمد 47:38) ”اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (إبراهيم 14:19,20) ”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تم کو نیست و نابود کر دے اور (تمھاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں۔“ یعنی ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی دشوار اور مشکل نہیں ہے۔

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ ﴾ ”اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا۔“ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف لوٹ جائے گا، یہ خطاب عام ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ ﴿ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ ﴾ ”تو پھر اللہ جلد ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔“

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز ﴾ ”جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں، کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔“ یہ کامل مومنوں کی صفات ہیں کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کے لیے نرم اور اپنے دشمنوں کے لیے انتہائی سخت ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح 48:29) ”محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں، آپس میں رحم دل ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ کی شان میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ضَحُوک وقتّال ہیں۔[2] یعنی اپنے دوستوں کے سامنے بے حد تبسم فرمانے والے اور دشمنوں سے سخت جنگ کرنے والے۔

فرمان الٰہی: ﴿ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ﴾ ”اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت

[1] السيرة النبوية لابن هشام، أمر بني قينقاع:51/3-53 وتفسير ابن أبي حاتم:1155/4 ودلائل النبوة للبيهقي، باب غزوة بني قينقاع:174/3,175. [2] تفسير السمعاني: 396/5.

کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔'' یعنی اطاعتِ الٰہی، اقامتِ حدود، دشمنوں سے جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے انھیں کوئی چیز روک سکتی ہے نہ کسی ملامت گر کی ملامت کے ڈر سے وہ اسے ترک کر سکتے ہیں۔

امام احمد نے حضرت ابوذر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میرے دوست نبی اکرم ﷺ نے مجھے سات باتوں کا حکم دیا: (1) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں مسکینوں سے محبت کروں اور ان کے قریب رہوں۔ (2) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے سے کم تر کی طرف دیکھوں اور اپنے سے بالاتر کی طرف نہ دیکھوں۔ (3) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں رشتے داروں سے صلہ رحمی کروں، خواہ وہ مجھ سے قطع رحمی کریں۔ (4) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں۔ (5) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں، خواہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ (6) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں اور (7) آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں کثرت سے [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] پڑھتا رہوں کیونکہ ان کلمات کو عرش الٰہی کے خزانے سے نازل کیا گیا ہے۔[1]

صحیح حدیث میں ہے: [لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوا: وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ ؟ قَالَ: (يَتَعَرَّضُ) مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ] ''مومن کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ انھوں نے کہا: اپنے آپ کو ذلیل کیسے کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ایسی مصیبتیں اٹھالے جن کے اٹھانے کی اسے طاقت نہ ہو۔''[2]

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔'' ان صفات سے متصف ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) جاننے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ بے حد وحساب اور بے پایاں فضل وکرم والا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کون اس کے فضل کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی: ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ ''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں۔'' اور یہ یہودی تمھارے دوست نہیں ہیں بلکہ تمھارا دوستانہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، اس کے محبوب پیغمبر ﷺ اور مومنوں ہی سے ہونا چاہیے۔ اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ ''جو نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' ان صفات کے حامل مومن نماز قائم کرتے ہیں جو ارکان اسلام میں سے سب سے بڑا رکن ہے کیونکہ یہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں جو مخلوق کا حق اور محتاجوں اور مسکینوں کی مدد ہے۔ سو فرمان الٰہی: ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ ''اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔''

---

[1] مسند أحمد:159/5 والمعجم الأوسط للطبراني:297/6، حديث:5635 . [2] جامع الترمذي، الفتن، باب لايتعرض من البلاء لما لا يطيق، حديث:2254 ومسند أحمد:405/5 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالى: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ...... ﴾ الآية (المآئدة5:105)، حديث:4016 وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 613 تفسیر ابن کثیر میں [يتعرض] کی جگہ [يَتَحَمَّلُ] ہے لیکن یہ ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَکُمۡ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بنالیا ہے، ان لوگوں میں سے جنھیں تم سے پہلے

الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَالۡکُفَّارَ اَوۡلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿57﴾ وَاِذَا نَادَیۡتُمۡ

کتاب دی گئی تھی اور جو کافر ہیں۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو ﴿57﴾ اور جب تم انھیں نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنالیتے

اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿58﴾

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے ﴿58﴾

بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ یہ جملہ ﴿ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ ﴾ نحوی لحاظ سے حال بن رہا ہے، یعنی وہ حالت رکوع میں زکاۃ ادا کرتے ہیں۔ اگر اس کا یہ مفہوم ہوتا تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حالت رکوع میں زکاۃ ادا کرنا افضل ہے کیونکہ اس کی یہاں تعریف کی گئی ہے لیکن علماء اور ائمۂ فتویٰ میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کہا، لہٰذا اس جملے: ﴿ وَھُمۡ رٰکِعُوۡنَ ﴿55﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان فرض نمازوں کو باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے صدقات وخیرات کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کرتے ہیں۔

ان آیات کی شانِ نزول: قبل ازیں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ تمام آیات حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب انھوں نے یہودیوں کے حلف سے برأت کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی پر رضامندی کا اظہار کیا تھا، اسی لیے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿56﴾ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) یقیناً اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○ لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَھُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَھُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَھُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَھُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَیُدۡخِلُھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○ ﴾ (المجادلۃ 22,21:58) ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ زور آور (اور) بڑا زبردست ہے جو لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھیں گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے خوش۔ یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) جان لو! کہ اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔''

ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کی دوستی سے راضی ہو جائے تو وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہے، اسی لیے تو اس نے اس آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) یقیناً اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔''

تفسیر آیات: 58,57

کافروں کی دوستی سے ممانعت: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن یہود و نصاریٰ اور ان مشرکین کی دوستی سے نفرت دلائی ہے جو دنیا کے سب سے افضل عمل، یعنی اسلامی شریعت مطہرہ و محکمہ پر جو دنیا و آخرت کی ہر خیر و بھلائی پر مشتمل ہے، عمل کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنی فاسد رائے اور جامد فکر کے مطابق اسے ہنسی اور کھیل قرار دیتے ہیں۔

اور ارشادِ الٰہی: ﴿ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ ﴾ ''جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (ان کو) اور کافروں کو۔'' یہاں حرف جار مِنْ بیان جنس کے لیے ہے جیسا کہ ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ﴾ (الحج 30:22) ''لہٰذا تم بتوں کی پلیدی سے بچو۔'' میں بھی حرف جار مِنْ بیان جنس کے لیے ہے۔ وَالْكُفَّارِ کو بعض نے عطف کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے اور دوسروں نے اسے ﴿ لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ کا معمول ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ گویا اصل عبارت اس طرح تھی کہ وَلَا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ یعنی نہ اہل کتاب کو دوست بناؤ اور نہ کفار کو، کفار سے یہاں مشرکین مراد ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں بھی ایسے ہے جیسا کہ امام ابن جریر نے روایت کیا ہے: [لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا].[1]

ارشادِ الٰہی: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔'' اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کو جو تمھارے اور تمھارے دین کے دشمن ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ اگر تم اللہ کی اس شریعت پر ایمان رکھتے ہو جسے انھوں نے ہنسی مذاق قرار دے رکھا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴾ (آل عمران 28:3) ''مومنوں کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں، ہاں! اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف (تم کو) لوٹنا ہے۔''

کفار کا نماز اور اذان کا مذاق اڑانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ﴾

[1] تفسیر الطبری: 392/6.

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو (چیز) ہماری طرف نازل کی گئی اور (ہم سے)

مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿59﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ

پہلے نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان ہیں﴿59﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں (اس شخص کے بارے میں)

مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ

نہ بتادوں جو جزا کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک اس سے بھی بدتر ہے؟ یہ وہ شخص ہے کہ اللہ نے اس پر لعنت کی اور اس پر اپنا غضب نازل کیا، اور ان میں

وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿60﴾

سے بعض کو بندر اور سؤر بنا دیا، اور اس شخص نے شیطان کی بندگی کی، وہی لوگ بدتر درجے میں ہیں اور سیدھی راہ سے وہ سب سے زیادہ گمراہ ہیں﴿60﴾

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ

اور جب وہ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ کفر کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ نکل

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿61﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

گئے اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں﴿61﴾ اور آپ ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ گناہ، زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی

وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿62﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ

کرتے ہیں، بہت برا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں﴿62﴾ رب والے اور ان کے علماء انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بہت برا

الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿63﴾

ہے جو کچھ وہ (اپنے لیے) تیار کر رہے ہیں﴿63﴾

"اور جب تم لوگ نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔" یعنی جب تم نماز کے لیے جو عقل و علم والوں کے لیے سب سے افضل عمل ہے، اذان دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور یہ اس لیے کہ یہ سمجھ نہیں رکھتے، اللہ کی عبادت اور اس کی شریعت کے معانی کو نہیں سمجھتے اور یہ اس شیطان کے پیروکار ہیں، [إِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ أَدْبَرَ (وَلَهُ حُصَاصٌ) أَيْ ضُرَاطٌ، حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّأْذِينُ أَقْبَلَ، (فَإِذَا) ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، فَإِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ (قَلْبِهِ) فَيَقُولُ: اُذْكُرْ كَذَا، اُذْكُرْ كَذَا، لِمَا لَمْ يَكُنْ يَّذْكُرُ (قَبْلُ) حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلّٰى، (فَإِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ) (قَبْلَ السَّلَامِ)]

"جب اذان سنتا ہے تو (شیطان) بھاگ اٹھتا ہے حتی کہ اس کی ہوا خارج ہونے لگتی ہے تاکہ اذان کو سن نہ سکے لیکن جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو وہ پھر آ جاتا ہے اور جب نماز کے لیے اقامت ہونے لگتی ہے تو پھر بھاگ اٹھتا ہے اور جب اقامت ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے اور نماز پڑھنے والے آدمی کے دل میں وسوسے پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات یاد کرو، وہ بات یاد کرو، ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے جو پہلے بھولی بسری ہوتی ہیں۔ (اور آدمی ان باتوں میں اس طرح کھو جاتا ہے کہ)

اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں ، چنانچہ جب کسی کو اس طرح کی صورت حال پیش آئے تو وہ سلام سے پہلے دو سجدے کر لے۔''[1]

امام زہری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اذان کا بھی ذکر فرمایا ہے، پھر انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔[2] اسے ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

تفسیر آیات: 59-63

اہل کتاب کا ایمان کی وجہ سے مومنوں کو برا سمجھنا: اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اہل کتاب کے ان لوگوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے آپ کے دین کو ہنسی مذاق بنایا ہے: ﴿هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''کیا تم ہم سے صرف اس وجہ سے ناراض ہوتے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو (چیز) ہماری طرف نازل کی گئی اور جو (کتابیں) پہلے نازل کی گئی ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں؟'' اس کے سوا تمھیں ہم پر کوئی اور اعتراض ہے یا اس کے سوا ہمارا کوئی اور قصور؟ حالانکہ یہ کوئی عیب یا قابل مذمت بات نہیں ہے، گویا یہاں یہ استثناء منقطع ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے: ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (البروج 85:8) ''اور ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (التوبة 9:74) ''اور انھوں نے اس بات کا غصہ نکالا کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے (اپنی مہربانی سے) ان کو دولت مند کر دیا تھا۔'' متفق علیہ حدیث میں ہے کہ [مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيلٍ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فَقِيرًا فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ] ''ابن جمیل تو اس وجہ سے انکار کرتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو (اب) اللہ نے اسے دولت مند بنا دیا ہے۔''[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''اور بے شک تم میں اکثر بدکردار ہیں۔'' یہ ﴿اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ﴾ پر عطف ہے، یعنی ہم اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ تم میں سے اکثر لوگ بدکردار ہیں، یعنی سیدھے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اہل کتاب روز قیامت بدترین عذاب کے مستحق ہوں گے: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

[1] صحیح البخاری، الأذان، باب فضل التأذین، حدیث: 608 والسھو، باب السھو فی الفرض والتطوع، حدیث: 1232 وصحیح مسلم، الصلاة، باب فضل الأذان وھرب الشیطان عند سماعه، حدیث: (19)-389 کتب احادیث میں إذا سمع الأذان کے الفاظ اس مقام پر بایں الفاظ منقول ہیں: [إِنَّ الشَّيْطَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ] یا [إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ] اور قوسین والے الفاظ علی الترتیب درج ذیل حوالوں میں دیکھیے صحیح مسلم، حدیث: (17)-389 وسنن النسائی، السھو، باب التحری، حدیث: 1254 وصحیح مسلم، المساجد، باب السھو فی الصلاة والسجود له، حدیث: (82)-389 بعد الحدیث: 569 وصحیح مسلم، حدیث: (88)-571. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1164/4. [3] صحیح البخاری، الزکاة، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9:60)، حدیث: 1468 وصحیح مسلم، الزکاة، باب فی تقدیم الزکاة ومنعھا، حدیث: 983.

﴿ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تمھیں (ان لوگوں کے بارے میں) نہ بتاؤں کہ جو اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے ہیں؟'' یعنی تم تو ہمارے بارے میں بدگمانی کرتے ہو لیکن کیا میں تمھیں بتاؤں کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بدترین سزا کسے ملے گی؟ یقیناً وہ تمھی ہو کہ جن کی صفات اللہ نے یوں بیان فرمائی ہیں: ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ﴾ ''جن پر اللہ نے لعنت کی۔'' یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ﴿وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ ''اور جس پر وہ غضب ناک ہوا۔'' ایسا غضب ناک کہ اس کے بعد پھر وہ کبھی بھی ان سے راضی نہیں ہوگا۔ ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ﴾ ''اور (جن کو) ان میں سے بندر اور سؤر بنا دیا۔'' جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔[1] نیز سورۂ اعراف میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔[2]

امام سفیان ثوری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بندروں اور سؤروں کے بارے میں پوچھا گیا: کیا یہ وہی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُهْلِكْ قَوْمًا أَوْ يَمْسَخْ قَوْمًا،فَيَجْعَلَ لَهُمْ نَسْلًا وَّلَا عَقِبًا] ، [وَّ إِنَّ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو بھی ہلاک کیا یا مسخ کیا تو ان کی نسل پھیلی اور نہ کوئی (ان کا) جانشین بنا اور بے شک بندر اور سؤر تو ان مسخ ہونے والے لوگوں سے پہلے بھی تھے۔''[3]

ارشاد الٰہی: ﴿وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾ اور یعنی ان میں سے شیطان کے خدام اور غلام بنا دیے۔ معنی یہ ہیں کہ اے اہل کتاب! تم ہمارے دین پر تو طعن کرتے ہو جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور ماسوا کے بجائے محض اسی کے لیے عبادات کا نام ہے تو تمھیں یہ باتیں کیسے زیب دیتی ہیں، حالانکہ تم میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا﴾ ''ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی تم تو ہمارے بارے میں کہتے ہو مگر درحقیقت یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بہت برا ہوگا۔ ﴿وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾﴾ ''اور وہ سیدھے رستے سے سب سے گمراہ ہیں۔'' یہاں اسم تفضیل کے صیغے کا استعمال اس قبیل سے ہے جہاں دوسری طرف مشارکت نہیں ہوتی جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے: ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝﴾ (الفرقان 24:25) ''اس دن اہل جنت کا ٹھکانا بھی بہتر ہوگا اور مقام قیلولہ بھی خوب ہوگا۔''

ایمان ظاہر کرنا اور کفر چھپانا منافقوں کی عادت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ﴾ ''اور جب یہ لوگ تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے،

---

[1] دیکھیے البقرة، آیت: 65 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر، آیت: 164 کے ذیل میں۔ [3] صحيح مسلم، القدر، باب بيان أن الآجال والأرزاق وغيرها......، حديث:(33)-2663 وتحفة الأخيار(مشكل الآثار)، التفسير، باب بيان مشكل ماروى عن رسول الله في القردة والخنازير......:336/8 ، حديث:6004 و مسند أحمد:413/1 . اس حدیث کا پہلا حصہ تحفة الأخيار کے مطابق اور دوسرا حصہ صحیح مسلم کے مطابق ہے۔

حالانکہ وہ کفر لے کر داخل ہوئے تھے اور وہ اسی کے ساتھ نکل گئے۔'' یہ منافقوں کی نشانی ہے کہ مومنوں کو دھوکا دینے کے لیے ایمان کا اظہار کرتے ہیں لیکن دلوں میں کفر چھپائے ہوتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ ﴾ ''حالانکہ یہ کفر لے کر (آپ کے پاس) داخل ہوئے تھے۔'' اور جب آپ کے پاس سے واپس جاتے ہیں تو اس وقت بھی ان کے دلوں میں کفر چھپا ہوتا ہے، آپ سے انھوں نے جو علم سنا ہوتا ہے، اس سے یہ قطعاً کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور نہ ہی وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ﴾ ''اور وہ اسی کو لے کر نکل گئے تھے۔'' اور یہ بطور خاص انھی کی نشانی ہے۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿61﴾ ﴾ ''اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں، اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان کی مخفی باتوں اور ان کے دلوں کی کیفیتوں کو خوب جانتا ہے، خواہ لوگوں کے سامنے یہ حقیقت کے خلاف ہی اظہار کیوں نہ کریں مگر اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ ان کے بارے میں خود ان سے بھی زیادہ بہتر جانتا ہے اور وہ انھیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ ﴾ ''اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں۔'' گناہوں کا ارتکاب کرنے، حرام کاموں کے اختیار کرنے، لوگوں پر زیادتی کرنے اور لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھانے میں یہ بہت جلدی کرتے ہیں۔ ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿62﴾ ﴾ ''بے شک بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' ان کا عمل بہت برا عمل اور ان کی زیادتی بدترین زیادتی ہے۔

علماء و مشائخ کو سرزنش: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿63﴾ ﴾ ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انھیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بلاشبہ وہ بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' یعنی مشائخ اور علماء کو چاہیے تھا کہ وہ انھیں ان کاموں سے روکتے۔ ربانیوں سے ان کے صاحب اقتدار علماء اور احبار سے صرف علماء مراد ہیں۔ ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿62﴾ ﴾ ''بلاشبہ وہ بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھیں ان کاموں سے منع نہ کرنے کی وجہ سے ان کے مشائخ اور علماء بھی برا کرتے تھے۔[1] امام ابن جریر نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی اور ایسی آیت نہیں جس میں اس سے بڑھ کر سرزنش کی گئی ہو۔[2]

امام ابن ابوحاتم نے یحییٰ بن یَعْمُر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لیے تباہ و برباد ہوئے کہ انھوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا اور ان کے مشائخ و علماء نے انھیں منع نہ کیا اور جب وہ گناہوں میں بری طرح مبتلا ہو گئے تو سزاؤں نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، لہٰذا تم نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے منع کیا کرو، قبل اس کے کہ تم پر بھی کوئی ایسا عذاب نازل ہو جیسا کہ ان پر نازل ہوا تھا، یاد رکھو! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

[1] تفسير الطبرى:403/6. [2] تفسير الطبرى:403/6.

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

اور یہودیوں نے کہا: ''اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔'' بندھ گئے انھی کے ہاتھ، اور لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول (ان کی اس بکواس) کی وجہ سے، بلکہ اللہ کے

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ

تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، ان میں

وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ

سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں ضرور اضافے کا باعث بنے گا۔ اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی

أَطْفَأَهَا اللّٰهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿64﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ

وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿64﴾ اور اگر اہل کتاب

الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿65﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ

ایمان لے آئیں اور پرہیزگاری اختیار کرلیں تو یقیناً ہم ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں گے اور انھیں نعمت والے باغوں میں ضرور داخل کریں گے ﴿65﴾

أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ

اور اگر یقیناً وہ تورات اور انجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے

أَرْجُلِهِم ۚ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿66﴾

پاؤں کے نیچے سے (وافر رزق) کھاتے، ان میں سے ایک گروہ درمیانی راہ چلنے والا ہے۔ اور ان میں سے زیادہ تر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں وہ برا ہے﴿66﴾

سے نہ تو کسی کے رزق میں کمی آسکتی ہے اور نہ اس سے کسی کی موت قریب ہو سکتی ہے۔[1]

امام احمد نے جریر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ قَوْمٍ يَّكُونُ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ مَّنْ يَّعْمَلُ بِالْمَعَاصِي هُمْ أَعَزُّ مِنْهُ وَأَمْنَعُ ، لَمْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ بِعِقَابٍ] ''جس قوم میں کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور وہ اس سے زیادہ معزز اور زیادہ طاقت ور ہونے کے باوجود اسے گناہوں سے منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔''[2] اس روایت کو اس طرح صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے۔

امام ابوداود نے بھی حضرت جریر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا کہ [مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّكُونُ فِي قَوْمٍ يُّعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي ، يَقْدِرُونَ عَلٰى أَنْ يُّغَيِّرُوا عَلَيْهِ ، فَلَا يُغَيِّرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّمُوتُوا] ''جب کوئی شخص کسی قوم میں معاصی کا ارتکاب کرے اور وہ اسے منع کرنے کی قدرت تو رکھتے ہوں مگر منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ انھیں ان کے مرنے سے پہلے ضرور اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔''[3]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1166/4، 1167. [2] مسند أحمد: 363/4. [3] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4339 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث: 4009.

تفسیر آیات:64-66

یہودیوں کا قول کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے: اللہ تعالیٰ یہودیوں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک مسلسل لعنت ہو۔ کے بارے میں فرما رہا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کی ہے جس سے اس کی ذات پاک بہت بلند و بالا ہے اور وہ یہ کہ وہ بخیل ہے جیسا کہ ان ملعونوں نے یہ بھی کہا کہ اللہ فقیر ہے مگر ہم دولت مند ہیں، اللہ تعالیٰ کو بخیل قرار دیتے ہوئے انھوں نے کہا: ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ ''کہ اللہ کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے۔''

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ سے ان کی یہ مراد نہیں تھی کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے بلکہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ بخیل ہے اور اس کے پاس جو کچھ ہے اس کو اس نے روک رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] اور جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی مفہوم ہے: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:29) ''اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سبھی کچھ دے دو اور انجام یہ ہو) کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بخل اور تبذیر سے منع کیا ہے، تبذیر یہ ہے کہ غیر محل میں زیادہ خرچ کیا جائے۔ ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ کہنے سے یہودیوں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت۔ کی یہی مراد تھی کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ یہ آیت فِنحاص یہودی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] عَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ. اسی ملعون نے یہ کہا تھا کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ (آل عمران 3:181) اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند۔'' اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے مارا بھی تھا۔[3] اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے ان کے کذب و افتراء کے جواب میں فرمایا: ﴿ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ﴾ ''انھیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت کی گئی۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بخل، حسد، بزدلی اور ذلت میں بے حد بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:53، 54) ''کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟ تب تو لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی نہ دیں گے یا جو اللہ نے لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کا حسد کرتے ہیں؟ تو تحقیق ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب اور دانائی عنایت فرمائی تھی اور انھیں سلطنت عظیم بھی بخشی تھی۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[1] تفسیر الطبری:405/6 وتفسیر ابن أبی حاتم:1167/4. [2] تفسیر الطبری:405/6. [3] تفسیر الطبری:258/4 وتفسیر ابن أبی حاتم:829/3.

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ...... الآیة (البقرة 2:61) ''ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔''

اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ ﴾ ''بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح (اور جتنا) چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔'' یعنی وہ بے پایاں فضل وکرم کا مالک اور بے حد وحساب عطا فرمانے والا ہے، ہر چیز کے اس کے پاس بے پناہ خزانے ہیں، اس کی مخلوق کو جو بھی نعمت حاصل ہے، وہ اسی وحدہ لاشریک ہی کے پاس سے ہے، اس نے ہماری ضرورت کی ہر اس چیز کو پیدا فرمایا ہے جس کی ہمیں رات دن، حضر وسفر اور تمام حالات میں ضرورت تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ (إبراهيم 14:34) ''اور جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس نے ہر وہ چیز تم کو عنایت کی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے۔ کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے عبدالرزاق از مَعْمَر از ہمّام بن مُنَبِّہ کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ يَمِينَ اللّٰهِ مَلْأَى، لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَمِينِهِ قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْقَبْضُ يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ (وَقَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنْفِقْ، أُنْفِقْ عَلَيْكَ)] ''بے شک اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کر سکتا، کیا تم نے دیکھا کہ اس نے جب سے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے، اس کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کر سکا جو اس کے دائیں ہاتھ میں ہے۔ اور فرمایا اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں قبضہ ہے جس کے ساتھ وہ بلند اور پست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''[1] اسے امام بخاری اور مسلم رحمہم اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

قرآن مجید کے نزول سے یہود کی سرکشی وکفر میں اضافہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ ﴾ ''اور (اے نبی!) جو (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا، وہ ان میں سے اکثر کی سرکشی اور تکذیب کو زیادہ کرے گا۔'' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ نے آپ کو جو نعمت عطا فرمائی ہے، یہ آپ کے دشمن یہودیوں وغیرہ کے حق میں سزا ہے، اس سے جس طرح مومنوں کی تصدیق، عمل صالح اور علم نافع میں اضافہ ہوتا ہے، اس طرح آپ اور آپ کی امت سے حسد کرنے والوں کی سرکشی وکفر میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ طغیان کے معنی اشیاء میں حد سے

---

① مسند أحمد: 2/313، البتہ توسین والے الفاظ صحیحین میں اسی حدیث کی ابتدا میں وارد ہیں۔ ② صحیح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (هود 11:7)، حديث: 4684 وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على النفقة ......، حديث: 993.

بڑھ جانا اور کفر کے معنی تکذیب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:44) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا پن ہے یہ لوگ (جو حق بات نہیں سنتے گویا) دور جگہ سے پکارے جا رہے ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:82) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ''اور ہم نے ان کے باہم عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا ہے۔'' یعنی ان کے دل کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے بعض فرقوں کی بعض کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک کے لیے عداوت رہے گی کیونکہ یہ حق پر کبھی بھی اکٹھے ہو ہی نہیں سکتے، پھر انھوں نے آپ کی مخالفت و تکذیب بھی کی ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ ﴾ ''یہ جب لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔'' یعنی آپ کے خلاف انھوں نے جب بھی اسباب مہیا کیے اور آپ کے خلاف انھوں نے جب بھی لڑائی کی تو اللہ نے اسے باطل کر دیا اور ان کے مکر و فریب کو رد کر دیا اور ان کے بدترین مکر و فریب نے خود انھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ﴿ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝۶۴ ﴾ ''اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی ان کی عادت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ زمین میں فساد برپا کرتے رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اہل کتاب اپنی کتاب کے مطابق عمل کر کے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا ﴾ ''اور یقیناً اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے۔'' یعنی اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے اور گناہوں اور حرام کاموں کے ارتکاب سے پرہیز کرتے ﴿ لَكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ۝۶۵ ﴾ ''تو ہم ان سے ان کے گناہ محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔'' ان سے ناپسندیدہ امور کو زائل کر دیتے اور انھیں مقصود تک پہنچا دیتے۔ ﴿ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ﴾ ''اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اور کتابوں سے مراد قرآن مجید ہے۔[1]

﴿ لَاَكَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ ؕ ﴾ ''تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:4/1170 .

يَأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ

اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس کی پیغمبری

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿67﴾

کا حق ادا نہ کیا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا، اور بلاشبہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿67﴾

نیچے سے کھاتے۔" اگر یہ ان کتابوں کے مطابق کسی تحریف وتغیر اور تبدیلی کے بغیر صحیح صحیح عمل کرتے جو انبیاء کی طرف سے ان کے ہاتھوں میں موجود ہیں تو یہ بات یقینی طور پر انھیں اتباع حق اور اس شریعت کے تقاضے کے مطابق عمل کی طرف لے جاتی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے کیونکہ ان کی کتابیں آپ کی تصدیق اور آپ کی اتباع کے حکم سے بھری ہوئی ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ؕ﴾ "اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔" یعنی اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھانے سے، آسمان سے برسنے والے اور زمین سے اگنے والے رزق کی فراوانی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الأعراف 96:7) "اور اگر بے شک ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔"

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿66﴾﴾ "ان میں کچھ لوگ میانہ رو ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسٰى أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُونَ ○﴾ (الأعراف 159:7) "اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا رستہ بتاتے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔" اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے بارے میں فرمایا: ﴿فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۚ﴾ (الحدید 27:57) "پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے میانہ روی کو ان لوگوں کے مقامات میں سے سب سے اعلیٰ درجہ قرار دیا ہے جبکہ اس امت کے مقامات میں سے یہ درمیانہ درجہ ہے کیونکہ اس سے اوپر کا درجہ سابقین کا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ○﴾ (فاطر 33,32:35) "پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں، یہی بڑا فضل ہے (ان لوگوں کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس

(جنت) میں ان کی پوشاک ریشمی ہوگی۔''

تفسیر آیت:67

تبلیغ کا حکم اور معصیت پر وعید: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کو یہاں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾ کے نام سے مخاطب فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ وہ سب کچھ لوگوں کو پہنچا دیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ آپ نے بھی اس ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے وحی الٰہی میں سے کچھ چھپایا ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ...... ﴾ الآية ''اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دیں......'' امام بخاری نے اس روایت کو یہاں مختصر اور صحیح کے دیگر کئی مقامات پر تفصیل سے بھی بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی اسے صحیح کی کتاب الإیمان میں اور امام ترمذی اور نسائی نے اپنی اپنی ''سنن'' کی کتاب التفسیر میں بیان فرمایا ہے۔[1]

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ اگر حضرت محمد ﷺ نے کسی آیت کو چھپایا ہوتا تو وہ اس آیت کریمہ کو ضرور چھپا لیتے: ﴿ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ ﴾ (الأحزاب 37:33) ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری کا بھی یہ قول بیان کیا ہے کہ اللہ کے ذمے پیغام بھیجنا، رسول کے ذمے اسے لوگوں تک پہنچا دینا اور ہمارے ذمے اسے تسلیم کرنا ہے۔[3] آپ کی امت نے بھی اس وقت اس بات کی گواہی دی تھی کہ آپ نے اللہ کے پیغام کو امت تک پہنچا دیا اور امانت کو ادا فرما دیا ہے۔ جب آپ نے حجۃ الوداع کے دن خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے، اپنی زندگی کے سب سے بڑے اجتماع میں ان سے یہ پوچھا تھا۔ اس اجتماع میں چالیس ہزار کے قریب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جمع تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنے خطبے میں ارشاد

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ﴾ (المآئدة 67:5)، حدیث: 4612 وصحیح مسلم، الإیمان، باب معنی قول اللہ عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ...... ﴾ (النجم 13:53)، حدیث: 177 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حدیث: 3068 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، قوله تعالیٰ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ ﴾: 336,335/6 حدیث: 11147. [2] صحیح البخاری، التوحید، باب ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ ﴾ (هود 7:11) ......، حدیث: 7420 عن أنس رضی اللہ عنہ. وصحیح مسلم، الإیمان، باب معنیٰ قول اللہ عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ ﴾ (النجم 13:53)، حدیث: (288)-177. [3] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ ﴾، تعلیقا قبل حدیث: 7530 .

فرمایا:[أَنْتُمْ تُسأَلُونَ عَنِّی، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ ، فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَ يَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ]''تم سے میرے بارے میں بھی پوچھا جائے گا تو کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم سب یہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے پیغام رسالت کو پہنچا دیا، ادا فرما دیا اور امت کی ہمدردی وخیر خواہی فرمائی تو آپ اپنی انگلی مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے اور اس کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے: [اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ! هَلْ بَلَّغْتُ؟]''اے اللہ! کیا میں نے (تیرے پیغام کو) پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ! کیا میں نے (تیرے پیغام کو) پہنچا دیا ہے؟''[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط ﴾''اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اس (اللہ) کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔''یعنی اگر آپ اسے لوگوں تک نہ پہنچائیں گے جس کے ساتھ ہم نے آپ کو بھیجا ہے تو پھر معلوم ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت کو بھی چھپایا تو آپ نے گویا اللہ کے پیغام کو نہ پہنچایا۔[2]

فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط ﴾''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے رکھے گا۔''یعنی تم میرے پیغام کو پہنچا دو، میں تمھارا حافظ وناصر ہوں، دشمنوں کے مقابلے میں تمھیں فتح ونصرت سے سرفراز کروں گا تم کسی قسم کا خوف وحزن دل میں نہ لاؤ، آپ کے دشمنوں میں سے کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا، اس آیت کے نزول سے قبل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

جیسا کہ امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار رہے اور میں بھی آپ کے پاس ہی لیٹی ہوئی تھی، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا:[لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِّنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِيَ اللَّيْلَةَ]''اے کاش! کوئی نیک صحابی آج رات میری حفاظت کرے۔''ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ میں نے ہتھیار کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا:[مَنْ هٰذَا؟]''کون ہے؟''آنے والے نے عرض کی: میں سعد بن مالک[3] ہوں، فرمایا:[مَاجَاءَ بِكَ؟]''کیسے آنا ہوا؟''اس نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں آیا ہوں کہ (آج رات) آپ کا پہرہ دوں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے سو گئے حتی کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔[4] اسے بخاری ومسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[5] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ مدینہ میں آمد کے بعد ایک

---

[1] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث:1218 اس حدیث کا آخری حصہ صحیح البخاری، الحج، باب الخطبة أیام منی، حدیث:1739 مطوّلاً کے مطابق ہے۔ [2] تفسیر الطبری:414/6 . [3] صحیح بخاری ومسلم میں ابووقاص ہے جو مالک ہی کی کنیت ہے۔ [4] مسند أحمد:141/6. [5] صحیح البخاری، الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللّٰه، حدیث:2885 وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص ﷺ، حدیث:2410.

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم تورات وانجیل اور اپنی طرف اپنے رب کی طرف سے نازل

مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ

کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے لگو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، ان میں سے

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿68﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ

اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بنے گا، اور آپ کافروں کی قوم کا غم نہ کھائیں ﴿68﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ

وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

یہودی ہوئے اور صابی (بے دین) اور نصاریٰ، ان میں سے جو بھی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ان پر کوئی خوف نہیں

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿69﴾

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿69﴾

رات بیدار رہے۔[1] یعنی ہجرت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بعد سن 3 ہجری کا واقعہ ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہرے کا انتظام کیا جاتا تھا حتی کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ ''اور اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے بچائے رکھے گا۔'' تو آپ نے قبے سے سر مبارک نکالا اور فرمایا: [يَاأَيُّهَا النَّاسُ! اِنْصَرِفُوا، فَقَدْ عَصَمَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ] ''لوگو! تم چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ مجھے بچائے گا۔''[2] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔[3] امام ابن جریر اور امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[4]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''بے شک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' یعنی آپ پیغامِ الٰہی کو بس پہنچا دیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے کہ جسے چاہے ہدایت فرمائے اور جسے چاہے گمراہ رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (البقرۃ 272:2) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں اور لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ ﴾ (الرعد 40:13) ''تو آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کو) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''

تفسیر آیات: 69,68

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، حديث: (40)-2410. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1174,1173/4. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث: 3046. [4] تفسير الطبري: 415/6 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة المائدة: 313/2، حديث: 3221.

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف کئی رسول بھیجے۔ جب ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز لے کر آیا جسے ان کے

بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ

نفس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض نبیوں کو انھوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل ہی کر دیتے تھے ﴿70﴾ اور ان لوگوں کا خیال تھا کہ (ان کی) کوئی آزمائش نہ

فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

ہوگی، چنانچہ وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ ان پر مہربان ہوا، مگر ان میں سے زیادہ تر لوگ پھر اندھے اور بہرے ہوگئے، اور اللہ خوب دیکھنے

بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿71﴾

والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿71﴾

قرآن کے ساتھ ایمان کے بغیر نجات نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ اعلان فرما دیں: ﴿ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے۔'' یعنی تم کچھ بھی دین پر نہیں ہو سکتے جب تک تم تورات وانجیل کو قائم نہ رکھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام پر نازل ہونے والی تمام کتابوں کے ساتھ ایمان نہ لاؤ اور ان کے مطابق عمل نہ کرو اور انھی کتابوں میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرو، ان پر ایمان لاؤ اور ان کی شریعت کی اقتدا کرو۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ﴾ ''اور (یہ قرآن) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ ان میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر ضرور زیادہ کرے گا۔'' اس جملے کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[1]

﴿ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿68﴾ ﴾ یعنی آپ ان کافروں پر افسوس نہ کریں اور ان کی وجہ سے غم نہ کھائیں، پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ پر ایمان لائے۔'' اور وہ مسلمان ہیں۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ هَادُوْا ﴾ ''اور جو لوگ یہودی ہوئے'' حاملین تورات ﴿ وَالصّٰبِـُٔوْنَ ﴾ ''اور بے دین'' فاصلہ طویل ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ عطف یہاں بہت موزوں ہے۔ امام مجاہد کے بقول صابی، عیسائیوں اور مجوسیوں کے درمیان ایک ایسا گروہ تھا جس کا کوئی دین نہ تھا۔[2] اور ﴿ وَالنَّصٰرٰی ﴾ تو مشہور ہی ہیں کہ ان سے مراد حاملین انجیل ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ ہر وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اور ایسا اس وقت تک ہو نہیں سکتا جب تک تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو جو شخص بھی ان اوصاف سے متصف ہوگا، اسے نہ مستقبل میں کوئی خوف ہوگا اور نہ اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی دنیا کا کوئی

[1] دیکھیے المائدۃ، آیت: 64 عنوان: ''قرآن مجید سے یہودیوں کی سرکشی وکفر میں اضافہ'' کے ذیل میں۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1175/4.

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل ! تم اللہ کی

اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے، بے شک جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اور اس

وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿72﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ

کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں﴿72﴾ یقیناً کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا: بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔

ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ

وقف لازم

اور کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ

ضرور دردناک عذاب ملے گا ﴿73﴾ پھر کیا وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے ؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿74﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ

رحم کرنے والا ہے ﴿74﴾ مسیح ابن مریم نہیں ہیں مگر ایک رسول ہی۔ بلاشبہ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں ، اور ان کی ماں

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ

صدیقہ (نہایت راستباز) تھی، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھیں ہم ان کے لیے کیسی کیسی نشانیاں بیان کرتے ہیں ، پھر دیکھیں

اُنْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾

وہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں! ﴿75﴾

غم۔ سورۂ بقرہ کی اس طرح کی ایک آیت میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 71,70

اللہ تعالیٰ ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت بجالائیں گے مگر انھوں نے اس عہد و پیمان کو توڑ کر اپنی آراء اور خواہشات کی پیروی کی اور انھیں اللہ کی شریعتوں سے مقدم قرار دیا، شریعتوں کی جو بات ان کی خواہشات کے مطابق تھی اسے لے لیا اور جو مطابق نہ تھی اسے بلا دریغ رد کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿70﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ﴾ ’’جب بھی کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان کی) کوئی آزمائش نہیں ہوگی تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔‘‘ یعنی انھوں نے یہ خیال کیا کہ ان کے کرتوتوں

[1] دیکھیے آیت: 62 کے ذیل میں۔

کی وجہ سے ان پر کوئی آفت نہیں آئے گی، چنانچہ آفت آن پڑی اور ان کا حال یہ ہوا کہ وہ حق سے اندھے بہرے ہو گئے کہ یہ حق کو سن ہی نہیں سکتے اور نہ اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ ﴿ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے حالات سے مطلع ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور گمراہی کا مستحق کون؟

تفسیر آیات:72-75

عیسائیوں کا کفر اور حضرت مسیح کی دعوتِ توحید: اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے ان فرقوں مَلکیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ کو کافر قرار دیا ہے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ مسیح اللہ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو خود بھی ان سے فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پنگوڑے میں انھوں نے سب سے پہلے جو بات کی تھی وہ یہی تھی: ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ ﴾ (مریم 30:19) ''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں اللہ یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ فرمایا: ﴿ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ﴾ (مریم 30:19) ''بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔'' اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ ﴾ (مریم 36:19) ''اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔'' اسی طرح انھوں نے حالتِ کہولت و نبوت میں بھی انھیں اپنے اور ان کے رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا تھا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا پروردگار ہے اور تمھارا بھی پالن ہار۔ (اور جان رکھو کہ) بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا۔'' یعنی اس کے ساتھ غیر کی عبادت کرے گا۔ ﴿ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ ﴾ ''تو یقیناً اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' یعنی اللہ نے ان کے لیے جہنم کو واجب اور جنت کو حرام قرار دے دیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (النسآء 116:4) ''بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴾ (الأعراف 50:7) ''اور دوزخی بہشتیوں سے پکار کر کہیں گے کہ (کسی قدر) ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمھیں عنایت فرمایا ہے ان میں سے (کچھ ہمیں بھی دو) وہ جواب دیں گے کہ بے شک اللہ نے بہشت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ لوگوں میں جا کر یہ اعلان کر دے:[أَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُّسْلِمَةٌ] ''جنت میں صرف مسلمان انسان ہی داخل ہو سکے گا۔''[1] اور ایک روایت میں [مُؤْمِنَةٌ] کا لفظ ہے۔''[2]
اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل سے کہا تھا: ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ﴾ ''بے شک جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو یقیناً اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا اور نہ اس کے عذاب سے اسے کوئی بچا سکے گا۔

ارشاد الٰہی: ﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ ﴾ ''البتہ تحقیق وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ بے شک اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔'' یہ آیت بطور خاص عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام مجاہد اور کئی ایک ائمہ نے فرمایا ہے۔[3] امام سُدّی وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ انھوں نے حضرت مسیح اور ان کی والدہ کو بھی الہ بنا دیا، یہ آیت ایسے ہے جیسے اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ ﴾ (المآئدة 5:116) ''اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو دو معبود بنا لو وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے۔''[4] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ ﴾ ''حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'' کیونکہ متعدد معبود نہیں ہیں بلکہ وہ وحدہ لاشریک ہی تمام کائنات اور ساری موجودات کا معبود ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''اور اگر یہ لوگ ایسے اقوال (و عقائد) سے باز نہیں آئیں گے۔'' اور اس کذب و افتراء کو ترک نہیں کریں گے۔ ﴿ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں ضرور دردناک عذاب ہوگا۔'' آخرت میں انھیں طوق اور زنجیریں پہنا کر جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ''تو یہ کیوں اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے بخشش نہیں مانگتے؟ اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق کے ساتھ جود و کرم اور لطف و رحمت کی انتہا ہے کہ اس عظیم گناہ اور کذب و افتراء کے باوجود وہ توبہ و استغفار

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب الحشر، حديث:6528 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون هذه الأمة نصف أهل النار، حديث:(377)-221 عن ابن مسعود ﷺ مطوّلا . [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة ، حديث:3092 و سنن النسائي، مناسك الحج، باب قوله عزوجل: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الأعراف7:31)، حديث:2961 عن علي ﷺ. البتہ اس لفظ کا سیاق مختلف ہے۔ [3] تفسير ابن أبي حاتم:1178/4 و الدرالمنثور:532/2 .
[4] تفسير ابن أبي حاتم:1179/4 و تفسير الطبري:423/6 .

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمھارے لیے نقصان اور نفع کا کوئی اختیار نہیں رکھتی؟ اور اللہ ہی تو خوب سننے والا،

الْعَلِيْمُ ﴿76﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ

خوب جاننے والا ہے ﴿76﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿77﴾ ع

گمراہ ہو چکے ہیں، اور انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بہک گئے ﴿77﴾

کی دعوت دے رہا ہے۔ اور جو شخص صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے۔

مسیح اللہ کے بندے اور ان کی ماں راست باز ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ ''مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے تحقیق ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔'' یعنی وہ بھی سابقہ تمام انبیائے کرام کی طرح بندگانِ الٰہی میں سے ایک بندے اور اس کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ (الزخرف 59:43) ''وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ہم نے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔'' ﴿ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۖ ﴾ ''اور ان کی والدہ صدیقہ (سچی فرمانبردار) تھی۔'' یعنی اللہ کے ساتھ ایمان لانے والی اور اس کی تصدیق کرنے والی تھیں اور یہ ان کے مقامات میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو نبوت نہیں ملی تھی۔

ارشاد الٰہی: ﴿ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ ﴾ ''دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔'' یعنی وہ دونوں کھانا بھی کھاتے تھے اور اس کے فضلے کو خارج بھی کرتے تھے، اس لیے کہ وہ دونوں بھی دیگر تمام انسانوں کی طرح انسان ہی تھے، معبود نہیں تھے جیسا کہ عیسائیوں کے کئی جاہل فرقوں نے انھیں معبود بنا لیا تھا۔ ان پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت برسے۔ ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''دیکھیں! ہم ان لوگوں کے لیے (اپنی) آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں!'' انھیں بے حد واضح اور ظاہر کر دیتے ہیں، ﴿ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿75﴾ ﴾ ''پھر دیکھیں کہ یہ کدھر پھرے جا رہے ہیں؟'' اس بیان اور وضاحت وصراحت کے بعد یہ کدھر جا رہے ہیں؟ کس قول کو یہ تھامے ہوئے ہیں؟ یہ کس گمراہ مذہب کو اختیار کیے ہوئے ہیں؟

تفسیر آیات: 77,76

شرک اور دین میں غلو کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جو اس کے سوا بتوں، شرکاء اور پروہتوں کی عبادت کرتے ہیں اور واضح فرمایا ہے کہ یہ الٰہیت کے قطعاً مستحق نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے'' یعنی اے محمد (ﷺ)! بنی آدم کے ان تمام فرقوں سے یہ کہہ دیجیے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس میں عیسائی اور غیر عیسائی تمام مشرک شامل ہیں: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ ''کیا تم

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا

سے گزر جاتے تھے ⁽⁷⁸⁾ وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کیونکہ انھوں نے وہ خود کیا ہوتا تھا، بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے ⁽⁷⁹⁾ آپ ان

يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

میں سے بہتوں کو دیکھیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جنھوں نے کفر کیا۔ بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے آگے بھیجا کہ اللہ

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ

ان سے ناراض ہو گیا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں ⁽⁸⁰⁾ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ اللہ پر اور اس کے نبی پر اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

نازل کیا گیا، تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں ⁽⁸¹⁾

اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جس کو تمھارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں؟'' یعنی اسے تم سے نقصان کے دور کرنے اور تمھیں نفع پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ ''اور اللہ ہی (سب کچھ) سنتا، جانتا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے، لہٰذا تم اس سے اعراض کر کے ایسے بے جان جسموں اور مورتیوں کی پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ سنتی ہیں، نہ دیکھتی ہیں، نہ جانتی ہیں اور نہ اپنے یا کسی اور کے نفع و نقصان ہی کا کچھ بھی اختیار رکھتی ہیں؟

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں ناحق مبالغہ نہ کرو۔'' یعنی اتباع حق کرو اور حد سے نہ بڑھو جس شخصیت کی تعظیم کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں بے حد مبالغہ آرائی سے کام نہ لو کہ اسے دائرۂ نبوت سے نکال کر مقام الٰہیت تک پہنچا دو جیسا کہ مسیح کے بارے میں تم نے کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے ایک نبی تھے مگر تم نے انھیں معبود بنا دیا اور یہ اس لیے کہ تم اپنے مشائخ کی اقتدا کر رہے ہو، ان مشائخ ضلالت کی اقتدا جو تمھارے اسلاف تھے اور زمانۂ قدیم میں گمراہ ہو چکے تھے: ﴿ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ ﴾ ''جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔'' یعنی طریق استقامت و اعتدال کو ترک کر کے انھوں نے گمراہی اور ضلالت کے رستے کو اختیار کر لیا تھا۔

تفسیر آیات: 78-81

کفار بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے کافروں پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور اللہ کی مخلوق سے زیادتیوں کے باعث عرصۂ طویل سے حضرت داود اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی زبانی لعنت

فرمائی ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں پر تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید سب آسمانی کتابوں میں لعنت کی گئی ہے۔[1] پھر اپنے زمانے میں ان کے جو حالات تھے، انھیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ﴾ ''برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔'' یعنی یہ ایک دوسرے کو گناہوں اور حرام کاموں کے ارتکاب سے منع نہیں کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا تاکہ ان جیسے کام کرنے والے دوسرے لوگوں کو ان سے باز رکھا جا سکے۔ ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ ﴾ ''بلاشبہ وہ برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں احادیث: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں، اس مقام کی مناسبت سے ہم ان میں سے چند ایک کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ امام احمد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ، ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعا کرو تو وہ تمھاری دعا کو بھی قبول نہیں فرمائے گا۔''[2] امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[3]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ] ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''[4]

امام ابوداود نے عُرس بن عَمیرہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيئَةُ فِي الْأَرْضِ كَانَ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا۔ وَقَالَ مَرَّةً: أَنْكَرَهَا۔ كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا، وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا] ''جب زمین میں کسی برائی کا ارتکاب کیا جائے اور جو وہاں موجود ہو وہ اسے ناپسند کرے۔ اور ایک بار آپ نے فرمایا: وہ اس کی تردید کرے۔ تو وہ ایسے ہے جیسے اس برائی کے وقت وہ موجود ہی نہیں تھا اور جو شخص وہاں موجود تو نہ ہو مگر وہ اس برائی کو پسند کرے تو وہ ایسے ہے جیسے خود وہاں موجود ہو۔''[5] اس روایت کو صرف امام ابوداود ہی نے بیان کیا ہے۔

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1182/4. [2] مسند أحمد:389,388/5 . [3] جامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر، حديث: 2169. [4] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان كون النهی عن المنكر من الإیمان ......، حدیث: 49 . [5] سنن أبی داود، الملاحم، باب الأمر والنهی، حدیث:4345 .

اور امام ابوداود ہی نے اصحاب رسول میں سے ایک صحابی [1] کی روایت کو بیان کیا ہے۔ کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: [لَنْ يَّهْلِكَ النَّاسُ حَتّٰى يَعْذِرُوا ۔ أَوْ يُعْذِرُوا ۔ مِنْ أَنْفُسِهِمْ] ''لوگ اس وقت تک ہلاک نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے گناہوں اور عیوب کی کثرت کے باعث اپنے آپ کو سزا کا مستحق نہ قرار دے لیں گے۔'' [2] امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا: [أَلَا! لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَّقُولَ الْحَقَّ إِذَا عَلِمَهُ] ''خبردار! کسی شخص کو جب علم ہو جائے تو پھر لوگوں کی ہیبت اسے حق بات کہنے سے باز نہ رکھے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ابوسعید رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم نے کئی چیزیں دیکھیں مگر ہم لوگوں سے ڈر گئے اور بیان نہ کر سکے۔ [3]

حدیثِ ابوسعید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ (حَقٍّ) عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ] ''افضل جہاد ظالم بادشاہ کے پاس کلمۂ حق کہنا ہے۔'' اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ حسن غریب قرار دیا ہے۔ [4]

امام احمد نے حضرت حذیفہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنْبَغِي لِمُسْلِمٍ أَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهُ، قِيلَ: وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ؟ قَالَ: يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ] ''کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ عرض کی گئی کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: یہ کہ وہ اپنے آپ کو کسی ایسی مصیبت کے لیے پیش کرے جس کی اسے طاقت نہ ہو۔'' [5] اور اسی طرح امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔ [6]

منافقین کی مذمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''آپ ان میں سے اکثر کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔'' ان آیات سے مراد امام مجاہد فرماتے ہیں کہ منافقین ہیں۔ [7] ﴿ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''جو کچھ ان کے نفسوں نے اپنے واسطے آگے بھیجا ہے، برا ہے۔'' اس سے مراد کفار کی دوستی اختیار کرنا اور مومنوں کی دوستی ترک کرنا ہے کیونکہ اسی بات نے تو ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی

---

[1] امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو بطریق عبدالملک بن میسرہ الزراد، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ تفسیر الطبری:158/8. (مترجم) [2] سنن أبي داود، الملاحم، باب خبر ابن الصائد، حديث:4347. [3] سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4007. [4] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث:4344 و جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، حديث: 2174 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4011، نیز مذکورہ حوالہ جات میں [حَقٍّ] کے بجائے [عَدْلٍ] ہے اور [حَقٍّ] مسند أحمد: 19/3 میں ہے۔ [5] مسند أحمد:405/5. [6] جامع الترمذي، الفتن، باب: [لا يتعرض من البلاء لما لا يطيق]، حديث:2254 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالىٰ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (المآئدة5:105)، حديث:4016. [7] تفسير ابن أبي حاتم:1183/4.

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

(اے نبی!) یقیناً آپ لوگوں میں اہل ایمان سے عداوت رکھنے میں سخت ترین یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے، اور اہل ایمان سے دوستی رکھنے میں

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

ضرور قریب ترین ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ان میں کچھ عالم ہیں، کچھ دنیا سے الگ

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾

تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے ﴿82﴾

قیامت تک کے لیے ان سے ناراض ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ ''کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی جو مذمت فرمائی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿80﴾ ﴾ ''اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اور اگر وہ اللہ پر، پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی، اس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے۔'' اگر اللہ، رسول اور قرآن پر ان کا سچا ایمان ہوتا تو یہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرتے کہ باطنی طور پر ان کی کافروں سے دوستی ہوتی اور مومنوں، اللہ کے نبی اور اللہ کی کتاب سے دشمنی ہوتی۔ ﴿ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿81﴾ ﴾ ''اور لیکن ان میں اکثر نافرمان ہیں۔'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے باہر اور اس کی وحی و تنزیل کی آیات کے مخالف ہیں۔

تفسیر آیت:82

شان نزول: سعید بن جبیر اور سُدّی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیات اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ کے کلام کو سنے اور آپ کی صفات کو دیکھے جب اس وفد میں شامل لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ نے انھیں قرآن سنایا تو وہ مسلمان ہو گئے، قرآن سن کر رونے لگے اور ان پر رقت طاری ہو گئی، پھر انھوں نے واپس جا کر نجاشی کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔[1] عطاء بن ابورباح کا قول ہے کہ ان سے مراد حبشہ کے وہ لوگ ہیں جو اس وقت مسلمان ہو گئے تھے، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے ان کے پاس حبشہ میں گئے تھے۔[2]

امام قتادہ کہتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے دین پر تھے اور جب انھوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کو سنا تو وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور انھوں نے اسلام قبول کرنے میں ذرہ برابر پس و پیش سے کام نہ لیا۔[3] امام ابن جریر نے ان آیات کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ ان سب لوگوں کے بارے میں ہیں جن کے یہ اوصاف ہوں، خواہ ان کا تعلق حبشہ سے ہو یا کسی اور علاقے سے۔[4]

---

① تفسير الطبري: 3/7 و تفسير ابن أبي حاتم:1184/4 . ② تفسير الطبري: 5/7 . ③ تفسير الطبري: 5/7 و تفسير ابن أبي حاتم:1184/4 . ④ تفسير الطبري: 5/7 .

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ ’’(اے پیغمبر!) یقیناً آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں۔‘‘ اس لیے کہ یہودیوں کا کفر، ہٹ دھرمی، انکارِ حق، دشمنی، لوگوں کو حقیر سمجھنے اور اہل علم کی شان میں گستاخی کے سبب ہے، اسی وجہ سے انھوں نے بہت سے انبیائے کرام کے مقدس خون کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو رنگا حتی کہ ان بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا بھی کئی بار ارادہ کیا، آپ کو زہر دیا، انھوں نے آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے مشرکوں کو اکسا کر کئی بار آپ کے خلاف میدان جنگ گرم کیا۔ قیامت کے دن تک ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل لعنتیں برسیں۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ﴾ ’’اور یقیناً دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔‘‘ جنھوں نے یہ گمان کیا کہ وہ نصاریٰ، حضرت مسیح کے پیروکار اور انجیل کے منہاج پر قائم ہیں، ان میں مجموعی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ محبت ہے کیونکہ دین مسیح پر ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں رقت اور شفقت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِیَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا ﴾ (الحدید 27:57) ’’اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی، ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور مہربانی ڈال دی اور رہبانیت تو انھوں نے از خود ہی ایجاد کر لی تھی۔‘‘ ان کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ اگر کوئی تمھارے دائیں رخسار پر تھپڑ مارے تو تم اپنا بایاں رخسار بھی اس کے آگے کر دو، ان کی ملت میں قتال مشروع نہیں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ’’یہ اس لیے کہ بے شک ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور بے شک وہ تکبر نہیں کرتے۔‘‘ یعنی ان میں قسیسین موجود ہیں، ان سے مراد ان کے خطباء اور علماء ہیں۔

قسیسین کا واحد قِسِّیس اور قَسّ ہے، اس کی جمع قُسُوس بھی آتی ہے اور رُهبان راھب کی جمع ہے، اس کے معنی عابد ہیں، یہ لفظ رَهْبَةٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی خوف کے ہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے راکِب کی جمع رُکبان اور فارِس کی جمع فُرسان آتی ہے۔ امام ابن ابوحاتم نے حامِیَہ بن رِئاب سے روایت کیا ہے کہ میں نے سلمان سے سنا کہ جب ان سے اس آیت: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا ﴾ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ راہب لوگ ہیں جو صومعوں (خانقاہوں) اور ویرانوں میں ہوتے اور ان میں عبادت کرتے رہتے ہیں۔ سلمان کہتے ہیں کہ میں نے اس آیت کو نبی اکرم ﷺ کے پاس پڑھا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ ﴾ تو آپ نے مجھے یہ آیت اس طرح پڑھائی: [ذٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ صِدِّيقِينَ وَرُهْبَانًا][1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ میں ضمناً ان کا یہ وصف

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1183/4.

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا

اور جب وہ رسول پر نازل کیا گیا کلام سنتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حق کو پہچان

مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، لہٰذا تو ہمارے نام (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ﴿83﴾ اور ہمارے پاس کیا

وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿84﴾ فَاَثَابَهُمُ

عذر ہے کہ ہم اللہ پر اور جو حق ہم تک پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لائیں؟ اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں داخل کرے

اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ

گا ﴿84﴾ چنانچہ انھوں نے جو کہا اس کے عوض اللہ انھیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ نیکی کرنے والوں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾ ع

کی جزا ہے ﴿85﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی دوزخی ہیں ﴿86﴾

بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان میں علم، عبادت اور تواضع بھی ہے، پھر ان کا یہ وصف بھی بیان کیا گیا ہے کہ حق وانصاف کو ماننے اور تسلیم کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 83-86

ارشاد باری ہے: ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ﴾ ''اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ پڑتی ہیں، اس لیے کہ انھوں نے حق بات پہچان لی۔'' کیونکہ ان کے پاس حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں بشارت موجود تھی۔ ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿83﴾ ﴾ ''وہ (اللہ کی جناب میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، لہٰذا تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔'' یعنی ان میں جو اس کے صحیح ہونے کی شہادت دیں اور اس کے ساتھ ایمان لائیں۔

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی اس قسم کا حسب ذیل آیت میں بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ﴾ (آل عمران 3:199) ''اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تمھاری طرف نازل کی گئی اور اس پر جو ان کی طرف نازل کی گئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں۔'' اور انھی کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ ﴾ تا ﴿ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ ﴾ (القصص 28:52-55) ''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! وہ پاکیزہ چیزیں حرام مت ٹھہراؤ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں اور تم حد سے نہ گزرو، بے شک

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿87﴾ اور اللہ نے تمھیں جو حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو جس

اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

پر تم ایمان رکھتے ہو﴿88﴾

برحق ہے، بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔...... ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا ﴾ ''تو اللہ نے ان کو اس کہنے کے عوض جزا دی۔'' یعنی ان کے ایمان و تصدیق اور اعتراف حق کے عوض ﴿ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ﴾ ''(بہشت کے) باغ (عطا فرمائے) جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔'' یعنی ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور کبھی بھی ان سے نقل مکانی نہ کریں گے۔ ﴿ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور نیکوکاروں کا یہی صلہ ہے۔'' یعنی وہ حق کی اتباع کرتے اور اس کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتے ہیں، خواہ وہ جہاں بھی ہو اور جس کے پاس بھی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے بدبختوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔'' ان کا انکار کیا اور مخالفت کی تو ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿86﴾ ﴾ ''وہی اہل دوزخ ہیں۔'' اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 88,87

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے یہ کہا تھا کہ ہم اپنے آلاتِ تناسل کو کاٹ دیتے ہیں، شہواتِ دنیا کو ترک کر دیتے ہیں اور راہبوں کی طرح دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی یہ بات پہنچی تو آپ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور اس بات کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے اقرار کیا کہ ہاں، ہم نے یہ بات کہی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: [لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ، فَمَنْ أَخَذَ بِسُنَّتِي فَهُوَ مِنِّي، وَمَنْ لَّمْ يَأْخُذْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي] ''لیکن میرا طرز عمل تو یہ ہے کہ میں (نفل) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت کے مطابق عمل کرے، وہ مجھ سے ہے اور جو میری سنت کے مطابق عمل نہ کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''[1] اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے، نیز ابن مردویہ نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے کچھ لوگوں نے ازواج

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1187/4 وتفسیر الطبری:15/7. [2] تفسیر الطبری:15/7 والدر المنثور:544/2.

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ

اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، چنانچہ اس کا کفارہ دس مسکینوں

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ

کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرانا ہے، پھر جو اس کی

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ

طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ

وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿89﴾

اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو ﴿89﴾

مطہرات سے نبیٔ اکرم ﷺ کے سری عمل کے بارے میں سوال کیا (جواب سننے کے بعد) بعض نے کہا کہ میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا، بعض نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور بعض نے کہا کہ میں بستر پر نہیں سوؤں گا، نبیٔ اکرم ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا: [مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا: كَذَا وَكَذَا؟ لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، (وَاٰكُلُ اللَّحْمَ) وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي] ”کچھ لوگوں کا کیا حال ہے جو یہ یہ باتیں کرتے ہیں؟ جبکہ میں رات کو قیام بھی کرتا اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، (گوشت بھی کھاتا ہوں) اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔“[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ ﴾ ”اور حد سے نہ بڑھو۔“ مباح چیزوں کو اپنے نفسوں پر حرام قرار دے کر اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا نہ کرو اور نہ حلال کو حرام قرار دو اور نہ حلال کھانے میں حد سے بڑھو بلکہ اسے بھی بقدرِ حاجت وضرورت استعمال کرو جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ ﴾ (الأعراف 31:7) ”اور کھاؤ اور پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ ﴾ (الفرقان 67:25) ”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ہی تنگی (بخیلی) کرتے ہیں اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی شریعت نے راہِ اعتدال کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ انسان نہ غلو سے کام لے اور نہ بالکل کنارہ کش ہو جائے، یعنی افراط وتفریط نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿87﴾ ﴾ ”جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث:5063 وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنة ......، حديث:1401 واللفظ له۔ اور قوسین والے الفاظ کی وضاحت یہ ہے کہ ان تین صحابہ میں سے ایک صحابی نے یہ الفاظ کہے تھے: [وَلَا اٰكُلُ اللَّحْمَ] اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں بھی یہ الفاظ آگئے ہیں: [واكل اللحم] لیکن کتبِ احادیث وسیر میں رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے۔ واللّٰہ أعلم.

بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' پھر اس کے بعد اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ ''اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ۔'' یعنی اگر حلال اور طیب ہے تو (اسے) کھاؤ۔ ﴿ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرتے رہو، اس کی اطاعت وخوشنودی کی پیروی کرو اور اس کی مخالفت ونافرمانی کی روش کو ترک کر دو ﴿ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''

تفسیر آیت:89

بے ارادہ قسم: بے ارادہ قسم کے بارے میں تفصیل کے ساتھ گفتگو سورۂ بقرہ میں ہو چکی ہے۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ بے ارادہ قسم سے مراد یہ ہے کہ انسان کا قسم کھانے کا قصد وارادہ تو نہیں ہوتا لیکن وہ بات بات پر بلا سوچے سمجھے اللہ کی قسمیں کھانے لگتا ہے۔

قسم کا کفارہ: ﴿ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ ﴾ ''تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔'' یعنی دس محتاج فقیروں اور ان لوگوں کو جن کے پاس اپنی ضرورت کے مطابق مال نہ ہو۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ ﴾ درمیانے درجے کا جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور عکرمہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے برابر جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو۔[2] عطاء خُراسانی فرماتے ہیں کہ اس سے بہتر جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔[3]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ كِسْوَتُهُمْ ﴾ ''یا ان کو کپڑے پہنانا۔'' ان میں سے ہر ایک کو اس طرح کا لباس دیا جائے جس میں نماز پڑھنا صحیح ہو، لہٰذا مرد اور عورت کو اس کے مناسب حال لباس دیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر مسکین کو جبہ یا شملہ دیا جائے۔[4] مجاہد فرماتے ہیں کہ کم از کم ایک کپڑا دیا جائے اور زیادہ آپ جس قدر چاہیں دے سکتے ہیں۔[5] حسن، ابوجعفر باقر، عطاء، طاؤس، ابراہیم نخعی، حماد بن ابوسلیمان اور ابو مالک فرماتے ہیں کہ ہر محتاج کو ایک ایک کپڑا دے دیا جائے۔[6]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ﴾ ''یا ایک غلام آزاد کرنا'' اور ضروری ہے کہ غلام مومن ہو جیسا کہ معاویہ بن حَکَم سُلَمی کی اس حدیث میں ہے جو موطأ امام مالک، مسند شافعی اور صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ ان کے ذمے ایک غلام کو آزاد کرنا تھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لونڈی لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: [أَيْنَ اللّٰهُ؟ قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، قَالَ: أَعْتِقْهَا فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ] ''اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آسمان میں، آپ نے فرمایا کہ میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے فرمایا: اسے

[1] دیکھیے آیت:225 کے ذیل میں۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم:1192/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1192/4. [4] تفسير الطبري:33/7. [5] تفسير الطبري:32/7. [6] تفسير الطبري:33,32/7.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں،

الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿90﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ

پس تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ﴿90﴾ بے شک شیطان چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے سے دشمنی اور بغض

وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

ڈال دے، اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے، پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟ ﴿91﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرو، اور

مُّنْتَهُوْنَ ﴿91﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا

رسول کی اطاعت کرو، اور احتیاط کرو، پس اگر تم حق سے پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو صرف کھول کر پہنچا دینا لازم ہے﴿92﴾ جو لوگ

عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿92﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا

ایمان لائے اور نیک عمل کرنے لگے، انھوں نے جو کچھ (پہلے) کھایا، اس پر انھیں کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیز گاری اختیار کریں اور

طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ

ایمان پر قائم رہیں اور نیک عمل کریں، پھر وہ پرہیز گار ہی رہیں اور ایمان پر جمے رہیں، پھر وہ پرہیز گاری ہی اپنائیں اور نیکی کریں،

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿93﴾ ع

اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴿93﴾

12 ع 7 2

آزاد کردو، یہ مومنہ ہے۔''[1]

کفارۂ قسم کی یہ تین صورتیں ہیں، قسم توڑنے والا ان میں سے جو صورت بھی اختیار کر لے وہ جائز ہے اور اس پر اجماع ہے۔ شریعت نے ان تین صورتوں میں سے جو سب سے زیادہ آسان تھی، اس کا پہلے ذکر کیا کہ کھانا کھلانا کپڑے دینے سے زیادہ آسان ہے اور کپڑے دینا غلام آزاد کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اگر کسی کو ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک کی بھی استطاعت نہ ہو تو وہ تین روزے رکھ لے، اس سے اس کا کفارہ ادا ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ﴾ ''تو جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔'' حضرت اُبی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ] ''تو تین دن کے متواتر روزے رکھے۔''[2] یہ قراءت چونکہ تواتر سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اس کی کم سے کم حیثیت

---

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ما کان من إباحته، حدیث: 537 و الموطأ للإمام مالك، العتق والولاء، باب ما یجوز من العتق فی الرقاب الواجبة، حدیث: 1534 و الرسالة للشافعی، باب ما نزل عاماً دلت السنة خاصة علی أنه یراد به الخاص، رقم: 242، نیز امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے معاویہ کے بجائے عمر بن الحکم کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ معاویہ ہی درست ہے، امام مالک نے جو عمر بن حکم لکھا ہے وہ ان کا وہم ہے۔ (تقریب التھذیب: 53/2) [2] تفسیر الطبری: 41,40/7 .

یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے یا یہ صحابۂ کرام کی تفسیر ہے، بہر حال یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط ﴾ ''یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو۔)'' یعنی یہ قسم کا شرعی کفارہ ہے۔ ﴿ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط ﴾ ''اور (تم کو چاہیے کہ) اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قسم توڑ دینے کی صورت میں ان کا کفارہ ضرور ادا کرو۔[1] ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿89﴾ ﴾ ''اسی طرح اللہ تمھارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔''

تفسیر آیات: 90-93

شراب اور جوئے کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی جوا ہے۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[2] نیز انھوں نے عطاء، مجاہد اور طاؤس ان تینوں سے یا بقول سفیان ان میں سے دو سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز جو قمار ہے، وہ جوا بھی ہے حتی کہ بچوں کا اخروٹ کے ساتھ کھیلنا بھی جوا ہے۔[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میسر ہی قمار (جوا) ہے۔[4] ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میسر ہی قمار (جوا) ہے۔[5] لوگ زمانۂ جاہلیت میں اسلام کی آمد تک جوا کھیلتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس برے کام سے منع فرمادیا۔[6]

انصاب و ازلام کی تفسیر: انصاب کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، حسن اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد وہ پتھر (بت) ہیں جن کے پاس وہ اپنی قربانیوں کو ذبح کرتے تھے اور ازلام کے بارے میں انھوں نے فرمایا ہے کہ ان سے مراد وہ تیر ہیں جن سے یہ قسمت آزمائی کیا کرتے تھے۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[7]

ارشاد الٰہی: ﴿ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ ''(یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اعمالِ شیطان اللہ کو ناراض کرنے والے ہیں۔[8] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ گناہ کے کام ہیں۔[9] زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ یہ شیطان کے اعمال میں سے بدترین ہیں۔[10] ﴿ فَاجْتَنِبُوْهُ ﴾ ''تو ان سے بچتے رہنا'' ضمیر کا مرجع رجس ہے، یعنی اسے ترک کردو ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿90﴾ ﴾ ''تاکہ تم نجات پاؤ۔'' یہ ان کاموں کے ترک کر دینے کے لیے ترغیب ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿91﴾ ﴾ ''بے شک شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے

---

[1] تفسیر الطبری: 42/7. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4. [6] تفسیر ابن أبی حاتم: 1197/4. [7] تفسیر ابن أبی حاتم: 1198/4. [8] تفسیر ابن أبی حاتم: 1198/4. [9] الدر المنثور: 566/2. [10] تفسیر ابن أبی حاتم: 1199/4.

کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں سے) باز آتے ہو؟'' یہ تہدید و ترہیب ہے۔

شراب کی حرمت کے بارے میں احادیث: امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ شراب کو تین مرحلوں میں حرام قرار دیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے، انھوں نے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ......﴾ الآية (البقرة2:219) ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ بھی ہے......۔'' یہ آیت سن کر لوگوں نے کہا کہ شراب کو ہم پر حرام قرار نہیں دیا گیا کیونکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ ان میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔

لٰہذا اس آیت کے نزول کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے حتی کہ ایک دن ایک مہاجر صحابی نے اپنے ساتھیوں کی نماز مغرب میں امامت کراتے ہوئے قراءت کو خلط ملط کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے زیادہ سخت حکم نازل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النسآء4:43) ''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔'' لوگ اس آیت کے نزول کے بعد بھی شراب پیتے رہے اور یہ احتیاط کرتے تھے کہ نماز اس وقت پڑھتے جب وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوتے تھے، پھر اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت حکم پر مبنی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ ''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں تو ان سے بچتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔''

اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! بس اب ہم اس سے باز آ گئے، البتہ لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! کچھ لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور کچھ اپنے بستروں پر فوت ہوئے لیکن وہ شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے جبکہ اللہ نے انھیں ناپاک اور اعمال شیطان میں سے قرار دیا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ......﴾ الآية ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے......۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ حُرِّمَ عَلَيْهِمْ لَتَرَكُوهَا كَمَا تَرَكْتُمْ] ''اگر ان کی زندگی میں یہ شراب حرام ہوئی ہوتی تو وہ بھی اس کو اسی طرح ترک کر دیتے جیسا کہ تم نے اسے ترک کر دیا ہے۔''[1] اس حدیث کو صرف امام احمد ہی نے روایت کیا ہے۔

[1] مسند أحمد:352,351/2 مطوّلًا.

امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب حرمتِ شراب کا حکم نازل ہوا تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما دے تو سورۂ بقرہ کی یہ آیت: ﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ...... ﴾ الآیۃ (البقرۃ 2:219) نازل ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کو یہ آیت پڑھ کر سنا دی گئی تو انھوں نے پھر بھی یہی دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما دے تو سورۂ نساء کی آیت: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ...... ﴾ الآیۃ (النسآء 4:43) نازل ہوگئی تو اس آیت کے نزول کے بعد مؤذن جب حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہتا تو وہ ساتھ یہ اعلان بھی کر دیتا کہ کوئی نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی تھی اور اسے سن کر بھی انھوں نے یہی دعا کی تھی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں شافی بیان نازل فرما دے تو اس کے بعد سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوگئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت بھی سنائی گئی جب انھوں نے اس آیت کریمہ کے یہ الفاظ سنے: ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ ﴾ ''پھر کیا تم (ان شیطانی کاموں سے) باز آتے ہو؟'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بس ہم باز آگئے، ہم باز آگئے۔[1] اس حدیث کو امام علی بن مدینی اور امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا کہ لوگو! جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت یہ پانچ چیزوں: (1) انگور (2) کھجور (3) گندم (4) جو اور (5) شہد سے تیار کی جاتی تھی لیکن یاد رکھو کہ [اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ] ''شراب ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔''[3] امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اس وقت مدینہ میں پانچ قسم کی شراب استعمال ہوتی تھی مگر ان میں انگور کی شراب نہ تھی۔[4]

ایک اور حدیث: امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس ابوعبیدہ بن جراح، اُبی بن کعب، سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم اور ان کے کچھ دیگر دوستوں کو شراب پلا رہا تھا اور وہ شراب کے نشے میں چور ہونے کے قریب تھے کہ وہاں ایک مسلمان آیا اور اس نے کہا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ شراب کو تو حرام قرار دے دیا گیا ہے؟ انھوں نے یہ بھی نہ کہا کہ ہم معلوم کرلیں (کہ آیا ایسا ہی ہے بلکہ فوراً) انھوں نے کہا کہ انس! تمھارے برتن میں جو شراب ہے اسے فوراً گرا دو، اللہ کی قسم! انھوں نے پھر اسے دوبارہ نہیں پیا۔ یہ پکی اور کچی کھجوروں کی شراب تھی اور ان دنوں یہی شراب استعمال ہوتی تھی۔[5]

---

[1] مسند أحمد:53/1 وسنن أبي داود، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث:3670 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3049 وسنن النسائي، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث:5542. [2] تحفة الأحوذي:353/8. [3] صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء في أن الخمر ما خامر العقل من الشراب، حديث: 5588 وصحيح مسلم، التفسير، باب في نزول تحريم الخمر، حديث:3032. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ ...... ﴾ (المآئدة5:90)، حديث:4616. [5] مسند أحمد:181/3.

صحیح بخاری و مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ساقی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا اور ان دنوں کچی پکی کھجوروں کی شراب استعمال ہوتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک شخص اعلان کرر ہا تھا کہ شراب کو حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ ابوطلحہ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور اس شراب کو گرا دو، میں نے اسے گرا دیا مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ فلاں فلاں اشخاص جوفوت ہو گئے ہیں ان کے پیٹوں میں شراب تھی تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا...... ﴾ ''جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر کچھ گناہ نہیں جو وہ (پہلے) کھا چکے......۔''[1]

امام ابن جریر نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ میں ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح، ابودُجانہ، معاذ بن جبل اور سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہم کو جامِ شراب پلا رہا تھا حتی کہ کچی پکی کھجوروں کی اس ملی جلی شراب کی وجہ سے ان کے سر جھومنے لگے تو میں نے سنا کہ ایک شخص یہ اعلان کرر ہا تھا: خبردار! شراب حرام قرار دے دی گئی ہے تو اس محفل میں کسی کے اندر آنے یا باہر جانے سے پہلے پہلے ہم نے شراب گرا دی، مٹکے توڑ دیے، بعض نے وضو کیا اور بعض نے غسل کر لیا، ام سلیم سے لے کر ہم نے خوشبو بھی استعمال کی، پھر ہم سب مسجد میں چلے گئے تو وہاں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ ''ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں تو ان سے بچتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو پھر کیا تم ان (شیطانی کاموں) سے باز آتے ہو؟''

ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو شراب پیتا تھا اور وہ فوت ہو گیا ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ﴾ ''جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، کچھ گناہ نہیں جو وہ (پہلے) کھا چکے۔'' قتادہ سے ایک شخص نے پوچھا: آپ نے خود یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ایک شخص نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھا تھا کہ آپ نے خود یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں یا یہ کہا کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو جھوٹ نہیں بولتا تھا، ہم جھوٹ نہیں بولتے تھے بلکہ ہم یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ جھوٹ کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لُعِنَتِ الْخَمْرُ

[1] صحیح البخاری، المظالم، باب صب الخمر فی الطریق، حدیث: 2464 وصحیح مسلم، الأشربة، باب تحریم الخمر......، حدیث:1980. [2] تفسیر الطبری: 50/7.

عَلٰى عَشَرَةِ وُجُوهٍ : لُعِنَتِ الْخَمْرُ بِعَيْنِهَا ، وَشَارِبُهَا ، وَسَاقِيهَا ، وَبَائِعُهَا ، وَمُبْتَاعُهَا ، وَعَاصِرُهَا ، وَمُعْتَصِرُهَا، وَحَامِلُهَا ، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ ، وَآكِلُ ثَمَنِهَا] ''شراب پر دس وجوہ سے لعنت ہے: شراب خود بعینہ ملعون ہے، اس کا پینے والا، پلانے والا، بیچنے والا، خریدنے والا، نچوڑنے والا اور جس کے لیے نچوڑی جائے، اٹھانے والا، جس کی طرف اسے اٹھا کر لے جایا جائے اور اس کی قیمت کھانے والا یہ سب ملعون ہیں۔''[1]

امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مِربد کی طرف نکلے تو میں بھی آپ کے ساتھ تھا اور میں آپ کی دائیں طرف تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو میں ہٹ کر بائیں طرف ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں طرف تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے تو میں نے انھیں جگہ دے دی اور وہ آپ کے بائیں طرف ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے مربد تشریف لے آئے، وہاں شراب کا ایک مشکیزہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھری لانے کا کہا، میں نے چھری کو اسی دن دیکھا تھا، آپ کے حکم سے شراب کے اس مشکیزے کو پھاڑ دیا گیا، پھر آپ نے فرمایا: [لُعِنَتِ الْخَمْرُ وَشَارِبُهَا، وَسَاقِيهَا، وَبَائِعُهَا، وَمُبْتَاعُهَا ، وَحَامِلُهَا، وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ ، وَعَاصِرُهَا وَمُعْتَصِرُهَا، وَآكِلُ ثَمَنِهَا] ''شراب، اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، اٹھانے والے، جس کی طرف اٹھا کر لے جایا جائے، اسے کشید کرنے والے اور جس کے لیے اسے کشید کیا جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔''[2]

ایک اور حدیث: حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں، پھر انھوں نے حدیث ذکر کی جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ایک انصاری نے ہمیں کھانے کی دعوت پر بلایا، ہم نے کھانا کھایا، اور یہ شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے، ہم شراب پی کر جب نشے کی حالت میں تھے تو ہم نے فخر کا اظہار کرنا شروع کر دیا، انصار نے کہا ہم افضل ہیں، قریش نے کہا ہم افضل ہیں۔ ایک انصاری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی پکڑ کر حضرت سعد کی ناک پر دے ماری اور ان کی ناک توڑ دی جس کی وجہ سے حضرت سعد کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی تو اس واقعے کے بعد ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ﴾ تا ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ آیات نازل ہوئیں۔[3]

ایک اور حدیث: امام ابن ابوحاتم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے ایک اثر کو بیان کیا ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ تورات میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو نازل فرمایا ہے تاکہ اس کے ساتھ باطل کو ختم کر دے اور اس کے ساتھ کھیل کود، آلات موسیقی بانسری، بَربط، دف، طَنبورے، غلط اشعار اور شراب کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال

[1] مسند أحمد:25/2 وسنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، حديث:3674 وسنن ابن ماجه، الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه، حديث:3380 . [2] مسند أحمد:71/2. [3] السنن الكبرى للبيهقي، الأشربة والحد فيها، باب ماجاء في تحريم الخمر:285/8 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ، حديث:1748 بعد رقم :2412 امام مسلم نے طویل حدیث ذکر کی ہے۔

کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ میرے حرام قرار دینے کے بعد اگر کوئی شراب پیے گا تو میں اسے قیامت کے روز ضرور پیاسا رکھوں گا اور میرے حرام قرار دینے کے بعد جس نے اسے ترک کر دیا، اسے میں ضرور یہ جنت الفردوس سے پلاؤں گا۔① اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ایک اور حدیث: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں امام مالک نے حضرت نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا ، ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا ، حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ] ''جو شخص دنیا میں شراب پیے، پھر اس سے توبہ نہ کرے تو وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''② اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔③

امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ ، وَّكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، وَّمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ (فِي الدُّنْيَا) فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا، لَمْ يَتُبْ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ] ''ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے جو شخص (دنیا میں) ہمیشہ شراب پیتے ہوئے مر گیا اور اس نے اس سے توبہ نہ کی تو وہ اسے آخرت میں نہیں پیے گا۔''④

عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ شراب سے اجتناب کرو کیونکہ یہ ام الخبائث ہے، تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص بہت عابد تھا اور وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتا تھا، ایک بدکردار عورت اس پر فریفتہ ہوگئی، اس نے اپنی باندی کو اس کے پاس بھیجا اور کہا کہ ایک گواہی کے بارے میں ہمیں آپ کی ضرورت ہے، یہ اس کے ساتھ چلا گیا جب بھی یہ ایک دروازے سے داخل ہوتا تو وہ اسے بند کر دیتی حتی کہ یہ ایک خوبصورت عورت کے پاس پہنچ گیا جس کے پاس ایک لڑکا اور شراب کی ایک بڑی سی بوتل تھی، عورت کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں نے تجھے کسی گواہی وغیرہ کے لیے نہیں بلایا بلکہ میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ تم میرے ساتھ ملاپ کرو یا پھر اس بچے کو قتل کر دو یا اس شراب کو پی لو۔ اس نے اسے ایک جام پلایا تو یہ کہنے لگا ایک جام اور پلاؤ، یہ اسے جام پر جام پلاتی رہی حتی کہ اس نے اس کے ساتھ نہ صرف بدکاری کر لی بلکہ اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا۔ شراب سے بچو! کیونکہ ایمان اور شراب یکجا نہیں ہوسکتے، ان میں سے ایک دوسرے کو نکال باہر کرتا ہے۔⑤ اس حدیث کی سند صحیح ہے، اسے ابوبکر بن ابوالدنیا نے بھی اپنی کتاب ذم المسکر میں مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

① تفسیر ابن أبي حاتم:1196/4. ② کتاب المسند للشافعي، ومن کتاب الأشربة، (موسوعة الإمام الشافعي):536/10، حدیث:1352. ③ صحیح البخاري، الأشربة، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ ......﴾، حدیث: 5575 وصحیح مسلم، الأشربة، باب عقوبة من شرب الخمر إذا لم یتب منها......، حدیث:(77)-2003. ④ صحیح مسلم، الأشربة، باب بیان أن کل مسکر خمر......، حدیث:2003. ⑤ السنن الکبرٰی للبیهقي، الأشربة والحد فیها، باب ماجاء في تحریم الخمر:288,287/8 وسنن النسائي، الأشربة، ذکر الآثام المتولدة عن شرب الخمر من ترك ...... ،حدیث:5669 .

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ ضرور تمھیں اس چیز کے شکار کے ذریعے سے آزمائے گا جس تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں، تاکہ اللہ جان

مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿94﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

لے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے گزر گیا، اس کے لیے دردناک عذاب ہے﴿94﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ

احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارو، اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسے اس کے برابر ایک

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ

جانور مویشیوں میں سے فدیہ دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف والے کریں گے، یہ (فدیہ) بطور قربانی کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا اس کا کفارہ چند

صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ

مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کیا، اور جو کوئی

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾

دوبارہ وہی حرکت کرے تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے﴿95﴾

امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا تو کچھ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے وہ ساتھی جو فوت ہو گئے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے تھے تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......﴾ الآیة نازل فرمادی۔ اسی طرح جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ لوگوں نے عرض کی تھی اے اللہ کے رسول! ہمارے وہ بھائی جو فوت ہو گئے اور وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ (البقرة 2:143) نازل فرمادی تھی۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ الآیة تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [أَنْتَ مِنْهُمْ] ''تم بھی انھی میں سے ہو۔''[2] اسی طرح اسی سند سے امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔

تفسیر آیات: 95,94

حرم اور حالتِ احرام میں شکار کی حرمت: والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ

---

[1] مسند أحمد: 295/1. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود وأمه رضي الله عنهما، حديث: 2459 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المآئدة، حديث: 3053 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾: 337/6، حديث: 11153.

﴿ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ ﴾ ''اللہ ضرور تمھیں اس چیز کے شکار کے ذریعے سے آزمائے گا جس تک تمھارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد کمزور اور چھوٹا شکار ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حالت احرام میں آزماتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اسے ہاتھ سے پکڑ لیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے قریب جانے سے منع فرمادیا۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ ﴾ سے مراد شکار کے چھوٹے جانور اور ان کے بچے ہیں اور ﴿ رِمَاحُكُمْ ﴾ سے مراد شکار کے بڑے جانور ہیں۔[2]

مقاتل بن حیّان کہتے ہیں کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ جنگلی جانور، پرندے اور شکاری جانور ان کے پڑاؤ کے پاس اس طرح کثرت سے آرہے تھے کہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حالت احرام میں ان جانوروں کے شکار سے منع فرمادیا: ﴿ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ ''تاکہ اللہ معلوم کرے کہ اس سے بن دیکھے کون ڈرتا ہے۔''[3] یعنی اللہ تعالیٰ شکار سے انھیں آزمانا چاہتا ہے جو ان کے پڑاؤ کے پاس آرہا ہے اور جسے ظاہری و باطنی طور پر ہاتھوں اور نیزوں سے بڑی آسانی کے ساتھ پکڑا جاسکتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کون کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾ (الملك 12:67) ''بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔'' اور یہاں جو یہ فرمایا ہے کہ ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''تو جو اس کے بعد زیادتی کرے''

سُدّی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اس بات کے معلوم کرادینے کے بعد اور اس سے ڈرادینے کے بعد زیادتی کرے تو ﴿ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''تو اس کے لیے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔''[4] کیونکہ اس نے اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کی مخالفت کی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ ''مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا۔'' اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں، البتہ چند چیزوں کو حالت احرام میں مارنا مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَمسٌ فَوَاسِقُ يُقتَلنَ فِي (الحِلِّ وَ) الحَرَمِ : اَلغُرَابُ، وَالحِدَأَةُ، وَالعَقرَبُ، وَالفَأرَةُ، وَالكَلبُ العَقُورُ] ''پانچ موذی جانور ایسے ہیں جنھیں حرم میں قتل کیا جاسکتا ہے: (1) کوا (2) چیل (3) بچھو (4) چوہیا اور (5) باؤلا کتا۔''[5] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَمسٌ مِّنَ الدَّوَابِّ لَيسَ عَلَى المُحرِمِ فِي قَتلِهِنَّ جُنَاحٌ: اَلغُرَابُ،

---

[1] تفسير الطبرى: 53/7 وتفسير ابن أبى حاتم: 1203/4. [2] تفسير الطبرى: 52/7 . [3] تفسير ابن أبى حاتم: 1204/4.
[4] تفسير ابن أبى حاتم: 1204/4. [5] صحيح البخارى، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب فى شراب أحدكم فليغمسه ......، حديث: 3314 وصحيح مسلم، الحج، باب ما يندب للمحرم وغيره......، حديث: (68)-1198، البتہ [الحل] بخاری میں نہیں ہے جبکہ ان پانچ چیزوں کی ترتیب صحیح مسلم، حديث: (76)-1199 کے مطابق ہے۔

وَالْحِدَأَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفَأْرَةُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ] ''پانچ قسم کے جانور ایسے ہیں کہ انھیں قتل کرنے کی وجہ سے محرم کو کوئی گناہ نہیں ہوتا: (1) کوا (2) چیل (3) بچھو (4) چوہیا (5) باؤلا کتا۔''[1] ایوب نے نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] ایوب کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے سانپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ سانپ کے بارے میں تو کوئی شک اور اس کے قتل کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔[3] باؤلے کتے کے ساتھ بھیڑیے، درندے، چیتے اور شیر وغیرہ کو بھی ملا دیا گیا ہے کیونکہ یہ جانور تو باؤلے کتے سے بھی زیادہ خطرناک ہیں اور اس لیے بھی کہ ان تمام جانوروں پر کتے کے لفظ کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ محرم کون سے جانوروں کو قتل کرسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلْحَيَّةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْفُوَيْسِقَةُ، وَيَرْمِي الْغُرَابَ وَلَا يَقْتُلُهُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ، وَالْحِدَأَةُ، وَالسَّبُعُ الْعَادِي] ''(1) سانپ (2) بچھو (3) چوہیا (4) کوے کو کنکر مار کر اڑا دے مگر اسے قتل نہ کرے۔ (5) باؤلا کتا۔ (6) چیل اور (7) چیرنے پھاڑنے والا درندہ۔''[4] اس کو امام ابوداود، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

حرم یا حالتِ احرام میں شکار کا بدلہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾ ''اور جو تم میں سے جان بوجھ کر (اس حالت میں) شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسے اس کے برابر ایک جانور مویشیوں سے فدیہ دینا ہوگا۔'' مجاہد بن جبر فرماتے ہیں کہ یہاں جان بوجھ کر مارنے سے مراد یہ ہے کہ جو شکار کا قصد کر رہا ہو اور اپنے احرام کو بھول گیا ہو۔[5] اور جسے یاد ہو کہ وہ حالت احرام میں ہے، پھر جان بوجھ کر وہ شکار کو قتل کرے تو اس کا معاملہ اس سے کہیں بڑا ہے کہ اس کا کفارہ ادا کیا جاسکے کیونکہ اس طرح تو اس کا احرام ہی باطل ہو جاتا ہے لیکن یہ ایک غریب قول ہے اور جمہور کا قول یہ ہے کہ وجوب بدلہ کے سلسلے میں قصد و ارادے سے اور بھول کر شکار کرنے والے دونوں برابر ہیں۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ قصد و ارادے سے شکار کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید میں ذکر ہے اور بھول کر شکار کرنے والے کے بارے میں حکم سنت میں مذکور ہے۔[6] اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر شکار کرے اس پر بدلہ واجب ہے اور وہ گناہ گار ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب فی شراب أحدکم فلیغمسه......، حدیث:3315 وصحیح مسلم، الحج، باب مایندب للمحرم وغیره......، حدیث:(76)-1199 واللفظ له. [2] سنن النسائی، مناسك الحج، باب قتل الحدأة، حدیث:2836 . [3] مسند أبی یعلیٰ:184/10، حدیث:5810 . [4] سنن أبی داود، المناسك، باب ما یقتل المحرم من الدواب، حدیث:1848 وجامع الترمذی، الحج، باب ماجاء ما یقتل المحرم من الدواب، حدیث:838 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب مایقتل المحرم، حدیث:3089 . [5] تفسیر الطبری:54/7، 55. [6] تفسیر الطبری:57/7 .

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ﴾ ''تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو کوئی دوبارہ (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔'' سنت سے ثابت ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے غلطی سے شکار کرنے والے کے لیے بھی بدلے کو واجب قرار دیا ہے جیسا کہ قرآن مجید سے قصد وارادے سے شکار کرنے والے کے لیے بدلے کا وجوب ثابت ہے۔ پھر بات یہ بھی ہے کہ شکار کرنے میں جانور کی جان کا اتلاف ہے اور جان تو دونوں صورتوں میں تلف ہو جاتی ہے، خواہ کوئی قصد وارادے سے شکار کرے یا بھول کر۔ ہاں، البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ اگر کوئی قصد وارادے سے شکار کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہے لیکن بھول کر شکار کرنے والا گناہ گار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ ''تو (یا اس کا) بدلہ (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جو اس نے مارا۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ اسی طرح کا جانور بطور بدلہ دینا واجب ہے جس طرح کا جانور محرم نے قتل کیا ہو، بشرطیکہ پالتو جانوروں میں اس کی مثال موجود ہو جیسا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مثل کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا، مثلاً: انھوں نے فیصلہ کیا کہ شتر مرغ کا بدلہ اونٹ، نیل گائے کا بدلہ گائے اور ہرن کا بدلہ بکری ہے اور اگر شکار کیے جانے والے جانور کی پالتو جانوروں میں سے کوئی مثال نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس کی قیمت مکہ میں تقسیم کر دی جائے۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ ''جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف کرنے والے کریں گے۔'' یعنی مثل کے بدلے اور غیر مثل کی قیمت کا دو عادل مسلمان فیصلہ کریں۔ امام ابن جریر نے ابو جریز بَجَلی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے حالت احرام میں ہرن کا شکار کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جاؤ دو مسلمان بھائیوں کو لے آؤ جو تمھارا فیصلہ کریں تو میں عبدالرحمٰن اور سعد کو لے آیا تو انھوں نے فیصلہ فرمایا کہ میں بدلے میں سرخ سفید رنگ کا ایک بکرا دے دوں۔[2]

امام ابن جریر نے طارق کی روایت بیان کی ہے کہ اربد (بن عبداللہ بجلی) نے حالت احرام میں ایک ہرن کو شکار کیا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ فیصلے میں شریک ہو جاؤ تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ بدلے میں ایک بکری دے دی جائے کیونکہ دونوں میں قدرے مشترک پانی پینا اور درخت کے پتے کھانا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ ''جس کا فیصلہ تم میں سے دو انصاف کرنے والے کریں گے۔''[3]

---

[1] الدرالمنثور:579/2 والسنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب أين هدى الصيد وغيره:187/5. [2] تفسير الطبرى: 66/7 والسنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب جزاء الصيد بمثله من النعم......:182,181/5. من حديث أبي حَرِيز
[3] تفسير الطبرى:65/7 والسنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب جزاء الصيد بمثله من النعم......:182/5.

ارشادالٰہی ہے: ﴿ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ﴾ ’’قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے۔‘‘ کعبے پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اسے حرم میں پہنچا کر وہاں ذبح کیا جائے اور اس کے گوشت کو حرم کے مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس مسئلے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ فرمان الٰہی: ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ ’’یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے۔‘‘ یعنی جب محرم اپنے قتل کیے ہوئے شکار کے مانند کوئی جانور نہ پائے یا خود شکار ایسا ہوا ہی نہیں کہ جس کے مثل کوئی پالتو جانور ہو۔

علی بن ابوطلحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: ﴿ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا ﴾ کہ جب کوئی محرم شکار کر لے تو اس کا فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ اگر اس نے ہرن وغیرہ کا شکار کیا ہو تو اسے مکہ مکرمہ میں ایک بکری ذبح کرنی ہوگی اور اگر اس کے پاس بکری نہ ہو تو وہ چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر اسے اس کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھ لے اور اگر اس نے بارہ سنگا وغیرہ شکار کیا ہو تو اسکے بدلے میں وہ گائے ذبح کرے، اس کی استطاعت نہ ہو تو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیس روزے رکھے اور اگر وہ شتر مرغ یا نیل گائے وغیرہ شکار کرے تو اس کے بدلے میں اونٹ ذبح کرے، استطاعت نہ ہو تو تیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر تیس روزے رکھے۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے اور (امام ابن جریر نے) یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر مسکین کو ایک ایک مد کھانا دے جس سے وہ سیر ہو جائیں۔[1]

ارشادالٰہی: ﴿ لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ﴾ ’’تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے۔‘‘ یعنی اس پر یہ کفارہ ہم نے اس لیے واجب کیا ہے تاکہ اپنے اس فعل کی سزا کا مزہ چکھے جس میں اس نے اللہ کے حکم کی مخالفت کا ارتکاب کیا ہے۔ ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ﴾ ’’(اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا۔‘‘ یعنی زمانۂ جاہلیت میں جو ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے معاف کر دیا جو اسلام قبول کرنے کے بعد اچھے عمل کرے، اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع کرے اور کسی معصیت کا ارتکاب نہ کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ ’’اور جو کوئی پھر (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔‘‘ یعنی جو اسلام میں اس کے حرام ہونے کے بعد اور اس تک حکم شرعی پہنچنے کے بعد اس کا ارتکاب کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا: ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو زمانۂ جاہلیت میں ہو چکا اللہ نے اسے معاف فرما دیا ہے، میں نے کہا اور ﴿ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جو مسلمان ہونے کے بعد ایسا کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے کفارہ بھی ادا کرنا ہوگا، میں نے کہا کہ پھر ایسا کام کرنے کی صورت میں آپ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1208/4 و تفسیر الطبری:69,68/7.

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ

تمھارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے، یہ تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے۔ اور جب تک تم احرام کی حالت میں

مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿96﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ

ہو، تمھارے لیے خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے۔ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿96﴾ اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے

الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے اور (حرم والی) قربانی اور پٹوں والے جانوروں کو بھی (حرمت دی ہے)، یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿97﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿97﴾ جان لو! بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے، اور

شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿98﴾ رسول کے ذمے (اللہ کا پیغام) پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں، اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾

جو تم چھپاتے ہو ﴿99﴾

کے علم کے مطابق کوئی حد بھی ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: کیا امام کو چاہیے کہ اسے سزا دے؟ انھوں نے کہا نہیں، اس کا تعلق اللہ اور اس کے بندے سے ہے لیکن اسے اس کا فدیہ دینا چاہیے۔[1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کفارے کی صورت میں اس سے انتقام لے گا، یہ سعید بن جبیر، عطاء اور جمہور سلف وخلف کا قول ہے۔[2] کہ محرم جب شکار کو قتل کر دے تو اس پر بدلہ واجب ہے اور پہلی، دوسری اور تیسری بار بلکہ بار بار ایسا کرنے میں کوئی فرق نہیں، نیز اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ اس نے بھول کر ایسا کیا ہے یا جان بوجھ کر۔

امام ابن جریر فرمان الٰہی: ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾﴾ ''اور اللہ غالب (اور) انتقام لینے والا ہے۔'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست بادشاہت کا مالک ہے، کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر کسی سے وہ انتقام لینا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، کسی کو وہ سزا دینا چاہے تو کوئی اسے اس کی سزا سے بچا نہیں سکتا کیونکہ مخلوق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا، اسی کو عزت اور سربلندی حاصل ہے۔ ﴿ذُو انْتِقَامٍ ﴿95﴾﴾ یعنی جو اس کی معصیت اور نافرمانی کرے تو وہ اسے سزا دینے والا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 96-99

محرم کے لیے دریا کا شکار حلال ہے: سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ﴾ ''تمھارے لیے سمندر (کی چیزوں) کا شکار حلال کر دیا گیا ہے۔'' یعنی جو تر و تازہ شکار کیا جائے۔[4] ﴿وَطَعَامُهٗ﴾

[1] تفسير الطبري:78/7. [2] تفسير الطبري:80,79/7. [3] تفسير الطبري:84/7. [4] تفسير الطبري:85/7 وتفسير ابن أبي حاتم:1210/4.

''اور اس کا کھانا'' اور جو اس سے خشک نمکین بطور توشہ کے رکھ لیا جائے وہ حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور روایت میں ہے کہ شکار سے مراد وہ ہے جس کا شکار کر لیا جائے اور طعام سے مراد وہ ہے جسے وہ مردہ شکل میں پھینک دے۔ حضرت ابوبکر صدیق، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے، نیز عکرمہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابراہیم نخعی اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ﴾ ''تمھارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے ہے۔'' لوگو! یہ تمھارے نفع اور خوراک کے لیے ہے۔ ﴿وَ لِلسَّيَّارَةِ ۚ﴾ سَیَّار کی جمع ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو دریا کے قریب رہتے ہیں یا دریا میں سفر کر رہے ہیں۔[2] دیگر ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ تازہ شکار تو ان لوگوں کے لیے ہے جو دریا و سمندر کے پاس رہنے والوں میں سے اسے شکار کریں اور اس کا کھانا، یعنی جو جانور اس میں مر جائے یا اس سے شکار کر لیا جائے، اسے نمک لگا لیا جائے اور ٹکڑے بنا لیے جائیں تو وہ مسافروں اور دریا و سمندر سے دور لوگوں کے لیے زاد راہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سُدِّی وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی جانب ایک لشکر روانہ فرمایا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح امیر لشکر تھے اور میں بھی اس لشکر میں شامل تھا، اس کی تعداد تین سو تھی، ہم ابھی رستے ہی میں تھے کہ زادِ راہ ختم ہو گیا تو ابوعبیدہ نے حکم دیا کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آئے، اس طرح جو کچھ تھا وہ سب جمع کر لیا گیا اور اس میں سے وہ ہمیں روزانہ تھوڑی تھوڑی خوراک دیتے رہے حتی کہ یہ سب کچھ ختم ہو گیا اور ہمیں روزانہ صرف ایک ایک کھجور ملتی تھی، میں نے کہا کہ ایک کھجور کیا کرتی ہو گی؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب یہ کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو ہمیں اس کھجور کا احساس ہوا۔

انھوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب ہم سمندر پر پہنچے تو وہاں پہاڑ کی طرح ایک مچھلی تھی، اس لشکر نے اٹھارہ دن تک اسے کھایا، ابوعبیدہ نے حکم دیا تو اس کی پسلیوں میں سے دو کو کھڑا کر دیا گیا، پھر انھوں نے حکم دیا تو سواری پر بیٹھا ہوا سوار ان کے نیچے سے گزرا تو یہ اس کے سر کے اوپر تھیں اور اسے چھو نہیں رہی تھیں۔[4]

امام مالک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سمندر میں سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں اگر اس سے وضو کر لیں تو پیاسے رہ جائیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی کے ساتھ وضو کر سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ

---

[1] تفسیر الطبری: 84/7-87 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1210/4 والسنن الکبرٰی للبیهقی، الصید والذبائح، باب ما لفظ البحر وطفا من میتة: 255/9 . [2] تفسیر الطبری: 92/7. [3] تفسیر الطبری: 93/7. [4] الموطأ للإمام مالك، صفة النبی، باب ماجاء فی الطعام والشراب، حدیث: 1776 وصحیح البخاری، الشرکة، باب الشرکة فی الطعام والنهد والعُروض……، حدیث: 2483 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة میتات البحر، حدیث: 1935.

مَيْتَتُهُ] ''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔''[1] اس حدیث کو امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے جبکہ امام بخاری، ترمذی، ابن حبان اور دیگر کئی ائمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے اس حدیث کو نبیٔ اکرم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

محرم کے لیے خشکی کا شکار حرام ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ط﴾ ''اور خشکی کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے۔'' یعنی حالتِ احرام میں تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام ہے، یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس حالت میں شکار کرنا حرام ہے، لہٰذا جب کوئی محرم قصد وارادے سے شکار کرے تو وہ گناہ گار ہوگا اور اسے تاوان ادا کرنا ہوگا یا غلطی سے شکار کر لے تو بھی اسے تاوان ادا کرنا ہوگا۔ بہر حال شکار جس طرح بھی کیا ہو، اس کا کھانا اس کے لیے حرام ہے کیونکہ یہ مردار کی طرح ہے، اس شکار کا محرم یا غیر محرم دیگر سب لوگوں کے لیے بھی کھانا حرام ہے۔

اگر کسی غیر محرم نے شکار کیا ہو اور وہ محرم کو بطور ہدیہ دے دے تو اس صورت میں اگر غیر محرم نے محرم کو ہدیہ دینے کی نیت سے شکار کیا ہو تو پھر اس کے لیے جائز نہیں ہوگا کیونکہ صَعب بن جَثّامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں مقام ابواء یا وَدّان میں ایک نیل گائے پیش کی تو آپ نے اس کے ہدیے کو لوٹا دیا اور جب اس کے چہرے کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ] ''بے شک ہم نے ہدیہ اس لیے واپس کیا ہے کہ بلاشبہ ہم محرم ہیں۔'' یہ حدیث صحیحین میں ہے۔[3] اور یہ بہت سے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

اس سے استدلال یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے یہ سمجھا تھا کہ اس نے یہ شکار شاید آپ ہی کے لیے کیا ہے، اس لیے آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور اگر اس نے شکار محرم کی نیت سے نہ کیا ہو تو پھر اسے کھانا جائز ہے کیونکہ حدیث ابوقتادہ میں ہے کہ وہ حلال تھے اور محرم نہیں تھے کہ انھوں نے ایک نیل گائے کا شکار کیا، ان کے ساتھی محرم تھے تو انھوں نے اس شکار کے کھانے میں توقف کیا اور اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: [هَلْ كَانَ مِنْكُمْ أَحَدٌ أَشَارَ إِلَيْهَا أَوْ أَعَانَ فِي قَتْلِهَا ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَكُلُوا وَأَكَلَ مِنْهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ] ''کیا تم میں سے کسی نے اس شکار کی طرف اشارہ کیا یا اسے قتل کرنے میں مدد دی؟ صحابۂ کرام نے جواب دیا: جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: اسے کھا سکتے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے تناول فرمایا۔'' یہ قصہ بھی صحیحین میں بہت سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔[4]

---

[1] الموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: 7 . [2] كتاب الأم للشافعي، الطهارة: 6/1، حديث: 1 ومسند أحمد: 237/2 وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 83 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر أنه طهور، حديث: 69 وسنن النسائي، المياه، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 333 وسنن ابن ماجه، الطهارة و سننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث: 386 . [3] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب إذا أهدى للمحرم حماراً وحشياحيا لم يقبل، حديث: 1825 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البرى ......، حديث: 1193 . [4] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يشير المحرم إلى الصيد لكي يصطاده الحلال، حديث: 1824 وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم الصيد المأكول البرى ......، حديث: 1196.

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾ [1] ''اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے ڈرتے رہو۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگو! اللہ سے ڈرو، اس کی اطاعت بجالاؤ، فرائض کو ادا کرو اور جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے، ان سے باز آ جاؤ۔ ان آیات میں جنھیں اس نے تمھارے نبی پر نازل فرمایا ہے، اس نے تمھیں شراب، جوئے، بتوں، پانسوں اور حالتِ احرام میں جنگل کے شکار سے منع فرمایا ہے اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ تمھیں تمھاری نافرمانی کی سزا دے گا اور اطاعت کی جزا دے گا۔ ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ ''اللہ نے عزت کے گھر کعبے کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے عزت والے گھر، یعنی کعبے کو ان لوگوں کے لیے ستون اور نظام بنا دیا ہے جن کے پاس کوئی ایسا سردار نہ ہو جو قوی کو کمزور پر، بدکار کو نیکوکار پر اور ظالم کو مظلوم پر زیادتی کرنے سے روک سکے۔

﴿ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ط ﴾ ''اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔'' ان چیزوں کو بھی اس نے اسی طرح نظام بنا دیا ہے جیسا کہ کعبے کو اس نے نظام بنایا ہے، ان سب کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے رک جاتے ہیں جبکہ ان کے پاس کوئی اور روکنے والا نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو دین کے نشانات اور بندوں کے امور کے مصالح بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ، حرمت والے مہینے، قربانی اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں، ان عربوں کے لیے جو ان کی تکریم و تعظیم کرتے تھے، اس سربراہ کے قائم مقام بنا دیا ہے جو اپنے پیروکاروں کے امور کی نگہداشت کرتا ہو۔

کعبے سے مراد سارا حرم ہے، اسے حرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں شکار کرنا، کانٹوں کو توڑنا اور درختوں کو کاٹنا حرام ہے، اسی طرح کعبے، عزت والے مہینے، قربانی اور گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے عربوں کے لیے نظام حکومت کی طرح بنا دیا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے امور و معاملات کی درستی کا انحصار انھی پر تھا اور اسلام میں اللہ تعالیٰ نے انھیں حج و مناسک کے نشان اور نماز کا قبلہ بنا دیا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''یہ اس لیے

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہاں 96 تا 99 چار آیات ذکر فرمائیں اور ان میں سے پہلی آیت کے اس حصے تک کی تفسیر بیان فرمائی اور اس کے بعد اس آیت کے آخری حصے اور دیگر تین آیات کی یہاں تفسیر بیان نہیں فرمائی اور تمام مخطوط اور مطبوع نسخے ان آیات کی تفسیر سے خالی ہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سے سہو ہو گیا اور یہ تفسیر رہ گئی، یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ سہو نسخے لکھنے والوں کی طرف سے ہو کیونکہ اختلاف مصادر کے باوجود تمام نسخوں ہی میں اس مقام کی تفسیر موجود نہیں ہے، لہٰذا میں نے مناسب سمجھا کہ اس نقص کو دور کر دوں، اس لیے میں نے اس مقام کو امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر سے اختصار اور تصرف کے ساتھ اور انھی کی تفسیر پر اکتفا کرتے ہوئے پُر کر دیا ہے اور مقدور بھر کوشش کی ہے کہ امام ابن جریر کی عبارت عالیہ ہی کو یہاں درج کیا جائے (تکمیل از قلم شیخ احمد شاکر) اصل نسخے میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس مقام سے تین آیات 97 تا 99 کی تفسیر ساقط ہو گئی ہے۔ نسخہ مکیہ میں یہاں بیاض چھوڑ دی گئی ہے اور اس میں یہ تکمیل نہیں ہے۔ (ناشر)

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: پاک اور ناپاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو حیرانی میں ڈال دے، پس اے عقل والو! تم اللہ سے ڈرو تا کہ تم

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿100﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

فلاح پاؤ﴿100﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں، اور اگر تم ان کے

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿101﴾

متعلق سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، اللہ نے (تمھاری) اس حرکت کو معاف کر دیا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا،

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿102﴾

بہت حوصلے والا ہے﴿101﴾ ان کے بارے میں تم سے پہلے بھی ایک قوم نے سوال کیا تھا، پھر ان (باتوں) کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے﴿102﴾

تا کہ تم جان لو جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے بے شک اللہ سب کو جانتا ہے اور بے شک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔''
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو! میں نے ان چیزوں کو تمھارے لیے قیام اس لیے بنایا ہے تا کہ تم یہ جان لو کہ جس اللہ نے تمھاری دنیوی مصلحتوں کے لیے ان چیزوں کو قوام بنایا ہے اور وہ تمھارے نفع و نقصان سے بھی خوب آگاہ ہے، اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون سی چیزیں تمھاری دنیا کے لیے بہتر ہیں؟ اور کون سی تمھاری آخرت کے لیے بہتر ہیں؟ اور تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، تمھارے امور و معاملات میں سے کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں، اس نے ایک ایک چیز کو گن رکھا ہے تا کہ نیکو کار کو اس کی نیکی کی جزا اور بدکار کو اس کی برائی کی سزا دے۔ ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿98﴾ ﴾
''جان رکھو! بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا، مہربان بھی ہے۔''
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس بات کو خوب جان لو کہ تمھارا رب جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جس سے تمھارے ظاہری و باطنی اعمال کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں، وہ اپنی نافرمانی کرنے والوں کو سخت عذاب دیتا ہے اور اطاعت کرنے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور وہ بے حد مہربان ہے کہ توبہ کرنے والوں اور اس کی طرف رجوع کرنے والوں کو ان کے سابقہ گناہوں کی وجہ سے سزا نہیں دیتا۔ ﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿99﴾ ﴾ ''پیغمبر کے ذمے تو صرف (اللہ کے پیغام کا) پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ مخفی کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے سرزنش اور وعید ہے کہ ہمارے اس رسول کے ذمے، جسے ہم نے تمھاری طرف بھیجا ہے، یہ ہے کہ وہ تم تک ہمارے پیغام کو پہنچا دے، پھر اطاعت پر ثواب اور معصیت پر عذاب دینا ہمارا کام ہے۔ اور ہم سے نہ وہ شخص مخفی ہے جو اطاعت کرے اور ہمارے پیغام کو قبول کر لے اور نہ وہ جو نافرمانی کرے اور پیغام قبول کرنے سے انکار کر دے کیونکہ ہم تم میں سے ہر ہر شخص کے عمل کو جانتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس نے اپنے اعضاء کے ساتھ کیا عمل سرانجام دیا اور زبان کے ساتھ کیا لفظ بولا ہے، نیز تم اپنے دلوں میں ایمان اور کفر یا یقین اور شک و نفاق کو جو چھپائے ہوئے ہو ہم اس سے بھی خوب آگاہ ہیں تو جس ذات گرامی کی یہ شان ہو اس سے نہ تو دلوں کی دھڑکنیں

مخفی رہ سکتی ہیں اور نہ ظاہری اعمال، وہ آسمان وزمین کے ذرے ذرے سے آگاہ ہے، اسی کے ہاتھ میں ثواب وعذاب ہے، وہ اس لائق ہے کہ اسی سے ڈرا جائے، اس کی اطاعت بجالائی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔

تفسیر آیات:100-102

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' اے محمد ﷺ! ﴿لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ﴾ ''کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تمھیں خوش ہی لگے'' یعنی اے انسان! ﴿كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ ''ناپاک چیزوں کی کثرت۔'' یعنی قلیل مگر حلال اور نافع اس کثیر سے بہتر ہے جو حرام اور نقصان دہ ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى] ''جو کم ہو اور کفایت کرے، وہ اس زیادہ سے بہتر ہے جو غافل کر دے۔''[1] ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ''تو عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی اے صحیح اور مستقیم عقل والو! اللہ سے ڈرو، حرام سے اجتناب کرو اور اسے چھوڑ دو اور حلال پر قناعت کرو اور اسے کافی جانو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝١٠٠﴾ ''تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

بے فائدہ سوال کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ ''مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ادب سکھایا ہے اور انھیں ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع فرما دیا ہے جن کے بارے میں سوال کرنے اور کرید کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سوال کے جواب میں اگر ان باتوں کو ظاہر کر دیا جائے تو انھیں بری لگیں اور ان کا سننا ان کے لیے گراں ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ میں نے اس طرح کا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا، آپ نے اس خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا: [لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ، لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا، وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا] ''اگر تم اسے جان لو جسے میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔'' حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا اور زار وقطار رونے لگے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ میرے والد کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''فلاں'' تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾[2] اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری جگہ پر بھی ذکر کیا ہے اور امام مسلم، احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

[1] مسند أحمد:197/5 عن أبي الدرداء رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدة5:101)، حديث:4621. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ:[لو تعلمون ما أعلم......]، حديث:6486 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ، و ترك إكثار سؤاله عما لاضرورة إليه ......، حديث:2359 ومسند أحمد:180/3 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3056 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ﴾ :6/338، حديث:11154.

امام ابن جریر نے قتادہ سے اسی آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کثرت سے سوال پوچھے تو ایک دن آپ تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز ہو گئے اور فرمایا:[لَا تَسْأَلُونِیَ الْیَوْمَ عَنْ شَیْءٍ إِلَّا بَیَّنْتُهُ لَكُمْ] ''آج تم مجھ سے جو بھی سوال پوچھو گے تو میں تمھیں اس کا جواب دوں گا۔'' یہ سن کر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے کہ شاید کوئی معاملہ پیش نہ آنے والا ہو، میں نے دائیں بائیں دیکھا تو محسوس ہوا کہ ہر شخص اپنے کپڑے میں سر چھپائے رو رہا ہے،[فَأَنْشَأَ رَجُلٌ كَانَ یُلَاحٰی فَیُدْعٰی إِلٰی غَیْرِ أَبِیهِ، فَقَالَ: یَانَبِیَّ اللّٰهِ، مَنْ أَبِی؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ] ''ایک شخص نے عرض کی، جسے اس کے غیر باپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، اے اللہ کے نبی! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تمھارا باپ حذافہ ہے۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہیں اور برے فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمْ أَرَ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ كَالْیَوْمِ قَطُّ، صُوِّرَتْ لِیَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتّٰی رَأَیْتُهُمَا دُونَ الْحَائِطِ] ''جیسا منظر آج دیکھا ہے کبھی اس طرح کا اچھا یا برا منظر نہیں دیکھا، مجھے جنت اور جہنم کا منظر دکھا دیا گیا حتی کہ میں نے انھیں دیوار سے بھی آگے دیکھا ہے۔'' اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سعید کی سند سے بیان کیا ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے از راہ مذاق سوال پوچھا کرتے تھے کوئی کہتا کہ میرا باپ کون ہے؟ کسی کی اونٹنی گم ہو جاتی تو وہ پوچھتا کہ میری اونٹنی کہاں ہے؟ تو ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ...... ﴾ الآیۃ یہاں تک کہ آیت کو مکمل کر دیا۔ اس روایت کو صرف امام بخاری ہی نے روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾ (آل عمران3:97) ''اور اللہ نے لوگوں پر حج فرض کیا ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی طاقت رکھیں۔'' صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے، انھوں نے پھر پوچھا: کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ پھر خاموش رہے، انھوں نے پھر پوچھا: کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا:[(لَا)، وَلَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، (وَلَوْ وَجَبَتْ) لَمَا اسْتَطَعْتُمْ] ''نہیں، ہر سال فرض نہیں ہے اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا جبکہ تم اس کی استطاعت نہ رکھتے۔'' تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا

[1] تفسیر الطبری:109/7 وصحیح البخاری، الفتن، باب التعوذ من الفتن، حدیث:7089 وصحیح مسلم، الفضائل، باب توقیرہ ﷺ وترك إكثار سؤاله عما لا يقع......، حدیث:(137)-2359 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المآئدۃ5:101)، حدیث:4622 .

...... ﴾الآية[1] اسی طرح اس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] آیت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان اشیاء کے بارے میں سوال کی ممانعت ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو جائیں تو بری لگیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان سے اعراض کرتے ہوئے انھیں ترک کر دیا جائے۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿وَإِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ﴾ ''اور اگر تم ان کے بارے میں پوچھو گے جبکہ قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی۔'' یعنی اگر تم ان چیزوں کے بارے میں اس وقت پوچھو جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل کی جا رہی ہو تو تمھارے لیے انھیں بیان بھی کر دیا جائے گا۔ ﴿وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ (التغابن 64:7) ''اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا﴾ اللہ نے (تمھاری) اس حرکت کو معاف فرما دیا ہے۔'' یعنی اب سے پہلے جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا۔ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا، بردبار ہے۔'' مراد یہ ہے کہ چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو، ممکن ہے کہ تمھارے سوال کی وجہ سے کوئی ایسا حکم نازل ہو جائے جس میں تمھارے لیے سختی اور تنگی ہو۔

حدیث میں آیا ہے: [(إِنَّ) أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَّنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَّمْ يُحَرَّمْ ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْئَلَتِهِ] ''بے شک مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام قرار دے دی گئی۔''[3] صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ] ''مجھے اس وقت تک چھوڑے رکھو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سے سوال پوچھنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔''[4]

صحیح حدیث میں یہ بھی ہے: [إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا ، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ (رَحْمَةً) بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَسْأَلُوا عَنْهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں، پس انھیں ضائع نہ کرو، کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ چیزوں سے منع فرما دیا ہے

---

[1] مسند أحمد: 113/1. [2] صحيح مسلم ، الحج ، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: 1337 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. جبکہ [لَا] کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث: 3055 عن علي رضی اللہ عنہ. وسنن ابن ماجه، المناسك، باب فرض الحج، حديث: 2884 اور [وَلَو وَجَبَتْ] دیکھیے المستدرك للحاكم، التفسير، باب من سورة آل عمران: 293/2 ، حديث: 3155 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايُكره من كثرة السؤال......، حديث: 7289 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك إكثارسؤاله عما لا ضرورة إليه ......، حديث: 2358 . [4] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7288 وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث: 1337 واللفظ له.

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ

اللہ نے نہیں بنایا کسی کو بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام اور لیکن یہ کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

عقل نہیں رکھتے ﴿۱۰۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور (آؤ) رسول کی طرف تو وہ

وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کہتے ہیں: ہمیں وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانتے ہوں اور نہ وہ ہدایت

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

یافتہ ہی ہوں (تو بھی وہ کی انھی پیروی کریں گے)؟ ﴿۱۰۴﴾

ان کی بے حرمتی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے تم پر رحمت کے پیش نظر نہ کہ بھولنے کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے، ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ﴾ ''جبکہ اس طرح کی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھی تھیں۔ (مگر جب بتائی گئیں تو) پھر ان کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔'' یعنی یہ سوال جن سے تمھیں منع کر دیا گیا ہے، تم سے پہلے لوگوں نے بھی پوچھے تھے اور جب انھیں ان کا جواب دیا گیا تو وہ ایمان نہ لائے بلکہ کافر ہو گئے، انھیں ان کے سوالوں کا جواب تو دیا گیا مگر وہ اس سے کوئی فائدہ نہ حاصل کر سکے کیونکہ انھوں نے رہنمائی حاصل کرنے کے لیے یہ سوال نہیں پوچھے تھے بلکہ مذاق، ضد اور ہٹ دھرمی کے طور پر پوچھے تھے۔

تفسیر آیات:104,103

بَحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تفسیر: امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن مُسَیَّب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بَحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کے دودھ کو بتوں کے لیے وقف کر دیا جاتا تھا اور کوئی آدمی اس کے دودھ کو نہیں دوہتا تھا اور سائبہ اس جانور کو کہتے تھے جسے وہ اپنے معبودوں کے لیے وقف کر دیتے تھے اور ان پر کوئی بوجھ نہیں لادا جاتا تھا۔ فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ] ''میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی انتڑیوں کو جہنم میں گھسیٹ رہا تھا، یہ پہلا شخص تھا جس نے جانوروں کو سائبہ بنانے کی رسم کی داغ بیل ڈالی تھی۔'' اور وصیلہ اس جوان اونٹنی کو کہتے ہیں جو پہلی اور دوسری بار مادہ کو جنم دیتی اور اگر اس نے پہلی اور دوسری بار مادہ ہی کو جنم دیا ہوتا اور درمیان میں کوئی نر نہ ہوتا تو اسے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیهقی، الضحایا، باب مالم یذکر تحریمه ولا کان فی معنی ماذکر تحریمه مما یؤکل أو یشرب: 12/10 و سنن الدار قطنی: 199/4، حدیث: 4768 اور بیہقی میں [رحمة] کے بجائے [رخصة] ہے اور اس حدیث کو علامہ البانی نے ضعیف کہا ہے، دیکھیے غایة المرام، رقم: 4 مزید دیکھیے السلسلة الصحیحة: 325/5، حدیث: 2256.

تھے۔اور حام اس سانڈ اونٹ کو کہتے تھے جو ایک مخصوص تعداد میں اونٹنیوں کو حاملہ کر دیتا تو اسے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور اس پر کوئی بوجھ نہیں لادتے تھے اور اسے حامی کے نام سے موسوم کر دیتے تھے۔ ①

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ وَعَبَدَ الْأَصْنَامَ أَبُو خُزَاعَةَ عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ ، وَإِنِّي رَأَيْتُهُ يَجُرُّ أَمْعَاءَهُ فِي النَّارِ] ''بے شک جس نے سب سے پہلے جانوروں کو سائبہ بنانے کی رسم ڈالی اور سب سے پہلے بتوں کی عبادت کی وہ ابوخزاعہ عمرو بن عامر تھا اور میں نے اسے دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا تھا۔'' ② اس روایت کو صرف امام احمد ہی نے بیان کیا ہے۔

اس عمرو سے مراد ابن لُحَی بن قَمعہ ہے، یہ بنوخزاعہ کا ایک سردار تھا اور بنوخزاعہ، بنوجُرہُم کے بعد بیت اللہ کے متولی بنے تھے، یہ پہلا شخص تھا جس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین کو بدلا تھا اور سرزمین حجاز میں بت داخل کیے تھے، اس نے لوگوں کو بتوں کی عبادت کے ذریعے سے تقرب حاصل کرنے کی دعوت دی اور جانوروں وغیرہ کے بارے میں ان جاہلانہ رسموں کو رواج دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ﴾ (الأنعام6:136) ''اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا۔'' اس مضمون کی آخر آیات تک ذکر فرمایا ہے۔

بحیرہ کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ اونٹنی تھی جو پانچ بچوں کو جنم دے دیتی تھی اگر پانچواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کر کے صرف مرد کھاتے، عورتوں کو اسے کھانے کی اجازت نہ تھی اور اگر پانچواں بچہ مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹ دیتے اور کہتے کہ یہ بحیرہ ہے۔ ③ سُدّی وغیرہ نے بھی قریباً اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ④

سائبہ کے بارے میں امام مجاہد فرماتے ہیں کہ جس طرح اونٹوں میں سے بحیرہ تھا، اسی طرح ایسی بکری کو سائبہ کہتے تھے، اس فرق کے ساتھ کہ بکری نے چھ بچوں کو جنم دیا ہو اور اس کے بعد اگر ساتویں بچے کو وہ نر یا مادہ یا دو نر بچے جنم دیتی تو اسے ذبح کر دیتے اور اسے بھی صرف مرد کھا سکتے تھے عورتیں نہیں۔ ⑤ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ سائبہ سے مراد وہ اونٹنی تھی جس نے مسلسل دس مادہ بچوں کو جنم دیا ہوتا تھا اور ان میں کوئی نر نہ ہوتا تھا تو اسے چھوڑ دیا جاتا، اس پر سواری نہ کی جاتی، اس کی اون نہ کاٹی جاتی اور اس کے دودھ کو نہ دوہا جاتا۔ ہاں، البتہ صرف مہمان کے لیے اس کے دودھ کو دوہا جاتا تھا۔ ⑥

ابورَوق کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر جاتا اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی تو وہ اپنے مال میں سے اونٹنی یا کسی اور چیز کو بتوں کے نام پر وقف کر دیتا تھا اور اگر وہ کسی بچے کو جنم دیتی تو اسے بھی بتوں ہی کے نام پر

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ ...... ﴾ (المآئدة5:103)، حديث:4623 و صحيح مسلم الجنة و نعيمها، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث:(51)-2856 مختصراً . ② مسند أحمد: 446/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1220/4. ④ تفسير ابن أبي حاتم:1220/4 و تفسير الطبري:122/7. ⑤ تفسير الطبري:122,121/7 و تفسير ابن أبي حاتم:1222/4. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:1222/4.

وقف کر دیا جاتا تھا۔[1] سُدّی نے بھی کہا ہے کہ ان میں سے جب کسی شخص کی ضرورت پوری ہو جاتی یا اسے مرض سے شفا حاصل ہوتی یا اس کا مال زیادہ ہو جاتا تو وہ اپنے مال میں سے کچھ بتوں کے نام پر وقف کر دیتا تھا اور اگر کوئی اس سے تعرض کرتا تو اسے دنیا میں سزا دی جاتی تھی۔[2]

وصیلہ کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ بکری تھی جس کے بطن سے سات بچے پیدا ہو چکے ہوتے تھے، ساتویں بچے کو دیکھتے کہ اگر وہ نر ہوتا تو اسے مرد کھاتے، عورتیں شریک نہیں ہوتی تھیں اگر وہ مادہ ہوتا تو اسے زندہ رہنے دیتے اگر بیک وقت نر اور مادہ دو بچے پیدا ہوتے تو انھیں بھی زندہ رہنے دیتے اور کہتے کہ اس کی بہن نے اسے اپنے ساتھ ملا کر اس کے کھانے کو ہمارے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔[3] امام عبدالرزاق نے مَعْمَر از زہری کی سند سے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ وصیلہ سے مراد وہ اونٹنی تھی جو پہلی بار مادہ بچے کو جنم دیتی اور اس کے بعد دوبارہ پھر مادہ بچے ہی کو جنم دیتی تو وہ اسے وصیلہ کے نام سے موسوم کرتے اور کہتے کہ اس اونٹنی نے یکے بعد دیگرے دو مادہ بچوں کو جنم دیا ہے، درمیان میں کوئی نر بچہ نہیں ہے، ایسی اونٹنی کے کان کاٹ کر اسے وہ بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔[4] امام مالک بن انس نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ وصیلہ اس بکری کو کہتے تھے جس نے پانچ بار دو دو بچوں کو جنم دیا ہوتا تھا اسے وہ وصیلہ کا نام دے کر چھوڑ دیتے تھے اور اس کے بعد جس بچے کو وہ جنم دیتی تو اسے صرف مرد کھاتے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں اور اگر وہ مردہ بچے کو جنم دیتی تو اسے مرد عورتیں سب مل کر کھاتے تھے۔[5]

حامی (حام) کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کسی آدمی کا سانڈ دس اونٹنیوں کو بار آور کر دیتا تو کہا جاتا ہے کہ یہ حام ہے اسے چھوڑ دو۔[6] ابورَوق اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[7] جبکہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ جب کسی اونٹ کے بچے کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ اب اس نے اپنی پشت کو محفوظ کر لیا ہے، لہٰذا وہ نہ اس پر کوئی چیز لادتے، نہ اس کی اون کاٹتے، نہ اسے کسی چراگاہ میں چرنے سے منع کرتے اور نہ کسی حوض سے پانی پینے ہی سے منع کرتے، خواہ وہ حوض کسی کا بھی ہوتا۔[8] ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ حام وہ اونٹ تھا جسے اونٹنیوں میں چھوڑ دیا جاتا اور جب اونٹنیوں کو بار آور کرنے کی تعداد مکمل ہو جاتی تو وہ اس پر مور کے پر لگا دیتے اور اسے بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔[9] اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث بھی وارد ہے جسے امام ابن ابو حاتم نے بطریق ابواسحاق سبیعی از ابوالاَحوص جُشَمی، ان کے والد مالک بن نَضلہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بوسیدہ کپڑوں میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1222/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1222/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 1222/4،1223 وتفسیر الطبری:122/7. [4] تفسیر عبدالرزاق:30/2، رقم:748. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1223/4. [6] تفسیر ابن أبی حاتم:1224/4. [7] تفسیر ابن أبی حاتم:1224/4. [8] تفسیر ابن أبی حاتم:1223/4. [9] تفسیر ابن أبی حاتم: 1224/4.

[هَلْ لَّكَ مِنْ مَّالٍ؟ قُلْتُ : نعَمْ، قَالَ: مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: فَقُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ: مِنَ الْإِبِلِ، وَالْغَنَمِ ، وَالْخَيْلِ ، وَالرَّقِيقِ، قَالَ: فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ عَلَيْكَ، ثُمَّ قَالَ: تُنْتَجُ إِبِلُكَ وَافِيَةً آذَانُهَا؟ قَالَ: قُلْتُ: نعَمْ ، وَهَلْ تُنْتَجُ الْإِبِلُ إِلَّا كَذٰلِكَ قَالَ: فَلَعَلَّكَ تَأْخُذُ مُوسٰى فَتَقْطَعُ آذَانَ طَائِفَةٍ مِّنْهَا، وَتَقُولُ: هٰذِهِ [بُحُرٌ] وَتَشُقُّ آذَانَ طَائِفَةٍ مِّنْهَا وَتَقُولُ: هٰذِهِ حُرُمٌ، فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَلَا تَفْعَلْ، إِنَّ كُلَّ مَا آتَاكَ اللّٰهُ لَكَ حِلٌّ]

''کیا تمھارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کی: اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام ہر قسم کا مال ہے۔ فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تم کو مال عطا فرمائے تو وہ تم پر نظر آنا چاہیے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تمھارے اونٹ پورے کانوں کے ساتھ بچوں کو جنم دیتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، اور اونٹ اسی طرح تو بچوں کو جنم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: شاید کہ تم استرے سے بعض اونٹوں کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بُحُر ہے اور بعض کے کان کاٹ کر کہتے ہو کہ یہ حُرُم ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمھیں عطا فرمایا ہے وہ تمھارے لیے حلال ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ﴾ ''اللہ نے نہ تو کسی کو بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔'' بحیرہ سے مراد وہ جانور ہیں جن کے وہ کان کاٹ دیتے تھے اور بیوی، بیٹیاں اور گھر کا کوئی بھی دوسرا فرد ان کے بالوں، اون اور دودھ وغیرہ کو استعمال نہیں کرتا تھا اور اگر وہ جانور مر جاتا تو پھر سب لوگ اسے کھا لیتے تھے۔[1]

سائبہ سے مراد وہ جانور ہے جسے وہ اپنے معبودوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے۔ وصیلہ سے مراد وہ بکری ہے جو چھ بار بچوں کو جنم دے دیتی تھی اور جب وہ ساتویں بار بچے کو جنم دیتی تو اس کے کان کاٹ دیتے اور سینگ توڑ دیتے اور کہتے کہ یہ وصیلہ ہے، اسے وہ ذبح نہیں کرتے تھے اور اسے کسی بھی حوض پر وارد ہونے کی وجہ سے نہ مارتے تھے اور نہ منع کرتے تھے۔ حدیث میں درج اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی جاتی ہے۔ ایک دوسری سند ابواسحاق از ابوالاحوص عوف بن مالک عن ابیہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔[2] نیز اس حدیث کو امام احمد نے سفیان بن عیینہ سے، انھوں نے ابوالزعراء عمرو بن عمرو سے، انھوں نے اپنے چچا ابوالاحوص عوف بن مالک بن نضلہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں یہ تفسیر نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[3]

ارشاد الٰہی: ﴿وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳﴾ ''لیکن کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مشروع قرار نہیں دیا تھا اور نہ یہ اس کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ انھیں مشرکوں نے از خود گھڑ کر شریعت اور قربت قرار دے لیا تھا جبکہ انھیں ان سے قربت تو

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1220/4 و سنن أبي داود، اللباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث:4063 مختصراً .
[2] تفسير ابن أبي حاتم:1221/4 . [3] مسند أحمد:137,136/4.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کی فکر لازم ہے، جو شخص گمراہ ہو، وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔ تم سب کا اللہ ہی کی

جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾

طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو﴿105﴾

حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ ان کے لیے وبال بن گئی تھیں: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ ﴾ ''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے، اس کی اور رسول اللہ کی طرف آؤ تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمیں کافی ہے۔'' جب انھیں یہ دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین وشریعت کو اور جن امور کو اس نے واجب قرار دیا ہے انھیں اختیار کرو اور جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے، انھیں ترک کر دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی طریقے اور مسلک کافی ہیں جن پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں (تو بھی وہ ان کی پیروی کریں گے؟)'' یعنی حق کو نہ سمجھتے ہوں اور نہ جانتے پہچانتے ہوں تو اس حالت میں یہ ان کی کیونکر اتباع کرتے ہیں، ان کی اتباع تو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ان سے زیادہ جاہل اور ان سے بڑھ کر گمراہ ہو۔

تفسیر آیت:105

اصلاح نفس کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے نفسوں کی اصلاح کریں اور مقدور بھر کوشش کر کے نیک کام کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی اصلاح کر لے تو اسے کسی خراب شخص کی خرابی، خواہ وہ قریب ہو یا بعید کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے قیس کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ ﴾ ''اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو! جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمھارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔'' اور تم اس سے غلط استدلال کرتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ وَلَا يُغَيِّرُوهُ، أَوْشَكَ اللّٰهُ أَنْ يَّعُمَّهُمْ بِعِقَابِهِ] ''بے شک لوگ جب کسی برائی کو دیکھیں اور اسے نہ مٹائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔'' راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بیان فرماتے ہوئے بھی سنا کہ لوگو! جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ ایمان کے منافی ہے۔[1]

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث:4338 وجامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في نزول العذاب إذا لم يغير المنكر، حديث:2168 ومسند أحمد: 5/1 واللفظ له.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمھارے درمیان گواہی ہونی چاہیے اور وصیت کے وقت اپنے (مسلمانوں) میں سے دو

ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ

انصاف والے گواہ ہوں یا اگر تم زمین میں سفر پر نکلے ہو اور (راستے میں) موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیر قوم کے دو گواہ بھی کافی ہوں گے، پھر اگر

مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا

تمھیں کوئی شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد (مسجد میں) روک لو، تو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی قیمت نہیں لے رہے اور

وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿106﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا

کوئی ہمارا رشتے دار بھی ہو (تو ہم اس کی رعایت کرنے والے نہیں) اور ہم اللہ کی گواہی نہیں چھپاتے، اگر ہم ایسا کریں تو ہم گناہ گاروں میں شمار ہوں گے ﴿106﴾ پھر

اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ

اگر پتا چل جائے کہ بے شک ان دونوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے پھر ان دونوں کی جگہ دو قریبی رشتے دار (بطور) گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں، جو

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى

(میت کے ترکے کے) حقدار ہیں، تو وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان (پہلے) دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے، اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، اگر

اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے ﴿107﴾ یہ (اسلوب) قریب تر ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے، یا (کم از کم اس بات ہی کا) خوف کریں گے کہ کہیں ان

وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ ع

(ورثاء) کی قسموں کے بعد ان کی قسمیں رد نہ کر دی جائیں، اور تم اللہ سے ڈرو اور سنو، اور اللہ نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿108﴾

14 ع 8 4

تفسیر آیات: 106-108

وصیت پر دو عادل آدمیوں کی شہادت: یہ آیت کریمہ ایک زبردست حکم پر مشتمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ﴾ ''مومنو! جب تم میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو شہادت (کا نصاب) یہ ہے کہ وصیت کے وقت تم (مسلمانوں میں) سے دو عادل (صاحب اعتبار) گواہ ہوں۔'' اثنان کے معنی ہیں دو آدمیوں کی گواہی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ دو آدمی گواہی دیں۔ اور ارشاد الٰہی: ﴿ذَوَا عَدْلٍ﴾ یعنی ان دو آدمیوں کا وصف ہے کہ وہ عادل ہوں اور ﴿مِّنْكُمْ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ تم مسلمانوں میں سے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ ''یا دو دوسرے تمھارے غیر میں سے (گواہ) ہوں۔'' امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلموں، یعنی اہل کتاب میں سے دو آدمیوں کو گواہ مقرر کر لو۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ ''اگر تم زمین میں سفر پر ہو اور (اس وقت) تم

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1229/4 و تفسير الطبري: 141,140/7.

پر موت کی مصیبت واقع ہو۔'' یعنی مومنوں کی عدم موجودگی کی صورت میں ذمیوں کی شہادت کے جواز کی یہ دو شرطیں ہیں کہ سفر کی حالت ہو اور وصیت کا موقع ہو جیسا کہ قاضی شریح نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام ابن جریر نے قاضی شریح کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سفر کے سوا یہود و نصاریٰ کی شہادت جائز نہیں اور سفر میں بھی صرف وصیت کے لیے جائز ہے۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ ﴾ ''تو ان دونوں کو نماز کے بعد روک لو۔'' یہاں نماز سے مراد نماز عصر ہے۔ سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، قتادہ، عکرمہ اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ سے اسی طرح مروی ہے۔[2] امام زہری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمانوں کی نماز ہے۔[3] یعنی ان دو گواہوں کو نماز کے بعد جس میں نماز پڑھنے والوں کی موجودگی میں کھڑا کیا جائے۔

﴿ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ ﴾ ''پھر دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں۔''

﴿ اِنِ ارْتَبْتُمْ ﴾ ''اگر تم کو (ان گواہوں کی نسبت) کچھ شک ہو۔'' یعنی اگر تمھیں ان کی بابت یہ شک ہو کہ انھوں نے کچھ خیانت کی ہے تو وہ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ﴿ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا ﴾ ''ہم شہادت کا کچھ عوض نہیں لیں گے۔'' یعنی ہم فانی اور زوال پذیر ہونے والی اس دنیا کے اس قلیل مال کو ہم معاوضے کے طور پر نہیں لیں گے ﴿ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ ''گو ہمارا رشتے دار ہی ہو۔'' یعنی جس کے بارے میں ہم شہادت دے رہے ہیں اگرچہ وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ﴾ ''اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے۔'' شہادت کے شرف اور اہمیت وعظمت کی وجہ سے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ ﴿ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ۝۱۰۶ ﴾ ''اگر ہم ایسا کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔'' یعنی اگر ہم نے شہادت کی تحریف کی یا تغیر و تبدل کیا یا اسے بالکل چھپا دیا تو ہم ایسا کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا ﴾ ''پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔'' یعنی اگر وصیت کے بارے میں شہادت کے دینے والے ان دو گواہوں کی بابت تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے اور اس مال میں سے انھوں نے کچھ چھپا لیا ہے جس کے بارے میں انھیں وصیت کی گئی تھی۔ ﴿ فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ ﴾ ''پھر ان دونوں کی جگہ دو دوسرے قریبی رشتہ دار گواہ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جو (میت کے ترکے کے) حقدار ہیں۔'' جب صحیح خبر کے ساتھ ان کی خیانت ثابت ہو جائے تو ترکے کے مستحق وارثوں میں سے دو شخص کھڑے ہوں جو اس مال کے سب سے زیادہ وارث ہوں۔ ﴿ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ﴾ ''پھر وہ اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہماری شہادت ان (پہلے) دونوں کی شہادت سے سچی ہے۔'' یعنی ہمارا یہ کہنا کہ ان دونوں نے خیانت کی ہے، ان کی مذکورہ شہادت کی نسبت زیادہ سچی، زیادہ صحیح اور زیادہ ثابت شدہ بات ہے۔ ﴿ وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ﴾ ''اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی۔'' جو ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ انھوں نے خیانت کی

---

[1] تفسیر الطبری:141/7. [2] تفسیر الطبری:150,149/7 وتفسیر البغوی:98/2 وتفسیر الماوردی:76/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1232,1231/4.

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

اس دن (کو یاد کرو) جب اللہ رسولوں کو جمع کرے گا، پھر (ان سے) کہے گا کہ تمھیں کیا جواب دیا گیا تھا تو وہ کہیں گے:

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿109﴾

ہمیں کوئی علم نہیں، بے شک تو ہی غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے ﴿109﴾

ہے ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿107﴾ ﴾ ''اگر ایسا کیا ہو تو ہم بے انصاف ہیں۔'' یعنی اگر ہم نے ان پر جھوٹ بولا۔ اس حالت میں یہ قسم وارثوں کو کھانا ہوگی، پھر ان کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ جب قاتل کی جانب سے شر ظاہر ہو تو پھر مقتول کے وارثوں سے قسم لی جاتی ہے اور وہ قاتل کے بارے میں قسمیں کھاتے ہیں جس سے قاتل کو ان کے سپرد کر دیا جاتا ہے جیسا کہ احکام قسامہ کے باب میں اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

فرمان الٰہی: ﴿ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ ﴾ ''اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں۔'' یعنی اس پسندیدہ طریق سے یہ جو شرعی حکم دیا گیا ہے کہ دو ذمی گواہ قسم اٹھائیں اور ان کے بارے میں شک وشبہ کا پیدا ہو جانا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ صحیح طریقے سے شہادت دیں گے۔ فرمان الٰہی: ﴿ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ ﴾ ''یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری) قسمیں ان (ورثاء) کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔'' یعنی شہادت کو صحیح صحیح ادا کرنے کا باعث اللہ کے نام کی قسم کی تعظیم، اللہ تعالیٰ کے عزت وجلال کی پاسداری اور اس بات کا خوف ہونا چاہیے کہ اگر ان کی قسم رد کرتے ہوئے یہ حق اس کے وارثوں کو دے دیا جائے گا تو اس سے لوگوں میں ان کی رسوائی ہوگی کیونکہ وارث قسم کھا کر اپنے دعوی وراثت کے مستحق ہو جائیں گے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ ﴾ ''یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری) قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' یعنی اپنے تمام امور ومعاملات میں ﴿ وَاسْمَعُوْا ؕ ﴾ ''اور (اس کے حکموں کو گوش ہوش سے) سنو۔'' اور اطاعت بجالاؤ۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿108﴾ ﴾ ''اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' یعنی جو اس کی اطاعت اور اس کی شریعت کی فرمانبرداری سے خارج ہو جائیں۔

تفسیر آیت:109

انبیاء سے ان کی امتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا: یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن انبیاء سے مخاطب ہو کر یہ پوچھے گا کہ ان کی ان امتوں نے، جن کی طرف انھیں مبعوث کیا گیا تھا، انھیں کیا جواب دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ﴾ (الأعراف 7:6) ''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی ضرور پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الحجر 15:92,93) ''آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان تمام سے ضرور پرسش کریں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔'' اور رسول جواب دیں گے: ﴿ لَا عِلْمَ لَنَا ؕ ﴾ ''ہمیں کچھ معلوم نہیں۔'' امام مجاہد، حسن

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ اذۡكُرۡ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذۡ اَيَّدْتُّكَ بِرُوۡحِ

جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تو خود پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد کر، جب میں نے تجھے روح القدس (جبریل) کے ساتھ قوت دی، تو

الۡقُدُسِ قف تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا ۚ وَاِذۡ عَلَّمۡتُكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ

(ماں کی) گود میں اور پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کرتا تھا، اور جب میں نے تجھے کتاب وحکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی، اور جب تو میرے حکم

وَالۡاِنۡجِيۡلَ ۚ وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـئَةِ الطَّيۡرِ بِاِذۡنِىۡ فَتَنۡفُخُ فِيۡهَا فَتَكُوۡنُ طَيۡرًۢا

سے گارے سے پرندے کی سی صورت بناتا تھا، پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور تو پیدائشی اندھے کو اور

بِاِذۡنِىۡ وَتُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِىۡ ۚ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِىۡ ۚ وَاِذۡ كَفَفۡتُ

پھلبہری والے کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا، اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے (زندہ) نکالتا تھا۔ اور جب میں نے تجھے بنی اسرائیل سے

بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ

بچایا جب تو ان کے پاس واضح نشانیوں کے ساتھ آیا تھا۔ تب ان لوگوں میں سے جنھوں نے کفر کیا، انھوں نے کہا تھا: یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ

مُّبِيۡنٌ ﴿110﴾ وَاِذۡ اَوۡحَيۡتُ اِلَى الۡحَوَارِيّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِىۡ وَبِرَسُوۡلِىۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاشۡهَدۡ

نہیں ﴿110﴾ اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تب انھوں نے کہا: ہم ایمان لائے ہیں، اور تو گواہ رہ کہ

بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿111﴾

بے شک ہم فرماں بردار ہیں ﴿111﴾

بصری اور سُدِّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے یہ جواب دیں گے۔[1] عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ يَوۡمَ يَجۡمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ؕ﴾ ''جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا۔'' تو گھبراہٹ کی وجہ سے انبیاء یہ جواب دیں گے کہ ﴿ لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ﴾ ''ہمیں کچھ معلوم نہیں۔''[2] اسے ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے بھی روایت کیا ہے۔[3] علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ ہمیں تو صرف وہی علم ہے جسے آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔[4] یہ رب تعالیٰ جل جلالہ کے ساتھ گفتگو میں ادب کا ایک انداز ہے، یعنی ہمارے علم کو تیرے اس علم کے مقابلے میں جو ہر چیز کو محیط ہے، کوئی نسبت ہی نہیں، ہمیں اگرچہ جواب دیا گیا اور ہم جواب دینے والوں کو بھی پہچانتے ہیں لیکن ہمیں ان کے صرف ظاہر ہی کا علم ہے، ان کے باطن کے بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں اور تو ہر چیز کو جاننے والا ہے، ہر چیز کی تجھے اطلاع ہے، تیرے علم کے مقابلے میں ہمارا علم تو ایسے ہے جیسے کوئی علم ہی نہ ہو۔ ﴿ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿109﴾ ﴾ ''بے شک تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔''

---

[1] تفسیر الماوردی: 78/2 و تفسیر الطبری: 169/7. [2] تفسیر عبدالرزاق: 38/2، رقم: 765. [3] تفسیر الطبری: 169/7 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1236/4. [4] تفسیر الطبری: 170/7.

تفسیر آیات:110-111

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعمتوں کی یاد دہانی: اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما رہا ہے جن کا اس نے اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام پر احسان فرمایا کہ ان کے ہاتھوں پر بڑے بڑے معجزات اور خوارق عادات کو جاری فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ ﴾ ''خود پر میری نعمت کو یاد کر۔'' تمھیں بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا کیا اور تمھارے وجود کو میں نے اشیاء پر اپنی کمال قدرت کی ایک قطعی دلیل اور نشانی بنا دیا۔ ﴿ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ﴾ ''اور تمھاری والدہ پر (کیے۔)'' میں نے تمھیں اس وقت ان کی براءت اور پاک دامنی کی دلیل اور برہان بنا دیا جب ظالموں اور جاہلوں نے ان پر بدکرداری کی تہمت لگائی تھی۔ ﴿ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ ''جب میں نے روح القدس (جبرئیل) سے تمھاری مدد کی۔''

روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے تمھیں بچپن میں اور بڑی عمر میں بھی نبی اور داعی الی اللہ بنایا، پنگوڑے میں تمھیں قوت گویائی عطا فرمائی اور تم نے اپنی والدہ کے ہر عیب سے پاک ہونے کی شہادت دی، میری عبودیت کا اعتراف کیا اور لوگوں کو بتایا کہ میں نے تجھے ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور تو نے لوگوں کو میری عبادت کی دعوت دی، اسی لیے فرمایا: ﴿ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ﴾ ''تم ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر ہو کر لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔'' یعنی بچپن میں اور ادھیڑ عمر ہو کر لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔

یہاں ﴿ تُكَلِّمُ ﴾ کا لفظ [تَدْعُو] دعوت دینے کے معنی کو بھی متضمن ہے کیونکہ ادھیڑ عمر میں کلام کرنا تو کوئی تعجب انگیز امر نہ تھا۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور جب میں نے تم کو کتاب اور دانائی سکھائی۔'' یعنی خط اور فہم سکھایا۔ ﴿ وَالتَّوْرٰىةَ ﴾ ''اور تورات (سکھائی۔)'' اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کلیم اللہ حضرت موسیٰ بن عمران پر نازل فرمایا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ ﴾ ''اور جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی سی مورت بناتا تھا۔'' تم میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل وصورت بناتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اپنے بنائے ہوئے پرندے کی اس شکل وصورت میں جب تم پھونک مار دیتے تو وہ واقعی جان دار پرندہ بن جاتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے اس میں جان پیدا کر دینے کی وجہ سے وہ اڑنے لگ جاتا تھا۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ﴾ ''اور مادر زاد اندھے اور پھلبہری والے کو میرے حکم سے تندرست کر دیتے تھے۔'' کی تفسیر پہلے سورۂ آل عمران میں بیان کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ﴾ ''اور جس وقت تو مردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتا تھا۔'' یعنی جب تم مردوں کو بلاتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی قدرت، ارادے اور مشیت سے کھڑے ہو جاتے تھے۔

---

[1] دیکھیے آیت:49 کے ذیل میں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ

(اور) جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب یہ طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل کرے؟ انھوں نے جواب

السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا

دیا: تم اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو﴿112﴾ وہ بولے: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو تسلی ہو جائے، اور ہم یہ جان لیں کہ تو نے

وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ

ہم سے سچ کہا ہے۔ اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں﴿113﴾ عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے اللہ! ہمارے رب! ہم پر آسمان سے دستر خوان

رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ

نازل فرما کہ وہ ہمارے پہلوں اور ہمارے بعد والوں کے لیے عید (خوشی کا موقع) بن جائے، اور وہ تیری طرف سے خاص نشانی ہو، اور تو ہمیں رزق

وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿114﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ

دے، اور تو بہترین رزق دینے والا ہے﴿114﴾ اللہ نے فرمایا: بے شک میں وہ دستر خوان تم پر نازل کروں گا، پھر اس کے بعد تم میں سے جو شخص کفر کرے گا تو

فَاِنِّيْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿115﴾

میں یقیناً اسے ایسا عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب دنیا بھر میں کسی اور کو نہیں دوں گا﴿115﴾

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿110﴾﴾ ''اور جب میں نے بنی اسرائیل (کے ہاتھوں) کو تم سے روک دیا جب تم ان کے پاس کھلے نشان لے کر آئے تو جو اُن میں سے کافر تھے، کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔'' یعنی میری اس نعمت کو بھی یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے اس وقت روک دیا تھا جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سامنے اپنی نبوت و رسالت کے ٹھوس اور قطعی دلائل و براہین لے کر آئے تھے مگر انھوں نے تمھاری تکذیب کی، تم پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا، تمھیں قتل کرنے اور پھانسی دینے کی سازش کی مگر میں نے تمھیں انکی اس سازش سے بچالیا، میں نے تمھیں اپنے پاس اٹھالیا، ان کے میل کچیل سے تمھیں پاک کر دیا اور ان کے شر سے میں نے تمھاری حفاظت کی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان احسانات کا تذکرہ قیامت کے دن فرمائیں گے لیکن اسے ماضی کے صیغوں سے اس لیے بیان فرمایا کہ یہ بات لامحالہ وقوع پذیر ہونے والی ہے اور یہ بات ان اسرار غیب میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مطلع فرمادیا ہے۔

ارشاد الٰہی: ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ﴾ ''اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ۔'' یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک احسان ہے کہ اللہ نے حواریوں کو ان کے اصحاب و انصار بنا دیا۔ کہا گیا ہے کہ یہاں وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ﴾ (القصص 28:7) ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاؤ۔'' اس آیت کریمہ میں بھی وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس کے بارے میں ائمۂ تفسیر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ﴾ (النحل 16:68,69) ''اور آپ کی پروردگار نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنا اور ان (چھپروں) میں جن پر لوگ بیلیں چڑھاتے ہیں۔ اور ہر قسم کے پھلوں سے کھا اور اپنے پروردگار کے نرم و ہموار رستوں پر چلی جا۔'' اس آیت کریمہ میں بھی وحی کا لفظ الہام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حواریوں کو الہام کیا۔[1] اور سُدّی کہتے ہیں کہ ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی[2] جس کی وجہ سے وہ یہ پکار اٹھے: ﴿ اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝﴾ ''ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ بے شک ہم فرمانبردار ہیں۔''

تفسیر آیات: 112-115

خوان نازل ہونے کا بیان: یہ خوان نازل ہونے کا قصہ ہے اور اسی قصے کی طرف نسبت کی وجہ سے اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ مائدہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے عبد و رسول حضرت عیسیٰ پر ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے آسمان سے خوان نازل فرما کر اسے بھی حضرت عیسیٰ کی نبوت کی ایک ٹھوس اور قطعی حجت و دلیل بنا دیا۔ ﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ ﴾ ''وہ قصہ بھی یاد کرو جب حواریوں نے کہا۔'' حواریوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں: ﴿ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تمھارا پروردگار طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟'' مائدہ اس خوان کو کہتے ہیں جس پر طعام ہو۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ اپنے فقر و حاجت کی وجہ سے انھوں نے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ ان پر کھانے کا ایک ایسا خوان نازل فرما دے جسے وہ کھا کر عبادت کرنے کے لیے طاقت و قوت حاصل کر سکیں۔

﴿ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ ''انھوں (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو۔'' مسیح علیہ السلام نے انھیں یہ جواب دیا کہ اللہ سے ڈرو اور یہ سوال نہ کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ تمھارے لیے آزمائش بن جائے، لہٰذا اگر صاحب ایمان ہو تو طلب رزق کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل رکھو۔ ﴿ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا ﴾ ''وہ بولے: ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس میں سے کھائیں۔'' کیونکہ ہمیں کھانے کی ضرورت ہے۔ ﴿ وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا ﴾ ''اور ہمارے دل تسلی پائیں۔'' جب ہم آسمان سے اپنے لیے رزق نازل ہوتا ہوا دیکھیں گے تو اس سے ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا۔ ﴿ وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا ﴾ ''اور ہم جان لیں گے کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے۔'' اس سے آپ کے ساتھ ہمارے علم ایمان اور آپ کی رسالت کے علم میں اضافہ ہو جائے گا۔ ﴿ وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' یعنی ہم گواہی دیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی اور آپ کی نبوت و

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1242/4 و تفسیر الطبری: 173/7. [2] تفسیر الطبری: 173/7 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1242/4.

رسالت کی دلیل وحجت ہے۔

﴿ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ﴾ ''(تب) عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما تا کہ وہ ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے عید (خوشی کا موقع) قرار پائے۔'' سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس خوان کے نزول کے دن کو ہم عید کا دن قرار دے لیں گے اور ہم بھی اس دن کی تعظیم کریں گے اور ہمارے بعد آنے والے بھی۔ [1] سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ہم اس دن نماز پڑھیں گے۔ [2] ﴿ وَاٰيَةً مِّنْكَ ﴾ ''اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو۔'' اس بات کی نشانی کہ تجھے تمام چیزوں پر قدرت حاصل ہے اور تو میری دعا کو بھی شرفِ قبولیت سے نوازنے پر قادر ہے اور اس سے یہ لوگ اس دین کے سلسلے میں جسے میں تیری طرف سے ان تک پہنچا رہا ہوں، میری تصدیق بھی کریں گے۔ ﴿ وَارْزُقْنَا ﴾ ''اور ہمیں رزق دے۔'' کسی محنت و مشقت کے بغیر اپنے پاس سے مزے دار رزق عطا فرما۔

﴿ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ ﴾ ''اور تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً میں تم پر خوان نازل فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا'' عیسیٰ تمھاری امت میں سے جو اس کی تکذیب کرتے ہوئے عناد کا اظہار کرے گا تو ﴿ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾ ﴾ ''پھر بے شک میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا۔'' یعنی تمھارے زمانے کے اہل عالم میں سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ ﴾ (المؤمن 46:40) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾ (النسآء 145:4) ''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔'' ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ روز قیامت سب سے سخت عذاب میں تین قسم کے لوگ مبتلا ہوں گے: (1) منافقین (2) اصحابِ مائدہ میں سے کفر کرنے والے اور (3) فرعون کے ساتھی۔ [3]

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حواریوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آسمان سے ہم پر خوان نازل فرما دے تو فرشتے اس خوان کو اٹھا کر نازل ہوئے اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں، فرشتوں نے اس کھانے کو لا کر ان کے سامنے رکھ دیا تو ان سب لوگوں نے اسے کھایا۔ [4]

ابن جریر نے اسحاق بن عبداللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ خوان حضرت عیسیٰ ابن مریم پر نازل ہوا تھا، اس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں اور حکم تھا کہ جس طرح چاہو اسے کھاؤ، یہ کبھی ختم نہ ہوگا مگر ان میں سے بعض لوگوں نے اس خوف سے اس میں سے کھانا چوری کر لیا کہ شاید کل یہ نازل نہ ہو تو اس کے بعد اس خوان کو اٹھا لیا گیا۔ [5]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1249/4. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1249/4. [3] تفسیر الطبری:182/7. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1246/4. [5] تفسیر الطبری:179/7.

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

اور جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ تو وہ کہیں گے: تو پاک ہے، میرے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ

لیے (جائز) نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہو تو یقیناً تو اسے جانتا ہے۔ تو اسے بھی جانتا ہے جو کچھ میرے دل

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿116﴾ مَا قُلْتُ

میں ہے، اور میں اسے نہیں جانتا، جو کچھ تیرے نفس میں ہے۔ بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے ﴿116﴾ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا تھا

لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ

سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا رب ہے، اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر

فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿117﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

جب تو نے مجھے اٹھا لیا، تو تو ہی ان پر نگران تھا، اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿117﴾ اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انھیں

فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿118﴾

بخش دے تو بے شک تو ہی غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿118﴾

یہ اور دیگر روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے بنی اسرائیل پر آسمان سے خوان نازل فرمایا تھا جیسا کہ قرآن عظیم کے ان الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ﴿قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ﴾ ''اللہ نے فرمایا: بے شک میں تم پر خوان نازل فرماؤں گا۔''

ایک عجیب وغریب تاریخی واقعہ: مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ بن نُصَیر کو جو بلاد مغرب فتح کرنے کی مہموں میں بنو امیہ کے نائب تھے، ایک خوان ملا تھا جو موتیوں اور انواع واقسام کے جواہرات سے مرصّع تھا، انھوں نے اسے جامع دمشق کے بانی امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کی خدمت میں بھیج دیا یہ ابھی رستے ہی میں تھا کہ ولید کا انتقال ہو گیا، لہٰذا اسے ان کے بعد بننے والے خلیفہ ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ لوگوں نے جب اسے دیکھا تو اس میں لگے ہوئے نفیس یواقیت اور بے حد قیمتی جواہرات کی وجہ سے بہت تعجب کیا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ خوان حضرت داود بن سلیمان علیہما السلام کی ملکیت تھا۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیات: 116-118

حضرت مسیح علیہ السلام کا شرک سے اظہارِ براءت اور توحید کا اقرار: اللہ تعالیٰ روز قیامت حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام سے ان لوگوں کی موجودگی میں جنھوں نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو معبود بنا لیا تھا، مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو دو معبود بنا لو؟'' یہ درحقیقت ساری مخلوق کے سامنے عیسائیوں کو سرزنش ہو گی اور انھیں ڈانٹ ڈپٹ

پلائی جائے گی۔ امام قتادہ اور دیگر کئی مفسرین نے اسی طرح فرمایا ہے اور امام قتادہ نے یہ استدلال ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ﴾ (المآئدة 119:5) ”آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔“ کے الفاظ سے کیا ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ ”تو پاک ہے میرے لیے (جائز) نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔“ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توفیق عطا فرمائے گا کہ وہ بڑے ادب سے اس سوال کا صحیح صحیح جواب دیں گے جیسا کہ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَلَقَّاهُ اللّٰهُ] ”اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سوال کا یہ جواب بھی سکھا دے گا کہ ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ ...... الآية.[2] امام ثوری نے معمر سے، انھوں نے ابن طاؤس سے اور انھوں نے اپنے والد طاؤس سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ﴾ ”اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو یقیناً معلوم ہوگا۔“ اے اللہ! اگر یہ بات میں نے کہی ہے تو تجھے معلوم ہے کیونکہ تجھ سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں لیکن میں نے یہ بات نہیں کہی، نہ یہ میرے دل میں تھی اور نہ ہی ایسی کوئی بات کہنے کا میرا ارادہ تھا۔ اسی لیے کہیں گے: ﴿ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿116﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ ﴾ ”(کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے، میں اسے نہیں جانتا، بے شک تو ہی سب سے بڑھ کر غیب جاننے والا ہے، میں نے ان سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے۔“ یعنی جس بات کے پہنچا دینے کا تو نے مجھے حکم دیا ہے: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ﴾ ”وہ یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا سب کا پروردگار ہے۔“ صرف یہ ہے وہ بات جو میں نے ان سے کہی تھی۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ﴾ ”اور میں ان پر نگران تھا جب تک میں ان میں رہا۔“ یعنی جب میں ان میں موجود تھا تو ان کے اعمال کی مجھے خبر تھی۔ ﴿ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿117﴾ ﴾ ”پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا، تو تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

امام ابو داود طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مَّحْشُورُونَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ﴾ ...... الآية (الأنبيآء 104:21) وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ عليه السلام، أَلَا! وَإِنَّهُ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ: أَصْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿117﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

[1] تفسير الطبرى:184/7. [2] تفسير ابن أبى حاتم:1253/4. [3] تفسير ابن أبى حاتم:1253/4 وتفسير الطبرى:187/7.

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ فرمائے گا: یہ ایسا دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿119﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿119﴾ آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اس کی بادشاہی

وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿120﴾ ع 16 5 6

اللہ ہی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿120﴾

الْحَكِيْمُ ﴿118﴾ ﴾ فَيُقَالُ لِي: إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ] ''اے لوگو! بے شک تم سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں اکٹھے کیے جاؤ گے'' جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا تھا، اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔'' اور بے شک روز قیامت سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، خبردار! آگاہ رہو کہ میری امت کے کچھ آدمیوں کو لایا جائے گا تو انھیں بائیں طرف کر دیا جائے گا، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتوں کو ایجاد کر لیا تھا تو میں بھی اسی طرح کہوں گا کہ جس طرح عبد صالح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) جواب دیں گے: ''اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے فوت کر لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے۔) بے شک تو غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب سے تم نے ان کو چھوڑا ہے، یہ اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہی پلٹتے رہے۔''[1] امام بخاری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں اس حدیث کو بیان فرمایا ہے۔[2]

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿118﴾ ﴾ ''اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' یعنی اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اس معاملے کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت ہی کے سپرد کر دیا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے اسے ہر صورت کر گزرنے والا ہے، وہ جو کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا جبکہ ساری مخلوق سے باز پرس ہو سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان عیسائیوں سے اظہار براءت کر دیں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں، اللہ تعالیٰ کا شریک، بیوی اور بیٹا بنا دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان باتوں سے بہت بلند و بالا اور بے حد ارفع و اعلیٰ ہے، یہ آیت کریمہ عظمت شان اور ایک عجیب خبر پر مشتمل ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة، حديث:(58)-2860 مسند أبي داود الطيالسي:363/4، حديث:2760 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ...... ﴾ (المآئدة 117:5)، حديث:4625 .

اکرم ﷺ ایک مرتبہ ساری رات صبح تک اسی ایک آیت کریمہ کو بار بار پڑھتے رہے تھے۔ ①

تفسیر آیات:120,119

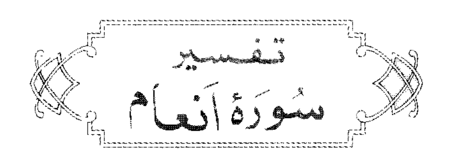
روزِ قیامت سچ ہی فائدہ دے گا: اللہ تعالیٰ اپنے عبد ورسول حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو اس وقت جواب دیتے ہوئے فرمائے گا جب وہ ملحد، اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے والے عیسائیوں سے اظہار براءت کر دیں گے اور ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے اور مشیت کے سپرد کر دیں گے، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ﴾ ''آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آج صرف موحدین کو ان کی توحید ہی فائدہ دے گی۔ ② ﴿ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ﴾ ''ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے۔'' وہ اسی میں ہمیشہ ہمیش جلوہ افروز رہیں گے اور یہاں سے کبھی بھی نقل مکانی کر کے کسی اور جگہ نہیں جائیں گے۔ ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (التوبة 72:9) ''اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔'' اس آیت کریمہ سے متعلق حدیث آگے بیان کی جائے گی۔ ③

ارشادِ الٰہی: ﴿ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''یہ بڑی کامیابی ہے۔'' یعنی یہ سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 61:37) ''ایسی ہی (نعمتوں) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ (المطففين 26:83) ''اور اسی میں چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے۔''

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''آسمان اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ تمام اشیاء کا خالق، مالک، متصرف اور قادر ہے، سب کچھ اسی کی ملکیت اور اسی کے قبضہ وقدرت اور مشیت کے تحت ہے، اس کا نہ کوئی نظیر، نہ وزیر، نہ عدیل، نہ باپ، نہ بیٹا اور نہ بیوی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ پروردگار۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں نے حیی بن عبداللہ سے سنا، وہ ابوعبدالرحمٰن حُبُلی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سورۂ مائدہ (اور فتح) ہے۔ ④

---

① سنن النسائي، الافتتاح، باب ترديد الآية، حديث:1011 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في القراءة ......، حديث:1350. ② تفسير ابن أبي حاتم:1256/4. ③ دیکھیے التوبة، آیت: 72 کے ذیل میں۔ ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3063.



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اپنے رب کے ساتھ

بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ

(اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں① وہی اللہ ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے (تمھارے لیے) ایک وقت مقرر کیا اور اس کے ہاں (قیامت

ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ

کا) ایک مقرر وقت بھی ہے، پھر بھی تم شک کرتے ہو② اور وہی اللہ ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تمھاری چھپی اور ظاہر (سب) باتیں جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کماتے (یا کرتے) ہو③

فضیلت اور زمانۂ نزول: عوفی، عکرمہ اور عطاء رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ انعام مکہ میں نازل ہوئی ہے۔[1] امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مکمل سورۂ انعام مکہ میں ایک ہی رات میں اس شان سے نازل ہوئی کہ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے تھے جو اللہ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔[2] سدی نے مُرّہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ انعام جب نازل ہوئی تو اسے الوداع کرنے کے لیے ستر ہزار فرشتے بھی نازل ہوئے تھے۔[3]

تفسیر آیات:1-3

قدرت جلیلہ اور سلطنت عظیمہ پر اللہ کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ گرامی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس لیے قابل تعریف ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، زمین کو اپنے بندوں کے لیے جائے قرار بنا دیا، اس نے اپنے بندوں کی رات دن کی منفعت کے لیے اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا۔

---

① الدر المنثور: 3/3. ② المعجم الكبير للطبراني: 215/12 ، حديث: 12930 ،البتہ یہ روایت ضعیف ہے۔ ③ الدر المنثور: 3/3 .

یہاں ظلمات کا لفظ جمع ہے مگر نور کا لفظ واحد اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ اندھیروں کی نسبت اشرف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ ﴾ (النحل 48:16) میں شمائل کے مقابلے میں یمین کا لفظ واحد استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح اس سورۂ مبارکہ کے آخری حصے میں فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ (الأنعام 153:6) ''اور یقیناً میرا سیدھا رستہ یہی ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اللہ کے رستے سے الگ کر دیں گے۔'' یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے دوسرے رستوں کے مقابلے میں اپنے رستے کے اشرف و افضل ہونے کی وجہ سے واحد کا صیغہ ''سبیل'' استعمال فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① ﴾ ''پھر بھی کافر اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی اس سب کچھ کے باوجود بعض بندے اللہ کے ساتھ کفر کرتے، دوسروں کو اس کے شریک اور برابر ٹھہراتے اور اس کی بیوی اور بیٹا بناتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل کی ذات گرامی ان تمام باتوں سے پاک ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔'' یعنی انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اس نے مٹی سے پیدا فرمایا، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ ''پھر اس نے (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور اس کے ہاں (قیامت کا) بھی ایک مقرر وقت ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلی مدت مقررہ، یعنی ﴿ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ ﴾ سے موت اور دوسری مدت مقررہ، یعنی ﴿ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ سے آخرت مراد ہے۔[1] امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک، زید بن اسلم، عطیہ، سُدّی اور مُقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ﴿ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ ﴾ یعنی پہلی مدت مقررہ سے (قیامت تک) دنیا کی مدت[3] اور ﴿ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ دوسری مدت مقررہ سے موت تک انسان کی عمر مراد ہے۔ یہ مفہوم گویا اس ارشاد باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ﴾ (الأنعام 60:6) ''اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، اس کی خبر رکھتا ہے، پھر (دوسرے) دن تمھیں اٹھاتا ہے تاکہ زندگی کی مقررہ مدت پوری ہو[4]، پھر اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے۔''

اور فرمان الٰہی: ﴿ عِنْدَهٗ ﴾ ''اس کے ہاں'' کے معنی یہ ہیں کہ اس مدت کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ﴾ (الأعراف 187:7) ''یقیناً اس کا علم تو میرے پروردگار

① تفسیر الطبری: 196/7 و الدر المنثور: 7/3. ② تفسیر الطبری: 195/7, 196 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1261/4. ③ تفسیر الطبری: 195/7. ④ یہاں ﴿ اَجَلٌ مُّسَمًّى ﴾ ''مقررہ مدت'' سے مراد دنیا کی زندگی ہے اور اسی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ

اور ان (لوگوں) کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ایسی نہیں آئی جس سے انھوں نے منہ نہ موڑ لیا ہو④ ان کے پاس جب حق

لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا

آ گیا تو اسے بھی انھوں نے جھٹلا دیا، چنانچہ جلد ہی انھیں اس چیز کا پتہ چل جائے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے⑤ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ

ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں جنھیں ہم نے زمین میں ایسی طاقت دی تھی جو تمھیں نہیں دی اور ہم نے ان پر

مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ

موسلادھار بارش نازل کی اور نہریں بنائیں جو ان کے نیچے بہتی تھیں، پھر ہم نے ان کے گناہوں کے باعث انھیں ہلاک کر دیا، اور ان کے بعد

بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥

دوسری قومیں پیدا کیں⑥

ہی کو ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ؕ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ؕ﴾ (النّٰزعٰت79:42-44) ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ تو آپ اس کے ذکر سے کس (فکر) میں ہیں؟ اس کا منتہا (واقع ہونے کا وقت) آپ کے پروردگار ہی کو معلوم ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② ﴾ ''پھر بھی تم (اے کافرو! اللہ کے بارے میں) شک کرتے ہو۔'' سدی وغیرہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تم قیامت کے بارے میں شک کرتے ہو۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے جو تمھاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو کماتے (یا کرتے) ہو، سب سے واقف ہے۔'' وہ جسے آسمانوں اور زمین میں پکارا جاتا ہے، اللہ (معبود) ہے، یعنی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اس کی عبادت کرتی، اسے واحد مانتی اور اس کی الوہیت کا اقرار کرتی ہیں، اسے اللہ کے نام سے یاد کرتی ہیں اور شوق اور ڈر سے اسے پکارتی ہیں سوائے ان کے جو جنوں اور انسانوں میں سے کافر ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ ﴾ (الزخرف43:84) ''اور وہی (ایک) آسمان میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے۔'' یعنی آسمان والوں کا بھی وہ اللہ ہے اور زمین والوں کا بھی وہی اللہ ہے اور وہی تمھاری ظاہر اور پوشیدہ تمام باتوں کو جانتا ہے۔ ﴿ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ ﴾ ''اور تم جو کماتے (یا کرتے) ہو وہ سب سے واقف ہے۔'' یعنی وہ تمھارے اچھے اور برے اعمال سے بھی آگاہ ہے۔

تفسیر آیات: 4-6

① تفسير ابن أبي حاتم: 1262/4 والدر المنثور: 7/3 .

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ

اور (اے نبی!) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب آپ پر نازل کرتے، پھر وہ اپنے ہاتھوں سے اسے چھوتے تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہتے کہ یہ تو کھلا

اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ

جادو ہے⑦ اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا، پھر ان کو ذرا

ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨

مہلت نہ دی جاتی⑧ اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے میں ڈالتے جس

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ع 1/10/7

میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں⑨ اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا تھا، پھر ان میں سے جن لوگوں نے مذاق کیا تھا، انھیں

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے⑩ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم زمین میں گھومو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟⑪

عناد کی وجہ سے مشرکوں کی سرزنش: اللہ تعالیٰ نے تکذیب اور عناد سے کام لینے والے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے انبیائے کرام کی صداقت کی دلیل، معجزے اور حجت کی کیسی ہی نشانی کیوں نہ آ جائے، یہ اس سے اعراض ہی کریں گے، اس کی طرف نہیں دیکھیں گے اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤﴾ ''پس تحقیق جب ان کے پاس حق آیا تو اسے بھی انھوں نے جھٹلا دیا، چنانچہ ان کو ان چیزوں کا جن سے یہ استہزا کرتے ہیں، عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔'' حق کی تکذیب کرنے کی وجہ سے یہ مشرکوں کی سرزنش اور ان کے لیے شدید وعید ہے کہ جس چیز کی یہ تکذیب کر رہے ہیں، وہ ان کے پاس ضرور آ کر رہے گی، انھیں اس کا انجام ضرور معلوم ہو جائے گا اور ان پر اس کا وبال ضرور آ کر رہے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں وعظ ونصیحت کی اور اس بات سے ڈرایا ہے کہ یہ بھی اس عذاب اور دنیوی سزا میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے ان جیسے وہ لوگ گزشتہ صدیوں میں دوچار ہوئے تھے جو اپنی طاقت وقوت، جمعیت، مال ودولت، اولاد اور زمین کی پیداوار سے فائدہ اٹھانے اور اسے آباد کرنے کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیے تھے کہ تمھارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے۔'' یعنی جس طرح انھیں مال واولاد، طویل عمروں، عظمتوں، خوش حالیوں اور عظیم لشکروں سے نوازا تھا تمھیں نہیں نوازا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا﴾ ''اور ان پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا۔'' یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے ﴿وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ ''اور نہریں بنا دیں جو ان کے (مکانوں کے) نیچے بہ رہی تھیں۔'' یعنی انھیں مہلت دینے کے لیے آسمان سے بارشیں بھی کثرت سے برسا دیں اور زمین پر ان کے لیے نہریں اور چشمے بھی جاری کر دیے، ﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''پھر

ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا۔''یعنی ان گناہوں اور برائیوں کے سبب جن کا انھوں نے ارتکاب کیا تھا۔ ﴿ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ⑥ ﴾''اور ہم نے ان کے بعد اور اُمتیں پیدا کر دیں۔''یعنی پہلے لوگ گزشتہ کل کی طرح چلے گئے اور ہم نے انھیں قصے کہانیاں ہی بنا دیا، ﴿ وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ⑥ ﴾''اور ہم نے ان کے بعد اور اُمتیں پیدا کر دیں۔''یعنی ان کے بعد ایک دوسری نسل کو زمین پر بسا دیا تاکہ اس کی آزمائش کریں اور ان لوگوں نے بھی جب اپنے سے پہلے لوگوں ہی کی طرح برے عمل کیے تو انھیں بھی ان کی طرح ہلاک کر دیا گیا، لہٰذا لوگو! تم اس بات سے ڈرو کہ کہیں تمھارا انجام بھی انھی جیسا نہ ہو کیونکہ تم اللہ کی نگاہ میں ان سے عزیز تر نہیں ہو جبکہ یہ رسول جس کی تم تکذیب کر رہے ہو، یہ یقیناً اللہ کی نگاہ میں ان کے رسولوں سے زیادہ مکرم ہیں، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کی فیض رسانی نہ ہوتو تم تو ان کی نسبت عذاب اور جلد سزا کے زیادہ مستحق ہو!

تفسیر آیات:7-11

رسول کی بشریت کے انکار کی وجہ سے ان کی مذمت: اللہ تعالیٰ مشرکوں کے عناد، حق کی مخالفت اور ان کے لڑائی جھگڑے کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ ﴿ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ ﴾''اور (اے نبی!) اگر ہم آپ پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے تو وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے۔''یعنی اس کا معائنہ کر لیتے، اپنے سر کی آنکھوں سے اُسے نازل ہوتے ہوئے دیکھ لیتے اور اپنے ہاتھوں سے اُسے چھو بھی لیتے ﴿ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑦ ﴾''تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے۔''یہ ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے محسوسات کے بارے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْۤا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:14,15) ''اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں، پھر وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو بھی یہی کہیں گے کہ بے شک ہماری آنکھیں مخمور ہوگئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔''اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝ ﴾ (الطور 52:44) ''اور اگر یہ آسمان سے (عذاب کا) گرتا ہوا کوئی ٹکڑا دیکھیں گے تو کہیں گے: (یہ) تہ بہ تہ بادل ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ ﴾''اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر لوگوں کو ڈراتا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ⑧ ﴾''اور اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو معاملے کا فیصلہ کر دیا جاتا، پھر انھیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔''یعنی اگر اس حالت میں ان کے پاس فرشتے نازل ہوتے تو وہ ان کے پاس عذاب لے کر آتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:8) ''(کہہ دیجیے:) ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے مگر حق (عذاب) کے ساتھ اور اس وقت اُن (کفار) کو مہلت نہیں دی جاتی۔''اور فرمایا: ﴿ یَوْمَ یَرَوْنَ

اَلْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (الفرقان22:25) ”جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ ”اور اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں ہم پھر انھیں ڈال دیتے۔“ یعنی اگر ہم انسانوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو اسے انسانی شکل وصورت ہی میں بھیجتے تاکہ انسانوں کے لیے اس سے مخاطب ہونا اور دین سیکھنا ممکن ہوتا اور اگر ہم ایسا کرتے تو یہ پھر بھی اپنے انھی شبہات میں مبتلا رہتے جن میں اب یہ بشر کی رسالت و نبوت قبول کرنے کے سلسلے میں شبہات میں مبتلا ہیں جیسا کہ فرمایا: قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی إسرآئیل 95:17) ”کہہ دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر یہ بھی رحمت ہے کہ وہ ہر قسم کی مخلوق کے پاس انھی میں سے رسول بھیجتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے ہم کلام ہوسکیں اور سوال و جواب کی صورت میں ان کے لیے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ (آل عمران3:164) ”بلاشک وشبہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں اُنھی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور انھیں پاک کرتا ہے۔“

ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر انسانوں کے پاس کوئی فرشتہ پیغمبر بن کر آتا تو وہ بھی یقیناً انسانی صورت ہی میں آتا کیونکہ انسان فرشتوں کو ان کی اصل نورانی شکل میں نہیں دیکھ سکتے۔[1] وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨ ”اور جو شبہ وہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں ہم پھر انھیں ڈال دیتے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس اختلاط میں یہ اب مبتلا ہیں اسی میں ہم انھیں مبتلا کردیتے۔[2] اور والبی رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جس شبہے میں یہ اب مبتلا ہیں اسی شبہے میں ہم انھیں تب بھی مبتلا کردیتے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩ ”اور بے شک آپ سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے، ان کو تمسخر (کی سزا) نے آگھیرا۔“ قوم کے تکذیب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو یہ تسلی دی ہے اور مومنوں سے فتح ونصرت اور دنیا و آخرت میں اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔ پھر فرمایا: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪

① تفسير الطبري:202/7. ② تفسير ابن أبي حاتم:1267/4. ③ تفسير الطبري:203/7 وتفسير ابن أبي حاتم: 1267/4.

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ

ان سے پوچھیے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کے لیے ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس نے (مخلوق پر) مہربانی کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا

الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ

ہے۔ وہ قیامت کے دن تمھیں ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا ہے، تو وہ ایمان نہیں لاتے ⑫ رات

وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ

(کے اندھیرے) اور دن (کے اجالے) میں جو کچھ ٹھہرا ہوا ہے، وہ اللہ ہی کا ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور خوب جانتا ہے ⑬ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں اس اللہ

يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کے سوا اور معبود بنالوں؟ جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے، اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا، کہہ دیجیے: بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے

الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ

کہ میں وہ پہلا شخص ہو جاؤں جو اسلام لایا اور آپ ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں ⑭ کہہ دیجیے: بے شک اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں ایک

يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ⑮ اس دن جس شخص سے عذاب ہٹا لیا گیا تو یقیناً اس پر اللہ نے رحم کر دیا اور یہی ہے واضح کامیابی ⑯

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: (اے منکرین رسالت!) ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟“ یعنی اپنے دلوں میں سوچو اور غور کرو کہ گزشتہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، دنیا میں انھیں کس قدر عبرت ناک عذاب اور سزا دی گئی؟ اور آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنے پیغمبروں اور اپنے اہل ایمان بندوں کو دنیا و آخرت کی کامرانیوں اور سعادتوں سے نوازا!

تفسیر آیات: 16-12

اللہ ہی خالق و رازق اور منعم ہے، چنانچہ اس کی اطاعت واجب ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کا مالک ہے، اس نے اپنی ذاتِ گرامی پر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ، كَتَبَ (فِي كِتَابِهِ)، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي] ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اپنے پاس کتاب (لوحِ محفوظ) میں، جو عرش کے اوپر ہے، یہ تحریر لکھی: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔“[1]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ﴾ ”وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ ......﴾ الآية (آل عمران 3:28)، حديث: 7404 وصحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى، وأنها تغلب غضبه، حديث: 2751 ۔ تفسیر ابن کثیر میں [في كتابه] کی جگہ [كِتَابًا] ہے جو کہ مسند أحمد: 259/2 میں ہے۔

ضرور جمع کرے گا۔'' ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ ﴾ کا لام قسمیہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ گرامی کی قسم کھا کر یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک مقررہ دن میں ضرور جمع کرے گا ﴿ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾ (الواقعة 50:56) ''ایک معلوم دن کے مقررہ وقت تک'' اور اس دن سے مراد روزِ قیامت ہے، جس کے بارے میں اس کے مومن بندوں کو قطعاً کوئی شک نہیں ہے، ہاں! البتہ انکار اور تکذیب کرنے والوں کو رب تعالیٰ کے فیصلوں کے بارے میں ضرور شک ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی جنھوں نے قیامت کے دن کے نقصان میں اپنے آپ کو مبتلا کر رکھا ہے ﴿ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ ﴾ ''تو وہ ایمان نہیں لاتے۔'' یعنی قیامت کے دن کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ اس دن کی سختی سے ڈرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ ﴾ ''اور جو کچھ رات (کے اندھیرے) اور دن (کے اجالے) میں ٹھہرا ہوا ہے، (سب) اسی کا ہے۔'' یعنی آسمانوں اور زمین کی ہر ہر چیز اسی کی غلام اور اسی کی مخلوق ہے اور سب کے سب اسی کے تسلط، تصرف اور تدبیر کے تحت ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ ﴾ ''اور وہ سب کچھ سنتا، خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے تمام اقوال کو سنتا ہے اور ان کی تمام حرکات و سکنات ان کے دلوں کی دھڑکنوں اور سینوں کی خفیہ باتوں تک کو بھی جانتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ سے جنھیں اس نے توحید عظیم اور شرع مستقیم کے ساتھ مبعوث فرمایا اور لوگوں کو اللہ کے سیدھے رستے کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا، مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مددگار بناؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ ﴾ (الزمر 64:39) ''کہہ دیجیے: اے نادانو! کیا تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگوں۔'' معنی یہ ہیں کہ میں اس اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں بناتا جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جس نے انھیں کسی سابقہ مثال کے بغیر وجود بخشا اور پیدا فرمایا ہے۔

﴿ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ ﴾ ''اور وہی (سب کو) کھلاتا ہے اور اسے نہیں کھلایا جاتا۔'' یعنی وہ اپنی ساری مخلوق کو تو رزق عطا فرماتا ہے مگر وہ خود اپنے بندوں کا قطعاً محتاج نہیں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ ﴾ (الذّٰریٰت 58-56:51) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں، بے شک اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔'' بعض نے ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا ہے: [وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يَطْعَمُ] یعنی وہ کھانا کھلاتا تو ہے مگر خود نہیں کھاتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ اہل قُبا میں سے ایک انصاری نے نبیٔ اکرم ﷺ کو کھانے کی دعوت

دی تو ہم بھی آپ کے ساتھ گئے، جب نبی اکرم ﷺ نے کھانا تناول فرمالیا اور ہاتھ دھو لیے تو یہ دعا فرمائی:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ، وَمَنَّ عَلَيْنَا فَهَدَانَا، وَأَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَكُلَّ بَلَاءٍ حَسَنٍ أَبْلَانَا، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ (رَبِّی) وَلَا مُكَافًى وَّلَا مَكْفُورٍ ، وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَطْعَمَنَا مِنَ الطَّعَامِ، وَسَقَانَا مِنَ الشَّرَابِ ، وَكَسَانَا مِنَ الْعُرٰی ، وَهَدَانَا مِنَ الضَّلَالَةِ ، وَبَصَّرَنَا مِنَ الْعَمٰی ، وَفَضَّلَنَا عَلٰی كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ]

''سب تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جو اپنے بندوں کو تو کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا، اس نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں ہدایت سے نوازا اور کھلایا پلایا اور ہر اچھی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس کو کبھی خیر باد نہیں کہا جا سکتا، نہ اس کا بدلہ دیا جا سکتا ہے، نہ ناشکری کی جا سکتی ہے اور نہ بے نیازی اختیار کی جا سکتی ہے۔ سب تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور زیب تن کرنے کے لیے لباس عطا فرمایا، اور ہمیں (گمراہی سے محفوظ فرما کر) ہدایت سے نوازا، اور ہمیں (کفر کے) اندھے پن سے (محفوظ فرما کر ایمان کی) بینائی سے نوازا اور اپنی بہت سی مخلوق کے مقابلے میں ہمیں شرف و فضل سے سرفراز فرمایا، ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کی ذات گرامی کے لیے ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔''[1]

﴿ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ﴾ ''(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ بے شک مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہو جاؤں۔'' یعنی اس امت میں سے پہلے اسلام لانے والا میں خود ہوں۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝۱۴ ﴾ ''اور (یہ کہ اے پیغمبر!) آپ ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیں۔'' ﴿ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝۱۵ ﴾ ''(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ بے شک اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔'' بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

﴿ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ ﴾ یعنی جس شخص سے عذاب ٹال دیا گیا ﴿ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ ﴾ ''اس روز تو یقیناً اس پر مہربانی فرمائی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے۔ ﴿ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ۝۱۶ ﴾ ''اور یہ کھلی کامیابی ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ ﴾ (آل عمران3:158) ''پھر جو شخص آتش (جہنم) سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا، تو وہ مراد کو پہنچ گیا۔'' مراد کو پہنچنے کا مطلب نفع کا حاصل ہونا اور نقصان سے بچنا ہے۔

---

[1] السنن الکبرٰی للنسائی، عمل الیوم واللیلۃ، باب مایقول إذا غسل یدیہ؟: 82/6 ، حدیث:10133 والمستدرك للحاکم ، الدعاء والتکبیر والتھلیل والتسبیح والذکر:546/1 ، حدیث:2003 جبکہ لفظ [رَبِّی] شعب الإیمان للبیھقی: 91/4 ، حدیث: 4377 میں ہے، نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تمام صیغوں کے ساتھ جمع کی ضمیر ذکر کی ہے ، جیسے: [أَطْعَمَنَا مِنَ الطَّعَامِ......] جس کو امام سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور: 12/3 میں بیان کیا ہے لیکن کتب احادیث میں جمع کی ضمیر یعنی ''نا'' نہیں بلکہ اس طرح ہے: [أَطْعَمَ مِنَ الطَّعَامِ......] واللہ أعلم.

وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۭ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائے، تو وہ ہر چیز پر خوب

قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ

قادر ہے ⑰ اور وہ اپنے بندوں پر زور آور و غالب ہے، اور وہ خوب حکمت والا، نہایت باخبر ہے ⑱ (اے نبی! ان سے) کہیے: گواہی کے طور پر کون سی چیز سب

قُلِ اللّٰهُ ۣ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَئِنَّكُمْ

سے بڑھ کر ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے، اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس کو یہ

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ

پہنچے (سب) کو ڈراؤں۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ کہہ دیجیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا۔ (اور یہ بھی) کہہ دیجیے: کہ صرف وہی

بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ

ایک معبود ہے، اور بے شک میں اس سے بری ہوں جو تم شریک ٹھہراتے ہو ⑲ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ ۧ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، تو وہ ایمان نہیں لاتے ⑳ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے

بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑

یا اس کی آیات کو جھٹلائے؟ بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے ㉑

تفسیر آیات: 17-21

اللہ ہی نفع و نقصان کا مالک اور غالب ہے: اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ وہ نفع و نقصان کا مالک ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے فیصلے کو بدل سکتا ہے، ﴿ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۭ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ ﴾ ''اور اگر اللہ آپ کو سختی پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت عطا کرے تو (کوئی اس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ ﴾ (فاطر 35:2) ''اللہ جو اپنی رحمت (کا دروازہ) کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کر دے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں۔''

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ] ''اے اللہ! جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو عطا نہ فرمائے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی دولت مند کو اس کی دولت تجھ سے بچا نہیں سکتی۔''[1] اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، حديث: 844 وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، حديث: 593 عن المغيرة بن شعبة ﷺ.

عِبَادِهٖ ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔'' اس کے سامنے سب گردنیں جھکی ہوئی ہیں، بڑے بڑے جابر وسرکش اس کے سامنے سرنگوں ہیں، سب کے چہرے اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ساری مخلوق اس کی تابع فرمان ہے اور اس کی عظمتِ جلال، اس کی کبریائی، اس کی رفعت وسربلندی اور اشیاء پر قدرت کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے، اس کے سامنے ضعیف وناتواں اور اس کے تسلط وحکم کے تحت ہے، ﴿ وَهُوَ الْحَكِيْمُ ﴾ ''اور وہ دانا ہے'' اپنے تمام افعال میں ﴿ الْخَبِيْرُ ⑱ ﴾ ''(اور) خبردار ہے'' تمام اشیاء کے مقامات کے بارے میں۔ وہ صرف اسی کو دیتا ہے جو اس کا مستحق ہو۔

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ﴾ ''ان سے پوچھیے کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟'' یعنی اشیاء میں سے کس چیز کی شہادت اللہ کی شہادت سے بڑی ہے؟ ﴿ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے۔'' وہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو میں اللہ کی طرف سے لے کر تمھارے پاس آیا ہوں اور جو تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔ ﴿ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ ''اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے ڈراؤں (آگاہ کردوں۔)'' قرآن ہر اس شخص کو آگاہ کرنے والا ہے جس تک وہ پہنچ جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (ھود11:17) ''اور جو کوئی (اور) فرقوں میں سے اس کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔''

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے تو اس پر فرض ہے کہ وہ بھی اسی طرح دین کی دعوت دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے دین کی دعوت دی تھی اور ہر اس چیز سے لوگوں کو ڈرائے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ڈرایا تھا۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ ﴾ ''(اے مشرکو!) کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو'' ﴿ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ﴾ ''کہ بے شک اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں، (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ﴾ (الأنعام 150:6) ''پھر اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں۔'' ﴿ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو، بے شک میں اُن سے بیزار ہوں۔''

اہل کتاب نبی اکرم ﷺ کو پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ ان کے پاس جس چیز کو لے کر آئے ہیں، یہ اسے اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کیونکہ ان کے پاس سابقہ انبیاء ومرسلین کی طرف سے خبریں موجود ہیں کیونکہ سابقہ تمام کے تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے حضرت محمد ﷺ، آپ کے اوصافِ جمیلہ، صفاتِ حمیدہ، آپ کے وطن مالوف، آپ کی جائے ہجرت اور آپ کی امت کے اوصاف کے بارے میں اپنی اپنی امتوں کو بتایا تھا، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''جنھوں

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1272/4.

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾

اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جو لوگ (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے تھے، ان سے ہم کہیں گے: تمھارے وہ شریک کہاں ہیں جنھیں تم (اللہ کے

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿23﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا

ساتھ شریک) خیال کرتے تھے؟ ﴿22﴾ پھر اس (جواب طلبی) پر ان کی معذرت یہی ہوگی کہ وہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم مشرک نہیں تھے ﴿23﴾ دیکھیں وہ

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ

اپنے آپ پر کیسا جھوٹ گھڑیں گے، اور جنھیں وہ جھوٹے معبود بنا لیتے تھے، سب (وہاں) گم ہو جائیں گے ﴿24﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ

طرف کان لگاتے ہیں جبکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (بہرہ پن) ہے، اور اگر وہ

اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

ساری نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں (اور) آپ سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿25﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ

لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ﴿25﴾ اور وہ دوسروں کو اس (ہدایت) سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں، اور وہ

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾

اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے ﴿26﴾

نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے۔" یعنی وہ مکمل طور پر خائب وخاسر ہیں۔ ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾﴾ "چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے" اس جلی اور ظاہر امر کے ساتھ جس کی تمام انبیائے کرام نے بشارت دی اور جس کا قدیم وجدید ہر دور میں چرچا رہا۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ﴾ "اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا؟" یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول نہ بنایا ہو، پھر اس شخص سے بھی زیادہ ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی آیات وبراہین اور اس کے بیان کردہ دلائل کو جھٹلائے۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿21﴾﴾ "کچھ شک نہیں کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔" یعنی نہ افتراء کرنے والا نجات پا سکتا ہے اور نہ تکذیب کرنے والا۔

تفسیر آیات: 22-26

مشرکوں سے شرک کے بارے میں باز پرس ہوگی: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ "اور جس دن ہم ان سب لوگوں کو جمع کریں گے۔" یعنی قیامت کے دن، پھر اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بتوں اور معبودان باطلہ کے بارے میں، جن کی وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے، یہ پوچھے گا: ﴿اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿22﴾﴾

’’(آج) وہ تمھارے شریک کہاں ہیں جن کا تمھیں دعویٰ تھا؟‘‘ جیسا کہ سورۂ قصص میں فرمایا ہے: ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ (القصص 62:28) ’’اور جس روز (اللہ) ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تمھیں دعویٰ تھا؟‘‘

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ﴾ ’’پھر اُن سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا۔‘‘ یعنی ان کے پاس اس وقت اس کی کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور عطاء خُراسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وقت اس سے بڑھ کر ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی۔[1] ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ ’’سوائے اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ وہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔‘‘ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ’’دیکھیں! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا؟ اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہا۔‘‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المؤمن 74,73:40) ’’پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم (اللہ کے) شریک بناتے تھے (یعنی) اللہ کے سوا، کہیں گے: وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے، اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔‘‘

بد بخت انسان قرآن سے استفادہ نہیں کرسکتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ ’’اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کی (باتوں کی) طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر تو پردے ڈال دیے ہیں کہ ان کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔‘‘ یعنی آپ سے تلاوتِ قرآن سننے کے لیے آتے تو ہیں لیکن یہ سننا ان کے کسی کام نہیں آسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً﴾ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ قرآن کو یہ سمجھ ہی نہ سکیں ﴿وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا﴾ اور ان کے کانوں میں اللہ تعالیٰ نے ثقل پیدا کر دیا ہے تاکہ قرآن کو یہ اس طرح نہ سن سکیں جس سے ان کو فائدہ حاصل ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً﴾ (البقرة 171:2) ’’اور جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے۔‘‘

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا﴾ ’’اور اگر یہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔‘‘ یعنی یہ لوگ، خواہ کس قدر آیات بینات اور دلائل و براہین کا مشاہدہ کرلیں، یہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ یہ فہم اور انصاف سے محروم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ﴾ (الأنفال

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1273/4.

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب وہ آتش پر کھڑے کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: کاش! ایک بار ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿27﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ

آیات کو ہرگز نہ جھٹلائیں گے، اور ہم مومنوں میں سے ہوں گے ﴿27﴾ (نہیں)! بلکہ ان کے وہ کرتوت ظاہر ہو چکے ہوں گے جنھیں وہ پہلے چھپاتے تھے۔ اور اگر انھیں

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿28﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا

واپس (دنیا میں) بھیج دیا جائے تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا، اور بے شک وہ جھوٹے ہیں ﴿28﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ زندگی تو بس ہماری دنیا ہی

الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿29﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا

کی زندگی ہے، اور ہمیں (دوبارہ) نہیں اٹھایا جائے گا ﴿29﴾ اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو وہ فرمائے گا: کیا

بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿30﴾ ع

یہ حق نہیں ہے؟ تو وہ کہیں گے: کیوں نہیں! (یہ حق ہے) ہمارے رب کی قسم! تو اللہ فرمائے گا: پھر تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے ﴿30﴾

"اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو ان کو ضرور سنا تا۔" (23:8)

ارشاد الٰہی ہے: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ﴾ "یہاں تک کہ جب یہ آپ کے پاس آپ سے بحث کرنے کے لیے آتے ہیں۔" اور حق کے بارے میں باطل کے ساتھ بحث اور مناظرہ کرتے ہیں تو ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿25﴾﴾ "جو کافر ہیں کہتے ہیں: یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔" یعنی آپ جس کتاب کو لے کر آئے ہیں یہ پہلے لوگوں کی کتابوں سے ماخوذ اور منقول ہے، ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ﴾ "اور وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی دور رہتے ہیں۔" یہ لوگ اوروں کو بھی حق کی اتباع، رسول کی تصدیق اور قرآن کو تسلیم کرنے سے روکتے ہیں، یعنی ﴿وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ﴾ خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور اس طرح یہ ان دونوں قبیح فعلوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ نہ تو خود قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس سے مستفید ہونے دیتے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکتے ہیں۔[1] محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار قریش نہ تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور نہ لوگوں کو آنے دیتے تھے بلکہ انھیں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے منع کرتے تھے۔[2] امام قتادہ، مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾﴾ "اور وہ (ان باتوں سے) اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے۔" یعنی اپنے اس طرز عمل سے یہ اپنے آپ ہی کو تباہ و برباد کر رہے ہیں اور اس کا وبال انھی پر لوٹ کر رہے گا اور یہ اس قدر غافل ہیں کہ انھیں اس بات کا شعور تک نہیں۔

تفسیر آیات: 27-30

① تفسیر الطبری:227/7. ② تفسیر الطبری:227/7. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1277/4 و تفسیر الطبری:227/7.

عذاب کی جھلک دیکھنے پر خواہشات کام نہ آئیں گی: یہاں اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس وقت کی حالت کا ذکر فرمایا ہے جب انھیں روزِ قیامت جہنم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، وہ اس کی زنجیروں اور بیڑیوں کو دیکھیں گے اور جب جہنم کی دہشت ناکیوں اور ہولناکیوں کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے تو بے ساختہ پکار اٹھیں گے: ﴿ یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔'' وہ خواہش کریں گے کہ انھیں ایک بار پھر دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ عمل صالح کر سکیں، اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن بن جائیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''(نہیں!) بلکہ یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) اُن پر ظاہر ہو گیا ہے۔'' یعنی اپنے نفسوں میں یہ جس کفر، تکذیب اور عناد کو چھپایا کرتے تھے اور دنیا یا آخرت میں جس کا یہ انکار کیا کرتے تھے، آج وہ سب کچھ ان کے سامنے ظاہر ہو گیا ہے جیسا کہ اِن آیات سے تھوڑا سا پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ○ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:23،24) ''پھر ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) سوائے اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہمارے پروردگار! ہم شریک نہیں بناتے تھے، دیکھیں! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا؟ اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہا۔''

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ ان کے سامنے وہ ظاہر ہو جائے جسے وہ جانتے تھے کہ انبیاء دنیا میں ان کے پاس جو کچھ لے کر آئے ہیں، وہ سچ ہے گو یہ اپنے پیروکاروں کے سامنے اس کے خلاف اظہار کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا: ﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:102) ''تو یقیناً یہ جانتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان چیزوں کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو۔'' اور اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ﴾ (النمل 27:14) ''اور انھوں نے بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کیا جبکہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔''

﴿ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ﴾ میں ﴿ بَلْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا کی طرف واپس لوٹ جانے کی خواہش کا اظہار اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کے دلوں میں واقعی ایمان کی رغبت و محبت پیدا ہو جائے گی بلکہ ان کی یہ خواہش اس عذاب کے خوف کی وجہ سے ہوگی جسے وہ اپنے کفر کی سزا کے طور پر اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے، لہٰذا وہ دنیا کی طرف لوٹ جانے کی خواہش کا اظہار اس لیے کریں گے تاکہ وہ اس جہنم کے عذاب سے بچ جائیں جس کا وہ مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ''اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں گے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔'' یعنی ایمان میں رغبت اور محبت کے لیے (دنیا میں) لوٹائے جانے کی خواہش میں (وہ جھوٹے ہیں۔) پھر ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا ﴾

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا

بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا حتی کہ جب ان کے پاس قیامت اچانک آجائے گی تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس!

فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ

ہم سے اس معاملے میں کیسی کوتاہی ہوئی! اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ خبردار! بہت برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھائیں گے ﴿31﴾ اور دنیا کی

الدُّنْيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿32﴾

زندگی بس کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے یقیناً بہتر ہے جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿32﴾

''اور اگر انھیں واپس بھیج دیا جائے۔'' دنیا کے گھر کی طرف، ﴿ لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾ ''تو بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے انھیں روکا گیا تھا۔'' یعنی کفر اور مخالفت (کریں گے۔) ﴿ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔'' یعنی اپنی اس بات میں کہ ﴿ يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿27﴾ ﴾ ''اے کاش! ہم پھر دنیا میں لوٹا دیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔'' اور اس بات میں بھی یہ جھوٹے ہیں کہ ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم پھر اٹھائے نہیں جائیں گے۔'' یعنی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد آخرت کی کوئی زندگی نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ''اور اگر آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو وہ فرمائے گا: کیا یہ برحق نہیں ہے؟'' یعنی کیا نہیں ہے یہ دوبارہ زندہ ہونا برحق اور نہیں ہے باطل؟ جیسا کہ تم گمان کرتے تھے؟ ﴿ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿30﴾ ﴾ ''تو وہ کہیں گے: کیوں نہیں! اپنے پروردگار کی قسم! (بالکل برحق ہے) تو اللہ فرمائے گا: اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب (کے مزے) چکھو۔'' یعنی دنیا میں تم جس عذاب کی تکذیب کرتے تھے، آج اسی کے مزے چکھو، ﴿ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿15﴾ ﴾ (الطور 52:15) ''کیا پھر یہ جادو ہے یا تم دیکھتے ہی نہیں؟''

تفسیر آیات: 32،31

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ خسارہ اٹھائیں گے۔ جب ان کے پاس اچانک قیامت آجائے گی تو وہ گھاٹے میں ہوں گے اور اپنے کیے ہوئے برے اعمال پر ندامت کا اظہار کریں گے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آموجود ہوگی تو وہ بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی۔'' ﴿ فِيْهَا ۙ ﴾ کی ضمیر کا مرجع دنیا کی زندگی، اعمال اور قیامت تینوں میں سے ہر ایک ہو سکتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے، آگاہ رہو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے۔''

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

(اے نبی!) تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، پس بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی

يَجْحَدُوْنَ ﴿33﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ

آیتوں کا انکار کرتے ہیں ﴿33﴾ اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے، تو انھوں نے جھٹلائے جانے اور تکلیف دیے جانے پر صبر

نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿34﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ

کیا، حتی کہ ان کے پاس ہماری مدد آپہنچی اور اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آچکی ہیں ﴿34﴾ اور اگر ان

عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

لوگوں (کافروں) کا حق سے منہ موڑنا آپ کو ناگوار ہے تو اگر آپ میں یہ طاقت ہے کہ آپ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لیں،

بِاٰيَةٍ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ

النصف

پھر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں (تو ایسا کر گزریں) اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر جمع کر دیتا، چنانچہ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں ﴿35﴾ حق

الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿36﴾

کو قبول تو صرف وہ کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور جو مردے ہیں، اللہ انھیں اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿36﴾

اَسباط نے سدی سے روایت کیا ہے کہ جب بھی کوئی ظالم شخص اپنی قبر میں داخل ہوتا ہے تو اس کے پاس ایک ایسا شخص آتا ہے جس کا چہرہ بہت برا، رنگ سیاہ، بدبودار اور لباس بہت میلا کچیلا ہوتا ہے اور جب وہ اس کے پاس قبر میں آتا ہے تو اسے دیکھتے ہی چلا اٹھتا ہے کہ تم کس قدر بدصورت ہو؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ تمھارا عمل بھی اسی طرح بدترین تھا، وہ پوچھتا ہے کہ تم سے بدبو کس قدر آرہی ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ تمھارا عمل بھی اسی طرح بدبودار تھا، وہ پوچھتا ہے کہ تمھارا لباس کس قدر میلا کچیلا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ تمھارا عمل بھی اسی طرح میلا کچیلا تھا۔ وہ پوچھتا ہے کہ آخر بتاؤ تو سہی کہ تم ہو کون؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمھارا عمل ہی ہوں، پھر وہ اس کے ساتھ قبر ہی میں رہتا ہے۔ اور جب روز قیامت اسے اٹھایا جائے گا تو وہ اس سے کہے گا کہ دنیا میں میں تجھے لذتوں اور خواہشوں کے ساتھ اٹھائے پھرتا تھا، اس لیے آج تو مجھے اٹھا، یہ کہہ کر وہ اس کی پشت پر سوار ہو جائے گا اور اسے دھکیل کر جہنم رسید کر دے گا۔ اس آیت کریمہ: ﴿وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿31﴾﴾ ”اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے، آگاہ رہو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے“ کے یہی معنی ہیں۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ﴾ ”اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشہ ہے۔“ یعنی دنیا کی اکثریت ایسی ہی ہے ﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿32﴾﴾ ”اور آخرت کا گھر یقیناً بہت اچھا ہے ان کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں، کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟“

[1] تفسیر الطبری: 7/236,237.

تفسیر آیات:33-36

نبیٔ اکرم ﷺ کے لیے تسلی: قوم کی طرف سے تکذیب اور مخالفت پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ ﴾ ''تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ بے شک ان (کافروں) کی باتیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں۔'' یعنی یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ انھوں نے آپ کی تکذیب کی ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو غم اور ان پر افسوس ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ ﴾ (فاطر 8:35) ''تو ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کا دم نہ نکل جائے۔'' دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 3:26) ''(اے پیغمبر!) شاید آپ اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ ﴾ (الکہف 6:18) ''(اے پیغمبر!) پھر اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے غم سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ﴾ ''پس بے شک وہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔'' حقیقت میں یہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے ﴿ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ﴾ ''بلکہ (دراصل) یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔'' یعنی یہ تو حق ہی سے دشمنی رکھتے اور اس کی اپنے دلوں سے مخالفت کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے امام زہری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان صَخر بن حرب اور اخنس بن شُرَیق رات کو چھپ کر صبح تک نبیٔ اکرم ﷺ کی تلاوت سنا کرتے تھے اور انھیں ایک دوسرے کے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ بھی نبی ﷺ کی تلاوت کو سنتا ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ رات بھر صبح تک یہ آپ کی تلاوت کو سنتے رہے اور جب یہ صبح کے وقت اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے تو اتفاق سے تینوں ایک جگہ اکٹھے ہو گئے، ہر ایک نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ اور جب انھوں نے ایک دوسرے کو بتایا تو کہنے لگے کہ ہمیں آپس میں یہ معاہدہ کر لینا چاہیے کہ ہم آئندہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اگر قریش کے نوجوانوں کو ہمارے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ ہم رات کو چوری چھپے قرآن سنتے ہیں تو وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

دوسری رات ہوئی تو ان تینوں میں سے ہر ایک شخص پھر رسول اکرم ﷺ کا قرآن سننے کے لیے آیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں یہ خیال کیا کہ وہ نہیں آئیں گے کیونکہ ہمارا آپس میں معاہدہ ہو چکا ہے۔ صبح کے وقت گھروں کو جاتے ہوئے پھر راستے میں جب ایک جگہ جمع ہو گئے تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور انھوں نے پھر یہ معاہدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے مگر تیسری رات ہوئی تو پھر ایسا ہی ہوا اور انھوں نے تیسری بار آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ یہ پختہ عہد کرنے کے بعد انھوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

دن نکل آیا تو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی کو پکڑا اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے گھر چلا گیا اور ان سے کہنے لگا: ابوحنظلہ! یہ

بتاؤ کہ محمد ﷺ سے جو کچھ تم نے سنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابوثعلبہ! واللہ! میں نے کچھ چیزیں ایسی سنی ہیں جنھیں میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان سے کیا مراد ہے اور کچھ چیزیں میں نے ایسی سنی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ ان سے کیا مراد ہے؟ اخنس نے جواب دیا کہ حلفیہ طور پر تم نے یہ جو بیان کیا ہے، اس کے بارے میں میرا بھی یہی خیال ہے۔

پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے فارغ ہو کر اخنس ابوجہل کے گھر چلا گیا اور اس سے جا کر کہنے لگا: ابوالحکم! محمد ﷺ سے جو کچھ تم نے سنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ ابوجہل نے جواب دیا: تو نے کیا سنا ہے؟ بات یہ ہے کہ سرداری اور چودھراہٹ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے سلسلے میں ہمارا اور بنوعبد مناف کا ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا، وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہم بھی کھلا دیتے، وہ لوگوں کو سواریاں دیتے تو ہم بھی انھیں سواریاں دے دیتے، وہ لوگوں کو مال و دولت سے نوازتے تو ہم بھی دریغ نہ کرتے حتی کہ دوڑ کا مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں کی طرح ہمارا ابھی آپس میں سخت مقابلہ جاری تھا کہ انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں جن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو بھلا ان کی اس بات کا ہم کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ لہٰذا اللہ کی قسم! ہم اس نبی پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کی تصدیق کریں گے۔ اخنس ابوجہل کی یہ بات سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے گھر کی راہ لی۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا﴾ ''اور (اے نبی!) بے شک آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذاء پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی۔'' قوم کی طرف سے تکذیب پر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اپنے نبی کو تسلی دی ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ بھی اسی طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بھی اسی طرح مدد کا وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ سابقہ انبیائے کرام سے وعدہ فرمایا تھا حتی کہ حضرات انبیائے کرام ہی مآل کے اعتبار سے فتح و نصرت سے سرفراز ہوئے، حالانکہ ان کی قوموں نے بھی ان کی تکذیب کی اور انھیں بے حد تکلیفیں پہنچائی تھیں، پھر دنیا میں بھی فتح و نصرت سے سرفراز ہوئے اور آخرت میں بھی کامیاب و کامران۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں۔'' یعنی ان باتوں کو جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے دنیا و آخرت کی فتح و نصرت لکھ دی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور یقیناً ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے ان بندوں کے لیے صادر ہو چکا جو رسول ہیں کہ یقیناً وہی (مظفر و) منصور ہیں اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے بے شک اللہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام، قصة استماع قريش إلى قراءة النبي ﷺ: 316,315/1.

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور انھوں نے کہا: اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (بڑی) نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ کہہ دیجیے: بے شک اللہ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ کوئی

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿37﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا

(بڑی) نشانی نازل فرمائے لیکن لوگوں میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿37﴾ اور زمین پر چلنے والا کوئی جانور اور اپنے دونوں پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو

فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ

تمھاری طرح (الگ) امت نہ ہو، ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو)، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ﴿38﴾ اور جن

مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾

لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں، اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے سیدھی راہ پر لے آتا ہے ﴿39﴾

زور آور (اور) زبردست ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿34﴾﴾ ''اور یقیناً آپ کے پاس پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں (تو آپ بھی صبر سے کام لیں۔)'' یعنی آپ کے پاس پیغمبروں کی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ قوم کی تکذیب کے مقابلے میں انھیں کس طرح فتح ونصرت سے نوازا گیا؟ آپ کے لیے ان کی زندگی اسوہ ونمونہ ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ ''اور اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے۔'' ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ﴾ ''تو اگر آپ میں یہ طاقت ہو کہ زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالیں یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کریں۔)'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ النفق کے معنی سرنگ کے ہیں جس میں آپ داخل ہوں، ﴿فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ﴾ ''پھر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے آئیں'' یا آپ اپنے لیے آسمان میں سیڑھی لگالیں اور آپ اس پر چڑھ کر کوئی نشانی لے آئیں جو اس سے بہتر ہو جو ہم نے آپ کو دی ہے تو ایسا کر گزریے۔ امام قتادہ اور سُدّی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿35﴾﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا، چنانچہ آپ ہرگز نادانوں میں نہ ہو جائیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ﴾ (یونس 10:99) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شدید خواہش تھی کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور ہدایت کو قبول کر کے آپ کی اتباع شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا کہ ایمان صرف وہی لوگ لائیں گے جن کی قسمت میں لوح محفوظ میں یہ سعادت مقدر کر دی گئی ہے۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ﴾ ''بے شک (حق کو) قبول صرف وہی کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔'' یعنی

[1] تفسیر الطبری:242/7. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1285,1284/4.

اے محمد (ﷺ)! آپ کی دعوت کو وہی لوگ قبول کریں گے جو آپ کی بات کو سنیں اور سمجھیں گے جیسا کہ فرمایا: لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ (یٰسٓ 36:70) ''تاکہ وہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر (اللہ کے عذاب کی) بات ثابت ہو جائے۔'' اور فرمایا: وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿36﴾ ''اور مُردوں کو تو اللہ (قیامت ہی کو) اٹھائے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔'' مردوں سے یہاں کفار مراد ہیں کیونکہ ان کے دل مردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ انھیں تشبیہ دی ہے جو جسموں کے اعتبار سے مردہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حقارت اور ان کی تنقیص کے لیے یہ فرمایا ہے۔

تفسیر آیات: 37-39

مشرکین کا نشانی نازل ہونے کا مطالبہ: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ پر ان کے مطالبے کے مطابق کوئی خرقِ عادت نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ جیسا کہ انھوں نے کہا تھا: لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ۝ (بنی إسرآئیل 17:90) ''ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ (عجیب وغریب باتیں نہ دکھائیں یا تو) ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے درمیان آپ نہریں جاری کر دیں یا، جیسے آپ دعویٰ کرتے ہیں، ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿37﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک اللہ (ہر طرح کی) نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نشانی اتارنے پر قادر تو ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ اسے مؤخر کیے ہوئے ہے کیونکہ اگر وہ ان کے مطالبے پر نشانی نازل فرما دے اور یہ پھر بھی ایمان نہ لائیں تو اللہ تعالیٰ انھیں جلد دنیا ہی میں سزا دے گا جس طرح اس نے سابقہ قوموں کو دنیا ہی میں سزا دے دی تھی جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ (بنی إسرآئیل 17:59) ''اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو ایک اونٹنی (نبوتِ صالح کی) کھلی نشانی دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ (الشعرآء 26:4) ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔''

اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ سے کیا مراد ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ''اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔'' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی ایسی جماعتیں ہیں جو اپنے اپنے نام سے پہچانی جاتی

ہیں۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ پرندے ایک امت ہیں، انسان ایک امت ہیں اور جن ایک امت ہیں۔[2] سدی فرماتے ہیں کہ ﴿ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ یعنی تمھاری جیسی مخلوق ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی۔'' سب کا علم اللہ کے پاس ہے، وہ ان میں سے کسی کے رزق اور تدبیر کو نہیں بھولتا، خواہ اس کا تعلق بَرّی مخلوق سے ہو یا بحری سے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔'' ایسی کتاب میں جس میں ان کے نام، ان کی گنتی، ان کی رہائش اور ان کی تمام تر حرکات وسکنات کو لکھا ہوا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾ (العنکبوت 60:29) ''اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ ''پھر وہ سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کیے جائیں گے۔''

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے جمع کرنے سے مراد ان کی موت ہے۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمع کرنے سے مراد قیامت کے دن اٹھانا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○ ﴾ (التکویر 5:81) ''اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔'' امام عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس فرمان باری: ﴿ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ ''مگر جو تمھاری طرح (الگ) امت ہو، ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (جس کا ذکر نہ کیا ہو) پھر وہ سب اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔'' کے متعلق بیان کیا ہے کہ ساری مخلوق کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا، جانوروں، حیوانوں، پرندوں اور دیگر تمام مخلوقات کو جمع کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا عالم یہ ہوگا کہ سینگوں والی بکری سے بے سینگوں کی بکری کو بھی انصاف دلایا جائے گا، پھر ان سے کہا جائے گا کہ اب مٹی ہو جاؤ تو انھیں مٹی ہوتے ہوئے دیکھ کر کافر بھی خواہش کرے گا: ﴿ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ○ ﴾ (النبا 40:78) ''اے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔''[5] حدیث صور میں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔[6]

کفار اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اندھیروں میں بہرے اور گونگے ہیں۔'' یعنی جہالت، قلتِ علم اور عدم فہم کی وجہ

---

① تفسير الطبري: 247/7 . ② تفسير الطبري: 247/7. ③ تفسير الطبري: 247/7. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 1286/4. ⑤ تفسير الطبري: 248/7 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنعام: 316/2، حديث: 3231 وتفسير عبدالرزاق: 46/2، رقم: 786. ⑥ الأحاديث الطوال للطبراني، حديث الصور، ص: 104-114 عن أبي هريرة رضي الله عنه . اور دیکھیے مسند أحمد: 72/1 عن عثمان رضي الله عنه .

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو بتاؤ کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟ ﴿40﴾ بلکہ تم صرف اسی کو

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿40﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ

پکارو گے، پھر اگر وہ چاہے گا تو وہ تکلیف دور کر دے گا جس کے لیے تم اسے پکارو گے، اور تم انھیں بھول جاؤ گے جنھیں تم شریک ٹھہراتے تھے ﴿41﴾ اور تحقیق

مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿41﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

ع 4 11 20

ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر ہم نے ان (امتوں) کو سختی اور تکلیف کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں ﴿42﴾ پھر جب ان پر ہمارا

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿42﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور جو عمل وہ کرتے تھے (ان کو) شیطان نے ان کے لیے مزین (خوبصورت) بنا دیا ﴿43﴾

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى

پھر جب انھوں نے وہ نصیحت بھلا دی جو انھیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے حتی کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو انھیں دی

اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

گئی تھیں، تو ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا، پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے ﴿44﴾ پھر اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا تھا، اور تمام تعریف

ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾

اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿45﴾

سے ان کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بہرہ اور گونگا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اندھیروں اور تاریکیوں میں مبتلا ہو اور کچھ دیکھ بھی نہ سکتا ہو تو اس طرح کا شخص کس طرح ہدایت یاب ہو سکتا ہے یا جن گمراہیوں میں مبتلا ہے تو ان سے وہ کس طرح نکل سکتا ہے؟ جیسے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ○ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○﴾ (البقرۃ 2:17، 18) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شبِ تاریک میں) آگ جلائی جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں تو اللہ ان لوگوں کی روشنی لے گیا اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ (یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) وہ تو نہیں لوٹیں گے۔'' اور جیسے فرمایا: ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ○﴾ (النور 24:40) ''یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی آتی ہو (اور) اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو اور) اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے، قریب ہے کہ اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے تو اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی۔)'' اسی لیے یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿39﴾﴾ ''جس کو اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے

رستے پر چلا دے۔'' وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرسکتا ہے۔

تفسیر آیات:40-45

مشرکین پر اقامتِ حجت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جو چاہے اسے کر گزرتا ہے، وہ جو چاہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے حکم کو مخلوق پر نافذ ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا، وہی وحدہ لاشریک ہے کہ جب اس سے کچھ مانگا جائے تو وہ جسے چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ **قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ** ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: (اے کافرو!) بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ موجود ہو۔'' یعنی ان میں سے کوئی ایک چیز عذاب یا قیامت آ جائے ﴿ **اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿40﴾ ﴾ ''تو کیا تم (ایسی حالت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ۔)'' یعنی اس وقت تو تم اس کے سوا کسی اور کو نہیں پکارو گے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اس کے سوا اسے زائل کرنے پر کوئی اور قادر نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** ﴿40﴾ ﴾ یعنی اگر تم اس کے ساتھ دوسروں کو معبود بنانے میں سچے ہو تو بتاؤ، پھر فرمایا: ﴿ **بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ** ﴿41﴾ ﴾ ''(نہیں!) بلکہ (مصیبت کے وقت تم) اسی کو پکارتے ہو تو جس دکھ کے لیے اسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا تو اس کو دور کر دیتا ہے اور جن کو تم شریک بناتے ہو (اس وقت) انھیں بھول جاتے ہو۔'' یعنی بوقتِ ضرورت تم اس کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتے ہو اور اس وقت تمھارے بت اور جھوٹے معبود ختم ہو جاتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ **وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ** ﴾ الآية (بنی إسرآئيل 67:17) ''اور جب تم کو سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس پروردگار کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ (اللہ) تمھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ** ﴾ ''اور تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے، پھر (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم نے انھیں سختی کے ساتھ پکڑا'' یعنی فقر اور تنگی معیشت وغیرہ کے ساتھ ﴿ **وَالضَّرَّآءِ** ﴾ ''اور تکلیف (کے ساتھ۔)'' یعنی بیماریوں اور دکھوں دردوں کی صورت میں پکڑتے رہے۔ ﴿ **لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ** ﴿42﴾ ﴾ ''شاید کہ وہ عاجزی کریں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور اس کے حضور الحاح وزاری کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا** ﴾ ''پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ اختیار کی؟'' یعنی جب ہم نے ان کی آزمائش کی تو انھوں نے کیوں نہ عجز وانکسار کا اظہار کرتے ہوئے ہماری طرف رجوع کیا؟ ﴿ **وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ** ﴾ ''اور لیکن ان کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے۔'' یعنی ان میں نرمی اور رقت پیدا نہ ہوئی۔ ﴿ **وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿43﴾ ﴾ ''اور جو کام وہ کرتے تھے شیطان نے (انھیں) ان کے لیے آراستہ کر دیا تھا۔'' اور انھیں شرک، اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور گناہ بھی بھلے معلوم ہوتے تھے، ﴿ **فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ** ﴾ ''پھر جب انھوں نے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

(اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: اگر اللہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے تو بتاؤ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿46﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

یہ (چیزیں) لا دے؟ دیکھیے کس طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ منہ موڑتے ہیں ﴿46﴾ کہیے: اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک

عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿47﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

یا کھلم کھلا آجائے تو بتاؤ کیا ظالموں کے سوا کوئی اور لوگ بھی ہلاک کیے جائیں گے؟ ﴿47﴾ اور ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جسے خوشخبری دینے والا

اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿48﴾

اور ڈرانے والا نہ بنایا ہو، پھر جو شخص ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿48﴾

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿49﴾

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انھیں اس (نافرمانی کی) وجہ سے عذاب پہنچے گا جو نافرمانی وہ کرتے تھے ﴿49﴾

اس نصیحت کو جوان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا۔'' اس سے اعراض کیا، اسے بھول گئے اور انھوں نے اسے پس پشت ڈال دیا، ﴿ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ ﴾ ''تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔'' یعنی ان کے لیے ہر قسم کے پسندیدہ رزق کے دروازے کھول دیے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے مہلت اور ان کے خلاف ایک تدبیر تھی، اللہ کی تدبیر سے اللہ ہی کی پناہ! اسی لیے فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا ﴾ یعنی یہاں تک کہ جب مال، اولاد اور رزق کی فراوانی کی وجہ سے خوب اترانے لگے ﴿ اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''(تو) ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔'' یعنی ہم نے ان کو غفلت میں پکڑا اور وہ ہر قسم کی خیر و بھلائی سے مایوس ہو گئے۔ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ [مُبْلِس] کے معنی مایوس کے ہیں۔[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کشادہ رزق عطا فرمائے اور وہ اسے اللہ کی تدبیر نہ سمجھے تو وہ بے عقل ہے اور جس شخص کو اللہ رزق کی تنگی میں مبتلا کر دے اور وہ اسے آزمائش نہ سمجھے تو وہ بھی بے عقل ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''پھر جب انھوں نے وہ نصیحت بھلا دی جو انھیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے حتی کہ جب وہ ان چیزوں پر اترانے لگے جو انھیں دی گئی تھیں تو ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا، پھر وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔''

پھر امام حسن بصری نے فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم! یہ بھی لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے کہ پہلے ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کے مطابق انھیں دے دیا جائے، پھر انھیں اچانک گرفت میں لے لیا جائے۔ اسے ابن ابوحاتم نے بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 46-49

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1292/4. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1291/4 والدر المنثور: 23,22/3.

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ ان تکذیب اور مخالفت کرنے والوں سے کہہ دیں: ﴿ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ ﴾ ''بھلا دیکھو تو! اگر اللہ تمھارے کان اور آنکھیں چھین لے؟'' یعنی جس طرح اس نے تمھیں یہ صلاحیتیں بخشی ہیں اسی طرح اگر وہ انھیں سلب کرلے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الملك 23:67) ''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ کان اور آنکھیں چھیننے سے مراد یہ ہو کہ وہ ان کے ساتھ شرعی فائدہ اٹھانے سے محروم کردے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ﴾ ''اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ ﴾ (يونس 31:10) ''یا (تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ ﴾ (الأنفال 25:8) ''اور جان رکھو! بے شک اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ ﴾ یعنی کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ہے جسے یہ قدرت حاصل ہو کہ وہ ان نعمتوں کو تمھیں لوٹا دے؟ جب اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو چھین لے تو اس کے سوا کوئی اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ تمھیں دوبارہ یہ عطا فرما سکے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''دیکھیے! ہم کس طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی کھول کھول کر بیان کرتے اور واضح کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے سوا جن معبودوں کی یہ پوجا کرتے ہیں، وہ سراسر باطل اور ضلالت ہے۔ ﴿ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝46 ﴾ ''پھر بھی یہ لوگ روگردانی کیے جاتے ہیں۔'' یعنی اس بیان کے باوجود یہ لوگ حق سے روگردانی کر رہے ہیں اور لوگوں کو بھی حق کی اتباع سے روک رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بھلا بتاؤ تو! اگر تم پر اللہ کا عذاب بے خبری میں آئے۔'' یعنی اچانک آجائے اور تمھیں شعور ہی نہ ہو، ﴿ اَوْ جَهْرَةً ﴾ یا کھلم کھلا اور واضح طور پر کھلی آنکھوں کے سامنے آجائے تو ﴿ هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝47 ﴾ ''کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا؟'' عذاب آئے گا تو ان لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہوں گے اور صرف وہی لوگ نجات پائیں گے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے ہوں گے، ایسے لوگوں کو کوئی خوف ہوگا نہ غم جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 82:6) ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا، ان کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ ﴾ ''اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو صرف خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے لیے۔'' وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو نعمتوں کی خوشخبری سناتے تھے اور کفر کرنے والوں

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۞50 وَاَنْذِرْ

اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہہ دیجیے: کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟ (50) اور (اے نبی!) آپ اس

بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ

(قرآن) کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرائیں جنھیں ڈر رہتا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس اکٹھے کیے جائیں گے، وہاں اس کے سوا ان کا کوئی دوست اور سفارشی

لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۞51 وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

نہ ہوگا، شاید کہ وہ پرہیز گاری اختیار کریں (51) اور ان لوگوں کو اپنے سے مت دور کریں جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں، وہ اپنے رب کا چہرہ (رضامندی)

وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

چاہتے ہیں، ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر (اگر) آپ ان کو اپنے سے دور کریں

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞52 وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ

گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے (52) اور ہم نے اسی طرح لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے، تاکہ وہ (انھیں دیکھ کر)

عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۞53 وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا

کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ (ہاں) کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا؟ (53) اور جب وہ لوگ آپ

فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًاۢ بِجَهَالَةٍ

کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو، تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ بے شک تم

ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞54

میں سے جو شخص جہالت سے برا عمل کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے (54)

کو اللہ تعالیٰ کے عذابوں اور اس کی خوف ناک سزاؤں سے ڈراتے تھے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ ﴾ ''پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے۔'' جس شخص کا دل انبیائے کرام کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان لے آئے اور وہ ان کی اتباع کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لے ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا'' مستقبل کی زندگی میں ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞48 ﴾ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' ان چیزوں پر جنھیں وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آئے ہوں گے کیونکہ انھوں نے جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑا ہوگا اس کا نگہبان اور محافظ اللہ ہوگا، پھر فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞49 ﴾ ''اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی نافرمانیوں کے سبب انھیں عذاب پہنچے گا۔'' انبیائے کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے دین و شریعت کے ساتھ کفر کرنے، اللہ تعالیٰ کے احکام و طاعت سے خارج ہو جانے اور ممنوع اور حرام کاموں کے ارتکاب اور محرمات کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے انھیں عذاب ہوگا۔

تفسیر آیات:50-54

رسول اللہ ﷺ نہ اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں اور نہ غیب جانتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔'' میں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مالک نہیں اور نہ میں ان میں تصرف کا کوئی اختیار ہی رکھتا ہوں۔ ﴿ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اور مجھے صرف اسی قدر علم حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا ہے۔ ﴿ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ ''اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں۔'' یعنی میں فرشتہ ہونے کا بھی دعوے دار نہیں ہوں کیونکہ میں تو ایک انسان ہوں، ہاں! البتہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شرف وانعام سے سرفراز فرمایا ہے کہ اس نے مجھے نبی بنایا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ﴾ ''میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔'' یعنی اس سے ایک بالشت برابر بھی کمی بیشی نہیں کرتا۔ ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بھلا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟'' یعنی جو شخص حق کی اتباع کرے اور ہدایت یافتہ ہو تو وہ اور حق سے دور ہو کر گمراہ ہو جانے والا برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ ﴿ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠ ﴾ ''کیا پھر تم غور (کیوں) نہیں کرتے؟'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (الرعد19:13) ''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہی حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟ بس نصیحت وہ حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔''

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾ ''اور (اے نبی!) آپ اس (قرآن) کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرائیں جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر کیے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ) اس کے سوا نہ تو ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! اس قرآن کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کریں ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴾ (المؤمنون 57:23) ''جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں۔'' اور ان لوگوں کو ﴿ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴾ (الرعد21:13) ''جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔''

﴿ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا ﴾ ''جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ (اپنے پروردگار کے) روبرو حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ لَيْسَ لَهُمْ ﴾ ''ان کے لیے نہ ہوگا'' اس دن ﴿ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾ ''اس کے سوا کوئی دوست اور نہ سفارش کرنے والا۔'' یعنی ان کا اس دن نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا جو سفارش کر کے انھیں اس کے عذاب سے بچا لے اگر وہ اس کا ارادہ کرے۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ ''شاید کہ وہ پرہیزگار بنیں۔'' انھیں اس دن سے ڈرائیں جس میں اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی حاکم نہ ہوگا۔ اور ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس دنیا

میں یہ ایسا عمل کرنا شروع کر دیں جس کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے عذاب سے نجات عطا فرما دے اور بے پایاں اجر وثواب سے نواز دے۔

رسول اللہ ﷺ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ’’اور ان لوگوں کو اپنے سے مت دور کریں جو صبح وشام اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں (اور) اس کا چہرہ (رضامندی) چاہتے ہیں۔‘‘ ان اوصاف سے اتصاف پذیر لوگوں کو اپنے پاس سے دور نہ کریں بلکہ انھیں اپنے دوست اور ہم نشین بنالیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (الکھف 28:18) ’’اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کا چہرہ (رضامندی) چاہتے ہیں، آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں کہ آپ آرائش زندگانی دنیا کے خواستگار ہو جائیں۔ اور آپ اس کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ ’’وہ اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں۔‘‘ اس کی عبادت بھی کرتے ہیں اور اس سے دعا بھی کرتے ہیں ﴿ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ ﴾ ’’صبح وشام۔‘‘ سعید بن مسیّب، مجاہد، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ فرض نماز ادا کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المؤمن 60:40) ’’اور تمھارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری (دعا) قبول کروں گا۔‘‘

فرمان الٰہی ہے: ﴿ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ’’وہ اس کا چہرہ (رضامندی) چاہتے ہیں۔‘‘ یعنی وہ اپنے اس عمل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے طلب گار ہیں اور عبادت وطاعتِ الٰہی کو بے حد اخلاص کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ﴾ ’’ان کے حساب (اعمال) کی جواب دہی آپ پر کچھ نہیں اور آپ کے حساب کی جواب دہی ان پر کچھ نہیں۔‘‘ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان لوگوں کے جواب میں کہا تھا جنھوں نے یہ کہا تھا: ﴿ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:111-113) ’’کیا ہم آپ پر ایمان لے آئیں، حالانکہ آپ کے پیرو تو رذیل لوگ ہیں؟ نوح نے کہا کہ مجھے اس کا کیا علم جو وہ عمل کرتے رہے ہیں، ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے، کاش! تم سمجھو۔‘‘ یعنی ان کا حساب اللہ عزوجل کے ذمے ہے، میرے ذمے قطعاً نہیں ہے اور نہ میرا حساب قطعی طور پر ان کے ذمے ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵۲ ﴾ ’’اگر آپ اُن کو اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔‘‘ یعنی اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کی یہی حالت ہوگی۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ﴾ یعنی اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض کے ساتھ آزمائش کی، انھیں ابتلا میں ڈالا اوران کا امتحان لیا ہے۔ ﴿ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ ''تاکہ وہ کہیں: کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟'' دراصل بعثت کے آغاز میں جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی ان میں غالب اکثریت کمزور مردوں، عورتوں، لونڈیوں اور غلاموں کی تھی، دولت مندوں میں سے بہت کم لوگ تھے، جیسے قوم نوح نے بھی حضرت نوح علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾ (ھود 27:11) ''اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمھارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں، سرسری رائے والے'' شاہِ روم ہرقل نے ابوسفیان سے جب کچھ سوالات پوچھے تو ان میں سے ایک سوال نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں یہ بھی تھا کہ دولت مند لوگ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ کمزور لوگ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ ہرقل نے یہ جواب سن کر کہا تھا کہ رسولوں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔[1]

غرض یہ کہ مشرکینِ قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والے کمزور لوگوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جن پر بس چلتا انھیں بے پناہ تکلیفیں بھی دیتے تھے اور کہتے تھے: ﴿ اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ ''کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟'' یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خیر کی ہدایت کرتا اگر یہ چیز خیر و بھلائی میں سے ہوتی تو یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ ہمیں اس سے محروم کر دیتا جیسے ان کا کہنا ہے: ﴿ لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ (الأحقاف 11:46) ''اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم پر سبقت نہ لے جاتے۔''

جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴾ (مریم 73:19) ''اور جب ان لوگوں پر ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ فریقین میں سے مقام و مرتبہ کس کا بہتر اور مجلس کس کی اچھی ہے۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴾ (مریم 74:19) ''اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں، وہ لوگ ساز و سامان اور نمود و نمائش میں (ان سے) کہیں اچھے تھے!'' اور جب انھوں نے یہ کہا: ﴿ اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ ''کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴾ یعنی کیا وہ شکر کرنے والوں کے اقوال، افعال اور دلوں کے حالات سے واقف نہیں کہ انھیں سلامتی کے رستوں کی توفیق و ہدایت نہ دے اور اپنے حکم سے انھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف نہ لے آئے اور انھیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق سے نہ نوازے؟ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾

[1] ملخص از صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ......؟ حدیث:7 وصحیح مسلم، الجھاد، باب کتب النبی ﷺ إلی ھرقل ......، حدیث: 1773 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿55﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ

اور ہم اسی طرح آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ بالکل واضح ہو جائے﴿55﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے منع کیا گیا ہے کہ

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ

میں ان کی عبادت کروں جنھیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، کہہ دیجیے: میں تمھاری خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا، اس صورت میں، میں گمراہ ہو جاؤں گا،

الْمُهْتَدِيْنَ ﴿56﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

اور میں ہدایت پانے والوں میں سے نہ ہوں گا﴿56﴾ کہہ دیجیے: بے شک میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں، اور تم نے اس دلیل کو جھٹلایا

بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا

ہے، میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو، فیصلے کا (سارا) اختیار اللہ ہی کو ہے، وہ حق بات بیان کرتا ہے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿58﴾ وَعِنْدَهٗ

والا ہے﴿57﴾ کہہ دیجیے: بے شک اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جسے تم جلدی طلب کر رہے ہو تو میرے اور تمھارے درمیان معاملہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا، اور

مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ

اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے﴿58﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے، اور

وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا

کوئی پتا ایسا نہیں گرتا جسے وہ جانتا نہ ہو، اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ (ایسا) نہیں (چھوٹتا جسے وہ جانتا نہ ہو) اور کوئی تر چیز اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں

فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿59﴾

جو واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) نہ ہو﴿59﴾

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 69:29) ”اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔“

اور حدیث صحیح میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ،[1] وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ] ”بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا لیکن وہ تو تمھارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔“[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ”اور جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو کہہ دیجیے کہ تم پر سلام ہو۔“ انھیں سلام کہہ کر ان کی عزت افزائی کریں اور انھیں اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت کی خوشخبری سنائیں۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

[1] تفسیر ابن کثیر میں أموالکم کے بجائے أَلْوَانِكُم ہے لیکن یہ ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔ [2] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، حدیث:(34)-2564 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

یعنی تمھارے رب نے اپنے بندوں پر فضل وکرم اور احسان فرمانے کے لیے اپنی ذات پاک پر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے۔ ﴿ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ﴾ ''کہ بے شک جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے۔'' یعنی جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ بلاشبہ نادان اور جاہل ہی ہے، ﴿ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ ﴾ ''پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے۔'' یعنی گناہوں سے رجوع کر لے، آئندہ ان کا ارتکاب نہ کرنے کا عزمِ صمیم کر لے اور مستقبل میں نیک عمل کرے، ﴿ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''تو یقیناً وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهٖ فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي] ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں، جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے، یہ لکھا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''[1]

تفسیر آیات:55-59

رسول کی دعوت دلیل پر مبنی ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے رشد و ہدایت کے رستے اور جدال وعناد کی مذمت کے دلائل و براہین بیان کیے ہیں، ﴿ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''اور اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔'' جن کی مخاطب لوگوں کو ضرورت ہے تاکہ وہ ان کے مطابق عمل کریں۔ ﴿ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ ''اور اس لیے کہ گناہ گاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے۔'' یعنی مجرموں اور رسولوں کے مخالفوں کا رستہ ظاہر ہو جائے۔ اسے [لِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ][2] بھی پڑھا گیا ہے، یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!- یا اے مخاطب!- تاکہ تم مجرموں کے رستے کو پہچان لو۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اس شریعت کے بارے میں، میں بصیرت پر ہوں جسے اس نے میری طرف وحی کیا ہے۔ ﴿ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ﴾ ''اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔'' یعنی اس حق کو جھٹلاتے ہو جو میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ ﴿ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ﴾ ''جس چیز کو تم جلدی طلب کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے۔'' یعنی عذاب میرے پاس نہیں ہے۔ ﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ ''فیصلہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔'' یعنی عذاب کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو تمھارے مطالبے پر فوراً بھیج دے اور اگر وہ چاہے تو اپنی کسی عظیم حکمت و مصلحت کے پیش نظر اسے مؤخر کر کے تمھیں مہلت

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في قول اللّٰه تعالى: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم30:27) ، حديث:3194 وصحيح مسلم، التوبة، باب سعة رحمة اللّٰه تعالى وأنها تغلب غضبه، حديث:2751 ومسند أحمد:313/2 . [2] تفسیر کے بعض نسخوں میں [لِيَسْتَبِينَ......] ہے اگرچہ یہ قراءت بھی ہے لیکن اس مذکورہ قراءت کے بعد امام رحمہ اللہ کی وضاحت، یعنی ''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یا اے مخاطب!'' دلالت کناں ہے کہ اس سے مراد مخاطب کا صیغہ ہے اور [سَبِيلَ] مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

دے دے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿57﴾ ﴾ ''وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا اور اپنے بندوں کے درمیان بہترین قاضی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ جس چیز کو تم جلدی طلب کر رہے ہو بے شک اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔'' یعنی اگر یہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں تمھیں اس عذاب میں مبتلا کر دیتا جس کے تم مستحق ہو۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿58﴾ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔''

اگر کہا جائے کہ اس آیتِ کریمہ اور اس حدیث میں تطبیق کیسے ہوگی جو صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ پر یوم اُحد سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آیا ہے، فرمایا:

[لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ ، وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ ابْنِ عَبْدِ كُلَالٍ، فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي ، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرَائِيلُ عليه السلام، فَنَادَانِي، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ ، لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ ، قَالَ: فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، (وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ) ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ، لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ ، فَمَا شِئْتَ؟ (إِنْ شِئْتَ) أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ أَصْلَابِهِمْ ، مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا]

''ہاں! میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سب سے زیادہ سخت دن جو دیکھا ہے، وہ عقبہ کا وہ دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن عبد کُلال کے سامنے پیش کیا مگر اس نے میرے ارادے کو پورا نہ کیا تو میں بہت افسردہ خاطر ہو کر اس کے پاس سے چل دیا اور قَرنُ الثَّعَالِب [1] میں جا کر مجھے ہوش آیا۔ میں نے اپنے سر کو اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں ایک بادل مجھ پر سایہ فگن ہے، میں نے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا کہ آپ کی قوم نے آپ سے جو کہا اور آپ کو جو جواب دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے اور پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ ان کے بارے میں اسے جو چاہیں حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے اس فرشتے نے مجھے بلایا، سلام کیا اور کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے

[1] قرن الثعالب اہل نجد کا میقات ہے، اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے اور یہ مکہ مکرمہ سے ایک دن رات کی مسافت پر ہے۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے طائف میں دس دن قیام فرمایا تھا۔ (مترجم) فتح الباری:364/6 والطبقات الکبری لابن سعد، ذکر سبب خروج رسول اللہ ﷺ إلی الطائف:212/1 .

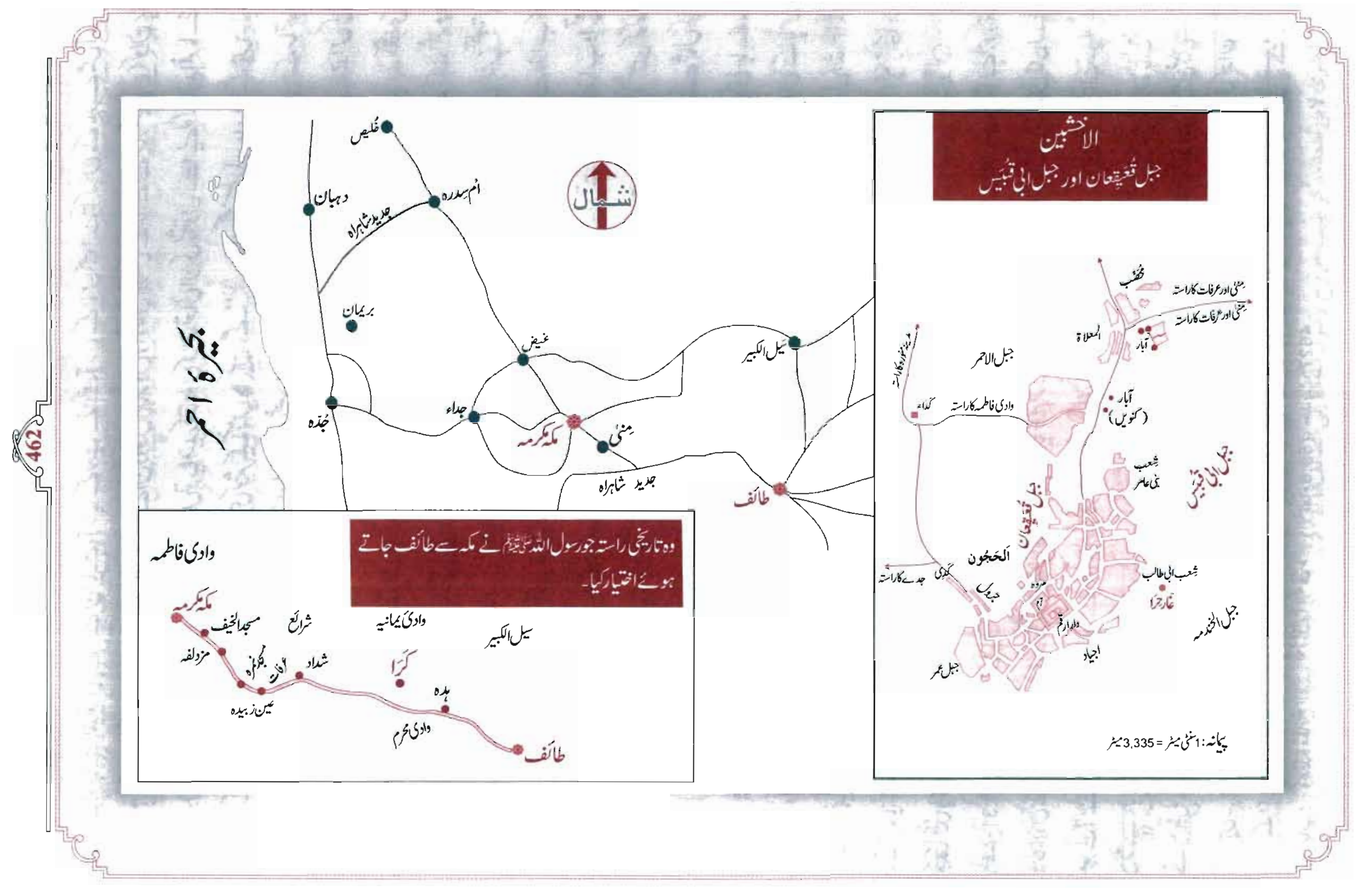
آپ سے جو کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا ہے، آپ کے رب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ان کے بارے میں آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اگر آپ چاہیں تو میں ان پر مکہ کے ان دونوں پہاڑوں (ابوقُبیس اور اس کے سامنے کے پہاڑ قُعیقِعان) کو ان پر گرا دیتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''بلکہ میں تو یہ امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اللہ اکیلے کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔''[1] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ ان پر عذاب نازل کر کے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے مگر آپ نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ انھیں مہلت دے دی جائے شاید اللہ تعالیٰ ان سے ایسی نسلیں پیدا کر دے جو اس کی ذات کے ساتھ شرک نہ کریں سوال یہ ہے کہ اس حدیث اور اس آیتِ کریمہ: ﴿ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ جس چیز کے لیے تم جلدی کر رہے ہو بے شک اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' میں کس طرح تطبیق ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس وقت عذاب کا واقع کر دینا آپ کے اختیار میں ہوتا جب یہ کفار آپ سے عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے تو آپ ان پر عذاب واقع کر دیتے جبکہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کفار نے اس وقت آپ سے عذاب واقع کر دینے کا مطالبہ کیا تھا بلکہ آپ کو تو پہاڑوں پر متعین فرشتے نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ چاہیں تو وہ ان پر اخشبین کو گرا دے۔ اس سے مراد مکہ کے وہ دو پہاڑ (ابوقبیس اور قُعیقِعان) ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے طور پر اہل مکہ کو جنوب سے شمال کی جانب گھیرے ہوئے ہے،[2] اسی لیے آپ نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ انھیں مہلت دے دی جائے۔

اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾] (لقمٰن 34:31) ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں: ''بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ (حاملاؤں کے) پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے۔''[3] اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ ﴾

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق ، باب إذا قال أحدكم: آمين......، حديث:3231 و صحيح مسلم، الجهاد......، باب مالقي النبيﷺ من أذى المشركين و المنافقين، حديث:1795 ، البتہ قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔ [2] آپ ﷺ سے یہ ناروا سلوک تو اہل طائف نے کیا مگر فرشتے نے اہل مکہ کو پیس دینے کی پیش کش اس لیے کی کہ ان کے اس سلوک کا بنیادی سبب اہل مکہ ہی بنے تھے، نیز ان پر حجت بھی قائم ہو چکی تھی۔ [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ ﴾ (الأنعام6:59)، حديث:4627 .



بحیرۂ احمر
شمال
فلیس
دہبان
اُم سدرہ
جدید شاہراہ
بریمان
جدہ
غیض
جداء
مکہ مکرمہ
مِنیٰ
سیل الکبیر
طائف
جدید شاہراہ
وہ تاریخی راستہ جو رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے طائف جاتے ہوئے اختیار کیا۔
وادی فاطمہ
مکہ مکرمہ
مسجد الخیف
شرائع
وادی یمانیہ
سیل الکبیر
مزدلفہ
بکوہ
عرفات
شداد
کرا
ہدہ
عین زبیدہ
وادی محرم
طائف
الاخشبین
جبل قعیقعان اور جبل ابی قبیس
محصب
منٰی اور عرفات کا راستہ
منٰی اور عرفات کا راستہ
المعلاۃ
آبار
مدینہ منورہ کا راستہ
جبل الاحمر
کداء
وادی فاطمہ کا راستہ
آبار (کنویں)
شعب بنی عامر
جبل ابی قبیس
جبل قعیقعان
الحجون
شعب ابی طالب
غار حرا
جدے کا راستہ
کدی
جرول
مروہ
حرم
دار ارقم
جبل الخندمہ
اجیاد
جبل عمر
پیمانہ: 1 سنٹی میٹر = 3,335 میٹر

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى

اور وہی ہے (اللہ) جو رات کو تمھیں فوت کرتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، پھر (دوسرے) دن میں تمھیں اٹھاتا ہے تاکہ (زندگی

اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿60﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

کی) مقررہ مدت پوری کی جائے، پھر اسی کی طرف تمھاری واپسی ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا جو تم کرتے رہے ہو﴿60﴾ اور وہی اپنے بندوں پر

فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

غالب ہے، اور تم پر محافظ (فرشتے) بھیجتا ہے حتی کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اسے فوت کرتے ہیں، اور وہ اس میں کوتاہی

وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿61﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ

نہیں کرتے﴿61﴾ پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا سچا مالک ہے۔ خبردار! فیصلے کا (سارا) اختیار اسی کو ہے، اور وہ بہت جلد

اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿62﴾

حساب لینے والا ہے﴿62﴾

”اور اسے خشکی اور سمندروں کی سب چیزوں کا علم ہے۔“ اس کا بے پایاں علم بروبحر کی تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہ اس سے ان کی کوئی چیز بھی تو مخفی نہیں ہے، آسمان و زمین کا کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ ”اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔“ وہ ذات گرامی جو جمادات تک کی حرکات سے آگاہ ہے، حیوانات خصوصاً ان میں سے جو مکلّف ہیں، یعنی جن وانس کی بابت اس کے علم کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ اس نے بجا فرمایا ہے: ﴿يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿19﴾﴾ (المؤمن 19:40) ”وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینے چھپاتے ہیں ان کو بھی۔“

تفسیر آیات: 60-62

بندے موت سے پہلے اور بعد میں بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ رات کو اپنے بندوں کی ان کے سونے کی حالت میں، روح قبض کر لیتا ہے، نیند گویا موت اصغر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ (آل عمران 55:3) یعنی جب اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ ! بے شک میں تمھیں سلا دوں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ﴾ (الزمر 42:39) ”اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی ہوتی اسے اس کی نیند میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر اس نے موت کا فیصلہ کر دیا ہو ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقررہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں وفات کبریٰ و صغریٰ دونوں کا ذکر ہے، اسی طرح اس مقام پر بھی وفات صغریٰ پھر کبریٰ دونوں ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ ”اور وہی تو ہے جو رات کو

(سونے کی حالت میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، اس کو جانتا ہے۔'' یعنی وہ تمھارے دن بھر کے اعمال کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس جملہ معترضہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اپنی تمام مخلوق کے لیل ونہار اور ان کی حرکت و سکون کی ہر ہر حالت میں ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ﴾ (الرعد 10:13) ''(اللہ کے نزدیک) مساوی ہے کہ کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے۔''

اور فرمایا: ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (القصص 73:28) ''اور اس نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرو۔'' یعنی رات کے وقت آرام اور دن کے وقت کام کر کے اس کے فضل کو تلاش کرو اور جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا﴾ (النبا 78:10، 11) ''اور ہم نے رات کو پردہ بنایا اور دن کو ہم نے معاش (کا وقت) بنایا۔'' اسی لیے اس نے یہاں فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ ''اور وہی تو ہے جو رات کو تمھاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن میں کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے۔'' یعنی تمھارے اعمال کو۔ ﴿ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ ''پھر وہ تمھیں اس میں اٹھا دیتا ہے۔'' یعنی (دوسرے) دن میں۔ یہ قول مجاہد، قتادہ اور سُدّی کا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ ''تاکہ (زندگی کی) مدت معیّنہ پوری کر دی جائے۔'' اس سے مراد ہر ہر شخص کی زندگی کی معین مدت ہے، ﴿ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ ''پھر تمھارا اسی کی طرف لوٹنا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن، ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''پھر وہ تم کو تمھارے عمل جو تم کرتے رہے ہو بتائے گا۔'' یعنی تمھیں تمھارے اعمال کی جزا دے گا، اگر عمل اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر عمل برے ہوئے تو ان کی سزا دے گا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔'' اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے اور ہر چیز اس کے جلال، عظمت اور کبریائی کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے، ﴿وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ ''اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے۔'' یعنی فرشتے انسان کے جسم کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الرعد 11:13) ''اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، جو اس کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی محافظ فرشتے ہیں جو اس کے عمل کو محفوظ اور اس کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ (الانفطار 82:10) ''اور بے شک تم پر نگہبان (مقرر) ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (قٓ 50:17، 18) ''جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو) دو لینے (لکھنے) والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں (لکھ) لیتے ہیں، کوئی بات بھی وہ (منہ سے) نہیں نکالتا مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔''

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1306/4.

﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ﴾ ''حتی کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کو فوت کرتے ہیں۔'' وہ فرشتے جو اس سلسلے میں مقرر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ائمہ نے فرمایا ہے کہ بہت سے فرشتے ملک الموت کے معاون ہیں۔[1] وہ جسم سے روح کو نکالتے ہیں اور جب وہ حلق تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝61 ﴾ ''اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔'' یعنی متوفّٰی کی روح کی حفاظت میں وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے بلکہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جہاں اللہ عزوجل چاہتا ہے، اسے پہنچا دیتے ہیں اگر نیکوکاروں میں سے ہو تو اس کی روح کو علیین میں اور اگر بدکاروں میں سے ہو تو اس کی روح کو سجین میں پہنچا دیتے ہیں۔ وَالعِیاذُ باللّٰه.

ارشاد الٰہی: ﴿ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ ''پھر وہ اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹائے جاتے ہیں۔'' یعنی فرشتے لوٹائے جاتے ہیں۔ ہم یہاں وہ حدیث بیان کرتے ہیں جسے امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس حدیث کا تعلق فرشتوں کے روح کو ایک آسمان سے دوسرے آسمان حتی کہ اس آسمان تک لے جانے سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ الْمَيِّتَ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ، فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ الصَّالِحُ قَالُوا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ ، وَاخْرُجِي حَمِيدَةً ، وَّأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ ، وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ ، قَالَ:فَلَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ، ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ ، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ، فَيُقَالُ : مَنْ هٰذَا ؟ فَيُقَالُ : فُلَانٌ ، فَيُقَالُ : مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ، اُدْخُلِي حَمِيدَةً ، وَّأَبْشِرِي بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ ، فَلَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي فِيهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ .

فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السَّوْءُ ، قَالُوا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ ، كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيثِ ، أُخْرُجِي مِنْهُ ذَمِيمَةً وَّ أَبْشِرِي بِحَمِيمٍ وَّغَسَّاقٍ ، وَّآخَرَ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٍ ، فَمَا يَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ، ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ ، فَيُسْتَفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ: مَنْ هٰذَا؟ فَيُقَالُ: فُلَانٌ، فَيُقَالُ: لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيثَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيثِ ، اِرْجِعِي ذَمِيمَةً ، فَإِنَّهُ لَا يُفْتَحُ لَكِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ ، فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَصِيرُ إِلَى الْقَبْرِ ، فَيُجْلَسُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ ......]

''بے شک میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں اگر آدمی نیک ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اے پاک جان! تو نکل آ تو پاک جسم میں تھی، نکل آ تو قابل ستائش ہے، تجھے آرام، خوشبودار پھولوں اور ناراض نہ ہونے والے رب کی خوشخبری ہو، اس سے بار بار یہ کہا جاتا ہے حتی کہ روح نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس کے لیے دروازہ کھولنے کا کہا جاتا ہے، پوچھا جاتا ہے: کون ہے؟ کہا جاتا ہے کہ فلاں ہے۔ وہ کہتے ہیں: پاک نفس کو خوش آمدید ہو، اچھے جسم میں تھی، داخل ہو جا اس حال

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1307/4.

میں کہ تو قابل ستائش ہے، تجھے آرام، خوشبودار پھولوں اور ناراض نہ ہونے والے رب کی خوش خبری ہو۔ ہمیشہ اسے یہ کہا جاتا ہے حتی کہ اسے اس آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔

اور اگر آدمی برا ہو تو اس سے کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! نکل آ، تو خبیث جسم میں تھی، نکل آ تو قابل مذمت ہے، تجھے گرم پانی، پیپ اور اس طرح کے اور بہت سے عذابوں کی خوشخبری ہو۔ اس سے بار بار یہ کہا جاتا ہے حتی کہ وہ باہر نکل آتی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے، اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھولنے کا کہا جاتا ہے تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ جواب دیا جاتا ہے: فلاں، تو کہا جاتا ہے کہ اس خبیث جان کو جو خبیث جسم میں تھی خوش آمدید نہ ہو؟ تو واپس لوٹ جا کہ تو قابل مذمت ہے، تیرے لیے آسمان کے دروازوں کو نہیں کھولا جائے گا۔ اسے آسمان سے واپس لوٹا دیا جاتا ہے، پھر اسے قبر میں لے جایا جاتا ہے، پھر نیک آدمی کو بٹھایا جاتا ہے''......اور اس کو اسی طرح کہا جاتا ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہوا ہے۔ [1]

---

[1] مسند أحمد: 140/6 اس روایت کے آخری الفاظ: ''اور اس کو اسی طرح کہا جاتا ہے جس کا ذکر پہلی حدیث میں ہوا ہے۔'' سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت ہے جس کو امام احمد نے مسند أحمد: 139/6، 140 میں بیان کیا ہے: [فِيمَ كُنتَ؟ فَيَقُولُ: فِي الْإِسْلَامِ؟ فَيُقَالُ: مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ﷺ، جَاءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَصَدَّقْنَاهُ، فَيُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، فَيُقَالُ لَهُ: أُنْظُرْ إِلٰى مَاوَقَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا، فَيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، وَيُقَالُ: عَلَى الْيَقِينِ كُنْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السَّوْءُ، أُجْلِسَ فِي قَبْرِهٖ فَزِعًا مَّشْعُوفًا، فَيُقَالُ لَهُ: فِيمَ كُنْتَ؟ فَيَقُولُ: لَاأَدْرِي، فَيُقَالُ: مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ قَوْلًا، فَقُلْتُ كَمَا قَالُوا، فَتُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى زَهْرَتِهَا وَمَا فِيهَا، فَيُقَالُ لَهُ: أُنْظُرْ إِلٰى مَاصَرَفَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْكَ، ثُمَّ يُفْرَجُ لَهُ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ، فَيَنْظُرُ إِلَيْهَا يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا، وَّيُقَالُ لَهُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ مِنْهَا، كُنْتَ عَلَى الشَّكِّ وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُعَذَّبُ]

''تو کس دین پر تھا؟ وہ کہتا ہے: دین اسلام پر، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: محمد اللہ کے رسول ہیں ہمارے پاس وہ اللہ کی طرف سے دلیلیں اور کھلی نشانیاں لے کر آئے، چنانچہ ہم نے ان کی تصدیق کی، پھر اس کے لیے آگ کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس (دوزخ) کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کھا رہی ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے: دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے بچایا ہے، پھر اس کے لیے جنت کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے، پس وہ اس کی رونق اور نعمتیں دیکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: یہی تیرا ٹھکانا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے: تو (دنیا میں) یقین پر تھا اور اسی پر فوت ہوا اور اللہ چاہے تو یقین ہی پر اُٹھے گا۔

اور جب برے آدمی کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے وہ پریشان اور گھبرایا ہوا ہوتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے: تو کس دین پر تھا؟ تو وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے: تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجا گیا تھا وہ کہتا ہے: میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو تھا میں نے بھی ویسے ہی کہہ دیا جیسے لوگوں نے کہا تو اس کے لیے جنت کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے تو وہ اس کی رونق و تروتازگی دیکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اس کی طرف دیکھ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس سے محروم کر دیا ہے، پھر اس کے لیے آگ کی طرف سے کھڑکی کھولی جاتی ہے وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کھا رہی ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے تو شک پر تھا، اسی پر تجھے موت آئی اور اگر اللہ نے چاہا تو اسی پر تجھے اُٹھایا جائے گا، پھر اس کو عذاب دیا جائے گا۔''

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تمھیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ تم اسے عاجزی کرتے ہوئے اور رازداری سے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿63﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ

اگر وہ ہمیں اس (مصیبت) سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے ﴿63﴾ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں اس (مصیبت) سے اور ہر غم

تُشْرِكُوْنَ ﴿64﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو! ﴿64﴾ کہہ دیجیے: وہی اس پر قدرت رکھتا ہے کہ تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

سے تم پر عذاب بھیجے، یا تمھیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک (گروہ) کو دوسرے کی طاقت (کا مزہ) چکھائے۔ دیکھیے! ہم کس طرح آیتوں کو پھیر پھیر کر

لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾

بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ سمجھیں؟ ﴿65﴾

یہاں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا﴾ سے مراد تمام مخلوق ہو اور ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ سے مراد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلایا جانا ہو، پھر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ڏ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝﴾ (الواقعۃ 56:49,50) ''کہہ دیجیے کہ بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقرر وقت پر جمع کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴾ تا ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝﴾ (الکہف 18:47-49) ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور وہ سب تمھارے پروردگار کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے) جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا یقیناً (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے ہو لیکن تم نے تو یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمھارے لیے (قیامت کا) کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی تو تم گناہ گاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے شامت یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿62﴾﴾ ''جو ان کا مالک برحق ہے، خبردار! فیصلہ اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔''

تفسیر آیات: 63-65

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی پکڑ اور قہر کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بر و بحر کی تاریکیوں میں مجبور و مضطر، جنگلوں اور صحراؤں میں حیران و سرگرداں اور دریاؤں اور سمندروں کی موجوں میں اور طوفانوں کی لپیٹوں میں آئے ہوئے لوگوں کو اس وقت نجات عطا فرما دیتا ہے جب وہ اسی وحدہ لاشریک سے دعا کرتے ہیں

جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ﴾ (بنی إسرآئیل 67:17) ''اور جب تم کو سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○﴾ (یونس 22:10) ''وہی تو ہے جو تم کو خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ (موافق) ہوا (کے جھونکوں) کے ساتھ سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں ان (کشتیوں) پر زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ (اب تو لہروں میں) گھیر لیے گئے تو اس وقت خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہوئے اس سے دعا مانگنے لگتے ہیں کہ (اے اللہ!) اگر تو ہم کو اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار رہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ؕ﴾ (النمل 63:27) ''بھلا کون تم کو خشکی اور تری (سمندر) کے اندھیروں میں رستہ دکھاتا ہے؟ اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے؟ (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) اللہ (کی شان) اس سے (کہیں) بلند ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا تم کو جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے (جبکہ) تم اسے عاجزی کرتے ہوئے اور رازداری سے پکارتے ہو۔'' یعنی جہری اور سری طور پر پکارتے ہو اور کہتے ہو ﴿لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا﴾ ''اگر اللہ ہم کو نجات بخشے'' اس تنگی سے ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ ''تو ہم ضرور اس کے بہت شکر گزار رہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی تم کو اس (تنگی) سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو!'' یعنی خوش حالی میں تم اس کے ساتھ دیگر معبودوں کو بھی پکارنے لگ جاتے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تمھارے اوپر کی طرف سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ پھر تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو تو اس کے فوراً بعد ہی یہ فرمادیا: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓي اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر عذاب بھیجے۔'' یعنی تمھیں نجات دینے کے بعد عذاب میں گرفتار کرنے پر بھی قادر ہے جیسا کہ اس نے سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) میں فرمایا ہے: ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا

نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا۝ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا۝ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا۝ (بنی إسرآئيل 17:66-69) ''تمھارا پروردگار وہ ہے جو تمھارے لیے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اس کے فضل سے (روزی) تلاش کرو، بے شک وہ تم پر مہربان ہے، اور جب تم کو دریا (یا سمندر) میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو ڈوبنے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا، کیا پس تم (اس سے) بے خوف ہو کہ اللہ تمھیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے؟ یا تم پر سنگریزوں سے بھری ہوئی آندھی چلا دے، پھر تم اپنا کوئی کارساز نہ پاؤ؟ یا (اس سے) بے خوف ہو کہ تم کو دوسری دفعہ اس (سمندر) میں لے جائے، پھر تم پر تیز ہوا چلائے اور تمھارے کفر کے سبب تمھیں ڈبو دے، پھر تم اس غرق کے سبب اپنے لیے کوئی پیچھا کرنے والا نہ پاؤ؟''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ...... ﴾ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ ﴿ یَلْبِسَكُمْ ﴾ کا لفظ التباس سے ہے اور یہ [یَخْلِطَكُمْ] کے معنی میں ہے، یعنی تمھیں فرقوں اور گروہوں میں الجھا دے یا خلط ملط کر دے جس طرح ﴿ یَلْبِسُوْٓا ﴾ (الأنعام 6:82) [یَخْلِطُوا] ''(اور نہ) ملائیں۔'' کے معنی میں ہے۔ اور ﴿ شِیَعًا ﴾ کے معنی مختلف فرقے اور جماعتیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: [﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَعُوذُ بِوَجْهِكَ. ﴿ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ﴾ قَالَ: أَعُوذُ بِوَجْهِكَ. ﴿ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ ﴾ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذِهِ أَهْوَنُ۔ أَوْ هٰذَا أَيْسَرُ]

''کہہ دیجیے کہ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے عذاب بھیجے'' تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! میں تیرے چہرۂ اقدس کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ ''یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے (عذاب بھیجے)'' تو اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! میں تیرے چہرۂ اقدس کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ ''یا تمھیں فرقے فرقے کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی (کا مزا) چکھا دے۔'' اس کے بعد آپ نے فرمایا: یہ (پہلی دو صورتوں کے مقابلے میں) ہلکا یا کم تر عذاب ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''کتاب التوحید'' میں بھی بیان فرمایا ہے۔[2] امام نسائی نے بھی اسے اپنی سنن کی ''کتاب التفسیر'' میں روایت کیا ہے۔[3]

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ﴾ (الأنعام 6:65)، حديث: 4628 . [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله عزوجل: ﴿ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ ﴾ (القصص 28:88)، حديث: 7406. [3] السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ...... ﴾: 340/6، حديث: 11165,11164.

ایک اور حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن ابووقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ہمارا گزر مسجد بنی معاویہ کے پاس سے ہوا تو آپ مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، ہم نے بھی آپ کے ساتھ مل کر نماز ادا فرمائی، پھر آپ نے اپنے رب تعالیٰ سے طویل دعا کی، پھر فرمایا: [سَأَلْتُ رَبِّي ثَلَاثًا: سَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالْغَرَقِ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالسَّنَةِ فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَّا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ فَمَنَعَنِيهَا] ''میں نے اپنے رب تعالیٰ سے تین دعائیں کی ہیں: (1) میں نے اللہ سے دعا کی کہ میری ساری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول کر لیا۔ (2) میں نے دعا کی کہ میری ساری امت کو قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ (3) اور میں نے دعا کی کہ میری امت کو آپس میں اختلاف و انتشار میں مبتلا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا۔'' اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے (امام بخاری نے نہیں) اور اسے ''کتاب الفتن'' میں ذکر کیا ہے۔[1]

تیسری حدیث: امام احمد نے خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ، مولیٰ بنی زہرہ، جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے، سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسی رات میں حاضر رہنے کا شرف حاصل ہوا جو ساری رات آپ نے نماز پڑھتے ہوئے گزاری تھی حتی کہ صبح ہو گئی تو آپ نماز سے فارغ ہوئے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج تو ساری رات آپ نے اس طرح نماز میں گزاری ہے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آپ نے اس طرح نماز ادا فرمائی ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَجَلْ! إِنَّهَا صَلَاةُ رَغَبٍ وَّرَهَبٍ ، سَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى [فِيهَا] ثَلَاثَ خِصَالٍ ، فَأَعْطَانِيَ اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً ، سَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْ لَّا يُهْلِكَنَا بِمَا أَهْلَكَ بِهِ الْأُمَمَ قَبْلَنَا فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ أَنْ لَّا يُظْهِرَ عَلَيْنَا عَدُوًّا غَيْرَنَا فَأَعْطَانِيهَا، وَسَأَلْتُ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْ لَّا يَلْبِسَنَا شِيَعًا، فَمَنَعَنِيهَا] ''ہاں! یہ شوق اور ڈر پر مبنی نماز تھی، میں نے اس میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے تین دعائیں کیں تو اس نے میری دو دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ایک کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا: (1) میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ہمیں اس طرح ہلاک نہ کرے جس طرح اس نے ہم سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول فرما لیا۔ (2) میں نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی کہ وہ ہمارے غیر میں سے ہمارے کسی دشمن کو ہم پر غالب نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ (3) اور میں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ہمیں مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچائے تو اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو قبول نہیں فرمایا۔''[2] اس حدیث کو امام نسائی نے اور امام ابن حبان نے اپنی

---

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، حديث:2890 ومسند أحمد:175/1 واللفظ له .

[2] مسند أحمد:108/5، 109.

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؀ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ

اور اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے جھٹلایا، حالانکہ وہ حق ہے، کہہ دیجیے: میں تم پر نگران نہیں ہوں⑯ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تم جان

تَعْلَمُوْنَ ؀ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

لوگے⑰ اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں پر نکتہ چینی کر رہے ہوتے ہیں، تو آپ ان کے پاس سے ہٹ جائیں، یہاں تک کہ وہ اس کے

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ؀ وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ

علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں، اور اگر شیطان آپ کو یہ بات بھلا دے تو یاد آنے پر (ان) ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھیں⑱ ان کے حساب میں سے

يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ؀

کسی چیز کی ذمے داری ان لوگوں پر نہیں جو پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں، اور لیکن نصیحت کرنا (ان کا فرض) ہے، تاکہ وہ بھی پرہیز گاری اختیار کریں⑲

صحیح میں جبکہ امام ترمذی نے ''کتاب الفتن'' میں ذکر کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا ﴾ ''یا تمھیں فرقے فرقے کر دے۔'' یعنی تمھیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دے۔ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں خواہشات میں مبتلا کر دے۔[2] مجاہد اور دیگر کئی ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] کئی طُرق سے مروی حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [وَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ (فِرْقَةً)، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً] ''اور (میری) یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک فرقے کے سوا دیگر سب جہنم رسید ہوں گے۔''[4]

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ ﴾ ''اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی (کا مزا) چکھا دے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بعض کو بعض پر عذاب اور قتل کے ساتھ مسلط کر دے۔[5] ارشاد الٰہی: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''دیکھیے! ہم (اپنی) آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں؟'' یعنی ہم انھیں بیان کرتے، واضح کرتے اور کھول کھول کر ذکر کر دیتے ہیں۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ؀ ﴾ یعنی وہ سمجھ جائیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے بیان کردہ دلائل و براہین پر غور کریں۔

تفسیر آیات: 69-66

① جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في سؤال النبي ﷺ ثلاثاً في أمته، حديث:2175 وسنن النسائي، قيام الليل ، باب إحياء الليل، حديث:1639 وصحيح ابن حبان، باب فضل الأمة، ذكر سؤال المصطفى ربه جل وعلا أن لا يهلك أمته بما أهلك به الأمم قبله:180,179/9، حديث:7192 . ② تفسير الطبري:288/7 . ③ تفسير الطبري:288/7 .
④ سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث:4596 وجامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة، حديث:2640 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب افتراق الأمم، حديث:3992 والمستدرك للحاكم ، العلم ، فصل في توقير العالم:128/1 ، حديث:443 واللفظ له، البتہ [فرقة] کا لفظ مذکورہ بالا حوالہ جات میں ہے۔ ⑤ تفسير الطبري: 289/7 .

دعوت، اکراہ کے بغیر رہنمائی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ كَذَّبَ بِهٖ ﴾ ''اور اس کو جھٹلایا ہے۔'' یعنی اس قرآن، ہدایت اور بیان کو جو آپ ان کے پاس لے کر آئے ہیں ﴿ قَوْمُكَ ﴾ ''آپ کی قوم نے۔'' یعنی قریش نے ﴿ وَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ ''حالانکہ وہ (سراسر) حق ہے۔'' کہ اس کے بعد اور کوئی حق نہیں۔ ﴿ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میں تم پر نگران نہیں ہوں۔'' نہ میں تمھارا محافظ ہوں اور نہ تم پر تعینات کیا گیا ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ (الكهف 29:18) ''اور آپ کہہ دیجیے کہ (لوگو! یہ قرآن) تمھارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔'' یعنی میرا کام تو تمھیں (دین) پہنچا دینا ہے اور تمھارا کام یہ ہے کہ سمع واطاعت بجالاؤ۔ جس نے میری اتباع کی تو وہ دنیا وآخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں کو حاصل کرلے گا اور جس نے میری مخالفت کی وہ دنیا وآخرت میں بدبخت رہے گا۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ﴾ ''ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ ہر خبر کی ایک حقیقت ہے، یعنی ہر خبر وقوع پذیر ہونے والی ہے، خواہ کچھ عرصے بعد ہی کیوں نہ واقع ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴾ (صٓ 88:38) ''اور تم اس (کی سچائی) کی خبر ایک وقت کے بعد ضرور جان لوگے۔'' اور فرمایا: ﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴾ (الرعد 38:13) ''ہر وعدے کے لیے لکھا ہوا وقت ہے۔'' یہ سرزنش اور بہت شدید وعید ہے، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور تم عنقریب جان لوگے۔''

آیات کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ﴾ ''اور جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ گوئی کر رہے ہیں۔'' یعنی ان کی تکذیب کر رہے ہیں اور ان کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ﴾ ''تو آپ ان سے الگ ہو جائیں یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں۔'' یعنی آیاتِ الٰہی کی تکذیب کے بجائے کسی دوسرے موضوع پر بات شروع کر دیں، ﴿ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ ﴾ ''اور اگر (یہ بات) شیطان تم کو بھلا دے۔'' اس سے مراد امت کا ہر ہر فرد ہے کہ وہ ان تکذیب کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کرتے اور انھیں غلط معانی پہناتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص بھول کر ان کے ساتھ بیٹھ جائے، ﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي: الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ، وَ مَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ] ''بے شک میری امت سے خطا ونسیان اور جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو، اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔''[1]

اسی آیتِ کریمہ کی طرف درج ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ

[1] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث: 2043. تفسیر ابن کثیر میں [إن اللّٰه تجاوز عن أمتي] کی جگہ [رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي] کے الفاظ ہیں جو ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملے، البتہ شارحین حدیث اور فقہائے امت نے اپنی کتب میں ان الفاظ کو بیان کیا ہے۔ اور السنن الكبرٰى للبيهقي: 357/7 میں [وَضَعَ اللّٰهُ ......] کے الفاظ ہیں، بہر حال تینوں کا معنی ایک ہی ہے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ

اور (اے نبی!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا ہے اور دنیا کی زندگی نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور آپ اس (قرآن) کے

نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا

ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے، تاکہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال سے ہلاک نہ کیا جائے۔ اللہ کے سوا کوئی اس کا دوست اور سفارشی نہ ہوگا۔ اور اگر وہ

يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

بدلے میں ہر طرح کا فدیہ دے تو وہ بھی اس سے نہیں لیا جائے گا، یہی وہ لوگ ہیں جو کچھ انھوں نے کمایا، اس کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ اور جو وہ کفر

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾

ع 8 10 14

کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے انھیں دوزخ میں تیز گرم پانی پینے کو ملے گا، اور دردناک عذاب ہوگا﴿70﴾

اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النسآء 4:40)

''اور یقیناً اللہ نے تم (مومنوں) پر (اپنی) کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو جب تک وہ لوگ اور باتوں میں مشغول (نہ) ہو جائیں ان کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انھی جیسے ہو جاؤ گے۔'' یعنی جب تم ان کے پاس بیٹھ جاؤ گے اور انھیں یہ باتیں کرنے دو گے تو اس معاملے میں تم اور وہ برابر ہو جائیں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''اور پرہیز گاروں پر ان لوگوں کے حساب سے کچھ بھی (جواب دہی) نہیں۔'' جب پرہیز گار ان سے کنارہ کشی کر لیں اور ان کے ساتھ نہ بیٹھیں تو وہ ان سے بری ہو گئے اور ان کے گناہ سے بچ گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿69﴾ ﴾ ''اور لیکن نصیحت کرنا (ان کا فرض) ہے تاکہ وہ بھی پرہیز گار ہوں۔'' ہم نے تمھیں ان سے کنارہ کشی کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ انھیں بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کس کام میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ اس سے بچ جائیں اور دوبارہ اسے اختیار نہ کریں۔

تفسیر آیت:70

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ ''اور (اے نبی!) ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی انھیں چھوڑ دیں، ان سے کنارہ کشی کریں اور انھیں تھوڑی سی مہلت دے دیں، یہ لوگ عنقریب عذاب عظیم میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَذَكِّرْ بِهٖٓ ﴾ ''اور اس کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیے۔'' یعنی اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو نصیحت کریں، انھیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے دردناک عذاب سے ڈرائیں جس میں یہ روزِ قیامت مبتلا ہوں گے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ یہاں ﴿ اَنْ تُبْسَلَ ﴾ لِئَلَّا تُبْسَلَ کے معنی میں ہے، یعنی (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن اور

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا ہم اللہ کے سوا ان کو پکاریں جو ہمیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور جب اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا چکا ہے تو کیا

هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ

اس کے بعد ہم الٹے پاؤں پھر جائیں، اس شخص کی طرح جسے شیطانوں نے زمین میں بہکا دیا ہو، وہ زمین میں حیران پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی ہوں جو اسے

اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿71﴾

سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آجا؟ کہہ دیجیے: بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب جہانوں کے

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿72﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

رب کے فرمانبردار ہو جائیں ﴿71﴾ اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس (اللہ) سے ڈرو، اور وہی ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿72﴾ اور وہی ہے جس نے

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا، اسی کا قول حق ہے، اور جس دن صور پھونکا جائے گا اس

فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿73﴾

دن اسی کی حکومت ہوگی، وہ چھپی اور ظاہر (سب) باتوں کو جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا، خبر رکھنے والا ہے ﴿73﴾

سُدّی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تُبْسَلَ ﴾ کے معنی ہیں کہ سپرد کیا جائے۔[1] والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اسے رسوا کیا جائے۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ اسے قید کیا جائے۔[3] مُرّہ اور ابن زید رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مؤاخذہ کیا جائے۔[4] کلبی کہتے ہیں کہ اسے سزا دی جائے۔[5] ان تمام اقوال کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سپرد کرنے سے مراد یہ ہے کہ کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے اور قید سے مراد خیر و بھلائی سے روکنا ہے اور گروہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل نہیں کر سکتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۙ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۛ ﴾ (المدثر 39,38:74) ''ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں گرو ہے مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ۔)''

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ ﴾ ''(اس روز) اللہ کے سوا نہ تو کوئی اس کا دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا اور اگر وہ ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) معاوضہ دینا چاہے تو وہ اس سے نہیں لی جائے گی۔'' یعنی خواہ وہ دنیا کی ہر چیز کو خرچ کر دے، پھر بھی وہ اس سے قبول نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا ﴾ (آل عمران 91:3) ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر سونا دیں

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1318/4 وتفسير الطبرى:302/7 . [2] تفسير الطبرى:302/7 . [3] تفسير الطبرى:302/7 .
[4] تفسير الطبرى:302/7 . [5] تفسير الطبرى:302/7 .

تو ان میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اسی طرح یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جو کچھ انھوں نے کمایا، اس کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دیا گیا۔ اور جو وہ کفر کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے انھیں (دوزخ میں) تیز گرم پانی پینے کو ملے گا، اور دردناک عذاب ہوگا۔''

تفسیر آیات: 71-73

ایمان و عمل صالح کے بعد کفر کی طرف لوٹنے والے کی مثال: سُدِّی نے بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے رستے کی پیروی کرو اور محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے نہ برا؟ اور کیا ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟'' یعنی کفر کی طرف ﴿ بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾ ''جبکہ ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا۔'' اس صورت میں تمھاری مثال اس شخص کی سی ہوگی جسے شیطانوں نے زمین میں بہکا دیا ہو، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا تو تمھاری مثال اس شخص کی سی ہوگی جو کچھ لوگوں کے ساتھ نکلا مگر رستہ بھول گیا اور شیطانوں نے اسے حیران و سرگرداں کر دیا اور زمین میں بہکا دیا جبکہ اس کے ساتھی بدستور اپنے رستے پر چلتے رہے اور انھوں نے اسے بھٹکتے دیکھ کر اسے بھی بلانا شروع کر دیا اور کہا کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم سیدھے رستے پر چل رہے ہیں مگر اس نے ان کے پاس جانے سے انکار کر دیا تو یہ ہے مثال اس شخص کی جو حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے بعد شیطانوں کی روش اختیار کرے جبکہ محمد ﷺ انھیں سیدھے رستے کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اور سیدھے رستے سے مراد اسلام ہے۔ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جیسے کسی کو جنات نے زمین (جنگل) میں بہکا دیا ہو۔'' شیاطین سے یہاں مراد چڑیلیں اور بھوت ہیں جو مسافر کو اس کے اور اس کے باپ دادا کے نام سے آواز دیتے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ راہ راست پر ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ یہ جنات اسے تباہی کے گھڑے میں گرا دیتے یا اسے کھا جاتے ہیں یا اسے اٹھا کر کسی بے آب و گیاہ جگہ میں پھینک دیتے ہیں، جہاں یہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر جاتا ہے۔ تو یہ ہے مثال اس شخص کی جو ان معبودان باطلہ کی آواز پر لبیک کہتا ہے جن کی اللہ کے سوا پوجا کی جاتی ہے۔[2] اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک وہی ہدایت ہے جو اللہ کی ہے۔'' (البقرۃ 120:2) جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ﴾ ''اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔'' (الزمر 37:39) اور فرمایا: ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ (النحل 37:16) ''(اے نبی!) اگرچہ آپ ان (کفار) کی ہدایت کے

---

[1] تفسیر الطبری: 307/7. [2] تفسیر الطبری: 308/7.

لیے (شدید) حرص کریں تو یقیناً جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور ہمیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ رب العلمین کے فرمانبردار ہوں۔'' اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں، ﴿ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ﴾ ''اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو اور اسی سے ڈرتے رہو۔'' یعنی ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کریں اور تمام حالات میں اسی سے ڈرتے رہیں۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق (تدبیر) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' یعنی حق وعدل کے ساتھ پیدا کیا ہے اور وہی ان کا خالق و مالک ہے اور ان کا اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا تدبیر کرنے والا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا۔'' یعنی قیامت کے دن جب اللہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ اس کے حکم سے چشم زدن میں یا اس سے بھی پہلے ہو جائے گا۔ ﴿ يَوْمَ ﴾ کا لفظ یا تو اس لیے منصوب ہے کہ اس کا عطف ﴿ وَاتَّقُوْهُ ﴾ پر ہے اور مفہوم یہ ہوگا کہ اس دن سے ڈر جاؤ جس کے بارے میں وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا، یا اس کا عطف ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ پر ہوگا، یعنی و خلق یوم ......اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس نے اس دن کو بھی پیدا فرمایا ہے جس کے بارے میں وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ابتدا اور اس کے دوبارہ پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور یہی بات مناسب ہے۔ یا پھر ﴿ يَوْمَ ﴾ کا لفظ اس لیے منصوب ہے کہ یہاں فعل مقدر ہے اور عبارت دراصل اس طرح تھی کہ وَاذْكُرْ يَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ''اور اس دن کو یاد کیجیے جب وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔'' ﴿ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ ﴾ ''اس کا ارشاد برحق ہے اور اسی کی بادشاہی ہوگی۔'' یہ دونوں جملے محلاً مجرور ہیں اس بنا پر کہ یہ دونوں ﴿ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ کی صفتیں ہیں۔

صور میں پھونکنے کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ﴾ ''جس دن صور میں پھونکا جائے گا'' اس بات کا احتمال ہے کہ یہ ﴿ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ سے بدل ہو، یعنی جس دن وہ کہے گا ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائے گا جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ ﴿ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ﴾ کے لیے ظرف ہو، یعنی اسی کی بادشاہت ہوگی جس دن صور میں پھونکا جائے گا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (المؤمن 16:40) ''آج کس کی بادشاہت ہے؟ (پھر خود ہی فرمائے گا) اللہ کی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذِ ِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴾ (الفرقان 26:25) ''اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔''

صور سے مراد وہ سینگ ہے جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [إِنَّ إِسْرَافِيلَ قَدِ الْتَقَمَ الصُّورَ، وَحَنٰى جَبْهَتَهُ يَنْتَظِرُ مَتٰى يُؤْمَرُ فَيَنْفُخُ] ''بے شک حضرت اسرافیل علیہ السلام نے صور کو منہ میں لے لیا ہے اور

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو؟ بے شک میں تمھیں اور تمھاری قوم کو کھلی گمراہی میں پڑے دیکھتا

مُّبِيْنٍ ﴿74﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

ہوں﴿74﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے ﴿75﴾ چنانچہ جب

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ

اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ ابراہیم نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں سے محبت

اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿76﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ

نہیں کرتا﴿76﴾ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے

يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿77﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا﴿77﴾ چنانچہ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿78﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں﴿78﴾ بے شک میں نے اپنا چہرہ

لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿79﴾

اس ذات کی طرف مرکوز کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں﴿79﴾

اپنی پیشانی کو جھکا لیا ہے اور وہ اس انتظار میں ہیں کہ انھیں حکم ہو اور وہ اس میں پھونک مار دیں۔''[1]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ''صور'' سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: [قَرْنٌ يُّنْفَخُ فِيهِ] ''اس سے مراد وہ سینگ ہے جس میں پھونکا جائے گا۔''[2]

تفسیر آیات: 74-79

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو وعظ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے بتوں کی عبادت کرنے سے منع کیا، اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ ''اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ

[1] یہ الفاظ تفسیر طبری میں بلا سند بیان ہوئے ہیں، دیکھیے: تفسیر الطبری: 314/7 اور جو الفاظ کتب احادیث میں باسند بیان ہوئے ہیں وہ اس سے قدرے مختلف، قریب قریب اس طرح بیان ہوئے ہیں: [كَيْفَ أَنْعَمُ وَقَدِ الْتَقَمَ صَاحِبُ الْقَرْنِ الْقَرْنَ وَحَنٰى جَبْهَتَهُ وَأَصْغٰى سَمْعَهُ يَنْتَظِرُ أَنْ يُّؤْمَرَ أَنْ يَّنْفُخَ فَيَنْفُخَ] ''میں کیونکر خوش رہ سکتا ہوں......؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پریشانی کے عالم میں دریافت کیا کہ ہم کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [قُولُوا : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا] دیکھیے جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الزمر، حدیث: 3243 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 326/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. [2] مسند أحمد: 162/2 وجامع الترمذی، صفة القیامة، باب ماجاء فی شأن الصور، حدیث: 2430.

کو چھوڑ کر تم نے بتوں کو معبود بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ ﴿اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ﴾ ”بے شک میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمھاری قوم۔“ یعنی جو لوگ تمھارے مسلک پر چل رہے ہیں ﴿فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ ”صریح گمراہی میں ہو۔“ یعنی تم حیران و سرگرداں ہو اور جس رستے پر چل رہے ہو اس سے تم ہدایت نہیں پا سکتے بلکہ اس سے تمھاری حیرت اور جہالت میں اضافہ ہی ہوگا کیونکہ ہر صاحب عقل سلیم کے سامنے تمھاری جہالت و ضلالت بے حد واضح ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جو وعظ و نصیحت فرمائی اور توحید کی دعوت دی اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ○ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ○ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ○ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا ○ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ○ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ○ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ٘ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○﴾ (مریم19:41-48) ”اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے۔ بے شک وہ نہایت سچا پیغمبر تھا جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! تم ان کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ تمھارے کچھ کام آ سکتے ہیں؟ اے میرے باپ! مجھے ایسا علم ملا ہے جو تجھے نہیں ملا تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا! تو شیطان کی پوجا نہ کر۔ بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔ ابا! مجھے ڈر لگتا ہے کہ تجھے اللہ کا عذاب آ پکڑے پھر تو شیطان کا ساتھی ہو جائے، اس نے کہا کہ ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ اور تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جا۔ (ابراہیم نے) کہا تجھ پر سلامتی ہو عنقریب میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں تم لوگوں سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی زندگی میں اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتے رہے مگر جب وہ حالت شرک ہی میں مرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ترک کر دیا اور اس سے براءت کا اظہار کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ ○﴾ (التوبۃ9:114) ”اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔“

صحیح بخاری میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ آزر سے ملاقات ہوگی تو

وہ کہے گا کہ بیٹا! آج میں آپ کی بات ماننے سے انکار نہیں کروں گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ تو قیامت کے دن مجھے ذلیل و رسوا نہیں کرے گا اور آج اس سے بڑھ کر اور ذلت و رسوائی کیا ہو سکتی ہے کہ میرا باپ تیری رحمت سے دور ہے؟ (تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے کافروں کے لیے جنت کو حرام کر دیا ہے۔) پھر کہا جائے گا کہ ابراہیم! دیکھو تمھارے پاؤں کے نیچے کیا ہے؟ آپ دیکھیں گے کہ ایک بجو نجاست میں لتھڑا ہوا ہے، اسے پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ [1]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے دلائل توحید کے جلوے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور ہم اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے۔'' یعنی ہم نے ان کی نظر میں یہ واضح کر دیا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ عزوجل کی وحدانیت کی کس طرح دلیل ہے، ملک وخلق میں وہ کس طرح وحدہ لاشریک ہے کہ اس کے سوا نہ کوئی اور معبود ہے اور نہ پروردگار جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:101) ''(اے نبی! ان کفار سے) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے، اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو فائدہ نہیں دیتے جو ایمان نہیں لاتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ ﴾ (سبا 34:9) ''کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے، یعنی آسمان اور زمین؟ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔ بلا شبہ اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ایک نشانی ہے۔''

ارشاد باری ہے: ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝76 ﴾ ''چنانچہ جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارے پر نظر پڑی، کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے تو پسند نہیں۔'' قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ آپ جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی ذاتِ گرامی دائم ہے اور اسے کبھی زوال نہیں۔ [2] ﴿ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝77 فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ ﴾ ''پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے: یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں، پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے: میرا پروردگار یہ ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔'' یعنی ستارے اور چاند سے اس کا حجم بڑا

[1] ملخص از صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول الله تعالی: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ﴾ (النساء 4:125)، حدیث: 3350 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. [2] تفسیر الطبری: 7/323.

اور روشنی زیادہ ہے۔ ﴿ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ ﴾ ''پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے: لوگو! بے شک جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں، یقیناً میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو (اسی ذات کی طرف) متوجہ کیا۔'' یعنی میں اپنے دین کو شرک سے خالص کر کے صرف اور صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں ﴿ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ یعنی جس نے آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمایا اور وجود بخشا ہے۔ ﴿ حَنِيْفًا ﴾ اس حال میں کہ میں شرک کو ترک کر کے توحید کو اختیار کیے ہوئے ہوں۔ ﴿ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ ''اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

یہ مقام مناظرہ ہے: حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقام پر اپنی قوم سے مناظرہ کر رہے تھے اور اس بات کو واضح فرما رہے تھے کہ وہ لوگ مجسموں اور بتوں کی جو پوجا پاٹ کر رہے ہیں تو یہ سراسر باطل ہے۔ پہلے آپ نے اپنے باپ سے گفتگو کرتے ہوئے واضح فرمایا تھا کہ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جو ان ارضی بتوں کی عبادت کر رہے ہیں جنھیں انھوں نے آسمانی فرشتوں کی صورت میں بنایا ہوا ہے تاکہ یہ خالق عظیم کے پاس ان کی سفارش کریں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم بہت حقیر ہیں، ہم اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے، اس لیے انھوں نے فرشتوں کا وسیلہ اختیار کر لیا تھا تاکہ رزق، فتح و نصرت اور ضرورت کی دیگر چیزوں کے بارے میں یہ ان کی اللہ تعالیٰ کے پاس سفارش کریں۔ اس مقام پر آپ نے ان کی مجسموں کی عبادت کرنے کی وجہ سے غلطی اور گمراہی کو بیان فرمایا ہے۔

مجسموں سے مراد سات کواکب سیارے، یعنی (1) قمر (2) عُطارِد (3) زُہرہ (4) شمس (5) مِرّیخ (6) مُشتَرِی (7) زُحَل ہیں۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ روشن اور اشرف سیارہ سورج، پھر چاند، پھر زہرہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے زہرہ کے بارے میں واضح فرمایا کہ یہ الٰہ ہونے کے قابل نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک معین رفتار کے ساتھ ایک مخصوص وقت کے لیے مسخر و مقدر ہے جس سے یہ ذرہ برابر دائیں بائیں نہیں ہو سکتا اور نہ اسے اپنے آپ پر تصرف کا کوئی اختیار ہی ہے بلکہ یہ تو ان اجرامِ فلکی میں سے ایک ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر منور پیدا فرمایا ہے۔ یہ ستارہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے حتی کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اسی طرح اگلی رات پھر یہ طلوع ہو کر وقتِ مقررہ پر غروب ہو جاتا ہے تو جو اس طرح ہو، یعنی اس کے طلوع و غروب کے پیچھے کسی دوسری ہستی کا دستِ قدرت کارفرما ہو، وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔

پھر ابراہیم علیہ السلام چاند کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے بارے میں بھی اسی طرح واضح فرمایا جس طرح ستارے کے بارے میں فرمایا تھا، پھر اسی طرح آپ نے سورج کی طرف توجہ فرمائی اور جب آپ نے ان تینوں اجرامِ فلکی کے الٰہ ہونے کی نفی فرما دی جو دیگر ان تمام اجرام کی نسبت زیادہ منور ہیں جن کا انسان اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر سکتے ہیں اور جب قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ الٰہ نہیں ہو سکتے تو ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ '' کہنے لگے: لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا)

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ

اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا تو اس (ابراہیم) نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اسی نے مجھے ہدایت دی ہے، اور میں ان سے

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿80﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ

نہیں ڈرتا جنھیں تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے (تو وہ ضرور ہوسکتا ہے)، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے، کیا پھر تم نصیحت حاصل

مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ

نہیں کرتے؟ ﴿80﴾ اور میں ان سے کیوں ڈروں جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم ان کو اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو جن کی اس نے

فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿81﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ پس دونوں فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو ﴿81﴾ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿82﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ

کو ظلم (شرک) کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ﴿82﴾ اور یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی

عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾

قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جسے چاہیں اس کے درجے بلند کرتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب بہت حکمت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿83﴾

شریک بناتے ہو یقیناً میں ان سے بیزار ہوں۔'' یعنی میں ان کی عبادت کرنے اور ان کی دوستی اختیار کرنے سے بیزار ہوں اگر یہ الٰہ ہیں تو یہ سب مل کر میرے خلاف جو چاہیں پروگرام بنالیں اور مجھے ذرہ برابر مہلت نہ دیں۔

﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿79﴾﴾ ''بے شک میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' یعنی میں تو اس ذاتِ گرامی کی عبادت کرتا ہوں جو ان تمام اشیاء کا خالق، موجد، انھیں مسخر کرنے والا اور ان کی تدبیر فرمانے والا ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے جو ہر چیز کا رب، مالک اور معبود ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الأعراف 54:7) ''کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ (ان دونوں میں سے ایک، دوسرے کو) جلدی سے آلیتا ہے۔ اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بہت برکت والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝﴾ (الأنبياء 52,51:21) ''اور بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت

دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معتکف (وقائم) ہو۔'' اسی بات کی تائید حسب ذیل آیاتِ کریمہ سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے شرک میں مبتلا اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے یہ مناظرانہ اسلوب اختیار فرمایا تھا۔

تفسیر آیات:80-83

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب آپ کی قوم نے اس توحید کے بارے میں آپ سے جھگڑا کیا جسے آپ نے اختیار فرمایا تھا اور انھوں نے آپ سے مناظرہ کیا تو آپ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ ﴾ ''کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو، حالانکہ اس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے؟'' یعنی کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو، حالانکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس نے مجھے حق کی بصیرت اور ہدایت عطا فرما دی ہے اور مجھے اس بارے میں پوری طرح شرح صدر حاصل ہے تو میں تمھارے فاسد اقوال اور باطل شبہات کی طرف کس طرح توجہ دوں؟ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ﴾ ''اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا، ہاں! اگر میرا پروردگار کچھ چاہے (تو وہ ضرور کر سکتا ہے۔)'' تمھارے اقوال کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو یہ کسی چیز پر اثر انداز نہیں ہو سکتے، لہٰذا میں نہ ان سے ڈرتا ہوں اور نہ ان کی کوئی پروا کرتا ہوں اگر ان میں ہمت ہے تو میرا بال بیکا کر دکھائیں اور مجھے ذرہ برابر مہلت نہ دیں بلکہ جس قدر ممکن ہو مجھے جلد سے جلد نقصان پہنچا لیں۔

اللہ کا یہ فرمان: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ﴾ ''ہاں، اگر میرا پروردگار کچھ چاہے۔'' استثنا منقطع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔ ﴿ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ ''میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اس کے علم نے کائنات کی تمام اشیاء کا اس طرح احاطہ کیا ہوا ہے کہ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ ﴿ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ۝۸۰ ﴾ ''کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' میں نے تمھارے سامنے جو بیان کیا ہے، کیا اس کی روشنی میں تم یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ معبود باطل ہیں تاکہ ان کی پوجا پاٹ سے تم باز آ جاؤ۔ یہ دلیل اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد سے کہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قصہ قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (ھود 11:53-56) ''وہ بولے ہود! تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو بے شک میں ان سے بیزار ہوں

(جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ بلا شبہ میں اللہ پر، جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں۔ (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو اس کی پیشانی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ ﴾ ''بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں؟'' یعنی میں ان بتوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں، اللہ کے سوا جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ ﴿ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ﴾ ''جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم ان کو اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جن کی اس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ سلطان کے معنی حجت اور دلیل کے ہیں۔[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (الشوریٰ 42:21) ''کیا ان کے (اللہ کے سوا) ایسے شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ﴾ (النجم 53:23) ''وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''چنانچہ دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا زیادہ مستحق ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ؟)'' یعنی کون سا فریق راہ راست پر ہے، وہ فریق جو اس ہستی کی عبادت کرتا ہے جس کے ہاتھ میں نفع و نقصان ہے یا وہ جو کسی دلیل کے بغیر اس کی پوجا کرتا ہے جس کے اختیار میں قطعاً کوئی نفع و نقصان نہیں ہے۔ بتاؤ ان میں سے کون سا فریق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ روز قیامت اللہ کے عذاب سے نجات پاسکے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جنھوں نے اللہ وحدہ لاشریک کے لیے عبادت کو خالص کیا اور اس کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہ کیا تو قیامت کے دن بھی یہی لوگ امن میں ہوں گے اور دنیا و آخرت میں بھی یہی ہدایت یافتہ ہیں

شرک ہی ظلم عظیم ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے عرض کی کہ ہم میں سے کس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا۔ تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمٰن 31:13) ''یقیناً شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔''[2] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1332/4. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ (الأنعام 6:82)، حديث: 4629.

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ

اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیے، ہم نے سب کو ہدایت دی، اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت دی تھی، اور اس کی اولاد میں سے داود، سلیمان،

وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿84﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى

ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (بھی ہدایت دی) اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں﴿84﴾ اور (ہم نے) زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی

وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿85﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى

ہدایت دی)، وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے﴿85﴾ اور (ہم نے) اسمٰعیل، الیسع، یونس اور لوط کو (بھی ہدایت دی)، اور ان سب کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی﴿86﴾

الْعٰلَمِيْنَ ﴿86﴾ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اور کچھ کو ان کے باپ دادا، ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں میں سے اور ہم نے انھیں چن لیا اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی﴿87﴾ یہ اللہ کی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿87﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا

ہدایت ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے برباد ہو جاتے﴿88﴾

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿88﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت دی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اس (ہدایت کو ماننے) سے انکار کرتے ہیں تو بے شک ہم نے اس کے لیے ایسی قوم تیار

بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ

کی ہے کہ وہ ان کا انکار کرنے والی نہیں﴿89﴾ یہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی، لہٰذا (اے نبی!) آپ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔ کہہ دیجیے: میں

عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿90﴾ ع

10 ع 8 16

اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، یہ تو تمام دنیا والوں کے لیے نصیحت ہے﴿90﴾

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ﴾ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بہت گراں گزری اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کس نے اپنے آپ پر ظلم نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ لَيسَ الَّذِي تَعنُونَ، أَلَم تَسمَعُوا مَا قَالَ العَبدُ الصَّالِحُ] ”اس سے یہ مراد نہیں، کیا تم نے وہ بات نہیں سنی جو اللہ کے نیک بندے (لقمان) نے کہی تھی: ﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (لقمٰن 31:13)

”اے میرے (پیارے) بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔“[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ ﴾ ”اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔“ یعنی ہم نے ان کی حجت کو غالب کر دیا۔ امام مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس حجت سے مراد آپ کا یہ فرمانا ہے: ﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ ...... ﴾ الآیة[2] اللہ تعالیٰ نے قوم کے مقابلے میں آپ ہی کو سچا قرار دیا اور امن و ہدایت سے

[1] مسند أحمد: 378/1 . [2] تفسير الطبري: 338/7 .

سرفراز فرمایا، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

پھر اس سب کچھ کے بعد فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔'' یعنی وہ اپنے اقوال وافعال میں حکمت والا ہے اور اس بات سے خوب واقف ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور دلائل وبراہین قائم ہونے کے باوجود کون مستحق ضلالت ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96,97) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے۔''

تفسیر آیات: 84-90

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اسحاق ویعقوب عطا فرمائے: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اس وقت اسحاق عطا فرمایا جب آپ اور آپ کی بیوی سارہ اولاد سے مایوس ہو گئے تھے، آپ کے پاس اس وقت فرشتے آئے جب وہ قومِ لوط کی طرف جا رہے تھے اور انھوں نے آپ دونوں میاں بیوی کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی تو حضرت سارہ نے اس سے تعجب کیا اور ﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ ھٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 11:72,73) ''اس نے کہا: اے ہے! میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ انھوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، بلاشبہ وہی سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے۔'' فرشتوں نے آپ دونوں میاں بیوی کو حضرت اسحاق کی ولادت کے ساتھ ساتھ یہ خوش خبری بھی سنائی کہ وہ نبی بھی ہوں گے اور ان کی نسل کا سلسلہ بھی آئندہ جاری رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 38:112) ''اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے۔)'' یہ ایک مکمل ترین بشارت اور عظیم ترین نعمت تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ ﴾ (ھود 11:71) ''تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔'' یعنی تمھاری زندگی ہی میں تمھارے بیٹے اسحاق کے گھر میں بیٹا پیدا ہوگا جس سے تمھاری آنکھوں

کو اسی طرح ٹھنڈک نصیب ہوگی جس طرح اپنے بیٹے کی ولادت سے ٹھنڈک نصیب ہوئی تھی۔ انسان کو اپنے پوتے کی ولادت سے بے حد خوشی ہوتی ہے کیونکہ اس سے اس کی نسل کا سلسلہ آگے جاری ہو جاتا ہے۔ بڑھاپے میں ملنے والی اولاد کمزور ہوتی ہے، اس لیے شبہ تھا کہ شاید اس سے آگے نسل جاری نہ رہ سکے، اس لیے بشارت سنائی گئی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے گھر بھی بیٹا پیدا ہوگا اور نام اس کا یعقوب ہوگا۔ یعقوب عقب سے مشتق ہے، اس لیے اس نام میں بھی نسل کے آئندہ جاری رہنے کا اشارہ موجود ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کی خاطر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی، انھیں چھوڑ دیا، ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان کے علاقے کو بھی چھوڑ دیا تاکہ اللہ کی زمین میں کسی دوسری جگہ جا کر اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کر سکیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوم اور برادری کے عوض نیک اولاد عطا فرما دی جس نے آپ کے دین کو اختیار کر لیا تاکہ اس نیک اولاد سے آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۝﴾ (مریم 49:19) ''تو جب ابراہیم ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے اور سب کو پیغمبر بنایا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ﴾ ''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی۔'' اور فرمایا: ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس سے پہلے ہم نے نوح کو بھی ہدایت بخشی تھی جس طرح ہم نے ابراہیم کو ہدایت بخشی اور نیک اولاد عطا کی ہے۔

حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی خصوصیت: حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام دونوں کو عظیم خصوصیت حاصل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو تو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو غرق کر دیا سوائے ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لائے تھے اور یہ وہی لوگ تھے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد کو باقی رکھا، اب سب لوگ آپ ہی کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے بعد تشریف لانے والے تمام انبیائے کرام آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت 27:29) ''اور ہم نے اس (ابراہیم) کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (الحدید 26:57) ''اور یقیناً ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وقتاً فوقتاً جاری) رکھا۔'' اور فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۫ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۝﴾ (مریم 58:19) ''یہ وہ (پیغمبر) ہیں جن پر ہم نے فضل کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے

رہتے تھے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ ﴾ ''اور اس کی اولاد میں سے۔'' یعنی ہم نے اس کی اولاد میں ہدایت دی ﴿ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ ''داود اور سلیمان علیہما السلام (کو بھی۔)'' (ہ) ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف عائد ہے کیونکہ وہ مذکورہ بالا حضرات میں سے اس ضمیر کے زیادہ قریب ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں اور امام ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[1] ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کلام کو انھی کے لیے بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ یہاں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے اور وہ آپ کی اولاد میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ تو آپ کے بھائی ماران بن آزر کے بیٹے ہیں۔ ہاں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تغلیباً انھیں بھی اولاد میں داخل کر لیا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ (البقرۃ 2:133) ''بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔'' میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں تغلیباً داخل کیا گیا ہے، حالانکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے تایا ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ: ﴿ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ (الحجر 15:30,31) ''پھر فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا۔'' میں فرشتوں کو سجدہ کرنے کا جو حکم تھا تو ابلیس کو اس میں تغلیباً داخل کیا گیا ہے اور اس حکم کی مخالفت کرنے پر اس کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ ان کی مشابہت اختیار کیے ہوئے تھا، لہٰذا تغلیباً اس کے ساتھ انھی جیسا معاملہ کیا گیا اور اسے انھی کے ساتھ شامل کیا گیا ورنہ وہ جن تھا اور اسے آگ سے پیدا کیا گیا جبکہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔

دوسرے قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام یا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو داخل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بھی آدمی ہی کی اولاد ہوتی ہے کیونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں اور ان کا کوئی باپ نہیں۔ امام ابن ابوحاتم نے ابوحرب بن ابوالاسود سے روایت کیا ہے کہ حجاج نے یحییٰ بن یعمر کی طرف پیغام بھیجا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم یہ خیال کرتے ہو کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا اولادِ نبی میں سے ہونا کتاب اللہ میں موجود ہے، حالانکہ میں نے تو کتاب اللہ کو اول سے آخر تک پڑھا ہے اور اس میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تم نے سورۂ انعام میں یہ نہیں پڑھا: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ ﴾ تا ﴿ وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى ﴾ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! پڑھا ہے، تو انھوں نے کہا: کیا عیسیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہیں، حالانکہ ان کا تو کوئی باپ ہی نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! آپ سچ کہتے ہیں۔[2]

[1] تفسیر الطبری:339/7 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1335/4.

لہٰذا جب کوئی شخص اپنی اولاد کے لیے وصیت کرے یا وقف کرے یا ہبہ کرے تو بیٹیوں کی اولاد بھی اس میں داخل ہو گی، ہاں! البتہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹوں کو دے یا ان کے لیے وقف کرے تو اس صورت میں یہ بیٹوں اور پوتوں ہی کے لیے خاص ہو گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ﴾ ''اور بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔'' اس میں ان کے اصول وفروع اور ان کے طبقہ کے لوگوں کا ذکر ہے اور ہدایت سے نوازنے اور برگزیدہ کرنے کا تعلق ان سب سے ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝۸۷ ﴾ ''اور ہم نے ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔''

شرک سے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ ''یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے۔'' یعنی انھیں اللہ کی توفیق اور اس کے ہدایت عطا فرمانے ہی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ ﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۸۸ ﴾ ''اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ شرک کا معاملہ کس قدر شدید اور غلیظ ہے اور اس کا ارتکاب کرنا کس قدر عظیم گناہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ...... ﴾ الآية (الزمر 65:39) ''اور بلاشبہ (اے نبی!) آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمھارے عمل برباد ہو جائیں گے......'' یہ شرط ہے اور شرط جواز وقوع کا تقاضا نہیں کرتی۔ (اس کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ یہ کام ہو کر رہے گا۔) جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ۝ ﴾ (الزخرف 81:43) ''کہہ دیجیے کہ اگر رحمٰن کے اولاد ہوتی تو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝ ﴾ (الأنبيآء 17:21) ''اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں، یعنی زن وفرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝ ﴾ (الزمر 4:39) ''اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا۔ وہ پاک ہے وہی تو اللہ یکتا (اور) غالب ہے۔'' ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ ﴾ ''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطا فرمائی تھی۔'' یعنی ہم نے ان پر یہ انعامات فرمائے اور یہ ہماری طرف سے بندوں پر رحمت اور مخلوق کے ساتھ لطف وکرم تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا ﴾ ''اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں۔'' یعنی اگر یہ نبوت کا انکار کریں اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع یہ تینوں اشیاء، یعنی کتاب، حکم شریعت اور نبوت ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''یہ (کفار)'' اور ان سے مراد اہل مکہ ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیّب، ضحاک، قتادہ، سدی اور کئی ایک ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1338/4.

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ

اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، جس وقت انھوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، کہہ دیجیے: پھر وہ کتاب

اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا

کس نے نازل کی تھی جسے موسیٰ لائے تھے، جو تمام انسانوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی، جسے تم متفرق اوراق میں نقل کرتے ہو۔ اس میں سے کچھ تم ظاہر کرتے

وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ

ہو اور بہت کچھ چھپا لیتے ہو۔ اور (اس کتاب کے ذریعے سے) تمھیں وہ علم دیا گیا تھا جو نہ تمھیں حاصل تھا اور نہ تمھارے باپ دادا کو۔ کہہ دیجیے: وہ اللہ نے (نازل کی

فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿91﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ

تھی)، پھر انھیں (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے، وہ اپنی نکتہ چینیوں میں کھیلتے رہیں ﴿91﴾ اور یہ کتاب (قرآن مجید)، ہم نے اسے نازل کیا ہے، یہ برکت والی، تصدیق

اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے آئی تھی تاکہ آپ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان

يُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾

رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں ﴿92﴾

﴿ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴾ ”تو بے شک ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لیے) ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں ہیں۔“ اگر ان نعمتوں کا یہ لوگ، یعنی کفار قریش اور دیگر تمام روئے زمین کے عرب و عجم اور امی و کتابی کفار انکار کریں تو ہم نے ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں ہیں، یعنی مہاجرین و انصار اور قیامت تک کے لیے ان کے پیروکار، ﴿ لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴾ یعنی وہ ان میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کرتے، ان میں سے ایک حرف کو بھی رد نہیں کرتے بلکہ محکم و متشابہ سب کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان سے ہمیں بھی اپنے ان بندوں میں سے بنا دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں۔“ یعنی مذکورہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے وہ آباء و اجداد، اولاد اور بھائی جن کی ان کی طرف نسبت کی گئی ہے ﴿ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ﴾ ”جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔“ یعنی یہی لوگ ہیں جو اہل ہدایت ہیں ان کے سوا اور لوگ اہل ہدایت نہیں ہیں ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾ یعنی انھی کی اقتدا اور اتباع کریں۔ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور آپ امت کے لیے جو شریعت بیان کرتے اور اسے حکم دیتے ہیں تو آپ کی امت آپ کی تابع فرمان ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مجاہد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا سورۂ صٓ میں سجدہ ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، پھر انھوں نے ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ ﴾ تا ﴿ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾ آیات تلاوت فرمائیں اور فرمایا وہ بھی انھی میں سے ہیں۔ مجاہد سے ایک دوسری روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: تمھارے

نبی ﷺ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ان کی اقتدا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ ”کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا۔“ یعنی تم تک قرآن پہنچانے کی میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا اور نہ تم سے میرا کسی بھی قسم کا کوئی مطالبہ ہی ہے۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ”یہ تو جہاں کے لوگوں کے لیے محض نصیحت ہے۔“ تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اندھے پن کے بجائے ہدایت، سرکشی کے بجائے رشد و بھلائی اور کفر کے بجائے ایمان کی دولت کو حاصل کرلیں۔

تفسیر آیات: 92,91

رسول کی بشریت اور ان پر کتاب کا نزول: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے اس کی اس طرح تعظیم نہیں کی جس طرح تعظیم کرنے کا حق تھا کہ انھوں نے اس کے ان رسولوں کی بھی تکذیب کی جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور عبداللہ بن کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[3] ﴿ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ”انھوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾ (یونس 2:10) ”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کی طرف وحی بھیجی کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 95,94:17) ”اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے: کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دیجیے کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ ”اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسے جاننی چاہیے تھی نہ جانی جب انھوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ) کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہہ دیجیے کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی؟“ یعنی اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے کہہ دیجیے: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب کے نازل ہونے کے منکر ہیں، ان کے سلب عام[4] کے جواب میں قضیہ جزئیہ موجبہ کے اثبات کے ساتھ جواب دے دیں کہ ﴿ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ﴾ ”کہہ

---

① صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ (الأنعام 90:6)، حدیث: 4632. ② تفسیر الطبري: 349/7. ③ تفسیر الطبري: 348/7. ④ سلب عام کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا کلیتاً انکار کر دینا اور اس کو قطعاً تسلیم نہ کرنا، علم منطق کی رو سے ”سالبہ کلیہ کی نقیض، یعنی اس کا جواب موجبہ جزئیہ (بعض اشیاء کے اثبات) سے آتا ہے، اس جگہ اسی منطقی اصطلاح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دیجیے: جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، اسے کس نے نازل کیا تھا؟'' تم بھی جانتے ہو اور ہر ایک شخص یہ جانتا ہے کہ تورات کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور وہ ﴿نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔'' تاکہ اس سے مشکلات کے ازالے کے لیے روشنی اور شبہات کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ ''جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے، ان (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔'' یعنی ساری کتاب کو تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق کی شکل میں کر رکھا ہے اور اصل کتاب میں سے، جو تمھارے ہاتھوں میں ہے، ان اوراق پر لکھتے رہتے ہو اور اس کتاب میں اپنی مرضی سے تحریف، تبدیلی اور تاویل کرتے رہتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہوتا، اسی لیے فرمایا: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا﴾ ''تم نے اسے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے اور ان (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ﴾ ''اور (اس کتاب کے ذریعے سے) تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا۔'' یعنی یہ قرآن کس نے اتارا ہے جس میں سابقہ لوگوں کے حالات ہیں اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے آباء واجداد۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ﴾ ''کہہ دیجیے: (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا تھا۔)'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کہہ دیجیے: اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ اپنی بے ہودہ بکواس میں کھیلتے ہیں۔'' یعنی انھیں چھوڑ دیں کہ یہ اپنی جہالت وضلالت میں کھیلتے رہیں حتی کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے موت آ جائے تو پھر انھیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام ان کا اچھا ہوگا یا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ ''اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، بابرکت ہے جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لیے (نازل کی گئی ہے) کہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں۔'' یعنی قبائلِ عرب کو بھی اور عرب وعجم کے تمام انسانوں کو بھی جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الأنعام 19:6) ''تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے سب کو ڈراؤں (آگاہ کردوں۔)'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (ھود 17:11) ''اور فرقوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝﴾ (الفرقان

[1] تفسير ابن أبي حاتم:4/1344.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اس پر کوئی وحی نازل نہیں کی گئی، اور جس نے کہا کہ میں

سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا

بھی ایسی چیز نازل کر سکتا ہوں جیسی اللہ نے نازل کی ہے۔ کاش! آپ ظالموں کو اس حال میں دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں، اور فرشتے

اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ

(یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں، آج تمھیں بدلے میں ذلت کا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم اللہ پر ناحق باتیں

الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿93﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

گھڑتے تھے اور اس کی آیتیں سن کر تکبر کرتے تھے ﴿93﴾ اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو جس طرح کہ ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اور ہم نے

وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ

تمھیں جو کچھ عطا کیا تھا وہ تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور اب ہمیں تمھارے ساتھ تمھارے وہ سفارشی نظر نہیں آتے جن کے بارے میں تم دعوٰی کرتے تھے کہ

شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾ ع 11/4/17

بے شک وہ (تمھاری بندگی میں) اللہ کے شریک ہیں۔ ان سے تمھارا تعلق یقیناً ٹوٹ گیا ہے اور وہ تم سے کھو گئے ہیں جنھیں تم (اپنے معبود) خیال کرتے تھے ﴿94﴾

1:25) ''وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ڈرائے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ (آل عمران 20:3) ''اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک وہ ہدایت پا گئے اور اگر (آپ کا کہا) نہ مانیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي] ''مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں۔'' ان میں سے ایک چیز آپ نے یہ بھی بیان فرمائی: [وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''پہلے ہر نبی کو بطور خاص اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا مگر مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ''اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس مبارک کتاب، یعنی قرآن مجید پر بھی ایمان رکھتا ہے جسے اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ ﴿ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾ ﴾ ''اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی جن

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي ﷺ: [جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطُهُورًا]، حديث: 438 وصحيح مسلم، المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 521 عن جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه.

نمازوں کو ان پر فرض قرار دیا گیا ہے، انھیں وہ ان کے اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیر آیات:94,93

جھوٹے مدعیٔ نبوت سے بڑا ظالم کوئی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔'' یعنی اس شخص سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرے اور اس کے شریک بنادے یا اس کا بیٹا بنادے یا یہ دعویٰ کرے کہ اللہ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے، حالانکہ اللہ نے اسے رسول بنا کر نہ بھیجا ہو۔ اور فرمایا: ﴿ اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ ﴾ ''یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے، حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو۔'' عکرمہ وقتادہ رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ﴿ وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی (کتاب) اللہ نے نازل کی ہے، اس طرح کی میں بھی نازل کرسکتا ہوں۔'' یعنی جو یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی ہے، وہ بھی اس کے جواب میں اسی طرح کی وحی نازل کرسکتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ...... ﴾ (الأنفال8:31) ''اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم نے سن لیں اگر ہم چاہیں تو اسی طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں......۔''

موت کے وقت اور قیامت کے دن ان ظالموں کا حال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ ﴾ ''اور کاش! آپ ان ظالم (مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں۔'' غمرات کے معنی سختیوں، سکرات اور مشکلات کے ہیں۔ ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ﴾ ''اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں'' ان کی طرف انھیں مارنے اور عذاب دینے کے لیے جیسا کہ فرمان باری ہے: ﴿ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ ﴾ (المآئدة5:28) ''اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ بڑھائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّيَبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ ﴾ (الممتحنة60:2) ''اور ایذاء کے لیے تم پر اپنے ہاتھ (بھی) دراز کریں اور اپنی زبانیں (بھی۔)'' ضحاک اور ابوصالح رحمہما اللہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ وہ ان کی طرف عذاب کے لیے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴾ (الأنفال8:50) ''اور کاش! آپ اس وقت (کی کیفیت) دیکھیں جبکہ فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے چہروں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ﴾ ''اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کے لیے) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں'' یعنی انھیں مارنے کے لیے تاکہ ان کی جانیں ان کے جسموں سے باہر نکل آئیں۔ اسی وجہ سے فرشتے ان سے کہتے ہیں: ﴿ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''(کہ) تم نکالو اپنی جانیں۔'' کافر کی موت کا وقت جب آتا ہے تو فرشتے اسے عذاب، سزا، طوقوں،

[1] تفسیر الطبری:7/356. [2] تفسیر الطبری:7/358 و تفسیر ابن أبی حاتم:4/1348.

بیڑیوں، جہنم، اس کے گرم اور کھولتے ہوئے پانیوں اور سزاؤں کی جب بشارت سناتے ہیں اور اللہ کے غضب سے ڈراتے ہیں تو اس کی روح اس کے جسم میں دوڑنے لگتی اور باہر نکلنے سے انکار کر دیتی ہے تو فرشتے مار مار کر کافروں کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکالتے اور کہتے ہیں: ﴿ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ ''نکالو تم اپنی جانیں آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ تم اللہ پر ناحق باتیں گھڑتے تھے۔'' لہٰذا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی سزا کے طور پر آج تمھیں حد درجے ذلیل وخوار کر دیا جائے گا کیونکہ تم تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کی پیروی سے انکار کرتے تھے۔

بہت سی متواتر احادیث میں مومن اور کافر کی موت کے وقت کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ہم ان احادیثِ مبارکہ کو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ (إبراهيم 14:27) ''اللہ ایمان والوں کو قول ثابت (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔'' کی تفسیر کے موقع پر بیان کریں گے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور یقیناً جیسے ہم نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسے ہی آج تم اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے ہو۔'' یہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ﴾ (الكهف 18:48) ''اور سب آپ کے پروردگار کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے (تو ہم ان سے کہیں گے:) جس طرح ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا یقیناً (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے ہو۔'' جیسا کہ ہم نے تمھیں ابتدا میں پیدا کیا تھا۔ اسی طرح ہم نے تمھیں دوبارہ اٹھا کھڑا کیا ہے، حالانکہ تم اس کا انکار کرتے ہوئے اسے بہت بعید جانتے تھے مگر دیکھ لو یہ قیامت کا دن آ گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ﴾ ''اور جو (مال ومتاع) ہم نے تمھیں عطا فرمایا تھا وہ سب تم اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے ہو۔'' یعنی جن نعمتوں اور مالوں کو تم نے دنیا میں حاصل کیا تھا انھیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَقُولُ ابْنُ آدَمَ: مَالِي مَالِي، قَالَ: وَهَلْ لَّكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ]، [وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّتَارِكُهُ لِلنَّاسِ] ''ابن آدم کہتا ہے: میرا مال میرا مال، حالانکہ تیرا مال صرف وہ ہے جسے تو نے کھایا اور ہضم کر لیا یا پہنا اور اسے بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے اسے آگے پہنچا دیا۔ اور اس کے سوا جو کچھ ہے تو وہ جانے والا ہے اور تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن آدم کو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ وہ بکری کے بچے کی طرح کمزور اور لاغر سا ہوگا اللہ عز وجل فرمائے گا تو نے جو مال جمع کیا تھا وہ کہاں ہے؟ بندہ جواب دے گا کہ اے رب! میں نے اسے جمع تو کیا مگر جتنا جمع کیا اس سے بھی زیادہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ ابن آدم! ذرا یہ تو بتا کہ تو نے اپنے لیے

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حديث:2959,2958 عن عبدالله بن الشِّخِّير رضي الله عنه.

آ گے کیا بھیجا تھا؟ لیکن وہ کوئی ایسی چیز نہیں دیکھے گا جسے اس نے آ گے بھیجا ہو، پھر امام حسن بصری نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ ﴾ [1] اسے امام ابن ابو حاتم نے بیان کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط ﴾ ''اور اب ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے، جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں۔'' یہ ان کے لیے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش ہے کہ انھوں نے دنیا میں انداد واصنام واوثان کو اللہ کے شریک بنایا اور خیال کیا کہ یہ انھیں دنیا میں نفع پہنچاتے ہیں اور اگر واقعی آخرت کا بھی کوئی دن ہوا تو اس میں بھی یہ انھیں نفع پہنچائیں گے مگر جب قیامت کا دن برپا ہوگا تو ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے، ان کی ضلالت وگمراہی واضح ہو جائے گی اور وہ سب گم ہو جائیں گے، افتراء پردازی سے کام لیتے ہوئے جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ ﴾ (القصص 28:62 و 74) ''میرے وہ شریک جن کا تمھیں دعویٰ تھا کہاں ہیں؟'' ﴿ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 26:92,93) ''اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوا۔ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط ﴾ ''اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں۔'' کہ تم ان کی عبادت کرتے تھے اور انھیں عبادت کا مستحق قرار دینے کی وجہ سے تم اس بات کے حقدار ہو کہ وہ تمھاری سفارش کریں مگر وہ آج ہیں کہاں؟

پھر اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ ''یقیناً (آج) تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے۔'' ﴿ بَيْنَكُمْ ﴾ کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمھاری جماعت منتشر ہو گئی ہے اور اسے نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمھارے تعلقات اور اسباب و وسائل منقطع ہو گئے ہیں۔ ﴿ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ ''اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے، سب جاتے رہے۔'' بتوں اور اللہ کے شریکوں سے تم نے جو امیدیں لگا رکھی تھیں، وہ سب ختم ہو گئیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ط كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ط وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○ ﴾ (البقرة 2:166,167) ''اس دن (کفر کے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 4/1349 اور اسے امام ترمذی نے صفة القيامة، باب منه [سؤال الرب عبده عما......]، حدیث: 2427 میں بھی مرفوعاً ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى

بے شک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے، وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہ ہے اللہ، چنانچہ تم کہاں بہکائے جاتے

تُؤْفَكُوْنَ ﴿95﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

ہو!﴿95﴾ وہ صبح کی سپیدی نکالتا ہے، اور اس نے رات کو سکون کا باعث بنایا، اور سورج اور چاند کو وقت کے حساب کا ذریعہ (بنایا)، یہ سب بہت زبردست،

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿96﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا

خوب علم رکھنے والے کا اندازہ ہے﴿96﴾ اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعے سے خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ پاؤ،

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾

تحقیق ہم نے اپنی آیتیں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو علم رکھتے ہیں﴿97﴾

پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ کاش! ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں، اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ اس طرح اللہ ان کے اعمال ان کو حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:101) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ اس دن ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 29:25) ''بس تم نے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا لیا ہے تو یہ محض دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے (مگر) پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ﴾ (القصص 28:64) ''اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:22-24) ''اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے پوچھیں گے کہ (آج) وہ تمھارے شریک کہاں ہیں جن کا تمھیں دعویٰ تھا؟ تو ان سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) سوائے اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ کہیں گے: اللہ، ہمارے رب کی قسم! ہم شریک نہیں بناتے تھے۔ دیکھیں! انھوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت زیادہ آیات ہیں۔

تفسیر آیات:95-97

بعض نشانیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر ان سے درخت اگاتا ہے، یعنی وہ دانے اور گٹھلی کو مٹی کی تاریکی میں پھاڑ دیتا ہے، پھر اس سے مختلف انواع واقسام کے پودے اور کھیتیاں پیدا ہوتے ہیں جن سے مختلف دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کے رنگ، شکلیں اور ذائقے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لیے ﴿ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ﴾ ''دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا۔'' کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ﴾ ''وہی جان دار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان کو جان دار سے نکالنے والا ہے۔'' وہ دانے اور گٹھلی سے، جو مردہ جمادات کی طرح ہے، زندہ نباتات کو نکالتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:33-36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور (وہ پھل) ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنائے، پھر کیا وہ شکر نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔'' ارشاد الٰہی: ﴿ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ﴾ کا ﴿ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ ﴾ پر عطف ہے، پھر اس کی تفسیر بیان کی اور اس پر عطف ڈالتے ہوئے کہا: ﴿ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ﴾ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالنے کا مفہوم مختلف عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے جو سب قریب المعنی ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ انڈے سے مرغی نکالتا اور مرغی سے انڈے پیدا کرتا ہے، کسی نے یہ کہا کہ وہ برے آدمی سے نیک اولاد اور نیک آدمی سے بری اولاد پیدا کر دیتا ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں جو اس آیت کے ہو سکتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''یہی تو اللہ ہے۔'' یہ کام کرنے والا وہ اللہ ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ ''پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟'' یعنی تم حق سے کیسے منہ موڑتے اور اس سے روگردانی کر کے باطل کو اختیار کرتے ہو اور اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرتے ہو۔

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ ''وہی (رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام بنایا۔'' یعنی وہ روشنی اور اندھیرے کا خالق ہے جیسا کہ اِس سورت کے شروع میں فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ﴾ (الأنعام 6:1) ''اور اس نے اندھیروں اور روشنی کو بنایا۔'' یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر سپیدۂ سحر کو نمودار فرما دیتا ہے، اس سے وجودِ کائنات منور اور افق پر کرن کرن اجالا ہو جاتا ہے، اندھیرا اچھٹ جاتا ہے،

رات ظلمتوں اور تاریکیوں سمیت چلی جاتی ہے اور دن اپنی روشنی اور چمک دمک کے ساتھ آ جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ﴾ (الأعراف 54:7) ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ (رات) اس (دن) کو جلدی جلدی طلب کرتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اسے متضاد اور مختلف اشیاء کے پیدا کرنے کی قدرت حاصل ہے جو اس کے کمال عظمت اور عظیم سلطنت کی دلیل ہے۔ اس نے جب یہ ذکر فرمایا کہ وہ صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے تو اس کے مقابلے میں یہ بیان فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا ﴾ ''اور اسی نے رات کو (موجب) آرام بنایا۔'' یعنی جو ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے جس سے ہر سو اندھیرا چھا جاتا ہے تاکہ رات کو تمام اشیاء آرام اور سکون حاصل کر سکیں جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَالضُّحٰى ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰى ۝ ﴾ (الضحی 2,1:93) ''آفتاب کی روشنی کی قسم! اور رات (کی تاریکی) کی جب وہ چھا جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰى ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝ ﴾ (اللّیل 2,1:92) ''رات کی قسم! جب (دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم! جب چمک اٹھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰىهَا ۝ ﴾ (الشمس 4,3:91) ''اور دن کی قسم! جب اسے چمکا دے اور رات کی قسم! جب اسے چھپا لے۔'' ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ﴾ ''اور سورج اور چاند کو (ذریعہ) شمار بنایا ہے۔''

یعنی وہ دونوں ایک طے شدہ اور مقررہ حساب کے مطابق چلتے ہیں اور اس میں کوئی تغیر وتبدل رونما نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی موسم سرما اور گرما میں منزلیں مقرر ہیں جن کے مطابق یہ چلتے ہیں اور اسی پر رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا جانا اور رات دن کا چھوٹا بڑا ہونا موقوف ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ ﴾ (یونس 5:10) ''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 40:36) ''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ (الأعراف 54:7) ''اور اسی نے سورج، چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا) سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ ﴾ ''یہ اللہ کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔'' یعنی یہ سب اس غالب ہستی کے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق چل رہے ہیں جسے نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ جس کی کوئی مخالفت کر سکتا ہے اور جو ہر چیز کو جاننے والا ہے اور آسمان وزمین کا کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اکثر وبیشتر مقامات پر اللہ تعالیٰ نے رات اور دن، سورج اور چاند کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد کلام کے اختتام پر اپنے عزیز وعلیم ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ انعام کی اس آیت میں ہے اور جیسا کہ سورۂ یٰس میں بھی ہے: ﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ ﴾ (یٰسٓ 38,37:36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

اور وہی ہے جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، پس ہر ایک کے لیے قرار پکڑنے کی ایک جگہ ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ، تحقیق ہم نے اپنی آیتیں ان

يَّفْقَهُوْنَ ﴿98﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردی ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں ﴿98﴾ اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پس ہم نے اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات پیدا

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

کیں، پھر ہم نے ہری بھری کھیتیاں اگائیں جن سے ہم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے شگوفے سے پھل کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ

سے جھکے جاتے ہیں، اور انگور، زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، (مگر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔) یہ درخت جب پھل

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿99﴾

دینے لگتے ہیں تو ان کے پھل دینے اور ان کے پکنے کی حالت کو دیکھ کر غور کرو، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں ﴿99﴾

اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔'' اسی طرح سورۂ حمٓ السجدہ کے آغاز میں بھی آسمانوں، زمین اور ان میں موجود اشیاء کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ (حمٓ السجدۃ 12:41) ''اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں میں ان سے رستے معلوم کرو۔'' بعض سلف نے کہا ہے کہ جو شخص ستاروں کے بارے میں ان تین چیزوں کے سوا کوئی اور اعتقاد رکھے تو وہ اللہ سبحانہ کی طرف ایک غلط اور جھوٹی بات منسوب کرتا ہے۔ (1) اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان کے لیے باعثِ زینت بنایا ہے۔ (2) ان کو شیطان کے مارنے کا آلہ بنایا اور (3) بر و بحر کے اندھیروں میں رستے معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿97﴾﴾ ''تحقیق عقل والوں کے لیے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کردی ہیں۔'' یعنی ان کے لیے جو عقل سے کام لیتے، حق کو پہچانتے اور باطل سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 99,98

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا ہے۔'' یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جیسا کہ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ﴾ (النسآء 1:4) ''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورتیں (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ﴾ ''پھر (تمھارے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔'' حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابوعبدالرحمٰن سلمی، قیس بن ابوحازم، مجاہد، عطاء، ابراہیم نخعی، ضحاک، قتادہ، سدی، عطاء خراسانی اور دیگر کئی ائمہ تفسیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمُسْتَقَرٌّ ﴾ سے مراد ماؤں کے رحم ہیں اور ان تمام یا ان میں سے اکثر نے فرمایا ہے: ﴿ مُسْتَوْدَعٌ ﴾ سے مراد باپوں کی پشتیں ہیں۔[1] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے اس کے برعکس بھی کہا ہے۔[2] نیز ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے یہ بھی کہا ہے کہ مستقر سے مراد دنیا میں ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مستودع سے مراد مرنے کی جگہ ہے۔[3]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴾ ''تحقیق سمجھنے والوں کے لیے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کردی ہیں۔'' یعنی ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے کلام اور اس کے معنی کو سمجھتے اور یاد رکھتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے۔'' یعنی ایک اندازے کے مطابق، پھر بارش کا یہ بابرکت پانی بندوں کے لیے رزق اور تمام مخلوق کے لیے زندگی کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے بارش بھی اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق پر بہت بڑی رحمت ہے۔ ﴿ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی نباتات اگاتے ہیں۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ﴾ (الأنبیآء 21:30) ''اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔'' ﴿ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا ﴾ ''پھر ہم نے اس سے ہری بھری کھیتیاں اگائیں۔'' یعنی سبز کھیتی اور درخت اگاتے ہیں، پھر ان میں دانے اور پھل پیدا کر دیتے ہیں۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ﴾ ''ہم ان (کونپلوں میں) سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔'' جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں جس طرح گندم کے خوشے وغیرہ۔ ﴿ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ ﴾ ''اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے۔'' ﴿ قِنْوَانٌ ﴾ قِنْوٌ کی جمع ہے، اس سے مراد تر و تازہ کھجوروں کے گچھے ہیں۔ ﴿ دَانِيَةٌ ﴾ جو پکڑنے والے کے قریب ہوتے ہیں جیسا کہ علی بن ابوطلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ ﴾ سے مراد کھجوروں کے وہ چھوٹے چھوٹے درخت ہیں جن کے گچھے زمین کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔[4]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ ﴾ ''اور انگوروں کے باغ'' یعنی ہم اس سے انگوروں کے باغ نکالتے ہیں۔ اہل حجاز کے نزدیک یہ دونوں بہت اشرف و افضل قسم کے پھل ہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ دنیا کے بہترین پھل ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے احسانات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ﴾ (النحل 16:67) ''اور کھجور اور انگور کے میووں سے نشہ (آور شراب) بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو۔)''

[1] تفسیر الطبری:7/375-379 وتفسیر ابن أبی حاتم:4/1355. [2] تفسیر البغوی:2/146 وتفسیر ابن أبی حاتم: 4/1356. [3] تفسیر الطبری:7/373 وتفسیر ابن أبی حاتم:4/1357. [4] تفسیر الطبری:7/382 وتفسیر ابن أبی حاتم:4/1359.

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

اور (اس پر بھی) لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، حالانکہ اسی نے تو انھیں پیدا کیا ہے، اور انھوں نے بغیر کسی علم کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیے،

12 ع 6 18

عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿100﴾ ع

وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿100﴾

یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ﴾ (یٰسٓ 34:36) ''اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے۔'' اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ﴾ ''اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی ہیں۔'' امام قتادہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ پتوں اور شکلوں کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں مگر پھلوں کی شکل، ذائقے اور فوائد کے اعتبار سے یہ پھل ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔[1] اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ﴾ ''یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو ان کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) ان کے پکنے پر نظر کرو۔'' حضرت براء بن عازب، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ضحاک، عطاء خراسانی، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے: ﴿ يَنْعِهٖ ﴾ سے مراد پھلوں کا پکنا ہے[2] یعنی ان کے خالق کی اس قدرت پر غور کرو کہ اس نے کس طرح انھیں عدم سے وجود بخشا، پہلے لکڑی تھی، پھر اس سے اس نے کھجور، انگور اور انواع و اقسام کے پھل پیدا فرما دیے جو رنگ، شکل، ذائقے اور خوشبو میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ ﴾ (الرعد 4:13) ''اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں، ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت جو جڑ سے ملے ہوئے اور جدا جدا (باوجودیکہ) پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے اور ہم بعض میووں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ ''یقیناً اس میں'' اے لوگو! ﴿ لَاٰيٰتٍ ﴾ ''(اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں'' جو ان اشیاء کے خالق کی قدرت، حکمت اور رحمت کے کمال پر دلالت کرتی ہیں، ﴿ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿99﴾ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتے اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں۔

تفسیر آیت:100

مشرکین کی مذمت: یہ ان مشرکین کی تردید ہے جنھوں نے اللہ کے ساتھ غیر کی بھی پوجا کی اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو اس کا شریک بنا دیا، مثلاً: انھوں نے جنوں کی پوجا کر کے انھیں عبادت میں اللہ کا شریک بنا دیا جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک و کفر سے پاک ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ تو بتوں کی پوجا کرتے تھے تو جنوں کو اللہ کے شریک بنانے کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں جنوں ہی نے بتوں کی عبادت کا حکم دیا تھا تو ان کے حکم کی اطاعت بجا لاتے ہوئے انھوں نے بتوں کی عبادت کی

[1] تفسیر الطبری:383/7 وتفسیر ابن أبی حاتم:1359/4 . [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1360/4.

تو یہ گویا جنوں کو اللہ کا شریک بنانا ٹھہرا کہ اس کا حکم ماننے کے بجائے انھوں نے جنوں کے حکم کو مانا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۙ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۭ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ (النسآء4:117-120) ''وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں۔ جس پر اللہ نے لعنت کی ہے (شیطان اللہ سے) کہنے لگا: میں تیرے بندوں سے (غیر اللہ کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا اور البتہ میں ضرور ان کو گمراہ کرتا اور میں ضرور ان کو امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں اور میں یقیناً ان کو حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلیں گے۔ اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ یقیناً صریح نقصان میں پڑ گیا، وہ (شیطان) ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے، وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ ﴾ (الکھف18:50) ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴾ (مریم19:44) ''اے میرے باپ! شیطان کی پوجا نہ کر، بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ڼ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴾ (یٰس36:60,61) ''اے آدم کی اولاد! کیا ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے؟ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا رستہ ہے۔ اور فرشتے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (سبا34:41) ''تو پاک ہے تو ہی ان کے سوا ہمارا کارساز ہے بلکہ وہ تو جنات کو پوجا کرتے تھے اور ان کے اکثر انھی پر ایمان لاتے تھے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ﴾ ''اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا ہے۔'' جنوں کو بھی اسی نے پیدا کیا اور وہی خالق وحدہ لاشریک ہے تو اس کے ساتھ کسی غیر کی پوجا کیوں کی جا سکتی ہے؟ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۙ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت37:95,96) ''تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔'' آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی مستقل بالذات خالق ہے، لہٰذا واجب ہے کہ صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ ''اور انھوں نے بے سمجھے (جھوٹ و بہتان کے طور پر) اس کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیے۔'' اللہ تعالیٰ ان گمراہوں کی گمراہی اور ضلالت کو واضح فرما رہا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟ اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا، اور وہی ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿١٠١﴾

یہ کہا کہ اس کا بیٹا ہے جس طرح یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور مشرکین عرب نے فرشتوں کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان ظالموں کی ان باتوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ارشاد باری: ﴿وَخَرَقُوْا﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے جھوٹ و بہتان باندھا اور وہم وگمان سے کام لیا۔ علمائے سلف نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾﴾ ''وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور اس کی شان ان سے بلند ہے۔'' یعنی یہ جاہل اور ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے جو اولاد، اَنداد، ہمسر اور شریک بناتے ہیں تو اس کی ذات گرامی اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔

تفسیر آیت:101

بدیع کے معنی: ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''(وہی) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔'' یعنی وہ آسمانوں اور زمین کو بنانے والا، پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا اور کسی سابقہ مثال کے بغیر انھیں وجود بخشنے والا ہے جیسا کہ امام مجاہد اور سدی رحمہما اللہ نے فرمایا ہے۔[1] بدعت کو بھی اسی لیے بدعت کہا جاتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی۔ ﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ﴾ ''اس کی اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں؟'' یعنی اولاد تو دو متناسب چیزوں سے پیدا ہوتی ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مناسب اور مشابہ نہیں ہے، وہ تو ہر چیز کا خالق ہے، اس کی نہ بیوی ہے اور نہ بچہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۟ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۟ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۟ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۟ۚ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۟ؕ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۟ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۟ؕ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۟﴾ (مریم 19:88-95) ''اور کہتے ہیں: رحمٰن اولاد رکھتا ہے (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد تجویز کی اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو اولاد بنائے، تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب رحمٰن کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔'' ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾﴾ ''اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1362/4.

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿102﴾

یہ ہے اللہ، تمھارا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز پر نگران ہے ﴿102﴾

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿103﴾

اس (کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پاسکتیں، اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے ﴿103﴾

نے بیان فرمایا ہے کہ اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے تو اس کی مخلوق میں سے اس کے ہم پلہ اس کی کوئی بیوی کس طرح ہوسکتی ہے کیونکہ اس کی تو کوئی نظیر ہی نہیں، لہٰذا اس کا بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔

تفسیر آیات: 103,102

اللہ ہی تمھارا پروردگار ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ ﴾ ''یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمھارا پروردگار ہے۔'' یعنی جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے اور نہ بیوی۔ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے) چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو۔'' یعنی صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کی وحدانیت کا اقرار کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی بیٹا، کوئی باپ اور کوئی بیوی نہیں اور اس کا کوئی نظیر و عدیل نہیں۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿102﴾ ﴾ ''اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔'' یعنی محافظ اور نگہبان ہے، وہ ہر چیز کی تدبیر کرتا، اسے رزق دیتا اور رات دن اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

آخرت میں دیدارِ الٰہی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ ﴾ ''(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔'' یعنی نگاہیں دنیا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اگرچہ آخرت میں دیدار الٰہی سے ضرور فیض یاب ہوں گی جیسا کہ صحاح، مسانید اور سنن میں کئی سندوں کے ساتھ مروی رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ جھوٹ کہتا ہے اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ ﴾ ''(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔''[1]

صحیح حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ: النَّارُ - لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ]

[1] ملخص از صحيح البخاري، التفسير، باب، حديث:4855 و صحيح مسلم، الإيمان، باب معنى قول اللّٰه عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴾ (النجم53:13)، حديث: 177 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث:3068 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة النجم:471/6، حديث:11532 و مسند أحمد:50,49/6.

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ اس کی ذات پاک کے شایان شان ہے کہ وہ سوئے، وہ میزان کو جھکاتا اور اوپر اٹھاتا ہے، اس کی طرف رات کا عمل دن سے پہلے اور دن کا عمل رات سے پہلے اٹھایا جاتا ہے، اس کا حجاب نور - یا ابوبکر کی روایت کے مطابق آگ - ہے اگر وہ اسے دور ہٹادے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس چیز کو مخلوق میں سے جلادیں جس پر اس کی نظر پڑے (ساری مخلوق اس کے چہرۂ اقدس کے انوار و تجلیات کی تاب نہ لاتے ہوئے جل کر راکھ ہو جائے۔)''[1]

سابقہ کتابوں میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! مجھے جو بھی جاندار دیکھے گا وہ مرجائے گا اور جس خشک چیز (بے جان) پر میرا جلوہ پڑے گا وہ تباہ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الأعراف 143:7) ''پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ ڈالا تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں۔'' اس اثر نے ادراک خاص کی نفی کی ہے، اس نے اس دیدار کی نفی نہیں کی جو بندگانِ الٰہی کو قیامت کے دن اس طرح نصیب ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ چاہے گا جبکہ عظمت و جلال والے کی ذات پاک کا جس طرح وہ ہے، نگاہیں ادراک نہیں کر سکتیں، یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کی قائل ہیں کہ آخرت میں تو دیدار الٰہی کی سعادت نصیب ہوگی مگر دنیا میں یہ ممکن نہیں، آپ کا استدلال اسی آیتِ کریمہ سے تھا: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ آپ نے جس ادراک کی نفی کی، اس سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ کی جس طرح وہ ہے، رؤیت کی نفی ہے کیونکہ یہ انسانوں، فرشتوں یا کسی بھی دوسری مخلوق کے لیے ممکن نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ ''اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔'' یعنی وہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ان کے بارے میں جانتا ہے جیسے وہ ہیں کیونکہ اسی نے تو ان کو پیدا فرمایا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملك 14:67) ''بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔'' کبھی مُبْصِرِین (دیکھنے والوں) کو أَبْصَار سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ سدی نے ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے کوئی چیز نہیں دیکھ سکتی اور وہ تمام مخلوقات کو دیکھتا ہے۔[2] ابوالعالیہ نے ﴿وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ﴿اللَّطِيْفُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کو نکالنے میں باریک بین ہے۔ ﴿الْخَبِيْرُ﴾ اور وہ ان کی جگہ سے باخبر ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَم.

یہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

① صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله عليه السلام: [إن الله لا ينام......]، حديث: 179، البتہ صحیح مسلم میں پہلے [عَمَلُ اللَّيْلِ] کا ذکر ہے جبکہ تفسیر ابن کثیر میں پہلے [عَمَلُ النَّهَار] کا ذکر ہے جو صحيح ابن حبان، الإيمان، باب ما جاء في الصفات: 499/1، حديث: 266 کے مطابق ہے۔ ② تفسير ابن أبي حاتم: 1364/4. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 1364/4.

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ

تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیلیں آ چکی ہیں، چنانچہ جس نے بصیرت سے کام لیا تو اس کے اپنے فائدے کے لیے ہے، اور جو اندھا بنا

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿104﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ

رہا اس کا (وبال) اسی پر ہے۔ اور (کہہ دیجیے) میں تم پر محافظ نہیں ہوں﴿104﴾ اور ہم آیات کو اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (کافر) یہ کہیں کہ

وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿105﴾

تو نے (کسی سے) پڑھ لیا ہے اور جو لوگ علم رکھتے ہیں، ان پر ہم اس (حقیقت) کو واضح کر دیں﴿105﴾

﴿ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾ (لقمٰن 16:31) ''اے میرے (پیارے) بیٹے! اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن نکال لائے گا، کچھ شک نہیں کہ اللہ نہایت باریک بین (اور) باخبر ہے۔''

تفسیر آیات :105,104

روشن دلائل سے کیا مراد ہے؟ ﴿ بَصَآىِٕرُ ﴾ سے مراد وہ روشن دلائل و براہین ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں، نیز جنھیں رسول اللہ ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ ﴿ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ ﴾ ''تو جس نے بصیرت سے کام لیا اس نے اپنا بھلا کیا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ ﴾ (یونس 108:10) ''چنانچہ جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو یقیناً ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو یقیناً گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ ﴾ ''اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنے حق میں برا کیا۔'' یعنی جو ان روشن دلائل و براہین کو دیکھنے سے اندھا بنا رہا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (الحج 46:22) ''پس بے شک (ان کی) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوتے ہیں۔'' ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿104﴾ ﴾ ''اور میں تمھارا نگہبان نہیں ہوں۔'' یعنی میں تمھارا نگہبان اور نگران نہیں ہوں بلکہ میں تو مبلغ ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی جس طرح توحید کے بیان کے سلسلے میں اور اس بارے میں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم نے اس سورت میں دلائل کو بیان کیا ہے، اسی طرح جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے ہم ہر جگہ دلائل و براہین کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ مشرک، کافر اور تکذیب کرنے والے یہ نہ کہیں کہ آپ یہ باتیں اہل کتاب سے سیکھے ہوئے ہیں اور ان سے پڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ [1]

[1] تفسیر الطبری: 398/7.

امام طبرانی نے عمرو بن کیسان سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا: [دَارَسْتَ] کے معنی پڑھنے اور باہم تکرار کرنے کے ہیں۔[1] یہ آیت ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کذب وعناد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴾ (الفرقان 25:4,5) ”اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعیٔ رسالت) نے بنالی ہیں اور اس (کے گھڑنے) میں دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے، چنانچہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے لکھوا رکھا ہے اور وہ صبح وشام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔“

اسی طرح کافروں کے ایک سردار اور کاذب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴾ (المدثر 74:18-25) ”بے شک اس نے فکر کیا اور اندازہ لگایا، یہ مارا جائے! اس نے کیسا انداہ لگایا؟ پھر یہ مارا جائے! اس نے کیسا اندازہ لگایا؟ پھر اس نے دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا، پھر وہ پشت پھیر کر چلا اور (قبولِ حق سے) غرور کیا، پھر کہنے لگا کہ یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو (پہلوں سے) منتقل ہوتا چلا آیا ہے، (پھر بولا) یہ تو (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) صرف بشر کا کلام ہے۔“

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ”اور تا کہ ہم علم والے لوگوں کے لیے اس (حقیقت) کو واضح کر دیں۔“ ہم اس کی ان لوگوں کے لیے وضاحت کر دیں جو حق کو حق جانتے اور اس کی اتباع کرتے ہیں اور باطل کو باطل سمجھتے اور اس سے اجتناب کرتے ہیں اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کارفرما ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کو گمراہ رکھا اور کچھ کے سامنے حق کو اس طرح واضح فرما دیا کہ وہ ہدایت یاب ہو گئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ...... ﴾ الآیة (البقرة 2:26) ”اس سے (اللہ) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے......“ اور فرمایا: ﴿لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الحج 22:53,54) ”غرض (اس سے) یہ ہے کہ جو (وسوسے) شیطان ڈالتا ہے، اللہ اس کو ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعۂ آزمائش ٹھہرائے اور بے شک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں (پڑے) ہیں۔ اور تا کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ بے شک یہ (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، پھر وہ اس پر ایمان لائیں تو ان کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لاتے

[1] المعجم الكبير للطبراني: 137/11 ، حديث: 11283 .

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿106﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

(اے نبی!) آپ اس وحی کی پیروی کریں جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے (نازل) کی جاتی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اور مشرکین کی طرف دھیان نہ

اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿107﴾

دیں﴿106﴾اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے،اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ نہیں بنایا،اور آپ ان کے ذمے دار نہیں﴿107﴾

ہیں،اللہ یقیناً ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔'' اور فرمایا: وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر 31:74) ''اور ہم نے دوزخ کے داروغے فرشتے ہی مقرر کیے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کی ہے (اور یہ) اس لیے کہ اہل کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہل کتاب اور مومن شک نہ کریں اور اس لیے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں) کہیں کہ اس مثال (کے بیان کرنے) سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○ ﴾ (بنی إسرآئیل 82:17) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا پن ہے (گرانی کے سبب) ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ان لوگوں کے لیے کتاب رہنما کے طور پر نازل فرمایا جو اس سے ڈرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہے ہدایت سے فیض یاب فرما دیتا ہے۔

تفسیر آیات:107،106

وحی کی اتباع کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے طریقے کی پیروی کرنے والوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ ﴾ ''جو حکم آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس آتا ہے، اسی کی پیروی کیجیے۔'' یعنی اس کی اقتدا کریں، اس کے نقش قدم پر چلیں اور اسی کے مطابق عمل کریں کیونکہ آپ کے پروردگار کی طرف سے جو وحی

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ

اور مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جنھیں پکارتے ہیں، تم انھیں گالی مت دو، پھر وہ بھی جہالت میں، حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر امت

عَمَلَهُمْ ص ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿108﴾

کے لیے ان کے عمل میں کشش پیدا کر دی ہے، پھر انھیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ انھیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہتے تھے ﴿108﴾

آتی ہے، وہی حق ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ وحی اس ذات گرامی کی طرف سے ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿106﴾﴾ ''اور مشرکوں سے کنارہ کر لیجیے۔'' یعنی انھیں معاف کر دیں، درگزر سے کام لیں اور ان کی تکلیفوں کو برداشت کرتے رہیں حتی کہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو فتح ونصرت سے سرفراز فرما دے اور خوب جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں گمراہ رکھا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت کارفرما ہے ورنہ اگر وہ چاہتا تو تمام کے تمام انسانوں کو ہدایت سے بہرہ ور فرما دیتا۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ط﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔'' بلکہ اسی کی مشیت و حکمت کارفرما ہے، اس چیز کے متعلق جسے وہ چاہتا اور پسند فرماتا ہے۔ اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں جبکہ انسانوں سے ان کے اعمال کی بابت یقیناً باز پرس کی جائے گی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو ان پر نگہبان مقرر نہیں کیا۔'' یعنی آپ ان کے اقوال واعمال کے محافظ نہیں ہیں۔ ﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿107﴾﴾ ''اور نہ آپ ان کے ذمے دار ہیں۔'' یعنی آپ ان کے رزق اور ان کے امور کے نگہبان نہیں ہیں بلکہ آپ کا کام تو ان تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝﴾ (الغاشیۃ 22,21:88) ''چنانچہ آپ نصیحت کرتے رہیں، بے شک آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر داروغے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝﴾ (الرعد 40:13) ''(اے نبی!) آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔''

تفسیر آیت:108

مشرکوں کے معبودوں کو گالی دینے سے روکنے میں حکمت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنوں کو منع فرما دیا ہے کہ وہ مشرکوں کے معبودوں کو گالی نہ دیں۔ اگرچہ انھیں گالی دینے میں مصلحت ہے لیکن اس کے نتیجے میں مفسدت کا پہلو مصلحت سے زیادہ بڑا ہے اور وہ یہ کہ اس طرح مشرکین مومنوں کے معبود حقیقی اللہ وحدہ لاشریک، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، کو گالی دینے لگ جائیں گے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا کہ اے محمد (ﷺ)! تم ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آ جاؤ ورنہ ہم بھی تمھارے رب کو برا کہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے (کیونکہ انھیں برا کہنے کے نتیجے میں) ﴿فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ''پھر وہ بھی جہالت میں حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو گالی دیں گے۔''[1]

[1] تفسیر الطبری: 403/7.

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ لَّیُؤۡمِنُنَّ بِہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ وَ مَا

اور انھوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس (مخصوص) نشانی آجائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے، (اے نبی!) کہہ دیجیے:

یُشۡعِرُکُمۡ ۙ اَنَّہَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿109﴾ وَ نُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَہُمۡ وَ اَبۡصَارَہُمۡ کَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٖۤ اَوَّلَ

نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں، اور تمھیں یہ بات کون سمجھائے کہ بے شک جب وہ نشانی آجائے گی تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿109﴾ اور ہم (اسی طرح)

مَرَّۃٍ وَّ نَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿110﴾ ع

ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیتے ہیں جس طرح یہ پہلی بار اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیں گے ﴿110﴾

عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان کافروں کے بتوں کو برا کہا کرتے تھے تو جواب میں کفار بے ادبی سے اور بے سمجھے اللہ کو برا کہنے لگ جاتے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ﴾ ''اور جن لوگوں کو یہ (مشرک) اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم ان کو برا نہ کہو۔''[1]

زیادہ فساد کے مقابلے میں تھوڑی مصلحت کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے کے قبیل میں سے یہ بھی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَلْعُونٌ مَّنْ سَبَّ (شَيْئًا مِّنْ) وَّالِدَيهِ] ''وہ شخص ملعون ہے جو اپنے والدین کو کچھ بھی برا بھلا کہے۔'' عرض کی گئی کہ ایک شخص کیسے اپنے والدین کو برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ فرمایا: [يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ، فَيَسُبُّ أُمَّهُ] ''(وہ اس طرح کہ) وہ جب کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ جب کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''[2] (یہ حدیث مبارکہ اسی طرح ہے) یا جس طرح آپ نے بیان فرمایا۔

ارشاد الٰہی: ﴿ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ﴾ ''اسی طرح ہم نے ہر ایک امت کے اعمال (ان کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے۔'' یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کے لیے ان کے بتوں کی محبت وحمایت اور ان کی نصرت واعانت کو ان لوگوں کی نظروں میں اچھا کر دکھایا ہے، اسی طرح ہم نے سابقہ تمام گمراہ قوموں میں سے ہر قوم کے لیے اس کے اعمال کو اس کی نظروں میں اچھا کر دکھایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا اور پسند فرماتا ہے، اسی میں اس کی حجت بالغہ اور حکمت تامہ کارفرما ہوتی ہے۔ ﴿ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمۡ مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿108﴾ ﴾ ''پھر ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تب وہ ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔'' یعنی وہ انھیں ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا صلہ دے گا اور اگر برے ہوئے تو بری سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 110,109

[1] تفسیر عبدالرزاق: 61/2، رقم: 840۔ [2] ابتدائی حصہ المستدرك للحاكم، الحدود: 356/4، حديث: 8053 عن أبي هريرة ؓ کے مطابق ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے جبکہ اسے مسند أحمد: 217/1 عن ابن عباس ؓ کی تائید حاصل ہے۔ اور اس کا سیاق بھی مختلف ہے۔ اور آخری حصہ صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 90 عن عبدالله بن عمرو ابن العاص ؓ کے مطابق ہے۔ اور دیکھیے صحيح البخاري، الأدب، باب: لا يسب الرجل والديه، حديث: 5973۔

معجزات کا مطالبہ اور ان کے ظہور پر ایمان لانے کی قسمیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی بڑی پکی قسمیں کھائیں ﴿ لَىِٕنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ﴾ ''کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے۔'' یعنی کوئی معجزہ اور خرقِ عادت بات ﴿ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ﴾ ''تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔'' یعنی اس کی ضرور تصدیق کریں گے۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ہٹ دھرمی، کفر اور عناد کے باعث نہ کہ ہدایت و رہنمائی کے حصول کے لیے آپ سے نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ تمام نشانیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اگر وہ چاہے تو انھیں تمھارے پاس لے آئے اور اگر نہ چاہے تو نہ لائے۔

ارشاد الٰہی: ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور تمھیں کیا معلوم کہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ﴾ ''اور تمھیں کیا معلوم ہے؟'' کے مخاطب مشرک ہیں، مجاہد نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[1] گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ فرمایا ہے کہ تمھیں کیا معلوم کہ تم اپنی ان قسموں کے بارے میں سچے بھی ہو؟ اس صورت میں ﴿ اَنَّهَآ ﴾ کے ہمزہ کو کسرہ کے ساتھ، یعنی [إِنَّها] پڑھا جائے گا اور یہ جملہ مستانفہ ہوگا، یعنی [إِنَّها إِذَا جاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ] کہ جن نشانیوں کو انھوں نے طلب کیا ہے، ان کے آنے پر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب مومن ہیں، یعنی مومنو! تمھیں کیا معلوم؟ اس صورت میں ﴿ اَنَّهَآ ﴾ کے ہمزہ کو مکسور پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ پہلی قراءت میں ہے اور اسے مفتوح پڑھنا بھی جائز ہے کہ اس صورت میں یہ ﴿ يُشْعِرُكُمْ ﴾ کا معمول ہے، نیز اس صورت میں ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ میں ﴿ لَا ﴾ صلہ، یعنی زائد اور بے معنی ہوگا جیسا کہ ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ (الأعراف 12:7) اور ﴿ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ (الأنبيآء 95:21) میں ﴿ لَا ﴾ زائد ہے، یعنی تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا جبکہ میں نے تجھے یہ حکم دیا تھا۔ اور (دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ) یہ بات حرام ہے کہ وہ دوبارہ واپس آئیں گے۔ اس آیت میں مقدر عبارت گویا اس طرح ہے: ''اے مومنو! جو مشرکوں کے لیے نشانیوں کے آجانے کو پسند کرتے ہو تاکہ نشانیوں کو دیکھ کر وہ ایمان لے آئیں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ ان کے پاس نشانیاں آجائیں تو وہ ایمان لے آئیں گے۔''

اور ارشاد الٰہی: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے جب اس قرآن مجید کا انکار کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا تو اس کے بعد ان کے دل کسی بھی چیز پر ثابت نہ رہے بلکہ ہر چیز سے پھر گئے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس ارشاد الٰہی: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ

[1] تفسير الطبري:407/7. [2] تفسير الطبري:410/7.

﴿ وَاَبْصَارَهُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو جائیں گے اور ان کے پاس اگر تمام نشانیاں بھی آ جائیں تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ ہم پہلی مرتبہ ان کے اور ایمان کے درمیان حائل تھے۔① عکرمہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اس آیت کی تفسیر کے بارے میں یہی فرمایا ہے۔②

ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ اس آیت میں بندوں کے کہنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا ہے کہ وہ کیا کہیں گے اور ان کے عمل کرنے سے پہلے ہی یہ بتا دیا ہے کہ وہ کیا عمل کریں گے کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ ﴾ (فاطر14:35) ''اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (الزمر39:56-58) ''کہ (مبادا اس وقت) کوئی متنفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس کوتاہی پر افسوس! جو میں نے اللہ کے حق (اطاعت) میں کی اور بلاشبہ میں تو ہنسی ہی کرتا رہا یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ کاش! مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں۔'' مگر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر انھیں دنیا میں ایک دفعہ اور لوٹا بھی دیا جائے تو یہ پھر بھی ہدایت کو قبول نہیں کریں گے۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام6:28) ''اور اگر وہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہ پھر کرنے لگیں اور کچھ شک نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے وہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' یعنی اگر یہ دنیا میں ایک بار پھر لوٹا بھی دیے جائیں تو ہم پھر ان کے اور ہدایت کے مابین اسی طرح حائل ہو جائیں گے جیسا کہ پہلی بار دنیا میں حائل ہوئے تھے۔③

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی فرماتے ہیں کہ سرکشی سے مراد کفر ہے۔④ جبکہ ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ کا قول ہے کہ سرکشی سے مراد ان کی ضلالت اور گمراہی ہے۔⑤ اعمش فرماتے ہیں کہ ﴿ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ کھیلتے رہیں۔⑥ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابوالعالیہ، ربیع اور ابو مالک وغیرہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے کفر میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔⑦

---

① تفسیر الطبری:410/7 وتفسیر ابن أبی حاتم:1369/4 . ② تفسیر الطبری:410/7 . ③ تفسیر الطبری:410/7 .
④ تفسیر ابن أبی حاتم:1369/4. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:1370/4. ⑥ تفسیرابن أبی حاتم:1370/4. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم:1370/4.

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا

اور اگر بے شک ہم ان کی طرف فرشتے نازل کرتے اور ان سے مردے کلام کرتے ، اور ہم (ان کی) ہر (مطلوبہ) شے ان کے سامنے پیش کر دیتے ، تو بھی

مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿111﴾

وہ ایمان نہ لاتے۔ہاں اگر اللہ ایسا چاہتا (تو اور بات تھی) لیکن ان میں سے اکثر جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں ﴿111﴾

تفسیر آیت: 111

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم ان لوگوں کے سوال کو پورا کر دیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بڑی پختہ پختہ قسمیں کھا کر کہا ہے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے اور ہم ان پر فرشتے اتار دیں جو رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ملنے والی رسالت کے بارے میں خبر دیں جیسا کہ انھوں نے اس کا سوال کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝﴾ (بنی إسرآئيل 17:92) ”یا اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آئیں۔“ اور کہا: ﴿ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ﴾ (الأنعام 6:124) ”کہتے ہیں کہ جس طرح کی رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے، جب تک اسی طرح کی رسالت ہم کو نہ ملے، ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝﴾ (الفرقان 25:21) ”اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھتے؟ بلاشبہ یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔“

﴿ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى ﴾ ”اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے۔“ اور رسولوں کے لائے ہوئے دین و شریعت کی صداقت کے بارے میں انھیں بتاتے۔ ﴿ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا ﴾ ”اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کرتے۔“ بعض اہل علم نے اسے [قِبَلًا] قاف کے کسرہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے مقابلہ سے مشتق اور معاینہ کے معنی میں قرار دیا ہے۔ بعض نے اسے قاف اور باء دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس صورت میں بھی یہ مقابلہ و معاینہ ہی کے معنی میں ہوگا جیسا کہ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1] امام قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فوج در فوج اور غول کے غول۔[3]

یعنی اگر ان کے پاس باری باری ہر امت کو پیش کیا جائے اور وہ انھیں بتائے کہ اللہ کے رسول جس دین و شریعت کو لے کر آئے ہیں وہ سچا ہے ﴿ مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ ”تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ۔“ یعنی ہدایت سے نوازنا اللہ کے اختیار میں ہے، ان کے اپنے بس میں نہیں ہے بلکہ اللہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، وہ جو چاہے اسے کر گزرتا ہے، ﴿ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝﴾ (الأنبيآء 21:23) ”وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔“ اللہ تعالیٰ جو بھی کرتا ہے، وہ اس کے علم و

[1] تفسير الطبرى: 8/4 . [2] تفسير الطبرى: 8/5 . [3] تفسير الطبرى: 8/5 .

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى

اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین، ہر نبی کے دشمن بنائے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا

بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾

ہے تا کہ اسے دھوکے میں رکھے۔ اور (اے نبی!) اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے۔ چنانچہ آپ ان لوگوں کو، اور جو کچھ یہ جھوٹ گھڑ رہے ہیں،

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا

اس کو رہنے دیجیے ﴿112﴾ اور تا کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل اس جھوٹ کی طرف مائل ہو جائیں، اور وہ اس (جھوٹ) کو پسند کرتے

مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾

رہیں، اور وہ جو (برے کام) کر رہے ہیں وہ کرتے رہیں ﴿113﴾

حکمت، اس کی قوت اور اس کے غلبہ وتسلط کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96,97) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذابِ الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔''

تفسیر آیات: 113,112

ہر نبی کا دشمن ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جس طرح ہم نے آپ کے دشمن بنا دیے ہیں جو آپ کی مخالفت کرتے، آپ سے دشمنی رکھتے اور عناد سے کام لیتے ہیں، اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے بھی ہر ہر نبی کے لیے دشمن بنا دیے تھے، اس لیے ان دشمنوں کی وجہ سے غم نہ کھائیں جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا ﴾ (الأنعام 6:34) ''اور بے شک آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذاء پر صبر کرتے رہے۔''

اور فرمایا: ﴿ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:43) ''آپ سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے دوسرے پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک آپ کا پروردگار بخش دینے والا بھی ہے اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ (الفرقان 25:31) ''اور اسی طرح ہم نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا۔''

ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی تھی کہ جس طرح کا دین آپ لے کر آئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا جو پیغمبر بھی اس طرح کا دین لے کر آیا تو اس سے دشمنی کی گئی۔[1] آیتِ کریمہ میں ﴿ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ ﴾ بدل ہے ﴿ عَدُوًّا ﴾

[1] ماخوذ از صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 3 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ، حدیث: 160.

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

(کہہ دیجیے:) کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی اور حاکم تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمھاری طرف یہ کتاب تفصیل سے نازل کی، اور جن لوگوں کو ہم نے

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿114﴾ وَتَمَّتْ

کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوں﴿114﴾

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿115﴾

اور آپ کے رب کی بات صدق اور عدل میں مکمل ہے، اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿115﴾

سے، یعنی شیاطین سیرت جنوں اور انسانوں سے ان کے دشمن تھے اور ہر وہ شیطان ہے جو شر کے ساتھ اپنے جیسے کو دین سے دور کردے اور رسولوں کے دشمن اسی قسم کے شیاطین انس وجن ہی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے۔

امام عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ جنوں میں سے بھی شیاطین ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی جو ایک دوسرے کے دل میں باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ ''وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔'' یعنی وہ ایک دوسرے کے دل میں ایسی مزین اور ملمع باتیں ڈالتے تھے کہ جاہل جنھیں سن کر فریب خوردہ ہو جایا کرتے تھے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔'' یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قضا وقدر اور اس کے مشیت وارادے سے ہے کہ ہر ایک نبی کے لیے ان لوگوں میں سے اس کا کوئی دشمن بھی ہو ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿112﴾﴾ ''چنانچہ آپ انھیں اور جو کچھ یہ افتراء کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔'' یعنی انھیں اور ان کے جھوٹ کو چھوڑ دیں اور ان کی عداوت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی پر توکل کریں کیونکہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی آپ کو کافی ہے اور وہ آپ کا حامی وناصر ہے۔

فرمایا: ﴿وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ﴾ ''اور تاکہ اس کی طرف مائل ہوں'' یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیے ہیں۔[2] ﴿اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' یعنی ان کے دل، ان کی عقلیں اور ان کے کان آخرت پر یقین نہیں رکھتے، سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد کافروں کے دل ہیں۔ ﴿وَلِيَرْضَوْهُ﴾ ''اور تاکہ وہ راضی ہوں اس (جھوٹ) سے۔'' یعنی وہ اسے پسند کریں اور اسے چاہیں اور ایسا وہی کرسکتا ہے جس کا آخرت پر ایمان نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:161-163) ''(اے مشرکو!) بے شک تم اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے خلاف بہکا نہیں سکتے مگر اسی کو جو جہنم میں جانے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ؕ﴾ (الذّٰریٰت 51:8,9) ''یقیناً تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو، اس (ایمان) سے وہی پھیرا جاتا ہے جو (بھلائی سے) پھیرا گیا۔''

ارشاد الٰہی: ﴿وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿113﴾﴾ ''اور جو کام وہ کرتے تھے، وہی کرنے لگیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے تو

[1] تفسیر عبدالرزاق:2/62، رقم:846. [2] تفسیر الطبری:8/10. [3] تفسیر الطبری:8/11.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جو کمائی وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ اور سدی اور ابن زید نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جو کام وہ کرتے تھے، وہی کرنے لگیں۔ ①

تفسیر آیات: 115,114

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں سے کہہ دیں: ﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں؟'' جو میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ کرے۔ ﴿ وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''حالانکہ اس نے تمھاری طرف واضح کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے'' یعنی یہود ونصاریٰ ﴿ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ ''وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے۔'' کیونکہ ان کے پاس سابقہ انبیاء کی طرف سے آپ کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں۔

﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ ﴾ ''لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿ۙ۹۴﴾ ﴾ (یونس 94:10) ''پھر اگر آپ کو اس (کتاب کے) بارے میں جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے کچھ شک ہے تو جو لوگ آپ سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لیں۔ یقیناً آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ کے پاس حق آ چکا ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔'' یہ شرط ہے اور شرط کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ وہ واقعی وقوع پذیر بھی ہوگی۔

ارشاد الٰہی: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں قول کے اعتبار سے سچی اور حکم کے اعتبار سے انصاف پر مبنی ہیں۔ ② یعنی خبر دینے کے اعتبار سے سچی اور حکم کے اعتبار سے انصاف پر مبنی ہیں۔ جو بھی خبر دی ہے وہ اس قدر حق اور سچ ہے کہ اس میں ذرہ بھر بھی شک وشبہ نہیں ہے جو حکم دیا ہے وہ اس قدر مبنی بر عدل وانصاف ہے کہ اس سے بڑھ کر عدل وانصاف کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا جس سے اس نے منع فرمایا ہے، وہ باطل ہے کہ وہ باطل اور فاسد چیزوں ہی سے منع فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الأعراف 157:7) ''وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔''

﴿ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ﴾ ''اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔'' یعنی اس کے حکم کو کوئی بھی دنیا یا آخرت میں ٹال نہیں سکتا۔ ﴿ وَهُوَ السَّمِيْعُ ﴾ ''اور وہ سنتا ہے۔'' اپنے بندوں کے اقوال کو ﴿ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ ﴾ ''اور جانتا ہے۔'' ان کی تمام حرکات و

① تفسیر الطبری: 11/8. ② تفسیر الطبری: 13/8.

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

اور اگر آپ اہلِ زمین کی اکثریت کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے، وہ اپنے گمان کے سوا کسی بات کی پیروی نہیں کرتے، اور

الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ

وہ اٹکل پچو باتیں ہی کرتے ہیں﴿116﴾ بے شک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکتا ہے، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾

جانتا ہے﴿117﴾

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿118﴾ وَمَا لَكُمْ

چنانچہ تم اس (جانور) کا گوشت کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو، اگر تم اس کی آیات پر ایمان لانے والے ہو﴿118﴾ اور تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (حلال

اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

جانور) کا گوشت نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام پڑھا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان (سب جانوروں) کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کیے

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

ہیں، مگر جسے تم کھانے پر مجبور ہو جاؤ (تو وہ بھی حلال ہیں) اور بے شک اکثر لوگ اپنی خواہشات سے، بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے ہیں۔ بے شک آپ کا

اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿119﴾

رب حد سے گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے﴿119﴾

سکنات کو، پھر ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

تفسیر آیات: 117,116

اکثر لوگ گمراہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ روئے زمین کے اکثر لوگ گمراہ ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 71:37) ''اور بلاشبہ ان سے پیشتر بہت سے پہلے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی گو آپ (کتنی ہی) خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' وہ گمراہی میں مبتلا ہیں، دولتِ یقین سے محروم ہیں اور ظنونِ کاذبہ اور باطل خیالات رکھتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿116﴾ ﴾ ''یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔'' خرص کے معنی اندازہ لگانے کے ہیں، اسی سے [خَرَصَ النَّخلَ] کا محاورہ ہے جس کے معنی کھجور کے درخت پر لگے ہوئے پھل کے وزن کا اندازہ لگانے کے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے مطابق ہے۔

﴿ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ﴾ ''وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔'' اور وہ ان کے لیے اسے آسان بنا دیتا ہے۔ ﴿ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿117﴾ ﴾ ''اور ان سے بھی خوب واقف ہے، جو رستے پر چل رہے ہیں۔'' اور ان کے لیے اسے آسان بنا دیا ہے اور ہر ایک کے لیے اسے آسان بنا دیتا ہے، جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم کھلے اور چھپے گناہ چھوڑ دو، بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کو ان (عملوں) کی جلد سزا ملے گی جو وہ کرتے رہے ہیں ﴿۱۲۰﴾

تفسیر آیات:119,118

اللہ تعالیٰ کے نام کا ذبیحہ حلال ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے اس بات کو جائز قرار دیا ہے کہ وہ ان جانوروں کو کھا سکتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ ان جانوروں کو کھانا حلال نہیں ہے جن پر اس کا نام نہ لیا گیا ہو جیسا کہ کفار قریش مردہ جانوروں کے کھانے، نیز بتوں کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے کھانے کو بھی حلال سمجھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے جانور کے کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو: ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور سبب کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ، حالانکہ جو چیزیں اس نے تمھارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں۔'' یعنی جن چیزوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے، انھیں خوب واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ ﴿فَصَّلَ﴾ کو تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں صورتوں میں معنی بیان کرنے اور واضح کرنے ہی کے ہیں۔ ﴿اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ ''مگر اس صورت میں کہ تم ان کے (کھانے کے) لیے ناچار ہو جاؤ۔'' یعنی اضطراری حالت میں جو بھی مل جائے اسے کھانا حلال ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی جہالت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی فاسد رائے کے مطابق مردہ اور ان جانوروں کو کھانا بھی جائز سمجھتے ہیں جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، فرمایا: ﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اور بے شک اکثر لوگ بے سمجھے بوجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگوں کو جو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حدود سے باہر نکل جاتے ہیں، آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ ان کی سرکشی، کذب اور افتراء پردازی کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیت:120

﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ﴾ ''اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہری اور پوشیدہ طور پر کیا جانے والا معصیت کا کام ہے۔[1] جبکہ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ظاہری اور پوشیدہ طور پر کیا جانے والا گناہ کا کام ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الأعراف 33:7) ''کہہ دیجیے کہ بے شک میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام قرار دیا ہے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''بے شک جو

[1] تفسير الطبرى:19/8. [2] تفسير الطبرى:19/8.

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى

اور تم اس (جانور) کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا گیا ہو، کیونکہ یہ (کھانا) یقیناً نافرمانی ہے، اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے ذہنوں

اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾

میں شبہے ڈالتے ہیں، تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم بھی ضرور مشرک ہو گے ﴿121﴾

لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔'' گناہ کا ارتکاب، خواہ وہ ظاہری طور پر کریں یا پوشیدہ، یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی جزا ضرور دے گا۔ امام ابن ابوحاتم نے نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ] ''گناہ وہ ہے جو تمھارے سینے میں کھٹکے اور تم لوگوں کے اس سے باخبر ہونے کو ناپسند کرو۔''[1]

تفسیر آیت: 121

اللہ کے نام کے بغیر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے: اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر ذبیحے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو وہ حلال نہیں ہے، خواہ ذبح کرنے والے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، نیز حسب ذیل آیتِ شکار سے بھی یہی استدلال کیا گیا ہے: ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪﴾ (المآئدۃ 4:5) ''جو شکار وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں، اس کو کھا لیا کرو اور (شکاری جانوروں کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لے لیا کرو۔'' پھر اس کی حرمت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ﴾ ''اور یقیناً اس کا کھانا گناہ ہے۔'' ایک قول کے مطابق اس ضمیر کا مرجع کھانا ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس کا مرجع غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔

وہ احادیث جن میں ذبیحہ (ذبح کرنے) اور شکار کے وقت اللہ کا نام لینے کا حکم ہے، ان سے بھی یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو تو پھر ذبیحے کو کھانا حلال نہیں ہے، مثلاً: عدی بن حاتم اور ابوثعلبہ سے مروی حدیث میں ہے: [إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ ، وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فَكُلْ (مَا أَمْسَكَ عَلَيْكَ)] ''جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو اور اس پر اللہ کا نام لے لو تو اسے کھا لو جو تمھارے لیے روکے۔'' یہ حدیثیں صحیحین میں ہیں۔[2] رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: [مَا أَنْهَرَ الدَّمَ ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوْهُ] ''جو آلہ خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھا لو۔'' یہ حدیث بھی صحیحین میں ہے۔[3] حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے فرمایا تھا: [لَكُمْ

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة ، باب تفسير البر والصلة، حديث:2553 و تفسير ابن أبي حاتم:1378/4. [2] صحيح البخاري ، الذبائح والصيد، باب الصيد إذا غاب عنه يومين أو ثلاثة، حديث:5484 و حديث:5488 و صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، حديث:1929 و حديث:1930، البتہ قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء في الكلب يأكل من الصيد، حديث:1470 کے ہیں۔ [3] صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، حديث:2488 و صحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم......، حديث:1968 .

كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ] ''تمھارے لیے ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔'' اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے[1] اور جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى] ، [وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ ذَبَحَ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ بِسْمِ اللّٰهِ] ''جو شخص نماز سے پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کر لے تو وہ اس کی جگہ ایک اور جانور ذبح کرے اور جو نماز ادا کرنے تک ذبح نہ کرے تو وہ اللہ کے نام سے اسے ذبح کرے۔'' اسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔[2]

شیطان کی وحی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾ ''اور بے شک شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔'' امام ابن ابوحاتم نے ابواسحاق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مختار کا خیال ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے تو انھوں نے جواب دیا: ہاں، وہ صحیح کہتا ہے، پھر انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ ﴾.[3]

ابوزمیل سے روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہا کہ ابواسحاق مختار بن ابوعبید، جس نے حج بھی کیا تھا، نے کہا ہے کہ آج رات اس پر وحی نازل ہوئی ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ سچ کہتا ہے، مجھے اس سے تعجب ہوا اور میں نے عرض کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس نے سچ کہا ہے! انھوں نے فرمایا: ہاں، اس لیے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں: (1) اللہ کی طرف سے وحی اور (2) شیطان کی طرف سے وحی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجتا ہے اور شیطان اپنے رفیقوں کی طرف وحی بھیجتا ہے، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ ﴾[4] قبل ازیں ﴿ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ کی تفسیر میں حضرت عکرمہ سے بھی مروی اسی طرح کا قول بیان کیا جا چکا ہے۔[5]

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ﴾ ''اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا یقیناً گناہ ہے اور بے شک شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ جن جانوروں کو تم نے خود قتل کیا ہے، انھیں تو کھا لیتے ہو مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے، انھیں تم نہیں کھاتے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جس کو تم نے قتل کیا، اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اور جو جانور خود مر گیا ہے، اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔[6]

---

① صحیح مسلم، الصلاۃ، باب الجهر بالقراءۃ في الصبح والقراءۃ على الجن، حدیث: 450. ② ابتدائی حصہ صحیح البخاري، التوحید، باب السؤال بأسماء الله تعالى والاستعاذة بها، حدیث: 7400 وصحیح مسلم، الأضاحي، باب وقتها، حدیث: (1)-1960 اور آخری حصہ مسند أحمد: 312/4 کے مطابق ہے۔ ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 1379/4. ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 1379/4. ⑤ دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر، سورۃ الأنعام، آیت: 112 کے ذیل میں۔ ⑥ تفسیر ابن أبي حاتم: 1380/4.

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ

کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا، اور ہم نے اس کے لیے نور بنا دیا، وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے، (کیا) وہ اس شخص

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ

جیسا (ہوسکتا) ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے، ان سے نکلنے والا نہیں؟ اسی طرح کافروں کے لیے ان کاموں میں کشش رکھی گئی ہے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿122﴾

جو وہ کرتے ہیں ﴿122﴾

سدی نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ تم یہ کیسے دعویٰ کر سکتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار ہو کیونکہ جس جانور کو اللہ قتل کر دے تم اسے کھاتے نہیں ہو اور جس کو خود ذبح کرتے ہو تو اسے کھا لیتے ہو؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے'' اور مردار کو کھا لیا تو ﴿ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ ''بے شک تم بھی ضرور مشرک ہو گے۔'' مجاہد، ضحاک اور کئی ایک دیگر علمائے سلف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

اللہ کی شریعت سے کسی کے قول کو مقدم قرار دینا شرک ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ ''اور اگر تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے۔'' اگر تم نے اللہ کے حکم اور شریعت سے روگردانی کرتے ہوئے کسی اور کے قول کو اس سے مقدم قرار دے دیا تو یہ بھی شرک ہے جیسا کہ فرمایا: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبۃ9:31) ''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔'' اس آیت کی تفسیر میں امام ترمذی نے عدی بن حاتم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بَلٰى! إِنَّهُمْ أَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ وَحَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ، فَاتَّبَعُوهُمْ فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ] ''کیوں نہیں! وہ (علماء) ان کے لیے (کسی چیز) کو حرام کرتے اور حلال کرتے تو وہ (عوام) اس پر ان کی پیروی کرتے تو یہی ان کو معبود بنانا ہے۔''[2]

تفسیر آیت:122

کافر اور مومن کی مثال: یہ مثال اللہ تعالیٰ نے اس مومن کی بیان فرمائی ہے جو پہلے مردہ تھا اور ضلالت و گمراہی میں تباہ و برباد اور حیران ہو رہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ایمان کے ساتھ زندہ کر دیا، اسے ہدایت سے نوازا اور پیغمبروں کی اتباع کی توفیق بخشی ﴿ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ ''اور ہم نے اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔'' یعنی وہ راہِ ہدایت پر ہے اور جانتا ہے کہ راہِ راست پر کس طرح چلے اور کس طرح تصرف کرے۔ اس

[1] تفسیر الطبری:8/25 . [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث:3095 میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: [أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ] ''وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کر دیتے وہ اسے حلال سمجھتے اور جب کسی چیز کو ان پر حرام کر دیتے وہ اسے اپنے اوپر حرام کر لیتے۔'' لیکن حافظ ابن کثیر ؒ کے بیان کردہ الفاظ اسی ترتیب سے ہمیں نہیں ملے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

آیتِ کریمہ میں نور سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ عوفی اور ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1] سدی کہتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام ہے۔[2] اور یہ دونوں معنی ہی صحیح ہیں۔

﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ ﴾ ''(کہیں) اس شخص جیسا (ہوسکتا) ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہو؟'' یعنی جہالتوں، خواہشوں اور مختلف ضلالتوں میں پڑا ہو۔ ﴿ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ ''اور وہ اس سے نکل ہی نہ سکے۔'' یعنی ان ظلمتوں اور ضلالتوں سے نکلنے کے لیے اس کے پاس کوئی راستہ ہی نہ ہو۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِي ظُلْمَةٍ، ثُمَّ (أَلْقٰى) عَلَيْهِمْ مِّنْ نُّورِهٖ يَوْمَئِذٍ، فَمَنْ أَصَابَهٗ مِنْ نُّورِهٖ يَوْمَئِذٍ اهْتَدٰى، وَمَنْ أَخْطَأَهٗ ضَلَّ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا فرمایا، پھر ان پر اس دن اپنے نور کو ڈالا جس پر اس دن نور الٰہی (کا اثر) پہنچا وہ ہدایت یاب ہوگیا اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہ ہوگیا۔''[3] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:257) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کا دوست اللہ ہے کہ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الملك 67:22) ''بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر پڑتا ہے وہ سیدھے رستے پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر برابر چل رہا ہو؟'' اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (هود 11:24) ''دونوں فرقوں (کافر و مومن) کی مثال ایسے ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور ایک دیکھتا اور سنتا، بھلا دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے؟ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ ﴾ (فاطر 35:19-23) ''اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہوسکتے ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔''

اس موضوع کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ یہاں روشنی اور اندھیرے دونوں مثالوں کو بیان کرنے میں وجہ مناسبت وہی ہے جو اس سورت کے آغاز میں ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ﴾ (الأنعام 6:1) کی تفسیر میں بیان کی جاچکی ہے۔

[1] تفسير الطبري: 31/8. [2] تفسير الطبري: 31/8. [3] مسند أحمد: 176/2 تفسیر ابن کثیر میں (أَلْقٰى) کے بجائے [رَشَّ] ''چھڑکا'' ہے جو کہ کتب احادیث میں ہمیں اس مقام پر نہیں ملا۔ واللہ أعلم.

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو لگا دیا کہ وہ اس (بستی) میں اپنے مکر وفریب کا جال پھیلائیں، اور وہ اپنے آپ ہی سے

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿123﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ

مکر وفریب کرتے ہیں، اور وہ شعور نہیں رکھتے ﴿123﴾ اور جب ان کے پاس نشانی آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ ایسی ہی چیز

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

خود ہمیں دی جائے جیسی رسولوں کو دی گئی۔ اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔ جن لوگوں نے جرم کیے انھیں جلد ہی اللہ کے

شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿124﴾

ہاں ذلت ملے گی، اور اس مکر وفریب کی وجہ سے شدید عذاب ہوگا جو وہ کرتے رہے ﴿124﴾

ارشاد الٰہی ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ ''اسی طرح کافر جو عمل کر رہے ہیں، وہ ان کے لیے مزین کر دیے گئے ہیں۔'' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور حکمت بالغہ ہے کہ جہالت وضلالت کے باوجود انھیں اپنے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ.

تفسیر آیات: 124,123

بڑے مجرم، ان کی حیلہ سازیاں اور انجام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جس طرح آپ کی بستی میں ہم نے یہ بڑے بڑے مجرم بنائے ہیں جو کفر کے سرغنہ اور کفر کی طرف دعوت دینے والے، اللہ کے رستے میں رکاوٹ بننے والے اور آپ کی مخالفت وعداوت کرنے والے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے کے رسولوں کو بھی اسی طرح کے مجرموں کی مخالفتوں اور دشمنیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن انجام کار عافیت اور فتح ونصرت انبیاء ہی کو حاصل ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ ﴾ (الفرقان 31:25) ''اور اسی طرح ہم نے گناہ گاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا ﴾ (بنی إسرآئیل 16:17) ''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔'' اس آیت کریمہ کے مفہوم کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے انھیں اپنی اطاعت کا حکم دیا مگر انھوں نے مخالفت کی تو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں حکم سے مراد قدری حکم ہے جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ﴾ ''تاکہ وہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں۔'' اور ﴿ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ﴾ ''بڑے بڑے مجرم (پیدا کیے) تاکہ ان (بستیوں) میں مکاریاں کرتے رہیں۔'' کے بارے میں ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نے ان پر شریر لوگوں کو مسلط کر دیا اور انھوں نے نافرمانیاں شروع کر دیں تو ہم نے انھیں اپنے عذاب کی گرفت میں لے کر تباہ وبرباد کر دیا۔[1] مجاہد وقتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ میں اکابر سے مراد بڑے لوگ ہیں۔[2]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1383/4. [2] تفسیر الطبري: 33/8.

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ ﴾ (سبا34:34,35) ”اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم بے شک اس کے ساتھ انکار کرتے ہیں اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سا مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف43:23) ”اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔“ مکر سے یہاں مراد ملمع قول وفعل کے ساتھ ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دینا ہے جیسا کہ قوم نوح کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾ (نوح71:22) ”اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔“

اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ﴾ (سبا34:31-33) ”اور (اے نبی!) کاش! (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ردّ وکد کر رہے ہوں گے تو جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔ بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی، روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔“

ابن ابوحاتم نے اپنے والد گرامی امام ابوحاتم سے اور انھوں نے ابن ابوعمر کے حوالے سے سفیان سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ جہاں بھی مکر کا لفظ آیا ہے، عمل کے معنی میں ہے۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ﴾ ”اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں ان کا نقصان انھیں کو ہے اور وہ بے خبر ہیں۔“ ان کے مکر کا وبال اور جن لوگوں کو انھوں نے گمراہ کیا ہے، ان کی گمراہی کا بوجھ انھی پر ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ﴾ (العنکبوت29:13) ”اور ضرور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ○ ﴾ (النحل16:25) ”اور جن کو یہ بغیر علم کے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1383/4.

گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے) سن رکھو کہ جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں، برے ہیں۔‘‘

ارشادِ الٰہی: ﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ ’’اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس طرح کی رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے، جب تک اسی طرح کی رسالت ہم کو نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘ یعنی جب ان کے پاس کوئی نشانی، کوئی برہان اور کوئی قطعی دلیل آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک فرشتے ہمارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت لے کر نہیں آجاتے جس طرح وہ رسولوں کی طرف رسالت اور نبوت لے کر آتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ بھی فرمایا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ﴾ (الفرقان 21:25) ’’اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔‘‘

ارشادِ الٰہی: ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ ’’اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔‘‘ وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ رسالت کسے عطا فرمائے اور مخلوق میں سے کون اس کے لیے زیادہ موزوں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ (الزخرف 43:31,32) ’’اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکے اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ کیا یہ لوگ آپ کے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟‘‘ یعنی انھوں نے کہا کہ یہ قرآن مجید کسی ایسے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا جو ان کی نظروں میں بہت عظیم، کبیر، جلیل اور بڑا آدمی ہو۔ اور دو بستیوں سے مراد مکہ و طائف ہیں۔ یہ لوگ۔ اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل و رسوا کرے۔ بغاوت، حسد، عناد اور تکبر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو کم مرتبہ انسان سمجھتے تھے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:41) ’’اور یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبیاء 21:36) ’’اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے استہزاء کرتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر (اہانت سے) کرتا ہے؟ جبکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:10، الأنبیاء 21:41) ’’اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، پھر جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آ گھیرا۔‘‘

کفار رسولِ اکرم ﷺ کے نسب کی بلندی کے معترف تھے: اس کے ساتھ ساتھ کفار رسول اللہ ﷺ کے فضل و شرف، علوِ نسب اور آپ کے گھرانے کی پاکیزگی اور تربیت و نشأت کی عمدگی کے بھی معترف تھے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور

مومنوں کا آپ ﷺ کی ذات گرامی پر درود ہو۔حتی کہ آپ پر وحی کے نازل ہونے سے پہلے یہ لوگ آپ کو امین کے نام سے موسوم کرتے تھے، آپ کے نسب کی بلندی کا رئیسِ کفار ابوسفیان نے بھی اس وقت اعتراف کیا تھا جب ہرقل نے یہ پوچھا تھا کہ اس کا نسب تم میں کیسا ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ان کا نسب ہم میں بہت بلند ہے۔ ہرقل نے پوچھا: اس بات کا دعویٰ کرنے سے پہلے کبھی تم نے اس پر جھوٹ کا الزام لگایا؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں......الحدیث،[1] شاہِ روم نے آپ کی صفات کی پاکیزگی ہی سے آپ کی نبوت کی صداقت اور آپ کے پیغام کی درستی پر استدلال کیا تھا۔

امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰی مِنْ وَّلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَّاصْطَفٰی مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَّاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم میں سے اسماعیل کو برگزیدہ کیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنو کنانہ کا انتخاب کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو ممتاز کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔''[2] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3] صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: [بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا، حَتّٰی (بُعِثْتُ) مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ] ''مجھے ایک ایک صدی کر کے بنی آدم کی بہترین صدیوں میں سے مبعوث کیا گیا حتی کہ میری بعثت اس صدی میں ہوئی جس میں میں ہوں۔''[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ ''جو لوگ جرم کرتے ہیں ان کو اللہ کے ہاں ذلت اور عذاب شدید ہوگا۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سرزنش اور بہت شدید وعید ہے ان لوگوں کے لیے جو تکبر کا اظہار کرتے ہوئے رسولوں کی اتباع نہ کریں اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے سامنے سر اطاعت نہ جھکائیں کہ روزِ قیامت انھیں اللہ تعالیٰ کے سامنے دائمی ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑے۔ دنیا میں انھوں نے تکبر کو اختیار کیا تھا، اس لیے سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ آخرت میں انھیں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (المؤمن 60:40) ''بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' یعنی ذلیل و خوار، رسوا اور حقیر ہو کر جہنم رسید ہوں گے۔

اور ارشاد باری ہے: ﴿وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ﴾ ''اور عذاب شدید ہوگا، اس لیے کہ مکاریاں کرتے تھے۔'' مکر و فریب اکثر و بیشتر صورتوں میں مخفی ہوتا ہے اور حیلہ سازی و دھوکا بازی میں بہت لطیف پیرایہ اختیار کیا جاتا ہے، اس لیے اس کے مناسب حال سزا کے طور پر روزِ قیامت شدید عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کسی پر قطعاً کوئی ظلم نہیں فرمائے گا

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ......، حديث: 7 مفصلاً. وصحيح مسلم، الجهاد، باب كتب النبيﷺ إلى هرقل......، حديث: 1773. [2] مسند أحمد: 107/4. [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ ......، حديث: 2276. [4] صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبيﷺ، حديث: 3557 لیکن صحیح بخاری میں [حَتّٰی كُنْتُ] ہے جبکہ [حتى بعثت] مسند أحمد: 416/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ

چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ آسمان

ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿125﴾

میں چڑھ رہا ہو، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی (مسلط) کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿125﴾

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ (الطارق 86:9) ''جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔'' یعنی مستتر، مخفی اور پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(يُنْصَبُ) لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْدَ اسْتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ، [فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ] ''قیامت کے دن ہر دھوکے باز کی پیٹھ پر جھنڈا گاڑا جائے گا، پھر کہا جائے گا کہ یہ ہے فلاں ابن فلاں کی دھوکا بازی۔''[1] حکمت اس میں یہ ہے کہ دھوکہ بازی چونکہ مخفی تھی، لوگ اس سے آگاہ نہیں تھے، اس لیے قیامت کے دن دھوکے باز کے اس شرم ناک فعل کو ساری مخلوق کے سامنے الم نشرح کر دیا جائے گا۔

تفسیر آیت:125

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ ''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' اسلام کو اس کے لیے سہل اور آسان بنا دیتا ہے اور اسے انشراح و انبساط صدر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ اچھی علامتیں ہیں جیسا کہ فرمایا: اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ...... الآية (الزمر 39:22) ''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو......'' اور فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ (الحجرات 49:7) ''اور لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو عزیز بنا دیا اور اس کو تمھارے دلوں میں سجا دیا اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسند بنا دیا، یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو توحید اور ایمان کے لیے کشادہ فرما دیتا ہے۔ ابو مالک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[2] اور بظاہر یہی مفہوم صحیح معلوم ہوتا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم ، حديث:6177 وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم الغدر، حديث:1738 عن أبي سعيد ﷺ وحديث:1735. تفسیر ابن کثیر میں [يُنْصَبُ] اسی طرح شروع میں ہے جبکہ صحیح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم، حديث:6178 میں یہ الفاظ ایسے ہیں: [إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ] اور حدیث کا دوسرا جزا اسی حدیث کے مطابق ہے۔ اور صحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم الغدر، حديث: (10)-1735 میں مذکورہ الفاظ یوں بیان ہوئے ہیں: [إِنَّ الْغَادِرَ يَنْصِبُ اللّٰهُ لَهُ لِوَاءً......] . [2] تفسير ابن أبي حاتم:1385,1384/4.

ارشاد الٰہی: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ ''اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے، اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔'' ﴿ ضَيِّقًا ﴾ کو [ضَيْقًا] ضاد کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے مگر اکثر اہل علم نے اسے ﴿ ضَيِّقًا ﴾ یاء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور اس لفظ کو هَيْن اور هَيِّن کی طرح ہر دو انداز میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اور بعض نے ﴿ حَرَجًا ﴾ کو [حَرِجًا] حاء کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ بمعنی آثم ہے، یہ سدی کا قول ہے اور دوسری قراءت ﴿ حَرَجًا ﴾ حاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس صورت میں اس کے معنی اس دل کے ہیں جو کسی بھی قسم کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور جس تک ایمان کی قطعًا کوئی رسائی نہ ہو اور جس دل پر ایمان بالکل اثر انداز نہ ہو سکتا ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خاندان مُدلج کے ایک بادیہ نشین اعرابی سے حَرَجَه کا مفہوم پوچھا تو اس نے کہا کہ درختوں کے درمیان ایک ایسا درخت ہوتا ہے جس تک پالتو یا جنگلی جانور یا کوئی اور چیز نہیں پہنچ سکتی، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسی طرح منافق کے دل تک بھی خیر و بھلائی کی کوئی بات نہیں پہنچ سکتی۔[1] ﴿ كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾ ''گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔'' اس کی شدت کی وجہ سے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے سینے کو تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے کہ وہ یوں محسوس کرتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اور اس کے سوا وہ کوئی اور رستہ نہیں پاتا۔[2]

حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ابن آدم آسمان تک پہنچنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اسی طرح اسے اس بات کی بھی استطاعت نہیں کہ توحید اور ایمان اس کے دل میں داخل ہو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ توحید اور ایمان کو اس کے دل میں داخل فرما دے۔[3]

امام ابوجعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کافر کے دل کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ وہ ایمان کے قبول نہ کرنے اور ایمان کے اس تک پہنچنے کے لیے اس طرح تنگ ہوتا ہے جس طرح وہ آسمان پر چڑھنے سے عاجز و درماندہ ہے کیونکہ یہ بات اس کی استطاعت و قوت سے باہر ہے کہ وہ آسمان پر چڑھ سکے۔[4] اسی طرح انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اس طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی (مسلط) کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے سینے کو تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے جن کو وہ گمراہ کرنا چاہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ان جیسے ان لوگوں پر جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے انکار کریں، شیطان کو مسلط کر دیتا ہے جو انھیں گمراہ کر کے اللہ تعالیٰ کے رستے سے روک دیتا ہے۔ ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں رجس سے مراد شیطان ہے۔[5] مجاہد فرماتے ہیں کہ رجس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو۔[6] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ رجس کے معنی

[1] تفسیر الطبری:38/8 مختصرًا۔ [2] تفسیر الطبری:39/8۔ [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1386/4۔ [4] تفسیر الطبری: 41/8۔ [5] تفسیر الطبری:42/8۔ [6] تفسیر الطبری:42/8۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

اور یہ آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں﴿126﴾ انھی کے لیے ان کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾

رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے، اور وہ ان کاموں کی وجہ سے ان کا دوست ہے جو وہ کرتے رہے﴿127﴾

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ

اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا (تو فرمائے گا:) اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں میں سے بہت زیادہ (گمراہ) کیے تھے، اور انسانوں میں سے ان

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ

کے دوست کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا، اور ہم اس میعاد کو پہنچ جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی، اللہ فرمائے گا: آگ

مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿128﴾

ہی تمھارا ٹھکانا ہے، تم اس میں ہمیشہ رہو گے، ہاں اگر اللہ چاہے (تو دوسری بات ہے)، بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا، خوب جاننے والا ہے﴿128﴾

عذاب کے ہیں۔[1]

تفسیر آیات:127,126

اللہ تعالیٰ نے جب گمراہوں کی روش اور اس کے رستے سے روکنے والوں کے طرزِ عمل کا ذکر کیا تو اب اس کے بعد اس فضل وشرف کا ذکر فرمایا ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق عطا کر کے سرفراز فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ﴾ ''اور یہی آپ کے پروردگار کا سیدھا رستہ ہے۔'' ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اے محمد (ﷺ)! یہ دین جو ہم نے آپ کو عطا کیا ہے اور یہ قرآن جو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کا سیدھا رستہ ہے۔ ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ﴾ ''تحقیق ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔'' اور نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ انھیں بیان کر دیا ہے، ﴿لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾﴾ ''ان کے لیے جو لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔'' جن میں فہم وبصیرت ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو سمجھتے ہیں۔

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ﴾ ''ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے۔'' یعنی جنت ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''ان کے پروردگار کے ہاں۔'' یعنی قیامت کے دن۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں جنت کو دارالسلام کے نام سے اس لیے موسوم کیا ہے کہ انھوں نے دنیا میں جس صراط مستقیم کو اختیار کیا اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلے وہ سلامتی کا رستہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں جس طرح شیطانی پگڈنڈیوں کی آفتوں سے محفوظ رکھا، اسی طرح آخرت میں دارالسلام کی نعمتوں سے فیض یاب فرما دیا۔ ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ ''اور وہی ان کا دوست ہے۔'' یعنی ان کا حافظ وناصر اور مددگار ہے۔ ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿127﴾﴾ ''جو وہ کرتے رہے۔'' یعنی ان کے اعمالِ صالحہ کی جزاء کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر اور مددگار بن گیا اور اس نے محض اپنے فضل وکرم

[1] تفسیر الطبری:42/8.

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿129﴾

اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر ان کاموں کی وجہ سے مسلط کر دیتے ہیں جو وہ کرتے رہے ﴿129﴾

سے انھیں جنت کی سعادت وکامرانی سے سرفراز فرمایا۔

تفسیر آیت:128

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اس دن کو یاد کریں، اپنی قوم کو اس دن کے حالات بتائیں اور انھیں ڈرائیں: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ﴾ ''اور جس دن وہ سب کو جمع کرے گا۔'' یعنی جنوں کو اور انسانوں میں سے ان کے ان دوستوں کو جو دنیا میں ان کی پوجا کرتے تھے، ان کی پناہ طلب کرتے تھے، ان کی اطاعت بجالاتے تھے اور وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ ''اے گروہ جنات! تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔'' یعنی تم نے انسانوں کو اغوا اور گمراہ کر کے بہت فائدے اٹھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:60-62) ''اے آدم کی اولاد! ہم نے تم کو تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کو نہ پوجنا بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا رستہ ہے اور اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟''

﴿ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾ ''اور جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔'' یعنی جنوں کے انسانوں میں سے دوست اللہ تعالیٰ کو جواب دیتے ہوئے یہ کہیں گے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت یہ تھی کہ جن حکم دیتے اور انسان اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔[1]

ابن جریج فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص کسی جگہ پڑاؤ ڈالتا تو وہ یہ کہتا کہ میں اس وادی کے سربراہ کی پناہ طلب کرتا ہوں تو یہ تھا ان کا فائدہ حاصل کرنا جسے وہ قیامت کے دن بطور معذرت ذکر کریں گے۔[2] اور جہاں تک جنوں کے انسانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی بات ہے تو وہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ انسان جنوں سے مدد طلب کرتے وقت ان کی تعظیم بجالاتے تھے جس کی وجہ سے جن کہتے کہ ہم جنوں اور انسانوں دونوں کے سردار ہیں۔

﴿ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ﴾ ''اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا'' سدی کہتے ہیں کہ اس وقت مقرر سے مراد موت ہے۔ ﴿ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ ﴾ ''اللہ فرمائے گا (اب) تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' یعنی تمھارا، ان کا اور تمھارے دوستوں کا ٹھکانا اور منزل دوزخ ہے، ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ﴾ ''ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے۔'' اور

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:4/1387 والدر المنثور:3/85۔ [2] تفسیر الطبری:8/45۔

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ وَيُنۡذِرُوۡنَكُمۡ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمھارے پاس تمھی میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ وہ تم سے میری آیات بیان کرتے تھے، اور تمھیں تمھاری اس

لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا‌ ؕ قَالُوۡا شَهِدۡنَا عَلٰٓى اَنۡفُسِنَا‌ وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَشَهِدُوۡا

آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ (تب) وہ کہیں گے: ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں۔ اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا،

عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾

اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے ﴿۱۳۰﴾

ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو گے۔ إِلا مَاشَاءَ اللّٰه.

تفسیر آیت:129

ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کرنا: اس آیت کی تفسیر میں معمر نے قتادہ سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دے گا اور وہ جہنم میں ایک دوسرے کے پیچھے چلیں گے۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّىۡ بَعۡضَ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضًۢا ﴾ اس سے جنوں اور انسانوں میں سے ظالم لوگ مراد ہیں۔ پھر انھوں نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ ○ ﴾ (الزخرف 36:43)

''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔''

انھوں نے فرمایا کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ظالم جنوں کو ظالم انسانوں پر مسلط کر دیں گے۔[2] کسی شاعر نے کہا ہے ۔

وَمَا مِنْ يَّدٍ إِلَّا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَهَا   وَلَا ظَالِمٍ إِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمِ

''ہر ہاتھ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور ہر ایک ظالم کو اپنے سے بڑے ظالم کے ساتھ واسطہ پیش آتا ہے۔''

اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ہم نے ان خسارہ پانے والے انسانوں پر ان جنوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے انھیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے اور ایک دوسرے کے ساتھ تباہ و برباد اور ہلاک کر دیتے ہیں اور اس طرح ہم ان میں سے ہر ایک سے انتقام لے لیتے ہیں اور یہ ان کے ظلم اور بغاوت و سرکشی کی سزا ہوتی ہے۔

تفسیر آیت:130

جنوں اور انسانوں کو سرزنش: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سرزنش کرتے ہوئے کافر جنوں اور انسانوں سے یہ سوال کرے گا۔ حالانکہ اسے خوب معلوم ہو گا۔ کیا رسولوں نے ان تک اس کے پیغام کو پہنچایا تھا یا نہیں؟ یہ استفہام تقریری ہے، ارشاد ہو گا: ﴿ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ ﴾ ''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے؟'' یعنی مجموعی طور پر تم میں سے ورنہ رسول تو تمام کے تمام انسانوں ہی میں سے بھیجے گئے ہیں، جنوں

[1] تفسیر عبدالرزاق:66/2، رقم:855 و تفسیر ابن أبی حاتم:1388/4. [2] تفسیر الطبری:47,46/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1389/4.

میں سے کسی کو رسول نہیں بنایا گیا تھا جیسا کہ امام مجاہد، ابن جریج اور دیگر کئی ایک ائمہ سلف وخلف نے فرمایا ہے۔[1]

اس بات کی دلیل کہ تمام انبیاء ورسل انسانوں ہی میں سے ہوئے ہیں، حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ تا ﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾(النسآء4:163-165) ''(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد دوسرے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی ...... (سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت 27:29) ''اور ہم نے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب (مقرر) کر دی۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت اور کتاب کو آپ کی اولاد ہی میں محصور قرار دیا ہے اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے پہلے نبوت جنوں میں بھی تھی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کے بعد جنوں میں یہ منقطع ہو گئی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ (الفرقان25:20) ''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ (یوسف 109:12) ''اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے تھے ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔'' سبھی جانتے ہیں کہ جن اس باب میں انسانوں کے تابع ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (الأحقاف 46:29-32) ''اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جبکہ وہ قرآن سنتے تھے تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو، چنانچہ جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے، کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے، اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو

[1] تفسیر الطبری:48/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1389/4.

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

یہ (رسول) اس لیے (بھیجے گئے) کہ آپ کا رب بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہلاک کرنے والا نہیں، جبکہ ان کے باشندے غافل ہوں ﴿131﴾ اور ہر ایک

عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿132﴾

کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں جو انھوں نے کیے، اور آپ کا رب اس سے غافل نہیں جو وہ کرتے ہیں ﴿132﴾

قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے۔ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔''

جامع ترمذی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو سورۂ رحمٰن کی تلاوت سنائی تھی اور اس سورت میں یہ آیت کریمہ بھی ہے: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ (الرحمٰن 55:31,32) ''اے گروہِ جن وانس! ہم عنقریب تمھاری طرف متوجہ ہوں گے، پھر تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''[1]

اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا ﴾ ''اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے؟ جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے، وہ کہیں گے کہ (پروردگار!) ہم اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں۔'' یعنی ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے رسولوں نے ہم تک تیرے پیغام کو پہنچا دیا تھا، ہمیں آج کے دن کی ملاقات سے بھی ڈرا دیا تھا اور آج کے دن کے بارے میں بھی یہ صاف صاف بتا دیا تھا کہ یہ ہر صورت میں آ کر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ ''اور ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی انھوں نے اپنی دنیا کی زندگی کو تباہیوں اور بداعمالیوں میں صرف کی، انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب اور ان کے لائے ہوئے معجزات کی مخالفت کے باعث ہلاک ہوگئے کیونکہ دنیا کی زندگی کی سج دھج، چمک دمک اور اس کی خواہشوں نے انھیں فریب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ﴿ وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿130﴾ ﴾ ''کہ بے شک وہ کفر کرتے تھے۔'' یعنی دنیا میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ان کے پاس جس دین و شریعت کو لے کر آئے تھے، انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

تفسیر آیات: 132,131

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿131﴾ ﴾ ''(اے نبی!) یہ

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الرحمٰن، حدیث: 3291 مختصرًا عن جابر رضی اللہ عنہ.

(جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں) اس لیے کہ آپ کا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کی وجہ سے ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو۔'' یعنی ہم نے رسولوں کو مبعوث فرما کر اور کتابوں کو نازل کر کے جنوں اور انسانوں پر حجت تمام کر دی ہے تاکہ کسی ایسے شخص سے اس کے ظلم کی وجہ سے باز پرس نہ ہو جس تک دعوت ہی نہ پہنچی ہو، اس لیے ہم نے تمام امتوں کے عذر کو ختم کر دیا ہے اور جس امت کو بھی ہم نے عذاب دیا تو اس کی طرف رسولوں کو بھیجنے اور حجت تمام کرنے کے بعد عذاب دیا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾ (فاطر24:35) ''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ (بنی إسرآئيل15:17) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا ﴾ (الملك9,8:67) ''جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! یقیناً ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ارشاد الٰہی: ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ ''اور سب لوگوں کے لیے ان اعمال کی وجہ سے درجے ہیں۔'' یعنی ہر شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا معصیت کے مطابق عمل کرتا ہے، اس کے عمل کے مطابق اس کے درجات ہیں جن تک اللہ تعالیٰ اسے پہنچا دے گا اگر اس نے نیک عمل کیے تو اسے اچھے مراتب سے نواز اجائے گا اور اگر اس نے برے عمل کیے تو برے مقامات میں اسے گرا دیا جائے گا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس آیت کریمہ میں سب لوگوں سے مراد کافر جن وانس ہوں، یعنی ان میں سے ہر ایک کا اس کے حسب حال جہنم میں درجہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ﴾ (الأعراف38:7) ''اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا۔)'' اور فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○ ﴾ (النحل88:16) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے، اس لیے کہ وہ شرارت کیا کرتے تھے۔'' ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ (اے محمد ﷺ!) آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بھی بے خبر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال کو شمار کر کے اپنے پاس محفوظ کر رہا ہے اور جب یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کریں گے تو وہ قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔[1]

---

[1] تفسير الطبري:50/8 .

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ

اور آپ کا رب بے نیاز ہے رحمت والا، اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے، اور تمھارے بعد جنھیں چاہے جانشین بنا دے، جیسے اس نے تمھیں دوسری قوم

اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۭ ﴿133﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿134﴾

کی نسل سے پیدا کیا﴿133﴾ بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ ضرور آنے والی ہے، اور تم عاجز کرنے والے نہیں﴿134﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اے

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی (اپنی جگہ) عمل کرنے والا ہوں، چنانچہ جلد ہی تم جان لوگے کہ کس شخص کے لیے آخرت کا (اچھا) انجام

الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿135﴾

ہے۔ اور بے شک ظالم فلاح نہیں پائیں گے﴿135﴾

تفسیر آیات:133-135

نافرمانی کی صورت میں نابود کر دینے کی وعید: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَبُّكَ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار'' (اے نبی!) ﴿ الْغَنِيُّ ﴾ ''بے پرواہے'' اپنی تمام مخلوق سے ہر اعتبار سے اور وہ اپنے تمام حالات میں اس کے محتاج ہیں۔ ﴿ ذُو الرَّحْمَةِ ﴾ (اور) صاحب رحمت ہے۔'' اور وہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا بھی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾ (الحج 22:65) ''بے شک اللہ لوگوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔'' ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ﴾ ''اگر وہ چاہے (تو اے بندو!) تمھیں لے جائے۔'' جب تم اس کے حکم کی مخالفت کرو۔ ﴿ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ ﴾ ''اور تمھارے بعد جن لوگوں کو چاہے تمھارا جانشین بنا دے۔'' یعنی دوسرے ایسے لوگوں کو جو اس کی اطاعت کے مطابق عمل کریں۔ ﴿ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿133﴾ ﴾ ''جیسا کہ تم کو بھی دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔'' یعنی وہ اس بات پر قادر ہے اور اس کے لیے یہ بہت آسان ہے جیسا کہ اس نے پہلے لوگوں کو نیست و نابود کر کے ان کے بعد دوسروں کو پیدا کیا، اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان لوگوں کو ختم کر کے یہاں اور لوگوں کو بسا دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 4:133) ''لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمھاری جگہ) دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ اس بات پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (فاطر 35:15-17) ''لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پروا، سزا وارِ حمد و ثنا ہے اگر چاہے تو تم کو نیست و نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔''

اور ارشار باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ ﴾ (محمد 47:38) ''اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔'' محمد بن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابان بن عثمان

سے اس آیت: ﴿ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ کے بارے میں سنا کہ ذریت اصل کو بھی کہتے ہیں اور نسل کو بھی۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا تھا وہ (وقوع میں) آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے۔'' یعنی (اے محمد ﷺ!) آپ انھیں بتا دیں کہ قیامت سے متعلق ان سے جو وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بہر صورت پورا ہونے والا ہے ﴿ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴾ ''اور تم (اللہ تعالیٰ کو) مغلوب نہیں کر سکو گے۔'' وہ تمھیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، خواہ تم مٹی بن جاؤ اور تمھاری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں، وہ قادر ہے، اسے کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی۔

ارشاد الٰہی: ﴿ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ بے شک میں (اپنی جگہ) عمل کیے جاتا ہوں، عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔'' یہ سخت وعید اور شدید سرزنش ہے کہ اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ تم ہدایت پر ہو تو پھر تم اپنے طریقے کے مطابق عمل کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے اور دستور کے مطابق عمل کیے جاتا ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ ﴾ (ھود 11:121,122) ''اور جو لوگ ایمان نہیں لائے آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ بے شک ہم (اپنی جگہ) عمل کیے جاتے ہیں اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَكَانَتِكُمْ ﴾ کے معنی اپنی جگہ کے ہیں۔[2] ﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں (بہشت) کس کا گھر ہوگا کچھ شک نہیں کہ ظالم نجات نہیں پائیں گے۔'' یعنی عنقریب تم کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں بہشت میرے لیے ہوگی یا تمھارے لیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا فرما دیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ملک میں دسترس عطا فرمائی، مخالفین پر غلبہ و تسلط عطا فرمایا، مکہ مکرمہ پر فتح عطا فرمائی، اپنی اس قوم پر آپ کو غالب کر دیا جس نے آپ کی تکذیب کی، آپ سے دشمنی کی اور آپ کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف سارے جزیرۃ العرب کو بلکہ یمن اور بحرین کو بھی آپ کی حیات طیبہ ہی میں مسلمانوں کے زیر نگیں کر دیا۔

پھر آپ کی وفات کے بعد خلفاء رضی اللہ عنہم کے عہد میں بہت سے علاقوں اور بہت سے ملکوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلة 58:21) اللہ کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝ ﴾ (المؤمن 40:51,52) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:4/1390 و الدر المنثور:3/88 . [2] تفسیر الطبری:8/52 .

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ (حصہ)

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى

اللہ کے لیے ہے، اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے ہے، پھر ان کے دیوتاؤں کا جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو اللہ کا حصہ ہے وہ ان کے

شُرَكَآئِهِمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿136﴾

دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿136﴾

بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیاء 21:105) ''اور بلاشبہ ہم نے نصیحت (کی کتاب، یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ بے شک میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔''

تفسیر آیت:136

بعض اعمالِ شرک کا بیان: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی مذمت اور سرزنش کی ہے جنھوں نے بدعت، کفر اور شرک کو اختیار کیا اور مخلوق میں اللہ کا حصہ بنا دیا، حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے:
﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ ﴾ ''اور (یہ لوگ) اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے (بھی ایک حصہ) مقرر کرتے ہیں۔'' یعنی ان چیزوں میں سے جن کو اس نے پیدا فرمایا اور وجود بخشا ہے ﴿ مِنَ الْحَرْثِ ﴾ ''کھیتی سے'' یعنی فصلوں اور پھلوں میں سے ﴿ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا ﴾ ''اور چوپایوں میں سے (بھی) ایک حصّہ'' نصیب کے معنی جز اور حصے کے ہیں۔
﴿ فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ﴾ ''اور اپنے خیال (باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا اور یہ ہمارے شریکوں (بتوں) کا تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے۔''
علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن جب کوئی کھیتی بوتے یا کسی پھل کو حاصل کرتے تو اس میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور ایک بت کے لیے مقرر کر دیتے اور فصل، پھل یا کسی بھی دوسری چیز میں سے جو حصہ بتوں کے لیے ہوتا اس کی تو خوب حفاظت کرتے، اسے گن گن کر رکھتے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے میں سے اگر کوئی چیز گر جاتی تو اسے اٹھا کر بھی بت کے حصے میں شامل کر دیتے اور اگر بت کے لیے مقرر کی ہوئی چیز کو پانی سیراب کر دیتا اور اللہ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے کو بھی سیراب کر دیتا تو سب کو بت کے لیے کر دیتے (بت کا حصہ اور اللہ کا حصہ جو سیراب ہو جاتا) اور اگر کھیتی یا پھل میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے میں سے کوئی چیز گر جاتی تو اسے بت کے لیے وقف کر دیتے اور کہتے کہ یہ فقیر ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے میں

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ لِيُرۡدُوۡهُمۡ وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے دیوتاؤں نے ان کی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا رکھا ہے، تاکہ وہ انھیں ہلاک کر دیں اور ان کے لیے ان کا

دِيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾

دین مشکوک بنا دیں، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ کام نہ کرتے، چنانچہ انھیں اور ان کے جھوٹ کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجیے جو وہ گھڑتے ہیں ﴿۱۳۷﴾

شامل نہ کرتے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیے ہوئے حصے کو پانی سیراب کر دیتا اور اسے بھی سیراب کر دیتا جسے بت کے لیے وقف کیا ہوتا تو اسے بت کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اپنے اموال میں سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دے کر بتوں کے لیے وقف کر دیتے تھے اور عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ انھوں نے اپنے ان اموال کو تقرب الٰہی کے حصول کے لیے حرام قرار دیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا ﴾ ''اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔''[1] امام مجاہد، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[2]

اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو چیز اللہ کے نام پر ذبح کرتے اسے اس وقت تک نہیں کھاتے تھے جب تک اس پر اپنے بتوں کے نام نہ لیتے تھے اور جسے وہ اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اس پر اللہ کا نام لینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی حتی کہ ﴿ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾ ﴾ تک پہنچ گئے۔[3] یعنی بری ہے یہ تقسیم جو وہ کرتے تھے۔

پہلے تو انھوں نے تقسیم ہی میں غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب، مالک اور خالق ہے، ہر چیز اسی کی ملکیت ہے اور ہر چیز اسی کے تصرف، قدرت اور مشیت کے تحت ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار، پھر اپنے گمان فاسد کے مطابق انھوں نے جو یہ تقسیم کی، اس کی بھی حفاظت نہ کی بلکہ اس میں بھی ظلم سے کام لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰهِ الۡبَنٰتِ سُبۡحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمۡ مَّا يَشۡتَهُوۡنَ ۝ ﴾ (النحل 57:16) ''اور یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (اور) وہ ان سے پاک ہے اور اپنے لیے (بیٹے) جو مرغوب (ودل پسند) ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ ﴾ (الزخرف 15:43) ''اور انھوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لیے اولاد مقرر کی، بے شک انسان تو صریح ناشکرا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ۝ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ۝ ﴾ (النجم 22,21:53) ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے تو بیٹے اور اللہ کے لیے بیٹیاں؟ یہ تقسیم تو پھر بہت بے انصافی کی ہے۔''

تفسیر آیت:137

شیطان نے مشرکوں کے لیے قتلِ اولاد کو اچھا کر دکھایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطانوں نے جس طرح ان کے لیے

[1] تفسیر الطبری:54/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1391/4. [2] تفسیر الطبری:55,54/8 . [3] تفسیر الطبری:55/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1392/4.

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ

اور اپنے (جھوٹے) خیال کے مطابق انھوں نے کہا: یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہیں، انھیں بس وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں، اور بعض چوپائے ہیں جن

حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا

کی پشت (پر سواری) حرام کر دی گئی، اور بعض چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں پڑھتے، یہ سب وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے کرتے ہیں، وہ جلد ہی

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿138﴾

انھیں اس جھوٹ کی سزا دے گا جو وہ گھڑتے رہے ہیں ﴿138﴾

اس بات کو اچھا کر دکھایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ چیزوں، کھیتیوں اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کریں اور اپنے بتوں کا بھی، اسی طرح شیطان نے اس بات کو بھی ان کے لیے مزین کر دکھایا کہ بھوک کے خوف سے اولاد کو قتل کریں اور عار کے خوف سے بچیوں کو زندہ درگور کر دیں۔ علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا اچھا کر دکھایا ہے۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿شُرَكَآؤُهُمْ﴾ سے یہاں شیاطین مراد ہیں جنھوں نے انھیں اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر کی وجہ سے زندہ درگور کر دینے کا حکم دیا۔[2] سدی فرماتے ہیں کہ شیطانوں نے انھیں حکم دیا کہ بیٹیوں کو قتل کر دیں اور یہ حکم اس لیے دیا ﴿لِيُرْدُوْهُمْ﴾ ''تاکہ وہ انھیں ہلاکت میں ڈال دیں۔'' یا ﴿وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ﴾ ''اور تاکہ ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں۔''[3]

اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔'' یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہوا ہے اور اس میں بھی اس کی پوری پوری حکمت کار فرما ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے، اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ سب لوگوں کو اپنے اعمال کی ضرور جواب دہی کرنا ہوگی۔ ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿137﴾﴾ ''چنانچہ ان کو چھوڑ دیں (کہ وہ جانیں) اور ان کے جھوٹ کو۔'' ان کو چھوڑ دیں، ان سے اور ان کے اعمال سے اجتناب کریں، آپ کے اور ان کے درمیان عنقریب اللہ تعالیٰ خود فیصلہ فرما دے گا۔

تفسیر آیت:138

چوپایوں کے بارے میں مشرکوں کی بعض حرام کردہ چیزیں: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿حِجْرٌ ۖ﴾ سے مراد وصیلہ اور دیگر وہ چیزیں ہیں جن کو انھوں نے حرام قرار دے رکھا تھا۔[4] مجاہد، ضحاک، سدی، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ﴾ ''اور اپنے (جھوٹے) خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے۔'' سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں شیطانوں نے ان کے اموال میں سے ان کے لیے نہایت شدت سے حرام قرار دے رکھا تھا اور یہ حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھی۔[6]

[1] تفسیر الطبری: 57/8. [2] تفسیر الطبری: 57/8. [3] تفسیر الطبری: 57/8. [4] تفسیر الطبری: 60/8. [5] تفسیر الطبری: 61/8. [6] تفسیر الطبری: 61/8.

ابن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ﴿ حِجْرٌ ﴾ سے مراد وہ چیزیں ہیں جنھیں انھوں نے اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔[1]

سدی ﴿ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ ﴾ ''اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ان کا کھانا حرام ہے، سوائے ان لوگوں کے جنھیں ہم چاہیں۔[2] یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جیسے یہ ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 59:10) ''کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل فرمایا ہے، پھر تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے اس کا تمھیں حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟''

اور فرمایا: ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 103:5) ''اللہ نے نہ تو بحیرہ کو کچھ چیز بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔''[3] سدی کہتے ہیں کہ جن جانوروں کی پیٹھوں پر چڑھنا منع تھا، وہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام تھے، نیز وہ ان جانوروں کے پیدا ہونے کے وقت اور انھیں ذبح کرنے کے وقت ان پر اللہ کا نام بھی نہیں لیا کرتے تھے۔[4]

ابوبکر بن عیاش نے عاصم بن ابوالنجود سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے ابووائل نے کہا کیا تمھیں معلوم ہے کہ ﴿ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا ﴾ ''اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ ان پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے۔ اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔'' سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو انھوں نے بتایا کہ اس سے مراد وہ بحیرہ جانور ہیں جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر وہ حج بھی نہیں کرتے تھے۔[5]

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے کچھ اونٹ اس قسم کے تھے کہ جن پر وہ مطلق اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ ان پر سوار ہوتے وقت، نہ ان کا دودھ دوہتے وقت، نہ ان پر سامان لادتے وقت، نہ ان کے بچوں کے جنم دینے کے وقت اور نہ ہی ان سے کوئی دوسرا کام لیتے وقت ان پر اللہ کا نام لیتے تھے۔[6] ﴿ افْتِرَآءً عَلَيْهِ ﴾ ''سب اللہ پر جھوٹ ہے۔'' یعنی انھوں نے اپنی ان خُرافات کو جو اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کی طرف منسوب کیا تو یہ سراسر جھوٹ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بات کا نہ حکم دیا ہے اور نہ اس نے ان میں سے کسی بات کو پسند ہی فرمایا ہے۔ ﴿ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾ ''وہ عنقریب ان کو ان کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔'' یعنی وہ انھیں ان کے جھوٹ بولنے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی ضرور سزا دے گا۔

---

[1] تفسیر الطبری:61/8. [2] تفسیر الطبری:61/8. [3] دیکھیے سورۃ المائدۃ، آیت:103 کے ذیل میں۔ [4] تفسیر الطبری:62/8 و تفسیر ابن أبی حاتم:1394/4. [5] تفسیر الطبری:62/8 . [6] تفسیر الطبری:62/8 .

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ

اور انھوں نے کہا: ان (حرام کیے ہوئے) چوپایوں کے پیٹ میں جو بچہ ہو وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

مردہ ہو تو (مرد اور عورتیں) سب اس میں شریک ہیں۔ جلد ہی اللہ انھیں اس طرح (خود ہی حلال اور حرام) طے کرنے کی سزا دے گا، بے شک وہ بڑا حکمت

عَلِيْمٌ ﴿139﴾

والا، خوب جاننے والا ہے ﴿139﴾

تفسیر آیت:139

ابواسحاق سبیعی نے عبداللہ بن ابوالہذیل سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا...... ﴾ الآیۃ ''اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے، وہ خاص ہمارے مردوں کے لیے ہے......'' سے مراد دودھ ہے۔[1] اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد دودھ ہے کہ اسے وہ عورتوں کے لیے حرام قرار دیتے تھے اور مرد اُسے پیتے تھے، بکری جب نر بچہ جنم دیتی تو وہ اس بچے کو ذبح کر دیتے اور اسے صرف مرد کھا سکتے تھے، عورتیں نہیں اور اگر بکری مادہ بچے کو جنم دیتی تو اسے چھوڑ دیتے اور ذبح نہ کرتے اور اگر وہ مردار ہوتا تو مرد اور عورتیں سب مل کر کھاتے تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرما دیا۔ سدی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[2] شعبی کہتے ہیں کہ بحیرہ جانوروں کے دودھ کو صرف مرد ہی استعمال کر سکتے تھے اور اگر کوئی بحیرہ جانور مر جاتا تو اس کے کھانے میں مرد اور عورتیں سب شریک ہو جاتے تھے۔ عکرمہ، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[3]

مجاہد فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت سے مراد سائبہ اور بحیرہ جانور ہیں۔[4] ابوالعالیہ، مجاہد اور قتادہ نے اللہ کے اس فرمان: ﴿سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ﴾ ''عنقریب اللہ ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا۔'' کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ یہاں ﴿وَصْفَهُمْ﴾ سے مراد ان کا جھوٹ ہے۔[5] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ﴾ الآیۃ (النحل 117,116:16) ''اور یونہی جھوٹ جو تمھاری زبان پر آ جائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے......'' ﴿اِنَّهٗ حَكِيْمٌ﴾ ''بے شک وہ حکمت والا ہے۔'' یعنی اپنے افعال واقوال اور شریعت و تقدیر میں ﴿عَلِيْمٌ ﴿139﴾﴾ ''(اور) خبردار ہے'' اپنے بندوں کے تمام اچھے اور برے اعمال سے، پھر انھی کے مطابق وہ انھیں پورا پورا بدلہ بھی دے گا۔

[1] تفسیر الطبری: 63/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1396/5 و تفسیر الطبری: 64,63/8. [3] تفسیر الطبری: 63/8.
[4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1395/5. [5] تفسیر ابن أبی حاتم: 1396/5.

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى

بے شک وہ لوگ خسارے میں رہے،جنھوں نے اپنی اولاد کو علم کے بغیر بیوقوفی سے قتل کیا،اور اللہ نے انھیں جو رزق دیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر اسے حرام

اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿140﴾

ٹھہرالیا،تحقیق وہ گمراہ ہو گئے،اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے﴿140﴾

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے،چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے،اور کھجور اور فصلیں (پیدا کیں) ان کے پھل (مزے میں) مختلف

وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ

ہیں،اور زیتون اور انار (پیدا کیے)، ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی،ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق

حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿141﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

دے دیا کرو،اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿141﴾اور (پیدا کیے) اس نے چوپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾

اور زمین سے لگے (پست قد)،اللہ نے تمھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے﴿142﴾

تفسیر آیت:140

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کام کیے،وہ دنیا و آخرت میں گھاٹے میں پڑ گئے،دنیا میں اپنی اولاد کو قتل کرنے کی وجہ سے گھاٹے میں پڑ گئے اور اپنے اموال میں سے کچھ چیزوں کو از خود حرام قرار دے کر اپنے آپ کو تنگی اور مشکل میں ڈال لیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ پر کذب و افتراء باندھنے کی وجہ سے بدترین انجام سے دو چار ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 70,69:10) ”بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں)،پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے،اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔“

حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اگر آپ عربوں کی جہالت کو معلوم کرنا چاہیں تو سورۂ انعام کی آیت:130 کے بعد کی آیات پڑھ لیں (جن میں سے ایک آیت یہ بھی ہے کہ) ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿140﴾ ﴾ ”بے شک جن لوگوں نے اپنی اولاد کو علم کے بغیر بیوقوفی سے قتل کیا اور اللہ پر افتراء کر کے اس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا،وہ گھاٹے میں پڑ گئے،وہ بلاشبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔“[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے

[1] الدر المنثور:91/3.

بھی اپنی ''صحیح'' کے باب مناقب قریش میں اس روایت کو اسی طرح بیان کیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 142,141

اللہ تعالیٰ ہی نے پھلوں، دانوں اور چوپایوں کو پیدا فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہی ہر قسم کی فصلوں، پھلوں اور چوپایوں کا خالق ہے مگر ان مشرکوں نے اپنی فاسد آراء کے ساتھ ان چیزوں میں تصرف کیا اور ان میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال ٹھہرا دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ﴾ ''اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کیے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَّعْرُوْشٰتٍ ﴾ سے بلند و بالا اور طویل درخت مراد ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ﴿ مَّعْرُوْشٰتٍ ﴾ سے مراد وہ باغات ہیں جنھیں لوگوں نے چھتریوں پر چڑھایا ہو اور ﴿ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ﴾ سے مراد جنگلوں اور پہاڑوں میں پیدا ہونے والے پھل ہیں۔[2] عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مَّعْرُوْشٰتٍ ﴾ سے مراد انگوروں کی بیلیں ہیں جنھیں چھتریوں پر چڑھا لیا گیا ہو اور ﴿ غَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ﴾ سے مراد ایسی بیلیں ہیں جنھیں چھتریوں پر نہ چڑھایا گیا ہو۔ سدی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[3]

اور ابن جریج نے کہا ہے کہ ﴿ مُتَشَابِهًا ﴾ سے مراد وہ پھل ہیں جو شکل و صورت کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور ﴿ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ﴾ سے مراد وہ ہیں جو اپنے ذائقے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔[4] محمد بن کعب فرماتے ہیں کہ ﴿ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ ''ان کے پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں۔'' یعنی کھجور اور انگور وغیرہ پھل کھاؤ۔[5]

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ﴾ ''اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو، اللہ کا حق بھی اس میں سے ادا کرو۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر مسکین آ جائیں تو انھیں بھی پھلوں میں سے دو۔[6] اور امام عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ کھیتی کاٹتے وقت اور پھل توڑتے وقت مسکینوں کو بھی مٹھی بھر دے دیا جائے۔[7] ثوری نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ انھیں مٹھی بھر کر دے دیا جائے۔[8] اور ابن مبارک نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ یہ حکم زکاۃ کی فرضیت سے پہلے تھا کہ مسکینوں کو مٹھی بھر غلہ یا پھل دے دیا جائے اور ان کے جانوروں کے لیے بھی ایک مٹھی چارہ دے دیا جائے۔[9]

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو کھیتی اور پھل کاٹتے تو ہیں مگر صدقہ نہیں کرتے جیسا کہ سورۂ ''ن'' میں باغ والوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ

[1] صحيح البخاری، المناقب، باب قصة زمزم و جهل العرب، حديث:3524. امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے باب مناقب قریش کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ بعد والے کئی ابواب اسی کے ضمن میں ہیں جیسا کہ تخریج میں ذکر کردہ باب سے بھی یہ بات واضح ہے۔ [2] تفسير الطبری:69/8. [3] تفسير الطبری:69/8. [4] تفسير الطبری:70/8. [5] تفسير الطبری:70/8. [6] تفسير الطبری: 73/8. [7] تفسير عبدالرزاق:67/2، رقم:860. [8] تفسير الطبری:75/8. [9] تفسير الطبری:76/8.

مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ○ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ۙ﴾ (القلم68:17-20) ''جب انھوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا میوہ ضرور توڑ لیں گے اور ان شاء اللہ نہ کہا۔ وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے پروردگار کی طرف سے اس پر ایک آفت پھر گئی، پھر وہ ایسا ہو گیا، جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔'' یعنی وہ باغ جل کر اس طرح راکھ بن گیا گویا کالی سیاہ رات ہو۔

بعدازاں: ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ○ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۙ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۙ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۙ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ○ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ○ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ○ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○﴾ (القلم68:21-33) ''جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو، چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج یہاں تمھارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر (ہیں)، پھر جب انھوں نے باغ کو دیکھا تو (ویران) کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں (نہیں) بلکہ ہم (برگشتہ بخت) بے نصیب ہیں۔ ایک جوان میں عقل مند تھا بولا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ (تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہم ہی قصوروار تھے، پھر لگے ایک دوسرے کو ملامت کرنے، کہنے لگے کہ ہائے شامت! ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے، امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر باغ عنایت کرے، بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ (دیکھو!) عذاب یوں ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش! یہ لوگ جانتے ہوتے۔''

اسراف کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾﴾ ''اور بے جا نہ اڑانا بے شک اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' اس کے ایک معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ دینے میں اسراف نہ کرو کہ دستور سے بڑھ کر دینے لگو۔ ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنی کھجوروں کا پھل توڑا اور کہا کہ آج جو بھی میرے پاس آئے گا میں اسے کھجوریں کھانے کے لیے دے دوں گا حتی کہ شام تک انھوں نے تمام کھجوریں تقسیم کر دیں اور ان کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾﴾ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

لیکن آیت کے سیاق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کھانے میں اسراف سے کام نہ لو کیونکہ یہ عقل اور جسم کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا کہ جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ، پھر آخر میں یہ فرمایا

[1] تفسیر الطبری:8/81.

کہ اسراف سے کام نہ لو تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کھانے پینے میں حد سے بڑھنا مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ ﴾ (الأعراف 31:7) ''اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ۔'' صحیح بخاری کی ایک معلق روایت میں ہے کہ [كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا (وَتَصَدَّقُوا) فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَّلَا مَخِيلَةٍ] ''کھاؤ، پیو اور پہنو (اور صدقہ وخیرات کرو) لیکن اسراف اور تکبر نہ کرو۔''① معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم.

چوپایوں کے فائدے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ﴾ ''اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (بڑے بڑے) بھی پیدا کیے اور زمین سے لگے ہوئے (چھوٹے چھوٹے) بھی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے کچھ ایسے جانور پیدا فرمائے ہیں جو بڑے بڑے ہیں اور کچھ ایسے جو چھوٹے چھوٹے ہیں کہا گیا ہے کہ ﴿ حَمُوْلَةً ﴾ سے مراد وہ بڑے اونٹ ہیں جن پر بوجھ لادا جاتا ہے جبکہ ﴿ وَّ فَرْشًا ﴾ سے مراد چھوٹے اونٹ ہیں جن پر ابھی بوجھ نہ لادا جا سکتا ہو، اسے امام حاکم نے روایت کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔②

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ﴿ حَمُوْلَةً ﴾ وہ جانور ہیں جن پر تم سواری کرتے ہو اور ﴿ وَّ فَرْشًا ﴾ وہ ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور جن کا دودھ پیتے ہو، مثلاً: بکری وزن نہیں اٹھاتی مگر تم اس کے گوشت کو کھاتے اور اس کے بالوں سے لحاف اور بستر بناتے ہو۔③

عبدالرحمٰن نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ جو فرمایا ہے، یہ بہت خوب ہے، اس کی تائید حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 72,71:36) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے، پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے انھیں ان کے قابو میں کر دیا، چنانچہ کچھ تو ان میں سے ان کی سواریاں ہیں اور کچھ کو یہ کھاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ ﴾ تا ﴿ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ ﴾ (النحل 16:66-80) ''اور بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس کے بیچ سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوش گوار ہے...... اور ان کی اون اور پشم اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں (بناتے ہو جو) مدت تک (کام دیتی ہیں۔)''

چوپایوں کے گوشت کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ۔'' یعنی پھلوں، فصلوں اور چوپایوں سب کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا اور اس نے ان سب چیزوں کو تمھارے

① صحيح البخاري، اللباس، باب قول الله تعالى: ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ﴾ (الأعراف 32:7)، قبل حديث: 5783. ② المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنعام: 317/2، حديث: 3235 . ③ تفسير الطبري: 85/8.

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

یہ آٹھ قسمیں (پیدا کی) ہیں دو بھیڑ میں سے اور دو بکری میں سے ، (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا اس (اللہ) نے دونوں کے نر حرام کیے ہیں یا دونوں کی

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿143﴾

مادائیں یا وہ بچے جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوں؟ (ٹھیک ٹھیک) علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو﴿143﴾ اور دو اونٹوں میں سے اور دو

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

گایوں میں سے۔ کہہ دیجیے: کیا اللہ نے دونوں کے نر حرام کیے ہیں یا دونوں کی مادائیں یا وہ بچے جو دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوں؟ کیا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے تمھیں یہ تاکیدی حکم دیا تھا؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا تاکہ

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿144﴾ ع 17/4

وہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ بے شک اللہ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿144﴾

لیے رزق بنا دیا ہے۔ ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ ”اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔“ یعنی شیطان کے طریقے اور احکام پر نہ چلو جیسا کہ ان مشرکوں نے شیطان کی پیروی کو اختیار کیا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دے لیا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہوئے، انھوں نے اپنے لیے پھلوں اور فصلوں میں سے بعض چیزوں کو حرام قرار دے لیا تھا۔

﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿142﴾ ﴾ ”یقیناً وہ تمھارا صریح دشمن ہے۔“ لوگو! شیطان تمھارا ایسا کھلم کھلا دشمن ہے کہ اس کی دشمنی بالکل ظاہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴾ (فاطر 6:35) ”بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیرووں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والے ہو جائیں۔“ اور فرمایا: ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ﴾ (الأعراف 27:7) ”اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمھیں بہکا نہ دے جس طرح تمھارے ماں باپ کو (بہکا کر) بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیے تاکہ ان کے ستر ان کو (کھول کر) دکھا دے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ ﴾ (الکھف 50:18) ”کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو جبکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔“ قرآن مجید میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

تفسیر آیات: 144,143

رسوم و رواج کی پاکسی اور بنا پر کچھ حلال چیزوں کو حرام قرار دینے کی تردید: یہ اسلام سے قبل عربوں کی جہالت کا بیان ہے کہ انھوں نے چوپایوں کو حرام قرار دے کر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی مختلف انواع و اقسام میں تقسیم کر دیا تھا، اسی طرح

جانوروں، فصلوں اور پھلوں کو انھوں نے اور بھی کئی قسموں میں تقسیم کر رکھا تھا، لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ اسی نے ایسے باغات پیدا فرمائے ہیں جو چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی ہیں اور جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی اور اسی نے چوپایوں کو بھی پیدا فرمایا ہے جن میں سے بعض بڑے بڑے اور بوجھ اٹھانے والے بھی ہیں اور بعض چھوٹے چھوٹے زمین سے لگے ہوئے بھی۔

پھر اس نے بیان فرمایا ہے کہ اسی نے بھیڑوں اور بکریوں میں سے نر اور مادہ کو سیاہ اور سفید رنگ میں پیدا کیا، اسی طرح اس نے نر اور مادہ اونٹوں اور گایوں کو بھی پیدا فرمایا اور اس نے ان جانوروں کو یا ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام قرار نہیں دیا بلکہ ان سب کو انسانوں کے کھانے کے لیے، ان کی سواری کے لیے، ان کی بار برداری کے لیے، ان کے دودھ کے لیے اور ان کے دیگر فوائد کے لیے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ ﴾ (الزمر 6:39) ”اور اسی نے تمھارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے۔“

ارشاد الٰہی: ﴿ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ ﴾ ”یا جو بچہ دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوا سے (اس نے حرام قرار دیا ہے؟)“ یہ ان کی اس بات کی تردید ہے کہ ﴿ مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ ﴾ (الأنعام 139:6) ”اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے۔“ پھر فرمایا: ﴿ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ”اگر تم سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔“ یعنی یقین سے خبر دو کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور یہ حام وغیرہ جن کو تم نے حرام قرار دے رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں کب حرام قرار دیا تھا؟

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد الٰہی: ﴿ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ﴾ ”(یہ بڑے چھوٹے چوپائے) آٹھ قسم کے (ہیں) دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ۔)“ یہ چار قسمیں ہوئیں۔ ﴿ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ”(اے پیغمبر! ان سے) پوچھیں کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) ماداؤں کو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے تو ان میں سے کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ ﴿ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ”یا جو بچہ دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہوا سے۔“ یعنی رحم میں جو بچہ ہوتا ہے وہ نر یا مادہ ہی ہوتا ہے تو پھر کیا بات ہے کہ تم ان میں سے بعض کو تو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیتے ہو۔ ﴿ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ”اگر تم سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔“ اللہ تعالیٰ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب چیزیں حلال ہیں۔[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ ﴾ ”بھلا جس وقت اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا تم اس وقت

[1] تفسیر الطبری: 90,89/8.

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف جو وحی کی گئی ہے، میں اس میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر جو اسے کھائے، حرام ہو مگر یہ کہ وہ مردار ہو،

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا

یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا وہ فسق ہو کہ (ذبح کرتے وقت) اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو شخص مجبور ہو

عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿145﴾

جائے، (بشرطیکہ) وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو بے شک آپ کا رب بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿145﴾

موجود تھے؟'' انھوں نے کچھ چیزوں کو از خود حرام قرار دے کر از راہِ کذب و افتراء ان کی حرمت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دی تو اس پر ان کی سرزنش کی جا رہی ہے۔ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ''تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے تاکہ بغیر علم کے وہ لوگوں کو گمراہ کرے؟'' اس شخص سے زیادہ بڑا اور کوئی ظالم نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿144﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیتِ کریمہ کا سب سے پہلا مصداق عمرو بن لُحَی بن قَمعہ ہے کیونکہ یہ سب سے پہلا وہ شخص تھا جس نے انبیائے کرام کے دین کو بدلا اور سائبہ، وصیلہ اور حام کی رسموں کو ایجاد کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے۔[1]

تفسیر آیت:145

حرام اشیاء کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ آپ ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دے دیا، یہ اعلان کر دیں کہ ﴿لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ﴾ ''جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں، میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا۔'' یعنی ان چیزوں کے سوا حیوانات میں سے اور کچھ حرام نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ مائدہ میں یا احادیث مبارکہ میں دیگر محرمات کا جو ذکر آیا ہے، وہ اس آیت کے بعد آیا ہے ﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ ''یا بہتا لہو۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ بہتا لہو حرام ہے اور اگر خون گوشت کے ساتھ لگا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔[2]

امام حمیدی نے سفیان کے واسطے سے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ اسے حکم بن عمرو رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کرتے تھے لیکن یہ عالم، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ یہ آیت پڑھتے ہیں:

---

① صحیح البخاری، العمل فی الصلاۃ، باب إذا انفلت الدابۃ فی الصلاۃ، حدیث:1212 عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ. والتفسیر، باب: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ﴾...... (المائدۃ5:103) ، حدیث:4623 مختصرًا. وصحیح مسلم، الجنۃ ونعیمها، باب النار یدخلها الجبارون ......، حدیث:2856 ومسند أحمد:446/1 و366/2 وتفسیر عبدالرزاق:31/2، رقم:751. ② تفسیر الطبری:94/8.

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ ...... ﴾ الآیة.[1] امام بخاری اور ابوداود رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ابوبکر بن مردویہ نے اور امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کچھ چیزوں کو تو کھا لیتے تھے اور کچھ کو نفرت کرتے ہوئے نہیں کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھیجا، اپنی کتاب کو نازل فرمایا اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دے دیا، پس جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا وہی حلال ہے اور جسے اس نے حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس سے اس نے سکوت فرمایا ہے، وہ قابل معافی ہے، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ ...... ﴾ الآیة یہ الفاظ ابن مردویہ کی روایت کے ہیں، امام ابوداود نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[3]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی بکری مرگئی تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بکری مرگئی ہے، آپ نے فرمایا: [فَلَوْ لَا أَخَذْتُمْ مَّسْكَهَا، فَقَالَتْ: نَأْخُذُ مَسْكَ شَاةٍ قَدْ مَاتَتْ؟] ''تم نے اس کی کھال کو کیوں نہ اتار لیا؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم مری ہوئی بکری کی کھال اتارتے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

[﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ ﴾ فَإِنَّكُمْ لَا تَطْعَمُونَهُ، إِنْ تَدْبَغُوهُ فَتَنْتَفِعُوا بِهِ] ''کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں سے کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سؤر کا گوشت۔'' اور تم اسے کھاتے تو نہیں ہو، لہٰذا اسے رنگ لو اور اس سے فائدہ اٹھا لو تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیج کر اس کی کھال کو اتروا لیا، اسے رنگ لیا اور اس سے ایک مشکیزہ بنا لیا جو ان کے استعمال میں رہا حتی کہ پھٹ گیا۔'' اسے امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ ''پھر اگر کوئی مجبور کر دیا جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے۔'' یعنی اگر کوئی شخص ان اشیاء میں سے کسی کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت

① المسند للحميدى:379/2 ، حديث:859. ② صحيح البخارى، الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، حديث:5529 وسنن أبى داود، الأطعمة، باب فى أكل لحوم الحمر الأهلية، حديث:3808. ③ الدر المنثور:96/3 والمستدرك للحاكم ، الأطعمة:115/4، حديث:7113 وسنن أبى داود، الأطعمة، باب مالم يذكر تحريمه، حديث: 3800. ④ صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب: إذا حلف أن لا يشرب نبيذا فشرب طلاء......، حديث:6686 مختصرًا. وسنن النسائى، الفرع والعتيرة، باب جلود الميتة، حديث:4245 مختصرًا. ومسند أحمد:328,327/1

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان پر ہم نے ہر ناخن والا (جانور) حرام کیا تھا، اور گائے اور بکری میں سے ان پر ان کی چربی حرام کی تھی، سوائے

شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

اس چربی کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں کے ساتھ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو، یہ سزا ہم نے انھیں ان کی سرکشی کے باعث دی تھی اور

بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾

بے شک ہم سچے ہیں ﴿١٤٦﴾

کریمہ میں حرام قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو ﴿ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ ﴾ ''تو بے شک آپ کا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے بخشنے والا اور اس پر رحم فرمانے والا ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

اس آیتِ کریمہ سے مقصود ان مشرکین کی تردید ہے، جنھوں نے ازخود کچھ چیزوں کو حرام قرار دے کر اپنی فاسد آراء کے ساتھ انھیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کے ناموں سے موسوم کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ آپ ان لوگوں کو یہ بتا دیں کہ وحیِ الٰہی میں ان چیزوں میں سے کسی کو بھی حرام قرار نہیں دیا گیا بلکہ جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، وہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں اور وہ ہیں مرا ہوا جانور، بہتا لہو، سؤر کا گوشت اور ہر وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو، ان کے سوا اور چیزوں کو اس نے حرام قرار نہیں دیا، ان کے سوا باقی چیزیں ایسی ہیں جو قابل معافی ہیں جن سے سکوت اختیار کر لیا گیا ہے، لہٰذا تم یہ کیوں گمان کرتے ہو کہ یہ چیزیں بھی حرام ہیں، تم نے انھیں کیوں حرام قرار دے لیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں حرام قرار نہیں دیا تھا؟

تفسیر آیت: 146

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے حلال کو حرام قرار دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے چوپایوں اور پرندوں میں سے ہر ناخن والے، مثلاً: اونٹ، شتر مرغ، اوز (بطخ کی ایک قسم) اور بطخ وغیرہ کو یہودیوں کے لیے حرام قرار دے دیا تھا۔[2] ارشاد الٰہی: ﴿ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ ﴾ ''اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی کو ہم نے حرام کر دیا تھا۔'' سدی بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں کے لیے بھیڑ، بکریوں اور گایوں کی خصوصاً ان کے گردوں کی چربی کو حرام قرار دے دیا تھا اور یہودی بات یہ بناتے تھے کہ چربی کے استعمال کو چونکہ حضرت یعقوب نے اپنے لیے حرام قرار دے لیا تھا، اس لیے ہم بھی اسے حرام سمجھتے ہیں۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ ﴾ ''سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھوں پر لگی ہو۔'' یعنی جو چربی ان جانوروں کی پیٹھ پر لگی ہو وہ ان کے لیے حرام نہیں تھی۔[4] ﴿ اَوِ الْحَوَايَآ ﴾ ''یا اوجھڑی

[1] دیکھیے آیت: 173 کے تحت۔ [2] دیکھیے آل عمران، آیت: 93 کے تحت۔ [3] تفسیر الطبری: 98/8. [4] تفسیر الطبری: 99/8.

میں‘‘ امام ابوجعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ حَوَایا جمع ہے اور اس کا واحد حَاوِیَاء، حَاوِیَۃ اور حَوِیَّۃ آتا ہے، اس سے مراد پیٹ کے اندر کا وہ حصہ ہے جو جمع ہو کر گول شکل اختیار کر جائے، یہیں دودھ کی نالیاں بھی ہوتی ہیں، اور اسی مقام پر مینگنیاں بھی جمع ہوتی ہیں اور اس میں انتڑیاں بھی ہوتی ہیں۔ اور اس کا نام مرابض ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کلام الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہودیوں کے لیے گایوں اور بکریوں کی چربی کو بھی حرام قرار دے دیا تھا۔ ہاں، البتہ ان جانوروں کی وہ چربی ان کے لیے حرام نہ تھی جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا جسے ان کی اوجھڑی نے اٹھایا ہوا ہو۔[1] علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حوایا سے مراد اوجھڑی ہے۔[2] امام مجاہد کا بھی قول ہے کہ حَوَایا اوجھڑی اور معدے کو کہتے ہیں۔[3] سعید بن جبیر اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔[4]

ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ﴾ یعنی وہ چربی جو ہڈی کے ساتھ ملی ہو، وہ بھی ہم نے یہودیوں کے لیے حلال قرار دے دی تھی۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ ان کے لیے وہ چربی حلال تھی جو جانور کی چکی اور دم کے ساتھ لگی ہو، اسی طرح ہر وہ چربی جو پایوں، پہلو، سر، آنکھ اور ہڈی کے ساتھ لگی ہوتی تھی، وہ بھی ان کے لیے حلال تھی، امام سدی کا بھی یہی قول ہے۔[5]

ارشاد الٰہی: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ﴾ ’’یہ سزا ہم نے ان کو ان کی سرکشی کے سبب دی تھی۔‘‘ یعنی ہم نے انھیں اس تنگی اور مصیبت میں ان کی شرارت، بغاوت اور ہمارے احکام کی مخالفت کی وجہ سے مبتلا کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (النسآء 160:4)

’’تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں، حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔‘‘

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴾ ’’اور یقیناً ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔‘‘ یعنی ہم نے ان کے ظلموں کی وجہ سے انھیں جو سزا دی ہے تو اس میں ہم عدل کرنے والے ہیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اسی کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آپ کو جو یہ خبر دی ہے کہ ہم نے ان چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دے دیا تھا تو ہم اس میں سچے ہیں اور یہودیوں کی یہ بات جھوٹ پر مبنی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے لیے از خود حرام قرار دے لیا تھا۔[6]

یہود ملعون کی حیلہ سازی: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی ہے تو انھوں نے فرمایا اللہ سمرہ کو تباہ کرے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا] ’’اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے کہ ان کے لیے چربیوں کو حرام قرار دیا گیا تو انھوں نے انھیں پگھلا لیا اور فروخت کر دیا۔‘‘ اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔[7]

---

① تفسیر الطبری:99/8. ② تفسیر الطبری:100/8. ③ تفسیر الطبری:100/8. ④ تفسیر الطبری:100/8. ⑤ تفسیر الطبری:101/8. ⑥ تفسیر الطبری:102/8. ⑦ صحیح البخاری، البیوع، باب لا یذاب شحم المیتة ولا یباع ودکه، حدیث:2223 وصحیح مسلم، المساقاة، باب تحریم الخمر والمیتة، حدیث:1582 واللفظ له.

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿147﴾

پھر اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے، اور اس کا عذاب مجرم قوم سے ٹالا نہیں جاتا﴿147﴾

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے سال مکہ میں فرماتے ہوئے سنا:[إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنزِيرِ وَالْأَصْنَامِ، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ؟ فَإِنَّهَا يُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، فَقَالَ: لَا، هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا أَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ] ”بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کے بیچنے سے منع کیا ہے، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! مردہ جانوروں کی چربی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ اس سے کھالوں کو چکنائی لگائی جاتی ہے اور کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور اس سے لوگ چراغوں کو جلاتے ہیں آپ نے فرمایا: نہیں، وہ حرام ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کو تباہ و برباد کرے، ان کے لیے جب چربیوں کو حرام قرار دیا گیا تو انھوں نے انھیں پگھلا لیا اور انھیں بیچ دیا، پھر ان کی قیمت کھا گئے۔“[1] اس کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت:147

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اگر آپ کے یہ مخالف مشرکین اور یہودی وغیرہ آپ کی تکذیب کریں ﴿فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ﴾ ”تو کہہ دیجیے کہ تمھارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کے حصول اور اتباعِ رسول کی ترغیب ہے۔ ﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿147﴾﴾ ”اور اس کا عذاب گناہ گار لوگوں سے نہیں ٹلے گا۔“ یہ ان کے لیے اللہ کے رسول، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی مخالفت پر ترہیب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ترغیب و ترہیب کو ملا کر ہی بیان فرمایا ہے جیسا کہ اس سورت کے آخر میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الأنعام6:165) ”بے شک آپ کا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (الرعد6:13) ”اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا

---

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث:2236 وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام، حديث:1581. [2] سنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، حديث: 3486 وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في بيع جلود الميتة والأصنام، حديث:1297 وسنن النسائي، البيوع، باب بيع الخنزير، حديث:4673 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب مالا يحل بيعه، حديث:2167 ومسند أحمد: 324/3.

سَيَقُولُ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ط

جن لوگوں نے شرک کیا وہ جلد ہی کہیں گے: اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے۔ اسی طرح ان لوگوں

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوا بَاْسَنَا ط قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ

نے (حق کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انھوں نے ہمارا عذاب چکھ لیا۔ کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے تو اسے ہمارے سامنے

لَنَا ط اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿148﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ج

پیش کرو؟ تم تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہو، اور تم اٹکل پچو ہی سے کام لیتے ہو﴿148﴾ کہہ دیجیے: پھر مضبوط دلیل تو اللہ ہی کی ہے، لہٰذا اگر وہ چاہتا تو تم

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِينَ ﴿149﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ج

سب کو ہدایت دیتا﴿149﴾ کہہ دیجیے: تم اپنے گواہ لے آؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے ان (چیزوں) کو حرام کیا ہے، پھر اگر وہ گواہی دیں تو

فَاِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ج وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

بھی آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں، اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں جنھوں نے ہماری آیات جھٹلائیں اور (نہ) ان لوگوں کی (پیروی

بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ع ﴿150﴾

18 ع 6 5

کریں) جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں﴿150﴾

الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيمُ ۝ (الحجر 15:49,50) ”(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ بے شک میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔“ اور فرمایا: غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ (المؤمن 40:3) ”جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا (اور) سخت عذاب دینے والا ہے۔“ اور فرمایا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۝ اِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ۝ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ۝ (البروج 85:12-14) ”بے شک آپ کے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے، بلاشبہ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا اور وہ بخشنے والا (اور) محبت کرنے والا ہے۔“ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیات: 148-150

ایک مغالطہ اور اس کا رد: یہ ایک مناظرہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور ایک شبہ ہے جس کا مشرکوں نے اپنے شرک اور چیزوں کو حرام قرار دینے کے سلسلے میں سہارا لیا تھا، اللہ تعالیٰ کو ان کے شرک کا بھی علم تھا اور انھوں نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا تھا ان کا بھی اور اسے تبدیل کر دینے پر بھی قدرت تھی کہ وہ ہمیں ایمان الہام کر دیتا اور ہمارے اور کفر کے مابین حائل ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو تبدیل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہے اور وہ ہم سے راضی ہے، اسی لیے مشرکوں نے کہا تھا: ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ﴾ ”اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَقَالُوا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ط (الزخرف 43:20) ”اور کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو نہ

پوجتے۔'' سورۂ نحل کی آیت:35 بھی بالکل اسی طرح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے۔'' یعنی اسی شبہے کی بنیاد پر ان سے پہلے لوگ گمراہ ہوئے تھے، حالانکہ یہ محض ایک بودی اور باطل دلیل ہے اگر ان کی یہ دلیل صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں عذاب کیوں دیتا، انھیں تباہ و برباد کیوں کرتا، اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں اپنے رسولوں کو فتح یاب کیوں کرتا اور مشرکوں سے دردناک انتقام کیوں لیتا۔ ﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے؟'' کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ان حالات کی وجہ سے تم سے راضی ہے ﴿ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ﴾ ''تو اسے ہمارے سامنے نکالو'' ہمیں دکھاؤ اور اسے ظاہر اور واضح کرو۔ ﴿ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴾ ''تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو۔'' یعنی یہ محض تمھارا واہم و خیال ہے۔ یہاں ظن سے مراد اعتقاد فاسد ہے۔ اور تم اپنے اس دعوے میں اللہ تعالیٰ کی طرف محض جھوٹ منسوب کر رہے ہو۔

ارشاد الٰہی: ﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی کی حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔'' اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم ﷺ سے فرما رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت سے نوازنا چاہے اسے ہدایت دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اسے گمراہ کرنے میں اس کی حکمت تامہ اور حجت بالغہ کارفرما ہے اور اگر وہ چاہتا تو اپنی قدرت، مشیت اور اختیار کے ساتھ تم سب کو ہدایت عطا فرما دیتا مگر وہ مومنوں سے راضی اور کافروں سے ناراض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى ﴾ (الأنعام 35:6) ''اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر جمع کر دیتا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ﴾ (یونس 99:10) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب سارے ہی ایمان لے آتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ (ھود 11:118,119) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھروں گا۔''

امام ضحاک فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اس کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں، البتہ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے بندوں کے خلاف بہت مضبوط و مستحکم دلائل موجود ہیں۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو

[1] تفسیر الطبری:106/8 وتفسیر ابن أبی حاتم:1413/5 و تفسیر الخازن:170/2 عن الربیع بن أنس رحمہ اللہ۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا

کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر

مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو، سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو، ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾

تاکید کی ہے، تاکہ تم عقل سے کام لو ﴿151﴾

بتائیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں۔'' یعنی اپنے گواہوں کو حاضر کرو جو یہ گواہی دیں کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جن کی حرمت کی از راہِ کذب و افتراء تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی ہے۔ ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ ''پھر اگر وہ (آ کر) گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں۔'' کیونکہ اس حالت میں تو ان کی گواہی محض جھوٹی گواہی ہوگی ﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿150﴾﴾ ''اور نہ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور (بتوں کو) اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی اس کے ساتھ شرک کرتے اور لوگوں کو اس کا ہمسر بناتے ہیں۔

تفسیر آیت:151

دس وصیتیں: داود اَودی نے شعبی سے، انھوں نے علقمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحیفے کو دیکھنا چاہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہے تو وہ ان آیات کریمہ کو پڑھ لے: ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ تا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿153﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ (لوگو) آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا...... تاکہ تم اللہ سے ڈرو۔''[1]

امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ سورۂ انعام میں کچھ محکم آیات ہیں جو اصل کتاب ہیں، پھر انھوں نے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ......﴾ الآیة سے ان آیات کی تلاوت فرمائی، امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں فرمایا۔[2]

امام حاکم ہی نے (مستدرک میں) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث:3070. [2] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة الأنعام:317/2، حديث:3238.

[مَنْ يُّبَايِعُنِي عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ؟ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ حَتّٰى خَتَمَ الْآيَاتِ الثَّلَاثَ فَمَنْ وَّفٰى فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ، وَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا أَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا كَانَتْ عُقُوبَتَهُ ، وَمَنْ أَخَّرَ إِلَى الْآخِرَةِ كَانَ أَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُ] ''تم میں سے کون ہے جو ان آیات پر مجھ سے بیعت کرے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ سے تین آیات کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا: جو اس بیعت کو پورا کرے گا، اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی چیز کو کم کرے اور اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے تو وہ اس کی سزا ہوگی اور جسے آخرت تک مہلت دے دی جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔'' امام حاکم نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[1]

ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ ان مشرکوں سے یہ کہہ دیں کہ جنھوں نے غیر اللہ کی عبادت کی ہے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق کو حرام قرار دیا ہے، اپنی اولاد کو قتل کیا ہے اور انھوں نے یہ سب کچھ اپنی باطل آراء اور شیاطین کے بہکاوے کی وجہ سے کیا ہے تو آپ ان سے یہ کہہ دیں کہ آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں اور میں تم کو بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے کن کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور یہ محض وہم و خیال اور اٹکل کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ بات حقیقت اور وحیِ الٰہی پر مبنی ہے اور یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

شرک کی ممانعت: ﴿ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ﴾ ''کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔'' یہاں کچھ عبارت محذوف ہے جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس بات کی وصیت کی ہے کہ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنانا، اسی وجہ سے اس آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''ان باتوں کی وہ تمھیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَتَانِي جِبْرِيلُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ]، [مِنْ أُمَّتِكَ]، [دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ:]، [وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ]، [وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ] ''میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے مجھے یہ بشارت دی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہا: خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو۔ میں نے کہا: خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو۔ میں نے کہا: خواہ وہ زنا اور چوری کرتا ہو؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، خواہ وہ زنا

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنعام: 318/2 ، حديث: 3240 .

اور چوری کرتا ہو اور اگر شراب بھی پیتا ہو۔''①

بعض مسانید اور سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي فَإِنِّي سَأَغْفِرُ لَكَ عَلٰى مَاكَانَ مِنْكَ وَلاَ أُبَالِي، وَلَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيئَةً أَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً مَّالَمْ تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّإِنْ أَخْطَأْتَ حَتّٰى تَبْلُغَ خَطَايَاكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي، غَفَرْتُ لَكَ] ''اے ابن آدم! بے شک تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے امید لگائے رکھے گا، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا، خواہ تیرے کیسے بھی گناہ ہوں اور مجھے کوئی پروا نہیں اگر تو میرے پاس زمین بھر کر گناہ لے کر آئے تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا بشرطیکہ تو کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائے اگر چہ تو اس قدر گناہ کرے کہ تیرے گناہوں کے انبار آسمانوں کی بلندیوں کو چھونے لگیں، پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔''②

قرآن مجید میں اس حدیث کا شاہد یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (النسآء4:48) ''اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔'' صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:[مَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ] ''جو شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''③ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں۔

والدین سے حسن سلوک: ارشاد الٰہی: ﴿ وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ ''اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) حسنِ سلوک کرتے رہنا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی اور اس کا تمھیں حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنیٓ إسرآئيل17:23) ''اور آپ کے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' بعض نے اس آیت کریمہ کو اس طرح بھی پڑھا ہے:[وَوَصّٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ......] ''اور آپ کے پروردگار نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو......۔''④

یعنی اپنے ماں باپ سے حسن سلوک سے پیش آؤ، اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر اپنی طاعت اور ماں باپ سے بھلائی

① صحيح البخاري، الجنائز، باب ومن كان آخر كلامه...... مگر اس کا پہلا حصہ حدیث: 7487، دوسرا اور تیسرا، حدیث: 2388، چوتھا، حدیث: 5827 اور پانچواں حصہ حدیث: 6443 کے مطابق ہے و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على من مات ......، حديث: 94. ② اس روایت کو الفاظ اور ترتیب کے اختلاف کے ساتھ ملاحظہ کیجیے جامع الترمذي، الدعوات، باب: [الحديث القدسي: يا ابن آدم إنك ما دعوتني......]، حديث: 3540 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 172/5. ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة......، حديث: 92. ④ تفسير الطبري: 80/15.

کے حکم کو ملا کر بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○﴾ (لقمٰن 15,14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں، دنیا میں معروف طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کر، اور اس کے طریقے کی اتباع کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے، پھر میں ان سب سے تم کو آگاہ کروں گا۔'' ماں باپ مشرک ہوں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے حسب حال ان سے حسن سلوک کیا جائے، اسی طرح فرمایا: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (البقرة 83:2) ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا (قَالَ:) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: بِرُّالْوَالِدَيْنِ (قَالَ:) قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ سے نیکی کرنا، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے رستے میں جہاد کرنا۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں اگر میں مزید سوال کرتا تو آپ بھی جواب میں یقیناً مزید باتیں ارشاد فرماتے۔[1]

قتلِ اولاد کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ﴾ ''اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' جب اللہ تعالیٰ نے والدین اور اجداد کے بارے میں وصیت فرمائی تو اس کے ساتھ ہی اولاد اور احفاد کے ساتھ شفقت اور حسن سلوک کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''ناداری کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔'' زمانۂ جاہلیت کے لوگ شیطانوں کے بہکاوے میں آکر اپنی اولاد کو بھی قتل کر دیتے تھے، وہ عار کے خوف سے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے اور بسا اوقات فقر و افلاس کے خوف سے اپنے بیٹوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، حديث: 5970 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث: (137و139)-85 واللفظ له.

تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ:أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ]''تم اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اپنے بیٹے کو اس ڈر سے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ (الفرقان 68:25) ''اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے۔''[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور سدی وغیرہ ﴿ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فقر ہے۔[2] یعنی تمھیں جو فقر حاصل ہے اس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ (بنیٓ إسرآئیل 31:17) ''اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔'' یعنی مستقبل میں پیش آنے والی مفلسی کے خوف سے تم اسے قتل نہ کرنا، اس لیے وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ﴾ ''(کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' یعنی ان کے اہتمام کے باعث پہلے انھیں رزق دینے کا ذکر کیا، یعنی انھیں رزق میں شریک کرنے کی وجہ سے یہ اندیشہ نہ کرو کہ تم فقیر ہو جاؤ گے کیونکہ ان کا رزق تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور اس آیت میں فقر حاصل کی صورت کو بیان کیا جا رہا تھا، اس لیے فرمایا: ﴿ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ﴾ ''(کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' یہاں زیادہ اہم چونکہ یہ صورت تھی، اس لیے یہاں ان کی نسبت تم کا ذکر پہلے کیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد الٰہی: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ ''اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الأعراف 33:7) ''کہہ دیجیے: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ﴾ (الأنعام 120:6) کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ، (مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ) حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ] ''اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ باغیرت نہیں

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ...... ﴾ الآية (الفرقان 68:25)، حديث: 4761 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده، حديث: 86 . [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1415,1414/5.

ہے، غیرت ہی کی وجہ سے اس نے بے حیائی کی ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو حرام قرار دیا ہے۔“[1] عبدالملک بن عمیر نے ورّاد سے اور انھوں نے اپنے غلام مغیرہ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو دیکھ لوں تو تلوار سے اسے قتل کر دوں گا اور معاف نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: [تَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ؟ وَاللّٰهِ! لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي، وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ] ”تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی مجھ سے زیادہ باغیرت ہے، غیرت ہی کی وجہ سے اس نے بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کو حرام قرار دیا ہے۔“[2]

انسان کو قتل کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ”اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے، قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے۔)“ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل کی نہایت تاکید کے ساتھ ممانعت ہے ورنہ قتل بھی ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کے کاموں کی ممانعت میں داخل ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ] ”مرد مسلمان کا جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، خون تین صورتوں میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں ہے: (1) شادی شدہ ہو کر بدکاری کرے (2) اس نے کسی انسان کو قتل کیا ہو (3) دین کو ترک کر کے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لے۔“[3]

مسلمان کا قتل تو کجا معاہد کے قتل کے بارے میں بھی ممانعت، زجر و توبیخ اور وعید آئی ہے، معاہد سے مراد وہ شخص ہے جو اہل حرب میں سے ہو مگر وہ مسلمانوں سے امن طلب کر لے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت کو بیان کیا ہے: [مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَّمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا يُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا] ”جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہو رہی ہوگی۔“[4]

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ (الأنعام 151:6)، حدیث: 4634 و صحیح مسلم، التوبة، باب غیرة الله تعالٰی وتحریم الفواحش، حدیث: 2760، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، النکاح، باب الغیرة، حدیث: 5220 کے مطابق ہیں۔ [2] صحیح البخاری، التوحید، باب قول النبی ﷺ: [لا شخص أغیر من الله]، حدیث: 7416 و صحیح مسلم، اللعان، حدیث: 1499 والمعجم الکبیر للطبرانی، ترجمة عبدالملک بن عمیر عن وراد: 390/20، حدیث: 921 واللفظ له. [3] صحیح البخاری، الدیات، باب قول الله تعالٰی: ﴿اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ (المائدة 45:5)، حدیث: 6878 و صحیح مسلم، القسامة والمحاربین، باب ما یباح به دم المسلم، حدیث: 1676 واللفظ له. [4] صحیح البخاری، الجزیة والموادعة، باب إثم من قتل معاهدا بغیر جرم، حدیث: 3166.

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ پختگی کی عمر کو پہنچ جائے، اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

ساتھ پورا دو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿152﴾

رشتے دار (کا) ہو، اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو﴿152﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: [مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَّهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهٖ، (فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللّٰهِ) فَلَا يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ سَبْعِينَ خَرِيفًا] ''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا جبکہ اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، تو اس نے اللہ کے عہد کو توڑا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا، اور بے شک اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1] ارشاد الٰہی: ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾ ﴾ ''ان باتوں کی وہ تمھیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔'' یعنی اس نے تمھیں یہ وصیت اس لیے فرمائی ہے تاکہ تم اللہ کے حکم اور نہی کو سمجھ سکو۔

تفسیر آیت:152

مال یتیم کھانا حرام ہے: عطاء بن سائب نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' اور یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا ﴾ (النسآء4:10) ''یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔'' تو جس شخص کے زیر کفالت کوئی یتیم تھا تو اس نے اس کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے سے الگ کر دیا اور یتیم کے کھانے پینے کی کوئی چیز اگر بچ جاتی تو وہ اسے رکھ دیتا حتی کہ اسے خود وہ یتیم ہی کھاتا یا وہ خراب ہو جاتی، بہر حال یہ صورت حال ان کے لیے بہت گراں تھی، اس کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ﴾ (البقرة2:220) ''اور آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔'' تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انھوں نے ان کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے کے ساتھ ملا لیا۔[2]

[1] جامع الترمذی، الديات، باب ماجاء فيمن يقتل نفسا معاهدا، حديث:1403 وسنن ابن ماجه، الديات، باب من قتل معاهدا، حديث:2687، البتہ قوسین والے الفاظ جامع ترمذی میں ہیں۔ [2] سنن أبي داود، الوصايا، باب مخالطة اليتيم في الطعام، حديث:2871.

ارشادِالٰہی: ﴿حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ امام شعبی، امام مالک اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ''حتی کہ وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔''[1]

ماپ تول پورا کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ ''اور ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لیتے اور دیتے وقت عدل وانصاف سے کام لیا کرو جیسا کہ اس نے ترک عدل وانصاف پر وعید سناتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (المطففين83:1-6) ''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں میں سے ایک امت کو محض اس جرم کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا کہ وہ ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔

ارشادِالٰہی: ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔'' یعنی اگر کوئی شخص حق کے ادا کرنے اور وصول کرنے میں پوری کوشش کرے اور مقدور بھر کوشش کرنے کے بعد اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

گواہی میں انصاف کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ ''اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتے دار (کا) ہو۔'' جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ (المآئدة5:8) ''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔'' اسی طرح سورۂ نساء کی آیت:135 میں بھی یہی حکم دیا جو اس آیت کے مشابہ ہے کہ قول وفعل میں ہر قریب وبعید کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ہر وقت اور ہر حال میں انصاف کیا جائے اور انصاف کا دامن کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾ ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔'' حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو وصیت فرمائی ہے اسے پورا کرو اور اسے پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی اطاعت بجالاؤ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق عمل کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنا ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ ''ان باتوں کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔'' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے تمھیں اس کا مکلّف ٹھہرایا، اس کا حکم دیا اور اس کے

[1] تفسير الطبري:113,112/8 وتفسير ابن أبي حاتم:1419/5.

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو، اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔ اللہ

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿153﴾

نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو ﴿153﴾

متعلق زور دیا ہے، ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ یعنی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور اس سے قبل تم جن خرابیوں میں مبتلا تھے انھیں ترک کردو اور ان سے باز آجاؤ۔[1]

تفسیر آیت:153

صراط مستقیم پر چلنے کا حکم: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''اور تم دوسرے رستوں پر نہ چلنا وہ تمھیں اللہ کے رستے سے الگ کردیں گے۔'' اور ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشوریٰ 13:42) ''دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا'' اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ مل کر رہیں اور اختلاف وتفرقہ بازی سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تم سے پہلے لوگ دین میں لڑائی جھگڑے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ امام مجاہد وغیرہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔[2]

امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ایک خط کھینچا اور فرمایا: [هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ مُسْتَقِيمًا قَالَ: ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَّمِينِهِ وَشِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ: هٰذِهِ السُّبُلُ، وَلَيْسَ مِنْهَا سَبِيلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَّدْعُو إِلَيْهِ] ''یہ اللہ کا سیدھا رستہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ایسے رستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اس کی طرف دعوت دے رہا ہے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''اور یقیناً یہ میرا سیدھا رستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ وہ تمھیں اللہ کے رستے سے الگ کردیں گے۔''[3] امام حاکم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[4]

امام احمد رحمہ اللہ اور عبد بن حمید نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے اور یہ الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق ہیں۔ کہ ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے سامنے اس طرح خط کھینچا اور فرمایا: [هٰذَا سَبِيلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَخَطَّيْنِ عَنْ يَّمِينِهِ وَخَطَّيْنِ عَنْ شِمَالِهِ ، فَقَالَ: هٰذِهِ سُبُلُ[5] الشَّيْطَانِ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ فِي

[1] تفسير الطبري:114/8. [2] تفسير الطبري:117,116/8. [3] مسند أحمد:465/1 . [4] المستدرك للحاكم، التفسير ، تفسير سورة الأنعام:318/2 ، حديث:3241 . [5] بعض مقامات پر سَبِيل ''رستے'' کا لفظ ہے، دیکھیے مسند أحمد: 397/3 .

الْخَطِّ الْأَوْسَطِ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ] ''یہ اللہ کا رستہ ہے، پھر آپ نے دو خط اس کے دائیں جانب اور دو خط بائیں جانب کھینچے اور فرمایا: یہ شیطان کے راستے ہیں، پھر آپ نے درمیانی خط پر اپنا دست مبارک رکھا، پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔'' ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾[1] امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ صراط مستقیم کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ رستہ ہے کہ جس کے ایک کنارے پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھوڑا تھا اور اس کا دوسرا کنارا جنت میں ہے اور اس کے دائیں جانب بھی پگڈنڈیاں ہیں اور بائیں جانب بھی اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو وہاں سے گزرنے والوں کو دعوت دیتے ہیں جس نے ان پگڈنڈیوں کو اختیار کر لیا وہ اسے جہنم میں لے جائیں گی اور جو صراط مستقیم پر چلتا رہے، وہ اسے جنت میں پہنچا دے گا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ پڑھی:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ﴾.[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ، وَّعَلٰى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ ، وَّعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُّرْخَاةٌ، وَّعَلٰى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَّقُولُ: أَيُّهَا النَّاسُ ادْخُلُوا الصِّرَاطَ جَمِيعًا وَّلَا تَتَفَرَّجُوا، وَدَاعٍ يَّدْعُو مِنْ جَوْفِ الصِّرَاطِ ، فَإِذَا أَرَادَ يَفْتَحُ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ، وَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ ، وَالسُّورَانِ حُدُودُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَذٰلِكَ الدَّاعِي عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالدَّاعِي فَوْقَ الصِّرَاطِ وَاعِظُ اللّٰهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ]

''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال اس طرح بیان کی ہے کہ جیسے رستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہوں اور ان دونوں دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہوں، دروازوں پر لٹکتے ہوئے پردے ہوں، رستے کے دروازے پر ایک دعوت دینے والا یہ دعوت دے رہا ہو کہ اے لوگو! آؤ اور سب کے سب صراط مستقیم میں داخل ہو جاؤ اور الگ الگ رستے اختیار نہ کرو اور ایک دعوت دینے والا رستے کے درمیان سے بھی دعوت دیتا ہے، جب کوئی انسان ان میں سے کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے ہائے تجھ پر افسوس! اسے نہ کھولو کیونکہ اگر تم نے اسے کھولا تو اس میں داخل ہو جاؤ گے، پھر آپ نے اس مثال کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ رستے سے مراد اسلام ہے، دو دیواروں سے مراد اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں، کھلے ہوئے دروازوں سے مراد وہ امور ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، رستے کے کنارے پر داعی سے مراد کتاب اللہ ہے

[1] مسند أحمد:397/3 ومسند عبد بن حميد، من مسند جابر بن عبدالله:345/1 ، حديث:1141 وسنن ابن ماجه، السنة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، حديث: 11 ومسند البزار:131/5، حديث:1718. [2] تفسير الطبرى:117/8.

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

پھر ہم نے موسیٰ کو اس لیے کتاب دی کہ جو شخص اچھے کام کرے اس پر ہماری نعمتیں پوری ہوں، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے۔ اور یہ ہدایت

وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿154﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

اور رحمت کا ذریعہ ہے، تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں﴿154﴾ اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے، ہم نے اسے نازل کیا ہے، (یہ)

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿155﴾

برکت والی ہے، پس تم اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے﴿155﴾

اور رستے کے اوپر جو دعوت دینے والا ہے۔ اس سے مراد وہ واعظ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہے۔''[1] اور اس حدیث کو امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کیا ہے[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی: ﴿ فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾ ''تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے کے لیے واحد کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ حق ایک ہی ہے اور افتراق و اختلاف کی وجہ سے دیگر رستوں کے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ (البقرة 257:2) ''جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے کہ اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں کہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

تفسیر آیات: 155,154

تورات اور قرآن کی تعریف: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب قرآن مجید کے بارے میں یہ فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ﴾ (الأنعام 153:6) ''میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا۔'' تو پھر اس کے بعد تورات اور صاحب تورات رسول کی مدح میں فرمایا: ﴿ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ ''(ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی۔'' اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر قرآن مجید اور تورات کا اکٹھا ذکر فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا ﴾ (الأحقاف 12:46) ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی جو پیشوا اور رحمت ہے اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے، اس کی تصدیق کرنے والی۔'' اور اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا: ﴿ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ ﴾ (الأنعام 92:6) ''کہہ دیجیے کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے، اسے کس نے نازل کیا تھا؟ جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل)

[1] مسند أحمد:183,182/4. [2] جامع الترمذي، الأمثال، باب ماجاء في مثل الله عزوجل لعباده، حديث:2859 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، سورة يونس:361/6، حديث:11233.

کر رکھا ہے اس (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔'' پھر اس آیت کے بعد فرمایا: ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾ (الأنعام 6:93) ''اور (ویسی ہی) یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔'' اور مشرکوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ﴾ (القصص 28:48) ''پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں۔'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:48) ''کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں انھوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے کہ ہم سب کے منکر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جنوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾ (الأحقاف 46:30) ''اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا ﴾ ''تاکہ ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور تفصیل بیان کرنے کے لیے۔'' یعنی ہم نے اس (موسیٰ علیہ السلام) کو وہ کتاب دی جسے ہم نے اس پر نازل کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت بھی ہے اور ایک ایسی کامل کتاب جو ان تمام امور کی جامع ہے جن کی انھیں اپنی شریعت میں ضرورت تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ ﴾ (الأعراف 7:145) ''اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ ﴾ ''ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں۔'' اور یہ اس کے حسن عمل اور ہمارے حکم اور اطاعت کے بجالانے کی جزا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ ﴾ (الرحمٰن 55:60) ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ ﴾ (البقرة 2:124) ''اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے۔ اللہ نے کہا کہ بے شک میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ڛ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:24) ''اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے۔ جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً ﴾ ''اور ہر شے کی تفصیل بیان کرنے کے لیے اور ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے۔'' یہ اس کتاب کی مدح ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر نازل فرمایا تھا: ﴿ لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

تا کہ تم یہ نہ کہو کہ صرف ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود ونصاریٰ) پر کتاب نازل کی گئی تھی اور بے شک ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے (156) یا تم

لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

(یہ نہ) کہو کہ اگر بے شک ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم ضرور ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، چنانچہ یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ

ایک واضح کتاب اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے، پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، اور ان سے منہ موڑا؟ جو لوگ

سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝

ہماری آیات سے منہ موڑتے ہیں انھیں جلد ہم سخت عذاب کی شکل میں سزا دیں گے، اس لیے کہ وہ حق سے منہ موڑتے ہیں (157)

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ''تا کہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں۔ اور یہ کتاب بھی ہم ہی نے اتاری ہے برکت والی تو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تا کہ تم پر مہربانی کی جائے۔'' یہ قرآن مجید کی اتباع کی دعوت ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی کتاب کی ترغیب دی ہے اور انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اس میں تدبر کریں، اس کے مطابق عمل کریں، اس کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کی تعریف میں یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اس کی پیروی کرے گا اور اس کے مطابق عمل کرے گا تو یہ کتاب اس کے لیے دنیا وآخرت میں بابرکت ثابت ہوگی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی مضبوط ومستحکم رسی ہے۔

تفسیر آیات: 157,156

قرآن مجید مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے: امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو اس لیے نازل کیا ہے تا کہ تم یہ نہ کہو: ﴿اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ''کہ صرف ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتری ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے تا کہ تمھارا عذر ختم ہو جائے جیسا کہ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (القصص 47:28) ''اور ایسا نہ ہو کہ اگر ان (اعمال) کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں، ان پر کوئی مصیبت واقع ہو تو یہ کہنے لگیں کہ اے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے۔)''

ارشاد الٰہی: ﴿عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ''ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان دو گروہوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔[1] امام مجاہد، سدی، قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2] ﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝﴾ ''اور بے شک ہم ان کے پڑھنے سے (معذور اور) بے

[1] تفسیر الطبری:123/8. [2] تفسیر الطبری:123/8.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ

کیا وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی بعض نشانیاں آئیں؟ جس دن آپ

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا

کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اسے فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا، یا اس نے اپنے ایمان میں

خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿158﴾

کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا۔ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں﴿158﴾

خبر تھے۔'' جو وہ کہتے تھے، ہم اسے سمجھنے سے قاصر تھے کیونکہ ان کی زبان ہماری زبان سے مختلف تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اس سے غافل اور اپنے کاموں میں مشغول بھی تھے۔ ارشاد الٰہی: ﴿ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ ﴾ ''یا (یہ نہ) کہو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان لوگوں کی نسبت کہیں سیدھے رستے پر ہوتے۔'' یعنی ہم نے تمھاری اس بات کو بھی ختم کر دیا کہ اگر ہم پر بھی وہ کتاب نازل ہوتی جو ان پر نازل ہوئی تھی تو ان کی نسبت ہم زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ (فاطر 42:35) ''اور یہ اللہ کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آئے تو ضرور یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔''

اور اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ ﴾ ''چنانچہ یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے دلیل، ہدایت اور رحمت آگئی ہے۔'' تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی عربی حضرت محمد ﷺ کی زبانی قرآن عظیم آگیا ہے جس میں حلال وحرام کے احکام بھی ہیں جس میں دلوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا نور بھی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ان بندوں کے لیے سراپا رحمت بھی ہے جو اس کی پیروی کرتے اور اس کے احکام کی اطاعت بجالاتے ہیں۔

ارشاد الٰہی: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ﴾ ''تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور ان سے منہ موڑے؟'' رسول اللہ ﷺ جس چیز کو لے کر تشریف لائے ہیں، اس سے فائدہ نہ اٹھائے، آپ کو جس چیز کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، اس کی پیروی نہ کرے اور نہ اس کے سوا دیگر چیزوں کو ترک کرے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی آیات کی پیروی سے روکے۔ یہ امام سدی کا قول ہے۔[1] جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ ﴿ صَدَفَ عَنْهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے اعراض کرے۔[2]

تفسیر آیت:158

① تفسیر الطبری:125/8. ② تفسیر الطبری:125/8.

ایمان لانے میں تاخیر پر سرزنش: اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں، رسولوں کی مخالفت کرنے والوں، اس کی آیات کی تکذیب کرنے والوں اور اس کے رستے سے روکنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ ﴾ ''یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار آئے۔'' اور یہ قیامت کے دن ہوگا ﴿ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ﴾ ''یا آپ کے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں مگر جس روز آپ کے پروردگار کی نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔'' یہ قیامت سے پہلے ہونے والا ہے کہ جب وہ قیامت کی علامات اور اشراط کو دیکھیں گے تو اس وقت ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، فَإِذَا رَآهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا، فَذَاكَ حِينَ] ''اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا جب لوگ اسے مغرب سے طلوع ہوتا ہوا دیکھیں گے تو ایمان لے آئیں گے مگر یہ وہ وقت ہوگا: ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔''[1]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، وَالدَّجَّالُ ، وَدَابَّةُ الْأَرْضِ] ''تین نشانیاں جب نمودار ہوں گی تو اس وقت کسی ایسے شخص کو ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے: (1) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (2) دجال کا آنا اور (3) زمین سے جانور کا نکلنا۔''[2] اسے امام احمد نے بھی روایت کیا ہے اور ان کی روایت میں دھوئیں کا ذکر ہے۔[3] اور اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

امام احمد نے عمرو بن جریر کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ تین مسلمان مدینے میں مروان کے پاس بیٹھے تھے اور انھوں نے سنا کہ وہ قیامت کی نشانیوں کے بارے میں بیان کر رہا تھا کہ ان میں سے سب سے پہلی نشانی دجال کا آنا ہوگا، یہ لوگ عبداللہ بن عمرو کے پاس چلے گئے اور نشانیوں کے بارے میں مروان سے سنی ہوئی بات ان سے بیان کی تو عبداللہ نے کہا کہ مروان نے یہ بات صحیح طرح بیان نہیں کی جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک حدیث یاد کی ہے جسے آج تک میں بھولا نہیں ہوں، میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: [إِنَّ أَوَّلَ الْآيَاتِ خُرُوجًا طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِهَا،

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا ﴾ (الأنعام 158:6)، حديث: 4635 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الزمن الذي لا يقبل فيه الإيمان، حديث: 157 وتفسير الطبري: 129/8. [2] تفسير الطبري: 135/8.
[3] مسند أحمد: 446,445/2. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الزمن الذي لايقبل فيه الإيمان، حديث: 158.

وَخُرُوجُ الدَّابَّةِ ضُحًى ، فَأَيَّتُهُمَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْأُخْرَى عَلَى أَثَرِهَا] ''قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور چاشت کے وقت زمین سے ایک جانور نکلے گا، ان میں سے جو نشانی پہلے نمودار ہو تو دوسری بھی فوراً اس کے بعد نمودار ہو جائے گی۔''

پھر عبداللہ نے جو سابقہ آسمانی کتابیں پڑھتے رہتے تھے، کہا کہ میرا خیال ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہوگا، سورج جب بھی غروب ہوتا ہے تو وہ عرش الٰہی کے نیچے آ کر سجدہ کرتا ہے، پھر واپس جانے کے لیے اجازت طلب کرتا ہے تو اسے واپس جانے کی اجازت مل جاتی ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ جب اسے مغرب سے طلوع کرنا چاہے گا تو وہ اپنے حسب معمول عرش الٰہی کے نیچے آ کر سجدہ کرے گا اور واپس جانے کے لیے اجازت طلب کرے گا مگر اسے کوئی جواب نہیں دیا جائے گا، یہ پھر واپسی کے لیے اجازت طلب کرے گا مگر اسے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا جائے گا حتی کہ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے رات کا کچھ حصہ چلا جائے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ اگر اسے واپسی کی اجازت مل بھی جائے تو وہ مشرق کو نہیں پہنچ سکے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! مشرق کس قدر دور ہے، مجھے لوگوں تک کون پہنچائے گا حتی کہ افق جب ایک طوق کی طرح محسوس ہوگا تو سورج پھر واپسی کے لیے اجازت طلب کرے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنی اسی جگہ سے طلوع ہو تو یہ لوگوں کے لیے مغرب سے طلوع ہوگا۔

پھر عبداللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ ''جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا، اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس دن جب کافر ایمان لے آئے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور جو شخص اس دن سے پہلے مومن ہوگا اور عمل صالح کرتا ہوگا تو وہ عظیم بھلائی میں ہوگا اور اگر وہ عمل صالح کرنے والا نہ ہوگا اور اس دن توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی جیسا کہ سابقہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور یہی معنی ہیں ﴿اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ کے، یعنی اس سے نیک عمل بھی اس وقت قبول نہ ہوگا اگر اس نے اس سے پہلے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔

اور ارشاد الٰہی: ﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے کہ تم بھی انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔'' یہ کافروں کے لیے شدید سرزنش ہے اور اس شخص کے لیے زبردست وعید ہے جو اپنے ایمان اور توبہ کو اس وقت تک کے لیے مؤخر کر دے جب ایمان یا توبہ بھی نفع بخش نہ ہوگی، یعنی اس وقت تک جب سورج مغرب سے طلوع

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب في خروج الدجال ومكثه الأرض......، حديث:2941 وسنن أبي داود، الملاحم، باب أمارات الساعة، حديث:4310 وسنن ابن ماجه، الفتن، باب طلوع الشمس من مغربها، حديث:4069 ومسند أحمد:201/2 واللفظ له .

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ بازی کی، اور وہ گروہوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، بے شک ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ

اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿159﴾

میں ہے، پھر وہ انھیں ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو وہ کرتے رہے تھے ﴿159﴾

ہوگا کیونکہ یہ وہ وقت ہوگا جب قیامت بالکل قریب آ جائے گی اور اس کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ ﴾ (محمد 18:48) ''اب تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھتے ہیں کہ ناگہاں ان پر آ واقع ہو۔ سو اس کی نشانیاں (وقوع میں) آ چکی ہیں، پھر جب وہ ان پر آ نازل ہوگی، اس وقت انھیں نصیحت کہاں مفید ہو سکے گی؟''

اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ۝ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ (المؤمن 85,84:40) ''چنانچہ جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے، ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے تو (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔''

تفسیر آیت:159

تفرقہ بازی کی مذمت: امام مجاہد، قتادہ، ضحاک اور سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں اختلاف کیا تھا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب آپ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴾ ''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''[2]

لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت عام اور ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ کے دین کو چھوڑ دے اور اس کی مخالفت کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لیے مبعوث فرمایا تھا تاکہ وہ اسی کو تمام دینوں پر غالب کر دے، دین و شریعت ایک ہی ہے، اس میں کوئی اختلاف و افتراق نہیں ہے جو اس میں اختلاف کریں ﴿ وَ كَانُوْا شِیَعًا ﴾ ''اور کئی کئی فرقوں میں بٹ جائیں۔'' جیسے مختلف ملتوں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے خواہشات اور گمراہیوں کے پجاری ہیں تو جس فرقہ پرستی میں یہ لوگ مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بری قرار دیا ہے۔ یہ آیت اسی

[1] تفسیر الطبری:139,138/8۔ [2] تفسیر الطبری:139,138/8۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا

جو شخص (وہاں) ایک نیکی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا تو اسے بس اس کے برابر ہی سزا دی

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝١٦٠

جائے گی۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۝١٦٠

طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل آیت ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ...... الآية (الشوریٰ 42:13) ''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے نبی!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے......۔''

حدیث میں ہے: [وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ''انبیاء علاتی بھائیوں (جو ایک باپ اور مختلف ماؤں کی اولاد ہوں) کی طرح ہیں کہ ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں اور دین ایک ہے۔''[1] یہی وہ صراط مستقیم ہے اور یہی وہ دین ہے جسے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آئے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور ان میں سے سب سے آخر میں تشریف لانے والے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو اختیار کیا جائے اور جو چیز اس کے خلاف ہوگی، وہ محض ضلالتوں، جہالتوں، انسانی آراء اور نفسانی خواہشات پر مبنی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے رسول اس سے بری ہوں گے جیسا کہ یہاں فرمایا: ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ ''آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔'' اور ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝١٥٩﴾ ''بے شک ان کا کام اللہ کے حوالے، پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو بتائے گا۔'' یہ آیت کریمہ اسی طرح ہے جیسے حسب ذیل آیت ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الحج 22:17) ''بے شک جو لوگ مومن ہیں اور جو یہودی اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک ہیں اللہ ان میں روز قیامت فیصلہ کر دے گا۔'' پھر روز قیامت اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں جو لطف و عدل ہوگا، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ .... وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝١٦٠﴾۔

تفسیر آیت:160

نیکی کا ثواب دس گنا اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر: اس آیت کریمہ میں اس اجمال کی تفصیل ہے جسے دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا تھا: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ﴾ (القصص 28:84) ''جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس سے بہتر (صلہ موجود) ہے۔'' اس آیت کریمہ کے مطابق بہت سی احادیث بھی وارد ہیں۔

جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کیا ہے: [إِنَّ رَبَّكُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى رَحِيمٌ، مَّنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا﴾ (مريم 19:16)، حديث:3443 وصحيح مسلم، الفضائل باب فضائل عيسىٰ عليه السلام، حديث:2365 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشَرَةً إِلٰى سَبْعِمِائَةٍ ، إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ ، وَّمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ وَاحِدَةً ، أَوْ يَمْحُوهَا اللّٰهُ ، وَلَا يَهْلِكُ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا هَالِكٌ] ''بے شک تمھارا رب تبارک وتعالیٰ رحم فرمانے والا ہے جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لیے دس سے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے، پھر اسے عملی جامہ نہ پہنائے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لیے ایک ہی برائی لکھ دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف فرما دیتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف تباہ و برباد ہونے والا شخص ہی ہلاک ہوتا ہے۔''[1] اسے امام بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيدُ ، وَمَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَجَزَاؤُهَا مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ ، وَمَنْ عَمِلَ قُرَابَ الْأَرْضِ خَطِيئَةً ثُمَّ لَقِيَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْئًا جَعَلْتُ لَهُ مِثْلَهَا مَغْفِرَةً ، وَّمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا، اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَّمَنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا، اِقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَّمَنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً] ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص نیک عمل کرے تو اسے دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے اور جو شخص کوئی برا عمل کرے تو اسے اس کے برابر ہی گناہ ہوتا ہے یا میں اسے معاف کر دیتا ہوں اگر کسی نے زمین بھر گناہ کیے، پھر مجھے اس حال میں ملا کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا ہو تو میں اس کے لیے اتنی ہی مغفرت پیدا کر دیتا ہوں جو ایک بالشت میرے قریب آئے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں جو ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دونوں ہاتھوں کی مسافت کے برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں جو چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں۔''[3] اور اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

یاد رہے برائی کو چھوڑنے اور اسے عملی جامہ نہ پہنانے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو انسان اسے اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کر دیتا ہے تو اس صورت میں برائی نہ کرنے کی وجہ سے اس کے لیے نیکی لکھ دی جاتی ہے کیونکہ یہ عمل ہے اور اس کی نیت بھی موجود ہے، اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس نے میری وجہ سے اس برائی کو ترک کیا ہے،[5] کبھی انسان نسیان اور بھول کی وجہ سے اس برائی کو ترک کرتا ہے تو اس صورت میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ ثواب کیونکہ اس نے نہ نیک عمل کی نیت کی اور نہ برے عمل کو ترک کیا اور کبھی

[1] مسند أحمد:279/1. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة، حديث:6491 وصحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت وإذا هم بسيئة لم تكتب، حديث:131 والسنن الكبرىٰ للنسائي، النعوت، الرحيم:396/4 ، حديث:7670 . [3] مسند أحمد:153/5. [4] صحيح مسلم، الذكر و الدعاء، باب فضل الذكر والدعاء والتقرب إلى الله تعالى وحسن الظن به، حديث:2687 . [5] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (الفتح15:48)، حديث:7501 .

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا

(اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کی، ایک رب کے پرستار

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿161﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿162﴾

ابراہیم کے طریقے کی، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا﴿161﴾ کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، (سب کچھ) اللہ

لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿163﴾

رب العالمین ہی کے لیے ہے﴿162﴾ اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی (بات یعنی توحید) کا حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں﴿163﴾

انسان برائی کے لیے پورا زور صرف کرتا ہے، اس کے لیے تمام اسباب و وسائل کو اختیار کرتا ہے مگر اسے عملی جامہ پہنانے سے عاجز و قاصر رہتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے برا کام کرلیا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ] ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ملتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم رسید ہوں گے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو قاتل ہے مگر مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ فرمایا: اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر تلا ہوا تھا۔''①

حافظ ابوالقاسم طبرانی نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْجُمُعَةُ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَّذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾] ''جمعہ گزرے ہوئے جمعے (سات دن) اور تین دن زیادہ (دس دنوں کے گناہوں) کا کفارہ بن جاتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا، اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں گی۔''②

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ فَقَدْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ] ''جو شخص ہر ماہ تین روزے رکھ لے تو اس نے گویا زمانے بھر کے روزے رکھ لیے۔'' یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے مطابق ہیں، نیز اسے امام نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں: [فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِهِ: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾ اَلْيَوْمُ بِعَشْرَةِ أَيَّامٍ] ''اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق اپنی کتاب میں اس طرح نازل فرمائی ہے: ''جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا، اس کو ویسی دس نیکیاں ملیں

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ﴾ (الحجرات 9:49)، حديث: 31 و صحيح مسلم، الفتن، باب إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، حديث: 2888. ② المعجم الكبير للطبراني: 298/3، حديث: 3459 اس حدیث کی سند بوجہ انقطاع ضعیف ہے لیکن صحیح مسلم، الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت في الخطبة، حديث: (27,26)-857 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کو تقویت ملتی ہے، یہاں اس میں آیت کا ذکر نہیں ہے۔

گی۔'' یعنی ایک دن دس دن کے برابر، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[1]

اس موضوع سے متعلق اگرچہ احادیث و آثار بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ہم نے جو ذکر کیے ہیں، امید ہے یہ ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ثابت ہوں گے۔ وَبِهِ الثِّقَةُ.

تفسیر آیات:161-163

اسلام ہی صراط مستقیم ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اس مقام پر یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بتادیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ عظیم الشان انعام فرمایا ہے کہ آپ کی اس صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، جس میں کوئی کجی اور ٹیڑھ پن نہیں ہے جو ﴿ دِيْنًا قِيَمًا ﴾ ''دین صحیح'' قائم اور ثابت دین کا رستہ ہے۔ ﴿ مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ ''مذہب ابراہیم کا جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾ (البقرۃ2:130) ''اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے، سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔''

اور فرمایا: ﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (الحج22:78) ''اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمھارے لیے) تمھارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا۔)'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۭ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (النحل16:120-123) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور بے شک وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

رسول اکرم ﷺ کو جو ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ سے زیادہ کامل تھے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے تو دین حنیف کو اس طرح عظیم الشان طریقے سے قائم فرمایا اور آپ کے لیے اسے اس طرح مکمل کر دیا گیا کہ آپ سے پہلے کوئی بھی کمال کے اس درجے پر فائز نہیں ہوا، اسی لیے آپ ہی خاتم الانبیاء ہیں اور

[1] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في صوم ثلاثة أيام من كل شهر، حديث:762 وسنن النسائي، الصيام، ذكر الاختلاف على أبي عثمان......، حديث:2411 وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ماجاء في صيام ثلاثة أيام من كل شهر، حديث:1708 ومسند أحمد:146/5.

آپ ہی کی ذات گرامی علی الاطلاق تمام اولاد آدم کی سردار ہے اور آپ ہی اس مقام محمود پر فائز ہوں گے جس کی تمام مخلوق حتی کہ حضرت خلیل علیہ السلام بھی خواہش کریں گے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ [قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ] ''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ کون سا دین اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: آسان دین حنیف۔''[1]

اخلاص کے ساتھ عبادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ان مشرکوں کو یہ بتادیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے اور غیر اللہ کے نام پر اپنے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں کہ آپ ان کاموں میں ان کے مخالف ہیں، آپ کی نماز محض اللہ ہی کے لیے ہے اور آپ کی عبادت صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ (الکوثر 2:108) ''آپ اپنے پروردگار ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔'' یعنی اپنی نماز اور قربانی کو اسی کی ذات گرامی کے لیے خالص کریں، مشرکین بتوں کی عبادت کرتے اور انھی کے لیے جانور ذبح کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی مخالفت کرتے ہوئے، ان کے طریقے سے انحراف کریں اور اللہ ہی کے لیے اخلاص کی نیت اور قصد وارادہ کرلیں، امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ ﴾ ''میں نُسُك سے حج اور عمرے میں جانوروں کا ذبح کرنا مراد ہے۔''[2]

امام ابن ابوحاتم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قربان کے دن دو مینڈھوں کی قربانی دی اور انھیں ذبح کرتے ہوئے یہ پڑھا: ﴿ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ (الأنعام 79:6) ﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ ''میں نے اپنا چہرہ اس اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے، میں نے سب سے منہ موڑ لیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔'' ''بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' دو آیتوں کے آخر تک پڑھا۔[3]

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اسلام ہی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ ''اور میں پہلا فرمانبردار ہوں۔'' امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس امت میں سب سے پہلا مسلمان میں ہوں۔[4] اور بات بھی اسی طرح ہے کیونکہ آپ سے پہلے بھی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اسلام ہی کی طرف تھی اور اسلام یہ ہے کہ محض اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ

[1] مسند أحمد: 236/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1434/5. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 1434/5. [4] تفسير الطبري: 148/8.

اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ (الأنبياء21:25) ”اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔“ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہ کہا تھا: فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (يونس10:72) ”پھر اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا، میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔“

اور فرمایا: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (البقرة2:130-132) ”اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کرسکتا ہے، سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو، ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ (زمرۂ) صلحاء میں ہوں گے جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا! بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تم مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔“

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ (يوسف12:101) ”اے پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (يونس10:84-86) ”اے قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) فرمانبردار ہو تو اسی پر بھروسا رکھو تو وہ بولے کہ ہم اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال اور اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات بخش۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ (المائدة5:44) ”بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی۔“ اور فرمایا: وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝ (المائدة5:111) ”اور جب میں نے حواریوں کی

طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لائے، تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔‘‘

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسولوں کو دین اسلام کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ ہاں، البتہ وہ اپنی ان خاص شریعتوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے ضرور مختلف تھے جن میں سے بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ بعض دوسری شریعتوں کو منسوخ کرتا آیا ہے حتی کہ حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ سابقہ تمام شریعتوں کو تو منسوخ کر دیا مگر اب شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ابدالآباد کے لیے ہے اور یہ کبھی بھی منسوخ نہیں ہوگی بلکہ یہ قیامت تک قائم ومنصور اور باقی رہے گی، اسی لیے نبیٔ اکرم علیہ السلام نے فرمایا ہے: [وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ’’انبیاء علاتی بھائیوں کی طرح ہیں ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف اور دین ایک ہے۔‘‘[1] علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو مگر مائیں مختلف ہوں، اس طرح دین ایک ہے اور وہ یہ کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور شریعتیں مختلف ہیں جو مختلف ماؤں کے مانند ہیں، اخیافی بھائی اس کے برعکس ہوتے ہیں، یعنی ان کی ماں ایک اور باپ مختلف ہوتے ہیں اور اعیانی بھائی وہ ہوتے ہیں جو ایک ہی ماں اور باپ کی اولاد ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم .

امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تکبیر کہتے تو استفتاح کے طور پر یہ دعا پڑھتے تھے: [﴿ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ﴾ (الأنعام 79:6) ﴿ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴾ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ، ظَلَمْتُ نَفْسِي، وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْلِي ذُنُوبِي جَمِيعًا، لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ، وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ]

’’بے شک میں نے اپنا چہرہ اس پروردگار کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، سب سے منہ موڑ کر، اسی کا فرمانبردار بن کر اور میرا مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں، بے شک میری نماز، میری عبادت، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے، اے اللہ! تو (تمام کائنات کا) مالک ہے، تیرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں تو میرے تمام کے تمام گناہ معاف فرمادے، تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا تو مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت عطا فرما، اس لیے کہ بہترین اخلاق کی تیرے سوا اور کوئی ہدایت عطا نہیں فرما سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے دور رکھ، برے اخلاق کو تیرے سوا اور کوئی مجھ سے دور نہیں رکھ سکتا، تو بہت ہی برکت والا ہے اور بہت ہی بلند وبالا ہے، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری ہی جانب رجوع کرتا ہوں۔‘‘[2]

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا ﴾ (مريم 16:19)، حديث:3443 و صحيح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث:2365 عن أبي هريرة رضي الله عنه . [2] مسند أحمد:94/1 .

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

کہہ دیجیے: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ جبکہ وہی ہر چیز کا رب ہے، اور کوئی شخص ایسا (گناہ) نہیں کماتا جس کا وبال اسی پر نہ ہو، اور کوئی

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر اپنے رب ہی کی طرف تمھیں لوٹنا ہے، چنانچہ وہ تمھیں ان باتوں سے آگاہ کرے گا جن میں تم

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿164﴾

اختلاف کرتے رہے تھے ﴿164﴾

اس کے بعد امام احمد نے باقی ساری حدیث بھی بیان کی ہے جس میں رکوع وسجود اور تشہد کی دعاؤں کا بھی ذکر ہے، امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[1]

تفسیر آیت:164

اخلاصِ توکل کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' اے محمد (ﷺ)! ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کے لیے عبادت وتوکل میں اخلاص سے کام نہیں لیتے۔ ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں؟'' ﴿وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''حالانکہ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔'' وہی مجھے پالتا، میری حفاظت کرتا اور میرے معاملے کی تدبیر کرتا ہے، لہٰذا میں اسی پر توکل کرتا ہوں، اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ وہ ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے، اسی نے تمام کائنات کو پیدا فرمایا اور تمام کائنات میں اسی کا حکم کارفرما ہے۔

اس آیت کریمہ میں اخلاصِ توکل کا حکم ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت میں اللہ وحدہ لاشریک کے لیے اخلاصِ عبادت کا حکم ہے اور ان دونوں باتوں کو قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر ملا کر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہ کہیں: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ (الفاتحة 5:1) ''(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ﴾ (ھود 123:11) ''چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا رکھیں۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ﴾ (الملك 29:67) ''کہہ دیجیے کہ وہ (جو اللہ) رحمان (ہے) ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝﴾ (المزمل 9:73) ''(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔'' اور اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ﴾ ''اور جو کوئی (برا) کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے دن بدلہ دیے جانے اور اس کے فیصلے اور عدل کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ تمام

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 771.

لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا صلہ ملے گا اور اگر اعمال برے ہوئے تو برا بدلہ ملے گا اور کسی کے گناہ کے بوجھ کو دوسرا کوئی نہیں اٹھائے گا اور یہ بھی اسی کے عدل ہی کے سبب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (فاطر 18:35) ''اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔''

اور ارشاد الٰہی: ﴿ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 112:20) ''نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہوگا نہ حق تلفی کا۔'' علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بھی شخص پر ظلم نہیں ہوگا کہ اس پر کسی اور کے گناہوں کا بوجھ ڈال دیا جائے اور نہ کسی پر یہ زیادتی ہوگی کہ اس کی نیکیوں کو کم کر دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ ﴾ (المدثر 39,38:74) ''ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے مگر دائیں طرف والے (نیک لوگ۔)'' اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے برے اعمال کے بدلے گروی ہے مگر داہنی طرف والے نیک لوگ کہ ان کے اعمال صالحہ کی برکت ان کی اولاد اور ان کے قرابت داروں کو بھی حاصل ہوگی۔

جیسا کہ سورۂ طور میں فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (الطور 21:52) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچا دیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔'' یعنی جنت میں انھیں حاصل ہونے والے بلند مرتبے پر ہم ان کی اولاد کو بھی فائز کر دیں گے اگرچہ انھوں نے ان جیسے اعمال نہیں کیے ہوں گے لیکن اصل ایمان میں وہ ان کے ساتھ ضرور شریک ہوں گے اور ہم ان بلند مرتبہ اور معزز لوگوں کے اعمال میں سے بھی کچھ کم نہ کریں گے کہ انھیں کم کر کے ان لوگوں کو جو اعمال میں ان سے کم تر ہیں، ان کے برابر کر دیں بلکہ اولاد کو اللہ تعالیٰ ان کے آباء کے اعمال کی برکت سے محض اپنے فضل و کرم کے ساتھ ان کے بلند مرتبہ پر فائز کر دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ ﴾ (الطور 21:52) ''ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔'' یعنی برے اعمال میں۔ ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾ ''پھر تم (سب) کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔'' یعنی تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم اپنے دین کے مطابق عمل کرتے رہیں گے، پھر تم بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاؤ گے اور ہم بھی اور وہ ہمیں اور تمھیں جن باتوں میں اختلاف تھا ان کے بارے میں بھی ہم سب کو بتا دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (سبا 26,25:34) ''کہہ دیجیے کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش ہوگی اور نہ تمھارے اعمال کی ہم سے پرسش ہوگی کہہ دیجیے کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا (اور) صاحب علم ہے۔''

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ

اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر اونچے درجے عطا کیے تاکہ وہ تمھیں ان نعمتوں میں

اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿165﴾

آزمائے جو اس نے تمھیں دیں۔ بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿165﴾

تفسیر آیت:165

اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے خلیفہ بنایا اور درجات میں فرق رکھا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا۔'' یعنی اس نے تم کو زمین میں ایسی مخلوق بنایا کہ تم نسلاً بعد نسلٍ، قرناً بعد قرنٍ اور خلفاً بعد سلفٍ زمین کو آباد کرتے ہو، یہ ابن زید وغیرہ کا قول ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ (الزخرف 60:43) ''اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمھاری جگہ زمین میں رہتے۔'' اور فرمایا: وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل 62:27) ''اور (کون) تم کو زمین میں (پہلے لوگوں کا) جانشین بناتا ہے۔'' اور فرمایا: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرة 30:2) ''بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' اور فرمایا: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الأعراف 129:7) ''قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

﴿ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ ''اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے۔'' یعنی اس نے رزق، اخلاق، خوبیوں، خرابیوں، صورتوں، شکلوں اور رنگوں میں تم کو ایک دوسرے سے مختلف کر دیا اور اس میں بھی اس کی بہت حکمت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف 32:43) ''ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔'' اور فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (بنی إسرآءيل 21:17) ''دیکھیے! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور فضیلت میں کہیں بڑھ کر ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''تاکہ جو کچھ اس نے تمھیں بخشا ہے، اس میں تمھاری آزمائش کرے۔'' یعنی وہ تمھاری اس میں آزمائش کرے جس کا اس نے تم پر انعام فرمایا اور تمھارا امتحان کیا ہے تاکہ وہ دولت مند کو دولت دے کر آزمائے، پھر اس سے پوچھے کہ اس نے شکر ادا کیا ہے یا نہیں۔ اور فقیر کو فقر سے آزمائے اور اس سے یہ پوچھے کہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1435/5.

اس نے صبر کیا ہے یا نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَّإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ؟ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ] ''بے شک دنیا شیریں اور سرسبز وشاداب ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں تمھیں ایک دوسرے کے بعد بھیجنے والا ہے اور وہ یہ دیکھنے والا ہے کہ تم کیا عمل کرتے ہو، پس دنیا سے بچ جاؤ اور عورتوں سے بچ جاؤ کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کے بارے میں تھا۔''[1]

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔'' یہ ترہیب وترغیب ہے کہ اس کا حساب اور عذاب اس کے لیے بہت جلد آنے والا ہے جو اس کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی مخالفت کرے۔ ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔'' اس کے لیے جو اس کی دوستی اختیار کرے اور اس کے رسول جس خبر اور طلب کو لے کر آئے ہیں، اس میں ان کی اتباع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات میں اپنی ان دونوں صفتوں کو یکجا بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ﴾ (الرعد 6:13) ''اور یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار سخت عذاب دینے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○ ﴾ (الحجر 15:49،50) ''(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے شک میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جو ترغیب وترہیب پر مشتمل ہیں اللہ تعالیٰ کبھی تو اپنے بندوں کو جنت کی صفتوں اور اپنی نعمتوں کی طرف توجہ دلا کر ترغیب دیتا ہے اور کبھی جہنم، اس کی سزاؤں، اس کے عذابوں اور روز قیامت کی ہولناکیوں کو بیان کر کے ڈراتا ہے اور کبھی ترغیب وترہیب دونوں کو یکجا بیان فرماتا ہے تاکہ ہر شخص اس سے اپنے حسب حال نصیحت حاصل کر سکے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ان بندوں میں سے بنائے جو اس کے احکام کی اطاعت بجالاتے، اس کے منع کردہ امور کو ترک کر دیتے اور اس کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ إِنَّهٗ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ سَمِيعُ الدُّعَاءِ جَوَّادٌ كَرِيمٌ وَّهَّابٌ.

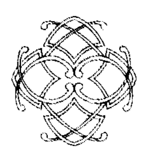
امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ

[1] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب أکثر أهل الجنة الفقراء ......، حدیث:2742، البتہ [فناظر] کا لفظ جامع الترمذی، الفتن، باب ماأخبر النبی ﷺ ......، حدیث:2191 کے مطابق ہے۔

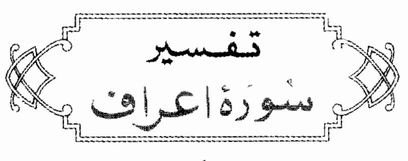
مَا عِنْدَاللّٰهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمِعَ (بِجَنَّتِهِ) أَحَدٌ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنَ الْجَنَّةِ أَحَدٌ] ،[خَلَقَ اللّٰهُ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَوَضَعَ رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَيْنَ خَلْقِهِ يَتَرَاحَمُونَ بِهَا، وَعِنْدَاللّٰهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُونَ رَحْمَةً] ''اگر مومن کو علم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کس قدر شدید سزائیں ہیں تو کوئی بھی (اس کی) جنت کی طمع نہ کرے اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کس قدر بے پایاں ہے تو کوئی بھی (اس کی) جنت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک سو قسم کی رحمت پیدا فرمائی اور ان میں سے صرف ایک قسم کی رحمت کو اپنی مخلوق میں بانٹ دیا اور اسی کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں اور باقی ننانوے اقسام کی رحمتیں خود اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا اور امام مسلم نے بھی اسے روایت فرمایا ہے۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي] ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک کتاب میں جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے، یہ لکھا ہے: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''[3]

سورۂ انعام کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.



[1] مسند أحمد:334/2. [2] صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:2752 و2755 و جامع الترمذي، الدعوات، باب: [لو يعلم المؤمن ما عندالله من العقوبة......]، حديث:3542 . [3] صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث:2751 .



یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(شروع) اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ

الٓمّٓصٓ ① (اے نبی!) یہ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے آپ کے سینے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ

کو) ڈرائیں اور (یہ) مومنوں کے لیے نصیحت ہے ② تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور تم

اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③

اس کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو، تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو ③

تفسیر آیت:1-3

حروفِ مقطعات سے متعلق بحث قبل ازیں سورۂ بقرہ کے آغاز میں ہو چکی ہے۔[1] ﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ''(اے نبی! یہ کتاب (جو) آپ پر نازل ہوئی ہے۔'' یعنی یہ کتاب آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے، ﴿ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ ''تو اس سے آپ کے سینے میں تنگی نہیں ہونی چاہیے۔'' امام مجاہد، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کے بارے میں آپ کے دل میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔[2] اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس کتاب کے پہنچانے اور اس کے ساتھ ڈرانے کے بارے میں آپ تنگ دل نہ ہوں ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 35:46) ''پس جس طرح دوسرے عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں، اسی طرح آپ بھی صبر کریں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ لِتُنْذِرَ بِهٖ ﴾ ''تاکہ آپ اس کے ذریعے سے ڈرائیں۔'' یعنی ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ اس کے ساتھ آپ کافروں کو ڈرائیں ﴿ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② ﴾ ''اور (یہ) ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے کائناتِ انسانی کے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''(لوگو!) جو (کتاب) تمھاری طرف تمھارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئی ہے، اس کی پیروی کرو۔'' یعنی تم اس نبی اُمی محمد ﷺ کے نقشِ قدم پر چلو جو تمھارے پاس ایسی کتاب لے کر آئے ہیں جو تمھاری طرف ہر چیز کے رب اور مالک کی طرف سے نازل

① دیکھیے البقرۃ 2:1 کے ذیل میں عنوان: ''حروف مقطعات کے متعلق بحث'' ② تفسیر الطبری: 8/154.

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا

اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں کہ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، تو ان کے پاس ہمارا عذاب اس وقت آیا، جب وہ رات کو سوئے ہوئے تھے یا وہ دوپہر کو آرام کر رہے

كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ

تھے④ پھر جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو ان کی پکار بس یہی تھی کہ وہ کہہ اٹھے: بے شک ہم ہی ظالم تھے⑤ چنانچہ ہم ان لوگوں سے ضرور سوال کریں

الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ

گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے⑥ پھر ہم (سب کچھ اپنے) علم سے ان کے سامنے ضرور بیان کریں گے، اور

وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

ہم (دنیا میں) غائب (غیر حاضر) تو نہ تھے⑦

کی گئی ہے، ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ تمھارے پاس جو لے کر آئے ہیں، اسے چھوڑ کر کسی اور چیز کی طرف رجوع نہ کرو ورنہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کر کے کسی اور کے حکم کو اختیار کر لیا ہے۔

﴿ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ ﴾ ''تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔'' یہ فرمان اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (یوسف103:12) ''اور بہت سے آدمی، گو آپ (کتنی ہی) خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (الأنعام116:6) ''اور اکثر لوگ جو زمین میں (آباد) ہیں (گمراہ ہیں) اگر آپ ان کا کہا مان لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے رستے سے گمراہ کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (یوسف106:12) ''اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود مشرک ہی ہیں۔''

تفسیر آیات: 4-7

تباہ شدہ بستیوں کے حالات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے تباہ کر دیا۔'' اس لیے کہ انھوں نے ہمارے رسولوں کی مخالفت اور تکذیب کی تھی تو انھیں دنیا میں ذلت و رسوائی کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا، پھر اس کے بعد آخرت میں بھی ذلت و رسوائی اور عذاب میں مبتلا ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام10:6) ''اور یقیناً آپ سے پہلے پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے، ان کو تمسخر (کی سزا) نے آ گھیرا۔''

اور فرمایا: ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○ ﴾ (الحج45:22) ''تو بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں، سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور (بہت سے) کنویں ناکارہ اور (بہت سے) مستحکم و عالی شان محل (ویران پڑے ہیں۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا

مِنْ قَرْیَۃٍۭ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ (القصص 58:28) ''اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخیٔ) معیشت پر اترا رہی تھیں، سو یہاں ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم اور (ان کے پیچھے) ہم ہی (ان کے) وارث ہوئے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ ۝④ ﴾ ''پھر جن پر ہمارا عذاب آیا (یا تو رات کو) تھا جبکہ وہ سوتے تھے یا (دن کو جب) وہ قیلولہ (دوپہر کو آرام) کرتے تھے۔'' یعنی ان میں سے کچھ لوگوں کے پاس اللہ کا امر اور عذاب رات کے وقت آیا یا اس وقت جب وہ دوپہر کے وقت محو استراحت تھے اور یہ دونوں ہی غفلت اور لہو کے اوقات ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ۝ؕ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:97,98) ''کیا پھر بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں؟ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں؟''

اور فرمایا: ﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ۙ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ۙ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾ (النحل 16:45-47) ''کیا پھر جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ جائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے، پس وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے یا ڈرا دھمکا کر ان کو پکڑ لے تو بے شک تمھارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝⑤ ﴾ ''تو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تھا تو ان کی پکار یہی تھی کہ (ہائے) بلاشبہ ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے۔'' یعنی جب ان کے پاس عذاب آتا تو وہ اپنے گناہوں کا اقرار کر لیتے اور اس بات کا اعتراف کر لیتے تھے کہ وہ واقعی عذاب کے مستحق ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ۝ؕ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ قَالُوْا یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ۝ ﴾ (الأنبیاء 21:11-15) ''اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جو ستم گار تھیں، ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد اور لوگ پیدا کر دیے، پھر جب انھوں نے ہمارے (مقدمۂ) عذاب کو دیکھا تو اس سے بھاگنے لگے۔ مت بھاگو! اور ان (اپنے عیش کے سامانوں) کی (طرف) اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ جن (نعمتوں) میں تم عیش و آسائش کرتے تھے تاکہ تم سے (اس بارے میں) دریافت کیا جائے، کہنے لگے: ہائے شامت! بے شک ہم ظالم تھے، پھر ہمیشہ ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ (کر اور آگ کی طرح) بجھا (کر ڈھیر کر) دیا۔''

وَالْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ

اور اس دن (اعمال کا) وزن کیا جانا برحق ہے، پھر جس شخص کے (نیک اعمال کے) وزن بھاری ہوگئے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ⑧ اور جس شخص کے

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

(نیک اعمال کے) وزن ہلکے ہوگئے، تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، اس لیے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے ⑨

﴿ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ ﴾ ''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے، ہم ان سے بھی ضرور باز پرس کریں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ○ ﴾ (القصص 65:28) ''اور جس روز (اللہ) ان کو پکارے گا، پھر کہے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ ﴾ (المآئدة 109:5) ''(وہ دن یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں یقیناً تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔''

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن امتوں سے پوچھے گا کہ انھوں نے اس کے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا، اسی طرح وہ رسولوں سے بھی پوچھے گا، کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو اپنی امتوں تک پہنچا دیا تھا یا نہیں؟ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ ﴾ ''چنانچہ جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان کی بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ سوال تبلیغ رسالت کے بارے میں ہوگا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ: ﴿ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ ⑦ ﴾ ''پھر ہم (اپنے) علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم (کہیں) غائب (غیر حاضر) تو نہیں تھے۔'' کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ان کے حالات بیان کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ان کی کتاب (نامۂ اعمال) کو رکھ دیا جائے گا اور وہ جو عمل کرتے تھے، ان کے بارے میں بتائے گی۔ ﴿ وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ ⑦ ﴾ ''اور ہم (دنیا میں) غائب (غیر حاضر) تو نہ تھے۔''[2]

اس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو ان کے تھوڑے اور زیادہ، چھوٹے اور بڑے تمام اقوال و اعمال کے بارے میں بتائے گا کیونکہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے، نہ کوئی چیز اس سے غائب ہوسکتی ہے اور نہ وہ خود کسی چیز سے بے خبر ہے بلکہ وہ ذات گرامی تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کی مخفی باتوں کو بھی جانتی ہے، ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک (چیز) نہیں ہے مگر روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

تفسیر آیت: 9,8

[1] تفسیر الطبری: 159/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1440/5.

اعمال کے وزن کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَالْوَزْنُ ﴾یعنی قیامت کے دن اعمال کا تلنا﴿ اَلْحَقُّ ﴾برحق ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴾ (الأنبيآء21:47) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو پیش کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔''

اور فرمایا:﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (النسآء4:40) ''بے شک اللہ (کسی پر) ذرا بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' اور فرمایا:﴿ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ؕ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴾ (القارعة101:6-11) ''تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے، اس کا مرجع ہاویہ ہے اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا (چیز) ہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

اور فرمایا:﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴾ (المؤمنون 23:101-103) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے تو جن کے (عملوں کے) بوجھ بھاری ہوں گے، وہ فلاح پانے والے ہیں اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے وہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا، ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔''

کس چیز کا وزن؟ روز قیامت میزان میں کس چیز کو رکھ کر وزن کیا جائے گا؟ اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ اعمال کو تولا جائے گا، اعمال اگرچہ اعراض ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں اجسام میں تبدیل کر دے گا۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:[......اَلْبَقَرَةَ وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ (كَأَنَّهُمَا) غَيَايَتَانِ أَوْ (كَأَنَّهُمَا) فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ......] ''......سورۂ بقرہ اور آل عمران قیامت کے دن اس طرح آئیں گی، گویا وہ دو بادل یا دو سائبان یا صفیں باندھے ہوئے پرندوں کی دو جماعتیں ہوں......۔''[2]

اسی طرح صحیح حدیث میں قرآن مجید کا قصہ ہے:[يَجِيءُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ (...... فَيَقُولُ لَهُ: هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَاأَعْرِفُكَ......) فَيَقُولُ: أَنَا الَّذِي أَسْهَرْتُ لَيْلَكَ وَأَظْمَأْتُ نَهَارَكَ] ''......قرآن اپنے پڑھنے والے

---

[1] تفسير البغوى:181/2. [2] صحيح مسلم ، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، حديث: 804 عن أبى أمامة رضی اللہ عنہ. البتہ تفسیر ابن کثیر میں قوسین والے الفاظ نہیں ہیں۔

کے پاس ایک ایسے نوجوان کی شکل میں آئے گا جس کا رنگ بدلا ہوا ہوگا.....تو وہ (قرآن) کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ قاری کہے گا: میں تجھے نہیں جانتا.....تو وہ جواب دے گا کہ میں وہ قرآن ہوں جس نے تجھے رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رکھا تھا۔''[1]

اور حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہما میں سوال قبر کے قصے میں ہے: [وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيحِ فَيَقُولُ...... : مَنْ أَنْتَ......؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ] ''اور مومن کے پاس ایک خوبصورت چہرے، اچھے کپڑے اور عمدہ خوشبو والا آدمی آئے گا تو مومن اس سے پوچھے گا: ......تم کون ہو......؟ تو وہ جواب دے گا کہ میں تمھارا عمل صالح ہوں۔''[2] اور کافر و منافق کے بارے میں اسی حدیث میں اس کے برعکس صورت حال ذکر کی گئی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اعمال کی کتاب کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث بطاقہ میں اس شخص کے بارے میں آیا ہے جسے لایا جائے گا اور اس کے میزان کے پلڑے میں ننانوے ایسے رجسٹر رکھے جائیں گے جن میں سے ہر رجسٹر منتہائے بصر تک ہوگا، پھر کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو لایا جائے گا جس میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لکھا ہوگا تو وہ کہے گا کہ اے اللہ! ان بڑے بڑے رجسٹروں کے مقابلے میں کاغذ کے اس پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، پھر اس پرزے کو میزان کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ] ''رجسٹروں والا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا اور (ان کے مقابلے میں یہ) پرزہ بہت ہی بھاری ثابت ہوگا۔'' امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن غریب قرار دیا ہے۔[3]

تیسرا قول یہ ہے کہ صاحب عمل کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: [إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَايَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ ، وَقَالَ: اقْرَءُوا: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾] (الکھف 105:18) ''بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت موٹا تازہ آدمی آئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، اور فرمایا: اس آیت کریمہ کو پڑھو: ''تو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی میزان قائم نہیں کریں گے۔''[4]

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مِمَّ تَضْحَكُونَ؟ قَالُوا: يَانَبِيَّ اللّٰهِ! مِنْ دِقَّةِ سَاقَيْهِ فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ] ''تم کس بنا پر ہنس رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان کی پنڈلیوں کی باریکی کی وجہ سے تو آپ نے فرمایا: اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری

---

[1] سنن ابن ماجه، الأدب، باب ثواب القرآن، حدیث: 3781 لیکن قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 348/5 عن بُريدة بن الحُصَيب رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] مسند أحمد: 288,287/4. [3] ملخص از جامع الترمذی، الإيمان، باب ما جاء فيمن يموت وهو يشهد أن لا إله إلا الله، حدیث: 2639 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيامة، حدیث: 4300 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ......﴾ (الكهف 105:18)، حدیث: 4729 و صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حدیث: 2785 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ⑩

اور بلاشبہ ہم نے تمھیں زمین میں قدرت دی اور اس میں تمھارے لیے گزران کے اسباب فراہم کر دیے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو ⑩

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا

اور بلاشبہ ہم نے تمھیں پیدا کیا، پھر تمھاری صورتیں بنائیں، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ انھوں نے سجدہ کیا، سوائے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪

ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا⑪

جان ہے! یہ تو میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوں گی۔''[1]

ان تمام احادیث میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ یہ تمام صورتیں صحیح ہیں کہ کبھی اعمال کا وزن کیا جائے گا، کبھی ان رجسٹروں کا وزن کیا جائے گا جن میں اعمال لکھے ہوں گے اور کبھی ان اعمال کے کرنے والے کا وزن کیا جائے گا۔ والله أعلم.

تفسیر آیت: 10

کائنات کی تمام نعمتیں انسان کے لیے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسانات کو شمار کراتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنا دیا، اس میں پہاڑ اور نہریں بنا دیں، اس میں مکانات اور محلات بنا دیے، اس کی نفع بخش چیزوں کو ان کے لیے مباح قرار دے دیا، ان کے لیے بادلوں کو مسخر کر دیا تا کہ وہ ان کے لیے زمین سے رزق نکالیں اور اس نے اس میں ان کے لیے اسباب معیشت اور کمانے کے مختلف طریقے مہیا کر دیے کہ یہ لوگ تجارت کرتے اور حصول دنیا کے لیے مختلف انواع واقسام کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے باوجود اکثر لوگ اپنے رب کا بہت کم شکر ادا کرتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴾ (إبراهيم14:34) ''اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن ہُرمُز اَعْرَج کے سوا تمام قراء نے ﴿ مَعَايِشَ ﴾ کو ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے[2] اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا جائے جیسا کہ اکثر قراء نے اسے پڑھا ہے کیونکہ مَعَايِش عَاشَ يَعِيشُ عَيْشًا وَّمَعِيشَةً سے ہے اور مَعَايِشُ مَعِيشَةٌ کی جمع ہے اور اصل میں یہ مَعْيِشَةٌ تھا۔ ''یاء'' پر کسرہ ثقیل تھا، اس لیے اسے عین کی طرف منتقل کر دیا گیا جس کی وجہ سے یہ مَعِيشَةٌ ہو گیا۔ اور جب اس لفظ کی جمع بنائی گئی تو پھر حرکت ''یاء'' کی طرف لوٹ آئی کیونکہ اس صورت میں کسرہ ثقیل نہ رہا اور جمع مَعَايِشُ بروزن مَفَاعِلُ ہو گئی کیونکہ اس کلمے میں ''یاء'' حرف اصلی ہے بخلاف مَدَائِنُ، صَحَائِفُ اور بَصَائِرُ کے جو کہ مَدِينَةٌ، صَحِيفَةٌ اور بَصِيرَةٌ کی جمع ہے جو کہ مَدَنَ، صَحَّفَ اور أَبْصَرَ سے ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ ان

① مسند أحمد:421,420/1 ومسند أبي يعلى:209/9 ، حديث:5310. یہ حدیث صحیح ہے۔ ② یعنی عبدالرحمٰن بن ہرمز نے مَعَائِش پڑھا ہے۔ دیکھیے تفسیر القرطبي:167/7.

میں کلمہ ''یاء'' زائد ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی جمع فَعَائِلُ کے وزن پر اور ہمزہ کے ساتھ آتی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیت:11

فرشتوں کا آدم کو سجدہ اور ابلیس کا انکار: اس مقام پر اللہ تعالیٰ اولاد آدم کی ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے شرف کی طرف توجہ دلا رہا ہے اور ان کے دشمن ابلیس کی عداوت اور حسد کو بیان فرما رہا ہے جو اسے آدم اور اولاد آدم سے ہے تاکہ یہ اس سے بچیں اور اس کے رستوں پر نہ چلیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا ﴾ ''اور بلاشبہ ہم ہی نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا، پھر تمھاری شکل وصورت بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا۔'' یہ آیت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ ﴾ (الحجر 29,28:15) ''اور جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب اس کو (صورت انسانی میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز) روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔''

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست مبارک کے ساتھ چپکتے گارے سے پیدا فرما کر انھیں ٹھیک ٹھیک انسانی صورت عطا فرمادی اور ان میں اپنی بے بہا چیز، یعنی روح پھونک دی تو اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ جل جلالہ کی شان کی تعظیم بجالاتے ہوئے انھیں سجدہ کریں تو تمام فرشتوں نے سمع وطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا، ابلیس کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کے الفاظ: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں اور یہاں جمع کے صیغے اس لیے استعمال کیے گئے ہیں کہ آپ ابوالبشر ہیں، اس کی مثال ایسے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴾ (البقرة 57:2) ''اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیے رکھا اور تم پر من وسلوی اتارتے رہے۔'' حالانکہ ان سے مراد ان کے وہ آباء واجداد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے، یہ احسان جب ان کے آباء واجداد پر تھا جو کہ ان کے اصل تھے تو یہ ایسے ہی ہے گویا یہ ان کے بیٹوں پر بھی ہے جو ان کی نسل ہیں لیکن اُس آیت کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ﴾ (المؤمنون 12:23) ''اور یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔'' میں صورت حال اس کے خلاف ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ مٹی کے خلاصے سے تو وہی پیدا ہوئے ہیں جبکہ ان کی اولاد نطفے سے پیدا ہوئی ہے اور یہی بات درست ہے کیونکہ یہاں انسان سے مراد جنسِ انسان ہے کوئی معین اور مخصوص انسان مراد نہیں۔ و اللّٰہ أعلم.

---

[1] دیکھیے آیت: 34 کے ذیل میں۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ

اللہ نے کہا: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ وہ بولا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو

وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫

نے مٹی سے پیدا کیا ہے⑫

تفسیر آیت:12

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ ﴾ ''کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟'' یعنی سجدہ کرنے میں تجھے کیا حرج تھا جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو پھر کس چیز نے تجھے مجبور کیا کہ تو سجدہ نہ کرے؟ امام ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] اور یہ ایک قوی اور حسن قول ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

ابلیس لَعَنَهُ اللّٰهُ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ ﴾ ''میں اس سے افضل ہوں۔'' یہ گویا ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' والی بات ہے، یعنی اس کے جواب کے مطابق اس نے اللہ کے حکم کی اطاعت اس لیے نہ کی کہ فاضل کو یہ حکم نہیں دیا جا سکتا کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے۔ یعنی اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جب میں اس سے بہتر ہوں تو پھر تو مجھے یہ حکم کیوں دیتا ہے کہ میں اسے سجدہ کروں؟ پھر اس نے اپنے بہتر ہونے کی دلیل یہ بیان کی کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ اس چیز سے اشرف ہے جس سے آدم کو پیدا کیا گیا ہے، یعنی آگ مٹی سے زیادہ بہتر ہے، ابلیس لعین نے اصل عُنصر کی طرف تو دیکھا مگر آدم کے عظیم الشان شرف کی طرف نہ دیکھا کہ انھیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی ہے۔

اس طرح اس نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴾ (الحجر 29:15) ''تو اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔'' کی نص کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور اس طرح سجدہ نہ کر کے اس نے فرشتوں سے اپنی راہ الگ کر لی اور اپنی اس غلطی کا ارتکاب کر کے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو گیا۔

ابلیس ملعون نے قیاس بھی غلط کیا اور اپنے اس دعوے میں بھی غلطی کی کہ آگ مٹی سے اشرف ہے کیونکہ مٹی میں تو نرمی، حلم، بردباری اور ثابت قدمی ہے اور مٹی تو نبات، نمو، اضافے اور اصلاح کی جگہ ہے جبکہ آگ کی خاصیت جلا دینا، اڑا دینا اور جلد بازی ہے، یہی وجہ ہے کہ ابلیس سے اس کے عنصر نے خیانت کی جبکہ حضرت آدم کو اس کے عنصر نے فائدہ پہنچایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت سے کام لیا، اس کے حکم کی اطاعت بجا لاتے ہوئے انھوں نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور غلطی ہوئی تو اس کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے رب تعالیٰ سے توبہ و مغفرت طلب کر لی۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ وَّخُلِقَ

[1] تفسیر الطبری: 171/8.

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ

اللہ نے کہا: پھر تو اس (آسمان) سے اتر جا، کیونکہ تیرے لائق یہ نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرتا، لہٰذا تو نکل جا، بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے ⑬ اس نے کہا:

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮

تو مجھے (اس دن تک) مہلت دے دے، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ⑭ اللہ نے کہا: بے شک تو مہلت دیے گئے لوگوں میں سے ہے ⑮

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑯ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ

وہ بولا: پس اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، تو میں ان (لوگوں کو گمراہ کرنے) کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ضرور بیٹھوں گا ⑯ پھر میں ان کے سامنے

اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰

سے اور ان کے پیچھے سے ان کے پاس ضرور آؤں گا، اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے بھی، اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا ⑰

اَلْجَآنُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جسے تمھارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔''[1]

سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا: امام ابن جریر نے حضرت حسن بصری سے آیت کریمہ: ﴿ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ ﴾ ''مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ ابلیس کا قیاس تھا اور ابلیس ہی نے سب سے پہلے قیاس سے کام لیا، اس قول کی سند صحیح ہے۔[2] امام ابن سیرین کا بھی قول ہے کہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا، وہ ابلیس تھا اور سورج اور چاند کی پوجا بھی قیاس ہی کی وجہ سے کی گئی ہے، اس کی سند بھی صحیح ہے۔[3]

تفسیر آیات:13-15

اللہ تعالیٰ نے اپنے قدری وکونی امر کے ساتھ مخاطب ہوتے ہوئے ابلیس کو حکم دیا: ﴿ فَاهْبِطْ مِنْهَا ﴾ ''تو (بہشت سے) اتر جا۔'' یعنی تو نے میرے حکم کی جو نافرمانی کی اور میری اطاعت سے جو خارج ہو گیا ہے تو اب تجھے یہ بات زیب نہیں دیتی کہ تو یہاں غرور کرے۔

بہت سے مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿ مِنْهَا ﴾ کی ضمیر کا مرجع جنت ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا مرجع وہ مقام ومرتبہ ہو جس پر وہ ملکوت اعلیٰ میں فائز تھا۔

﴿ فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬ ﴾ ''لہٰذا تو نکل جا بے شک تو ذلیل وحقیر ہے۔'' یہ معاملہ اس کے الٹ ہے جس کا اس نے قصد کیا تھا اور اس کی مراد کے خلاف اسے بدلہ دیا جا رہا ہے تو اس موقع پر ابلیس لعین نے مہلت کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ اسے روز قیامت تک مہلت دے دی جائے: ﴿ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮ ﴾ ''مجھے (اس دن تک) مہلت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، فرمایا (اچھا) بے شک

① صحيح مسلم، الزهد، باب في أحاديث متفرقة، حديث:2996 و مسند أحمد:153/6 لیکن ابن کثیر میں [الجان] کے بجائے [إبليس] ہے۔ ② تفسير الطبري:173/8. ③ تفسير الطبري:173/8.

تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کے سوال کو پورا کر دیا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور مشیت کے مطابق تھا کہ جس کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے بدلا جا سکتا ہے اور کوئی بھی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر آیات: 17,16

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اس نے ابلیس کو ﴿ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ قیامت کے دن تک مہلت دے دی اور ابلیس کو بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ اسے مہلت مل گئی ہے تو اس نے دشمنی اور سرکشی شروع کر دی اور کہا: ﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ ''وہ کہنے لگا: مجھے تو تو نے گمراہ کیا ہی ہے تو میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے ضرور بیٹھوں گا۔'' یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: [كَمَا أَضْلَلْتَنِي] یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔[1]

اور دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح تو نے مجھے ہلاک کیا ہے، میں بھی تیرے ان بندوں کے لیے بیٹھوں گا جنھیں تو اس شخص کی اولاد میں سے پیدا کرے گا جس کے سبب تو نے مجھے دور کیا ہے، میں ان کے لیے ﴿ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ یعنی حق اور نجات کے رستے پر بیٹھوں گا کہ انھیں اس سے گمراہ کر دوں تا کہ یہ تیری عبادت نہ کر سکیں اور تجھے وحدہ لا شریک نہ مانیں کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ﴾ سے مراد حق کا رستہ ہے۔[2]

امام احمد نے سَبرہ بن ابو فاکہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا:

[إِنَّ الشَّيْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِأَطْرُقِهِ ، فَقَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْإِسْلَامِ ، فَقَالَ لَهُ: أَتُسْلِمُ وَتَذَرُ دِينَكَ وَدِينَ آبَائِكَ وَآبَاءِ أَبِيكَ؟ قَالَ: فَعَصَاهُ فَأَسْلَمَ ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْهِجْرَةِ فَقَالَ:أَتُهَاجِرُ وَتَذَرُ أَرْضَكَ وَسَمَائَكَ؟ وَإِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَاجِرِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي الطِّوَلِ، قَالَ: فَعَصَاهُ فَهَاجَرَ قَالَ: ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْجِهَادِ ، فَقَالَ لَهُ: هُوَ جَهْدُ النَّفْسِ وَالْمَالِ: فَتُقَاتِلُ فَتُقْتَلُ فَتُنْكَحُ الْمَرْأَةُ وَيُقَسَّمُ الْمَالُ ، قَالَ : فَعَصَاهُ فَجَاهَدَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فَمَاتَ ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ قُتِلَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، وَإِنْ غَرِقَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْوَقَصَتْهُ دَابَّتُهُ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ]

''بلا شبہ شیطان ابن آدم کے لیے اللہ کے رستوں پر بیٹھ گیا ہے، مثلاً: وہ اسلام کے رستے پر بیٹھ جاتا ہے اور ابن آدم سے کہتا ہے کہ کیا تو اسلام کو قبول کر کے اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین اور اپنے باپ کے آباء واجداد کے دین کو چھوڑ رہا ہے؟

[1] تفسیر الطبری:175/8. [2] تفسیر الطبری:177/8.

مگر ابن آدم اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اسلام کو اختیار کر لیتا ہے، پھر اسی طرح شیطان راہ ہجرت پر بیٹھ جاتا ہے اور مسلمان سے کہتا ہے: کیا تو ہجرت کر کے اپنی زمین اور اپنے آسمان کو چھوڑ رہا ہے؟ مہاجر کی مثال تو اس گھوڑے کی سی ہے جس کی رسی کو دراز کر دیا گیا ہو مگر مومن شیطان کی نافرمانی کر کے ہجرت کر لیتا ہے، پھر وہ مومن کے لیے راہ جہاد پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہے، یہ تو بس نفس اور مال کی مشقت ہے، چنانچہ تو جنگ کرے گا تو تو مارا جائے گا، تیری بیوی سے کوئی نکاح کر لے گا، تیرا مال تقسیم کر لیا جائے گا مگر مرد مومن شیطان کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان یہ کام کرتے ہوئے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے یا اگر شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اگر غرق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے اگر اس کی سواری اس کو گرا دے اور وہ فوت ہو جائے تو بھی اللہ پر یہ حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے۔'' [1]

اور فرمان الٰہی: ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ...... ﴾ الآیۃ
''پھر میں ان کے آگے سے اور پیچھے سے ان کے پاس ضرور آؤں گا اور ان کے دائیں اور بائیں سے بھی......''

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ ﴾ میں آگے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ میں انھیں آخرت کے بارے میں شک میں مبتلا کر دوں گا اور ﴿ وَمِنْ خَلْفِهِمْ ﴾ میں پیچھے سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ میں انھیں دنیا کی محبت میں مبتلا کر دوں گا اور ﴿ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ ﴾ میں دائیں طرف سے آنے کے معنی یہ ہیں کہ میں ان پر دین کے معاملے کو مشتبہ کر دوں گا اور ﴿ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ﴾ میں بائیں طرف سے آنے سے مراد یہ ہے کہ میں گناہوں اور نافرمانیوں کی خواہش ان میں پیدا کر دوں گا۔ [2]

الغرض اس سے مراد خیر و شر کے تمام رستے ہیں کہ خیر سے وہ انھیں روکے گا اور شر کی ان کے دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔ حکم بن ابان نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں ان کے اوپر سے بھی آؤں گا، اس لیے کہ اوپر سے تو رحمت نازل ہوتی ہے۔ [3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿17﴾ ﴾ ''اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' میں شکر گزاروں سے مراد مُوَحِّدین ہیں۔ [4] ابلیس نے گویہ گمان اور توہم کی وجہ سے کہا تھا مگر امر واقع اسی طرح ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ○ ﴾ (سبا 21,20:34) ''اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال یقیناً سچ کر دکھایا، چنانچہ سوائے مومنوں کی ایک جماعت کے وہ اس

[1] مسند أحمد:483/3 وسنن النسائی، الجهاد، (باب) ما لمن أسلم وهاجر وجاهد، حدیث:3136 . [2] تفسیر الطبری:179/8. [3] تفسیر الطبری:181/8. [4] تفسیر الطبری:181/8.

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

اللہ نے فرمایا: نکل جا اس سے ذلیل دھتکارا ہوا، پھر ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا،

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿18﴾

تو میں جہنم کو تم سب سے ضرور بھروں گا﴿18﴾

کے پیچھے چل پڑے اور اس (ابلیس) کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر (ہمارا) مقصد یہ تھا کہ جو لوگ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، ان سے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے ہم متمیز کر دیں اور آپ کا پروردگار ہر چیز پر خوب نگہبان ہے۔''

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جائے کہ شیطان کسی بھی طرف سے انسان پر مسلط ہو، امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صبح و شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے اور کبھی بھی ان کے پڑھنے میں ناغہ نہیں کیا کرتے تھے:

[اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اللّٰهُمَّ! اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَّوْعَاتِي، اللّٰهُمَّ! احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَّمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي] ''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں خیر و عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین میں اور دنیا میں اور اپنے اہل اور مال میں عافیت و سلامتی چاہتا ہوں، اے اللہ! تو میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور میرے خوف اور پریشانی کو امن سے بدل دے۔ اے اللہ! تو میری حفاظت فرما میرے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی اور میری دائیں طرف سے بھی اور میرے اوپر سے بھی اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے اچانک کسی مصیبت میں ڈال دیا جاؤں۔''[1]

امام وکیع فرماتے ہیں کہ اس آخری جملے کے معنی یہ ہیں کہ میں زمین میں نہ دھنسا دیا جاؤں۔[2] اس حدیث کو امام ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔[3]

تفسیر آیت:18

اللہ تعالیٰ نے ملاءِ اعلیٰ کے مقام سے اسے نکال کر، دور ہٹا کر اور اسے دھتکارتے اور لعنت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اخْرُجْ مِنْهَا

① مسند أحمد:25/2. ② سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث:5074 . ③ سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث:5074 وسنن النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من الخسف، حديث: 5531 مختصرًا جدًّا. وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب ما يدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسى، حديث:3871 وصحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر ما يستحب للمرء سؤال ربه......:241/3، حديث: 961 والمستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير: 518,517/1، حديث:1902.

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

اور اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو، اور تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ، اور تم دونوں اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

سے ہو جاؤ گے ⑲ پھر شیطان نے ان دونوں کو بہکانے کے لیے (ان کے دل میں) وسوسہ ڈالا، تاکہ ان کے لیے ان کی شرم گاہیں ظاہر کر دے جوان سے

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ

چھپائی گئی تھیں۔ اور شیطان نے کہا: تمھارے رب نے تمھیں صرف اس لیے روکا ہے کہ (کہیں) تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، یا (کہیں) تم دونوں ہمیشہ

الْخٰلِدِيْنَ ⑳ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ㉑

رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ ⑳ اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ بے شک میں تم دونوں کے خیر خواہوں میں سے ہوں ㉑

مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ ''نکل جا اس سے ذلیل دھتکارا ہوا۔''

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذء وم کے معنی ''عیب دار'' کے ہیں، ذأم۔ تشدید کے بغیر۔ کے معنی عیب کے ہوتے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے: ذَأَمَهٗ، يَذْأَمُهٗ ذَأْمًا فَهُوَ مَذْءُوْمٌ اور ہمزہ کو ترک کر کے ذِمْتُهٗ أَذِيمُهٗ ذَيْمًا وَّذَامًا بھی کہا جاتا ہے۔ اور ذَمَّ کی نسبت ذام اور ذیم عیب میں زیادہ مبالغے کو ظاہر کرتا ہے۔ اور مَدْحُور کے معنی ''دور ہٹایا ہوا'' اور ''دھتکارا ہوا'' ہیں۔ [1]

عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مَذْءُ وم اور مَذْمُوم کے معنی ایک ہی ہیں۔ [2] سفیان ثوری نے ابو اسحاق سے انھوں نے تمیمی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مَذْءُ وم اور مَدْحُور کے معنی مبغوض کے ہیں۔ [3] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی ذلیل اور مبغوض کے بیان کیے ہیں۔ [4] سدی نے اس کے معنی مبغوض اور مردود، قتادہ نے ملعون اور مبغوض، مجاہد نے دور ہٹایا ہوا اور دھتکارا ہوا بیان کیے ہیں اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ مَذْءُ وم کے معنی جسے دور ہٹا دیا گیا ہو اور مَدْحُور کے معنی ذلیل و رسوا کے ہیں۔ [5]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱﴾ ''جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا میں (اس کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ○ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ○ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ○﴾ (بنی إسرآءیل 17:63-65) ''اللہ نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا! جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو بے شک تم سب کی جزا جہنم ہے اور (وہ) پوری سزا (ہے) اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز

① تفسیر الطبری:8/182. ② تفسیر الطبری:8/183. ③ تفسیر الطبری:8/183. ④ تفسیر الطبری:8/182. ⑤ تفسیر الطبری:8/182.

سے بہکا تا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے، بے شک جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کارساز کافی ہے۔''

تفسیر آیات:19-21

شیطان کا حضرت آدم وحوّاء کے ساتھ مکر: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوّاء کے لیے یہ جائز قرار دے دیا کہ وہ ایک درخت کے پھل کے سوا جنت کے دیگر تمام پھلوں کو کھا سکتے ہیں، اس سلسلے میں تفصیل قبل ازیں سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے[1] مگر شیطان اس کی وجہ سے حضرت آدم وحوّاء سے حسد کرنے لگا اور اس نے مکر وفریب اور وسوسے کے ذریعے سے یہ کوشش شروع کر دی کہ وہ انھیں جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں اور لباس فاخرہ سے محروم کر دے، اس لیے اس نے از راہ کذب وافتراء یہ کہا کہ ﴿مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ ''تم دونوں کو تمھارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ۔''

یعنی تمھیں اس لیے منع کیا ہے تاکہ تم اس پھل کو کھا کر فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو۔ اور اگر تم اس درخت کے پھل کو کھا لو تو تمھیں یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں گی جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے: ﴿قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى۝﴾ (طٰہٰ 120:20) ''کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو؟''

﴿اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ دراصل لِئَلَّا تَكُونَا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ﴾ (النسآء 176:4) یہاں ﴿اَنْ تَضِلُّوْا ؕ﴾ لِئَلَّا تَضِلُّوا یعنی اللہ تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔ اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ (النحل 15:16) ''اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیے کہ تم کو لے کر (کہیں) جھک نہ جائے۔'' یہاں بھی ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ لِئَلَّا تَمِيدَ بِكُمْ کے معنی میں ہے۔

﴿وَ قَاسَمَهُمَاۤ﴾ ''اور ان دونوں سے قسم کھا کر کہا۔'' یعنی حضرت آدم وحوّاء علیہما السلام کے سامنے اس نے اللہ کی قسم کھائی ﴿اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ۝﴾ ''بلاشبہ میں تو تمھارے خیرخواہوں میں سے ہوں۔'' میں تم سے پہلے سے اس جگہ رہ رہا ہوں اور اس جگہ کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔

﴿قَاسَمَهُمَاۤ﴾ اگرچہ باب مفاعلہ سے ہے مگر یہاں دونوں میں سے ایک ہی طرف، یعنی ابلیس مراد ہے۔ امام قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ابلیس نے آدم وحواء دونوں کے سامنے اللہ کے نام کی قسم کھائی اور اس طرح انھیں دھوکا دیا اور مومن اللہ کے نام کی وجہ سے دھوکا کھا ہی جاتا ہے۔ چنانچہ ابلیس نے اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہا کہ میں تم سے پہلے پیدا ہوا

---

[1] دیکھیے آیت: 35 کے ذیل میں۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

چنانچہ شیطان نے ان دونوں کو دھوکا دے کر پھسلا دیا، پھر جب ان دونوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان دونوں کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہو گئیں، اور

الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے (تاکہ ستر ڈھانک سکیں)، اور ان کے رب نے ان کو آواز دی: کیا میں نے تمھیں اس درخت سے روکا نہیں

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ سکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

تھا؟ اور میں نے تمھیں یہ (نہیں) کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ (22) انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا، اور اگر تو

الْخٰسِرِيْنَ ۝

نے ہمیں نہ بخشا اور تو نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے (23)

ہوں اور میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، لہٰذا تم دونوں میری بات مانو، میں تمھاری رہنمائی کروں گا۔[1]

تفسیر آیات: 23,22

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام لمبے قد کے تھے گویا وہ کھجور کا تن آور درخت ہوں، آپ کے سر کے بال بھی گھنے تھے جب آپ سے غلطی ہوئی تو آپ کے ستر کی پوشیدہ چیز جسے وہ پہلے نہیں دیکھتے تھے، ظاہر ہو گئی اور آپ جنت سے بھاگنے لگے تو جنت کے ایک درخت نے آپ کو سر سے پکڑ کر روک لیا تو آپ نے کہا: مجھے چھوڑ دو تو اس درخت نے کہا: نہیں، آپ کو نہیں چھوڑوں گا، ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا: آدم! مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کی: نہیں اے اللہ! میں تو تجھ سے حیا کرتا ہوں۔[2] ابن جریر اور ابن مردویہ نے اسے کئی سندوں کے ساتھ حسن سے انھوں نے اُبی بن کعب سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے مرفوع روایت کیا ہے لیکن موقوف روایت سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ﴾ ''اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے (توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔'' اس آیت کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ وہ انجیر کے پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے تھے،[4] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ انھوں نے جنت کے پتوں کو اپنے اوپر اس طرح لپیٹنا شروع کر دیا تھا جس طرح کپڑے کو تن بدن پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔[5]

وہب بن مُنَبِّہ نے ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا﴾ (الأعراف 27:7) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آدم وحوّاء کے ستر کے مقامات پر نور کا لباس تھا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ستر کے مقامات کو دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن جب انھوں نے درخت کے پھل کو کھا لیا تو ان کے ستر کے مقامات کھل گئے، اسے امام ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[6]

عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! اگر میں توبہ واستغفار کر لوں؟ تو اللہ

(1) تفسير الطبرى:186/8. (2) تفسير الطبرى:187/8. (3) تفسير الطبرى:187/8. (4) تفسير الطبرى:188/8. (5) تفسير الطبرى:188/8. (6) تفسير الطبرى:189/8.

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾

اللہ نے کہا: تم اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھیں زمین میں ٹھہرنا اور ایک (مقررہ) وقت تک فائدہ (اٹھانا) ہے﴿24﴾ اور فرمایا: تم اسی (زمین)

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾

میں زندہ رہو گے، اور اسی میں تم مرو گے اور (قیامت کے دن) اسی سے تم نکالے جاؤ گے﴿25﴾

تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر میں تجھے جنت میں داخل کر دوں گا۔ اس کے برعکس ابلیس نے توبہ کی بابت کوئی سوال نہ کیا بلکہ یہ سوال کیا کہ اسے مہلت دے دی جائے اور دونوں نے جو سوال کیا اسے پورا کر دیا گیا۔[1]

ضحاک بن مُزاحم نے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿23﴾﴾ ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور تو نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وہ کلمات تھے جو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے سیکھے تھے۔[2]

تفسیر آیات: 25,24

زمین کی طرف اتارنا: ﴿ اهْبِطُوْا ﴾ ''تم (زمین میں) اتر جاؤ۔'' کے بارے میں ایک قول تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ خطاب آدم، حوّاء، ابلیس اور سانپ سے تھا، بعض لوگوں نے یہاں سانپ کا ذکر نہیں کیا۔[3] و اللّٰه أعلم.

اصل دشمنی تو آدم اور ابلیس ہی کے مابین تھی، اس لیے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا: اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا (طٰہٰ 123:20) ''تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ۔'' حوّاء حضرت آدم ہی کے تابع تھیں (ان کو علیحدہ حکم دے کر جمع کا صیغہ نہیں استعمال کیا گیا) اور سانپ کا ذکر اگر صحیح ہے تو وہ ابلیس کے تابع تھا۔ مفسرین نے ان مقامات کا بھی ذکر کیا ہے جن پر ان میں سے ہر ایک کو اتارا گیا تھا مگر ان تمام روایات کا تعلق اسرائیلیات سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ یہ روایات صحیح ہیں یا نہیں؟ اگر ان مقامات کے تعین میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ بھی یقیناً اپنی کتاب میں یا اس کے رسول ﷺ اپنی سنت میں اسے بیان فرما دیتے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿24﴾﴾ ''اور تمھارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانا اور (زندگی میں) فائدہ (اٹھانا) ہے۔'' یعنی زمین تمھارے لیے جائے قرار ہے اور اس میں زندگی بسر کرنے کے لیے تمھاری عمریں مقرر کر دی گئی ہیں جو اس کے مطابق ہیں جسے قلم نے لکھا، تقدیر نے شمار کیا اور کتاب اول میں جسے تحریر کر دیا گیا تھا اور یہ فرمانِ الٰہی: ﴿ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿25﴾﴾ ''فرمایا: اسی (زمین) میں تم جیو گے، اسی میں مرو گے اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔'' اسی طرح ہے جیسا کہ فرمایا: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ (طٰہٰ 55:20) ''اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں

[1] تفسیر عبدالرزاق: 76/2، رقم: 891. [2] تفسیر الطبری: 190/8. [3] تفسیر الطبری: 190/8.

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ

اے بنی آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا جو تمھاری شرمگاہیں چھپاتا ہے اور زینت کا باعث ہے، اور پرہیزگاری کا لباس بہت بہتر ہے۔ یہ

خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿26﴾

اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں (26)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا

اے بنی آدم! کہیں شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا تھا جب اس نے ان دونوں کا لباس

سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ

اتروایا تھا، تاکہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھا دے۔ بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمھیں دیکھتا ہے جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔ بے شک ہم نے

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿27﴾

شیطانوں کو ان لوگوں کے دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے (27)

تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے تم کو دوسری دفعہ نکالیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے دنیوی زندگی کی مدت کے لیے زمین کو انسان کا گھر بنا دیا ہے کہ اسی میں ان کا جینا مرنا ہے، اسی میں ان کی قبریں ہیں اور اسی سے انھیں قیامت کے دن کے لیے دوبارہ اٹھایا جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے تمام انسانوں کو جمع کرے گا، پھر ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

تفسیر آیت:26

لباس اور زینت کا اتارنا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے ان احسانات کو شمار کر رہا ہے جو اس نے لباس اور زینت کی صورت میں ان پر فرمائے ہیں، یہاں لباس سے مراد وہ ہے جو انسان کے لیے ستر پوشی کا کام دیتا ہے اور ﴿ رِيْشًا ﴾ سے مراد ظاہری زینت ہے، گویا لباس کا تعلق بنیادی ضروریات سے ہے اور زینت کا تعلق تکمیلے اور اضافے سے ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں رِیَاش آرائشی ساز وسامان اور ظاہری کپڑوں کو کہتے ہیں۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اپنے ستر کے مقام کو چھپا لیتا ہے تو یہ لباس تقویٰ ہے۔[2]

تفسیر آیت:27

شیطان کے بہکاوے سے بچنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ انسانوں کو ابلیس اور اس کے قبیلے سے بچنے کی تلقین فرما رہا ہے اور اس قدیم دشمنی کو بھی بیان فرما رہا ہے جو ابلیس کو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے تھی اور جس کی وجہ سے اس نے کوشش کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو نعمتوں کے مقام جنت سے نکلوا کر دکھوں اور مصیبتوں کے گھر دنیا میں پہنچا دیا، پھر ان کے ستر کے مقامات سے جو پہلے ڈھکے اور چھپے ہوئے تھے، کپڑے اتروا دیے اور یہ سب کچھ اس کی زبردست دشمنی ہی کا نتیجہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[1] تفسیر الطبری:194/8. [2] تفسیر الطبری:197/8.

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور جب وہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ (اے نبی!) آپ کہہ

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا

دیجیے: اللہ قطعاً بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے ذمے ایسی باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ ﴿28﴾ کہہ دیجیے: میرے رب نے انصاف (کرنے) کا

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾ ؕ

حکم دیا ہے، اور (یہ کہ) ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے (قبلہ رخ) کرلو، اور خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اسی کو پکارو، جیسے اس نے تمھیں (پہلے)

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

پیدا کیا (ویسے ہی) تم (اس کی طرف) لوٹو گے ﴿29﴾ ایک فریق کو اس نے ہدایت دی، اور دوسرے فریق پر گمراہی ثابت ہو گئی ہے، یقیناً انھوں نے اللہ کو چھوڑ

دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿30﴾

کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں ﴿30﴾

ہے: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ (الکہف 50:18) ”کیا پھر تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔“

تفسیر آیات: 28-30

کفار کا بے حیائی کے کام کرنا اور انھیں اللہ کی طرف منسوب کرنا: مجاہد فرماتے ہیں کہ مشرکین عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی حالت میں طواف کریں گے جس طرح ہماری ماؤں نے ہمیں جنم دیا ہے حتی کہ عورتیں بھی اپنی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا یا کوئی اور چیز رکھ لیتیں اور طواف کرتے ہوئے یہ شعر پڑھتیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهٗ أَوْ كُلُّهٗ   وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهٗ

”آج (میرے) جسم کا کچھ حصہ یا سارا جسم ہی ننگا ہو گا اور جو ننگا ہو گا اسے میں کسی کے لیے حلال قرار نہیں دوں گی۔“[1]

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ ”اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔“ قریش کے سوا دیگر قبائل کے لوگ اپنے کپڑوں میں بھی طواف نہیں کیا کرتے تھے جنھیں انھوں نے پہنا ہوتا تھا اور کہتے یہ تھے کہ بھلا ان کپڑوں میں ہم طواف کیوں کریں جنھیں پہن کر ہم نے اللہ کی نافرمانی کے کام کیے ہیں؟

قریش جو حُمس کہلاتے تھے وہ اپنے ان کپڑوں میں طواف کر لیا کرتے تھے اور جس شخص کو کوئی اَحمسی (قریشی) اپنے کپڑے

[1] تفسیر الطبری: 202,201/8.

مستعار دے دیتا تو وہ بھی ان میں طواف کرلیا کرتا تھا اور جس کے پاس کوئی نیا کپڑا ہوتا تو وہ بھی اس میں طواف کر لیتا اور طواف کرنے کے بعد اس کپڑے کو پھینک دیتا تو اسے کوئی نہیں اٹھاتا تھا جس کے پاس کوئی نیا کپڑا نہ ہوتا یا جسے کوئی قریشی مستعار نہ دیتا تو وہ عریاں ہو کر طواف کرتا حتی کہ بعض اوقات عورتیں بھی بے لباس ہو کر طواف کرتیں، وہ اپنے مقام خاص کو تھوڑا سا چھپا لیتیں اور طواف کرتے ہوئے اس طرح کے اشعار بھی پڑھتیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ

عورتیں اکثر عریاں طواف رات کے وقت کیا کرتی تھیں، اس رسم کو انھوں نے اپنے آباء واجداد کی اتباع میں از خود ایجاد کر لیا تھا اور وہ عقیدہ یہ رکھتے تھے کہ ان کے آباء واجداد کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے حکم اور شریعت کے مطابق تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ ''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے۔'' ان لوگوں کو جو اس بات کے دعوے دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بے حیائی کا حکم دیا ہے کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ﴾ ''بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔'' تم جو یہ کام کر رہے ہو یہ تو برائی اور بے حیائی کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اس قسم کے کاموں کا حکم نہیں دیتا، ﴿ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿28﴾ ﴾ ''بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تم ایسے اقوال کیوں منسوب کرتے ہو جن کی صحت کا تمھیں کچھ علم ہی نہیں ہے؟

﴿ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ﴾ ''کہہ دیجیے: میرے پروردگار نے تو انصاف (کرنے) کا حکم دیا ہے۔'' یعنی عدل واستقامت کا ﴿ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ ''اور (یہ کہ) ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے اسی کو پکارو۔'' یعنی اس نے تمھیں حکم دیا ہے کہ استقامت کے ساتھ اسی کی عبادت کرو اور اس کے رسولوں کی اتباع کرو جن کی اللہ تعالیٰ نے معجزات سے تائید فرمائی ہے اور جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا ہے اور جو احکام شریعت وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، ان کے مطابق اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرو کیونکہ اس وقت تک وہ کسی بھی عمل کو قبول نہیں فرماتا جب تک اس میں یہ دو باتیں نہ ہوں: (1) عمل درست اور شریعت کے مطابق ہو اور (2) شرک سے پاک ہو۔

ابتدا میں اور دوبارہ پیدا ہونے کا مفہوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿29﴾ ﴾ ''اس نے جس طرح تم کو (ابتدا میں) پیدا کیا تھا، (اسی طرح) تم لوٹو گے۔'' اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ابو نَجِیح نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمھیں موت کے بعد پھر زندہ کرے گا۔[1] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جیسے اس نے

[1] تفسیر الطبری:207/8.

تمھیں دنیا میں پیدا کیا (پھر فوت ہو گئے) اسی طرح تم روز قیامت زندہ لوٹو گے۔[1] عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جس طرح اس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اسی طرح وہ تمھیں دوبارہ بھی پیدا فرمائے گا۔[2]

امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اور انھوں نے اس کی تائید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی پیش کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا: [يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ إِلَى اللّٰهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا، ﴿كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ﴾ (الأنبياء 104:21)] ''لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور بغیر ختنوں کے جمع کیے جاؤ گے۔ ''جس طرح ہم نے (تمھاری) پہلی تخلیق کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے، (یہ) وعدہ ہمارے ذمے ہے، بے شک ہم (اسے پورا) کرنے والے ہیں۔''[3] یہ حدیث صحیحین میں بھی مذکور ہے۔[4]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش اس طرح شروع کی کہ ان میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر تھے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ (التغابن 2:64) ''وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔'' اور وہ روز قیامت انھیں اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح پہلی مرتبہ انھیں مومن اور کافر پیدا کیا تھا۔[5]

اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے: [فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُهَا] ''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے مابین تقریباً ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل دوزخ کا سا کوئی کام کر لیتا ہے اور جہنم رسید ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک شخص اہل دوزخ کے سے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے مابین تقریباً ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو کتاب سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل جنت کا سا کوئی کام کر لیتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[6]

اگر اس آیت کریمہ سے یہی مراد ہے تو اس قول اور اس آیت: ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ

[1] تفسير الطبري:207/8. [2] تفسير الطبري:207/8. [3] تفسير الطبري:208/8. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى:﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾(النسآء125:4)، حديث: 3349 مطوّلا. وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها......، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيمة، حديث: (58)-2860. [5] تفسير الطبري:205/8.
[6] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملئكة، حديث:3208 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه......، حديث:2643 .

عَلَيْهَا ﴾ (الروم30:30) ”چنانچہ آپ یکسو ہو کر اپنا منہ دین حنیف کی طرف کر لیں (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہیں۔)“ میں تطبیق ضروری ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُّولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ (وَ) يُنَصِّرَانِهِ (وَ) يُمَجِّسَانِهِ] ”ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔“[1] اور اسی طرح صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے: [......وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ] ”......اور بے شک میں نے اپنے سارے بندوں کو (اپنے دین کے رستے پر) یکسو پیدا کیا تھا مگر شیاطین ان کے پاس آئے تو انھوں نے انھیں دین سے بہکا دیا۔“[2]

تو ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح پیدا کیا تاکہ وہ اپنی دوسری حالت میں مومن اور کافر ہوں جبکہ پہلی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی معرفت و توحید ہی پر پیدا فرمایا تھا اور انھیں یہ علم عطا فرمایا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد و پیمان بھی لیا تھا اور اسے ان کی فطرت میں سمو دیا تھا اور اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کچھ کو شقی اور کچھ کو سعید بنا دیا جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ (التغابن 2:64) ”وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن۔“ حدیث میں ہے: [كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَايِعٌ نَّفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا] ”ہر شخص صبح کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کو بیچنے والا ہوتا ہے، پھر اسے آزاد کرا لیتا ہے یا اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔“[3]

اور اللہ کی تقدیر اس کی مخلوق میں مؤثر ثابت ہوتی ہے کہ وہی وہ ذات گرامی ہے: ﴿ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴾ (الأعلى 3:87) ”اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا، پھر (اس کو) رستہ بتایا۔“ اور فرمایا: ﴿ الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ (طٰهٰ 50:20) ”جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی، پھر راہ دکھائی۔“

صحیح بخاری و مسلم میں ہے: [أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ] ”جو شخص اہل سعادت میں سے ہو تو اس کے لیے اہل سعادت کے عمل کو آسان کر دیا جاتا ہے اور جو اہل شقاوت میں سے ہو تو اس کے لیے اہل شقاوت کے عمل کو آسان کر دیا جاتا ہے۔“[4] اسی لیے اس

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما قيل فى أولاد المشركين، حديث:1385 وصحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة......، حديث:2658 بعض طرق میں [و] کے بجائے [أَوْ] ہے۔ [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث:2865 مطولاً. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء ، حديث:223 مطولاً عن أبي مالك الأشعري رضي الله عنه. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴾ (اللّيل10:92)، حديث:4949 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه ......، حديث:2647 عن علي رضي الله عنه.

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اے بنی آدم! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی نہ کرو،

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾

ع 3 6 10

بے شک وہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا﴿31﴾

نے فرمایا ہے: ﴿ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ﴾ ''ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی۔'' پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''بے شک ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ شیطانوں کو دوست بنالیا۔''

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کی غلطی پر بہت واضح دلیل ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو معصیت کا ارتکاب کرنے یا ضلالت کا اعتقاد رکھنے پر عذاب نہیں دے گا الا یہ کہ درست بات کو جاننے کے بعد محض رب تعالیٰ سے دشمنی کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب کرے کیونکہ اگر ان کی یہ بات درست ہوتی تو پھر اس فریق میں جو گمراہ ہے مگر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے اور اس فریق میں جو واقعی ہدایت یافتہ ہے تو کوئی فرق نہیں رہ جاتا، حالانکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فریقوں کے نام بھی الگ رکھے ہیں اور ان کے بارے میں حکم بھی الگ الگ بتایا ہے۔[1]

تفسیر آیت:31

ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم: اس آیت کریمہ میں ان مشرکین کی تردید ہے جو بیت اللہ شریف کا عریاں طواف کیا کرتے تھے جیسا کہ امام مسلم، نسائی اور ابن جریر۔ اور یہ الفاظ ابن جریر کی روایت کے مطابق ہیں۔ نے شعبہ سے بواسطہ سلمہ بن کہیل از مسلم بطین اور انھوں نے سعید بن جبیر کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مرد اور عورتیں بیت اللہ کا عریاں ہو کر طواف کرتے، مرد دن کے وقت اور عورتیں رات کے وقت طواف کیا کرتی تھیں اور طواف کرتے ہوئے اس قسم کے اشعار بھی پڑھتی تھیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهٗ أَوْ كُلُّهٗ ... وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهٗ

''آج (میرے) جسم کا کچھ حصہ یا سارا جسم ہی ننگا ہو گا، البتہ جو ننگا ہو گا اسے میں کسی کے لیے حلال قرار نہیں دوں گی۔''

اس (رسم) کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ ''تم ہر نماز کے لیے اپنے آپ کو مزین کیا کرو۔''[2] اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ لوگ بیت اللہ کا عریاں ہو کر طواف کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ زینت کو اختیار کریں اور زینت سے مراد وہ لباس ہے جو ستر کے مقام کو چھپا لے، علاوہ ازیں ہر اچھا لباس زینت میں شامل ہے۔ بہرحال انھیں حکم

---

[1] تفسير الطبری: 209/8. [2] صحيح مسلم، التفسير، باب فی قوله تعالٰی: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الأعراف 31:7)، حديث: 3028 والسنن الكبرٰى للنسائی: 345/6، حديث: 11182 وتفسير الطبری: 210/8.

دیا گیا کہ وہ ہر نماز کے لیے زینت اختیار کریں۔[1]

امام مجاہد، عطاء، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی، ضحاک، مالک از زہری رحمہ اللہ اور کئی ایک ائمۂ سلف نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بیت اللہ شریف کا عریاں ہو کر طواف کیا کرتے تھے۔[2] اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر میں وارد سنت نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز خصوصاً جمع اور عیدین کی نمازوں کے وقت زینت کو اختیار کرنا اور خوشبو اور مسواک کو استعمال کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ خوشبو بھی زینت ہے اور مسواک سے زینت کی تکمیل ہوتی ہے۔

اور بہترین لباس سفید رنگ کا لباس ہے جیسا کہ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِلْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ وَإِنَّ مِنْ خَيْرِ أَكْحَالِكُمُ الْإِثْمِدَ ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ] ”سفید لباس زیب تن کیا کرو کیونکہ یہ تمھارا بہترین لباس ہے اور اس میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو، تمھارا بہترین سرمہ اثمد ہے کیونکہ یہ نظر کو تیز کرتا اور بالوں کو اگاتا ہے۔“[3] اس حدیث کی سند جید ہے، اس کے رجال امام مسلم کی شرط کے مطابق ہیں، اسے امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔[4]

طعام اور لباس میں اسراف کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا﴾ ”اور تم کھاؤ اور پیو۔“ امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو مگر دو باتوں، یعنی اسراف اور تکبر سے بچو۔[5] امام ابن جریر نے محمد بن عبدالاعلیٰ، محمد بن ثور، معمر، ابن طاؤس اور ان کی اپنے باپ طاؤس کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو حلال قرار دیا ہے، بشرطیکہ اسراف اور تکبر نہ ہو۔[6] اس کی سند صحیح ہے۔

امام احمد نے مقدام بن مَعدِی کَرِب کِندی سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: [مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ، حَسْبُ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ ، فَثُلُثٌ طَعَامٌ وَّثُلُثٌ شَرَابٌ، وَّثُلُثٌ لِّنَفَسِهِ] ”ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا اور کوئی برتن نہیں بھرا، حالانکہ ابن آدم کے لیے ایسے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اور اگر کوئی ضرور ہی کھانے والا ہو تو اسے چاہیے کہ ایک ثلث کھانے کے لیے، ایک ثلث پینے کے لیے اور ایک ثلث سانس لینے کے لیے رکھے۔“[7] اس حدیث کو امام ترمذی و نسائی رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے،

[1] تفسير الطبرى:211/8. [2] تفسير الطبرى:211/8-213. [3] مسند أحمد:247/1. [4] سنن أبي داود، الطب، باب في الكحل، حديث:3878 وجامع الترمذى، الجنائز، باب ماجاء ما يستحب من الأكفان، حديث:994 مختصرًا. لیکن [فَإِنَّهُ] ترمذی کی حدیث:1757 میں ہے۔ وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فيما يستحب الكفن، حديث: 1472و3497. [5] صحيح البخارى، اللباس، باب قول الله تعالىٰ: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ ......﴾ (الأعراف 32:7) قبل الحديث: 5783 . [6] تفسير الطبرى:213/8 . [7] مسند أحمد:132/4.

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو زینت اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، وہ کس نے حرام کی ہیں؟ کہہ دیجیے: یہ (پاکیزہ

هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

چیزیں) دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے بھی ہیں جو ایمان لائے، جبکہ قیامت کے دن یہ خالص مومنوں ہی کے لیے ہوں گی، اسی طرح ہم آیات کو

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿32﴾

ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ﴿32﴾

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ

کہہ دیجیے: بے شک میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے، چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی، اور گناہ کو اور ناحق ظلم کو بھی اور یہ (بھی حرام ہے)

وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾

کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ (بھی حرام ہے) کہ تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ﴿33﴾

امام ترمذی نے اسے حسن اور ایک نسخے کے مطابق حسن صحیح قرار دیا ہے۔[1]

عطاء خُراسانی نے حضرت ابن عباس سے آیت کریمہ: ﴿ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''اور کھاؤ اور پیو اور بے جانہ اڑاؤ، یقیناً اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کھانے پینے میں بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتا جو حلال وحرام کے بارے میں اس کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ ہاں، البتہ اس بات کو وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے حلال قرار دیے ہوئے کو حلال اور حرام قرار دیے ہوئے کو حرام قرار دیا جائے اور یہی وہ عدل ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔[3]

تفسیر آیت:32

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرما رہا ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر ازخود ہی کھانے پینے اور پہننے کی کئی چیزوں کو حرام قرار دے لیا تھا کہ ﴿ قُلْ ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے!'' ان مشرکوں سے جنھوں نے اپنی فاسد آراء سے ازخود بہت سی چیزوں کو حرام قرار دے لیا ہے کہ ﴿ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ...... ﴾ الآیة ''جو زینت (وآرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، ان کو حرام کس نے کیا ہے؟'' یعنی یہ ان لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان رکھتے اور دنیا کی زندگی میں اس کی

[1] السنن الکبریٰ للنسائی، آداب الأکل ذکر القدر الذی یستحب للإنسان......: 177/4، حدیث: 6768 و جامع الترمذی، الزهد، باب ما جاء فی کراهیة کثرة الأکل، حدیث: 2380 و سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الاقتصاد فی الأکل و کراهة الشبع، حدیث: 3349. [2] تفسیر الطبری: 213/8. [3] تفسیر الطبری: 214/8.

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿34﴾ يٰبَنِيْٓ

اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، تو جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو وہ (اس سے) لحہ بھر پیچھے ہوں گے اور نہ آگے ہوں گے ﴿34﴾ اے

اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

بنی آدم! اگر تمھارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تمھارے سامنے میری آیتیں بیان کریں، تو جنھوں نے پرہیزگاری اختیار کی اور اپنی

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ

اصلاح کرلی، تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿35﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، وہی لوگ دوزخی ہیں،

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿36﴾

عبادت کرتے ہیں اور دنیا میں اگر کفار بھی ان کے ساتھ ان چیزوں میں شریک ہیں تو آخرت میں تو یہ بطور خاص انھی کے لیے ہوں گی اور وہاں کوئی کافر ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا کیونکہ جنت کافروں کے لیے حرام ہے۔

تفسیر آیت:33

حرام چیزوں کی تفصیل: امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَلِذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ باغیرت اور کوئی نہیں، اسی لیے اس نے ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے اور جس قدر اللہ تعالیٰ کو مدح پسند ہے، کسی اور کو نہیں۔''[1] اس حدیث کو صحیحین میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[2] ظاہر اور پوشیدہ بے حیائی کی باتوں کے بارے میں قبل ازیں سورۂ انعام کی تفسیر میں بحث کی جا چکی ہے۔[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ''اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو (حرام کیا ہے۔)'' سدّی فرماتے ہیں کہ إثم سے مراد گناہ اور معصیت ہے اور بغی سے مراد یہ ہے کہ تم لوگوں پر ناحق زیادتی کرو۔[4] مجاہد فرماتے ہیں کہ إثم سے مراد گناہ کے تمام کام ہیں اور باغی وہ ہے جو اپنے آپ پر ناحق زیادتی کرے۔[5] الغرض إثم سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق خود گناہوں کے ارتکاب کرنے والے سے ہو اور بغی سے مراد لوگوں کے ساتھ ناحق زیادتی کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو حرام قرار دیا ہے۔

اور فرمان الٰہی: ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ ''اور اس کو بھی (حرام قرار دیا ہے) کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔'' یعنی اس بات کو بھی اللہ نے حرام قرار دیا ہے کہ تم اس کی عبادت میں

[1] مسند أحمد:381/1. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب الغيرة، حديث:5220 و صحيح مسلم، التوبة، باب غيرة الله تعالى وتحريم الفواحش، حديث: (33)-2760. [3] دیکھیے آیت:120 کے ذیل میں۔ [4] تفسير الطبري: 219/8. [5] تفسير الطبري:219/8.

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ

چنانچہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ کے بارے میں جھوٹ گھڑا، یا اس کی آیات کو جھٹلایا؟ یہی لوگ ہیں جن کا لکھا ہوا نصیب انھیں مل

الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ

جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس جب ہمارے فرشتے پہنچیں گے، جو ان کو فوت کریں گے، تو وہ ان سے کہیں گے: آج وہ کہاں ہیں جنھیں تم اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿37﴾

سوا پکارتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: وہ ہم سے کھو گئے، اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کفر کرنے والے تھے ﴿37﴾

شریک بناؤ ﴿ وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ''اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔'' لیکن از راہِ افتراء و کذب تم یہ دعویٰ کردو کہ اللہ کا بیٹا بھی ہے یا اس طرح کی کچھ اور باتیں اپنی طرف سے گھڑ لو جن کا تمھیں علم نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ (الحج 30:22) ''تو تم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی پرہیز کرو۔''

تفسیر آیات: 34-36

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ ﴾ ''اور ہر ایک امت کے لیے'' امت سے یہاں قرن اور نسل مراد ہے۔ ﴿ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ ﴾ ''وقت مقرر ہے تو جب ان کا (موت کا) وقت مقرر آجاتا ہے۔'' یعنی وہ وقت جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو ﴿ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿34﴾ ﴾ ''نہ تو ایک لمحہ دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو ڈرایا ہے کہ وہ ان کی طرف رسول بھیجے گا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سنائیں گے۔ پھر خوش خبری دیتے اور ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ ﴾ ''تو جو شخص (ان پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت درست رکھے گا۔'' یعنی محرمات کو ترک کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالائے گا تو ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿35﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ ﴾ ''تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔ اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی۔'' یعنی ان کے دلوں نے جھٹلایا اور ان کے مطابق عمل سے انھوں نے سرکشی کی تو ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿36﴾ ﴾ ''وہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔'' یعنی ہمیشہ ہمیش دوزخ ہی میں رہیں گے۔

تفسیر آیت: 37

شرک اور افتراء کرنے والوں کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ﴾ ''چنانچہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟'' یعنی اس شخص سے بڑھ کر کوئی اور ظالم نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے یا اس کی نازل کردہ آیات کو جھٹلائے۔ محمد بن کعب قُرَظی آیت کریمہ: ﴿ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''یہی لوگ ہیں ان کو ان کے

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ

اللہ فرمائے گا: تم ان امتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو جاؤ، جو جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزر چکی ہیں، جب بھی ایک امت آگ میں

اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ

داخل ہوگی تو وہ اپنی بہن (اپنے جیسی دوسری امت) پر لعنت کرے گی، یہاں تک کہ جب اس میں وہ سب اکٹھے ہوں گے تو ان کی دوسری جماعت ان کی

رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا

پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی: اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو انھیں آگ کا دوگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا: (تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

میں سے) ہر ایک کے لیے دوگنا (عذاب) ہے، مگر تم نہیں جانتے ﴿38﴾ اور ان کی پہلی جماعت ان کی دوسری جماعت سے کہے گی: تمھیں ہم پر کوئی فضیلت

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿39﴾ ع

ع 4/8/11

حاصل نہیں، چنانچہ تم اس کے بدلے میں عذاب (کا مزہ) چکھو جو کچھ تم کماتے رہے تھے ﴿39﴾

نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عمل، رزق اور عمر ہے۔[1] ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 70,69:10) ''بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ﴾ (لقمٰن 24,23:31) ''اور جو کفر کرے تو اس کا کفر آپ کو غم ناک نہ کر دے، ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے، ہم ان کو جتا دیں گے، بے شک اللہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے، ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے۔''

﴿ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ...... ﴾ الآیۃ ''یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) آئیں گے جو انھیں فوت کریں گے......'' اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتے جب مشرکوں کی جان نکالتے ہیں تو وہ ان کی موت اور ان کی روحوں کو جہنم کی طرف لے جاتے وقت گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تم دنیا کی زندگی میں اللہ کا شریک بناتے تھے جنھیں تم پکارتے تھے اور اللہ کے سوا جن کی تم پوجا کیا کرتے تھے؟ اب ان کو پکارو تا کہ تمھیں اس مشکل سے نجات دلا سکیں تو وہ جواب دیں گے کہ ﴿ ضَلُّوْا عَنَّا ﴾ ''وہ ہم سے غائب ہو گئے۔'' ہمیں ان کی کوئی خبر نہیں اور نہ اب یہ امید ہے کہ وہ ہمارے کچھ بھی کام آ سکیں گے۔ ﴿ وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

[1] تفسیر الطبری: 225/8. [2] تفسیر الطبری: 226,225/8.

﴿ كٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور اقرار کریں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔'' یعنی اپنے کفر کا وہ اقرار اور اعتراف کر لیں گے۔

تفسیر آیات:39,38

جہنمیوں کا باہم جھگڑنا اور لعنت کرنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ان مشرکوں، اس پر افتراء باندھنے والوں اور اس کی آیات کی تکذیب کرنے والوں سے فرمائے گا: ﴿ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ﴾ یعنی ان جماعتوں کے ساتھ مل کر جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تمھاری طرح کی تھیں اور تمھارے جیسے اعمال کرتی تھیں۔ یہاں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ فِي النَّارِ ﴾ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ فِيْٓ اُمَمٍ ﴾ ''سے بدل ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ فِيْٓ اُمَمٍ ﴾ میں ﴿ فِي ﴾ بمعنی مَعَ ہو، یعنی تم بھی ان جماعتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

﴿ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ﴾ ''جب ایک جماعت (وہاں) جا داخل ہوگی تو اپنی (مذہبی) بہن (اپنے جیسی دوسری جماعت) پر لعنت کرے گی۔'' جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ (العنکبوت 25:29) ''پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○ ﴾ (البقرۃ 167,166:2) ''اس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروؤں سے بے زاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش! ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بے زار ہو رہے ہیں، اسی طرح ہم بھی ان سے بے زار ہوں، اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔''

﴿ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ﴾ ''یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے۔'' یعنی سب کے سب اس میں جمع ہو جائیں گے ﴿ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ ﴾ ''تو پچھلی جماعت پہلی کے بارے میں کہے گی۔'' یعنی جو داخل ہونے کے اعتبار سے پچھلی ہوگی، یعنی پہلے لوگوں کی اتباع کرنے والے جبکہ پہلے لوگ ان کے متبوع ہوں گے اور وہ ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی پیروی کی ہوگی، بڑے مجرم ہوں گے اور وہ ان سے پہلے جہنم میں داخل ہوں گے، ان کی پیروی کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی شکایت کریں گے کہ انھوں نے انھیں سیدھے رستے سے بہکا دیا تھا اور کہیں گے کہ ﴿ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو ان کو آتش جہنم کا دگنا عذاب دے۔'' یعنی انھیں جہنم میں دگنی سزا دے جیسا کہ اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝40 لَهُمْ مِّنْ

ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے، اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۞40 ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا، اور ان کے

جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝41

اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا، اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۞41

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ (الأحزاب33:66-68) ''جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹائے جائیں گے کہیں گے: اے کاش! ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول (اللہ) کا حکم مانتے۔ اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہم کو (سیدھے) رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے۔'' ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ﴾ ''اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا۔)'' یعنی ہم ایسا ہی کریں گے اور ہر ایک کو اس کے حسب حال سزا دیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ﴾ (النحل16:88) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز ﴾ (العنکبوت 29:13) ''اور یقیناً یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (النحل 16:25) ''اور جن کو یہ بلاتحقیق گمراہ کرتے ہیں، ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے۔)''

﴿ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ ﴾ ''اور ان کی پہلی جماعت ان کی دوسری جماعت سے کہے گی۔'' یعنی متبوع اپنی اتباع کرنے والوں سے کہیں گے کہ ﴿ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ ''تمھیں ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی۔'' سدّی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم بھی گمراہ تھے جس طرح کہ ہم گمراہ تھے۔[1] ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ ''چنانچہ جو (عمل) تم کیا کرتے تھے، اس کے بدلے میں عذاب (کے مزے) چکھو۔'' اور محشر میں ان کا حال یہ ہوگا: ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (سبا 34:32,33) ''بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمھارے پاس آچکی تھی روکا تھا (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے۔ اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم

[1] تفسير الطبری:8/229.

سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں۔ اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (دل میں) ندامت چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس جو عمل وہ کرتے تھے، انھی کا ان کو بدلہ ملے گا۔''

تفسیر آیات: 41,40

جھٹلانے والوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ ''ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔'' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان کے دروازوں سے ان کا کوئی نیک عمل یا دعا نہیں اٹھائی جائے گی، یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے، عوفی اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔[1] اسی طرح ثوری نے لیث سے، انھوں نے عطاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور دوسرا قول ہے کہ اس سے یہ مراد ہے ان کی روحوں کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اسے ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور سدی اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[3] اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابن جریر نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاجر کی روح کے قبض کیے جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے: [فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَاهٰذَا الرُّوحُ الْخَبِيثُ؟ فَيَقُولُونَ: فُلَانٌ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ يُدْعٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يَنْتَهُوا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَيَسْتَفْتِحُونَ لَهٗ فَلَا يُفْتَحُ لَهٗ] ''موت کے فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں اور فرشتے جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو وہ جماعت کہتی ہے کہ کس قدر خبیث ہے یہ روح! فرشتے انھیں بتاتے ہیں کہ یہ فلاں انسان کی روح ہے اور وہ اس کا وہ بدترین نام لیتے ہیں جس کے ساتھ اسے دنیا میں بلایا جاتا تھا حتی کہ فرشتے اس کی روح کو لے کر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، وہ آسمان (کے دروازے) کو کھلواتے ہیں مگر اس کے لیے آسمان (کے دروازے) کو نہیں کھولا جاتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمانے کے بعد اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ ''نہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ گھس جائے۔''[4] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جسے امام ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[5] ابن جریج نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ان کے اعمال اور ان کی روحوں کے لیے آسمان کے

---

[1] تفسير الطبري:231/8. [2] تفسير الطبري:231/8. [3] تفسير الطبري:230/8. [4] تفسير الطبري:232/8. [5] سنن أبي داود، السنّة، باب المسألة في القبر، حديث:4753 لیکن یہاں مذکورہ کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ وسنن النسائي، الجنائز، باب الوقوف للجنائز، حديث:2003 مختصرًا جدًا. والسنن الكبرٰى للنسائي، التفسير:443/6، حديث:11442 وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الجلوس في المقابر، حديث:1548 مختصرًا جدًا. والزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، حديث:4262 مطوّلاً عن أبي هريرة ﷺ. مزید دیکھیے مسند أحمد:287/4 والمستدرك للحاكم :37/1.

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو ہم کسی شخص کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿42﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿42﴾ اور ان کے دلوں میں جو کینہ ہوگا وہ ہم نکال پھینکیں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ کہیں گے: سب

الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ سیدھی راہ دکھائی اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی تو ہم ہرگز ایسے نہ تھے

اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا

کہ ہدایت پاتے، بلاشبہ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے اور انھیں آواز دی جائے گی کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم ان اعمال

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿43﴾

کے بدلے وارث بنائے گئے ہو جو تم کرتے تھے ﴿43﴾

دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔[1] اس تفسیر کے مطابق دونوں قولوں میں تطبیق ہے۔ واللّٰهُ أَعلَم.

اور فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾ ''اور وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ گھس جائے۔'' ﴿ الْجَمَلُ ﴾ کی تفسیر میں ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد اونٹ ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اونٹ ہے جو اونٹنی کا بچہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے جو اونٹنی کا نر ہوتا ہے۔[2] مجاہد اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اس کی قراءت اس طرح کیا کرتے تھے کہ [حَتّٰى يَلِجَ الْجُمَّلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ] اس قراءت کے مطابق جُمَّل کے جیم پر ضمہ اور میم پر تشدید ہے، یعنی حتی کہ موٹا رسا سوئی کے ناکے سے نہ نکل جائے۔[3]

﴿ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ﴾ ''ان کے لیے (نیچے) بچھونا بھی (آتش) جہنم کا ہوگا۔'' محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ ﴿ مِهَادٌ ﴾ سے مراد بچھونا ہے۔ ﴿ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ﴾ ''اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی (اسی کا۔)'' یعنی لحاف بھی آتش جہنم کا ہوگا،[4] ضحاک بن مزاحم اور سُدِّی کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿41﴾ ﴾ ''اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 43,42

نیک لوگوں کا حال اور حسن انجام: اللہ تعالیٰ نے جب بدبخت لوگوں کا ذکر کیا تو اب ان کے بعد سعادت مند لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔'' یعنی

[1] تفسیر الطبری:231/8. [2] تفسیر الطبری:234/8. [3] تفسیر الطبری:236/8. [4] تفسیر الطبری:239/8. [5] تفسیر الطبری:239/8.

جن کے دل ایمان لے آئے اور انھوں نے اپنے اعضاء کے ساتھ نیک عمل کیے تو یہ لوگ ان کے برعکس ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر اور انکار کیا۔ اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ ایمان اور اس کے مطابق عمل بہت آسان ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ١ؗ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ١ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۴۲ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے (اور ہم (عملوں کے لیے) کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دیتے ہی نہیں، ایسے ہی لوگ اہل بہشت ہیں (کہ) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کینے ان کے سینوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے۔“ یعنی ان کے سینوں کو حسد اور بغض سے پاک کردیں گے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا نُقُّوا وَهُذِّبُوا أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) بِيَدِهِ! لَأَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهِ فِي الْجَنَّةِ أَدَلُّ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا] ”جب مومن دوزخ سے نجات پا جائیں گے تو انھیں دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک پل پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ آپس میں ان زیادتیوں کا بدلہ لیں گے جو دنیا میں انھوں نے ایک دوسرے پر کی تھیں یہاں تک کہ جب انھیں پاک صاف کردیا جائے گا تو پھر جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی، اس ذات کی قسم جس کے دست مبارک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! جنتی اپنے جنت کے گھر کو دنیا کے گھر سے کہیں زیادہ پہچانتا ہوگا۔“[1]

سدی اس آیت: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل جنت کو جب جنت کی طرف لے جایا جائے گا تو وہ جنت کے دروازے پر ایک ایسا درخت پائیں گے جس کے تنے کے پاس دو چشمے ہوں گے، وہ ان میں سے ایک چشمے کا پانی پئیں گے تو اس سے ان کے سینوں کا تمام کینہ جاتا رہے گا اور یہی شراب طہور ہے اور دوسرے چشمے کے پانی سے وہ غسل فرمائیں گے تو اس سے ان کے چہروں پر راحت کی تازگی پھیل جائے گی تو اس کے بعد کبھی بھی ان کے چہروں پر کسی قسم کا کوئی میل کچیل نظر نہ آئے گا۔[2]

امام نسائی اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ اور یہ الفاظ نسائی کی روایت کے مطابق ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كُلُّ أَهْلِ الْجَنَّةِ (يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)، يَقُولُ: لَوْ (لَا) أَنَّ اللّٰهَ هَدَانِي ، فَيَكُونُ لَهُ شُكْرًا، وَكُلُّ أَهْلِ النَّارِ (يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ) يَقُولُ: ﴿لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ﴾ (الزمر57:39)، لِيَكُونَ عَلَيْهِ حَسْرَةً] ”ہر جنتی جہنم کے اپنے ٹھکانے کو بھی دیکھے گا اور کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا نہ فرمائی ہوتی (تو میرا یہ ٹھکانا ہوتا) اس طرح اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا موقع ملے گا، اسی طرح ہر جہنمی جنت کے اپنے مقام کو بھی دیکھے گا اور

---

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب قصاص المظالم، حديث:2440. [2] تفسير الطبري:241/8.

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ

اور جنت والے دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے سچا پایا، تو کیا تم

وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ

نے بھی وہ وعدہ سچا پایا جو تمھارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ (دوزخی) کہیں گے: ہاں۔ پھر ایک اعلان کرنے والا ان میں اعلان کرے

عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ

گا کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ﴿44﴾ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے، اور اس میں ٹیڑھ ڈھونڈتے تھے، اور وہ آخرت

بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

کا انکار کرنے والے تھے ﴿45﴾

وقف لازم

کہے گا کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہوتی (تو آج میں اس مقام پر ہوتا) اس طرح یہ اس کے لیے موجب حسرت و ندامت ہوگا۔''[1] اس لیے جنتیوں کو جب جنت کے وہ سب مقامات بھی عطا کر دیے جائیں گے جو جہنمیوں کے حصے کے تھے تو اس روز منادی کر دی جائے گی کہ تم ان اعمال کے صلے میں جو دنیا میں کرتے تھے، اس بہشت کے مالک بنا دیے گئے ہو، یعنی اپنے اعمال کے سبب تم اللہ کی رحمت کے مستحق قرار پا کر جنت میں داخل ہو گئے ہو اور اپنے اعمال کے مطابق تم جنت کے درجات پر فائز ہو۔

آیت کریمہ کی اس تفسیر کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَاعْلَمُوا أَنْ لَّنْ يُّدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ]، [قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا ، إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ (بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ)] ''اور تم جان لو! تم میں سے کسی کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا عمل بھی نہیں؟ فرمایا: میرا عمل بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے فضل کے ساتھ مجھے ڈھانپ لے۔''[2]

تفسیر آیات: 45,44

اہل دوزخ کی حسرتیں: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ دوزخی جب اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے جائیں گے تو جنتی زجر و توبیخ کے طور پر انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

[1] السنن الكبرٰی للنسائی، التفسیر، باب:447/6,310، حدیث:11454 اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد:512/2 میں ہیں۔ مزید دیکھیے [لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا......] صحیح البخاری، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حدیث:6569 . [2] پہلا حصہ صحیح البخاری، الرقاق، باب القصد المداومة علی العمل، حدیث: 6464 عن عائشة رضی اللہ عنہا. اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، المرض، باب تمنی المریض الموت، حدیث:5673 جبکہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله......، حدیث: (71)-2816 عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں۔

﴿ حَقًّا ﴾ ''بے شک جو وعدہ ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پالیا، بھلا جو وعدہ تمھارے پروردگار نے تم سے کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پایا؟'' اس آیت کریمہ میں ﴿ اَنْ ﴾ قَالُوا لَهُمْ مقدر کی تفسیر کے لیے ہے اور ﴿ قَدْ ﴾ تحقیق کے لیے ہے، یعنی جنتی جہنمیوں کو کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا اسے سچا پایا...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صٰفّٰت میں اس شخص کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا ہم نشین جہنم میں ہوگا: ﴿ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:55-59) ''(اتنے میں) وہ (خود) جھانکے گا تو اس کو وسط دوزخ میں دیکھے گا، کہے گا کہ اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک ہی کر چکا تھا اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو (عذاب میں) حاضر کیے ہوئے ہیں کیا (یہ نہیں کہ) ہم (آئندہ کبھی) مریں گے نہیں؟ ہاں! (جو) پہلی بار مرنا (تھا سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا۔'' یعنی وہ اس کی اس بات کی تردید کرے گا جسے وہ دنیا میں کہا کرتا تھا اور اسے بتائے گا کہ وہ اپنی انھی باتوں کی وجہ سے آج جہنم میں ہے، اسی طرح فرشتے بھی انھیں ملامت کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الطور 52:14-16) ''یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے تو کیا یہ جادو ہے؟ یا تم کو نظر ہی نہیں آتا؟ اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے یقیناً جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی جنگ بدر کے دن کنویں میں گرے ہوئے مقتول کفار قریش کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا تھا: [يَا أَبَاجَهْلِ بْنَ هِشَامٍ!...... يَا عُتْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ! وَيَا شَيْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ! ـ وَسَمّٰى رُؤُوسَهُمْ ـ هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ فَإِنِّي وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا (قَالَ عُمَرُ) يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَتُنَادِي قَوْمًا قَدْ جَيَّفُوا؟ قَالَ: (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!) مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَّايَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُّجِيبُوا] ''اے ابوجہل بن ہشام!...... اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! بھلا جو وعدہ تمھارے پروردگار نے تم سے کیا تھا تم نے بھی اسے سچا پالیا؟ میرے پروردگار نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا میں نے تو اسے سچا پالیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! وہ کیسے سنتے ہیں اور کیسے جواب دیں گے وہ تو مردہ لاشے ہیں؟ فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست مبارک میں میری جان ہے! میں ان سے جو بات کہہ رہا ہوں، اسے تم ان کی نسبت زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ ﴾ ''تو (اس وقت) ان میں ایک پکارنے والا پکارے گا۔'' یعنی ایک معلوم

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب قتل أبی جهل، حدیث:3976 وصحیح مسلم، الجنة و نعیمها، باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار علیه......، حدیث:2874 والسنن الکبرٰی للنسائی، الجنائز وتمنی الموت، باب أرواح المؤمنین: 665/1، حدیث:2202 [illegible] عن أنس رضی اللہ عنہ. پہلی قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مطابق ہیں جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ صحیح مسلم میں ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ

اور ان دونوں (گروہوں) کے درمیان پردہ ہوگا، اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک (جنتی و دوزخی) کو ان کی خاص علامتوں سے پہچانتے ہوں

الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿46﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

گے، اور وہ جنتیوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو، اعراف والے (ابھی) جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے جب کہ وہ اس کی امید رکھتے ہوں

اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾

ع 5/8/12

گے ﴿46﴾ اور جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی تو کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کر ﴿47﴾

کروانے والا معلوم کروا دے گا اور ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کر دے گا کہ ﴿ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾ ﴾ ”بے انصافوں پر اللہ کی لعنت (برسنے والی ہے۔)“ پھر فرمایا کہ بے انصاف وہ ہیں: ﴿ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ ﴾ ”جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے تھے۔“ یعنی وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رستے، اس کی شریعت اور اس کے انبیاء کے لائے ہوئے دین کی اتباع سے روکتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ رستے سیدھے نہ ہوں بلکہ ٹیڑھے ہوں تاکہ کوئی ان پر چل ہی نہ سکے۔ ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ”اور وہ آخرت کا انکار کرتے تھے۔“ یعنی وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے، نہ اس کی تصدیق کرتے تھے اور نہ اس پر ایمان رکھتے تھے، اسی وجہ سے وہ اپنے برے قول وعمل کی کوئی پروا نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ انھیں آخرت کے حساب اور عذاب کا کوئی ڈر نہ تھا اور اپنے اقوال واعمال کے اعتبار سے یہ بدترین لوگ تھے۔

تفسیر آیات: 47,46

اعراف اور اصحاب اعراف: جب اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے دوزخیوں سے مخاطب ہونے کا ذکر فرمایا تو اب اس بات کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ جنت اور جہنم کے مابین ایک پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے دوزخی جنت تک نہیں پہنچ سکیں گے، امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دیوار ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿13﴾ ﴾ (الحدید57:13) ”پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے، اس طرف عذاب ہے۔“ اور اس سے مراد اعراف ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ ﴾ ”اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے۔“[1]

پھر امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ سدی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ ﴾ ”اور ان دونوں (بہشت اور دوزخ) کے درمیان (اعراف نام کی) ایک دیوار ہوگی۔“ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس ”حجاب“ سے مراد دیوار ہے اور یہی أعراف ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ أعراف جنت اور جہنم کے درمیان ایک حجاب ہے، ایک دیوار ہے جس

[1] تفسیر الطبری:247,246/8. [2] تفسیر الطبری:247/8.

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ

اور اعراف والے کچھ ایسے لوگوں کو پکاریں گے جنھیں وہ ان کی خاص علامتوں سے پہچانتے ہوں گے، وہ کہیں گے کہ تمھیں تمھارے گروہ نے کوئی فائدہ

جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ

نہیں دیا اور نہ اس تکبر نے (فائدہ دیا) جو تم کرتے تھے ﴿48﴾ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نہیں کرے گا؟

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾

(ان سے تو کہہ دیا گیا کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿49﴾

میں دروازہ ہوگا۔[1] ابن جریر فرماتے ہیں کہ أعراف، عُرف کی جمع ہے اور عرب ہر اونچی اور ابھری ہوئی زمین کو عرف کہتے ہیں، مرغ کی کلغی کو بھی ابھرا ہوا ہونے کی وجہ سے عُرف کہا جاتا ہے۔[2]

سدی بیان کرتے ہیں کہ اعراف کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اصحاب اعراف لوگوں کو پہچانتے ہوں گے۔[3] اور اصحاب اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی جیسا کہ حضرت حذیفہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور کئی ایک ائمۂ سلف وخلف رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ امام ابن جریر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان سے اصحاب اعراف کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، برائیوں کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جاسکیں گے اور نیکیوں کی وجہ سے وہ جہنم میں نہیں جاسکیں گے، لہٰذا انھیں اس دیوار کے پاس کھڑا کیا جائے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ فرمادے۔[4]

معمر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جب اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ ﴿46﴾﴾ ''یہ لوگ (ابھی) بہشت میں داخل تو نہیں ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے۔'' تو فرمایا کہ ان کے دلوں میں یہ امید اس لیے پیدا کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مہربانی فرمانے کا ارادہ رکھتا ہوگا۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ بتادیا ہے کہ وہ اس بات کی کس قدر امید رکھتے ہوں گے۔[6] ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿47﴾﴾ ''اور جب ان کی نگاہیں پلٹ کر اہل دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ (شامل) نہ کرنا۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اصحاب اعراف جب دوزخیوں کو دیکھیں گے تو انھیں پہچان لیں گے اور بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

تفسیر آیات: 49,48

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اہل اعراف مشرکین کے کئی سرداروں اور قائدین کو جنھیں وہ ان کی صورتوں سے پہچانتے

[1] تفسیر الطبری:248/8. [2] تفسیر الطبری:247/8. [3] تفسیر الطبری:247/8. [4] تفسیر الطبری:249/8.

[5] تفسیر الطبری:257/8. [6] تفسیر الطبری:257/8.

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ

اور دوزخ والے جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ تم کچھ پانی ہم پر انڈیل دو یا اس رزق میں سے، جو اللہ نے تمھیں دیا ہے، (کچھ ہمیں عطا کر دو) جنتی کہیں

قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿50﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا

گے: بے شک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں ﴿50﴾ وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا، اور انھیں دنیاوی زندگی نے

وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا

دھوکے میں ڈالے رکھا، چنانچہ آج ہم انھیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انھوں نے اپنی اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسے کہ وہ ہماری

بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿51﴾

آیتوں کا انکار کرتے تھے ﴿51﴾

ہوں گے، ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ ﴿ مَاۤ اَغْنٰی عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ ﴾ ’’آج نہ تو تمھاری جماعت ہی تمھارے کچھ کام آئی۔‘‘ یعنی تمھاری کثرت نے بھی تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ’’اور نہ تمھارا تکبر (ہی سود مند ہوا) جو تم کرتے تھے۔‘‘ یعنی تمھاری کثرت اور تمھاری جماعتیں تمھیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں بلکہ تم اس سزا اور اس عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ﴿ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ ﴾ ’’کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کی دست گیری نہیں کرے گا؟‘‘ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اصحاب اعراف ہیں۔

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿49﴾ ﴾ ’’(تو مومنو!) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ تمھیں کچھ خوف نہیں اور نہ تم کو کچھ رنج واندوہ ہوگا۔‘‘[1]

تفسیر آیات: 51,50

بہشت کی نعمتیں دوزخیوں کے لیے حرام ہیں: اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی ذلت و رسوائی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اہل جنت سے کھانے پینے کی چیزوں کو مانگیں گے مگر وہ انھیں دی نہیں جائیں گی۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ: ﴿ وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ’’اور دوزخی بہشتیوں سے (گڑگڑا کر) کہیں گے کہ کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمھیں عنایت فرمایا ہے، اس میں سے (کچھ ہمیں بھی دو۔)‘‘ سے مراد کھانا ہے۔[2] ثوری نے عثمان ثقفی کے حوالے سے حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ آدمی اپنے باپ یا بھائی کو پکار کر کہے گا کہ میں آگ سے جل گیا ہوں، لہٰذا مجھ پر پانی بہا دو تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ تم ان دوزخیوں کو یہ جواب دو کہ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ﴿50﴾ ﴾ ’’بے شک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں۔‘‘[3] عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں چیزوں سے مراد جنت کا کھانا اور پینا ہے۔[4]

[1] تفسیر الطبری: 260/8. [2] تفسیر الطبری: 262/8. [3] تفسیر الطبری: 262/8. [4] تفسیر الطبری: 263,262/8.

پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی میں انھوں نے دین کو تماشا اور کھیل بنالیا تھا، دنیا اور اس کی رنگینیوں میں کھوئے ہوئے تھے اور آخرت کی بہتری کے لیے جن اعمال کے کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا، ان سے غافل تھے، اس لیے فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ ''تو جس طرح یہ لوگ اس دن کے آنے کو بھولے ہوئے تھے، اسی طرح آج ہم بھی انھیں بھلا دیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان سے معاملہ اس شخص کا سا کرے گا جسے بھلا دیا گیا ہو ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم سے نہ کوئی چیز مخفی ہے اور نہ وہ کسی چیز کو بھول ہی سکتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ (طٰہٰ 52:20) ''(جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مقابلے کے قبیل سے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ (التوبۃ 67:9) ''انھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔'' اور فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (طٰہٰ 126:20) ''ایسا ہی (چاہیے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا﴾ (الجاثیۃ 34:45) ''اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم اس دن کی ملاقات کو بھول گئے تھے، اسی طرح آج ہم تمھیں بھول جائیں گے۔''

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں خیر کے اعتبار سے تو بھلا دے گا مگر شر کے اعتبار سے نہیں بھلائے گا۔[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم انھیں چھوڑ دیں گے جس طرح انھوں نے آج کے اس دن کی ملاقات کو چھوڑ دیا تھا،[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انھیں دوزخ میں چھوڑ دیں گے۔[3] سدی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انھیں رحمت سے محروم کر دیں گے جس طرح انھوں نے آج کے اس دن کی ملاقات کے لیے عمل کو چھوڑ دیا تھا۔[4]

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے سے فرمائے گا: [أَلَمْ أُكْرِمْكَ (وَأُسَوِّدْكَ) وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟ فَيَقُولُ: بَلٰى (أَيْ رَبِّ!) قَالَ: فَيَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ؟ فَيَقُولُ: لَا (يَا رَبِّ!) فَيَقُولُ: فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي] ''کیا میں نے تیری عزت افزائی نہیں کی تھی؟ کیا میں نے تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے لیے مسخر نہیں کر دیے تھے اور تجھے چھوڑ نہیں دیا تھا کہ تو عزت و وقار کے ساتھ جس طرح چاہے کھائے اور پیے؟ بندہ عرض کرے گا۔ ہاں! یہ سب کچھ درست ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یقین تھا کہ تو ایک دن میرے ساتھ ملاقات کرے گا؟ بندہ جواب دے گا: نہیں، میرے پروردگار! مجھے یہ یقین نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج میں بھی تجھے بھلا دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔''[5]

---

[1] تفسیر الطبری: 264/8. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1492/5. [3] تفسیر الطبری: 263/8. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1492/5. [5] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنیا سجن للمؤمن وجنة للكافر] حدیث: 2968 و مسند أحمد: 492/2 و صحیح ابن حبان: 479,478/16، حدیث: 7445 بلفظه، البتہ تینوں قوسوں والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿52﴾ هَلْ

اور ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جسے ہم نے (اپنے) علم سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جبکہ وہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو

يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ

ایمان لاتے ہیں﴿52﴾ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں، صرف اس کے انجام (قیامت) کا انتظار ہے، جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ لوگ

قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

جو اس سے پہلے اس دن کو بھولے ہوئے تھے کہیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے، تو کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

ہمارے حق میں سفارش کریں؟ یا ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے تو ہم ان اعمال سے ہٹ کر عمل کریں جو ہم (پہلے) کیا کرتے تھے؟ بے شک انھوں نے

يَفْتَرُوْنَ ﴿53﴾ ع

6 ع 6 13

اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور وہ ساری باتیں ہوا ہو گئیں جو وہ گھڑتے رہتے تھے ﴿53﴾

تفسیر آیات: 53,52

مشرک کوئی معذرت نہیں کر سکیں گے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے رسولوں کو مبعوث اور اس کتاب کو نازل فرما کر، جسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دنیا میں لائے اور وہ ایک مفصل اور واضح کتاب ہے، اس نے مشرکوں کے تمام حیلے بہانے ختم کر دیے ہیں، اس کتاب کے بارے میں اس نے فرمایا ہے: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ (ھود 11:1) ''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ ''جس کو ہم نے علم و دانش کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔'' یعنی ہم نے اس میں جو تفصیل بیان کی ہے، وہ ہمارے علم میں ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ﴾ (النسآء 4:166) ''اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے۔''

مقصود یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس خسارے کا ذکر کیا جس سے مشرک اور کافر آخرت میں دوچار ہوں گے تو اس نے ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرما دیا ہے کہ اس نے رسولوں کو مبعوث اور کتابیں نازل فرما کر دنیا میں ان کی تمام حجتیں ختم کر دی تھیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ○﴾ (بنی إسرآئیل 17:15) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ﴾ ''کیا یہ لوگ اس کے وقوع (انجام) کے منتظر ہیں۔'' یعنی اس عذاب، سزا، جنت اور جہنم کے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر کا یہی قول ہے۔[1] ﴿يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ ''جس دن اس کا انجام سامنے آئے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: یعنی قیامت کے دن۔[2] ﴿يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے، وہ بول اٹھیں گے۔'' یعنی جنھوں نے قیامت کے دن کے لیے عمل کو ترک کر دیا تھا اور اسے دنیا میں بھلا دیا تھا: ﴿قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ﴾

[1] تفسیر الطبری:265/8. [2] تفسیر الطبری:266/8.

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

بے شک تمھارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا۔ وہ دن کو رات سے اس طرح ڈھانپتا ہے

الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ

کہ وہ (رات) جلدی سے اس (دن) کو آلیتی ہے، اور اس نے سورج، چاند اور تارے اس طرح پیدا کیے کہ وہ سب اس (اللہ) کے حکم کے پابند کر دیے

بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿54﴾

گئے ہیں۔ آگاہ رہو! پیدا کرنا اور حکم صادر کرنا اسی کے لیے روا ہے، اللہ رب العالمین بہت بابرکت ہے ﴿54﴾

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ ”بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے، بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ ہماری سفارش کریں۔“ اور اس عذاب سے ہمیں نجات دلائیں جس میں ہم مبتلا ہو چکے ہیں **اَوْ نُرَدُّ** ”یا ہم لوٹا دیے جائیں۔“ یعنی دنیا کی طرف **فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ** ”تو جو عمل (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) ان کے سوا اور (نیک) عمل کریں۔“

جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○﴾ (الأنعام 28,27:6) ”اور اگر آپ (ان کو اس وقت) دیکھیں جب یہ دوزخ پر کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں، ہاں! یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔“ جیسا کہ یہاں فرمایا: **﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○﴾** ”بے شک ان لوگوں نے اپنا نقصان کیا اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے ان سے سب جاتا رہا۔“ یعنی ان لوگوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل کر لینے کی وجہ سے نقصان پہنچایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے، وہ سب ان سے کھو گئے ہیں کہ وہ نہ تو ان کی سفارش کریں گے، نہ ان کی کوئی مدد کریں گے اور نہ انھیں دوزخ سے باہر ہی نکال سکیں گے۔

تفسیر آیت: 54

کائنات کی چھ دن میں تخلیق: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات سماوی و ارضی اور جو کچھ اس کے مابین ہے، اسے چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے جیسا کہ اسے قرآن مجید کے دیگر کئی ایک مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان چھ دنوں سے اتوار، سوموار، منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ مراد ہیں۔ جمعے کے دن ہی ساری مخلوق جمع ہوئی[1] اور اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔[2]

---

① تفسير الطبرى:268/8. ② صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حديث:854 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

ان دنوں کے بارے میں یہ اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا ان میں سے ہر ایک دن ہمارے ان دنوں ہی کی طرح تھا جیسا کہ ذہن میں فوراً ایہ خیال آتا ہے یا یہ ایک ہزار سال کے برابر تھا جیسا کہ امام مجاہد[1] اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے اور ضحاک کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں بھی یہی مروی ہے۔[2] ہفتے کے دن کسی چیز کو پیدا نہیں کیا گیا کیونکہ یہ تو ساتواں دن بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو چھ دن میں پیدا فرمایا ہے، اسی لیے اسے یوم سبت کہا جاتا ہے اور اس کے معنی ہیں قطع کردینا۔

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: [خَلَقَ اللّٰهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ ، وَخَلَقَ الْجِبَالَ فِيهَا يَوْمَ الْأَحَدِ ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ فِيهَا يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَخَلَقَ آدَمَ علیہ السلام بَعْدَ الْعَصْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ آخِرَ الْخَلْقِ فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِّنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ] ''اللہ نے مٹی کو ہفتے کے دن پیدا کیا اور اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا، درختوں کو اس میں سوموار کے دن پیدا کیا، شر کو منگل کے دن اور خیر کو بدھ کے دن پیدا کیا، جاندار چیزوں کو جمعرات کے دن پیدا کر کے اس میں پھیلا دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو آخری مخلوق کے طور پر جمعے کے دن کی آخری گھڑیوں میں عصر اور رات کے درمیان کی کسی گھڑی میں پیدا فرمایا تھا۔''[3]

استوا کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ''پھر عرش پر جا ٹھہرا'' کی تفسیر میں لوگوں کے بہت سے اقوال ہیں اور یہ ان کی تفصیل کا مقام نہیں ہے، بہر حال ہمارا اس مسئلے میں مذہب وہی ہے جو سلف صالح امام مالک، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اور زمانۂ قدیم وجدید کے دیگر ائمۂ مسلمین کا ہے کہ اس پر اسی طرح ایمان لایا جائے جیسا کہ یہ کتاب اللہ میں وارد ہے کہ نہ تو اس کی کیفیت معلوم ہے، نہ ہم اسے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور نہ اس کی نفی کرتے ہیں۔

آیت کریمہ کے ان الفاظ سے جو بات تشبیہ دینے والوں کے ذہن میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے پاک ہے کہ اسے مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ 11:42) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔'' بلکہ معاملہ اس طرح ہے جیسا کہ بعض ائمہ نے فرمایا، جن میں سے امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام نُعیم بن حماد خزاعی بطور خاص قابل ذکر ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے وہ کافر ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے کسی صفت کا انکار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے لیے بیان فرمائی ہیں تو وہ بھی کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو صفات بیان فرمائی ہیں یا اس کے رسول نے اس کی جو صفات بیان کی

---

[1] تفسير الطبرى:268/8. [2] تفسير ابن أبى حاتم:1496/5. [3] صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب ابتداء الخلق وخلق آدم علیہ السلام، حديث:2789 ومسند أحمد:327/2 واللفظ له.

ہیں، ان میں کوئی تشبیہ نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کو ثابت کرے جن کا ذکر آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ میں ہے اور وہ ان کو اس طرح تسلیم کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے شایان شان ہیں اور تمام نقائص کی اس کی ذات سے نفی کرے تو وہ راہ ہدایت پر ہے۔

رات اور دن اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے۔'' یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی سے اور دن کی روشنی رات کی تاریکی سے ختم ہو جاتی ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے تیز دوڑتا چلا آتا ہے اور اس میں کوئی تاخیر نہیں ہوتی بلکہ جوں ہی رات ختم ہوتی ہے تو فوراً ہی دن آ جاتا ہے اور دن ختم ہوتا ہے تو رات اپنے سائے ڈال دیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝﴾ (یٰس 36:37-40) ''اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔''

اس مقام پر جو یہ فرمایا ہے: ﴿وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ﴾ ''نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے۔'' بلکہ اس کے فوراً بعد کسی واسطے اور تاخیر کے بغیر آتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾ ''وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اس نے سورج اور چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا) سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔'' بعض نے مسخرات کو منصوب اور بعض نے مرفوع پڑھا ہے، بہر حال دونوں صورتوں میں معنی قریباً قریباً ایک ہی ہیں، یعنی یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے تسلط، تسخیر اور مشیت کے ماتحت ہیں، اسی لیے اس نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ﴾ ''دیکھو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے۔)'' یعنی حکومت بھی اسی کی اور تصرف و اختیار بھی اسی کا ہے۔ ﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝54﴾ ''(یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (الفرقان 25:61) ''(اور اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی ایک دعا میں ہے جو مرفوعاً بھی مروی ہے: [اَللّٰهُمَّ لَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ ، وَلَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ ، وَإِلَيْكَ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ ، أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ] ''اے اللہ! تمام بادشاہت تیرے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

تم اپنے رب کو آہ وزاری کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو، بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿55﴾ اور زمین کی اصلاح کے بعد تم اس میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾

فساد نہ کرو، اور اللہ کو خوف سے اور طمع کرتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے ﴿56﴾

ہی لیے ہے اور تمام تر تعریف تیرے ہی لیے ہے اور تمام معاملات تیری ہی طرف لوٹائے جائیں گے، اے اللہ! میں تجھ سے تمام تر خیر و بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور تجھی سے تمام تر شر سے پناہ طلب کرتا ہوں۔''[1]

تفسیر آیات: 56,55

دعا کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی دعا کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ارشاد ہے: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ﴾ ''(لوگو!) اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔'' تضرُّع کے معنی یہ ہیں کہ عجز وانکسار کے ساتھ اور ﴿وَّخُفْيَةً ؕ﴾ کے معنی ہیں چپکے چپکے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (الأعراف 205:7) ''اور اپنے پروردگار کو عاجزی سے دل ہی دل میں، خوف اور پست آواز سے یاد کرتے رہو۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تکبیر و تہلیل کے دوران میں ہماری آوازیں بلند ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَاأَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، (إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ) إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ] ''لوگو! اطمینان اور سکون اختیار کرو کہ تم نہ تو کسی بہرے کو پکارتے ہو اور نہ کسی غائب کو بلکہ جس کو تم پکارتے ہو بے شک وہ سننے والا بھی ہے اور قریب بھی۔''[2]

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿تَضَرُّعًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ عجز وانکسار کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاتے ہوئے اور ﴿وَّخُفْيَةً﴾ کے معنی ہیں اپنے دلوں کے خشوع اور اس کی وحدانیت و ربوبیت کے صحیح یقین کے ساتھ، اپنے اور اس کے درمیان راز و نیاز کے ساتھ نہ کہ ریاکاری کے ساتھ اونچی اونچی آواز میں۔[3]

دعا میں حد سے بڑھنے کی ممانعت: عطاء خُراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿55﴾﴾ ''بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' خواہ وہ دعا میں حد سے بڑھیں یا کسی اور کام

[1] یہ روایت بعینہ ان الفاظ سے منقول نہیں۔ البتہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعد بن ابو وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے اور امام احمد نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے اس قسم کے الفاظ بیان کیے ہیں لیکن اسناد میں ضعف ہے، دیکھیے شعب الإيمان: 97/4، حديث:4400 ومسند أحمد:396/5. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما يكره من رفع الصوت في التكبير، حديث:2992 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر......، حديث:2704، البتہ قوسین والے الفاظ سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث:1526 میں ہیں۔ [3] تفسير الطبري:269/8.

میں۔① ابومجلز کہتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے درجات تک پہنچنے کی دعا نہ کرے۔② امام احمد نے ابونعامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مُغَفَّل نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: ''اے اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ جب جنت میں داخل ہوں تو جنت کے دائیں طرف مجھے سفید محل عطا فرمانا، انھوں نے کہا: بیٹا اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ [يَكُونُ قَوْمٌ يَّعْتَدُونَ فِي الدُّعَاءِ وَالطُّهُورِ] ''کچھ لوگ دعا اور طہارت میں حد سے بڑھ جائیں گے۔''③ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔④ اور امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے⑤ اور اس کی سند حسن ہے جس میں کوئی عیب نہیں۔ واللہ أعلم .

زمین میں فساد برپا کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ ''اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا۔'' اللہ تعالیٰ نے زمین میں فساد برپا کرنے اور اصلاح کے بعد خرابی سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر معاملات درست اور صحیح سمت پر چل رہے ہوں، پھر ان میں خرابی پیدا کردی جائے تو یہ صورت حال بندگان الٰہی کے لیے بہت نقصان دہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور عجز و انکسار کے ساتھ صرف اسی سے دعا کی جائے، فرمایا: ﴿ وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ ''اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا۔'' یعنی اس کے دردناک عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے بے پایاں اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس سے دعائیں مانگو۔

پھر اس نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔'' یعنی اس کی رحمت ان نیکی کرنے والوں ہی کے لیے خاص ہے جو اس کے احکام کی اطاعت بجالاتے اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے، انھیں ترک کردیتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ...... ﴾ الآية (الأعراف 156:7) ''اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، چنانچہ میں جلد ہی اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں......''

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ رَحْمَتَ اللّٰهِ ﴾ مبتدا جو کہ مؤنث ہے اس کی خبر ﴿ قَرِيْبٌ ﴾ بیان فرمائی ہے جو کہ مذکر ہے (جبکہ یہاں خبر مؤنث، یعنی قريبة ہونی چاہیے) کیونکہ یہاں رحمت کا لفظ ثواب کے معنی پر بھی مشتمل ہے یا اس لیے کہ لفظ رحمت لفظ اللہ کی طرف مضاف ہے اور یہاں مضاف الیہ کا اعتبار کرتے ہوئے خبر کو مذکر لایا گیا ہے۔⑥ چنانچہ فرمایا: ﴿ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ مطر ورّاق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے اس کی اطاعت بجالا کر حاصل کرو، اس

① تفسير الطبري:270/8. ② تفسير الطبري:270/8. ③ مسند أحمد:55/5. ④ سنن ابن ماجه، الدعاء، باب كراهية الاعتداء في الدعاء، حديث:3864. ⑤ سنن أبي داود، الطهارة، باب الإسراف في الماء، حديث:96. ⑥ اس کی مزید وضاحت کے لیے علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کے ذیل میں رجوع کریں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے حتی کہ جب وہ (ہوائیں) بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں تو ہم انھیں کسی مردہ شہر کی

ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

طرف ہانک دیتے ہیں، پھر ہم ان کے ذریعے سے پانی نازل کرتے ہیں، پھر ہم اس کے ذریعے سے (زمین سے) ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿57﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ

طرح ہم مردوں کو (قبروں سے) نکالیں گے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو﴿57﴾ اور جو ستھری زمین ہوتی ہے اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے (خوب) نکلتی

رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿58﴾ ع 7/5/14

اور جو خراب ہوتی ہے اس کی پیداوار ناقص ہی نکلتی ہے۔ اسی طرح ہم (اپنی) آیات کو ان لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں جو شکر کرتے ہیں﴿58﴾

لیے کہ اس نے فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 58,57

بارش نازل کرنا اور پھل پیدا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور وہی مُتَصَرِّف، حاکم، مُدَبِّر اور مُسَخِّر ہے تو اس نے اپنے بندوں کی دعا کی طرف رہنمائی فرمائی کیونکہ وہ ہر اس چیز پر قادر ہے جسے وہ چاہے، اس سے اس نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ وہی رزق عطا فرمانے والا ہے اور وہی قیامت کے دن اپنے بندوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، فرمایا: [وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ نُشُرًا] [2] ''اور وہی تو ہے جو ہواؤں کو پھیل جانے والی (بنا کر) بھیجتا ہے۔'' یہاں نُشُرًا بمعنی نَاشِرۃ ہے، یعنی وہ ہوائیں جو بارش والے بادل سے پہلے پھیل جاتی ہیں اور کئی ایک ائمہ نے اسے ﴿بُشْرًا﴾ پڑھا ہے، یعنی خوش خبری دینے والی جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ہے: ﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ (الروم 46:30) ''اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوش خبری دیتی ہیں۔'' ﴿بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ ''اپنی رحمت سے پہلے۔'' یعنی بارش سے پہلے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ (الشورٰی 28:42) ''اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (بارش کی برکت) کو پھیلا دیتا ہے اور وہ کارساز (اور) لائق تعریف ہے۔'' اور فرمایا: ﴿فَانْظُرْ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (الروم 50:30) ''تو (اے دیکھنے والے!) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے؟ بے شک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں۔'' یعنی ہوائیں ان بھاری بھاری بادلوں کو لاتی ہیں جو پانی کی کثرت کے باعث بہت بوجھل ہو کر زمین کے قریب ہو جاتے ہیں اور گھٹاؤں کی

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1501/5. [2] یہ بعض قرائے کرام کی قراءت ہے۔

صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ﴿ سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ ﴾ ”ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں۔“ ایسی بستی کی طرف جو مری ہوئی، یعنی خشک ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی نباتات نہیں ہوتیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا ...... ﴾ الآیة (یٰسٓ 33:36) ”اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا......۔“

اور یہاں فرمایا: ﴿ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى ﴾ ”پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو (زمین سے زندہ کر کے) نکالیں گے۔“ یعنی جس طرح ہم نے زمین کو مردہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کیا، اسی طرح ہم جسموں کو بھی خاک میں مل جانے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر دیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش نازل فرمائے گا اور چالیس دن تک زمین پر بارش برستی رہے گی اور اس بارش کی وجہ سے قبروں سے جسم اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح زمین میں دانے اگتے ہیں۔[1] قرآن مجید میں اس مثال کو بہت سے مقامات پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا جس طرح وہ مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔[2] اسی لیے فرمایا: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ”تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“

اور فرمایا: ﴿ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ ﴾ ”اور (جو) زمین پاکیزہ (ہے) اس میں سے پیداوار بھی پروردگار کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتی ہے۔“ یعنی عمدہ زمین میں سے پیداوار اچھی بھی ہوتی ہے اور جلد بھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ ﴾ (آل عمران 37:3) ”اور اسے اچھی طرح پرورش کیا۔“ ﴿ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ﴾ ”اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے۔“ مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ خراب زمین سے مراد بنجر اور شور زدہ زمین ہے۔[3]

امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا ، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ، أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا ، وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَاءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَأً ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهٖ]

”اللہ تعالیٰ نے جس علم و ہدایت کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال اس موسلا دھار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی تو اس میں سے کچھ ایسی صاف زمین تھی جس نے پانی کو قبول کیا اور بہت زیادہ گھاس اور جڑی بوٹیاں اگائیں۔ اور زمین کے کچھ قطعات ایسے تھے جنھوں نے پانی کو روک لیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا جنھوں نے اسے پیا، پلایا اور

---

① بعض آثار میں یہ چیز بیان ہوئی ہے۔ دیکھیے الدر المنثور و تفسير ابن أبي حاتم وغیرہ اسی آیت کے ذیل میں۔ ② مزید دیکھیے سورة حٰمٓ السجدة 39:41 وسورة الزخرف 11:43 وسورة قٓ 11:50. ③ تفسير الطبري: 276/8.

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿59﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿60﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿61﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿62﴾

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، چنانچہ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، بے شک میں تم پر بہت بڑے دن کا عذاب آنے سے ڈرتا ہوں ﴿59﴾ اس کی قوم میں سے بعض سرداروں نے کہا: بے شک ہم تو تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں ﴿60﴾ نوح نے کہا: اے میری قوم! میں گم راہ نہیں ہوں بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں ﴿61﴾ میں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿62﴾

اسے زراعت کے لیے استعمال کیا۔ اور زمین کے کچھ ٹکڑے چٹیل میدان ہیں جن پر بارش تو برسی مگر انھوں نے نہ تو پانی کو روکا اور نہ ہی گھاس کو اگایا، پس یہ مثال ہے اس شخص کی جو اللہ تعالیٰ کے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرے اور اسے وہ چیز نفع پہنچائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اسے وہ سیکھے بھی اور سکھائے بھی اور یہی مثال اس شخص کی ہے جو اس کے ساتھ سر ہی نہ اٹھائے اور نہ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کرے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے۔''[1] اس روایت کو امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 59-62

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ اور اس سے متعلق دیگر باتیں بیان فرمائی تھیں اور اب اللہ تعالیٰ نے ترتیب کے ساتھ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: نوح بن لامک بن متوشلح بن خنوخ۔ اہل علم کے بقول یہی اللہ کے نبی حضرت ادریس علیہ السلام ہیں اور یہی سب سے پہلے انسان ہیں جنھوں نے قلم کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا۔ ابن بُرد بن مَہلیل بن قَنین بن یانش بن شیث بن آدم علیہم السلام۔ محمد بن اسحاق اور دیگر کئی ائمۂ نسب نے حضرت نوح علیہ السلام کا نسب نامہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی علمائے تفسیر نے بیان کیا ہے کہ بتوں کی پوجا اس طرح شروع ہوئی کہ جب کچھ نیک لوگ فوت ہو گئے تو ان کی قوم نے ان کی قبروں پر مسجدیں بنا لیں اور ان میں ان نیک لوگوں کی تصویریں بنا کر رکھ دیں

[1] صحیح البخاری، العلم، باب فضل من عَلِم وعلّم، حدیث: 79. [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب بیان مثل ما بعث النبیﷺ من الهدی والعلم، حدیث: 2282 والسنن الکبرٰی للنسائی، العلم، مثل من فقه فی دین اللّٰه تعالٰی: 427/3، حدیث: 5843.

تاکہ انھیں دیکھ کر ان کا حال اور ان کی عبادت کی کیفیت یاد رہے۔ اور وہ انھی کی مشابہت اختیار کرتے رہیں جب طویل زمانہ گزر گیا تو انھوں نے تصویروں کے بجائے ان کے بت تراش لیے، پھر کچھ عرصے بعد ان بتوں کی پوجا شروع کر دی اور ان بتوں کو انھی نیک لوگوں کے نام پر وَدّ، سُواع، یغوث، یعُوق، اور نَسر کے نام سے موسوم کر دیا اور جب یہ معاملہ بہت ہی شدت اختیار کر گیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ وله الحمد و المنة۔ انھوں نے انھیں حکم دیا کہ وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور فرمایا: ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں بے شک مجھے تمھارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا (بہت ہی) ڈر ہے۔'' یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہوئے اس سے ملو گے تو مجھے قیامت کے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ ﴾ ''تو جو ان کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے۔'' یعنی جمہور، سرداروں، قائدین اور ان میں سے بڑے لوگوں نے کہا: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''بے شک ہم تمھیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔'' تم ہمیں جو یہ دعوت دیتے ہو کہ ہم ان بتوں کی پوجا کو ترک کر دیں جن کی پوجا کرتے ہوئے ہم نے اپنے آباء و اجداد کو دیکھا ہے تو یہ صریح گمراہی ہے۔ فاسقوں اور فاجروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ نیک لوگوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ گمراہی میں مبتلا ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴾ (المطففین 32:83) ''اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ بے شک یہ تو گمراہ ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَاۤ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴾ (الأحقاف 11:46) ''اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے، قوم کی یہ بات سن کر ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''انھوں نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔'' جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''میں تمھیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔'' رسول کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ مبلغ، فصیح، ناصح اور اللہ کے دین کا ایسا عالم ہوتا ہے کہ ان صفات میں اللہ کی مخلوق میں سے کوئی اور پیغمبر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفے کے دن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا جبکہ وہ بہت کثیر تعداد میں جمع تھے: [وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي ، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ ؟ قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آ گئی جو تم میں سے ہے؟ تاکہ وہ

وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا

تمھیں ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿63﴾ پھر انھوں نے نوح کو جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ (ایمان لانے

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾ ع

8 ع 6 15

والے) تھے کشتی میں، بچا لیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، بے شک وہ لوگ (دل کے) اندھے تھے ﴿64﴾

بِإِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ، يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ: اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ] ''(اے لوگو!) تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟'' تو سب نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پہنچا دیا، اپنے فرض کو ادا فرما دیا اور امت کی خیر خواہی کی تو آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے اور ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ ہو جا۔''[1]

تفسیر آیات: 64,63

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا: ﴿اَوَ عَجِبْتُمْ﴾ ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے؟'' یعنی اس سے تعجب نہ کرو، یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت اور لطف واحسان فرماتے ہوئے تمھی میں سے ایک شخص پر وحی نازل فرما دے تاکہ وہ تمھیں ڈرائے اور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو ﴿وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿63﴾﴾ ''اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَكَذَّبُوْهُ﴾ ''تو ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔'' یعنی ان کی تکذیب اور مخالفت ہی کرتے رہے اور ان میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ ایمان لائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے۔[2] ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ﴾ ''تو ہم نے نوح کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے، ان کو تو بچا لیا۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ﴾ (العنکبوت 15:29) ''پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی۔'' ﴿وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، ہم نے انھیں غرق کر دیا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ○﴾ (نوح 25:71) ''وہ اپنے گناہوں کے سبب (پہلے) غرقاب کر دیے گئے، پھر آگ میں ڈال دیے گئے تو انھوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔'' اور فرمانِ الٰہی: ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿64﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ وہ اندھے لوگ تھے۔'' یعنی وہ حق سے اندھے ہو گئے تھے، اسے دیکھتے نہیں تھے اور نہ اس کی طرف راہ پاتے تھے۔

[1] صحیح مسلم، الحج، باب حجة النبی ﷺ، حدیث:1218. [2] دیکھیے سورۂ ہود، آیت: 40 کے ذیل میں۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں،

تَتَّقُوْنَ ﴿65﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا

کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟﴿65﴾ اس کی قوم میں سے کافر چودھری کہنے لگے: بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں، اور بے شک ہم تجھے

لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿66﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں﴿66﴾ (ہود نے) کہا: اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف

الْعٰلَمِيْنَ ﴿67﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿68﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ

سے رسول ہوں﴿67﴾ میں اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا خیر خواہ اور امین ہوں﴿68﴾ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ

تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آئی ہے جو تمھی میں سے ہے، تاکہ وہ تمھیں ڈرائے۔ اور

خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ

یاد کرو، جب اس نے قوم نوح کے بعد تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تمھیں قد و قامت میں بڑھوتری دی، لہٰذا تم اللہ کی نعمتیں

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾

یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿69﴾

اس واقعے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کا اپنے دشمنوں سے انتقام لے لیا، اپنے رسول اور اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرمائی اور اپنے کافر دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا......﴾ الآیة (المؤمن 51:40) ”بلاشبہ ہم اپنے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں......“ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ وہ اپنے ڈرنے والے بندوں ہی کو عافیت، کامیابی اور غلبہ عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس نے قوم نوح کو تو غرق کر کے ہلاک کر دیا مگر اپنے پیغمبر نوح علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کو نجات عطا فرمائی، ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسّی (80) آدمی نجات پا گئے تھے جن میں سے ایک جُرہُم بھی تھے اور ان کی زبان عربی تھی۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[1] اور انھوں نے اسے ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متصل بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 65-69

حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح قوم نوح کی طرف ہم نے نوح کو بھیجا اسی طرح قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھی بھیجا۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ قوم عاد، عاد بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد ہے میں کہتا ہوں

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1506/5. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1506,1507/5.

کہ یہ جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، ان سے مراد عاد اول ہیں اور یہ عاد بن ارم کی اولاد ہیں جو جنگلوں میں گھر بنا کر رہتے تھے، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ ﴾ (الفجر 89:6-8) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد کہ تمام ملکوں میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے۔'' جو حملے کی شدت اور قوت کے اعتبار سے بے مثل تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ ﴾ (حٰم السجدة 41:15) ''تو جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے۔''

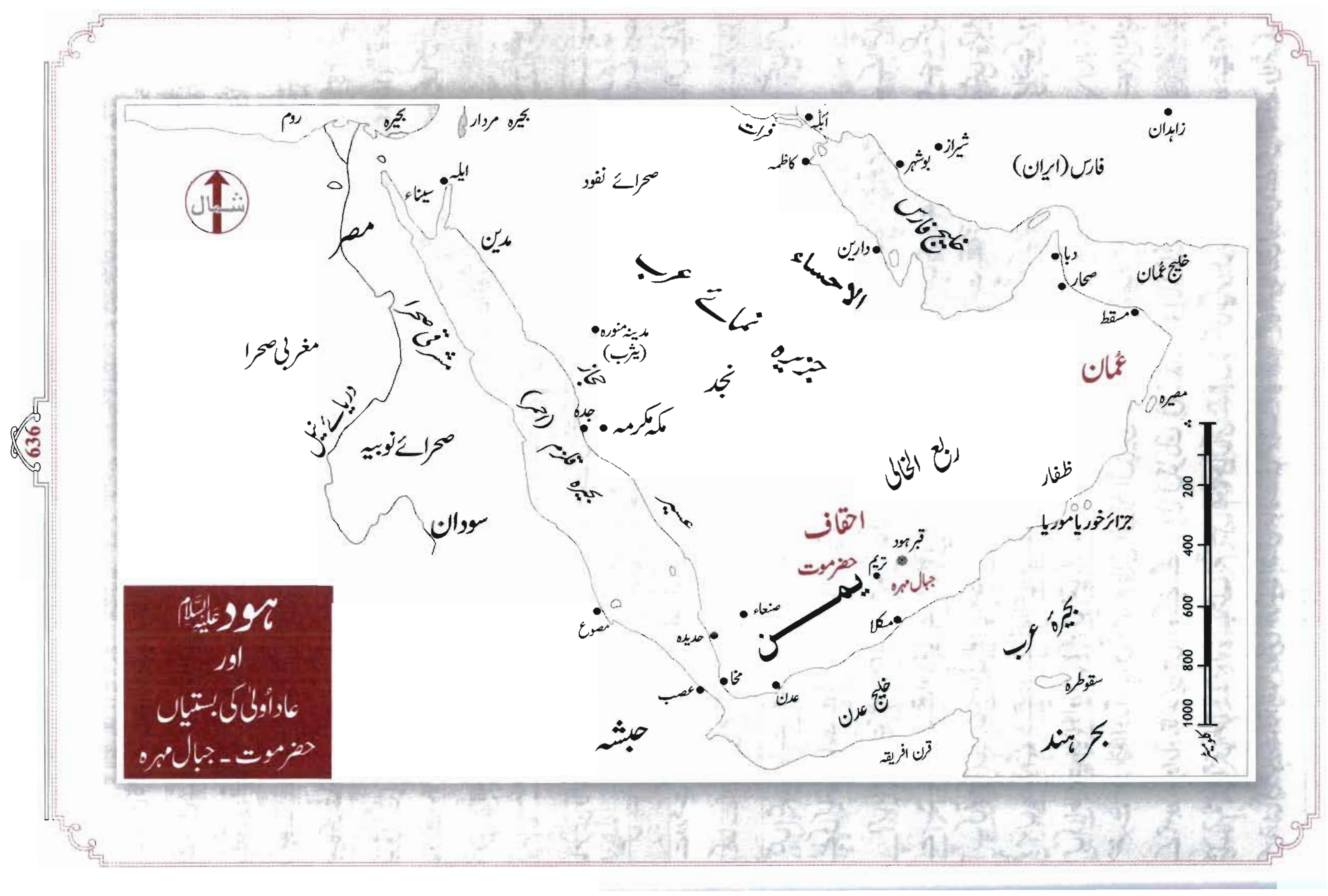
قوم عاد کے مسکن: ان لوگوں کے مسکن یمن میں احقاف کے مقام پر رمل کے پہاڑوں میں تھے، محمد بن اسحاق نے ابوطفیل عامر بن واثلہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا جب آپ حَضْرَ مَوْت کے ایک شخص سے فرما رہے تھے: کیا تم نے ایسا سرخ ٹیلہ دیکھا ہے جس میں سرخ مٹی کی آمیزش، اور اس میں پیلو اور بیری کے بہت سے درخت بھی ہوں اور وہ سرزمین حَضْرَ مَوْت سے فلاں طرف ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اے امیر المؤمنین! میں نے اس ٹیلے کو دیکھا ہے اور اللہ کی قسم! آپ تو اس کی کیفیت کو اس طرح بیان فرما رہے ہیں جیسے آپ نے بھی اسے دیکھا ہو، آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے اسے دیکھا تو نہیں، البتہ مجھ سے اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرمی نے عرض کی: امیر المؤمنین! اس ٹیلے کی کیا خاص بات ہے؟ آپ نے فرمایا: اس میں حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد یمن کی رہنے والی تھی، ہود علیہ السلام کی قبر یمن میں ہے اور اپنی قوم میں نسب کے اعتبار سے سب سے اشرف تھے اور انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ قوم کے افضل و اشرف لوگوں میں سے ہی مبعوث فرماتا ہے۔ لیکن آپ کی قوم جس طرح جسمانی طور پر بہت سخت تھی، اسی طرح ان کے دل بھی بہت سخت تھے، حق کی تکذیب کرنے میں یہ تمام قوموں سے آگے بڑھے ہوئے تھے، اسی وجہ سے حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں دعوت دی تھی کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو، اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔

حضرت ہود علیہ السلام اور آپ کی قوم: ﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ ﴾ یہاں ﴿ الْمَلَاُ ﴾ سے مراد ان کے جمہور، سردار اور قائدین ہیں، وہ کہنے لگے: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور بے شک ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔'' یعنی یہ گمراہی ہے کہ تم ہمیں یہ دعوت دیتے ہو کہ ہم بتوں کی عبادت کو ترک کر دیں اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جائیں، سرداران قریش نے بھی اللہ وحدہ لا شریک

---

[1] تفسیر الطبری: 282/8.



ہود علیہ السلام
اور
عاد اُولیٰ کی بستیاں
حضر موت ۔ جبال مہرہ
شمال
روم
بحیرہ
بحیرہ مردار
ایلیہ
سیناء
مصر
مدین
صحرائے نفود
مغربی صحرا
شرقی صحرا
دریائے نیل
صحرائے نوبیہ
سوڈان
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
جدہ
مکہ مکرمہ
بحیرہ قلزم (احمر)
عسیر
مصوع
حدیدہ
صنعاء
مخا
عصب
عدن
حبشہ
خلیج عدن
قرن افریقہ
یمن
حضرموت
احقاف
قبر ہود
تریم
جبال مہرہ
مکلا
ربع الخالی
نجد
جزیرہ نمائے عرب
الاحساء
دارین
کاظمہ
فرات
اُبلّہ
بوشہر
شیراز
خلیج فارس
فارس (ایران)
زاہدان
دبا
صحار
خلیج عمان
مسقط
عمان
مصیرہ
ظفار
جزائر خوریا موریا
بحیرۂ عرب
سقوطرہ
بحر ہند
200
400
600
800
1000
کلومیٹر

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا

انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم ایک اکیلے اللہ کی عبادت کریں اور انھیں چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ عبادت کرتے تھے؟

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿70﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ

چنانچہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آجس سے تو ہمیں ڈراتا ہے﴿70﴾ ہود نے کہا: تمھارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب

وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ

نازل ہوا ہی چاہتا ہے۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمھارے آباء واجداد نے رکھ لیے ہیں؟ اللہ نے ان کی کوئی دلیل

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿71﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

نازل نہیں فرمائی، چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں﴿71﴾ پھر ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿72﴾ ع

وقف لازم 9 16 8

ہمراہ تھے، اپنی رحمت کے ساتھ نجات دی، اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے﴿72﴾

کی طرف دعوت دینے سے تعجب کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ ...... ﴾ الآیة (صٓ 5:38) ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟''

﴿ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿67﴾ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔'' یعنی میں اس طرح نہیں ہوں جس طرح تم خیال کرتے ہو بلکہ میں تو اس اللہ کے پاس سے تمھارے لیے حق لے کر آیا ہوں جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہی ہر چیز کا پروردگار اور مالک ہے۔ ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿68﴾ ﴾ ''میں تمھیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔'' اور یہ پیغمبروں ہی کی صفتیں ہیں کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں، اپنی امت کے خیر خواہ ہوتے ہیں اور پیغام کے پہنچانے میں پوری پوری امانت و دیانت کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ ﴾ ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نصیحت آئی تا کہ وہ تمھیں ڈرائے۔'' یعنی اس بات سے تم تعجب نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھی میں سے ایک رسول بھیج دیا ہے تا کہ وہ تمھیں اللہ کے گزشتہ قوموں پر عذاب کے واقعات اور اس کی ملاقات سے ڈرائے بلکہ تمھیں تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ ﴾ ''اور یاد کرو! جب اس نے تم کو قوم نوح کے بعد سردار بنایا۔'' یعنی اس احسان کو یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے بنایا ہے کہ مخالفت اور تکذیب کرنے پر جن کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا تھا، ﴿ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ ﴾ ''اور تم کو قد و قامت میں بڑھوتری دی۔'' یعنی دیگر انسانوں کی نسبت اس نے تمھیں زیادہ طویل قد و قامت سے نواز جیسا کہ قصۂ طالوت

میں ہے: ﴿ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ﴾ (البقرۃ2:247) ”اس نے علم اور جسم (دونوں) میں اس کو زیادہ کشادگی دی ہے۔“ ﴿ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ ﴾ ”پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم نجات حاصل کرو۔“ ﴿ اٰلَآءَ ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات ہیں اور یہ إِلیٌ کی جمع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أَلْیٌ یا أَلًی کی جمع ہے۔

تفسیر آیات:70-72

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے بغاوت، سرکشی، عناد اور انکار کرتے ہوئے ہود علیہ السلام سے کہا: ﴿ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ ﴾ ”کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں؟“ اس مکمل آیت کا مفہوم اسی طرح ہے جیسا کہ کفار قریش نے کہا تھا: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الأنفال8:32) ”اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔“

محمد بن اسحاق وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ قوم ہود کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان کے ایک بت کا نام صُداء، دوسرے کا نام صَمُود اور تیسرے کا نام ہباء تھا۔[1] اسی لیے حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ﴾ ”تحقیق تمھارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے۔“ یعنی تمھاری اس بات کی وجہ سے تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لیے عذاب واجب ہو چکا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ﴿ رِجْسٌ ﴾ کا لفظ رِجز سے مقلوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ناراضی اور غضب کے ہیں۔[2]

﴿ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ ﴾ یعنی کیا تم مجھ سے ان بتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے تم اور تمھارے باپ دادا نے آلِهَةٌ نام رکھ لیے ہیں، حالانکہ یہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کی کوئی حجت اور دلیل نازل فرمائی ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۷۱ ﴾ ”جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“ یہ رسول کی طرف سے اپنی قوم کے لیے سرزنش اور شدید وعید تھی۔

قوم عاد کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۷۲ ﴾ ”پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان کو نجات بخشی اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔“ ان کے ہلاک کرنے کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی ایک دوسرے مقامات پر بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ان پر ایسی نامبارک ہوا چلائی گئی کہ وہ جس چیز پر چلتی تھی اس کو ریزہ ریزہ کیے بغیر نہ چھوڑتی تھی جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا

[1] تفسیر الطبری:282/8. [2] تفسیر الطبری:289/8.

عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ○ ﴾ (الحآقة 69:6-8) ''اور رہے عاد! ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا، اللہ نے اس کو سات رات اور آٹھ دن ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) گرے (اور مرے) پڑے دیکھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے، بھلا تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے؟''

جب انھوں نے بغاوت اور سرکشی کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نہایت تیز آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیا، ہوا ان میں سے ایک ایک شخص کو اٹھا کر فضا میں اچھال دیتی، پھر بلندی سے سر کے بل نیچے گرا دیتی جس سے سر پھٹ کر تن بدن سے جدا ہو جاتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ﴾ (الحآقة 69:7) ''جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔''

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ لوگ یمن میں عُمان اور حَضرَ مَوت کے درمیان رہتے تھے اور زمین کے دوسرے بہت سے علاقوں میں بھی پھیل گئے تھے اور اپنی اس طاقت وقوت کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی تھی، انھوں نے ان علاقوں کے لوگوں پر غلبہ وتسلط حاصل کر لیا تھا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کی پوجا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جن کا تعلق اعلیٰ خاندان اور بہترین علاقے سے تھا، انھوں نے انھیں یہ حکم دیا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار نہ دیں، نیز لوگوں پر ظلم نہ کریں مگر انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کی تکذیب کی اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ طاقت ور اور کون ہو سکتا ہے، ان میں سے تھوڑے سے لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی پیروی کو اختیار کر لیا تھا مگر وہ اپنے ایمان کو چھپا کر رکھتے تھے۔

قوم عاد نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کے رسول کو جھٹلایا، زمین کو فتنہ وفساد سے بھر دیا، ظلم وزیادتی کی روش کو اختیار کیا اور ہر اونچی جگہ پر عبث نشان تعمیر کرنا شروع کر دیا تو حضرت ہود علیہ السلام نے گفتگو کرتے ہوئے ان سے فرمایا: ﴿ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ○ ۙ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ○ ۚ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ○ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ ۚ ﴾ (الشعرآء 26:128-131) ''بھلا تم ہر اونچی جگہ عبث نشان تعمیر کرتے ہو اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو؟ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

ہود علیہ السلام کے جواب میں انھوں نے کہا: ﴿ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ﴾ (ہود 11:53-56) ''وہ بولے: ہود! تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں،

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو یقیناً میں ان سے بیزار ہوں (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔''[1]

عاد کے سفیر کا قصہ: امام احمد رحمہ اللہ نے حارث بَکری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علاء بن حَضرَمی کی شکایت کرنے کے لیے نکلا اور جب مقام رَبَذہ کے پاس سے گزرا تو وہاں بنو تمیم کی ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی جس کا زادِ راہ ختم ہو چکا تھا تو اس نے کہا: اے عبداللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے تو کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیں گے؟ میں نے اسے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا اور اسے مدینہ لے آیا۔

جب ہم مدینہ میں آئے تو مسجد نبوی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، سیاہ پرچم لہرا رہا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑے تھے، میں نے پوچھا: کیا بات ہے، لوگ کیوں جمع ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ ﷺ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قائد بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے تو میں نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی، میں اندر داخل ہوا اور میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا: [هَلْ كَانَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ تَمِيمٍ شَيْءٌ ؟] ''کیا تمھارے اور تمیم کے درمیان کوئی اختلاف ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں! ہم میں اختلاف تھا اور ہمیں ان پر فتح حاصل تھی۔

میں بنو تمیم کی ایک بڑھیا کے پاس سے گزرا جو رستے سے ہٹی ہوئی تھی اور اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اپنی سواری پر بٹھا کر آپ کی خدمت میں پہنچا دوں اور اس وقت وہ دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے، آپ نے اسے اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئی تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہمارے اور تمیم کے درمیان سرحد کے طور پر جنگل کو مقرر فرما دیں، یہ سن کر بڑھیا بہت بدکی اور گرم ہوگئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! آپ اپنے مُضَر کو کہاں مجبور کریں گے؟ میں نے کہا کہ مثال تو ایسے ہے جیسے پہلے زمانے میں کسی نے کہا تھا کہ میری بکری نے اپنی موت کو خود آواز دی ہے، میں نے اس بڑھیا کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری ہی دشمن ہے، میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ چاہتا ہوں کہ قوم عاد کے سفیر کی طرح ہو جاؤں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: [وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟] ''قوم عاد کے سفیر کا کیا قصہ ہے؟'' حالانکہ آپ اسے زیادہ بہتر جانتے تھے مگر دل جوئی کے لیے آپ نے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی کہ عاد کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے اپنے ایک سفیر کو بھیجا

[1] تفسیر الطبری: 282/8.

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ

معبود نہیں، تحقیق تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی ہے، یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمھارے لیے خاص نشانی ہے، چنانچہ تم

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿73﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ

اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمھیں بہت دردناک عذاب پکڑ لے گا﴿73﴾ اور یاد کرو،

عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ

جب اس نے تمھیں قوم عاد کے بعد ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تمھیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم مٹی سے محلات بناتے ہو اور پہاڑوں

بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿74﴾ قَالَ الْمَلَاُ

سے گھر تراشتے ہو، چنانچہ تم اللہ کی نعمتیں یاد کرو، اور زمین میں فسادی بن کر مت پھرو﴿74﴾ اس کی قوم کے وڈیرے جنھوں نے تکبر کیا، کمزور سمجھے

الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

جانے والے ایمان داروں سے کہنے لگے: کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ واقعی صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: (ہاں) بلاشبہ

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿75﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

ہم اس چیز پر ایمان لانے والے ہیں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے﴿75﴾ ان لوگوں نے کہا جنھوں نے تکبر کیا: بے شک ہم اس چیز کا انکار کرنے

اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿76﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا

والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو﴿76﴾ چنانچہ انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، اور انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: اے

يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿77﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے﴿77﴾ پھر انھیں زلزلے نے آلیا، چنانچہ وہ اپنے گھروں

دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿78﴾

میں گھٹنوں کے بل (مردہ) گرے پڑے تھے﴿78﴾

جس کا نام قَیل تھا، وہ معاویہ بن بکر کے پاس سے گزرنے لگا تو اس کے پاس ایک مہینے تک مقیم ہو گیا، اس نے اسے شراب پلانا شروع کر دی اور روزانہ دولڑکیاں اسے گانا بھی سناتیں جنھیں جَرَادَتان کہا جاتا تھا۔ جب مہینہ گزر گیا تو یہ تہامہ کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور کہنے لگا: اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نہ تو کسی مریض کے پاس اسے دوائی پلانے کے لیے آیا ہوں اور نہ کسی قیدی کا فدیہ دے کر اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوں، اے اللہ! عاد کو اسی طرح پانی پلا جس طرح تو اسے پہلے پانی پلایا کرتا تھا، چنانچہ اس کے پاس سے کالے سیاہ بادل گزرے اور اسے بادلوں میں سے آواز آئی کہ ان میں سے کسی ایک بادل کا انتخاب کر لو تو اس نے ایک سیاہ رنگ کے بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے منتخب کر لیا تو اس سیاہ رنگ کے بادل میں

سے اسے یہ آواز آئی کہ اسے لے لو یہ ایک ایسی جلتی ہوئی راکھ ہے جو قوم عاد کے کسی ایک فرد کو بھی نہ چھوڑے گی۔ اس نے کہا: مجھے یہ خبر بھی معلوم ہوئی ہے کہ ان پر ہوا صرف اس قدر چھوڑی گئی جو میری اس انگوٹھی میں چل سکتی تھی حتی کہ اس سے وہ ہلاک ہو گئے۔

ابووائل کہتے ہیں کہ اس نے یہ سچ بیان کیا کہ عاد پر ہوا صرف انگوٹھی کے برابر چھوڑی گئی تھی۔ عورتیں اور مرد جب کسی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے تو اسے یہ کہہ دیتے کہ تم قوم عاد کے نمائندے کی طرح نہ بنو۔[1] اور تقریباً اسی طرح امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:73-78

قوم ثمود کا مسکن اور نسب: علمائے تفسیر ونسب نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے کہ ثمود بن عاثر بن ارم بن سام بن نوح، ثمود جَدِیس بن عاثر کا بھائی ہے، اسی طرح قبیلہ طَسم بھی اور عرب کے یہ تمام قبائل عاربہ کہلاتے ہیں، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہو گزرے ہیں، قوم ثمود، قوم عاد کے بعد ہوئی ہے، ان کے مسکن مشہور تھے جو حجاز وشام کے درمیان وادیٔ قُریٰ اور اس کے گردو پیش تک پھیلے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھروں اور مقامات کے پاس سے اس وقت گزرے جب آپ 9 ہجری میں تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک میں لوگوں کے پاس فروکش ہوئے تو آپ ثمود کے گھروں کے پاس مقام حِجر میں ٹھہرے تھے، لوگوں نے ان کنوؤں سے پانی پیا جن سے ثمود پیتے تھے، اس پانی کے ساتھ آٹا بھی گوندھا اور ہنڈیاں بھی پکائیں تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو انھوں نے ہنڈیاؤں کو گرا دیا اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا، پھر آپ وہاں سے روانہ ہو گئے اور اس کنویں کے پاس پڑاؤ ڈالا جس سے (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پیتی تھی، آپ نے منع فرما دیا کہ ان لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ جن پر عذاب نازل ہوا تھا، آپ نے فرمایا: [إِنِّي أَخْشٰى أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ ، فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ] ''بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر نازل ہوا تھا، لہٰذا ان کے گھروں میں نہ جاؤ۔''[3]

امام احمد ہی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی (ایک اور طریق سے) روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حِجر میں فرمایا تھا: [لَا تَدْخُلُوا عَلٰى هٰؤُلَاءِ (الْقَوْمِ) الْمُعَذَّبِينَ، إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ ، فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ ، أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ] ''ان عذاب شدہ لوگوں کے گھروں میں نہ جاؤ الا یہ کہ روتے ہوئے اور اگر تمھیں رونا نہ آئے تو پھر وہاں نہ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ جو ان پر نازل ہوا تھا۔''[4]

---

[1] مسند أحمد:482/3. [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الذّٰریٰت، حدیث:3274 والسنن الکبریٰ للنسائی، السیر، صفة الرایة:181/5، حدیث:8607 وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرایات والألویة، حدیث:2816 اور تینوں نے اسے نہایت اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [3] مسند أحمد:117/2. [4] مسند أحمد:74/2.

صالح علیہ السلام اور قوم ثمود

شمال
عرب
جزیرہ نمائے عرب
بحر ہند
بحیرۂ عرب
قرن افریقہ
حبشہ
نیل ازرق
نیل ابیض
سودان
دریائے نیل
مصر
بحیرۂ قلزم
مدینہ
مدائن صالح
شام
بحیرۂ روم
فارس
خلیج فارس
شام
اردن
معان
صحرائے نفود
شام کی طرف
تبوک
مدین
دیار ثمود
دار الحمراء
تیماء
مدائن صالح (حجر)
العلاء (وادی القریٰ)
مدینہ سے
الوجہ
ضبا
مویلح
تریم
خریبہ
البدع
مدین
مقنا
بئر
حمیدہ
ایلہ
جزیرہ نمائے سیناء (مصر)
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
مصر
خلیج سویز
قلزم (سویز)
کلومیٹر
200
100
0

قوم ثمود کی بستی (مدائن صالح)

اس حدیث کا اصل صحیحین میں موجود ہے۔[1]

صالح علیہ السلام اور ثمود کا قصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ﴾ ''اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کی دعوت دی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الأنبیاء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں تو تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل 36:16) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

ثمود نے چٹان سے اونٹنی کے نکلنے کا مطالبہ کیا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً ﴾ ''تحقیق تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے معجزہ ہے۔'' یعنی میں تمھارے پاس جو لے کر آیا ہوں اس کی صداقت کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس دلیل بھی آ گئی ہے۔ اور خود انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کے پاس کوئی نشانی لائیں اور اس سلسلے میں خود انھوں نے تجویز یہ پیش کی تھی کہ ایک سخت ٹھوس اور جامد چٹان سے جس کی تعیین بھی انھوں نے خود ہی کر دی تھی اور یہ حِجر کی جانب ایک اکیلی سی چٹان تھی جسے کاتبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا تو انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی نبوت کی صداقت کی نشانی کے طور پر اس چٹان سے ایک گابھن اونٹنی نکال دیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود سے بہت ہی پختہ عہد و پیمان لیے کہ اگر اللہ نے ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا تو پھر انھیں ضرور ایمان لانا ہوگا اور ان کی پیروی کرنی ہوگی، انھوں نے جب حضرت صالح علیہ السلام کو تمام عہد و پیمان دے دیے تو حضرت صالح علیہ السلام نے نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو چٹان حرکت کرنے لگی، پھر دراڑ پڑی، اس سے بہت بھاری بھرکم اور خوبصورت اونٹنی نکل آئی جس کے پیٹ میں اس کا بچہ بھی حرکت کرتا ہوا نظر آ رہا تھا جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ دیکھ کر سردار قوم جُندَع بن عمرو اور اس کے ساتھی ایمان لے آئے، دیگر سرداران ثمود نے بھی ایمان لانے کا ارادہ کیا تو ذُوَاب بن عمرو بن لبید، حُبَاب ــ جو بتوں کا مالک تھا ــ اور رُباب[2] بن صَمْعَر بن جَلْہَس نے انھیں منع کر دیا۔ جُندَع بن عمرو کا ایک چچا زاد بھائی تھا جس کا نام شہاب بن خلیفہ بن مَخْلَاة بن لبید بن جواس تھا اور یہ شخص ثمود کے سرداروں اور علماء میں سے تھا، اس نے

---

[1] صحیح البخاری، الصلاة، باب الصلاة فی مواضع الخسف والعذاب، حدیث: 433 عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما. وصحیح مسلم، الزھد، باب النھی عن الدخول علی أھل الحجر......، حدیث: 2980.
[2] بعض نسخوں میں ''ربان'' ہے۔

بھی مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا تھا مگران لوگوں نے اسے بھی منع کیا اوراس نے ان کی بات کو مان لیا تو اس کے بارے میں قوم ثمود کے مومن لوگوں میں سے ایک شخص مَہُوش بن (عَنْمَة) بن دَمیل رحمہ اللہ نے کہا:

وَكَانَتْ عُصْبَةٌ مِّنْ آلِ عَمْرٍو　إِلَى دِينِ النَّبِيِّ دَعَوْا شِهَابًا

''آل عمرو کی ایک جماعت نے شہاب کو نبی کے دین کی طرف دعوت دی۔''

عَزِيزَ ثَمُودَ كُلِّهِمْ جَمِيعًا　فَهَمَّ بِأَنْ يُّجِيبَ فَلَوْ أَجَابَا

''شہاب ساری قومِ ثمود کی آنکھوں کا تارا تھا، اس نے دین کو قبول کرنے کا ارادہ تو کیا لیکن کاش! اگر وہ دین کو قبول کر لیتا۔''

لَأَصْبَحَ صَالِحٌ فِينَا عَزِيزًا　وَّمَا عَدَلُوا بِصَاحِبِهِمْ ذُؤَابَا

''تو صالح علیہ السلام ہم میں معزز ترین ہو جاتے اور نہ وہ ذُؤاب (کی بات مان کر اس) کو اپنے صاحب، یعنی نبی کے برابر ٹھہراتے۔''

وَلَكِنَّ الْغُوَاةَ مِنْ آلِ حِجْرٍ　تَوَلَّوْا بَعْدَ رُشْدِهِمْ ذُئَابَا

''لیکن آلِ حِجرُ کے گمراہ لوگ رشد و بھلائی کے بعد پھر مکار لوگوں کے دوست بن گئے۔''

پھر اونٹنی نے ان کے سامنے اپنے بچے کو جنم دیا تو ایک دن اونٹنی ان کے کنویں سے پانی پیتی اور ایک دن پانی کو ان کے لیے چھوڑ دیتی تھی اور جس دن اونٹنی پانی پیتی اس دن وہ اس کے دودھ کو پیتے تھے، وہ اس کے دودھ کو دوہتے اور جس قدر چاہتے برتن بھر لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ ﴾ (القمر 28:54) ''اوران کو آگاہ کردو کہ بے شک ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے، ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے۔'' اور فرمایا: ﴿ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾ (الشعرآء 155:26) ''یہ اونٹنی ہے (ایک دن) اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمھاری باری۔''

یہ اونٹنی وادیوں میں آتی جاتی تھی، ایک گھاٹی میں جاتی اور دوسری سے واپس آتی تھی تا کہ کھلی جگہ پر سما سکے، اس لیے کہ یہ خوب خوب سیر ہو کر پانی پیتی تھی اور جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے یہ اونٹنی بہت گرانڈیل قسم کی مگر بے حد خوب صورت بھی تھی جب قوم ثمود کے مویشیوں کے پاس سے گزرتی تو وہ اسے دیکھ کر بھاگ جاتے تھے جب یہ عرصہ طویل ہو گیا اور اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو انھوں نے سختی سے جھٹلانا شروع کر دیا تو انھوں نے یہ ارادہ بھی کر لیا کہ اس اونٹنی کو قتل کر دیں تا کہ روزانہ خود ہی پانی پئیں، اس بات پر ان سب کا اتفاق ہو گیا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جس نے اس اونٹنی کو قتل کیا تھا، وہ ان میں سے ہر ایک کے پاس گیا اور اس نے معلوم کر لیا کہ سب اس کے قتل سے راضی ہیں حتیٰ کہ پردہ نشیں عورتوں اور بچوں سے بھی اس نے پوچھا تو سب نے رضامندی

کا اظہار کیا۔① حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے: ﴿ فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۖ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴾ (الشمس 14:91) ''تو انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ﴾ (إسرآئیل 59:17) ''اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوتِ صالح کی کھلی) نشانی دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ ﴾ ''چنانچہ انھوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا۔''

یہاں اونٹنی کی کونچوں کو کاٹنے کی نسبت سارے قبیلے کی طرف کی گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سب اس بات سے راضی تھے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

اونٹنی کا قتل: امام ابوجعفر بن جریر اور دیگر کئی علمائے تفسیر نے یہ بیان کیا ہے کہ اونٹنی کے قتل کا سبب یہ تھا کہ ان میں سے ایک عورت جس کا نام عُنیزہ بنت غنم بن مجلز اور کنیت ام غَنم تھی، یہ بہت بوڑھی، کافر اور حضرت صالح علیہ السلام کی بہت شدید دشمن تھی، اس کی بیٹیاں بہت خوبصورت اور یہ بہت مال دار عورت تھی، اور اس کا شوہر ذُؤاب بن عمرو سرداران ثمود میں سے تھا، اسی طرح ایک دوسری عورت جس کا نام صدوف بنت محیا بن دہر بن محیا تھا، ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھی، مال دار بھی تھی اور صاحب حسن و جمال بھی اور یہ قوم ثمود کے ایک مسلمان شخص کی بیوی تھی مگر اس نے اس مسلمان شخص سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ان دونوں عورتوں نے اعلان کر دیا کہ یہ اس شخص کی ہو جائیں گی جو اونٹنی کو قتل کرے گا۔

صدوف نے حُباب نامی ایک شخص کو دعوت دی کہ اگر وہ اونٹنی کو قتل کر دے تو یہ اپنے نفس کو اس کے لیے پیش کر دے گی مگر اس نے انکار کر دیا، پھر اس نے اپنے چچا زاد مصدع بن مہرج بن محیا کو یہ پیش کش کی تو اس نے اسے قبول کر لیا، اسی طرح عنیزہ بنت غنم نے قدار بن سالف بن جُندع کو دعوت دی جو کہ سرخ رنگ، نیلی آنکھوں اور پست قد کا آدمی تھا اور لوگ کہتے تھے کہ وہ حرامی تھا اپنے باپ سالف کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ صہیاد نامی ایک شخص کے نطفے سے تھا لیکن وہ پیدا سالف کے بستر پر ہوا تھا، اس لیے اس کی طرف منسوب ہوا، عنیزہ نے اس شخص سے کہا کہ اگر تو اونٹنی کی کونچوں کو کاٹ دے تو میری جو بیٹی چاہے گا، وہ میں تجھے دے دوں گی۔ اس پیشکش کے بعد قدار بن سالف اور مصدع بن مہرج نے ثمود کے اوباشوں کو گمراہ کیا اور سات آدمیوں کو اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب ہو گئے، چنانچہ اس طرح ان کی تعداد نو ہو گئی، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ ﴾ (النمل 48:27) ''اور شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔'' یہ نو شخص اپنی قوم کے سردار تھے، اس لیے انھوں نے تمام کافر لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا اور انھوں نے ان کی اطاعت شروع کر دی تھی، یہ لوگ اونٹنی کی گھات میں بیٹھ گئے اور انتظار میں تھے کہ وہ پانی پی کر کب واپس آتی ہے، قدار بن سالف اس کے رستے میں ایک چٹان کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھ گیا اور

① تفسیر الطبری:298/8.

مصدع ایک دوسری چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔اونٹنی مصدع کے پاس سے گزری تو اس نے اس پر ایک تیر پھینکا جس کے ساتھ اس کی پنڈلی کا ایک پٹھہ زخمی ہو گیا، ام غَنم عنیزہ بھی باہر نکل آئی اور اس نے اپنی اس بیٹی کو حکم دیا جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی، اس نے قدار کے سامنے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور اس کا حوصلہ بڑھایا تو اس نے تلوار کے ساتھ اونٹنی پر حملہ کر دیا اور اس کی کونچ کو کاٹ دیا جس کی وجہ سے وہ زمین پر گر گئی اور ایک بار اس طرح زور سے بلبلائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے بچے کے بارے میں ڈرتی ہے، پھر اس ظالم نے اس کی گردن پر وار کر کے اسے قتل کر دیا۔اونٹنی کا بچہ ایک بہت اونچے پہاڑ پر چڑھ کر بلبلانے لگا۔[1]

عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے اس شخص سے روایت کیا ہے جس نے امام حسن بصری سے سنا تھا کہ بچے نے کہا: اے رب! میری ماں کہاں ہے؟[2] یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تین بار بلبلایا، پھر چٹان میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان ظالموں نے بچے کا تعاقب کر کے اس کی ماں کے ساتھ ساتھ اس کی کونچیں بھی کاٹ دی تھیں۔ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جب انھوں نے یہ کام کیا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے فارغ ہو گئے اور صالح علیہ السلام کو بھی یہ خبر پہنچ گئی تو آپ ان کے مجمع میں آئے اور اونٹنی کی حالت دیکھ کر رونے لگے اور فرمانے لگے: ﴿ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط ﴾ (ھود 11:65) ”تم اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدہ اٹھالو۔“

مفسدین کی حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کی کوشش: انھوں نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تھا اور جب شام ہوئی تو ان نو آدمیوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا اور کہنے لگے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم اپنے (عذاب سے دوچار ہونے) سے قبل ہی اس کا کام تمام کر دیں اور اگر جھوٹا ہے تو ہم اسے اس کی اونٹنی کے پاس پہنچا دیں گے: ﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ لا ﴾ (النمل 27:49-51) ”کہنے لگے کہ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے، پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے موقعۂ ہلاکت پر گئے ہی نہیں تھے اور بے شک ہم سچ کہتے ہیں اور وہ ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی تو دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟“

جب انھوں نے اس کا عزم کر لیا اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رات کو آ گئے تا کہ اللہ کے نبی کو شہید کر دیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے، جسے اور جس کے رسول کو ان کافروں کے مقابلے میں عزت و سربلندی حاصل تھی، ان پر ایک پتھر گرا دیا جس نے ان کی قوم سے پہلے انھیں کچل دیا اور جمعرات کے دن جو ایامِ مہلت میں سے پہلا دن تھا، ثمودیوں کے چہرے پیلے پڑ گئے جیسا کہ صالح علیہ السلام نے ان سے کہا تھا اور مہلت کے دوسرے دن، یعنی جمعے کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور

---

[1] ملخص از تفسیر الطبری:8/295. [2] تفسیر عبدالرزاق:2/82، رقم:912.

تیسرے، یعنی ہفتے کے دن ان کے چہرے کالے سیاہ ہو گئے اور اتوار کے دن خوشبو لگا کر بیٹھے اللہ کے عذاب کے منتظر تھے۔ عِیاذًا باللہ من ذلك.

اور نہیں جانتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور عذاب کس صورت میں ان کے پاس آئے گا جب سورج طلوع ہوا تو آسمان سے ایک زبردست چیخ آئی اور نیچے سے بہت شدید زلزلہ آیا اور چشم زدن میں یہ سب لوگ تباہ و برباد ہو گئے۔ ﴿ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' یعنی یہ بے حس و حرکت لاشے تھے، ان میں روحیں نہیں تھیں اور ان میں کوئی چھوٹا بڑا اور کوئی مرد وعورت عذاب الٰہی سے نہ بچ سکا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک اپاہج لڑکی بچ گئی تھی جس کا نام کلبہ بنت سَلْق تھا اور جسے زُرَیْقَہ بھی کہا جاتا تھا، یہ لڑکی کافر تھی اور حضرت صالح علیہ السلام سے شدید عداوت رکھتی تھی جب اس نے عذاب کو دیکھا تو اس کے پاؤں کھل گئے، اور اس نے بہت تیز رفتاری کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیا اور ایک خاندان میں پہنچ گئی اور اس نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے بارے میں انھیں بھی بتایا اور اس کی قوم پر جو عذاب الٰہی ٹوٹا اس کے بارے میں انھیں مطلع کیا، پھر ان سے پانی طلب کیا اور پانی پیتے ہی یہ بھی مرگئی۔[1]

علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ ثمود کی اولاد میں سے حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کے سوا اور کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا۔ ہاں، البتہ ایک شخص جس کا نام ابو رِغال تھا وہ قوم ثمود پر عذاب آنے کے وقت حرم مکہ میں مقیم تھا، وہاں اسے کچھ نہ ہوا لیکن جب ایک دن وہ حرم سے باہر نکلا تو آسمان سے ایک پتھر گرا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔[2]

عبدالرزاق نے معمر سے روایت کیا ہے کہ مجھے اسماعیل بن امیہ نے خبر دی کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو رغال کی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: هٰذَا قَبْرُ أَبِي رِغَالٍ (قَالُوا: وَمَنْ هُوَ أَبُو رِغَالٍ؟) قَالَ: رَجُلٌ مِّنْ ثَمُودَ ، كَانَ فِي حَرَمِ اللّٰهِ فَمَنَعَهُ حَرَمُ اللّٰهِ عَذَابَ اللّٰهِ ، فَلَمَّا خَرَجَ أَصَابَهُ مَا أَصَابَ قَوْمَهُ فَدُفِنَ هٰهُنَا ، وَدُفِنَ مَعَهُ غُصْنٌ مِّنْ ذَهَبٍ ، فَنَزَلَ الْقَوْمُ فَابْتَدَرُوهُ بِأَسْيَافِهِمْ فَبَحَثُوا عَنْهُ فَاسْتَخْرَجُوا الْغُصْنَ] ''تمھیں معلوم ہے کہ یہ کون شخص تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ ابو رغال کی قبر ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرنے لگے: یہ ابو رغال کون شخص ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ قوم ثمود کا ایک جوان تھا جو عذاب کے وقت اللہ کے حرم میں تھا جس کی وجہ سے عذاب الٰہی سے بچ گیا لیکن جب یہ حرم سے باہر نکلا تو اس کا انجام بھی وہی ہوا جو اس کی قوم کا ہوا تھا، اور ہلاکت کے بعد پھر اسے یہاں دفن کر دیا گیا تھا، اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ کو بھی دفن کیا گیا تھا، لوگوں نے تلواروں کے ساتھ کھدائی کر کے اس شاخ کو تلاش کیا اور نکال لیا تھا۔''[3]

عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے امام زہری کا قول نقل کیا ہے کہ ابو رغال ہی ابو ثقیف ہے۔[4]

[1] تفسیر الطبری: 298/8. [2] تفسیر الطبری: 299/8. [3] تفسیر عبدالرزاق: 84/2، رقم: 916. [4] تفسیر عبدالرزاق: 84/2، رقم: 917.

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

تب صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا: اے میری قوم! بے شک میں نے تمھیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور میں نے تمھیں نصیحت کی تھی، لیکن تم

النّٰصِحِيْنَ ﴿79﴾

نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ﴿79﴾

تفسیر آیت:79

جب اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قبول حق سے انکار اور ہدایت کو چھوڑ کر اندھے پن کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں ملامت اور سرزنش کرتے ہوئے ان سے یہ فرمایا تھا اور وہ اس وقت ان کی اس بات کو سن بھی رہے تھے۔

جیسا کہ صحیحین کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بدر پر فتح ونصرت حاصل ہوگئی تو آپ نے وہاں تین دن قیام فرمایا، پھر آپ نے حکم دیا اور تیسرے دن رات کے آخری پہر میں آپ کی سواری کو تیار کر دیا گیا تو آپ اس پر سوار ہو کر چل پڑے، پھر بدر کے کنویں کے پاس کھڑے ہوگئے اور آپ نے فرمایا:[يَا أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ!...... يَاعُتْبَةُ ابْنَ رَبِيعَةَ ! يَا شَيْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ ! هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟ فَإِنِّي وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا (قَالَ عُمَرُ:) يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! أَتُنَادِي قَوْمًا قَدْ جَيَّفُوا؟ قَالَ: (وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!) مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَّايَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُّجِيبُوا] ''اے ابوجہل بن ہشام!......اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچا پایا؟ مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا میں نے تو اسے سچا پالیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ کیسے سنیں گے اور کیونکر جواب دیں گے جبکہ یہ مردہ لاشے ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس وقت ان سے جو بات کر رہا ہوں، تم اسے ان کی نسبت زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔''[1]

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا: ﴿ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ﴾ ''البتہ تحقیق میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری خیر خواہی کی۔'' لیکن تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا کیونکہ تم حق کو پسند نہیں کرتے اور خیر خواہی کرنے والے کی بات کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے انھوں نے یہ بھی فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿79﴾ ﴾ ''مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔''

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث:3976 عن أبي طلحة رضی اللہ عنہ. وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنّار، حديث:2874 والسنن الكبرٰى للنسائي، الجنائز وتمني الموت، باب أرواح المؤمنين:665/1، حديث:2202 عن أنس رضی اللہ عنہ. البتہ [وقال عمر] صحیح بخاری اور [والذي نفسي بيده] صحیح مسلم میں ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾

اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی؟﴿80﴾ بے شک تم جنسی

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿81﴾

خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو﴿81﴾

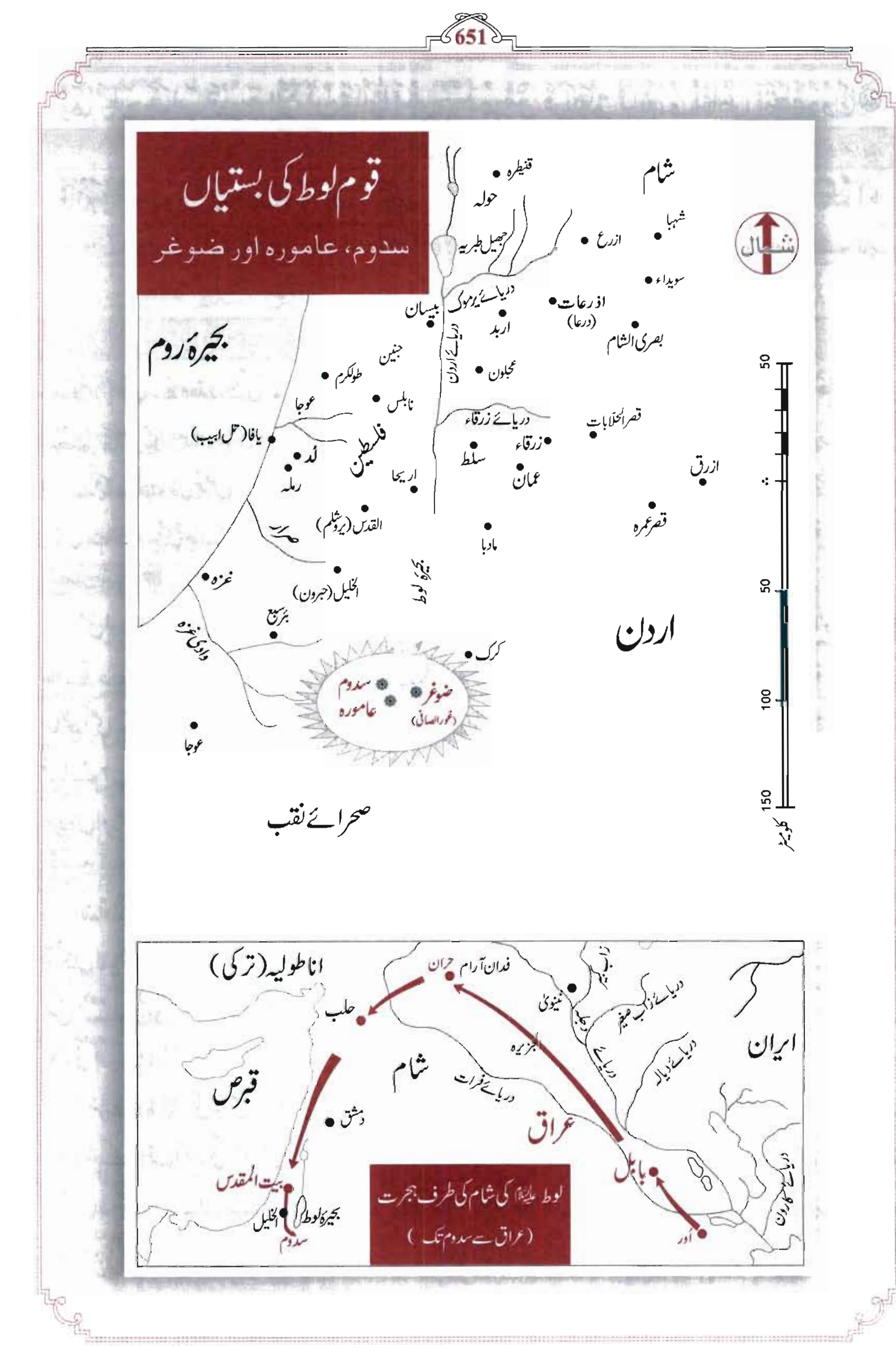
تفسیر آیات: 81,80

حضرت لوط علیہ السلام، ان کی ہجرت اور علاقہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ ﴾ ''اور'' بلاشبہ ہم نے بھیجا ﴿ لُوْطًا ﴾ ''لوط کو'' یعنی لَقَدْ أَرْسَلْنَا یہاں محذوف ہے یا اصل میں عبارت اس طرح ہے کہ وَاذْكُرْ ''اور لوط کو یاد کرو'' ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ ﴾ ''جب اس نے اپنی قوم سے کہا۔'' حضرت لوط علیہ السلام ہاران بن آزر کے بیٹے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے برادرزادے ہیں، آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان بھی لے آئے تھے اور ان کے ساتھ ارض شام کی طرف ہجرت بھی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انھیں سدُوم اور اس کے گردونواح کی بستیوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرما دیا تا کہ آپ انھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیں، نیکی کا حکم دیں اور انھیں گناہوں، حرام کاموں اور بے حیائی کی باتوں سے منع کریں جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے اور جنھیں سب سے پہلے انھوں نے ایجاد کیا تھا اور ان سے پہلے انسانوں یا کسی اور مخلوق میں سے کسی نے ان کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور وہ یہ کہ وہ عورتوں کے بجائے مردوں سے اپنی جنسی خواہش کو پورا کرتے تھے، ان سے پہلے انسانوں نے اس بے حیائی کا کبھی ارتکاب نہیں کیا تھا، نہ وہ اسے پسند کرتے تھے بلکہ کبھی ان کے دل میں اس کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ سب سے پہلے اہل سدوم ہی نے اس بے حیائی کا ارتکاب کیا تھا، ان پر اللہ کی لعنت ہو۔

عمرو بن دینار: اس آیت کریمہ: ﴿ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ ﴾ ''تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا۔'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قوم لوط سے پہلے کبھی کسی مرد نے دوسرے مرد سے بدفعلی نہیں کی تھی۔[1] اسی لیے حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿80﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ ﴾ ''تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے اس طرح کا کام نہیں کیا، یعنی بے شک خواہش نفسانی پورا کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس آتے ہو۔'' یعنی عورتوں سے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جس مقام کو تمھارے لیے پیدا کیا ہے، اس سے روگردانی کر کے مردوں کی طرف مائل ہو رہے ہو اور یہ ظلم بھی ہے اور جہالت بھی کیونکہ یہ ایک چیز کو ایسی جگہ پر رکھنا ہے جو اس کی جگہ ہی نہیں۔

اسی لیے ایک دوسری آیت میں آپ نے ان سے فرمایا: ﴿ هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴾ (الحجر 71:15) ''اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کر لو۔)'' آپ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ عورتوں سے شادی

[1] تفسیر الطبری: 304/8.



قوم لوط کی بستیاں
سدوم، عامورہ اور ضوغر
شمال
شام
قنیطرہ
حولہ
جھیل طبریہ
ازرع
شہبا
سویداء
دریائے یرموک
اذرعات
(درعا)
بیسان
اربد
بصری الشام
بحیرۂ روم
جنین
طولکرم
دریائے اردن
عجلون
نابلس
عوجا
دریائے زرقاء
قصر الخلابات
یافا (تل ابیب)
فلسطین
زرقاء
لد
رملہ
اریحا
سلط
عمان
ازرق
القدس (یروشلم)
مادبا
قصر عمرہ
غزہ
الخلیل (حبرون)
بحیرۂ لوط
بئر سبع
اردن
وادی غزہ
کرک
سدوم
عامورہ
ضوغر
(غور الصافی)
عوجا
صحرائے نقب
50
0
50
100
150
کلومیٹر
اناطولیہ (ترکی)
فدان آرام حران
زاب کبیر
نینویٰ
حلب
دریائے زاب صغیر
الجزیرہ
دریائے دجلہ
ایران
شام
دریائے دیالہ
قبرص
دریائے فرات
دمشق
عراق
بابل
دریائے کارون
بیت المقدس
لوط علیہ السلام کی شام کی طرف ہجرت
(عراق سے سدوم تک)
الخلیل
بحیرۂ لوط
سدوم
اُور

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿82﴾

اور اس کی قوم کا جواب بس یہی تھا کہ انھوں نے کہا: انھیں اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں ﴿82﴾

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿83﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ

پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، سوائے اس کی بیوی کے، وہ پیچھے رہنے (ہلاک ہونے) والوں میں شامل ہوگئی ﴿83﴾ اور ہم نے ان پر

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿84﴾ ع

پتھروں کی بارش برسائی، چنانچہ دیکھیے مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿84﴾

کر لو مگر انھوں نے معذرت کی کہ وہ عورتوں کو پسند نہیں کرتے: ﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴾ (ھود 11:79) ''وہ بولے: البتہ تحقیق تم کو معلوم ہے کہ تمھاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں اور بے شک جو ہماری غرض ہے اسے تم (خوب) جانتے ہو۔'' یعنی تم جانتے ہو کہ عورتوں سے متعلق ہماری کوئی خواہش اور ارادہ نہیں ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ تمھارے مہمانوں کے بارے میں ہمارا کیا ارادہ ہے۔

تفسیر آیت: 82

یعنی لوط علیہ السلام کو انھوں نے یہ جواب دیا کہ وہ ارادہ کر چکے ہیں کہ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنے علاقے سے جلاوطن کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں سے صحیح سلامت باہر نکال لیا اور قوم لوط کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ انھی کے علاقے میں ہلاک کر دیا۔ ﴿ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ''بے شک یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسا عیب لگایا جو کوئی عیب نہ تھا۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مردوں اور عورتوں کی شرم گاہوں سے پاک رہنا چاہتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

تفسیر آیات: 84,83

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا اور ان کے گھر والوں کے سوا اور کوئی ان پر ایمان بھی تو نہیں لایا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ ﴾ (الذّٰریٰت 51:35,36) ''تو وہاں جتنے مومن تھے، ان کو ہم نے نکال لیا اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔''

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان پر ایمان نہیں لائی تھی بلکہ وہ اپنی قوم ہی کے دین پر تھی اور وہ اپنی قوم کے لوگوں کو حضرت لوط علیہ السلام کے خلاف اکساتی رہتی تھی اور اشاروں کے ساتھ لوط علیہ السلام کے پاس آنے والے مہمانوں کے بارے میں بھی انھیں بتا دیتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوط علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو یہاں سے نکل جائیں تو انھیں یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے پروگرام کے بارے میں اپنی بیوی کو نہ بتائیں اور نہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔

[1] تفسیر الطبری: 8/306. [2] تفسیر الطبری: 8/305,306.

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اور ہم نے اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں،

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے، لہٰذا تم ناپ اور تول کو پورا کرو، اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے مت دو، اور تم زمین

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿85﴾

کی اصلاح کے بعد اس میں فساد نہ کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو ﴿85﴾

کچھ لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ان کے ساتھ نکل تو پڑی تھی مگر جب عذاب آیا تو پلٹ کر دیکھنا شروع کر دیا اور اس طرح یہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہو گئی جس میں اس کی قوم مبتلا ہوئی تھی لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت شہر سے باہر نہیں نکلی تھی اور نہ حضرت لوط علیہ السلام نے اسے بتایا تھا بلکہ یہ اپنی قوم کے لوگوں ہی میں باقی رہی تھی، اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿83﴾﴾ ”مگر اس کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔“ یعنی پیچھے باقی رہ جانے والوں میں سے تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ہلاک ہو جانے والوں میں سے تھی اور جو پیچھے رہ جانے والے تھے، وہ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا﴾ ”اور ہم نے ان پر مینہ برسایا۔“

اس کی تفسیر ایک دوسرے مقام پر اس طرح ہے: ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝﴾ (ھود 83,82:11) ”اور ان پر پتھر کی تہ بہ تہ (پے درپے) کنکریاں برسائیں جن پر تمھارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔“ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿84﴾﴾ ”چنانچہ دیکھ لیجیے کہ گناہ گاروں کا کیسا انجام ہوا۔“ یعنی اے نبی (ﷺ!) آپ دیکھ لیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے کی جرأت کرے تو اس کا انجام کیسا بھیانک ہوتا ہے۔

امام احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ وَّجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ] ”جسے تم قوم لوط جیسا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔“[1]

تفسیر آیت:85

حضرت شعیب علیہ السلام اور مدین کا قصہ: محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ اہل مدین، مدین بن (مدیان بن) ابراہیم کی اولاد میں

[1] مسند أحمد:300/1 وسنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث:4462 وجامع الترمذي، الحدود، باب ما جاء في حدّ اللوطي، حديث:1456 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حديث: 2561.

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا

اور تم ہر ایک راستے پر مت بیٹھو، تم اس شخص کو ڈراتے اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو جو اس پر ایمان لے آئے، اور تم اس راہ میں ٹیڑھ تلاش کرتے ہو،

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، پھر اس نے تمھیں زیادہ کر دیا۔ اور دیکھو! فسادیوں کا انجام کیسا ہوا تھا؟ (86) اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس حکم پر ایمان

الْمُفْسِدِيْنَ ۝86 وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ

لے آئے ہیں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور کچھ دوسرے ایمان نہیں لائے ہیں تو تم ذرا صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ

يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝87

سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (87)

سے ہیں اور حضرت شعیب، میکیل بن یشجر کے بیٹے ہیں اور سریانی زبان میں ان کا اسم گرامی یثرون ہے۔[1] مدین کا اطلاق قبیلے پر بھی ہوتا ہے اور اس شہر پر بھی جو حجاز کے رستے کی طرف سے مَعان کے قریب تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۠ ﴾ (القصص 23:28) ''اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے ہیں (اور اپنے چوپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں۔'' قوم مدین سے مراد اصحاب ایکہ ہیں جیسا کہ ہم عنقریب ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ وبه الثقة.[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔'' اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہی دعوت ہے۔ ﴿ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ چکی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین بیان فرما دیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ میں تمھارے پاس جس دین و شریعت کو لایا ہوں وہ سچا ہے، پھر دیگر لوگوں سے معاملات کے متعلق وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ ناپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور البخس کے معنی ہیں نامعلوم طریقے سے چیز کے عیب چھپاتے ہوئے کسی نہ کسی انداز سے کمی کرنا اور دھوکہ دینا، مطلب یہ کہ لوگوں کے ساتھ ان کے اموال میں خیانت نہ کرو اور ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کے مال ہڑپ نہ کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ ﴾ تا ﴿ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (المطففین 83:1-6) ''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں، کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں جس دن (تمام) لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

یہ بہت زبردست سرزنش اور سخت وعید ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عافیت عطا فرمائے، پھر اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر الطبری: 308/8. [2] دیکھیے الشعرآء، آیت: 176 کے ذیل میں۔ اور شعیب علیہ السلام کی قوم کے علاقے کا توضیحی نقشہ بھی ملاحظہ کیجیے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ

اس کی قوم میں سے جو سردار تکبر کرتے تھے، انھوں نے کہا: اے شعیب! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور

قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿88﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ

نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے۔ شعیب نے کہا: کیا (ہم تمھارے دین میں آ جائیں) اگرچہ ہم (اس سے) کراہت کرتے ہیں؟﴿88﴾ ہم

عُدْنَا فِیْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ

نے (گویا) اللہ پر جھوٹ باندھا اگر ہم تمھارے دین میں لوٹ آئیں جبکہ اللہ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہمارے لائق نہیں کہ ہم اس میں لوٹ

اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ

آئیں مگر یہ کہ اللہ، ہمارا رب چاہے۔ ہمارے رب نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے گھیر رکھا ہے، ہم نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے۔ (اور ہم دعا کرتے ہیں) اے

قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿89﴾

ہمارے رب! تو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر، اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے﴿89﴾

نے حضرت شعیب علیہ السلام کے (اپنی قوم سے خطاب کے) بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے جنھیں عبارت کی فصاحت اور وعظ و نصیحت کے دلنشین اسلوب کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔

تفسیر آیات: 87,86

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو حسّی اور معنوی قطعِ طریق سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ ﴾ ''اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ تم ڈراتے ہو۔'' یعنی تم لوگوں کو ڈراتے ہو کہ اگر انھوں نے تمھیں اپنا مال نہ دیا تو تم انھیں قتل کر دو گے۔ سدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ لوگوں سے ٹیکس لیتے تھے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ تم حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ان کی اتباع کے لیے آنے والے مومنوں کو ڈراتے ہو۔[2] لیکن یہاں پہلے معنی، یعنی حسّی طور پر قطعِ طریق زیادہ نمایاں ہیں کیونکہ الفاظ یہ ہیں: ﴿ بِكُلِّ صِرَاطٍ ﴾ اور صراط کے معنی رستے کے ہیں اور یہ دوسرا مفہوم جو بیان کیا گیا ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں: ﴿ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اسے اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔'' یعنی تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ اللہ کے رستے میں کجی ہو اور وہ ٹیڑھا ہو جائے۔

﴿ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا فَكَثَّرَكُمْ ﴾ ''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر کر دیا۔'' تم اپنی تعداد کی قلت کی وجہ سے کمزور تھے مگر اب تعداد کی کثرت کی وجہ سے قوی بن چکے ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ہمیشہ یاد رکھو۔ ﴿ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''اور دیکھو! خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟'' دیکھو کہ گزشتہ زمانوں میں ان سابقہ امتوں کا انجام کیسا ہوا اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے وہ کیسے

[1] تفسیر الطبری:310/8. [2] تفسیر الطبری:309/8.

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿90﴾

اور اس کی قوم میں سے وہ سردار جنھوں نے کفر کیا تھا، کہنے لگے: اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم ضرور خسارہ پانے والے ہو گے ﴿90﴾ پھر انھیں

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿91﴾ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ

زلزلے نے آ پکڑا، چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿91﴾ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہ (یوں ہو گئے) جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی

يَغْنَوْا فِيْهَا ۛ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾

نہ تھے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ پانے والے تھے ﴿92﴾

کیسے دردناک اور عبرت انگیز عذابوں میں مبتلا ہوئے۔

﴿ وَاِنْ كَانَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآىِٕفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا ﴾ ''اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی۔'' یعنی میرے بارے میں تم اختلاف میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ﴿ فَاصْبِرُوْا ﴾ یعنی انتظار کرو ﴿ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔'' ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿87﴾ ﴾ ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' وہ یقیناً اپنے سے ڈرنے والوں کا انجام اچھا کرے گا اور کافروں کو تباہی و بربادی اور ہلاکت میں مبتلا کر دے گا۔

تفسیر آیات: 89,88

یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ کفار نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور انھیں کس طرح دھمکیاں دیں کہ وہ انھیں اپنے شہر سے نکال دیں گے یا اپنے مذہب وملت میں واپس آ جانے پر مجبور کر دیں گے۔ ان کا خطاب اگرچہ رسول سے ہے لیکن ان کی مراد وہ تمام لوگ بھی ہیں جو شعیب علیہ السلام کی ملت پر تھے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿88﴾ ﴾ ''خواہ ہم (تمھارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟)'' یعنی کیا تم یہ کام اس صورت میں بھی کرو گے جبکہ ہم اس بات سے بیزار ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو؟ اگر ہم تمھاری ملت کی طرف لوٹ آئیں اور تمھارے دین میں داخل ہو جائیں تو بے شک اللہ کے ساتھ شریک بنا کر ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ اور یہ ان کی اپنے متبعین کی طرف سے ترجمانی ہے۔ ﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ ﴾ ''اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں (مگر یہ کہ) اللہ جو ہمارا پروردگار ہے، وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں۔)'' حضرت شعیب علیہ السلام نے سارے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف لوٹا دیا کیونکہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز کا اپنے علم کے ساتھ احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ ﴾ ''ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔'' یعنی جو کام ہم کرتے ہیں اور جو نہیں کرتے، ان سب میں ہمارا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر بھروسا ہے۔ ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ﴾ یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے اور ہمیں ان پر فتح ونصرت عطا فرما، ﴿ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿89﴾ ﴾ اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا وہ عادل ومنصف ہے کہ جو کبھی بھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیات:90-92

اس مقام پر اللہ تعالیٰ ان کے شدید کفر، سرکشی، بغاوت، ضلالت اور ان کے دلوں میں جو حق کی مخالفت رچ بس گئی تھی، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ انھوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ ﴿ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۹۰ ﴾ ''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔'' اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝۹۱ ﴾ ''تو ان کو بھونچال نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھیں بھونچال نے آ پکڑا کیونکہ انھوں نے شعیب اور ان کے ساتھیوں کو ڈرایا اور دھمکایا تھا اور شہر سے نکال دینے کا پروگرام بنایا تھا۔

جیسا کہ سورۂ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ ﴾ (ہود 94:11) ''اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' یہاں سورۂ ہود میں ﴿ الرَّجْفَةُ ﴾ کے بجائے ﴿ الصَّیْحَةُ ﴾ کا لفظ استعمال کرنے میں مناسبت یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے جب شدید ناراض ہوتے ہوئے کہا: ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ ...... ﴾ الآیة (ہود 87:11) ''کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے......؟'' تو ایک چنگھاڑ آئی اور اس نے انھیں خاموش کرا دیا۔

اور سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا، پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا، بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔''

یہاں یہ الفاظ اس لیے استعمال کیے کہ قصے کے سیاق میں یہ ہے کہ انھوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (الشعرآء 187:26) ''تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھیں سائبان کے دن کے عذاب نے پکڑ لیا تھا، الغرض عذاب کی ان تمام مذکورہ صورتوں سے وہ دوچار ہوئے وہ اس طرح کہ ﴿ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''پس سائبان کے دن کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔'' یہ ایک بادل تھا جو سائبان کی طرح ان کے سروں پر چھایا ہوا تھا، اس میں زبردست آگ اور اس کے خوفناک شرارے اور چنگارے تھے، پھر آسمان سے زبردست چنگھاڑ آئی اور مزید براں ان کے نیچے زمین پر خوفناک زلزلہ بھی طاری ہو گیا جس سے روحیں جسموں سے نکل گئیں، جسم بے کار ہو گئے اور وہ لوگ چشم زدن میں ہلاک ہو گئے۔ ﴿ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝۹۱ ﴾ ''چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۛۚ ﴾ ''گویا وہ ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے۔'' یعنی جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ صفحۂ ہستی سے یوں مٹ گئے گویا کبھی ان گھروں میں وہ رہتے ہی نہ تھے جن سے جلاوطن کرنے کی

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ

پھر شعیب نے ان سے منہ پھیر کر کہا: اے میری قوم! یقیناً میں نے تو اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچا دیے اور تمھاری خیر خواہی کی، پھر میں کافر قوم پر

كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾

غم کیوں کھاؤں ﴿93﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور جب بھی ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو اس بستی والوں کو تنگی اور سختی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں ﴿94﴾ پھر ہم نے (ان کی)

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

بدحالی کو خوشحالی میں بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے: ہمارے باپ دادا کو بھی سختی اور راحت پیش آئی تھی، تب ہم

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿95﴾

نے انھیں اچانک پکڑ لیا اور انھیں خبر تک نہ ہو سکی ﴿95﴾

انھوں نے اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں کو دھمکی دی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿92﴾ ﴾ ”(غرض) جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہی خسارے میں پڑ گئے۔“

تفسیر آیت: 93

جب کافر عبرت ناک عذاب اور سزا میں مبتلا ہوئے تو حضرت شعیب علیہ السلام ان میں سے نکل آئے اور انھیں ملامت کرتے ہوئے فرمانے لگے: ﴿ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ ﴾ ”اے میری قوم! یقیناً میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیے اور تمھاری خیر خواہی کی۔“ یعنی جس پیغام کے ساتھ مجھے بھیجا گیا تھا وہ میں نے بلا کم و کاست تم تک پہنچا دیا مگر تم نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور کفر کی روش اختیار کی، اس لیے مجھے تم پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ ﴿ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿93﴾ ﴾ ”پھر میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و غم کیوں کروں؟“

تفسیر آیات: 95,94

سابقہ امتوں کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے سابقہ امتوں کو جن کی طرف اس نے انبیاء کو بھیجا، دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تھا۔ بأساء سے بیماریاں اور جسمانی تکلیفیں مراد ہیں اور ضراء سے فقر و فاقہ کی مصیبتیں مراد ہیں۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ یعنی تاکہ وہ دعا کریں، خشوع و خضوع کا اظہار کریں اور ان پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے، اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں۔ اصل میں عبارت اس طرح تھی کہ اللہ تعالیٰ نے دکھوں اور مصیبتوں میں انھیں اس لیے مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی اور آہ و زاری کریں مگر جب انھوں نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات میں تبدیلی کر کے انھیں خوشحالی سے نواز دیا تاکہ اس طرح بھی ان کی آزمائش کرے۔

اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ ﴾ ”پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا۔“ یعنی

ہم نے ان کی حالت کو بدحالی سے آسودگی، مرض اور بیماری سے صحت وعافیت اور فقر سے دولت مندی میں بدل دیا تا کہ وہ شکر ادا کریں مگر انھوں نے ایسا نہ کیا ﴿ حَتّٰى عَفَوْا ﴾ ''یہاں تک کہ (مال واولاد میں) زیادہ ہو گئے۔'' ﴿ عَفَوْا ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ زیادہ ہو گئے عَفَا الشَّیْءُ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی چیز زیادہ ہو جائے، معنی یہ ہیں کہ جب ان کے ہاں مال اور اولاد کی کثرت ہو گئی۔ ﴿ وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَ السَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ کہنے لگے کہ اسی طرح کا رنج وراحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے انھیں دونوں طرح سے آزمایا تا کہ وہ عاجزی اور آہ وزاری کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں مگر نہ تکلیف سے انھوں نے کوئی سبق سیکھا اور نہ آسودگی سے، نہ وہ رنج کو دیکھ کر باز آئے اور نہ راحت کو دیکھ کر بلکہ کہنے لگے کہ ہم بھی رنج وراحت سے اسی طرح دوچار ہوتے ہیں جیسا کہ زمانۂ قدیم میں ہمارے آباء واجداد ان سے دوچار ہوتے رہے تھے کیونکہ زمانے کے حالات بدلتے رہتے ہیں کبھی کوئی حالت ہوتی ہے اور کبھی کوئی اور وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے کہ یہ دونوں حالتیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں۔

ان کفار کے برعکس مومنوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ آسودگی اور خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں اور رنج اور تکلیف کی حالت میں صبر کرتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ [عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ ، لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهٗ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ]، [إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ] ''مرد مومن کا معاملہ بہت ہی تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو بھی فیصلہ فرمادے وہ بہتر ہی ہوتا ہے اگر اسے کوئی آسودگی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر بجالاتا ہے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے۔''[1]

الغرض مومن وہ ہے جو رنج اور آسودگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائش کو سمجھ جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا مذکورہ بالا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ ''تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔'' یعنی ہم نے انھیں اس طرح اچانک پکڑ لیا کہ انھیں اس کا شعور بھی نہ تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ [مَوْتُ الْفُجَاءَةِ (رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ) وَأَخْذَةُ أَسَفٍ عَلَى الْكَافِرِ] ''اچانک موت مومن کے لیے رحمت ہے اور کافر کے لیے افسوس ناک پکڑ۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث:2999 عن صهيب رضی اللہ عنہ۔ مگر اس کا پہلا جز مسند أحمد: 24/5 عن أنس رضی اللہ عنہ و مسند أبي يعلى: 221/7، حديث: 1463 کے مطابق ہے۔ [2] مسند أحمد:136/6 بعض روایات میں کافر کے بجائے فاجر ہے، راحة اور رحمة کے بجائے تخفیف ہے۔ والمصنف لعبد الرزاق:598/3، حديث:6781 ، البتہ قوسین والے الفاظ مسند احمد کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہیں اور [رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ] کی سند میں ضعف ہے۔ اور باقی حصہ سنن أبي داود، الجنائز، باب في موت الفجأة، حديث:3110 میں بھی ہے۔ و مسند أحمد:424/3 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الجنائز، باب في موت الفجاءة: 379,378/3 و شعب الإيمان للبيهقي: 225/7، حديث: 10218.

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انھوں نے

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿96﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ

(دین حق کو) جھٹلایا تو ہم نے انھیں (ان کے برے عملوں کے باعث) پکڑ لیا جو وہ کرتے رہے تھے ﴿96﴾ کیا پھر بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے

يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿97﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا

ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟ ﴿97﴾ یا بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن

ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿98﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا

چڑھے آجائے اور وہ کھیل تماشے میں مصروف ہوں؟ ﴿98﴾ کیا پھر وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ اللہ کی تدبیر سے بے خوف تو وہی لوگ

الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿99﴾ ع

ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں ﴿99﴾

12 ع 6 2

تفسیر آیات: 96-99

ایمان کے ساتھ برکت اور کفر کے ساتھ گرفت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان بستیوں والے لوگ بہت کم ایمان لائے جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○﴾ (یونس 98:10) ”تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لائی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا۔ ہاں، یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔“ یعنی قوم یونس کے سوا اور کوئی بستی ایسی نہیں جس کے سارے باشندے ایمان لے آئے ہوں۔ ہاں، البتہ قوم یونس نے جب عذاب الٰہی کو آتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ سب کے سب ایمان لے آئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○﴾ (الصّٰفّٰت 148,147:37) ”اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ ایمان لے آئے تو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○﴾ (سبا 34:34) ”اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوش حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ”اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے۔“ یعنی ان کے دل اس دین پر ایمان لے آتے جسے رسول لے کر آئے، اس کی تصدیق کرتے، اس کی اتباع کرتے اور طاعات کو بجا لا کر اور محرمات کو ترک کر کے پرہیزگار ہو جاتے ﴿لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ ”تو ہم

اَوَ لَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ

کیا ان لوگوں پر واضح نہیں ہوا جو زمین میں (پہلے) بسنے والوں (کی ہلاکت) کے بعد اس کے وارث ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے

بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

انھیں مصیبتوں میں مبتلا کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں، پھر وہ (کچھ) نہ سن پائیں؟ ﴿۱۰۰﴾

ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔'' یعنی آسمان سے ان کے لیے بارش برستی اور زمین سے نباتات اگتیں ﴿ وَلٰكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ﴿۹۶﴾ ﴾ ''لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔'' مطلب یہ کہ انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور گناہوں اور حرام کاموں کا ارتکاب کیا تو سزا کے طور پر ہم نے انھیں ہلاک کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی مخالفت اور محرمات کے ارتکاب پر جرأت کرنے سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤی ﴾ ''کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں'' یعنی کافر بستیوں کے رہنے والے ﴿ اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا بَیَاتًا وَّهُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰۤی اَنۡ یَّاۡتِیَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًی وَّهُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۸﴾ ﴾ ''کہ ان پر عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں۔ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں۔'' یعنی مشغولیت و غفلت کی حالت میں عذاب انھیں آ لے۔ ﴿ اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ ۚ ﴾ ''کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر کا ڈر نہیں رکھتے؟'' یعنی کیا یہ لوگ اللہ کے عذاب، اس کی سزا، اس کی قدرت اور اپنی مدہوشی و غفلت کی حالت میں اس کی گرفت سے نہیں ڈرتے؟ ﴿ فَلَا یَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۹﴾ ﴾ ''(سن لو کہ) اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مومن نیک کام کرتے ہوئے بھی ڈرتا، لرزتا اور خوف کھاتا ہے۔ اور فاجر گناہ کے کام کرتے ہوئے بھی امن و سکون میں ہوتا ہے۔[1]

تفسیر آیت:100

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَ لَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ ﴾ ''کیا ان لوگوں کو جو اہل زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں، یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا؟'' اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے أَوَلَمْ يُبَيِّنْ کیا ہم نے ان کے لیے یہ بیان نہیں کر دیا، ﴿ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ ﴾ کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں پکڑ سکتے ہیں، مجاہد وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا ہم نے ان لوگوں کے لیے یہ بیان نہیں کر دیا

[1] تفسیر الطبری:43/18 نحوہ. [2] تفسیر الطبری:14/9.

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

(اے نبی!) یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اور یقیناً ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے، چنانچہ جس چیز

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿101﴾ وَمَا وَجَدْنَا

کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اس پر ایمان لانے کے روادار نہ ہوئے۔ اللہ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے﴿101﴾ اور ہم نے ان میں سے اکثر میں

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿102﴾

عہد (کا پاس) نہیں پایا اور بلاشبہ ہم نے ان میں سے اکثر کو نافرمان ہی پایا﴿102﴾

جو اپنے سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد زمین میں وارث ہوئے ہیں، انھی کی سیرت کو اپنائے ہوئے، انھی کی طرح کے اعمال بجالا رہے اور اپنے رب کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ ﴿ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ ﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں۔'' یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم ان کے ساتھ بھی وہی کچھ کریں جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا تھا۔ ﴿ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔'' یعنی کسی وعظ و نصیحت کو نہ سن سکیں۔ [1]

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴾ (طٰهٰ 128:20) ''کیا یہ بات ان لوگوں کے لیے موجب ہدایت نہ ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے فرقوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں؟ بے شک عقل والوں کے لیے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ (السجدة 26:32) ''کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو جن کے مقاماتِ سکونت میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کر دیا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں تو یہ سنتے کیوں نہیں؟''

اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (إبراهيم 45,44:14) ''کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہوگا؟ جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم ان کے مکانوں میں رہتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾ (مريم 98:19) ''اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے، بھلا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا (کہیں) ان کی بھنک (آہٹ) بھی سنتے ہو؟'' یعنی کیا تم ان کے وجود کو دیکھتے ہو؟ یا ان کی آواز کو سنتے ہو؟ علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دشمنوں پر

---

[1] تفسير الطبري: 14,13/9.

اس کا عذاب آ ٹوٹا اور اس کے دوستوں کو اس کی طرف سے نعمتیں حاصل ہوئیں، اسی لیے اس کے بعد اس اصدق القائلین اور اس رب العالمین نے یہ فرمایا ہے:

تفسیر آیات: 102,101

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قومِ نوح، قومِ ہود، قومِ صالح، قومِ لوط اور قومِ شعیب علیہم السلام کے قصے سنائے اور یہ بتایا کہ اس نے اپنے دشمنوں کو کس طرح ہلاک کیا اور اپنے مومن بندوں کو کس طرح نجات عطا فرمائی اور اس نے کافروں کے تمام حیلے بہانے کس طرح ختم کر دیے تھے کیونکہ اس نے اپنے رسولوں علیہم السلام کی زبانی دلائل کے ساتھ حق کو واضح طور پر بیان فرما دیا تھا تو ارشاد فرمایا: ﴿ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآىِٕهَا ﴾ ''یہ وہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم آپ کو سناتے ہیں۔'' اے نبی! ﴿ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ ''اور یقیناً ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔'' جو ان کی خبروں کی صداقت کی دلیل تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ (بنی إسرآئیل 15:17) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ○ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (هود 11:100,101) ''(اے نبی!) یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض تہس نہس کر دی گئیں۔ اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔''

اور یہاں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ ''تو وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اسے مان لیں۔'' ﴿ بِمَا ﴾ کی ''با'' سببیہ ہے، یعنی رسول ان کے پاس جس چیز کو لے کر آئے، وہ اسے ماننے والے نہیں تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حق کی انھوں نے اسی وقت تکذیب کر دی تھی جب پہلی مرتبہ ان کے پاس آیا تھا (یہ مفہوم ابن عطیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور خوب بیان کیا ہے) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿ وَمَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الأنعام 6:109,110) ''اور (مومنو!) تمھیں کیا معلوم ہے (یہ تو ایسے بد بخت ہیں) کہ بلاشبہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں، تب بھی وہ ایمان نہ لائیں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ﴾ ''اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں عہد (کا نباہ) نہیں دیکھا۔'' یعنی اکثر سابقہ امتوں میں عہد کو پورا کرنے کا پاس نہیں تھا، ﴿ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ۝ ﴾ ''اور بلاشبہ ان میں اکثروں کو ہم نے (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا۔''

یہاں ﴿ اِنْ ﴾ مخففہ ہے، یعنی وَلَقَدْ وَجَدْنَا ''اور البتہ تحقیق ہم نے پایا'' کے معنی میں ہے، مطلب یہ کہ ہم نے ان میں سے اکثر کو بدکار اور اطاعت و فرمانبرداری سے خارج ہی پایا۔ اور یہاں عہد سے مراد وہ عہد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

پھر ان (نبیوں) کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو انھوں نے ان (نشانیوں) کو نہ مانا، پھر دیکھیے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿103﴾

فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟﴿103﴾

فرمایا اور وہ ابھی پشتوں ہی میں تھے کہ ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ان کا رب اور مالک ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تو اس کا انھوں نے اقرار اور عہد و پیمان کیا تھا مگر پھر خود ہی اس کی انھوں نے مخالفت بھی کی، اسے پس پشت پھینک دیا اور کسی دلیل و حجت اور عقل و شریعت کی تائید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطلہ کی پوجا شروع کر دی، حالانکہ خود فطرت سلیمہ ہی اس کے خلاف ہے، اول سے آخر تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اس سے منع فرمایا۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: [وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، فَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ] ''میں نے اپنے تمام بندوں کو دین اسلام پر پیدا کیا تھا مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں دین سے بہکا دیا اور ان کے لیے وہ چیزیں حرام قرار دے دیں جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[1] اور صحیحین میں ہے: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُّولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ] ''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[2]

تفسیر آیت: 103

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ ''پھر ان کے بعد ہم نے بھیجا'' یعنی ان پیغمبروں کے بعد جن کا قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے، مثلاً: نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى سَائِرِ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ أَجْمَعِينَ ﴿ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ ﴾ ''موسیٰ کو نشانیاں دے کر'' واضح دلائل و براہین کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ ﴿ وَمَلَا۟ئِهٖ ﴾ یعنی اور اس کی قوم کی طرف ﴿ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ ﴾ ''تو انھوں نے ان کے ساتھ کفر کیا۔'' یعنی از راہِ ظلم و عناد انھوں نے انکار اور کفر کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (النمل 14:27) ''اور بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کیا جبکہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے، پھر دیکھیے کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا؟'' جنھوں نے اللہ کے رستے سے روکا، اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تو تم دیکھ لو کہ ان کا انجام کیسا ہوا اور کس

[1] صحيح مسلم، الجنة و نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة ......، حديث:2865 مطوّلاً عن عياض بن حمار رضی اللہ عنہ. و صحيح ابن حبان:423,422/2 ، حديث:653. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين، حديث:1385 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. و صحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة ......، حديث:2658. بعض طرق میں ''و'' کے بجائے ''أو'' ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

اور موسیٰ نے کہا: اے فرعون! بے شک میں سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں﴿104﴾ مجھ پر واجب ہے کہ میں اللہ کی طرف سے حق کے سوا

الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿105﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ

کچھ نہ کہوں۔ تحقیق میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے واضح دلیل لایا ہوں، لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے﴿105﴾ فرعون نے کہا:

بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿106﴾

اگر تو کوئی نشانی لے کر آیا ہے تو وہ پیش کر، اگر تو سچوں میں سے ہے﴿106﴾

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿107﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا

تب موسیٰ نے اپنا عصا (زمین پر) ڈالا تو وہ اسی وقت اژدہا (بن کر) ظاہر ہوا﴿107﴾ اور موسیٰ نے (بغل سے) اپنا ہاتھ (باہر) نکالا

هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿108﴾ ع

تو وہ دیکھنے والوں کے لیے چمکتا ہوا سفید تھا﴿108﴾

ع 13/9/3

طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی آنکھوں کے سامنے ان کے تمام دشمنوں کو دریا میں غرق کر دیا اور یہ فرعون اور اس کی قوم کے لیے انتہائی دردناک سزا تھی جبکہ اللہ کے دوستوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مومنوں کے دلوں کے لیے اس میں تسکین کا بے پناہ سامان تھا۔

تفسیر آیات: 104-106

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے مناظرے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے کس طرح دلیل کے ساتھ لاجواب کر دیا اور فرعون اور اس کی قوم نے قبط مصر کے سامنے کس طرح روشن نشانیوں کو ظاہر کر دیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''اور موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔'' یعنی مجھے اس ذات گرامی نے رسول بنا کر بھیجا ہے جو ہر چیز کا خالق، پروردگار اور مالک ہے۔

﴿ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ ﴾ یعنی مجھ پر یہ واجب اور حق ہے کہ میں اللہ کے بارے میں صرف وہی خبر دوں جو حق اور سچ ہو کیونکہ میں اس کی جلالت اور عظمتِ شان سے خوب آگاہ ہوں۔ ﴿ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تحقیق میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حجتِ قاطعہ عطا فرمائی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ میں تمھارے پاس جو دین لے کر آیا ہوں، وہ ایک سچا دین ہے ﴿ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿105﴾ ﴾ ''تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دو۔'' یعنی انھیں اپنی قید اور تسلط سے رہا کر دو اور چھوڑ دو تاکہ وہ اس ذات گرامی کی عبادت کریں جو تمھارا اور ان کا رب ہے کیونکہ یہ ایک معزز نبی اسرائیل، یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہم السلام کی اولاد ہیں، ﴿ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿106﴾ ﴾ ''فرعون نے کہا اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ۔)'' یعنی فرعون نے کہا کہ موسیٰ! تم جو کچھ کہہ رہے ہو میں

اسے سچ نہیں سمجھتا اور تم نے جو مطالبہ کیا ہے، میں اسے مان نہیں سکتا، لہٰذا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور تمھارے پاس کوئی نشانی ہے تو اسے پیش کر و تا کہ ہم اسے دیکھ لیں۔

تفسیر آیات: 108,107

موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ سے نر اژدہا مراد ہے۔ [1] سدی اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ [2]

حدیث فتون میں بروایت یزید بن ہارون از اصبغ بن زید از قاسم بن ابوایوب از سعید بن جُبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت ﴿ فَاَلْقٰى عَصَاهُ ﴾ ''تب موسیٰ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی۔'' کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی تو وہ ایک ایسے زبردست سانپ کی شکل میں بدل گئی جو اپنا منہ کھولے ہوئے فوراً فرعون کی طرف لپک رہا تھا، فرعون نے جب یہ دیکھا کہ سانپ اس کی طرف آ رہا ہے تو وہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے یہ فریاد کرنے لگا کہ اسے مجھ سے روکو تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے روک دیا۔ [3]

اسی طرح ﴿ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''تو وہ اسی وقت صریح اژدہا (ہوگیا) تھا۔'' کی تفسیر میں سدی کہتے ہیں کہ ثعبان نر سانپ تھا جو اپنا منہ کھولے ہوئے تھا، نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا جبڑا محل کی دیوار پر رکھے ہوئے تھے، پھر وہ فرعون کی طرف بڑھنے لگا تا کہ اسے پکڑ لے فرعون نے اسے دیکھا تو بہت ڈر گیا۔ اپنے تخت سے اس نے چھلانگ لگا دی اور مارے خوف کے اس کی ہوا خارج ہونے لگی اور اس سے پہلے اس کی ہوا خارج نہیں ہوتی تھی، یہ منظر دیکھ کر وہ چیخ اٹھا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) اسے پکڑ لو، میں تمھارے ساتھ ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی بھیج دیتا ہوں، موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے پکڑا تو سانپ دوبارہ لاٹھی بن گیا۔ [4]

﴿ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ ''اور اپنا ہاتھ (باہر) نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا۔'' یعنی اپنی قمیص میں داخل کرنے کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا تو وہ سفید چمک رہا تھا، حالانکہ اس پر برص یا کسی مرض وغیرہ کا کوئی اثر نہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ (النمل 12:27) ''اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو بے عیب سفید نکلے گا۔'' حدیث فتون میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ﴾ (النمل 12:27) کی تفسیر میں مروی ہے کہ ہاتھ سفید تو ہوگا لیکن اس پر کسی برص وغیرہ کا اثر نہیں ہوگا، موسیٰ علیہ السلام نے جب اسے دوبارہ اپنی آستین میں داخل کیا تو اس کا رنگ پہلے جیسا ہوگیا۔ مجاہد اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔ [5]

---

[1] تفسیر الطبری: 20/9. [2] تفسیر الطبری: 20/9. [3] تفسیر الطبری: 20/9 اور حدیث فتون دیکھیے السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ (40:20): 6/396-402، حدیث: 11326 و مسند أبی یعلی: 2618 مطوّلًا جدًّا. [4] تفسیر الطبری: 19/9. [5] تفسیر الطبری: 21/9.

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک یہ تو ماہر جادوگر ہے﴿۱۰۹﴾ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دے،

مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

پس تم کیا مشورہ دیتے ہو؟﴿۱۱۰﴾

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾

انھوں نے کہا: اسے اور اس کے بھائی (ہارون) کو مہلت دے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دے﴿۱۱۱﴾ (تاکہ) وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں﴿۱۱۲﴾

تفسیر آیات: 110,109

فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر قرار دینا: فرعون کا جب ڈر اور خوف دور ہوا اور وہ اپنے تخت پر واپس آ گیا تو ﴿ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴾ (الشعرآء26:34) ”اپنے آس پاس کے سرداروں سے کہنے لگا: بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔“ فرعون کی یہ بات سن کر اس کی قوم کے سرداروں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور کہنے لگے: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ ﴾ ”واقعی یہ بہت ماہر جادوگر ہے۔“[1] اور اب آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ وہ کیا کریں؟ کس طرح موسیٰ علیہ السلام کے نور کو بجھائیں، اس کے کلمے کو کس طرح نیچا دکھائیں اور فرعون کے کذب وافتراء کو کس طرح غالب کریں؟

درحقیقت وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ جس کو وہ جادو سمجھتے ہیں اس کی وجہ سے کہیں لوگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہی نہ ہو جائیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ اگر لوگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف مائل ہو گئے تو اس طرح موسیٰ علیہ السلام غالب آ جائیں گے اور وہ واقعی بنی اسرائیل کو ان کے علاقے سے باہر نکال لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن جس سے یہ ڈرتے تھے، وہ ہو کر رہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴾ (القصص28:6) ”اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔“ جب انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپس میں مشورہ کیا تو وہ اس بات پر متفق ہو گئے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے:

تفسیر آیات: 112,111

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ اَرْجِهْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے (فی الحال) مؤخر کر دو۔[2] ﴿ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾ ”اور شہروں میں نقیب روانہ کر دیجیے۔“ جو تمام علاقوں سے جادوگروں کو جمع کر کے لے آئیں، اس زمانے میں جادو کا بے حد چرچا اور غلبہ تھا اور ان میں سے کچھ لوگ اس وہم وگمان میں مبتلا تھے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی جادوگروں کی طرح شعبدہ

[1] دراصل امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کا مفہوم واضح کیا ہے کہ یہاں ﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ ﴾ ہے اور سورۂ شعراء میں ﴿ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴾ یعنی پہلی آیت میں یہ ہے کہ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا اور دوسری آیت میں ہے کہ فرعون نے سرداروں سے کہا تو امام رحمہ اللہ نے یہاں فرمایا کہ پہلے فرعون نے یہ بات کہی تھی، پھر اس کی موافقت میں سرداروں نے بھی وہی بات دہرائی۔ [2] تفسیر الطبری:24/9.

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿113﴾ قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آئے، تو انھوں نے کہا: یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا اگر ہم غالب آ گئے؟﴿113﴾ فرعون نے کہا: ہاں، اور بے شک تم (میرے)

الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿114﴾

مقرب لوگوں میں سے ہو گے ﴿114﴾

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿115﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ

جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ ! یا تو تو ڈال یا (پہلے) ہم ہی (اپنا جادو) ڈالیں ﴿115﴾ موسیٰ نے کہا: (پہلے) تم ڈالو، پھر جب انھوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں)

اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿116﴾

ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انھیں (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپوں سے) ڈرایا، اور وہ بہت بڑا جادو لائے تھے ﴿116﴾

بازی سے کام لیتے ہیں، اس لیے انھوں نے ملک بھر سے جادوگروں کو جمع کیا تاکہ وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں اس طرح کی چیزیں پیش کریں جس طرح کی انھوں نے پیش کی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرعون نے کہا تھا: ﴿ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:58-60) ''چنانچہ ہم بھی تیرے مقابل ایسا ہی جادو لائیں گے، لہٰذا تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لے، نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان میں (ہوگا) اس نے کہا کہ آپ کے لیے یوم زینت (جشن) کا وعدہ ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے اکٹھے کیے جائیں، چنانچہ فرعون (محل میں) لوٹ گیا، پھر اپنی ساری چالیں جمع کر کے دوبارہ (میدان میں) آیا۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ ﴾...... ﴿ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿114﴾ ﴾۔

تفسیر آیات: 114,113

جادوگروں کا جمع ہو کر موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب فرعون اور ان جادوگروں کے مابین یہ شرط طے پا گئی جن کو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے بلایا تھا کہ اگر وہ موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو فرعون انھیں بہت زیادہ اجرت دے گا، فرعون نے ان سے اس کا وعدہ کر لیا کہ وہ انھیں نہ صرف بہت زیادہ اجرت عطا کرے گا بلکہ انھیں ہم نشینوں اور مقربین میں سے بھی بنا لے گا جب انھوں نے فرعون ملعون سے یہ پختہ عہد و پیمان لے لیا تو (آگے دیکھیے تفسیر آیت: 115)

تفسیر آیات: 116,115

جادوگروں نے حضرت موسیٰ کو دعوت مبارزت دیتے ہوئے کہا: ﴿ اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿115﴾ ﴾ ''کہ موسیٰ ! یا تو (پہلے) تم ڈالو یا ہم (جادو کی چیز) ڈالتے ہیں۔'' یعنی آپ سے پہلے ہم ڈال دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:65) ''یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔'' موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ﴿ اَلْقُوْا ۚ ﴾ ''(پہلے) تم (ہی اپنی چیزیں) ڈالو۔'' بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگ جادوگروں کے کرتب کو

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿117﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو (بھی) اپنا عصا ڈال۔ (جب اس نے ڈالا) تو وہ دیکھتے دیکھتے (اژدہا بن کران سانپوں کو) نگلنے لگا جو وہ (جادوگر) گھڑتے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿118﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿119﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿120﴾

تھے ﴿117﴾ بالآخر حق ثابت ہوگیا اور جو کچھ وہ لوگ کررہے تھے، باطل ٹھہرا ﴿118﴾ تب وہ جادوگر وہیں مغلوب ہوگئے اور ذلیل وخوار ہوکر پیچھے ہٹ آئے ﴿119﴾ اور

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿121﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿122﴾

جادوگر (بے اختیار) سجدے میں گر پڑے ﴿120﴾ انھوں نے کہا: ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے ﴿121﴾ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ﴿122﴾

دیکھ لیں، اس پر خوب غور کرلیں اور جب جادوگر اپنا سارا کرتب اور کرشمہ دکھالیں تو پھر موسیٰ علیہ السلام سے مطالبے کے جواب میں اور حق کے انتظار کے بعد جب ان کے پاس واضح اور جلی حق آئے گا تو وہ نفوس انسانی کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوگا اور ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ وَاللهُ أَعْلَم.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ ''تو جب انھوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا (نظر بندی کردی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا کر) انھیں ڈرا دیا۔'' انھوں نے نظروں میں یہ خیال ڈال دیا کہ انھوں نے جو کرتب دکھایا ہے، حقیقت میں بھی وہ اسی طرح ہے، حالانکہ یہ خیال اور نظر کے دھوکے کی محض ایک کرشمہ سازی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝﴾ (طٰهٰ 20:67-69) ''تو (اس وقت) موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا، ہم نے کہا: خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب ہو اور جو چیز (لاٹھی) تمھارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، اس کو نگل جائے گی، جو کچھ انھوں نے بنایا ہے (یہ تو) جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے فلاح نہیں پائے گا۔''

سفیان بن عُیَینہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لاٹھیاں ڈالی تھیں اور ان کے جادو کی وجہ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ میدان میں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں۔ ①

تفسیر آیات: 117-122

موسیٰ علیہ السلام کا غالب آنا اور جادوگروں کا ایمان لانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس عظیم الشان مقابلے کے وقت، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں واضح طور پر فرق فرما دیا تھا، اپنے عبد اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی کہ ان کے دائیں ہاتھ میں جو چیز ہے، یعنی لاٹھی، وہ اسے ڈال دیں ﴿فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿117﴾﴾ ''تو وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کرکے) نگل جائے گی۔'' یعنی جو چیز یہ ڈال رہے اور اس کے بارے میں یہ خیال پیدا کررہے ہیں کہ وہ حق ہے، حالانکہ وہ باطل ہے، اسے تمھاری لاٹھی کھا جائے گی۔

① تفسیر الطبری: 27/9.

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ

فرعون نے کہا: (کیا) تم میرے اجازت دینے سے پہلے اس پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک یہ مکر ہے، تم نے اس شہر میں (مل کر) یہ مکر کیا ہے تاکہ یہاں

فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿123﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

رہنے والوں کو اس (شہر) سے نکال دو، پھر جلد ہی (اس کا نتیجہ) تم جان لو گے ﴿123﴾ میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے ضرور کاٹ دوں گا، پھر میں

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿124﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿125﴾ ۚ

تم سب کو ضرور سولی پر لٹکاؤں گا ﴿124﴾ انھوں نے کہا: بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿125﴾ اور (اے فرعون!) تو ہمیں صرف اس بات کی

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

سزا دے رہا ہے کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر ایمان لے آئے ہیں، جب وہ ہمارے پاس آگئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں

وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿126﴾ ع

ع 14 18 4

اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں ﴿126﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جادوگروں کی جس رسی یا لاٹھی کے پاس سے گزرتی، اسے فوراً کھا جاتی، اس سے جادوگروں کو یہ معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کا جادو سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے اس عمل کو آسمانی تائید حاصل ہے۔ اس لیے وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور پکار اٹھے: ﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿121﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ ''ہم سارے جہان کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔''[1]

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے بننے والے سانپ نے جادوگروں کی ڈالی ہوئی ایک ایک رسی اور ایک ایک لاٹھی کو نگلنا شروع کر دیا حتی کہ میدان میں جادوگروں کی ڈالی ہوئی کوئی چھوٹی رسی اور لاٹھی بچی نہ کوئی بڑی، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس سانپ کو پکڑ لیا تو وہ حسب سابق ان کے ہاتھ میں پھر لاٹھی بن گیا، یہ منظر دیکھ کر جادوگر فوراً سجدے میں گر گئے اور پکار اٹھے کہ ہم اللہ رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رب ہے ایمان لاتے ہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اگر جادوگر ہوتے تو وہ ہم پر کبھی بھی غالب نہ آسکتے۔[2]

قاسم بن ابوبزّہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیج دی کہ تم اپنی لاٹھی کو ڈال دو، چنانچہ انھوں نے جب اپنی لاٹھی کو ڈالا تو وہ ایک ایسا بہت بڑا اژدہا بن گیا جس نے اپنے منہ کو کھولا ہوا تھا اور جو جادوگروں کی ڈالی ہوئی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل گیا، یہ منظر دیکھ کر تمام جادوگر سجدہ ریز ہو گئے اور جب انھوں نے اپنے سروں کو سجدے سے اٹھایا تو انھوں نے جنت و جہنم اور دونوں میں جانے والوں کے ثواب و عذاب کا بھی نظارہ کیا۔[3]

تفسیر آیات: 126-123

ایمان لانے کے بعد جادوگروں کو فرعون کی دھمکی اور ان کا جواب: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب

[1] تفسير الطبرى:28/9. [2] تفسير الطبرى:29/9. [3] تفسير الطبرى:29/9.

جادوگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو فرعون ملعون نے انھیں کیا دھمکی دی اور لوگوں کے سامنے کس مکروفریب کا اظہار کیا تھا۔ اس نے جادوگروں سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ﴾ ''بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔'' یعنی آج کے دن موسیٰ علیہ السلام کا تم پر غالب آنا تمھارے باہمی مشورے اور رضامندی سے تھا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ﴾ (طٰہٰ 20:71) ''بے شک وہ تمھارا بڑا (استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔'' فرعون خود بھی جانتا تھا اور ہر وہ شخص بھی جس میں ادنیٰ سی بھی عقل تھی کہ فرعون کی یہ بات بے حد باطل تھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے تو مدین سے آتے ہی فرعون کو اللہ کی طرف دعوت دینا شروع کر دی تھی اور اپنی صداقت کے نمایاں معجزات اور قطعی دلائل پیش کیے تھے تو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے خود فرعون ہی نے اپنے ملک کے مختلف شہروں میں نمائندوں کو بھیج کر جادوگروں کو جمع کیا تھا اور انھیں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے تیار کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام پر غالب آنے کی صورت میں بے پناہ انعام و اکرام کا وعدہ کیا تھا، اس لیے جادوگروں کی بھی شدید خواہش تھی کہ وہ اس مقابلے میں کامیاب ہوں تاکہ وہ زبردست انعام بھی حاصل کریں اور فرعون کے دربار میں بلند مقام و مرتبہ بھی، موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے تھے، نہ انھوں نے اس سے پہلے کبھی ان میں سے کسی کو دیکھا تھا یا کسی سے کبھی کوئی ملاقات ہی کی تھی، فرعون کو بھی ان ساری باتوں کا علم تھا لیکن اس نے اپنی حکومت کے کارندوں اور جاہل عوام سے حقیقت کو چھپانے اور انھیں مبتلائے فریب کرنے کے لیے یہ کہا تھا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے: ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ﴾ (الزخرف 43:54) ''تو اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی اور انھوں نے اس کی بات مان لی۔'' فرعون کی قوم کائنات کے تمام لوگوں سے زیادہ جاہل اور گمراہ تھی کہ اس نے تو فرعون کی یہ بات بھی صحیح مان لی تھی کہ ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ (النّٰزعٰت 79:24) ''تمھارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔''

سدی نے اپنی تفسیر میں اپنی مشہور سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے سرکوپ کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ نے اس سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ اگر میں تم پر غالب آ گیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی گواہی دو گے کہ میں جو لایا ہوں یہ حق ہے؟ جادوگر نے جواب دیا کہ میں کل ایسے جادو کا مظاہرہ کروں گا کہ اس پر کوئی جادو غالب نہ آ سکے گا لیکن اللہ کی قسم! اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں تم پر ایمان بھی لے آؤں گا اور اس بات کی گواہی بھی دوں گا کہ تم جس دین کو لے کر آئے ہو یہ ایک سچا دین ہے، فرعون دونوں کو باتیں کرتے ہوئے اس وقت دیکھ رہا تھا، اسی وجہ سے اس نے کہا تھا کہ ﴿ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ﴾ یعنی تم اور وہ جمع ہو جاؤ، تمھیں حکومت اور اقتدار حاصل ہو جائے، یہاں کے اکابر اور سرداروں کو نکال دو اور سارا تصرف اور اقتدار تمھیں حاصل ہو جائے [1]

[1] تفسیر الطبری: 9/31.

﴿ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''چنانچہ عنقریب تم معلوم کرلو گے۔'' کہ میں تمھارے ساتھ کیا کروں گا۔

پھر خود ہی اس نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ﴿ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ ''میں (پہلے تو) تمھارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کو ضرور کاٹ دوں گا۔'' یعنی وہ آدمی کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کو یا بائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کو کاٹ ڈالے گا۔ ﴿ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''پھر تم سب کو ضرور سولی چڑھا دوں گا۔'' ایک دوسری آیت میں ہے کہ اس نے یہاں ﴿ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ﴾ (طٰہٰ 20:71) کے الفاظ بھی استعمال کیے تھے اور یہاں ﴿ فِيْ ﴾ بمعنی عَلٰی ہے، یعنی کہا کہ میں تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرعون ہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے انسانوں کو سولی دی اور جانب مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی۔[1] جادوگروں نے جواب دیا: ﴿ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' یعنی ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہم نے ایک دن اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس کا عذاب تیرے عذاب سے زیادہ سخت ہوگا اور تو ہمیں جس چیز کی دعوت دے رہا اور جس جادو پر مجبور کر رہا ہے اس پر اس کی سزا تیری سزاؤں سے زیادہ شدید ہوگی، لہٰذا آج ہم تیرے عذاب کو صبر کے ساتھ برداشت کرلیں گے تاکہ کل اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔

اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾ ''اے پروردگار! ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے۔'' یعنی اس قدر صبر و استقامت عطا فرما کہ تیرے دین پر ثابت قدم رہ سکیں ﴿ وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور ہمیں اسلام کی حالت میں ہی فوت کرنا۔'' کہ ہم تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والے ہوں۔ اور فرعون کو جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا تھا: ﴿ فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴾ (طٰہٰ 20:72-75)

''تو تو جو کچھ کرنے والا ہے کرگزر تو جو کچھ بھی حکم چلا سکتا ہے، وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں ہے۔ بے شک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (اسے بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، بے شک جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گناہ گار ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جیے گا اور جو اس کے روبرو ایمان دار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں۔''

دن کے ابتدائی حصے میں یہ لوگ جادوگر تھے مگر آخری حصے میں نیکوکار اور شہداء بن گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبید بن عمیر، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ نے بھی ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں جادوگر تھے مگر آخری حصے

[1] تفسیر الطبری: 9/32، 33.

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور فرعون کی قوم کے چودھریوں نے (اس سے) کہا: کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا، تاکہ وہ زمین میں فساد کریں اور وہ (موسیٰ) تجھے اور

فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ

تیرے معبودوں کو چھوڑ دے؟ فرعون نے کہا: ہم ان کے (نومولود) بیٹے قتل کر دیں گے اور ان کی بیٹیاں چھوڑ دیں گے اور بے شک ہم ان پر پورا

وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿127﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ

غلبہ رکھتے ہیں﴿127﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿128﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا

اس کا وارث بناتا ہے، اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے﴿128﴾ انھوں نے (موسیٰ سے) کہا: ہمارے پاس تمھارے آنے سے پہلے بھی

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

ہمیں تکلیفیں دی گئیں اور تمھارے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا: امید ہے کہ تمھارا رب تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور تمھیں زمین میں

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿129﴾ ع

جانشین بنا دے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو﴿129﴾

15 ع 3 5

میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔[1]

تفسیر آیات: 127-129

قوم کا اکسانا اور فرعون کا بنی اسرائیل کے قتل کے لیے تیار ہونا: فرعون اور اس کے سرداروں نے جس چیز پر اتفاق کیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے اپنے دلوں میں جو نفرت اور بغض چھپائے ہوئے تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ﴾ "اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے۔" فرعون سے: ﴿اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ "کیا تو موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا تاکہ وہ زمین میں خرابی کریں۔" یعنی تیری رعایا کو خراب کر دیں اور تجھے چھوڑ کر وہ انھیں اپنے رب کی عبادت کی دعوت دیں، کس قدر تعجب انگیز ہے یہ بات کہ یہ لوگ اس بات سے ڈرتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ملک میں خرابی کریں گے، حالانکہ زمین میں فساد برپا کرنے والا تو فرعون اور اس کی قوم ہی تھی اور انھیں اس کی خبر بھی نہ تھی، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ﴾ "اور وہ (موسیٰ) تجھے اور تیرے معبودوں سے دست کش ہو جائیں گے؟"

سدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ معبودوں سے مراد گائے ہے، وہ جب بھی کسی خوبصورت گائے کو دیکھتے تو فرعون انھیں اس کی عبادت کا حکم دیتا۔ اسی وجہ سے سامری نے بھی بچھڑے کا ایک ایسا قالب بنایا تھا جس کی آواز گائے کی سی تھی۔[2]

---

[1] تفسیر الطبری:33,32/9. [2] تفسیر الطبری:34/9.

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاِذَا

اور بلاشبہ ہم نے آلِ فرعون کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں﴿١٣٠﴾ پھر جب ان پر خوشحالی آتی تو کہتے: یہ ہمارے

جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ

ہی لیے ہے، اور اگر انھیں بدحالی آلیتی تو اسے موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست ٹھہراتے۔ خبردار! ان کی نحوست اللہ کے پاس (مقدر) ہے اور لیکن

مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾

ان میں اکثر (لوگ) نہیں جانتے﴿١٣١﴾

فرعون نے سرداروں کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ﴾ ”عنقریب ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔“ اس فعل کے بارے میں فرعون کا یہ دوسرا حکم تھا اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بھی وہ موسیٰ کی قوم کو یہ سزا دے چکا تھا کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے سے ڈرتا تھا مگر فرعون کے قصد وارادے کے خلاف وہ ہو کر رہا جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، اسی طرح اس نے جب بنی اسرائیل کو ذلیل اور مغلوب کرنا چاہا، پھر بھی اس کے ارادے کے برعکس ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عزت عطا فرمائی اور فرعون کو ذلیل وخوار کرتے ہوئے اسے اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔

بہر حال فرعون نے جب بنی اسرائیل کے ساتھ برا سلوک کرنے کا ارادہ کیا تو ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ”موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔“ اور موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ان کا انجام اچھا ہوگا اور زمین کی ملکیت انھیں حاصل ہو کر رہے گی: ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ﴾ ”یقیناً زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے، وہ بولے کہ تمھارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔“ یعنی انھوں نے ہمیں اس ذلت ورسوائی سے آپ کے آنے سے پہلے بھی دوچار کیا اور بعد میں بھی تو موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ان کی موجودہ حالت، پھر دوسری جس حالت سے دوچار ہوں گے، اس سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾﴾ ”قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔“ اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ترغیب دی کہ تم یہ عزم کر لو کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں نعمتیں حاصل ہوں گی اور مصیبتیں ختم ہوں گی تو تم نے اس کا شکر بجا لانا ہوگا۔

تفسیر آیات: 131,130

قوم فرعون کی قحط کے ساتھ آزمائش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ ”اور بلاشبہ ہم نے فرعونیوں کو پکڑا۔“ یعنی ان کو امتحان اور آزمائش میں ڈالا ﴿بِالسِّنِيْنَ﴾ ”قحطوں میں“ یعنی فصلوں میں کمی کے سبب ہم نے انھیں قحط

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ

اور انھوں نے (موسیٰ سے) کہا: خواہ تم ہمارے پاس کوئی نشانی لے آؤ تا کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو کر دو تو بھی ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے ﴿132﴾ پھر

الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی دَل، جوئیں، مینڈکوں اور خون (کا عذاب) بھیجا (یہ) الگ الگ نشانیاں تھیں، پھر بھی انھوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿133﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ

مجرم ﴿133﴾ اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تو کہتے: اے موسیٰ! تو اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، اگر تو ہم سے

عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿134﴾ فَلَمَّا

عذاب ہٹا دے تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے ﴿134﴾ پھر جب ہم ان سے ایک مقرر وقت تک

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿135﴾

عذاب ہٹا لیتے، جس تک وہ بہرحال پہنچنے والے ہوتے، تو یکایک وہ عہد توڑ دیتے ﴿135﴾

میں مبتلا کر دیا۔ ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ﴾ ''اور میووں کے نقصان میں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ نقصان پہلے کے علاوہ ہے۔[1] ابو اسحاق نے رجاء بن حَیْوہ سے روایت کیا ہے کہ اس وقت کھجور کے درخت ایک ہی پھل دیتے تھے۔[2] ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿130﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ﴾ ''تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر جب ان کو آسائش حاصل ہوتی'' یعنی پیداوار اور رزق کی فراوانی حاصل ہوتی تو ﴿قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ ''کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی'' خشک سالی اور قحط کی صورت میں ﴿يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ﴾ ''تو موسیٰ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔'' اور کہتے کہ یہ ان کے اور جو دین وہ لائے ہیں، اس کے سبب ہے۔ ﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''دیکھو! ان کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے۔''

علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿طٰٓئِرُهُمْ﴾ بمعنی مصائبھم ہے، یعنی ان کے مصائب اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہیں۔[3] ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿131﴾﴾ ''لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔''

تفسیر آیات: 132-135

قوم فرعون کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف عذاب: اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی سرکشی، نافرمانی، حق کے لیے دشمنی اور باطل پر اصرار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا: ﴿مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿132﴾﴾ ''تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔'' یعنی انھوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس جو بھی نشانی لاؤ اور جو دلیل بھی پیش کرو ہم اسے رد کر دیں گے اور کبھی بھی قبول نہیں کریں گے اور نہ تم پر اور تمھارے دین پر ایمان لائیں گے۔

[1] تفسیر الطبری:39/9. [2] تفسیر الطبری:39/9. [3] تفسیر الطبری:40/9 .

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ ﴾ ''تو ہم نے ان پر طوفان بھیجا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان پر اس قدر کثرت کے ساتھ بارشیں نازل کی گئیں جن سے ان کی فصلیں اور پھل تباہ و برباد ہو گئے[1] اور ایک روایت کے مطابق اس سے کثرتِ موت مراد ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ طوفان سے ہر حال میں پانی اور طاعون ہی مراد ہے۔[3]

اور ﴿ وَالْجَرَادَ ﴾ سے مراد ٹڈی ہے جو ایک مشہور و معروف جانور ہے جو کھایا بھی جاتا ہے۔ صحیحین میں ابو یعفور سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابو اوفی سے ٹڈی کے بارے میں سنا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں ٹڈی کو کھایا۔[4]

امام شافعی، احمد بن حنبل اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی اپنے باپ سے اور ان کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ وَدَمَانِ، (فَأَمَّا الْمَیْتَتَانِ:) فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ (وَأَمَّا الدَّمَانِ) فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ] ''ہمارے لیے دو مردہ چیزیں اور دو خون حلال قرار دے دیے گئے ہیں: اور ہاں! مردہ چیزوں سے مراد مچھلی اور ٹڈی اور دو خونوں سے مراد جگر اور تلی ہیں۔''[5] ابن ابو نَجیح نے اس آیت ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ ﴾ کے بارے میں امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ٹڈی ان کے دروازوں کے کیلوں کو تو کھا جاتی مگر لکڑی کو چھوڑ دیتی تھی۔[6]

﴿ وَالْقُمَّلَ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کیڑا ہے جو گندم کے دانے سے نکلتا ہے[7] اور آپ سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چھوٹی ٹڈی ہے جس کے پر نہیں ہوتے، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[8] حسن اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ قُمَّل سے سیاہ رنگ کے چھوٹے کیڑے مراد ہیں۔[9]

امام ابن جریر نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس آئے تو انھوں نے اس سے کہا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دو مگر فرعون نے انھیں اجازت نہ دی تو اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں پر طوفان کو بھیج دیا اور اس سے مراد وہ بارش ہے جو اس قدر شدید تھی کہ فرعونی ڈر گئے کہ یہ کہیں عذاب ہی نہ ہو، اس لیے انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ اس بارش کو روک لے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش کو روک دیا مگر وہ ایمان لائے نہ انھوں نے بنی اسرائیل ہی کو

[1] تفسیر الطبری:41/9. [2] تفسیر الطبری:42/9. [3] تفسیر الطبری:42/9. [4] صحیح البخاری، الذبائح والصّید، باب أكل الجراد، حدیث:5495 وصحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة الجراد، حدیث:1952. [5] كتاب الأم للشافعي، الصید والذبائح، ذكاة الجراد والحیتان:177/3 ، حدیث:1444 ومسند أحمد:97/2 واللفظ له وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، حدیث:3314. [6] تفسیر الطبری:53/9 وتفسیر ابن أبي حاتم: 1546/5. [7] تفسیر الطبری:44/9. [8] تفسیر الطبری:44/9. [9] تفسیر الطبری:45/9.

جانے کی اجازت دی۔تو اس سال ان کی فصلیں، پھل اور گھاس وغیرہ اس قدر کثرت سے پیدا ہوئے کہ اس کی پہلے کوئی مثال نہ تھی، فرعونی کہنے لگے کہ ہماری تمنا تھی کہ ایسی ہی فصلیں اور پھل پیدا ہوا کریں، ادھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا اور اسے گھاس پر مسلط کیا، فرعونیوں نے جب گھاس پر ٹڈی کا اثر دیکھا تو انھیں معلوم ہوگیا کہ ان کی فصلیں بھی ان سے باقی نہ بچیں گی، اس لیے وہ پھر موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنے لگے کہ موسیٰ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ٹڈی کو دور کر دے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی جانے کی اجازت دے دیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ٹڈیوں کو دور فرما دیا مگر وہ پھر بھی ایمان لائے نہ انھوں نے بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دی۔ انھوں نے فصلوں کی پیداوار کو حاصل کر کے گھروں میں محفوظ کر لیا اور کہنے لگے کہ اب ہم ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیڑوں کو بھیج دیا اور اس سے مراد وہ کیڑے ہیں جو غلے میں پیدا ہو جاتے ہیں، وہ آٹا پیسنے کے لیے غلے کی دس بوریاں چکی کی طرف لے کر جاتے مگر آٹا صرف تین من واپس لے کر آتے، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر یہ کہنے لگے کہ موسیٰ! تم اپنے رب سے یہ دعا کرو کہ وہ ان کو دور کر دے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیڑوں کو دور کر دیا مگر انھوں نے پھر بھی بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس بیٹھے تھے کہ انھوں نے مینڈک کے ٹرّانے کی آواز سنی تو فرعون سے کہا کہ تم اور تمھاری قوم اس سے کیا کوئی تکلیف محسوس تو نہیں کرتے؟ فرعون کہنے لگا: کیا تم نے تو کوئی چکر نہیں چلا دیا۔ شام ہوئی تو مینڈکوں کی اس قدر بہتات ہوگئی کہ جب کوئی آدمی بیٹھتا تو اس کی ٹھوڑی تک مینڈک آ جاتے اور جب وہ بات کرنا چاہتا تو مینڈک اچھل کر اس کے منہ میں چلے جاتے، فرعونیوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم سے ان مینڈکوں کو دور کر دے تو ہم تمھارے ساتھ ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی جانے کی اجازت دے دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تو اس نے مینڈکوں کو ان سے دور کر دیا مگر وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کو بھیج دیا جس کی وجہ سے ان کی نہروں، کنوؤں اور برتنوں کا پانی سرخ رنگ کے تازہ خون میں تبدیل ہوگیا، فرعونیوں نے فرعون سے کہا کہ ہم خون کے عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اب ہمارے پاس پینے کے لیے پانی بھی نہیں ہے، فرعون نے کہا کہ موسیٰ نے تم پر جادو کر دیا ہے، فرعونی کہنے لگے کہ اس نے جادو کہاں کیا ہے! ہمارے برتنوں کا تمام پانی خون میں تبدیل ہوگیا ہے، پھر وہ موسیٰ کے پاس آ کر عرض کرنے لگے کہ اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہم سے اس خون کو دور کر دے تو ہم تیرے ساتھ ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی جانے کی اجازت دے دیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو اس نے اسے دور کر دیا مگر فرعونی ایمان لائے اور نہ انھوں نے بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت ہی دی۔[1] حضرت

[1] تفسیر الطبری:46/9.

ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی، قتادہ اور دیگر کئی ایک علمائے سلف سے بھی تقریباً اسی طرح مروی ہے۔

امام محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب جادوگر ایمان لے آئے تو فرعون بہت دل شکستہ اور افسردہ خاطر لوٹا لیکن پھر بھی اس نے کفر اور شر ہی پر قائم رہنے کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مسلسل کئی نشانیاں دکھائیں، مثلاً: قحط سالی میں مبتلا کیا، طوفان بھیجا، پھر یکے بعد دیگرے ٹڈیوں، جوؤں، مینڈکوں اور خون کے عذاب میں مبتلا کیا اور یہ وہی ﴿ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ﴾ یعنی بہت واضح نشانیاں تھیں۔ طوفان، یعنی پانی بھیجا جو سطح زمین پر بہنے لگا، پھر پانی ٹھہر گیا کہ ان کے لیے کاشت کاری یا کوئی اور کام کرنا ممکن نہ تھا اور جب وہ شدید بھوک میں مبتلا ہو گئے تو ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۱۳۴ ﴾ ''کہتے کہ موسیٰ! ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے، اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی ضرور لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمھارے ساتھ ضرور بھیج دیں گے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو دور کر دیا مگر انھوں نے موسیٰ سے جو وعدے کیے تھے، ان میں سے کسی ایک کو بھی پورا نہ کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی کو بھیج دیا جس نے درختوں کو کھا لیا جیسا کہ مجھے خبر پہنچی ہے حتی کہ ٹڈی نے ان کے دروازوں کے کیلوں کو کھانا بھی شروع کر دیا تا کہ ان کے گھر اور مکانات وغیرہ گر جائیں، انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے کہا جیسا کہ پہلے کہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عذاب کو دور کر دیا مگر فرعونیوں نے اپنے وعدے کو نہ پورا کرنا تھا نہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جوؤں کو بھیج دیا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ایک ٹیلے کے پاس جائیں اور اس پر اپنا عصا ماریں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک بڑے بلند ٹیلے کے پاس چلے گئے، آپ نے اس پر اپنا عصا مارا تو فرعونیوں پر جوئیں اس قدر کثرت کے ساتھ پھیل گئیں حتی کہ گھروں میں اور کھانے پینے کی تمام چیزوں میں جوئیں ہی جوئیں نظر آنے لگیں جس کی وجہ سے ان کی نیند اور ان کا سکون ختم ہو گیا اور جب وہ بہت زیادہ مشکل میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں اسی طرح عرض کی جیسا کہ پہلے عرض کی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عذاب کو دور فرما دیا مگر فرعونیوں نے اپنے وعدے کو قطعاً پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کو بھیج دیا۔ ان کے گھر، کھانے پینے کی چیزیں اور تمام برتن مینڈکوں سے بھر گئے۔ ان میں سے کوئی شخص جب بھی کسی کپڑے کو کھولتا یا کھانے پینے کی کسی چیز کو دیکھتا تو مینڈک ہی مینڈک نظر آتے جب فرعونی اس کی وجہ سے بہت مشکل میں مبتلا ہو گئے تو انھوں نے پھر موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کی طرح درخواست کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عذاب کو دور فرما دیا مگر فرعونیوں نے اپنے وعدے کو قطعاً پورا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب بھیج دیا، آل فرعون کے پانی خون سے بدل گئے۔ وہ جب بھی کسی کنویں یا نہر سے پانی پینا چاہتے یا برتن میں بھرے

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿136﴾

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا تو انھیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ ان سے بے پروا ہو گئے تھے ﴿136﴾ اور ہم نے ان

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ

لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، اس زمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔ اور (اے نبی! اس طرح) بنی اسرائیل

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ

کے حق میں آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہوا، اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا تھا۔ اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کا وہ سب کچھ تباہ کر دیا جو (کارخانے) وہ

فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾

بناتے اور جو (محلات کی عمارتیں) وہ اٹھاتے تھے ﴿137﴾

ہوئے پانی کو دیکھتے تو انھیں ہر جگہ تازہ خون ہی خون نظر آتا تھا۔ [1]

تفسیر آیات: 137,136

آلِ فرعون کو دریا میں غرق کرنا اور بنی اسرائیل کو مقدس سرزمین کا وارث بنانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب فرعونی بغاوت و سرکشی میں حد سے بڑھ گئے، حالانکہ انھیں یکے بعد دیگرے متواتر کئی بار مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیتے ہوئے انھیں دریا میں غرق کر دیا، یہ وہی دریا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لیے رستے بنا دیے تھے اور وہ سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کر گئے تھے پھر ان کے تعاقب میں جب فرعون اور اس کے لشکر اسی دریا میں داخل ہوئے تو یہ رستے ختم ہو گئے، دریا کا پانی حسب سابق مل گیا اور فرعون اپنے تمام لشکروں سمیت غرق ہو گیا کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے نہ صرف غفلت کا مظاہرہ کیا بلکہ ان کی صریحًا تکذیب بھی کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ فرعونیوں کو غرق کرنے کے بعد اس نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے، یعنی بنی اسرائیل، ان کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا۔ امام حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہاں زمین سے مراد ملک شام ہے۔ [2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ﴾ ''اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمھارے پروردگار کا وعدۂ نیک پورا ہوا۔'' امام مجاہد اور ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس وعدۂ نیک سے مراد حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: [3] ﴿وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝﴾ (القصص 6,5:28) ''اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں، ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انھیں (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔''

[1] تفسیر الطبری: 51,50/9. [2] تفسیر الطبری: 58/9. [3] تفسیر الطبری: 59/9 لیکن امام مجاہد نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی

اور (جب) ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا، تو ان کا ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: اے

اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا

موسیٰ! تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح کہ ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا: بے شک تم لوگ تو (نرے) جاہل ہو ﴿138﴾ یہ لوگ جس کام میں

هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾

لگے ہیں یقیناً وہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ باطل ہے ﴿139﴾

﴿ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ ﴾ ''اور فرعون اور قوم فرعون جو بناتے تھے، سب کو ہم نے تباہ کر دیا۔'' یعنی فرعون اور اس کی قوم نے جو عمارات اور کھیت بنائے تھے، ہم نے سب تباہ کر دیے، ﴿ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ ﴾ ''اور ان (محلات) کو جو وہ بلند کرتے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ یَعْرِشُوْنَ ﴿137﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ جو وہ بناتے تھے۔[1]

تفسیر آیات: 139,138

بنی اسرائیل کا دریا کے پار اترنا: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ جب بنی اسرائیل کو ہم نے دریا کے پار اتار دیا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی عظیم قدرتوں کا مشاہدہ کیا، ﴿ فَاَتَوْا ﴾ یعنی وہ گزرے ﴿ عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ ﴾ ''ایسے لوگوں کے پاس سے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لیے بیٹھے رہتے تھے۔''

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کنعانی تھے، بعض کے بقول یہ لخم تھے۔[2] امام ابن جریج[3] نے لکھا ہے کہ یہ لوگ گائے کی صورت کے مطابق بنے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے تو اس بات نے ان کے دلوں میں پھر سے بچھڑے کی محبت کا ولولہ تازہ کر دیا۔[4] اور ان جاہلوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ﴿ یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ ﴾ ''موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس بات سے جاہل ہو کہ یہ واجب ہے کہ اس کی ذات گرامی کو ہر قسم کے شریک اور مثیل سے پاک قرار دیا جائے۔ ﴿ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ ﴾ ''بے شک یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں، وہ برباد ہونے والا ہے۔'' ﴿ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾ ﴾ ''اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں۔''

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف جا رہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ کفار کا بیری کا ایک درخت ہے جس کے پاس وہ بیٹھے رہتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ اپنے اسلحے کو بھی لٹکا لیتے ہیں، اس درخت کو ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا، اس کے بعد ہم بیری کے

[1] تفسیر الطبری: 60/9. [2] تفسیر الطبری: 61/9. [3] بعض نسخوں میں ابن جریر ہے۔ [4] تفسیر الطبری: 61/9.

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿140﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ

موسیٰ نے کہا: کیا میں تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی (اور) معبود تلاش کروں، جبکہ اسی نے تمھیں سب جہانوں پر فضیلت دی ہے؟﴿140﴾ اور (اے بنی

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ

اسرائیل! یاد کرو) جب ہم نے تمھیں فرعون کی قوم سے نجات دی، وہ تمھیں برا عذاب چکھاتے تھے، تمھارے بیٹوں کو قتل کر دیتے تھے اور تمھاری عورتوں

ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿141﴾ ع

(بیٹیوں) کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی﴿141﴾

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ وہ اتنی راتیں کوہ طور پر گزارے) اور ہم نے انھیں (مزید) دس راتوں کے ساتھ پورا کیا، یوں اس کے رب کی

اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ

(مقرر کی ہوئی) چالیس راتوں کی مدت پوری ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: تو میری قوم میں میرے پیچھے جانشین بن جا، اور (ان کی)

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿142﴾

اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا﴿142﴾

ایک بہت بڑے اور سرسبز و شاداب درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط مقرر فرما دیجیے جیسا کہ کافروں کے لیے ایک ذاتِ انواط ہے تو آپ نے فرمایا: [قُلْتُمْ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى: اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿138﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿139﴾ إِنَّهَا السُّنَنُ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمھاری یہ بات اسی طرح ہے جس طرح قوم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ''جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو، موسیٰ نے کہا کہ بے شک تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بے ہودہ ہیں۔'' بے شک یہ پہلے لوگوں کے طور طریقے ہیں اور تم ضرور ان کی روش اختیار کرو گے۔''[1]

تفسیر آیات: 141,140

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کے ساتھ نصیحت: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں کہ اس نے انھیں فرعون کی قید اور اس کے قہر سے نجات بخشی، ان کی ذلت و رسوائی کو عزت و سربلندی سے بدل دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو دریا میں غرق کر کے ان کے دلوں کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی جیسا کہ ان تمام

[1] جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم، حديث:2180 و مسند أحمد:218/5 تفسير الطبري: 61/9، البتہ کتب احادیث میں آیت: 139 نہیں ہے، نیز تفسیر ابن کثیر میں آیت کے بعد والی عبارت کا ذکر نہیں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ

اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت کے لیے آیا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا تو موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے (اپنی جھلک) دکھا کہ میں تجھے

تَرٰىنِیْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ

دیکھ سکوں۔ اللہ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے لیکن تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ، پھر اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا، تو تم مجھے بھی ضرور دیکھ سکو گے۔ پھر

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا

جب اس کے رب نے پہاڑ پر (اپنا) جلوہ ڈالا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے عرض

اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿143﴾

کی: (اے اللہ!) تو پاک ہے، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں ﴿143﴾

باتوں کا ذکر قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔[1]

تفسیر آیت:142

موسیٰ علیہ السلام کے روزے اور چالیس راتوں کی عبادت: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر اپنے اس احسان کا اظہار فرما رہا ہے کہ انھیں ہدایت اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے ان کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور انھیں تورات عطا فرمائی جس میں احکام اور ان کی شریعت کی تفاصیل موجود تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی تھی۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان تیس دنوں کے روزے رکھے تھے اور جب انھوں نے اس میعاد کو پورا کر دیا تو انھوں نے ایک درخت کی شاخ کے ساتھ مسواک کر لی تھی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ اس مدت کو چالیس راتوں تک بڑھا کر مکمل کر دیں۔[2] جب میعاد مکمل ہوگئی اور موسیٰ نے کوہِ طور پر جانے کا عزم کر لیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ﴾ (طٰہٰ 80:20) ''اے آل یعقوب! یقیناً ہم نے تم کو تمھارے دشمن سے نجات دی اور تورات دینے کے لیے تم سے کوہ طور کی دائیں طرف مقرر کی۔'' تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو بنی اسرائیل میں اپنا نائب مقرر کر دیا اور انھیں وصیت کی کہ وہ راستی کو اختیار کیے رہیں اور فساد نہ ہونے دیں اور یہ بطور تنبیہ و تذکیر کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے نبی تھے، صاحب جاہ و جلال اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت برگزیدہ تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ.

تفسیر آیت:143

موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی کے لیے سوال: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچے اور انھیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کا سوال کرتے ہوئے کہا: ﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ ''اے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، پروردگار

[1] دیکھیے آیت: 47 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے تفسیر ابن أبي حاتم:1556/5.

نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔'' حرف ﴿ لَنْ ﴾ یہاں دنیا میں رؤیت باری تعالیٰ کی نفی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ورنہ بہت سی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مومن آخرت میں دیدار الٰہی کی سعادت سے فیض یاب ہوں گے۔ ہم ان احادیث مبارکہ کو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ﴾ (القیمۃ 23,22:75) ''اس روز بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔'' کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

سابقہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! مجھے جب بھی کوئی زندہ دیکھے تو وہ مر جائے اور کوئی خشک اور بے جان چیز دیکھے تو وہ لڑھک جائے۔[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ ''پھر جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا تو (تجلّی انوار ربانی نے) اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر یوں منقول ہے: [قَالَ هٰكَذَا: يَعْنِي أَنَّهُ أَخْرَجَ طَرَفَ الْخِنْصَرِ] ''اللہ تعالیٰ نے اپنی انگلی خنصر کا ایک کنارہ (یا اس کے بقدر) ہی ظاہر فرمایا تھا۔''[2] اس حدیث کو بالفاظِ دیگر امام ترمذی نے بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان کیا ہے اور اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔[3]

اسی طرح امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں حماد بن سلمہ سے کئی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[4]

سدی نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی انگلی خنصر ہی کے بقدر جلوہ فرمایا ﴿ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ اور پہاڑ مٹی کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا ﴿ وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ ''اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔''[5] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہونے کا قرینہ یہ الفاظ ہیں: ﴿ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ ﴾ ''تو جب ہوش میں آئے۔'' اور ظاہر ہے کہ ہوش میں آنے کے الفاظ اسی کے لیے استعمال ہوں گے جو پہلے بے ہوش ہوا ہو۔ ﴿ قَالَ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے۔'' تنزیہہ، تعظیم اور جلال وعظمت کی خاطر ایسا کہا کہ اسے دنیا میں جو بھی دیکھے گا وہ مر جائے گا۔[6] ﴿ تُبْتُ اِلَيْكَ ﴾ ''میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس بات سے توبہ کہ آئندہ (دنیا میں) دیدارِ الٰہی کا سوال کروں۔[7] ﴿ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳ ﴾ ''اور جو ایمان لانے والے ہیں، میں ان میں سے سب سے اول ہوں۔'' ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بنی اسرائیل میں سے سب سے پہلا مومن ہوں[8] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

---

[1] البداية والنهاية، سؤال الرؤية:265/1 والفردوس بمأثور الخطاب للديلمي:267/2 ، حديث:3243 . [2] مسند أحمد: 125/3. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأعراف، حديث:3074. [4] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة الأعراف:320/2 ، حديث:3249. [5] تفسير الطبري:70/9. [6] تفسير الطبري:74/9. [7] تفسير الطبري: 75/9. [8] تفسير الطبري:74/9.

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ

اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! بے شک میں نے اپنے پیغامات پہنچانے اور اپنی ہم کلامی کے لیے لوگوں میں سے تجھے چن لیا ہے، چنانچہ تو لے لے جو میں

اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ

نے تجھے دیا ہے اور شکر گزاروں میں (شامل) ہو جا﴿144﴾ اور ہم نے اس (موسیٰ) کے لیے (تورات کی) تختیوں میں (زندگی کے) ہر معاملے کے بارے میں

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ

نصیحت اور ہر پہلو کے متعلق تفصیل لکھ کر دے دی ہے، چنانچہ تو ان (ہدایات) کو مضبوطی سے پکڑ لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ ان کی اچھی اچھی باتوں پر

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿145﴾

کار بند رہیں۔ جلد ہی میں تمھیں نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا﴿145﴾

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ میں سب سے پہلے اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ تیری ذات پاک کو تیری مخلوق میں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

﴿ وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ ﴾ ''اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔'' اس کی تفسیر میں ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مروی ہیں۔ حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں قرآن مجید کے اس مقام کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے چہرے پر تھپڑ مارا گیا تھا، اس نے عرض کی: اے نبی! تیرے ایک انصاری صحابی نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا ہے، آپ نے فرمایا: [اُدْعُوهُ] ''اس کو بلاؤ، چنانچہ انھوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) نے اسے بلایا تو آپ نے فرمایا: [لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ؟] ''تو نے اسکے منہ پر تھپڑ کیوں مارا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں یہودیوں کے پاس سے گزر رہا تھا تو میں نے (ایک کو) یہ کہتے ہوئے سنا: اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں سے برگزیدہ کیا! میں نے کہا: کیا محمد (ﷺ) پر بھی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بزرگی دی ہے؟ میں اس کی بات سن کر غضب ناک ہو گیا اور میں نے اسے تھپڑ مار دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ؟] ''مجھے انبیاء میں سے اچھا قرار نہ دو، قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرشِ الٰہی کے ایک پائے کو پکڑے ہوئے ہوں گے، نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے ہوں گے یا کوہ طور پر بے ہوش ہونے کے بدلے میں بے ہوش ہوئے ہی نہیں ہوں گے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' میں بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے، امام مسلم نے اسے ''صحیح'' کی کتاب

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ (الأعراف 143:7)، حديث:4638.

أحادیث الأنبیاء میں اور امام ابوداود نے ''سنن'' کی کتاب السنة میں بیان فرمایا ہے۔[1] اور رہی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس کو بھی امام احمد اور امام بخاری و مسلم نے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 145,144

موسیٰ علیہ السلام کا امتیاز اور ان کے لیے تختیوں کا عطیہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اس نے انھیں اپنے پیغام اور کلام سے ان کے زمانے کے لوگوں پر ممتاز کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اگلی پچھلی تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے کے اعزاز سے سرفراز فرمایا، آپ کی شریعت کو قیامت تک کے لیے جاری و ساری کر دیا اور آپ کے پیروکاروں کو تمام نبیوں اور رسولوں کے پیروکاروں سے تعداد میں زیادہ بنا دیا، آپ کے بعد شرف و فضل میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ ہے، پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ بن عمران کلیم الرحمن علیہ السلام کا درجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ ﴾ ''تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے، اسے پکڑ رکھو۔'' یعنی کلام و مناجات کو۔ ﴿ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ ''اور (میرا) شکر بجا لاؤ۔'' یعنی کلام و مناجات پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاؤ اور اس بات کا سوال نہ کرو جس کی تمھیں طاقت ہی نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ تختیاں جواہرات کی بنی ہوئی تھیں۔[3] اور ان میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی باتیں اور حلال و حرام سے متعلق مفصل احکام بیان فرمائے تھے۔[4] اور یہ تختیاں تورات ہی پر مشتمل تھیں جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ ﴾ (القصص 43:28) ''اور البتہ تحقیق ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت ہے۔'' یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ تختیاں موسیٰ علیہ السلام کو تورات سے پہلے عطا کی گئی تھیں۔ وَاللّٰه أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ ﴾ ''تو اسے زور سے پکڑے رہو۔'' یعنی طاعت کے عزم کے ساتھ ﴿ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ﴾ ''اور اپنی قوم سے بھی کہہ دیجیے کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔'' سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوسعد نے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اس چیز کو اُس سے بھی زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیں جس قدر انھوں نے اپنی قوم کو پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ (کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ ﴾ کا حکم اور قوم کو ﴿ بِاَحْسَنِهَا ﴾ کا)[5] اور فرمایا: ﴿ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

---

[1] صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام، حديث: 2373 و سنن أبي داود، السنة، باب في التخيير بين الأنبياء عليهم السلام، حديث: 4671. [2] صحیح البخاري، الخصومات، باب ما يذكر في الإشخاص......، حديث: 2411 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام، حديث: 2373 و مسند أحمد: 264/2. [3] تفسير القرطبي: 281/7. [4] تفسير الطبري: 77/9. [5] تفسير الطبري: 79/9.

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا

اور جلد ہی میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں (کی نگاہوں) کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی ان پر

بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ

ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھ لیں تو اسے اختیار نہیں کریں گے، اور اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اسے اختیار کر لیں گے، یہ اس

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿146﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

لیے کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور وہ ان سے غافل رہے ﴿146﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا، ان کے عمل

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿147﴾ ع 17/6/7

برباد ہو گئے۔ انھیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو کچھ وہ (دنیا میں) کرتے رہے تھے ﴿147﴾

''میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا۔'' یعنی تم ان لوگوں کے انجام کو دیکھ لو گے جو میرے حکم کی مخالفت کریں گے اور میری اطاعت سے باہر ہو جائیں گے کہ وہ کس طرح تباہی و بربادی سے دوچار ہوں گے؟

تفسیر آیات:147,146

غرور کرنے والے اللہ تعالیٰ کی آیات سے محروم رہیں گے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ ''جلد ہی جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔'' یعنی اپنی عظمت، شریعت اور احکام سے متعلق دلائل و براہین کے سمجھنے سے ان لوگوں کے دلوں کو محروم کر دوں گا جو میری اطاعت سے اعراض کریں گے اور لوگوں سے ناحق غرور کے ساتھ پیش آئیں گے، یعنی جس طرح انھوں نے تکبر اور غرور کیا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انھیں احکام شریعت سے جاہل رکھ کر ذلیل و رسوا کر دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الأنعام 110:6) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے۔)'' اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ (الصف 5:61) ''تو جب ان لوگوں نے کج روی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔''

امام سفیان بن عیینہ اس آیت کریمہ: ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ان سے قرآن کا فہم چھین لوں گا اور انھیں اپنی آیتوں سے دور کر دوں گا۔[1] ابن جریر فرماتے ہیں: ابن عیینہ کی یہ تفسیر اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب اس امت سے ہے۔[2] لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ خطاب اس امت ہی سے ہو کیونکہ ابن عیینہ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ آیت ہر امت پر صادق آ سکتی ہے اور اس اعتبار سے کسی امت میں کوئی فرق نہیں، جس کا بھی یہ طرز عمل ہوگا، اس سے یہی سلوک ہوگا۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ﴾ ''اور اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ

[1] تفسیر الطبری:80/9. [2] تفسیر الطبری:81,80/9.

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنالیا، وہ ایک جسم تھا جس کی آواز گائے کی تھی۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿148﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ

کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ انھیں کوئی راستہ بتاتا ہے؟ (پھر بھی) انھوں نے اسے (معبود) بنالیا اور وہ ظالم تھے ﴿148﴾ اور جب انھیں شرمندگی ہوئی اور

وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

انھوں نے دیکھا کہ وہ گمراہ ہوگئے ہیں تو کہنے لگے: اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں (شامل) ہو

الْخٰسِرِيْنَ ﴿149﴾

جائیں گے ﴿149﴾

لائیں۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ (یونس 97,96:10) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پاچکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔'' وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ''اور اگر وہ راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں۔'' یعنی اگر ان کے لیے راستی اور نجات کا رستہ ظاہر بھی ہو جائے تو یہ اسے اختیار نہیں کریں گے اور اگر ان کے لیے ہلاکت وضلالت کا رستہ ظاہر ہو جائے تو اسے یہ اختیار کرلیں گے۔

پھر ان کے اس طرز عمل کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ''یہ اس لیے کہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔'' اور دلوں سے ان کی تکذیب کردی۔ وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿146﴾ ''اور وہ ان سے غفلت کرتے رہے۔'' یعنی ان میں جو کچھ تھا، اسے قطعاً نہیں جانتے تھے۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔'' یعنی جو شخص اس طرز عمل کو اختیار کرے اور موت تک اسی کو اختیار کیے رکھے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿147﴾ ''یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔'' یعنی انھوں نے جیسے اعمال آگے بھیجے ہوں گے، ہم ان کے مطابق ہی ان کو بدلہ دیں گے، یعنی اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!

تفسیر آیات: 149,148

بچھڑے کی عبادت کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں بنی اسرائیل کے ان لوگوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو اس بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے گمراہ ہوگئے تھے جسے سامری نے ان کے لیے قبطیوں کے ان زیورات کو ڈھال کر بنایا تھا جسے انھوں نے ان سے مستعار لیا تھا۔ اور اس نے اس بچھڑے کے ڈھانچے میں اس مٹی کی مٹھی ڈالی جسے اس نے جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کے نشانات سے لیا تھا تو وہ ایک بچھڑا بن گیا جس کے قالب سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

اور جب موسیٰ غصے اور رنج میں بھرے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو (ان سے) کہا: میرے (جانے کے) بعد تم بہت برے جانشین ہوئے ہو! کیا تم نے

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ

اپنے رب کے حکم سے (منہ موڑنے میں) جلدی کی؟ اور انھوں نے (تورات کی) تختیاں (زمین پر) ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف

الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

کھینچنے لگے۔ (اس پر) ہارون نے کہا: اے ماں جائے! بے شک ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور وہ مجھے قتل کرنے پر اتر آئے تھے، چنانچہ تو دشمنوں کو مجھ

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ

پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر جو ظالم ہیں ﴿150﴾ موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ ع

ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿151﴾

جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کی ملاقات کے لیے کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی وہیں اطلاع دے دی تھی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ ﴾ (طٰہٰ 85:20) ''فرمایا کہ بے شک ہم نے یقیناً تمھاری قوم کو تمھارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے۔'' مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بچھڑا گوشت اور خون میں تبدیل ہوگیا اور اس کی گائے کی سی آواز تھی یا یہ سونے کا بنا ہوا ایک قالب ہی برقرار رہا اور اس میں ہوا کے داخل ہونے سے گائے کی سی آواز پیدا ہوتی تھی۔ مفسرین کے یہ دونوں ہی قول ہیں، صحیح حقیقت حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس بچھڑے نے گائے کی سی آواز نکالی تو لوگوں نے اس کے گرد رقص شروع کر دیا، وہ فتنے میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہی تمھارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے مگر وہ (موسیٰ) بھول گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ۬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 89:20) ''کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ ﴾ ''کیا ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید فرما رہا ہے کہ یہ بچھڑے کی وجہ سے گمراہ ہو کر اس ذات سے غافل ہو گئے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ہر چیز کو وجود بخشا ہے مگر انھوں نے بچھڑے کے اس قالب کی پوجا شروع کر دی جس سے گائے کی سی آواز تو نکلتی تھی مگر وہ ان سے نہ تو کوئی بات کر سکتا تھا اور نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی کوئی رہنمائی کر سکتا تھا مگر ان کی آنکھوں پر جہالت و ضلالت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ بے شک وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔'' یہ گویا ان کی طرف سے اپنے گناہ کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا اظہار تھا۔ بعض قرّاء نے ربَّنا کو مُناد ی قرار دے کر ﴿ يَرْحَمْنَا ﴾ غائب کے بجائے تَرْحَمْنَا اور ﴿ يَغْفِرْ لَنَا ﴾ کے بجائے تَغْفِرْلَنَا پڑھا ہے۔

تفسیر آیات: 151,150

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنے رب تعالیٰ سے مناجات کے بعد نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم میں واپس آئے، ابودرداء فرماتے ہیں کہ أَسِفٌ کے معنی شدید غصے کے ہیں،[1] تو ﴿ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ﴾ ''کہنے لگے کہ تم میرے بہت برے جانشین ہوئے ہو۔'' یعنی جب میں تمھیں چھوڑ کر چلا گیا تو تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر کے بہت ہی برا کام کیا۔ ﴿ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ﴾ ''کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم جلد چاہا؟'' یعنی تم نے چاہا کہ میں تمھارے پاس جلد آ جاؤں، حالانکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھا جا چکا تھا۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ﴾ ''اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔'' اس بات میں اُس حدیث کی طرف بھی رہنمائی ہے جس میں یہ آیا ہے: [لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ] ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔'' یعنی سننا دیکھنے کے برابر نہیں۔[2] بظاہر سیاق سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ناراض ہوتے ہوئے تختیاں ڈالی تھیں۔ جمہور علمائے سلف وخلف کا یہی قول ہے۔

﴿ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ﴾ ''اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔'' اس خوف سے کہ کہیں انھوں نے اپنی قوم کو اس سے منع کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ہے: ﴿ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ ﴾ (طٰہٰ 20:92-94) ''(پھر موسیٰ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ؟ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی! میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

---

[1] تفسیر الطبری: 85/9. [2] مسند أحمد: 271/1. عنقریب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت آ رہی ہے جس سے اس روایت کا مفہوم واضح ہو جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

بے شک وہ لوگ جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، جلد ہی ان کے رب کا غضب ان پر آن پہنچے گا اور (انھیں) دنیا کی زندگی میں ذلت نصیب ہوگی اور

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ

ہم بہتان باندھنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿152﴾ اور وہ لوگ جنھوں نے برے عمل کیے، پھر ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لے آئے، بے شک

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿153﴾

آپ کا رب اس کے بعد (ضرور انھیں بخش دے گا کیونکہ وہ) بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿153﴾

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿150﴾ ''بھائی جان! بے شک لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں تو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے۔'' یعنی مجھے ان جیسا نہ سمجھیں اور ان کے ساتھ نہ ملائیے۔ ہارون علیہ السلام نے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو ماں کے بیٹے کہہ کر اس لیے مخاطب کیا تا کہ موسیٰ علیہ السلام زیادہ رحمت و شفقت کا مظاہرہ فرمائیں ورنہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی ہیں۔ دونوں ایک ہی ماں باپ کے بیٹے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس میں حضرت ہارون علیہ السلام بے قصور ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْۤا اَمْرِيْ ○ (طٰهٰ 90:20) ''اور البتہ تحقیق ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمھاری آزمائش کی گئی ہے اور تمھارا پروردگار اللہ ہے، لہٰذا تم میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔''

پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿151﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف کر دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى لَيْسَ الْمُعَايِنُ كَالْمُخْبِرِ أَخْبَرَهُ رَبُّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَّ قَوْمَهُ فُتِنُوا بَعْدَهُ فَلَمْ يُلْقِ الْأَلْوَاحَ ، فَلَمَّا رَآهُمْ وَعَايَنَهُمْ أَلْقَى الْأَلْوَاحَ] ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، مشاہدہ کرنے والا اس ہوئی خبر والے کی طرح نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جب انھیں یہ خبر دی کہ ان کی قوم کے لوگ ان کے بعد فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں تو انھوں نے تختیوں کو نہ ڈالا مگر انھوں نے جب قوم کو خود دیکھ لیا تو تختیاں ڈال دیں۔''[1]

تفسیر آیات:153,152

بچھڑے کی پوجا کی وجہ سے بنی اسرائیل پر جو غضبِ الٰہی واقع ہوا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک ان کی توبہ کو قبول نہ فرمایا جب تک ان میں سے بعض نے بعض کو قتل نہ کر دیا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں یہ فرمانِ الٰہی اور اس کا بیان گزر چکا

[1] مسند أحمد:271/1 والمستدرك للحاكم ، التفسير ، تفسير سورة الأعراف:321/2 ، حديث:3250 وتفسيرابن أبي حاتم:1570/5 .

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں اور ان کے مضامین میں ان کے لیے ہدایت اور رحمت تھی جو اپنے

لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾

رب سے ڈرتے تھے ﴿154﴾

ہے: فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ ”تو تم اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ تمھارے خالق کے نزدیک تمھارے حق میں یہی بہتر ہے، پھر اس نے تمھارا قصور معاف کر دیا وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہے۔“ (البقرة 2:54) اور اسی آیت کریمہ میں ذلت سے مراد وہ ذلت و رسوائی ہے جس میں بنی اسرائیل دنیا کی زندگی میں مبتلا ہوئے۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ ”اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

جو شخص بھی کسی بدعت کو ایجاد کرے گا تو بدعت اور مخالفتِ رسالت کی ذلت اس کے دل سے لے کر اس کے کندھوں تک پھیل جائے گی جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدعت کی ذلت ان کے کندھوں سے نمایاں ہوتی ہے، خواہ وہ خچروں اور اعلیٰ نسل کے عربی گھوڑوں ہی پر سوار کیوں نہ ہوں۔ اسی طرح ابوایوب سختیانی نے ابوقلابہ جرمی سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جب اس آیت کو پڑھا: وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿152﴾ تو فرمایا: اللہ کی قسم! قیامت تک آنے والے ہر افتراء پرداز کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔[1] امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر گناہ سے توبہ کو شرف قبولیت سے نواز دیتا ہے، خواہ کفر و شرک یا نفاق اور اللہ و رسول کی مخالفت جیسا کبیرہ گناہ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے اس نے اس قصے کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ ”اور جنھوں نے برے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ آپ کا پروردگار“ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اے رسولِ توبہ! اور اے نبیِ رحمت! مِنْۢ بَعْدِهَا ”اس کے بعد“ یعنی اس فعل کے بعد لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿153﴾ ”(وہ) بخشنے والا مہربان ہے۔“

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کرتا ہے، پھر اس کے ساتھ شادی کر لیتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی اور دس بار پڑھی اور نہ ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا۔[3]

تفسیر آیت: 154

غصہ فرو ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا تختیوں کو اٹھا لینا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَمَّا سَكَتَ ”اور جب ساکت ہوا۔“

① تفسير الطبرى: 95/9. ② تفسير الطبرى: 96/9. ③ تفسير ابن أبى حاتم: 1572/9 والسنن الكبرى للبيهقى ، النكاح ، باب مايستدل به على قصر الآية...... 156/7.

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ

اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت (پر کوہ طور پر توبہ واستغفار) کے لیے چنے، پھر جب ان کو زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے کہا:

لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ

اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی انھیں اور مجھے بھی ہلاک کر دیتا، کیا تو اس کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے

هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

کیا؟ یہ تیری طرف سے آزمائش کے سوا کچھ نہیں تو اس (آزمائش) سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو ہی ہمارا کارساز

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿155﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

ہے، لہٰذا ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی بہترین بخشنے والا ہے ﴿155﴾ اور تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی لکھ دے،

الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

بے شک ہم نے تیری ہی طرف رجوع کیا ہے۔

یعنی فرو ہوا ﴿عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ﴾ ”موسیٰ کا غصہ“ جو انھیں اپنی قوم پر تھا ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ﴾ ”تو انھوں نے تختیاں اٹھا لیں۔“ جنھیں انھوں نے قوم کے بچھڑے کو پوجنے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کی خاطر بے حد غیرت وغضب کے باعث پھینک دیا تھا۔ ﴿وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾﴾ ”اور جو کچھ ان میں لکھا تھا، وہ ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت تھی۔“

بہت سے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب تختیوں کو پھینکا تو وہ ٹوٹ گئی تھیں، پھر انھوں نے انھیں جوڑ لیا تھا، اسی لیے بعض سلف نے لکھا ہے کہ جوڑنے کے بعد انھوں نے ان میں ہدایت اور رحمت کو پایا۔ ہاں، البتہ تفصیل ختم ہوگئی تھی، انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان تختیوں کے ٹکڑے اسلامی حکومت کے قائم ہونے تک بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے خزانوں میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کس حد تک صحیح ہے اور اس بات کی قطعی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ موسیٰ کے پھینکنے کی وجہ سے یہ تختیاں ٹوٹ گئی تھیں؟ حالانکہ وہ جنت کے جواہرات کی بنی ہوئی تھیں۔[1] جبکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو ڈال دینے کے بعد جب انھیں اٹھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے پایا کہ اُن میں ﴿هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿154﴾﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت تھی۔“ یہاں ”رہب“ (ڈرنا) خضوع کے معنی کو بھی متضمن ہے، اسی وجہ سے اسے لام کے ساتھ متعدی بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیات: 156,155

بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ میعاد کے مطابق جانا: علی بن ابوطلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے ستر آدمیوں کا انتخاب

[1] تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں ما الدلیل کے بجائے أما الدلیل ہے جو صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

کریں تو انھوں نے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انھیں باہر لے گئے تا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے دعا کریں، انھوں نے جو دعائیں کیں، ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی کہ ''اے اللہ! تو ہمیں وہ عطا فرما جو تو نے ہم میں سے پہلے کسی کو نہ دیا ہو اور نہ ہمارے بعد کسی کو دے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو ناپسند کیا اور انھیں زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے عرض کی: ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔''[1]

سدی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے کچھ آدمیوں کو لے کر آئیں تا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے معذرت کریں اور اس سلسلے میں وقت کا تعین بھی کر دیا گیا: ﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا ﴾ ''اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کر کے کوہ طور پر حاضر) کیے۔'' تا کہ وہ معذرت کریں لیکن جب وہ مقررہ جگہ پر آئے تو کہنے لگے: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (البقرۃ2:55) ''(موسیٰ!) جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔'' تو نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا ہے، لہٰذا تو ہمیں اسے دکھا بھی دے۔ ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ ﴾ (النسآء4:153) ''تو انھیں بجلی نے آ پکڑا۔'' جس سے وہ سب مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے رونا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا شروع کر دی اور عرض کی کہ اے اللہ! تو نے بنی اسرائیل کے بہترین لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے، ملاقات کے وقت میں انھیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔''[2]

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے اچھے اچھے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور ان سے کہا کہ اللہ کے پاس چلو، تم نے جو کچھ کیا ہے، اس سے اس کی جناب میں توبہ کرو اور اپنی قوم کے ان باقی لوگوں کی طرف سے بھی توبہ کرو جنھیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، روزے رکھو، طہارت و پاکیزگی اختیار کرو، کپڑوں کو بھی پاک صاف کرو تو موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی ہوئی میعاد کے مطابق انھیں لے کر طور سینا پر چلے گئے۔ اس پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے آیا کرتے تھے۔ ان ستر آدمیوں نے اسی طرح کیا جیسا کہ موسیٰ نے انھیں حکم دیا تھا۔

پھر وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر چلے گئے تو وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ دعا کرو کہ ہم بھی اپنے رب کے کلام کو سن سکیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ٹھیک ہے میں دعا کرتا ہوں جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے تو پہاڑ پر ایک بادل آ گیا اور وہ سارے پہاڑ پر چھا گیا تو موسیٰ علیہ السلام اس میں داخل ہو گئے اور انھوں نے ان لوگوں سے کہا کہ تم بھی قریب ہو جاؤ، موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ جب کلام فرماتا تو موسیٰ کی پیشانی پر ایک ایسا نور چمکنے لگتا تھا جسے کوئی بھی انسان دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں پس پردہ کر دیا، قوم کے لوگ بھی قریب آ گئے حتی کہ جب وہ اس بادل میں داخل ہو گئے اور سجدے میں گر گئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1574/5 وتفسیر الطبري:98/9. [2] تفسیر الطبري:98,99/9.

دیا کہ یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو جب اس سے فارغ ہو گئے تو یہ بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ کہنے لگے کہ موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تو اس وقت انھیں زلزلے نے آ پکڑا، اور یہی صعقۃ (بجلی) ہے، تو ان کی روحیں قبض کر لی گئیں اور یہ سب کے سب مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ﴿ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ﴾ ''اے میرے پروردگار! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔'' یہ لوگ تو بے وقوف ہیں اور جو بنی اسرائیل میرے پیچھے رہ گئے ہیں کیا تو انھیں بھی ہلاک کر دے گا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد اور ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہ زلزلے کی گرفت میں اس لیے آئے تھے کہ انھوں نے اپنی قوم کو بچھڑے کی پوجا سے منع نہیں کیا تھا۔[2] اس کی تائید موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: ﴿ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ﴾ ''کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے، ہلاک کر دے گا، یہ تو تیری آزمائش ہے۔'' یعنی یہ تیری طرف سے ایک آزمائش اور امتحان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ایک ائمہ سلف وخلف کا یہی قول ہے۔[3] اور اس کے معنی یہی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! امر بھی تیرا ہے اور حکم بھی تیرا اور وہی ہوتا ہے جو تو چاہے، لہٰذا تو جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت عطا فرما دے جسے تو گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے تو ہدایت سے نوازے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جسے تو محروم کر دے اسے کوئی نہیں دے سکتا اور جسے تو دے اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا، ساری بادشاہت بھی تیری اور سارا حکم بھی تیرا ہے، تو نے ہی پیدا فرمایا اور تیرا حکم ہی کارفرما ہے۔

﴿ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴾ ''تو ہی ہمارا کارساز ہے، لہٰذا ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔'' غفر کے معنی پردہ پوشی کرنے اور گناہ کی وجہ سے مؤاخذہ نہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور یہ مغفرت کے ساتھ جب رحمت کو بھی ملا دیا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہ کرے ﴿ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔'' یعنی گناہوں کو صرف تو ہی بخش سکتا ہے۔ ﴿ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ ''اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔'' دعا کا پہلا حصہ دفعِ محذور کے لیے تھا اور یہ دوسرا حصہ تحصیلِ مقصود کے لیے ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! دنیا اور آخرت میں ہمارے لیے بھلائی کو واجب اور ثابت کر دے۔ اور حسنۃ کی تفسیر قبل ازیں سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے۔[4]

﴿ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ﴾ ''بے شک ہم تیری طرف لوٹ چکے۔'' یعنی ہم نے تیری جناب میں توبہ کی اور تیری ہی طرف

---

[1] تفسیر الطبری:98/9. [2] تفسیر الطبری:100/9. [3] تفسیر الطبری:104/9. [4] دیکھیے آیت:201 کے ذیل میں۔

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

اللہ نے کہا: میں جسے چاہتا ہوں اپنا عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ

لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿156﴾ ۚ

دوں گا جو پرہیز گار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے بھی) جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں﴿156﴾

انابت اور رجوع کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، مجاہد، ابوالعالیہ، ضحاک، ابراہیم تیمی، سدی، قتادہ رحمہ اللہ اور دیگر کئی ایک مفسرین کا یہی قول ہے۔[1] لغت میں بھی ﴿ هُدْنَآ ﴾ کے معنی رجوع کرنے اور توبہ کرنے کے ہی ہیں۔

بقیہ تفسیر آیت:156

اللہ تعالیٰ کی رحمت پرہیز گاروں کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ نے اس بات ﴿ اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ ﴾ ''یہ تو تیری آزمائش ہے۔'' کے جواب میں فرمایا: ﴿ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ ﴾ ''جو میرا عذاب ہے اسے میں جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔'' یعنی میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں جو ارادہ کرتا ہوں، اس کا حکم دے دیتا ہوں اور ان تمام باتوں میں میرے تمام فیصلے حکمت وعدل پر مبنی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ ﴾ ''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔'' یہ ایک عظیم آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جامعیت اور عموم کا تذکرہ ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوئے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا ﴾ (المؤمن 7:40) ''اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم، ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

امام احمد نے جُندُب بن عبداللہ بَجلی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا، پھر اسے باندھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی سواری کے پاس آیا، اس کی رسی کو کھول دیا، اس پر سوار ہو گیا، پھر اس نے بلند آواز سے یہ کہا: ''اے اللہ! مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم فرما اور ہم پر رحم کرنے میں اور کسی کو شریک نہ فرما۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَتَقُولُونَ هٰذَا أَضَلُّ أَمْ بَعِيرُهُ، أَلَمْ تَسْمَعُوا مَا قَالَ؟ قَالُوا: بَلٰی! قَالَ: لَقَدْ حَظَّرْتَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاسِعَةً، إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ رَحْمَةً يَتَعَاطَفُ بِهَا الْخَلَائِقُ جِنُّهَا وَإِنْسُهَا وَبَهَائِمُهَا وَعِنْدَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ أَتَقُولُونَ هُوَ أَضَلُّ أَمْ بَعِيرُهُ؟] ''تمھارا کیا خیال ہے، یہ شخص زیادہ کم عقل ہے یا اس کا اونٹ! تم نے سنا ہے کہ اس نے کیا کہا؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے سنا ہے، اس نے جو کہا، پھر آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے اللہ تعالیٰ کی وسیع اور بے پایاں رحمت کو محدود کر دیا ہے، بے شک

[1] تفسیر الطبری:105/9.

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ

(یعنی) وہ لوگ جو اس رسول اُمی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں،

فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے

الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ

اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ اس

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ

پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾ ع

پانے والے ہیں﴿157﴾

اللہ تعالیٰ نے سو طرح کی رحمت پیدا فرمائی ہے اور ان میں سے صرف ایک رحمت کو نازل فرمایا جس کی وجہ سے جن و انس، حیوانات اور دیگر تمام مخلوق رحمت و شفقت کا مظاہرہ کرتی ہے اور (باقی) ننانوے قسم کی رحمتیں اسی کے پاس ہیں تو پھر کیا خیال ہے کہ یہ شخص زیادہ کم عقل ہے یا اس کا اونٹ؟'' اسے امام احمد اور ابوداود رحمہما اللہ نے روایت فرمایا ہے۔[1]

امام احمد ہی نے حضرت سلمان کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَمِنْهَا رَحْمَةٌ يَتَرَاحَمُ بِهَا الْخَلْقُ] ، [وَبِهَا تَعْطِفُ الْوُحُوشُ عَلٰى أَوْلَادِهَا وَأَخَّرَ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے سو قسم کی رحمت کو پیدا فرمایا، ان میں سے یہ صرف ایک رحمت ہے جس کی وجہ سے مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے اور وحشی جانور اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں اور ننانوے قسم کی رحمتوں کو اس نے قیامت کے دن تک اپنے پاس رکھا ہے۔''[2] اس روایت کو اسی سند سے بیان کرنے میں امام مسلم متفرد ہیں اور امام بخاری نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ ''تو عنقریب میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔'' یعنی اپنی طرف سے احسان کرتے ہوئے اسے میں ان کے لیے واجب قرار دے دوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾ (الأنعام 54:6) ''اللہ نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

---

[1] مسند أحمد: 312/4 و سنن أبي داود، الأدب، باب من ليست له غيبة، حديث: 4885 مختصراً. [2] اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحیح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: (20)-2753 اور دوسرا حصہ مسند أحمد: 439/5 کے مطابق ہے۔ [3] صحیح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى......، حديث: 2753 اور صحیح بخاری میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دیکھیے صحيح البخاري، الأدب، باب جعل الله الرحمة في مائة جزء، حديث: 6000 و صحيح مسلم، حديث: 2752.

﴿ لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔'' یعنی جو ان (آمدہ) اوصاف کے ساتھ متصف ہیں اور اس سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام مراد ہے اور پرہیزگاری کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ ﴿ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' ایک قول کے مطابق اس سے نفسوں کی زکاۃ اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مالوں کی زکاۃ مراد ہے، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے دونوں ہی مراد ہوں۔ اور یہ آیت مکی ہے۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

تفسیر آیت :157

نبی کریم ﷺ کی صفات: ﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ﴾ ''وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی یہ صفت لکھی ہوئی ہے کہ انھوں نے اپنی اپنی امتوں کو آپ کی بعثت کی بشارت سنائی اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا، اس لیے ان کی کتابوں میں آپ کی صفات کا تذکرہ موجود رہا جنھیں ان کے علماء واحبار خوب جانتے تھے۔

جیسا کہ امام احمد نے ابوصخر عُقَیلی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے ایک اعرابی نے یہ بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دودھ والے جانور مدینہ لے گیا اور جب میں انھیں بیچ کر فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ میں اس شخص سے ضرور ملوں گا اور ان کی بات کو سنوں گا۔ میری آپ سے اس وقت ملاقات ہوئی جب آپ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہے تھے، میں بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا، یہ حضرات ایک یہودی کے پاس آئے جو تورات کو کھولے ہوئے اسے پڑھ رہا تھا اور اس سے وہ اپنے اس بیٹے کے بارے میں تسلی حاصل کر رہا تھا جو بڑا ہی خوبصورت نوجوان تھا اور موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: [أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ ذَا صِفَتِي وَمَخْرَجِي؟] ''میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات کو نازل فرمایا ہے، کیا تو اپنی اس کتاب میں میری صفات اور میری بعثت کا ذکر موجود پاتا ہے؟'' تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ نہیں مگر اس کے بیٹے نے کہا کہ ہاں، اس ذات کی قسم جس نے تورات کو نازل فرمایا ہے! ہم اپنی کتاب میں آپ کے اوصاف اور آپ کی بعثت کا ذکر موجود پاتے ہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: [أَقِيمُوا الْيَهُودَ عَنْ أَخِيكُمْ] ''یہودیوں کو اپنے بھائی کے پاس سے اٹھا دو۔'' پھر آپ نے اس کے کفن ودفن کا اہتمام فرمایا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ [1] یہ حدیث جید اور قوی ہے اور صحیح بخاری میں بروایت حضرت

[1] مسند أحمد: 411/5.

انس رضی اللہ عنہ اس کا شاہد موجود ہے۔[1]

امام ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور ان سے عرض کی کہ مجھے یہ بتایئے کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا اوصاف لکھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کے یہی اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (الأحزاب 45:33) ''اے پیغمبر! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' آپ ان پڑھوں کے لیے محافظ اور میرے عبد اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام مُتَوَکِّل رکھا ہے، آپ بدخو اور سخت دل نہیں ہیں، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہیں، ہم اس وقت تک آپ کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کج روملت کو آپ کے ساتھ سیدھا کر دیں کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے لگ جائے۔ ہم آپ کے ساتھ بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں کو درست فرما دیں گے۔

عطاء بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں کعب سے ملا اور ان سے یہ سوال کیا تو انھوں نے بھی بعینہ یہی جواب دیا سوائے اس کے کہ انھوں نے غُلْفًا کے بجائے غُلُوفِيًّا، صُمًّا کے بجائے صُمُومِيًّا اور عُمْيًا کے بجائے عُمُومِيًّا کہا۔[2]

اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[3] بہت سے سلف کے کلام میں تورات کے لفظ کا اطلاق کتب اہل کتاب پر کیا جاتا ہے اور بعض احادیث میں بھی آیا ہے جو اس کے مشابہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں۔'' یہ سابقہ کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور فی الواقع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیکی ہی کا حکم دیتے اور برائی سے منع فرماتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب تم یہ ارشاد باری تعالیٰ سنو: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ تو ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی نیکی کا حکم دیا ہوگا یا کسی برائی سے منع کیا ہوگا۔[4] اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں سب سے زیادہ اہم اور عظیم ترین بات وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا، یعنی یہ حکم دیا کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور اس سے منع فرما دیا کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے جیسا کہ آپ سے پہلے دنیا میں تشریف لانے والے تمام انبیائے کرام کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ ''اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں

---

[1] شاید اس حدیث کی طرف اشارہ ہے، صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات ...... ، حديث:1356.
[2] تفسير الطبري:113/9. [3] صحيح البخاري، البيوع، باب كراهية السَّخَب في السوق، حديث:2125. [4] تفسير ابن أبي حاتم:196/1 و الدر المنثور:195/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی بَحِیرہ، سائبہ، وَصِیلہ اور حام وغیرہ جن کو انھوں نے ازخود حرام قرار دے کر اپنے آپ کو مشکل میں ڈال لیا تھا، آپ انھیں ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دیتے ہیں۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حرام چیزوں سے مراد سوٴر کا گوشت، سود اور کھانے پینے کی وہ حرام چیزیں ہیں جن کو انھوں نے حلال قرار دے لیا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام قرار دے رکھا تھا۔[1]

﴿ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ''اور ان سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے، اتارتے ہیں۔'' یعنی آپ آسانی اور سہولت لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں، آپ نے حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو جب گورنر بنا کر یمن بھیجا تو اپنے ان دونوں گورنروں سے فرمایا: [يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا] ''آسانی کرنا اور مشکل میں نہ ڈالنا، خوش خبری سنانا اور نفرت نہ دلانا، اتفاق واتحاد سے رہنا اور اختلاف نہ کرنا۔''[2] آپ کے صحابی ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ آپ آسانی فرمایا کرتے تھے۔[3] اور ہم سے پہلی امتوں کی شریعتوں میں بہت تنگی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کے امور کو بہت ہی سہل اور آسان بنا دیا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے اس وقت تک درگزر فرمایا ہے جب تک ان کے مطابق وہ عمل نہ کر لیں یا زبان سے بات نہ کر لیں۔''[4] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: [وُضِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ] ''میری امت کے لیے خطا ونسیان اور جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو، معاف فرما دیا گیا ہے۔''[5]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ یہ دعا پڑھا کریں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة2:286) ''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا، اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! جو بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہمارے سر پر نہ

[1] تفسير الطبري:114/9. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما يكره من التنازع والاختلاف في الحرب ......، حديث:3038 وصحيح مسلم، الجهاد......، باب في الأمر بالتيسير......، حديث:1733. [3] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة، حديث:1211. [4] صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره......، حديث:5269 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس......، حديث: 127.
[5] سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث: 2043 و2045 والمعجم الأوسط للطبراني: 128/9 ، حديث:8269.

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق)

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ

نہیں، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول اُمی نبی پر ایمان لاؤ، جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان لاتا ہے، اور تم

بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿158﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ﴿158﴾ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ (ایسا) ہے جو حق کے ساتھ رہنمائی کرتے ہیں اور اسی (حق) کے ساتھ عدل

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿159﴾

کرتے ہیں﴿159﴾

رکھا اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔'' صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک سوال کے بعد یہ فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا، میں نے ایسا ہی کیا۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾ ''تو وہ جو ان پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم و توقیر بجالائے۔'' ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ﴾ ''اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس کی پیروی کی۔'' یعنی اس قرآن اور وحی کی پیروی کی جسے آپ لوگوں تک پہنچانے کے لیے تشریف لائے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿157﴾﴾ ''وہی مراد پانے والے ہیں۔'' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

تفسیر آیات: 159,158

حضور سرور کائنات ﷺ کی عالمگیر نبوت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' (اے نبی!) ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ ''اے لوگو!'' یہ خطاب دنیا میں بسنے والے ہر شخص سے ہے، خواہ وہ سرخ ہو یا سیاہ، عربی ہو یا عجمی ﴿اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا﴾ ''بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔'' یعنی میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے شرف و عظمت کی دلیل ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کو کائنات انسانی کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الأنعام 19:6) ''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن مجید مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک یہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ (ھود 17:11) ''اور جو کوئی دوسرے فرقوں میں سے اس کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس......، حديث: 126.

وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ ؕ (آل عمران 3:20) ''اور (اے نبی!) ان اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر یہ لوگ اسلام قبول کرلیں تو بے شک یہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اور احادیث تو اس قدر زیادہ ہیں کہ حیطۂ شمار سے باہر اور یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تمام انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے چلے گئے تاکہ ان سے یہ درخواست کریں کہ وہ معاف کر دیں مگر انھوں نے معاف نہ کیا بلکہ ناراضی کی وجہ سے اپنا دروازہ بند کر لیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابودرداء بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ہم بھی حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا صَاحِبُكُمْ هٰذَا فَقَدْ غَامَرَ] ''تمھارے یہ ساتھی کہیں لڑ کر آئے ہیں۔'' (اتنے میں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے فعل پر نادم ہوئے، لہٰذا وہ بھی آ گئے اور سلام کر کے نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ اور انھوں نے آپ کو سارا واقعہ سنایا۔

ابودرداء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ واقعہ سن کر ناراض ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! زیادتی مجھ سے ہوئی ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [......هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي؟ إِنِّي قُلْتُ : ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ﴾ فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: صَدَقْتَ] ''......کیا تم میرے لیے میرے ساتھی کو نہیں چھوڑو گے؟ میں نے (جب یہ) کہا: ''اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' تو تم نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔'' اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ ہی نے بیان فرمایا ہے۔[1]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ نَبِيٌّ قَبْلِي (وَلَا أَقُولُهُ) فَخْرًا : بُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ فَأَخَّرْتُهَا لِأُمَّتِي (إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ) فَهِيَ لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا] ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں اور یہ بات میں از راہ فخر نہیں کہہ رہا (اور وہ چیزیں یہ ہیں) کہ مجھے سرخ و سیاہ تمام انسانوں

[1] صحیح البخاري، التفسير، باب: ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا...... ﴾ (الأعراف 7:158)، حدیث:4640.

کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، ایک مہینے کی مسافت پر رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے بھی حلال نہ تھیں، میرے لیے تمام زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے جسے میں نے اپنی امت کے لیے قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر لیا ہے اور یہ ہر اس انسان کو حاصل ہوگی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا ہوگا۔''[1] اس حدیث کی سند جید ہے مگر امام احمد کے سوا دیگر محدثین نے اسے اسی سند سے روایت نہیں کیا۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔'' یعنی جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، وہ ہر چیز کا خالق و مالک اور پروردگار ہے، اسی کے ہاتھ میں تمام کائنات کی بادشاہت اور موت وحیات ہے اور اسی کا حکم کارفرما ہے۔ ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ﴾ ''تو اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر اُمی پر ایمان لاؤ۔'' آپ نے پہلے یہ خبر دی کہ آپ ان کی طرف اللہ کے رسول ہیں، پھر حکم دیا کہ وہ آپ کی اتباع کریں اور آپ پر ایمان لائیں۔ ﴿ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ﴾ یعنی میں وہ نبی اُمی ہوں جس کی آمد کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور جن کی آمد کی سابقہ آسمانی کتابوں میں بشارت دی گئی ہے اور ان کی کتابوں میں آپ کی صفت بھی یہی بیان کی گئی ہے۔ ﴿ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ ﴾ ''جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرتا ہے اور وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا ہے۔ ﴿ وَاتَّبِعُوْهُ ﴾ ''اور ان کی پیروی کرو۔'' یعنی ان کے رستے پر ان کے نقش قدم پر چلو ﴿ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ ''تاکہ تم ہدایت پاؤ۔'' اور سیدھے رستے کو اختیار کر لو۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی اتباع کرتے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ○ ﴾ (آل عمران 113:3) ''ان اہل کتاب میں سے کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○ ﴾ (آل عمران 199:3) ''اور بے شک بعض اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے، یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور اللہ

[1] مسند أحمد: 301/1 مزید دیکھیے صحیح البخاري، التیمّم، باب: (1)، حدیث: 335 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة، حدیث: 521 جبکہ قوسین والے الفاظ المصنف لابن أبي شیبة، الفضائل، باب ما أعطی اللّٰه تعالی محمد ﷺ: 307/6، حدیث: 31634 میں ہیں۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو بارہ قبیلوں کے لحاظ سے (بارہ) گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور جب موسیٰ کی قوم نے اس سے پانی مانگا تو ہم نے اس کی

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

طرف وحی کی کہ تو اپنا عصا (اس) پتھر پر مار۔ (اس نے مارا) تو اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، تب ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے ان پر

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے ان پر مَنّ اور سَلویٰ نازل کیا (اور کہا:) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں دی ہیں، ان میں سے کھاؤ۔ اور (اس کے بعد) انھوں

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿160﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ

نے (جو کچھ کیا تو) ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے رہے ﴿160﴾ اور جب ان سے کہا گیا: تم اس بستی میں ٹھہرو اور اس میں جہاں سے جی

اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ

چاہے کھاؤ پیو (رزق حاصل کرو) اور کہو: [حِطَّةٌ] ''ہمیں معاف کر دے''، اور (شہر کے) دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا تو ہم تمھاری خاطر

سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿161﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا

تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے، پھر ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ﴿161﴾ پھر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، انھوں نے اس لفظ کو،

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿162﴾ ع 20/5/10

جس کا انھیں حکم دیا گیا تھا، اس کے برعکس بدل ڈالا، تب ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا، اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے ﴿162﴾

جلد حساب لینے والا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا...... ﴾ الآیة (القصص 28:52-54)

''بے شک جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے بیشک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے۔ (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں، ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں......'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ○ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ○ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ○ ﴾ (بنی إسرآئیل 17:107-109) ''بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان پر پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔''

تفسیر آیات:160-162

وقف لازم

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ

اور (اے نبی!) ان (یہودِ مدینہ) سے اس بستی (ایلہ) کے بارے میں پوچھیں جو سمندر کے ساحل پر واقع تھی، جب وہ لوگ سبت (ہفتے کے دن) کے بارے

تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ

میں حد سے گزر جاتے تھے، جبکہ ان کے یومِ سبت کو ان کی (شکار کی) مچھلیاں ان کے پاس ظاہر (پانی کے اوپر) آ جاتی تھیں، اور جس دن ان کا ہفتہ نہ ہوتا

النصف

نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾

وہ (ان کے پاس) نہیں آتی تھیں۔ اسی طرح ہم انھیں آزماتے تھے، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿163﴾

ان تمام آیات کریمہ کی تفسیر سورۂ بقرہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ سورۂ بقرہ مدنی سورت ہے جبکہ یہ سیاق مکی ہے اور ان دونوں میں جو فرق ہے، وہ بھی ہم وہاں بیان کر آئے ہیں۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیت: 163

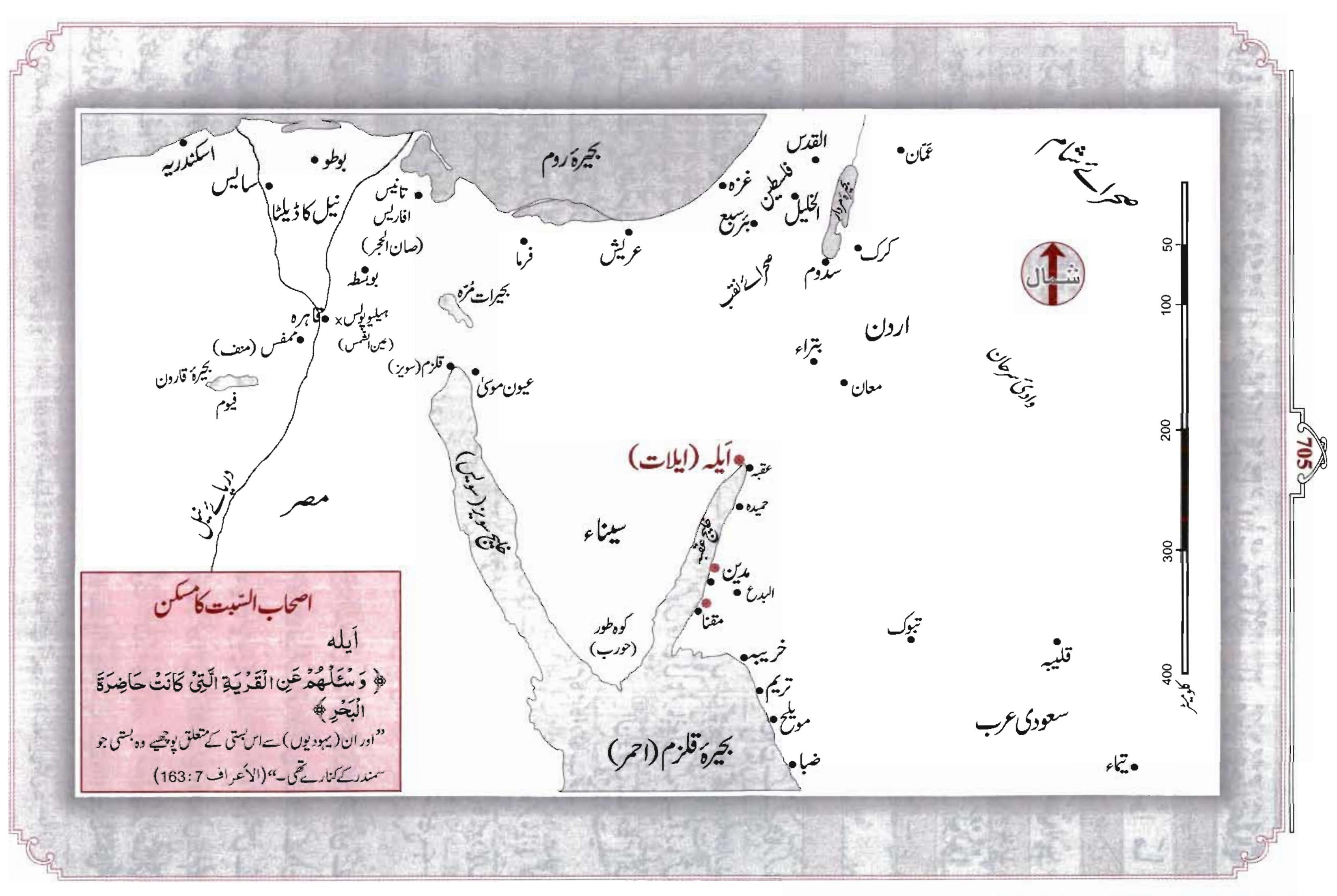
یہودیوں کا ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرنا: اس آیت کریمہ میں اس آیت: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ (البقرۃ 65:2) ''اور بے شک تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے۔'' کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا ہے: ﴿وَسْـَٔلْهُمْ﴾ ''اور ان سے پوچھیے۔'' یعنی ان یہودیوں سے جو آپ کے پاس موجود ہیں، ان کے ان ساتھیوں کے بارے میں پوچھیے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی تھی، پھر جب ان کے کرتوت حد سے تجاوز کر گئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کے لیے حیلہ سازی کی تو انھیں دنیا ہی میں عبرت ناک سزا ملی تھی۔ اور ان لوگوں کو ڈرائیں جو آپ کے ان اوصاف اور نشانیوں کو چھپا رہے ہیں جنھیں یہ اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ یہ بھی اس عذاب کی گرفت میں نہ آ جائیں جس سے ان کے بھائی اور بزرگ دوچار ہوئے تھے۔ اس گاؤں سے مراد أَیلہ نامی وہ بستی ہے جو بُحَیرۂ قُلزُم کے کنارے آباد تھی۔

محمد بن اسحاق نے داود بن حُصَین سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس گاؤں سے مراد أَیلہ ہے جو مدین اور کوہ طور کے درمیان تھا۔[2] عکرمہ، مجاہد، قتادہ اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[3]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ﴾ ''جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے لگے۔ ﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ ''اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿شُرَّعًا﴾ کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ وہ پانی کے اوپر ظاہر ہو جاتیں۔[4] ﴿وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ﴾ ''اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو (ان کے سامنے) نہ آتیں۔''

---

[1] دیکھیے آیت: 60 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 122/9. [3] تفسیر الطبری: 122/9. [4] تفسیر الطبری: 124/9.


اصحاب السبت کا مسکن
اَیلہ
﴿ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾
”اور ان (یہودیوں) سے اس بستی کے متعلق پوچھیے وہ بستی جو سمندر کے کنارے تھی۔“ (الأعراف 7:163)
اَیلہ (ایلات)
صحرائے شام
شمال
اردن
وادی سرحان
عمّان
کرک
القدس
فلسطین
الخلیل
بئر سبع
غزہ
سدوم
صحرائے النقب
بتراء
معان
بحیرۂ روم
عریش
فرما
بحیرات مُرّہ
تانیس
افاریس
(صان الحجر)
بوبسط
ہیلیوپولس
(عین الشمس)
قاہرہ
ممفس (منف)
بحیرۂ قارون
فیوم
اسکندریہ
بوطو
سائیس
نیل کا ڈیلٹا
دریائے نیل
مصر
قلزم (سویز)
عیون موسیٰ
خلیج سویز (سویس)
سیناء
کوہ طور
(حورب)
عقبہ
حمیدہ
مدین
البدع
مقنا
خریبہ
تریم
مویلح
ضبا
بحیرۂ قلزم (احمر)
تبوک
قلیبہ
سعودی عرب
تیماء
کلومیٹر
50
100
200
300
400

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے (دوسرے سے) کہا: تم ایسے لوگوں کو وعظ کیوں کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا

شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿164﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا

ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اس لیے کہ (ہم) تمھارے رب کے حضور عذر کر سکیں اور شاید کہ وہ (اللہ سے) ڈریں﴿164﴾ پھر جب انھوں نے وہ باتیں بھلا دیں

ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ

جن کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برے کام سے روکتے تھے، اور ہم نے ان لوگوں کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا

بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿165﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

جنھوں نے زیادتی کی تھی، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے﴿165﴾ پھر جب انھوں نے اس معاملے میں سرکشی کی جس سے انھیں روکا گیا تھا تو ہم نے ان

قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿166﴾

سے کہا: ہو جاؤ ذلیل بندر﴿166﴾

امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی اس طرح آزمائش کرتے تھے کہ جس دن ان کے لیے شکار کرنا حرام تھا، اس دن مچھلیاں پانی کی سطح پر تیرنے لگتیں اور جس دن ان کے لیے شکار حلال تھا، اس دن چھپ جاتیں اور نمودار نہ ہوتیں۔ ﴿كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿163﴾﴾ ''اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے'' کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لانے کے بجائے انھوں نے نافرمانی اختیار کر لی تھی۔[1] ان لوگوں نے احکام الٰہی کی مخالفت کے لیے حیلہ سازی سے کام لیا اور ایسے ظاہری اسباب کو اختیار کیا جن سے مقصود حرام کام کا ارتکاب تھا۔

امام فقیہ ابو عبداللہ ابن بَطہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ] ''تم بھی اس جرم کا ارتکاب نہ کرو جس کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا کہ ادنیٰ حیلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے لگو۔''[2] اس حدیث کی سند جید ہے۔

تفسیر آیات: 164-166

انھیں بندروں کی صورت میں تبدیل کر دینا اور روکنے والوں کو نجات دینا: اللہ تعالیٰ نے اس بستی کے باشندوں کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے: (1) وہ گروہ جو حرام کا ارتکاب کر رہا تھا اور جس نے ہفتے کے دن مچھلی کے شکار کے لیے حیلہ سازی کو اختیار کیا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں اسے بیان کیا جا چکا ہے۔[3] (2) وہ گروہ جس نے انھیں منع کیا اور ان سے الگ تھلگ ہو گیا۔ (3) وہ گروہ جو خاموش رہا، اس نے نہ تو خود اس کا ارتکاب کیا اور نہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو منع کیا بلکہ منع کرنے والوں سے یہ کہا: ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ﴾ ''تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت عذاب دینے والا ہے۔'' یعنی تم

[1] تفسیر الطبری: 124/9. [2] دیکھیے إرواء الغلیل: 375/5، حدیث: 1535. [3] دیکھیے آیت: 65 کے ذیل میں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ

اور (اے نبی! یاد کرو) جب آپ کے رب نے (یہود کو) خبردار کر دیا تھا کہ وہ قیامت تک ان پر ایسے شخص کو ضرور مسلط رکھے گا جو انھیں سخت عذاب (کا مزہ)

اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿167﴾

چکھاتا رہے گا۔ بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿167﴾

ان لوگوں کو کیوں منع کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، لہٰذا انھیں منع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں تو انھیں منع کرنے والوں نے جواب دیا: ﴿ مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ ﴾ ''اس لیے کہ تمھارے پروردگار کے سامنے معذرت کر سکیں۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم نیکی کا حکم دیتے رہیں اور برائی سے منع کرتے رہیں: ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿164﴾ ﴾ ''اور عجب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔'' یعنی ہو سکتا ہے کہ ہمارے نصیحت کرنے کی وجہ سے وہ اس خرابی سے باز آ جائیں جس میں وہ مبتلا ہو چکے ہیں۔ اور توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں کیونکہ اگر وہ توبہ کر لیں گے تو اللہ بھی ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ ﴾ ''جب انھوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی۔'' یعنی حرام کا ارتکاب کیا اور نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ﴿ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ''جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے، ان کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے ان کو پکڑ لیا۔'' یعنی معصیت کا ارتکاب کرنے والوں کو پکڑ لیا ﴿ بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍ ﴾ ''برے عذاب میں۔'' اللہ تعالیٰ نے منع کرنے والوں کی نجات اور ظلم کرنے والوں کی ہلاکت کا واضح طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور خاموش رہنے والوں کے انجام کے ذکر سے سکوت فرمایا ہے کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے، یہ لوگ نہ تعریف کے مستحق تھے کہ ان کی تعریف کی جاتی اور نہ انھوں نے کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا تھا کہ ان کی مذمت کی جاتی۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نجات دی تھی یا نہیں؟ عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس موضوع پر ہمیشہ بات کرتا رہا حتی کہ میں نے انھیں قائل کر لیا کہ وہ نجات پا گئے تھے تو انھوں نے (انعام کے طور پر) مجھے حلہ پہنایا۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍ ﴾ ''اور جو ظلم کرتے تھے، ہم نے ان کو برے عذاب میں پکڑ لیا۔'' سے معلوم ہوا کہ جنھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا وہ تو عذاب سے دوچار ہوئے اور باقی سب نجات پا گئے تھے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ بَىِٕيْسٍ ﴾ کے معنی شدید کے ہیں۔[2] ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی دردناک کے ہیں۔[3] قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی دکھ دینے والے کے ہیں۔[4] بہر حال ان سب کے معنی قریبًا ایک ہی ہیں۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

[1] تفسیر الطبری:129/9. [2] تفسیر الطبری:135/9. [3] تفسیر الطبری:135/9. [4] تفسیر الطبری:135/9.

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ

اور ہم نے انھیں قبیلوں میں بانٹ کر زمین میں پھیلا دیا۔ ان میں سے کچھ نیک تھے اور ان میں سے کچھ اس کے سوا (بداعمال) تھے۔ اور ہم نے انھیں

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿168﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

خوش حالی اور بدحالی کے ساتھ آزمایا، شاید کہ وہ (اللہ کی طرف) لوٹ آئیں ﴿168﴾ پھر ان کے بعد نا اہل ان کے جانشین بنے، جو کتاب (تورات) کے

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ

وارث ہوئے، وہ ادنیٰ (دنیا کا) سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جلد ہمیں بخش دیا جائے گا (مگر ان کا حال یہ ہے) کہ اگر اسی جیسا گھٹیا (دنیا کا) سامان

مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

(دوبارہ) ان کے پاس آئے تو (بغیر کسی عار کے) لے لیں، کیا ان سے کتاب (تورات) میں پختہ وعدہ نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے بارے میں حق کے سوا

الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾

(کچھ) نہ کہیں؟ حالانکہ انھوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟ ﴿169﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں (انھیں ہم اجر دیں گے)، بے شک ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾

نہیں کرتے ﴿170﴾

﴿ خٰسِـِٔيْنَ ﴿166﴾ ﴾ کے معنی ذلیل، حقیر اور رسوا ہونے والوں کے ہیں۔

تفسیر آیت:167

یہودیوں کے لیے دائمی ذلت: ﴿ تَاَذَّنَ ﴾ أذان سے باب تفعُّل ہے، یعنی آگاہ کر دیا، معلوم کروا دیا یہ مجاہد کا قول ہے۔ اور دوسروں نے اس کے معنی حکم دینے کے بیان کیے ہیں۔[1] کلام میں قوت پیدا کرنے کے لیے جب اس لفظ کو استعمال کیا جائے تو یہ قسم کا معنی دیتا ہے، اسی وجہ سے ﴿ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ ﴾ ''ان پر ایسے شخص کو ضرور مسلط رکھے گا'' پر لام داخل کیا گیا ہے۔ یعنی یہودیوں پر ﴿ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ ﴾ ''قیامت تک جو ان کو بری بری تکلیفیں دیتا رہے۔'' یعنی ان کی نافرمانی، اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت کی مخالفت اور حرام کاموں کے ارتکاب کے لیے حیلہ سازی کی انھیں یہ سزا دی کہ ان پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں دیتا رہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سات سال اور ایک روایت کے مطابق تیرہ سال تک خَراج لگائے رکھا اور سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے خراج لگایا تھا۔[2] پھر یہودی یونانی، کَشدانی، اور کَلدانی بادشاہوں کے زیر نگیں رہے، پھر

[1] تفسیر طبری وغیرہ میں امام مجاہد سے وہ قول مروی ہے جو یہاں دوسروں کی طرف منسوب ہے۔ دیکھیے تفسیر الطبری:137,136/9.

[2] تفسیر الطبری:138/9.

عیسائیوں نے انھیں ذلیل ورسوا کیا اور ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا، پھر جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا میں اسلام کے ساتھ تشریف لائے تو یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے ماتحت تھے اور خراج اور جزیہ ادا کرتے تھے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ان کی ذلت ورسوائی اور ان سے جزیے کا وصول کیا جانا ہے۔[1] امام عبدالرزاق نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ جزیے کے لیے انباط کو بھیجا جائے۔[2]

پھر آخر زمانے میں یہ دجال کے مددگار رہوں گے اور مسلمان حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر ان کے خلاف جنگ کریں گے۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار جلد سزا دینے والا ہے۔'' ان لوگوں کو جو اس کی نافرمانی کرتے اور اس کی شریعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' اس کے لیے جو توبہ کرے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ نے رحمت کا عذاب کے ساتھ ملا کر اس لیے ذکر فرمایا ہے تا کہ مایوسی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر ترغیب وترہیب کو ملا کر اس لیے ذکر فرمایا ہے تا کہ نفوس امید وخوف کے درمیان کی کیفیت میں رہیں۔

تفسیر آیات: 168-170

بنی اسرائیل کا زمین میں منتشر ہونا: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کر کے زمین میں منتشر کر دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴾ (بنی إسرآئیل 17:104) ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔'' ﴿ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ ''کچھ ان میں سے نیکوکار تھے اور کچھ اس کے سوا (بدکار۔)'' یعنی ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی جیسا کہ جنوں نے اپنے بارے میں کہا تھا: ﴿ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴾ (الجن 72:11) ''اور بے شک ہم میں نیک بھی ہیں اور اس کے سوا بھی، ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔'' ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ﴾ ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے۔'' یعنی خوش حالی اور تنگ دستی سے، ترغیب وترہیب سے اور عافیت ومصیبت سے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''تا کہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

پھر فرمایا: ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى ﴾ ''پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے یہ (بے تامل) اس دنیائے دنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نسل کے بعد جس میں نیک اور بد ہر قسم کے لوگ تھے، ایسے لوگ آئے جن میں کوئی خیر وبھلائی نہ تھی، حالانکہ وہ کتاب، یعنی تورات کے وارث بنے تھے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 137/9. [2] تفسیر عبدالرزاق: 95/2، رقم: 949.

امام مجاہد آیت کریمہ: ﴿يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ ''یہ (بے تامل) اس دنیائے دَنی کا مال ومتاع لے لیتے ہیں۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھیں دنیا کی جو چیز بھی نظر آتی ہے، اسے لے لیتے ہیں، خواہ وہ حلال ہو یا حرام اور اس کے باوجود وہ مغفرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ ﴿وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ جلد ہمیں بخش دیا جائے گا اور اگر (دوبارہ) ان کے سامنے ویسا ہی مال آ جائے تو وہ اسے لے لیں۔''[1]

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یہ لوگ انتہائی ناخلف ہیں، حالانکہ یہ اپنے انبیاء اور رسولوں کے بعد کتاب کے وارث بنے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں کتاب کا وارث بنایا اور ان سے عہد و پیمان بھی لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ﴾ (مریم 59:19) ''پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ گئے تو عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) سے دوچار ہوں گے۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے امیدیں لگا رکھی ہیں اور اپنے آپ کو فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ﴿وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ﴾ ''اور اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آ جاتا ہے تو وہ بھی اسے لے لیتے ہیں۔'' یعنی کوئی بات انھیں اس سے روک نہیں سکتی، دنیا کی کوئی چیز بھی جب ان کے سامنے آتی ہے تو اسے کھا لیتے ہیں اور قطعاً پروا نہیں کرتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔[2]

سدی نے ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ تا ﴿وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ یہودی اپنے جس شخص کو بھی قاضی یا جج مقرر کرتے تو وہ رشوت لینے لگ جاتا، ان کے کچھ اچھے لوگوں نے جمع ہو کر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے اور ہرگز رشوت نہیں لیں گے لیکن ان میں سے جب بھی کسی کو منصبِ قضاء پر فائز کیا جاتا تو وہ بھی رشوت لینے لگ جاتا۔ اور جب اس سے پوچھا جاتا کہ کیا بات ہے تم نے بھی رشوت لینی شروع کر دی؟ تو وہ کہتا کہ ہاں، میں رشوت لیتا ہوں لیکن مجھے معاف کر دیا جائے گا تو باقی بنی اسرائیل اس پر طعن کرتے اور جب وہ مر جاتا یا اسے معزول کر دیا جاتا اور اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کر دیا جاتا جو پہلے پر رشوت کی وجہ سے طعن کیا کرتا تھا تو وہ بھی رشوت لینے لگ جاتا اور کہتا کہ اگر دوسرے لوگوں کے پاس یہ دنیوی مال آتا تو انھوں نے بھی تو اس مال کو لے لینا تھا۔[3]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ ''کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے؟'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس منفی طرزِ عمل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان سے تو یہ عہد و پیمان لیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کریں گے اور اسے چھپائیں گے نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز﴾

---

[1] تفسیر الطبری:142/9. [2] تفسیر الطبری:142/9. [3] تفسیر الطبری:142/9.

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ

اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ ایک سائبان تھا، اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گرنے والا ہے۔ (ہم نے کہا:) اس

بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿171﴾

(تورات) کو جو ہم نے تمھیں دی، قوت کے ساتھ پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم (برے کاموں سے) بچ جاؤ ﴿171﴾

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ○ ﴿ (آل عمران 3:187) ''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اقرار لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات کو) نہ چھپانا تو انھوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی، یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے۔''

ابن جُرَیج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ ''کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ان گناہوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی امید تو رکھتے ہیں جن کا پھر ارتکاب کرتے رہتے ہیں اور ان سے توبہ نہیں کرتے۔[1]

اور اللہ نے فرمایا: ﴿ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾ ﴾ ''اور آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟'' اللہ تعالیٰ انھیں اپنے بے پایاں اجر وثواب کی ترغیب دیتے ہوئے اور اپنے دردناک عذاب سے ڈراتے ہوئے فرما رہا ہے کہ میرا ثواب اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس شخص کے لیے بہتر ہے جو حرام کاموں کے ارتکاب سے بچ گیا جس نے اپنی خواہش نفس کو ترک کر دیا اور جو اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾ ﴾ ''کیا تم سمجھتے نہیں؟'' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جن لوگوں نے میرے پاس موجود نعمتوں کے عوض دنیا کے مال کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے، کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے جو انھیں اس بے وقوفی اور حماقت سے روکتی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کی اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہیں جو انھیں اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا درس دیتی ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ ﴾ ''اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔'' یعنی اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، اس کے احکام کو بجا لاتے ہیں اور جن کاموں سے اس نے منع کر دیا ہے، انھیں ترک کر دیتے ہیں، ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾ ﴾ ''اور نماز کا التزام کرتے ہیں (ان کو ہم اجر دیں گے کہ) بے شک ہم نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

تفسیر آیت:171

[1] تفسیر الطبری: 143/9.

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ

اور (اے نبی! یاد کرو) جب آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور انھیں ان کی جانوں پر گواہ بنایا (اور پوچھا:) کیا میں تمھارا رب

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾

نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم گواہی دیتے ہیں۔ (اللہ نے فرمایا: یہ اس لیے) کہ تم قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر

اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا

تھے ﴿172﴾ یا تم (یہ نہ) کہو کہ بے شک ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے شرک کیا تھا اور ہم ان کے بعد (ان کی) اولاد تھے، پھر کیا تو ہمیں اس (فعل) کی وجہ

فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿173﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿174﴾

سے ہلاک کرتا ہے جو گمراہ لوگوں نے کیا تھا؟ ﴿173﴾ اور اسی طرح ہم آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، شاید کہ وہ (لوگ ہماری طرف) لوٹ آئیں ﴿174﴾

یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے ان کے سروں پر کوہ طور اٹھا کھڑا کیا گیا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا ﴾ کے معنی ہیں کہ جب ہم نے اٹھا کھڑا کیا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ ﴾ (النسآء 154:6) "اور ان سے عہد لینے کو ہم نے ان پر کوہ طور اٹھا کھڑا کیا۔"[1] امام سفیان ثوری نے اعمش، انھوں نے سعید بن جبیر اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتوں نے پہاڑ کو ان کے سروں پر اٹھا کھڑا کیا تھا۔[2]

قاسم بن ابوایوب نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پھر موسیٰ علیہ السلام انھیں ارض مقدس کی طرف لے گئے، غصہ فرو ہونے کے بعد انھوں نے تختیوں کو بھی اٹھا لیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ان احکام کے مطابق عمل کریں جن کے مطابق عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو یہ بات ان پر بہت گراں گزری اور انھوں نے ان احکام کو ماننے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر پہاڑ کو اٹھا کھڑا کیا ﴿ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ﴾ "گویا وہ سائبان تھا۔"[3] امام نسائی نے اس روایت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔[4]

تفسیر آیات:172-174

اولادِ آدم سے لیے گئے عہد کا بیان: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے اقرار کروایا کہ اللہ ہی ان کا رب اور مالک ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی فطرت و جبلت پر پیدا فرمایا ہے، لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ﴾ (الروم 30:30) "تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔"

---

[1] تفسیر الطبری:145/9. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:1610/5. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:1610/5. [4] السنن الکبرٰی للنسائي، التفسیر، باب: ﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ (طٰہٰ 40:20): 405/6، حدیث:11326 اور یہ حدیث فُتُون کا حصہ ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[كُلُّ مَوْلُودٍ يُّولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ] ، [فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْيُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟]''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور کا بچہ تو پورا پیدا ہوتا ہے، کیا تم ان میں سے کسی کا کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟''[1] اور صحیح مسلم میں عِیاض بن حِمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے:[......وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ]''اور بے شک میں نے اپنے تمام بندوں کو دینِ حنیف پر پیدا کیا تھا اور بے شک شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے بہکا دیا تھا اور ان چیزوں کو حرام ٹھہرا دیا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[2] اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر انھیں اصحاب یمین (دائیں ہاتھ) اور اصحاب شمال (بائیں ہاتھ) والوں میں تقسیم کرنے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[يُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهِ؟ قَالَ : فَيَقُولُ: نَعَمْ، (قَالَ): فَيَقُولُ: قَدْ أَرَدْتُّ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ ذٰلِكَ، قَدْ أَخَذْتُ عَلَيْكَ فِي ظَهْرِ آدَمَ أَنْ لَّا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي]''قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہا جائے گا کہ یہ بتاؤ اگر تمھیں دنیا بھر کی دولت مل جائے تو کیا اسے فدیے میں دے سکتے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ جواب دے گا: ہاں، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں چھوٹا مطالبہ کیا تھا اور وہ یہ کہ میں نے تجھ سے اس وقت عہد لیا تھا جب تو آدم کی پشت ہی میں تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا مگر تو نے عہد کو پورا کرنے سے انکار کر دیا اور میرے ساتھ شرک کیا۔''[3] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِّنْهُمْ وَبِيصًا مِّنْ نُّورٍ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى آدَمَ فَقَالَ: أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ فَرَأَى رَجُلًا مِّنْهُمْ فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَقَالَ : أَيْ رَبِّ! مَنْ هٰذَا ؟ فَقَالَ: هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ يُقَالُ لَهُ: دَاوُدُ، قَالَ: رَبِّ! وَكَمْ جَعَلْتَ عُمُرَهُ؟ قَالَ: سِتِّينَ سَنَةً، قَالَ : أَيْ رَبِّ!

[1] اس کا ابتدائی حصہ صحيح البخاري ، الجنائز ، باب ماقيل في أولاد المشركين، حديث:1385 اور دوسرا حصہ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ (الروم30:30) ، حديث:4775 و صحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة......، حديث:2658 کے مطابق ہے۔ [2] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا......، حديث:2865. [3] مسند أحمد:127/3. [4] صحيح البخاري ، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث:3334 وصحيح مسلم، صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء......، حديث:2805.

(وَهَبْتُ لَهُ) مِنْ عُمْرِی أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَلَمَّا انْقَضٰى عُمْرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِی أَرْبَعُونَ سَنَةً ؟ قَالَ: أَوَ لَمْ تُعْطِهَا لِابْنِكَ دَاوُدَ؟ قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ]

'اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت سے ہر وہ روح گر گئی، جسے اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا فرمانے والا تھا۔ اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرما دی، پھر انھیں حضرت آدم کے سامنے پیش کیا تو آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تیری اولاد ہے، حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کے آنکھوں کے درمیان کی چمک انھیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئی تو انھوں نے عرض کی: یا اللہ! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ آخری امتوں میں سے تیری اولاد میں سے ایک شخص ہے جس کا نام داود ہوگا، عرض کی: یا اللہ! اس کی عمر کتنی ہوگی؟ فرمایا: ساٹھ سال، عرض کی: اے اللہ! میں نے اس کو اپنی عمر میں سے چالیس سال دیے۔

پھر جب حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیا میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داود کو نہیں دے دیے تھے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا، اسی وجہ سے آپ کی اولاد بھی انکار کر دیتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے، اسی وجہ سے اولادِ آدم بھی بھول جاتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوگئی، اسی وجہ سے آپ کی اولاد سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے اور کئی سندوں کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے امام حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا اور لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے ذکر نہیں کیا۔[2]

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور اہل جنت و اہل دوزخ میں فرق کر دیا، پھر فرمایا ہے: ﴿وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى﴾ ''اور ان سے ان کی جانوں کے متعلق اقرار کرا لیا (ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ بولے: کیوں نہیں!'' یعنی اللہ نے انھیں اس طرح وجود بخشا کہ وہ اس کی گواہی دے رہے اور زبان حال و قال سے یہ کہہ رہے تھے: کیوں نہیں! کیونکہ گواہی کبھی تو قول کے ساتھ ہوتی ہے، مثلاً: ﴿قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا﴾ (الأنعام6:130) ''وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے نفسوں پر گواہ ہیں۔'' اور کبھی گواہی زبانِ حال سے ہوتی ہے، مثلاً: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (التوبة9:17) ''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأعراف، حدیث:3076. [2] المستدرك للحاكم، التفسیر، باب تفسیر سورة الأعراف:2/325 ، حدیث:3257 وصحیح ابن حبان، حدیث:6167 قوسین والے الفاظ السنن الکبری للبیهقی:10/146 میں ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ

اور (اے نبی!) انھیں اس شخص کی خبر پڑھ سنائیں جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں مگر وہ ان (کی پابندی) سے نکل بھاگا تو اسے شیطان نے پیچھے لگا لیا، پھر وہ

مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿175﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

گمراہوں میں (شامل) ہو گیا﴿175﴾ اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیتوں) کے ذریعے سے اسے بلند درجہ دیتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک پڑا اور اپنی خواہش

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ

کے پیچھے لگ گیا، چنانچہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور اگر تو اسے چھوڑ دے تو بھی ہانپتا ہے۔ یہی مثال ان

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿176﴾ سَاۗءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ

لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، چنانچہ (اے نبی!) آپ (یہود سے) یہ قصہ بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں﴿176﴾ ان لوگوں کی مثال

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿177﴾

بری ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے﴿177﴾

دے رہے ہوں۔'' یعنی ان کا حال اس بات پر گواہ ہے، یہ نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور یہ اس فرمانِ الٰہی کی طرح ہے: ﴿وَاِنَّهٗ عَلٰي ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝﴾ (العٰدیٰت 100:7) ''اور یقیناً وہ خود اس پر گواہ بھی ہے۔''

اسی طرح سوال بھی کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے ہوتا ہے، مثلاً: ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ﴾ (إبراھیم 34:14) ''اور جو کچھ تم نے مانگا، سب میں سے تم کو عنایت کیا۔'' اور اس بات کی دلیل کہ اس سے مراد زبانِ حال کی گواہی ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس گواہی کو ان کے شرک کے بارے میں ان کے خلاف حجت قرار دیا ہے اور اگر یہ گواہی زبانِ قال سے ہوتی جیسا کہ کچھ لوگوں نے کہا ہے تو پھر بھی یہ ہر شخص کو یاد ہونی چاہیے تھی تاکہ اس کے خلاف اسے بطور حجت پیش کیا جا سکتا۔ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا اس کے بارے میں خبر دینا ہی اس کے بارے میں کافی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ تکذیب کرنے والے مشرک تو رسولوں کی پیش کردہ تمام باتوں کی اس کی بھی اور دوسری باتوں کی بھی تکذیب کرتے ہیں لیکن اسے تو ان کے خلاف ایک مستقل دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد اقرار توحید سے متعلق ان کی وہ فطرت ہے جس پر انھیں پیدا کیا گیا ہے، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿172﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا﴾ ''کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ بے شک ہم کو تو اس (توحید) کی خبر ہی نہ تھی یا یہ (نہ) کہو کہ شرک تو صرف ہمارے بڑوں نے کیا تھا۔''

تفسیر آیات: 175-177

بَلْعَم کا قصہ: امام عبدالرزاق نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ ''اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا۔'' کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے مراد (بنی اسرائیل کا) ایک آدمی ہے جس کا نام بَلْعَم بن

اَبُر تھا۔[1] شعبہ اور دیگر کئی راویوں نے از منصور اور آگے اسی سند سے یہی روایت کیا ہے۔[2] جبکہ سعید بن ابوعَرُوبہ نے قتادہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صَیفِی بن راہب ہے۔[3] قتادہ نے کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ شخص اہل بُلقاء میں سے تھا، یہ وہ اسمِ اعظم جانتا تھا جس کی بنا پر دعا قبول کی جاتی ہے اور سرکش لوگوں کے ساتھ بیت المقدس میں مقیم تھا۔[4] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص اہل یمن میں سے تھا، اسے بلعم کہا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی آیات عطا فرمائیں مگر اس نے انھیں ترک کر دیا تھا۔[5]

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی اسرائیل کا ایک عالم تھا، یہ مستجاب الدعوات تھا، مشکلات میں بنی اسرائیل اسے آگے کیا کرتے تھے۔ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے مدین کے بادشاہ کی طرف بھیجا تا کہ اسے اللہ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی جائے مگر جب اس نے اسے انعام و اکرام سے نوازا تو اس نے اس کے دین کو اختیار کر لیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو ترک کر دیا، چنانچہ یہ آیات اسی کے متعلق نازل ہوئیں۔[6] عمران بن عُیَینہ، حُصَین سے، وہ عمران بن حارث سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کا نام بلعم بن باعر تھا۔[7] ثقیف کا قول ہے کہ اس سے مراد امیہ بن ابوصلت ہے۔[8]

اس آیت کریمہ کا مشہور سبب نزول یہ ہے کہ یہ سابقہ لوگوں میں سے بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شخص تھا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف کا قول ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ مدینہ جبارین کا ایک شخص تھا جس کا نام بلعم تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اکبر جانتا تھا۔[9] علی بن ابوطلحہ ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت جب جبارین میں آئے تو بلعم کے چچازاد بھائیوں اور اس کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ موسیٰ بہت سخت آدمی ہیں اور ان کے ساتھ بہت سے لشکر ہیں اگر وہ ہم پر غالب آ گئے تو ہمیں ہلاک کر دیں گے، لہٰذا دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کو ہم سے دور ہٹا دے، اس نے جواب دیا کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تو اس سے میری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی مگر وہ لوگ مسلسل اصرار کرتے رہے حتی کہ اس نے ان کی بات مان لی اور دعا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے جو علم عطا فرمایا تھا، اس سے محروم کر دیا۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ ''تو وہ (ان کی پابندی) سے نکل گیا، پھر شیطان نے اس کو پیچھے لگا لیا۔''[10]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ''اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان آیات کے ساتھ جو ہم نے اسے عطا کی تھیں، دنیا کی گندگیوں کے ساتھ ملوث

---

(1) تفسیر عبدالرزاق:99/2:2، رقم:957 و تفسیر الطبری:161/9. (2) تفسیر الطبری:160/9. (3) تفسیر ابن أبی حاتم:1616/5. (4) تفسیر ابن أبی حاتم:1617/5. (5) تفسیر ابن أبی حاتم:1618/5. (6) تفسیر ابن أبی حاتم:1618/5. (7) تفسیر الطبری:161/9. (8) تفسیر ابن أبی حاتم:1617/5. (9) تفسیر الطبری:161/9. (10) تفسیر الطبری:166/9.

ہونے سے محفوظ رکھتے لیکن وہ تو دنیا کی زیب و زینت کی طرف مائل ہو گیا، دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کے حصول کو اس نے مقصود قرار دے لیا اور دنیا نے اسے اسی طرح فریب دیا جیسا کہ اس نے دیگر بہت سے کم عقلوں اور بے وقوفوں کو فریب خوردہ کر دیا تھا۔

ابن اسحاق نے ابو نضر سالم سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ارض شام کے بنو کنعان کے علاقے میں آئے تو بلعام کی قوم اس کے پاس آئی اور اس سے یہ کہنے لگی کہ دیکھو! یہ موسیٰ بن عمران بنی اسرائیل کے ساتھ اس لیے آئے ہیں تا کہ وہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال دیں، ہمیں قتل کر دیں اور یہاں بنی اسرائیل کو بسا دیں۔ ہم تمھاری قوم ہیں، ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں، تم مستجاب الدعوات ہو، لہٰذا گھر سے نکلو اور ان لوگوں کے لیے بددعا کرو۔ بلعام نے جواب دیا: لوگو! تم پر افسوس ہے، موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، آپ کے ہمراہ فرشتے اور مومن ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان کے لیے بددعا کروں جبکہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کے لیے بددعا کرنے کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا نتیجہ ہو گا؟ اس کی قوم نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اس طرح وہ بار بار اصرار کرتے اور اس کے پاس الحاح وزاری سے کام لیتے رہے حتی کہ انھوں نے اسے فتنے میں مبتلا کر ہی دیا۔

بلعم اپنی گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کی طرف چل دیا تا کہ وہاں سے بنی اسرائیل کے لشکر کو دیکھ سکے، یہ حُسبان[1] نامی ایک پہاڑ تھا، ابھی یہ تھوڑی دور تک ہی چلا تھا کہ گدھی زمین پر بیٹھ گئی، اس نے نیچے اتر کر اسے خوب مارا حتی کہ وہ کھڑی ہو گئی اور یہ اس پر سوار ہو گیا، اب پھر وہ تھوڑا سا چلی تھی کہ پھر بیٹھ گئی، اس نے اسے پھر مارا حتی کہ اسے اٹھنے پر مجبور کر دیا تو اس پر حجت تمام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس گدھی کو قوت گویائی بخشی اور اس نے اس سے کہا: اے بلعم! تجھ پر افسوس ہے تو کہاں جا رہا ہے؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ میرے سامنے تو فرشتے ہیں جو مجھے اس طرف جانے سے روک رہے ہیں؟ تو اللہ کے نبی اور مومنوں کی طرف اس لیے جا رہا ہے تا کہ ان کے لیے بددعا کرے؟ گدھی کی یہ بات سننے کے بعد بھی یہ اس سے نہ اترا بلکہ اس نے اسے مارنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رستے کو کھول دیا تو وہ اسے لے کر چل دی حتی کہ وہ اسے لے کر حسبان پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی جہاں موسیٰ علیہ السلام کا لشکر، یعنی بنی اسرائیل تھے، پھر اس نے ان کے لیے بددعا کرنی شروع کر دی مگر اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ یہ جب بھی کوئی بددعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو اسی کی قوم کی طرف پھیر دیتا اور یہ اپنی ہی قوم کے لیے بددعا شروع کر دیتا۔ اور جب کوئی اچھی دعا کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو بنی اسرائیل کی طرف پھیر دیتا اور یہ ان کے لیے اچھی دعائیں شروع کر دیتا۔ یہ دیکھ کر اس کی قوم نے کہا: بلعم! تجھے کچھ خبر ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟ تو بنی اسرائیل کے لیے دعا اور ہمارے لیے بددعا کر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اب یہ بات میرے بس میں نہیں رہی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مغلوب کر دیا تھا۔

پھر اس کی زبان بھی باہر نکل کر اس کے سینے پر آ گئی تو یہ کہنے لگا کہ لوگو! اب تو میری دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو گئی ہیں،

---

[1] تفسیر الطبری: 168/9 میں ''حسان'' ہے۔

اب تو سوائے مکروفریب کے اور کوئی چارہ نہیں رہا، لہٰذا میں تمھیں ایک حیلہ بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ عورتوں کا خوب میک اپ کرو اور انھیں سامان دے کر موسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں بھیج دو۔ اور ان عورتوں سے کہو کہ اگر اس لشکر کا کوئی شخص بدکاری کا ارادہ کرے تو اسے یہ موقع دیا جائے کیونکہ ان میں سے اگر ایک شخص نے بھی زنا کر لیا تو بس سمجھو کہ تمھارا کام بن گیا۔

بلعم کی قوم نے اسی حیلے کو اختیار کر لیا اور اس کی بھیجی ہوئی عورتیں جب لشکر میں پہنچیں تو ان میں سے ایک عورت جس کا نام کَسْبیٰ تھا اور وہ ایک کنعانی سردار صور کی بیٹی تھی، ایک بنی اسرائیلی سردار زَمْرِی بن شلوم کے پاس سے گزری، یہ شخص خاندان شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کا سردار تھا، اس نے اسے دیکھا تو اسے یہ بہت پسند آئی اس نے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور اسے موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے آیا اور کہنے لگا: میرا گمان یہ ہے کہ آپ کہیں گے کہ یہ عورت حرام ہے، اس کے قریب نہ جاؤ؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! بلاشبہ یہ حرام ہے تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! اس معاملے میں میں آپ کی بات نہیں مانوں گا، یہ کہہ کر وہ اسے اپنے خیمے میں لے آیا اور اس کے ساتھ اس نے بدکاری کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا۔

فِنْحاص بن عیزار بن ہارون موسیٰ علیہ السلام کا امیر لشکر تھا اور اسے کشادہ جسم اور مضبوط گرفت ودیعت تھی زَمْرِی بن شلوم نے جب بدکاری کی اس وقت یہ موجود نہیں تھا اور جب یہ واپس آیا تو طاعون نے لشکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اسے جب ساری بات بتائی گئی تو اس نے اپنے نیزے کو پکڑا جو سارے کا سارا لوہے کا بنا ہوا تھا۔ اور زمری کے خیمے میں داخل ہو گیا جس میں زَمْرِی اور کَسْبیٰ داد عیش دے رہے تھے، اس نے دونوں پر نیزے سے اس طرح وار کیا کہ نیزہ بیک وقت دونوں کے جسم میں پیوست ہو گیا، اس نے دونوں کو نیزے پر اٹھا لیا اور انھیں خیمے سے باہر لے آیا۔ یہ نیزے کو آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھا، جسے اس نے اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا، کہنی کو اس نے سہارے کے لیے اپنے پہلو کے ساتھ لگایا ہوا تھا اور نیزے کو اپنے جبڑے کا سہارا بھی دیا ہوا تھا۔ یہ عیزار کا بڑا بہادر بیٹا تھا، اس نے نیزے کو آسمان کی طرف اچھالتے ہوئے کہا کہ اے اللہ! جو تیری نافرمانی کرے، اس کے ساتھ ہم یہی سلوک کرتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے طاعون کو ختم کر دیا۔

اس طاعون کی وجہ سے ہلاک ہونے والے اسرائیلیوں کا حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ زمری کے اس عورت سے بدکاری کرنے کے وقت سے لے کر فنحاص کے اسے قتل کرنے کے عرصے تک ستر ہزار اسرائیلی طاعون سے ہلاک ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں کم سے کم تعداد جو بیان کی گئی ہے وہ بھی بیس ہزار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل ذبح کیے جانے والے جانور کی گردن، دستی اور اپنے ہر مال کے عمدہ حصے کو فنحاص کی اولاد کی نذر کر دیا کرتے تھے۔ اسی بَلْعام بن باعوراء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ﴾ تا ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٧٦﴾ ﴾ تک آیات کو نازل فرمایا ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ﴾ ''تو اس کی

[1] تفسیر الطبری:9/167-169.

مثال کتے کی سی ہوگی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔'' مفسرین کا اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کی سالم اوران کی ابونضر سے روایت کے مطابق بلعام کی زبان نکل کر چونکہ اس کے سینے پر آ گئی تھی، اس لیے مذکورہ بالا دونوں حالتوں میں کتے کے ساتھ اس کی تشبیہ بالکل ظاہر ہے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ضلالت وگمراہی اور اسی کو اختیار کیے رکھنے اور ایمان کی طرف دعوت دینے سے فائدہ نہ اٹھانے کے اعتبار سے اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس پر سختی کرو تو پھر بھی ہانپتا ہے اور نہ کرو تو پھر بھی اپنی زبان باہر نکالے رکھتا ہے، اسی طرح اس شخص کو بھی نصیحت کی جائے یا نہ کی جائے، ایمان کی دعوت دی جائے یا نہ دی جائے دونوں حالتیں برابر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝﴾ (البقرۃ 6:2) ''انھیں آپ نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ﴾ (التوبۃ 80:9) ''آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (بات ایک ہے) اگر ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔''

اس آیت کریمہ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ کافر، منافق اور گمراہ انسان کا دل کمزور اور ہدایت سے خالی ہوتا ہے اور کثرت سے دھڑکتا ہے، اس کے دل کی اس حالت کو اس مثال کے ذریعے سے بیان کیا گیا ہے، امام حسن بصری اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے اس سے ملتے جلتے آثار منقول ہیں۔[1]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ۝﴾ ''تو (ان سے) یہ قصہ بیان کر دو تاکہ وہ غور وفکر کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے یہ فرمایا ہے کہ یہ قصہ بیان کر دو شاید وہ بنی اسرائیل فکر کریں جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بلعام کو گمراہ کر کے کس طرح اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جو اللہ نے اسے اسم اعظم سکھا کر عطا فرمائی تھی کہ وہ نام لے کر اس سے سوال کیا جائے تو وہ ضرور عطا کرتا ہے اور دعا کی جائے تو وہ ضرور قبول فرماتا ہے مگر اس نے اس کی اطاعت میں صرف کرنے کے بجائے اس کی جماعت، لشکرِ ایمان اور اس زمانے کے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے خلاف بد دعا کرنے میں استعمال کی تھی۔

اور اس واقعے کو سن کر وہ اس جیسا کردار ادا کرنے سے اجتناب کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی علم سے نوازا ہے اور اعراب وغیرہ کی نسبت انھیں فضیلت علمی سے سرفراز ا ہے، ان کے ہاتھوں میں حضور اقدس ﷺ کے بارے میں ایسی نشانیاں پھیلا دی ہیں جن سے وہ آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح یہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ یہ دوسرے لوگوں کی نسبت سب سے پہلے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالائیں اور آپ کی تائید وحمایت میں اٹھ کھڑے ہوں جیسا کہ آپ کے بارے میں ان کے انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی انھیں اطلاع دی اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالانے کا حکم دیا تھا۔

[1] تفسیر الطبری:173,172/9.

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿178﴾

جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے (اللہ) گمراہ کر دے تو یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿178﴾

یہی وجہ ہے کہ ان میں سے جس نے بھی اپنی کتاب کی مخالفت کی، اس میں لکھی ہوئی باتوں کو چھپایا اور ان کے بارے میں لوگوں کو نہ بتایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا ہی میں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دیا، آخرت کی ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی اس کے علاوہ ہوگی۔

﴿ سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے۔'' کہ انھیں ان کتوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جن کی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور نفس پرستی ہے۔ اسی طرح جو شخص بھی علم اور ہدایت سے باہر نکل جائے، شہوت پرستی کو اختیار کر لے اور خواہشات نفس کا بندہ بن جائے تو اس کی مثال کتے کی سی ہے جو بدترین مثال ہے، اسی وجہ سے صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ ، اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ] ''ہمارے لیے بری مثال نہیں ہے لیکن جو شخص کسی چیز کو دے کر واپس لے لے اس کی مثال ایسے ہے، جیسے کتا اپنی قے کو چاٹ لے۔''①

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿177﴾ ﴾ ''اور انھوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنے آپ پر خود ہی ظلم کیا کہ ہدایت کی اتباع اور اپنے مولیٰ کی اطاعت سے روگردانی کی، عارضی اور فانی دنیا کو اپنا مقصود قرار دے لیا اور نفسانی خواہشوں اور لذت پرستیوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔

تفسیر آیت:178

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے تو وہ یقینی طور پر خائب و خاسر اور گمراہ ہو گیا اور اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: [إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ ، نَحْمَدُهُ ، وَنَسْتَعِينُهُ ، (وَنَسْتَهْدِيهِ) وَنَسْتَغْفِرُهُ ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ......] ''بے شک سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اس کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے عملوں سے پناہ چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں......'' اس حدیث کو امام احمد، اہل سنن اور دیگر محدثین

① صحیح البخاری، الهبة وفضلها والتحریض علیها، باب: لا یحل لأحد أن یرجع فی هبته وصدقته، حدیث:2622 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. وجامع الترمذی، البیوع، باب ما جاء فی کراهیة الرجوع فی الهبة، حدیث:1298 و اللفظ له .

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ

اور تحقیق ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں تو ہیں

وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ

(مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھتے نہیں، اور ان کے کان تو ہیں (مگر) وہ ان سے (حق بات) سنتے نہیں، وہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿179﴾

گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں ﴿179﴾

نے بیان فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیت:179

کفر اور تقدیر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ ''اور تحقیق ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں۔'' یعنی ہم نے انھیں دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ دوزخیوں جیسے کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو وہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی یہ جانتا تھا کہ وہ کس طرح کے عمل کریں گے۔ اور اپنے اس علم کے مطابق ہی اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے بھی پچاس ہزار سال قبل ان تمام باتوں کو اپنے پاس ایک کتاب میں لکھ لیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ] ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے تحریر فرمایا تھا اور آپ نے فرمایا: اس کا عرش پانی پر تھا۔''[2]

اس کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں، تقدیر کا مسئلہ بہت اہم ہے لیکن اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا﴾ ''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں۔'' یعنی اپنے ان اعضاء سے فائدہ حاصل نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے سبب ہدایت بنا دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ

[1] مسند أحمد:432/1 وسنن أبي داود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث:2118 وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، حديث:1105 وسنن النسائي، النكاح، باب ما يستحب من الكلام عند النكاح، حديث: 3280,3279 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب خطبة النكاح، حديث:1892 واللفظ له ومسند أبي يعلى:5233 امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ضماد ازدی رضی اللہ عنہ کے قصے کے تحت اس خطبے کو بیان فرمایا ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 868 اور [وَنَسْتَهْدِيهِ] ہمیں نہیں ملا۔ [2] صحيح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسى علیہما السلام، حديث: 2653.

اللّٰہِ ﴾ (الأحقاف46:26) ”اور ہم نے انھیں کان، آنکھیں اور دل دیے تھے جبکہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ کام آ سکے اور نہ آنکھیں اور نہ دل۔“

اور فرمایا: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة2:18) ”(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔“ یہ منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے اور کافروں کے بارے میں یہ فرمایا ہے: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة2:171) ”(یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔“ یعنی یہ لوگ ہدایت قبول کرنے سے بہرے، گونگے اور اندھے تھے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ جسمانی طور پر ان میں یہ معذوری تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ﴾ (الأنفال8:23) ”اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا تو ان کو ضرور سنا دیتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سنا دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔“

اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (الحج22:46) ”بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 37,36:43) ”اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ اور بے شک یہ (شیطان) ان کو رستے سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک سیدھے رستے پر ہیں۔“

﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ ﴾ ”یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں۔“ یعنی یہ لوگ جو حق کو سنتے نہیں، اسے یاد نہیں رکھتے اور نہ ہدایت کو دیکھتے ہیں تو یہ ان چوپایوں کی طرح ہیں جو اپنے ان حواس سے دنیا کی زندگی کے ظاہر کے سوا اور کسی معاملے میں فائدہ نہیں اٹھاتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ ﴾ (البقرة2:171) ”اور جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی (جانور) کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔“ یعنی ایمان کی طرف انھیں دعوت دینے کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی چرواہا جب اپنے جانوروں کو بلاتا ہے تو وہ صرف اس کی آواز سنتے ہیں مگر جو کچھ وہ کہتا ہے اسے سمجھتے نہیں۔

اسی لیے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ ﴾ ”بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔“ یعنی چوپایوں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ چوپائے تو اپنے چرواہے کی بات کو اس وقت مانتے ہیں جب وہ ان پر سختی کرے، خواہ وہ اس کی بات کو نہ سمجھتے ہوں لیکن ان لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پھر چوپائے تو وہ کام کرتے ہیں جس کے لیے انھیں پیدا کیا گیا ہے، خواہ وہ کام کرنا ان کی طبیعت میں رکھ دیا گیا ہو یا اس کام کے لیے انھیں مجبور کر دیا گیا ہو، تاہم کافر کا معاملہ اس کے خلاف ہے

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اور اللہ ہی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں، لہٰذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو، اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو اس کے ناموں میں کج روی

اَسْمَآىِٕهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿180﴾

اختیار کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، جلد اس کی سزا پائیں گے ﴿180﴾

کہ اسے تو صرف اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اسے وحدہ لاشریک مانے مگر اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کو اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں وہ روز قیامت فرشتوں سے افضل ہوں گے۔ اور جو انسان کفر کرتے ہیں، ان سے تو چوپائے اچھے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿179﴾﴾ ''یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے۔ یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

تفسیر آیت:180

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّ تِسْعِينَ اسْمًا ، مِّائَةً إِلَّا وَاحِدًا ، مَّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ]، [وَهُوَ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو جو انھیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وہ وتر کو پسند فرماتا ہے۔'' اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے۔[1]

یاد رہے! اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے ہی میں منحصر نہیں ہیں۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد نے مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَّلَا حَزَنٌ فَقَالَ: اللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ (وَابْنُ عَبْدِكَ) وَابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ (الْعَظِيمَ) رَبِيعَ قَلْبِي، وَ نُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي وَذَهَابَ هَمِّي، إِلَّا أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا، قَالَ: فَقِيلَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَلَا نَتَعَلَّمُهَا؟ فَقَالَ: بَلٰى! يَنْبَغِي لِمَنْ سَمِعَهَا أَنْ يَّتَعَلَّمَهَا]

''جس شخص کو جب بھی کوئی غم و حزن لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ! بے شک میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم میرے حق میں نافذ ہے، تیرا ہر فیصلہ میرے حق میں عین

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، الشروط، باب مایجوز من الاشتراط......، حدیث: 2736 اور آخری جز کے لیے دیکھیے الدعوات، باب: للّٰہ مائۃ اسم غیر واحدۃ، حدیث:6410 وصحیح مسلم، الذکر والدعاء والتوبۃ......، باب فی أسماء اللّٰہ تعالٰی......، حدیث:2677.

22 ع 10 12

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿181﴾ ع

اور جنھیں ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک گروہ (ان لوگوں کا) ہے جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں ﴿181﴾

انصاف ہے۔ میں تیرے ہر اس نام کے وسیلے سے، جسے تو نے خود اپنا نام رکھا یا اسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا، اپنی کتاب میں نازل فرمایا یا تو نے اسے علم غیب میں اپنے پاس ہی محفوظ رکھا، میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار، سینے کا نور، میرے غم کا ازالہ اور پریشانی کو دور کرنے کا مداوا بنا دے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مصیبت، پریشانی اور غم و فکر کو دور فرما کر اسے خوشی اور مسرت سے بدل دے گا۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم اس دعا کو سیکھ نہ لیں؟ فرمایا: جو بھی مسلمان اس دعا کو سنے اسے چاہیے کہ اسے ضرور سیکھ لے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ﴾ ''اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں، ان کو چھوڑ دو۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مُلحدین کا الحاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں انھوں نے لات کو بھی شامل کر دیا۔[2] ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عزیز سے عُزّٰی اور اللہ سے لات کو مشتق کر لیا تھا۔[3] امام قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ يُلْحِدُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے اسماء میں شرک کرتے ہیں۔[4]

عربی زبان میں الحاد کے اصل معنی اعتدال سے اعراض کر کے دوسری طرف جھک جانا، ظلم کرنا اور منحرف ہو جانا ہیں۔ قبر کی لحد کو بھی اسی لیے لحد کہا جاتا ہے کہ وہ گڑھے کی سمت سے قبلے کی جہت جھکی ہوتی ہے۔

تفسیر آیت :181

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ ﴾ ''اور ہماری مخلوقات میں سے'' ﴿ اُمَّةٌ ﴾ ''وہ لوگ ہیں۔'' یعنی جو قول اور عمل کے اعتبار سے حق پر قائم ہیں۔ ﴿ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ﴾ ''جو حق کا رستہ بتاتے ہیں۔'' یعنی حق بات کہتے ہیں اور حق ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ﴿ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿181﴾ ﴾ ''اور اس کے موافق انصاف کرتے ہیں۔'' یعنی خود بھی اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اسی کے مطابق دوسروں کے فیصلے کرتے ہیں۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں امت سے مراد امت محمدیہ ہے۔[5]

صحیحین میں معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ]، [وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ] وَفِي رِوَايَةٍ : [حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ] وَفِي رِوَايَةٍ : [وَّ هُمْ بِالشَّامِ] ''میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق کے ساتھ غالب

[1] مسند أحمد: 391/1 و صحیح ابن حبان: 253/3 ، حدیث: 972 و مسند أبی یعلٰی: 199,198/9 ، حدیث: 5297. جبکہ [العظیم] ہمیں کتب احادیث میں نہیں ملا۔ [2] تفسیر الطبری: 178/9 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1623/5. [3] تفسیر الطبری: 179/9. [4] تفسیر الطبری: 179/9. [5] تفسیر الطبری: 180/9 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1623/5.

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ہم ضرور انھیں بتدریج پکڑیں گے جہاں سے انھیں علم تک نہ ہوگا﴿182﴾ اور میں انھیں مہلت دیتا ہوں، بے شک

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿183﴾

میری تدبیر نہایت مضبوط ہے﴿183﴾

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتہ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (نبی) کو کوئی جنون (لاحق) نہیں؟ وہ تو صاف صاف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں﴿184﴾

رہے گا، اسے رسوا کرنے والا یا اس کی مخالفت کرنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔‘‘[1] ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ’’وہ غالب ہی رہے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا۔‘‘[2] اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ’’یہ گروہ شام میں ہوگا۔‘‘[3]

تفسیر آیات:183,182

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿182﴾ ﴾ ’’اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔‘‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں ان کے لیے رزق اور اسباب معیشت کے دروازے کھول دے گا حتی کہ وہ مبتلائے فریب ہو کر اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگ جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:45,44) ’’پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں، خوب خوش ہو گئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے، پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔‘‘ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿183﴾ ﴾ ’’اور میں ان کو مہلت دیے جاتا ہوں، یقیناً میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔‘‘

تفسیر آیت:184

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا سکتہ ﴾ ’’کیا انھوں نے غور نہیں کیا؟‘‘ یعنی ہماری آیات کی تکذیب کرنے والے ان لوگوں نے کہ ﴿ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ﴾ ’’ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے۔‘‘

[1] صحیح البخاری، المناقب، باب: 28، حدیث:3641 لیکن اس کا پہلا حصہ صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: لا تزال طائفة ......، حدیث:1920 حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔ اور [حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ] صحیح البخاری، الاعتصام، بالكتاب والسنة، باب قول النبی ﷺ لا تزال طائفة......، حدیث:7312 وصحیح مسلم، حدیث:1922 میں ہے۔ [2] صحیح البخاری، المناقب، باب: 28، حدیث:3641. [3] أیضًا، البتہ یہ الفاظ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہیں۔

اَوَ لَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ

کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر نظر نہیں ڈالی، اور (اس پر غور نہیں کیا کہ) شاید ان کی موت قریب

يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾

آ گئی ہو؟ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟﴿185﴾

بلکہ وہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں جو حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾﴾ ''وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی کھلم کھلا ڈرانے والے ہیں اسے جس میں عقل ہو اور سمجھنے اور یاد کرنے والا دل ہو۔ یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴾ (التکویر 22:81) ''اور (مکے والو) تمھارے رفیق (محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴾ (سبا 46:34) ''کہہ دیجیے کہ میں تمھیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو تمھارے رفیق کو کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو عذاب سخت (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی میرا تم سے مطالبہ یہ ہے کہ تم بغیر کسی تعصب اور عناد کے اللہ کے لیے خالص ہو کر کھڑے ہو جاؤ، ﴿مَثْنٰى وَفُرَادٰى﴾ یعنی اکٹھے ہو کر بھی، الگ الگ بھی ﴿ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا﴾ ''پھر تم غور کرو'' کہ یہ شخص جو تمھارے پاس پیغام الٰہی لے کر آیا ہے، کیا اسے کوئی جنون ہے یا نہیں؟ جب تم ایسا کرو گے تو تمھارے سامنے یہ حقیقت یقیناً واضح ہو جائے گی کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے سچے اور پکے رسول ہیں۔

قتادہ بن دِعامہ نے کہا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کوہ صفا پر تشریف فرما تھے کہ آپ نے قریش کو یا بنی فلاں یا بنی فلاں ایک ایک شاخ کا نام لے کر مخاطب فرمایا۔ اور انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گزشتہ و پیش آمدہ واقعات سے ڈرایا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ تمھارے یہ رفیق تو مجنون ہیں جنھوں نے ساری رات تمھیں آوازیں دیتے ہوئے گزاری ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿184﴾﴾ ''کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق (محمد ﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے، وہ تو صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔''[1]

تفسیر آیت:185

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہماری آیات کی تکذیب کرنے والے ان لوگوں نے کیا آسمانوں اور زمین میں ہماری حکومت و سلطنت کو نہیں دیکھا؟ اور نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیا کیا پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا اس پر غور کریں اور عبرت حاصل کریں اور اس حقیقت کو جان لیں کہ یہ حکومت و سلطنت اس کی ہے جس کی کوئی نظیر اور کوئی شبیہ نہیں ہے۔ اور یہ سارا کارخانۂ قدرت

[1] تفسیر الطبری:9/182.

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿186﴾

جسے اللہ گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور وہ انھیں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿186﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

(اے نبی!) وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کونسا ہے؟ کہہ دیجیے: اس کا علم تو میرے رب ہی

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا

کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت ہی پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہوگی۔ وہ (قیامت) تمھارے پاس بس اچانک ہی

بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

آئے گی۔ وہ (لوگ) آپ سے سوال کرتے ہیں جیسے آپ اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہیں۔ کہہ دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿187﴾

اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿187﴾

اس ذات گرامی نے سجایا ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ نہایت اخلاص کے ساتھ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اگر یہ لوگ اس بات پر غور کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے، اس کے رسول کی تصدیق کریں گے۔ اور اس کی اطاعت و بندگی کو اختیار کر لیں گے۔ اور معبودان باطلہ کو ترک کر دیں گے۔ اور اس بات سے ڈریں گے کہ مبادا ان کی موت کا وقت نہ آ جائے اور کہیں وہ اپنے کفر ہی پر فوت ہو کر جہنم رسید نہ ہو جائیں۔

اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿185﴾﴾ ”تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟“ یعنی محمد ﷺ کے اس ڈرانے اور سمجھانے کے بعد اب یہ اور کس ڈر اور خوف پر ایمان لائیں گے اگر یہ لوگ اس بات کی تصدیق نہیں کرتے جسے محمد ﷺ اللہ کے پاس سے لائے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیات میں مذکور ہے تو پھر یہ لوگ اور کس بات کی تصدیق کریں گے؟ پھر فرمایا:

تفسیر آیت:186

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کے لیے وہ ضلالت کو لکھ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، خواہ وہ اس کے لیے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے، وہ اس کے کچھ کام نہیں آ سکتی۔ ﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ (المآئدة 41:5) ”اور جس کسی کو اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔“ اسی طرح فرمایا: ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ○﴾ (یونس 101:10) ”(ان کفار سے) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے؟ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے نشانیاں اور ڈراوے کچھ کام نہیں آتے۔“

تفسیر آیت:187

قیامت کا بیان اور اس کی علامات: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ ﴾ ''(یہ لوگ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ﴾ (الأحزاب 63:33) ''لوگ آپ سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی؟)'' کہا گیا ہے کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یہود کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور مکے کے لوگ قیامت کے وقوع کو بعید سمجھتے اور اس کے وجود کی تکذیب کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ (الملك 25:67) ''اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعید کب (پوری) ہوگی؟'' اور فرمایا: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 18:42) ''جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کررہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ دیکھو! بے شک جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں، وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔''

اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ ﴾ ''اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے؟'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی ہیں: مُنْتَهَاهَا[1] یعنی دنیا کی مدت کا آخری حصہ کب ہوگا؟ جو کہ قیامت کے وقت کا ابتدائی حصہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کردے گا۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ جب آپ سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا جائے تو آپ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیں کیونکہ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کردے گا۔ اور وہی متعین طور پر اس کے وقت کو جانتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی بھی اسے نہیں جانتا، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ ''وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری (بات) ہوگی۔''

عبدالرزاق نے مَعْمَر سے اور انھوں نے قتادہ سے اس کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا علم آسمانوں اور زمین والوں پر بہت گراں ہے کہ وہ اسے نہیں جانتے۔[2] معمر نے امام حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو وہ آسمانوں اور زمین والوں پر بہت شاق اور دشوار ہوگی۔[3] ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن ہر ایک مخلوق کو اس دن کا کچھ نہ کچھ ضرر ضرور پہنچے گا۔[4] ابن جُرَیج فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب قیامت آئے گی تو آسمان پھٹ جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، سورج لپیٹ دیا جائے گا اور پہاڑ چلا دیے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے، اسی طرح ہوگا، یہی وجہ ہے کہ قیامت بہت بھاری ہوگی۔[5] سدی کہتے ہیں

---

[1] تفسير الطبري:184/9. [2] تفسير عبدالرزاق:102/2، رقم: 964. [3] تفسير عبدالرزاق:102/2، رقم: 964. [4] تفسير ابن أبي حاتم:1627/5. [5] تفسير الطبري:186/9.

کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ آسمانوں اور زمین میں مخفی ہے اس کے برپا ہونے کے وقت کے بارے میں نہ کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے اور نہ کوئی نبی مُرسَل۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً﴾ ''وہ ناگہاں تم پر آ جائے گی۔'' قیامت اچانک آئے گی کہ لوگ اس سے غافل ہوں گے۔ قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ وہ اچانک آئے گی اور اس کے بارے میں ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ السَّاعَةَ تَهِيجُ بِالنَّاسِ ، وَالرَّجُلُ يُصْلِحُ حَوْضَهُ وَالرَّجُلُ يَسْقِي مَاشِيَتَهُ وَالرَّجُلُ يُقِيمُ سِلْعَتَهُ فِي السُّوقِ وَالرَّجُلُ يَخْفِضُ مِيزَانَهُ وَيَرْفَعُهُ] ''بے شک قیامت لوگوں پر اس طرح ہلچل مچا دے گی کہ کوئی اپنے حوض کو درست کر رہا ہو گا، کوئی اپنے مویشی کو پانی پلا رہا ہو گا، کوئی بازار میں اپنے سامان تجارت کی نمائش کر رہا ہو گا اور کوئی اپنے ترازو کو نیچا اور اونچا کر رہا ہو گا۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا ، فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ ، فَذٰلِكَ حِينَ: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ إِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الأنعام6:158)، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا، فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يُلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أَحَدُكُمْ أُكْلَتَهُ إِلٰى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا]

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو گا جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور لوگ اسے طلوع ہوتا ہوا دیکھ لیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت ''کسی بھی ایسے نفس کے لیے ایمان لانا مفید نہ ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو گا یا جس نے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔'' قیامت قائم ہو گی تو اس وقت دو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہو گا مگر وہ نہ تو اس کی خرید و فروخت مکمل کر پائیں گے اور نہ اسے لپیٹ ہی سکیں گے۔ قیامت قائم ہو گی تو ایک شخص اپنے جانور کا دودھ دوہ کر لایا ہو گا مگر وہ اسے پی نہ سکے گا۔ قیامت قائم ہو گی تو ایک شخص اپنے حوض کو ٹھیک ٹھاک کر رہا ہو گا مگر وہ اس میں سے (اپنے جانوروں کو) پانی نہ پلا سکے گا۔ اور جب قیامت قائم ہو گی تو ایک شخص نے منہ میں ڈالنے کے لیے لقمہ اٹھایا ہو گا مگر وہ اسے کھا نہ سکے گا۔''[3]

ارشاد الٰہی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ ''یہ آپ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ گویا آپ اور ان کے مابین

[1] تفسیر الطبری:185/9. [2] تفسیر الطبری:186/9 یہ روایت مرسل ہے لیکن اس کے بعد والی روایت اس کے بعض حصے کی شاہد ہے۔ [3] صحیح البخاری، الرقاق، باب: 40 ، حدیث:6506 لیکن یہاں تک یہ آیت کریمہ، حدیث:7121 میں ہے اور وہ مفصل ہے و مسند أحمد:369/2 مختصرًا.

محبت ہے اور گویا آپ ان کے دوست ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے سوال اس انداز سے کیا، گویا آپ اس کے بارے میں بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ انھیں یہ بتا دیں کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اور اس نے اسے اپنے ہی پاس رکھا ہے۔ اور اس کے بارے میں کسی بھی مقرب فرشتے یا اپنے کسی بھی رسول کو مطلع نہیں کیا۔[1]

مجاہد سے بروایت ابن ابو نَجیح وغیرہ صحیح قول یہ ہے کہ گویا آپ نے اس کے متعلق اس قدر چمٹ کر سوال کیے حتی کہ اس کے وقت کو جان لیا۔[2] حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ گویا آپ اس کے متعلق جانتے ہیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم اپنی مخلوق سے مخفی رکھا ہے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ …… ﴾ الآیة (لقمٰن 34:31) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے……''[3] اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔''

چنانچہ جبریل علیہ السلام جب ایک اعرابی کی صورت میں آئے تھے تا کہ لوگوں کو دین سکھائیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رہنمائی طلب کرنے والے ایک سائل کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ اور انھوں نے آپ سے اسلام، ایمان اور احسان کے بارے میں سوالات کیے، پھر یہ بھی پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کا جواب یہ دیا: [مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ] ''مسئول کو اس کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔'' یعنی میں اس کے بارے میں تم سے زیادہ نہیں جانتا اور نہ کوئی ایک کسی دوسرے سے زیادہ جانتا ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ …… ﴾ الآیة (لقمٰن 34:31) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے……'' کی تلاوت فرمائی۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے آپ سے قیامت کی علامات کے بارے میں پوچھا تو آپ نے قیامت کی علامات کو بیان کر دیا،[5] پھر فرمایا: [فِي خَمْسٍ لَّا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ] ''پانچ چیزیں ایسی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، پھر آپ نے اس آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ …… ﴾ الآیة (لقمٰن 34:31) کی تلاوت فرمائی۔[6] جبریل آپ کے ہر جواب کے بعد کہتے کہ آپ نے سچ فرمایا ہے، اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سائل کے بارے میں تعجب کا اظہار کیا تھا کہ یہ سوال بھی کرتا ہے، پھر تصدیق بھی کرتا ہے اور جب چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [……فَإِنَّهُ جِبْرَئِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ] ''بے شک یہ جبریل تھے جو تمھارے پاس اس لیے آئے تھے تا کہ تمھیں دین

---

[1] تفسیر الطبری: 187/9. [2] تفسیر الطبری: 188/9. [3] تفسیر الطبری: 189/9. [4] ملخص از صحیح البخاری، الإیمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان……، حدیث: 50 مطولاً. وصحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 8. [5] صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 8 وجامع الترمذی، الإیمان، باب ما جاء فی وصف جبریل للنبی ﷺ، حدیث: 2610 ومسند أحمد: 27/1. [6] صحیح البخاری، حوالہ مذکورہ وصحیح مسلم، حدیث: 9.

سکھائیں۔‘‘[1] ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے فرمایا:[وَمَا أَتَانِي فِي صُورَةٍ إِلَّا عَرَفْتُهُ غَيْرَ هٰذِهِ الصُّورَةِ] ’’جبریل میرے پاس جب بھی کسی صورت میں آئے تو میں نے انھیں پہچان لیا مگر اس صورت میں انھیں نہ پہچان سکا۔‘‘[2]

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اعرابی لوگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے کہ وہ کب آئے گی؟ تو آپ ان میں سب سے کم عمر شخص کو دیکھتے اور فرماتے:[إِنْ يَّعِشْ هٰذَا لَمْ يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ قَامَتْ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ] ’’کہ اگر یہ زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہیں آئے گا حتی کہ تم پر قیامت قائم ہو جائے گی۔‘‘[3] آپ کا اشارہ ان کی موت کی طرف ہوتا تھا جو انھیں برزخ میں پہنچا دے گی۔ پھر امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا......، تو آپ نے فرمایا:[إِنْ يَّعِشْ هٰذَا الْغُلَامُ فَعَسٰى أَنْ لَّا يُدْرِكَهُ الْهَرَمُ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ] ’’اگر یہ بچہ زندہ رہا تو ہو سکتا ہے کہ اس کے بوڑھے ہونے سے پہلے پہلے قیامت آ جائے۔‘‘[4] اسی سند سے اور انھی الفاظ سے یہ روایت صحیحین میں سے صرف صحیح مسلم ہی میں ہے۔[5]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے یہ ارشاد فرما رہے تھے:[تَسْأَلُونِّي عَنِ السَّاعَةِ ؟ وَإِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ! وَأُقْسِمُ بِاللّٰهِ! مَا عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ الْيَوْمَ مِنْ نَّفْسٍ مَّنْفُوسَةٍ تَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ] ’’تم مجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، حالانکہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج زمین پر جو جاندار بھی موجود ہے، وہ سو سال بعد موجود نہیں ہوگا۔‘‘ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[6] صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے، مزید براں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اس صدی کے اختتام سے قبل اس وقت موجود سب لوگ فوت ہو جائیں گے۔[7]

امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَقِيتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي إِبْرَاهِيمَ وَمُوسٰى وَ عِيسٰى ، قَالَ: فَتَذَاكَرُوا أَمْرَ السَّاعَةِ ، فَرَدُّوا أَمْرَهُمْ إِلٰى إِبْرَاهِيمَ عليه السلام، فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِي بِهَا ، فَرَدُّوا الْأَمْرَ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِي بِهَا فَرَدُّوا الْأَمْرَ إِلٰى عِيسٰى فَقَالَ عِيسٰى : أَمَّا وَجْبَتُهَا فَلَا

---

[1] صحیح البخاری، حوالہ مذکورہ و صحیح مسلم، حدیث: 8 و اللفظ له اور جبریل علیہ السلام کے تصدیق اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعجب کرنے کا ذکر صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ [2] مسند أحمد:53,52/1. [3] صحیح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حدیث: 2952. [4] صحیح مسلم: أیضا، حدیث:2953 . [5] صحیح البخاری، الأدب، باب ماجاء فی قول الرجل: ویلك، حدیث:6167 اور اس میں ایک واقعہ ہے۔ [6] صحیح مسلم، فضائل الصحابة،باب بیان معنی قوله ﷺ:[علی رأس مائة سنة......] حدیث:2538 اور الیوم بعض دوسرے طرق میں ہے۔ [7] صحیح البخاری، مواقیت الصلاة، باب السمر فی الفقه والخیر بعد العشاء، حدیث: 601 وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب بیان معنی قوله ﷺ: [علی رأس مائة سنة......] حدیث:2537.

يَعْلَمُهَا أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، ذٰلِكَ وَفِيمَا عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ أَنَّ الدَّجَّالَ خَارِجٌ ، قَالَ: وَمَعِي قَضِيبَانِ، فَإِذَا رَآنِي ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الرَّصَاصُ، قَالَ: فَيُهْلِكُهُ اللّٰهُ حَتّٰى إِنَّ الْحَجَرَ وَالشَّجَرَ لَيَقُولُ: يَا مُسْلِمُ! إِنَّ تَحْتِي كَافِرًا، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ ، قَالَ : فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ إِلٰى بِلَادِهِمْ وَأَوْطَانِهِمْ ، قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَخْرُجُ يَأْجُوجُ وَ مَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ ، فَيَطَأُونَ بِلَادَهُمْ لَا يَأْتُونَ عَلٰى شَيْءٍ إِلَّا أَهْلَكُوهُ، وَلَا يَمُرُّونَ عَلٰى مَاءٍ إِلَّا شَرِبُوهُ ، ثُمَّ يَرْجِعُ النَّاسُ إِلَيَّ فَيَشْكُونَهُمْ، فَأَدْعُوا اللّٰهَ عَلَيْهِمْ فَيُهْلِكُهُمُ اللّٰهُ وَيُمِيتُهُمْ حَتّٰى تَجْوَى الْأَرْضُ مِنْ نَّتْنِ رِيحِهِمْ ، قَالَ : فَيُنْزِلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَطَرَ فَتَجْرُفُ أَجْسَادَهُمْ حَتّٰى يَقْذِفَهُمْ فِي الْبَحْرِ]

''معراج کی رات ابراہیم، موسیٰ ، اور عیسیٰ علیہم السلام سے میری ملاقات ہوئی تو انھوں نے قیامت کا ذکر کیا اور اس معاملے کو حضرت ابراہیم کے سپرد کر دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انھوں نے فرمایا: مجھے اس کا علم نہیں ہے، پھر انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کر دیا تو انھوں نے فرمایا: جہاں تک قیامت کے دھماکے کا تعلق ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں ہے یہ بات اسی طرح ہے، ہاں! البتہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ ضرور فرمایا ہے کہ دجال خروج کرنے والا ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دو چھڑیاں ہوں گی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا حتی کہ حجر و شجر بھی کہیں گے کہ اے مسلمان! میرے نیچے کافر چھپا ہوا ہے، آؤ اور اسے قتل کر دو تو اللہ تعالیٰ سب کافروں کو ہلاک کر دے گا۔ پھر لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کی طرف لوٹ جائیں گے تو اس وقت یاجوج اور ماجوج نکلیں گے۔ اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ اور اپنے شہروں کو روند ڈالیں گے۔ اور جس چیز کے پاس سے گزریں گے اسے تباہ و برباد کر دیں گے، پانی کے جس ذخیرے کے پاس سے گزریں گے اسے پی جائیں گے۔ لوگ میرے پاس آ کر ان کی شکایت کریں گے تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بددعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کر دے گا اور مار دے گا۔ ان کی گلی سڑی لاشوں کی وجہ سے زمین سخت بدبودار ہو جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا اور بارش ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں لے جائے گی۔''

امام احمد نے یزید بن ہارون سے روایت کیا ہے کہ پھر پہاڑوں کو اڑا کر بکھیر دیا جائے گا اور زمین کو کھال کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔ پھر ہُشَیم کی روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں: [فَفِيمَا عَهِدَ إِلَيَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ أَنَّ ذٰلِكَ إِذَا كَانَ كَذٰلِكَ ، فَإِنَّ السَّاعَةَ كَالْحَامِلِ الْمُتِمِّ الَّتِي لَا يَدْرِي أَهْلُهَا مَتٰى تَفْجَؤُهُمْ بِوِلَادِهَا[1] لَيْلًا أَوْ نَهَارًا] ''پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ فرمایا ہے کہ جب یہ واقعات رونما ہوں گے تو قیامت کی مثال اس حاملہ کی طرح ہوگی جس

---

[1] بعض نسخوں میں [بِوِلَادَتِهَا] ہے۔

کے حمل کی مدت تو پوری ہوگئی ہو مگر گھر والوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ رات یا دن کس وقت ولادت ہوگی۔''[1] اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ملاحظہ فرمائیے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ متعین طور پر کس وقت قیامت برپا ہوگی۔ انھوں نے جب اس معاملے کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سپرد کیا تو آپ نے قیامت کی علامات کے بارے میں گفتگو فرمائی کیونکہ ان کا اس امت کے آخری زمانے میں نزول ہوگا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کو نافذ کردیں اور مسیح دجال کو قتل کردیں۔ اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھی آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کردے گا، اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ چند باتیں بتائیں جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمادیا تھا۔

امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: [﴿ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ﴾ (الأعراف187:7) ، وَلٰكِنْ أُخْبِرُكُمْ بِمَشَارِيطِهَا وَمَا يَكُونُ بَيْنَ يَدَيْهَا، إِنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا فِتْنَةً وَّهَرْجًا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! الْفِتْنَةُ قَدْ عَرَفْنَاهَا فَالْهَرْجُ مَا هُوَ؟ قَالَ: بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْقَتْلُ وَيُلْقٰى بَيْنَ النَّاسِ التَّنَاكُرُ، فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ أَنْ يَّعْرِفَ أَحَدًا] ''اس کا علم میرے رب عزوجل کے پاس ہے، وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا لیکن میں تمھیں اس کی علامات اور اس سے پہلے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں بتا دیتا ہوں کہ اس سے پہلے فتنہ انگیزی اور ھَرج ہوگا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! فتنے کو تو ہم جانتے ہیں لیکن ھرج سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: حبشہ کی زبان میں ھرج قتل و غارت کو کہتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے اجنبی ہوجائیں گے اور کوئی کسی کو پہچانتا نہ ہوگا۔''[3]

اصحاب کتب ستہ میں سے کسی نے اس انداز اور اس سند سے اس حدیث کو بیان نہیں کیا۔[4] طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ قیامت کا ذکر فرماتے رہتے تھے حتی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ ...... ﴾ الآية[5] اس حدیث کی سند جید اور قوی ہے۔

نبی امی سید المرسلین و خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نبیٔ رحمت، نبیٔ توبہ، نبی مَلْحَمہ، (میدان کارزار، جنگ) عاقب (سب سے پیچھے آنے والے جن کے بعد کوئی نبی نہیں)، مُقَفّی (خاتم النبیین) اور حاشر۔ جن کے قدموں پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ ہیں،[6] پھر

---

[1] مسند أحمد:375/1. [2] سنن ابن ماجه، الفتن، باب فتنة الدجال وخروج عيسىٰ ابن مريم ...... ، حديث:4081 .
[3] مسند أحمد:389/5. [4] مزید دیکھیے صحيح البخاري، الفتن، باب ظهور الفتن، حديث:7061 وصحيح مسلم، العلم، باب رفع العلم وقبضه، وظهور الجهل......، حديث:2672. [5] السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، سورة النّٰزعٰت: 506/6 ، حديث:11645. [6] نبی کریم ﷺ کے ان اسمائے مبارکہ کے لیے دیکھیے صحيح مسلم، الفضائل باب في أسمائه ﷺ، حديث:(126)-2355 ومسند أحمد:395/4.

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ

کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے

مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿188﴾

کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں﴿188﴾

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی صحیح حدیث میں ہے: [بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ] ''مجھے اور قیامت کو ان دو کی طرح بھیجا گیا ہے۔'' یہ آپ نے انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔[1] لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ سے جب بھی قیامت کے بارے میں پوچھا جائے تو آپ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹا دیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿187﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو میرے اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

تفسیر آیت:188

رسول اللہ ﷺ غیب نہیں جانتے اور نہ ہی نفع و نقصان کے مالک ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تمام امور کو اسی کے سپرد کر دیں اور اپنے بارے میں یہ بتا دیں کہ آپ مستقبل کی غیب کی باتوں کو نہیں جانتے، ان میں سے کسی کی آپ کو اطلاع نہیں ہے۔ سوائے اس کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرما دیا ہو جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ﴾ (الجن 26:72) ''(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ﴾ ''اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بہت سا مال جمع کر لیتا۔[2] دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ خریداری کے وقت مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے کس چیز میں نفع ہوگا اور اس طرح جو چیز بھی میں فروخت کرتا مجھے اس میں نفع ہی حاصل ہوتا، ﴿وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ﴾ ''اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔'' یعنی مجھے فقر و فاقہ نہ پہنچتا۔[3]

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ دیگر مفسرین نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو خوشحالی کے دور میں قحط سالی کی تیاری کر لیتا، چیزوں کے سستا ہونے کے دور میں مہنگائی کے دور کی تیاری کر لیتا۔[4] عبدالرحمٰن بن زید

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب قول النبی ﷺ: [بعثت أنا والساعة......]، حدیث: 6504 و صحیح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حدیث: 2951 عن أنس رضی اللہ عنہ. و صحیح البخاری، التفسیر، باب (سورة النّٰزعٰت)، حدیث: 4936 و صحیح مسلم، الفتن، باب قرب الساعة، حدیث: 2950 عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1629/5. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 1629/5. [4] تفسیر الطبری: 190/9.

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا

وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے تمھیں ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے، پھر جب اس (کسی

حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا

مرد) نے بیوی سے صحبت کی تو اسے ہلکا سا حمل ہو گیا، تو وہ اسے لیے پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو ان دونوں نے اپنے رب، اللہ سے دعا کی کہ

لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿189﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ

اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزاروں میں سے ہوں گے ﴿189﴾ چنانچہ جب اللہ نے انھیں تندرست بچہ دیا تو انھوں نے اس

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿190﴾

(بچے) میں، جو اللہ نے انھیں دیا تھا، اس کے شریک ٹھہرا لیے، اللہ تو اس سے بہت اونچا ہے جو وہ شرک کرتے ہیں ﴿190﴾

بن اسلم نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ شرک کے وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی میں اس سے بچنے کی تدبیر اختیار کر لیتا اور اس سے بچ جاتا۔[1] پھر بتایا کہ آپ تو نذیر اور بشیر ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا اور مومنوں کو بہشتوں کی خوشخبری سنانے والا ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ ﴾ (مریم 97:19) ''(اے پیغمبر!) ہم نے یہ (قرآن) آپ کی زبان میں آسان (نازل) کیا ہے تاکہ آپ اس سے پرہیز گاروں کو خوش خبری دیں اور جھگڑالوؤں کو ڈرا دیں۔''

تفسیر آیات:190,189

تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ تمام لوگوں کو اس نے آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ہے۔ اور اسی نے آدم ہی سے ان کی بیوی حواء کو بھی پیدا کیا، پھر ان دونوں ہی سے تمام لوگ (زمین میں) پھیل گئے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ (الحجرات 13:49) ''لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا...... ﴾ الآية (النساء 1:4) ''لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا......''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ ﴾ ''اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ ﴾ (الروم 21:30) ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔''

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1630/5.

میاں بیوی میں جس قدر الفت ومحبت ہوتی ہے، اس سے بڑھ کر محبت اور کسی بھی دو روحوں میں نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے جو اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ جادوگر اپنے مکروفریب کے ساتھ میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔[1] ﴿ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا ﴾ ''تو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے (اس سے مباشرت کرتا ہے) تو اسے ہلکا سا حمل ہو جاتا ہے۔'' خفیف اس لیے کہا گیا کہ حمل کی ابتدا میں عورت کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی کیونکہ حمل کا آغاز نطفے سے ہوتا ہے، اور وہ لوتھڑا بن جاتا ہے، پھر بوٹی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ فَمَرَّتْ بِهٖ ﴾ یعنی وہ (کچھ عرصہ) اسی حالت پر برقرار رہتی ہے۔ امام مجاہد نے یہی معنی بیان کیے ہیں، امام حسن بصری، ابراہیم نخعی اور سدی وغیرہ سے بھی یہی معنی مروی ہیں۔[2] میمون بن مہران نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ وہ اسے بہت ہلکا سمجھتی ہے۔[3] ایوب سے روایت ہے کہ میں نے امام حسن سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر تم عربی ہوتے تو اس کے معنی جان لیتے اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسی حالت پر برقرار رہتی ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا حمل نمایاں ہو جاتا ہے۔[5] ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اٹھتے اور بیٹھتے ہوئے اس پانی کو اٹھائے پھرتی ہے۔[6] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے شک ہوتا ہے کہ حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔

﴿ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ ﴾ ''پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے۔'' یعنی حمل کی وجہ سے بوجھل ہو جاتی ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں بچہ بڑا ہو جاتا ہے۔[7] ﴿ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا ﴾ ''تو دونوں (میاں بیوی) اپنے پروردگار اللہ عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا۔'' ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہیں کوئی چوپایہ نہ پیدا ہو جائے۔[8] اسی طرح ابو البَختری اور ابو مالک نے بھی کہا ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہیں انسان پیدا نہ ہو۔[9] امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر تو ہمیں بچہ عطا فرمادے[10] ﴿ لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ ﴾ ''تو ہم (تیرے) شکر گزار ہوں گے جب وہ ان کو صحیح وسالم (بچہ) دیتا ہے تو اس (بچے) میں جو وہ ان کو دیتا ہے، اس کا شریک مقرر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔''

ابن جریر نے امام حسن بصری کا قول ذکر کیا ہے کہ ﴿ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ ﴾ یہ حضرت آدم کی بات نہیں ہے بلکہ یہ بعض دیگر ملتوں کے لوگوں کی بات ہے۔[11] آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ اس سے آدم علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے بعد ان میں سے شرک کرنے والے لوگ مراد ہیں۔[12]

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 102 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری:191/9 وتفسیر ابن أبي حاتم:1632/5. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:1632/5. [4] تفسیر الطبری:191/9. [5] تفسیر الطبری:191/9. [6] تفسیر الطبری:191/9. [7] تفسیر الطبری:192/9. [8] تفسیر الطبری:193/9. [9] تفسیر الطبری:192/9 وتفسیر ابن أبي حاتم:1632/5. [10] تفسیر الطبری:192/9. [11] تفسیر الطبری:197/9. [12] تفسیر الطبری:197/9.

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿191﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ

کیا وہ ان کو (اللہ کے) شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے جبکہ وہ تو خود پیدا کیے جاتے ہیں ﴿191﴾ اور وہ ان (مشرکین) کی مدد کرنے کی طاقت

اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿192﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ

نہیں رکھتے اور نہ اپنی مدد ہی کر سکتے ہیں ﴿192﴾ اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمھاری پیروی نہیں کریں گے۔ تمھارے لیے برابر ہے کہ تم انھیں

اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿193﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ

(ہدایت کی طرف) بلاؤ یا خاموش ہو رہو ﴿193﴾ (اے مشرکو!) بے شک وہ لوگ، جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ تمھی جیسے بندے ہیں (اچھا تو) جب تم ان کو

فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿194﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ز اَمْ

پکارو تو انھیں تمھاری پکار کا جواب دینا چاہیے اگر تم سچے ہو ﴿194﴾ (اے نبی! مشرکین سے پوچھیے) کیا ان کے (معبودوں کے) ایسے پاؤں ہیں کہ وہ ان سے چلتے

لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ وہ ان سے پکڑتے ہوں؟ کیا ان کی ایسی آنکھیں ہیں کہ وہ ان سے دیکھتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے کان ہیں کہ وہ ان

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿195﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ

سے سنتے ہوں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے شریکوں کو بلاؤ، پھر تم میرے خلاف (جو چاہو) تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو (پھر دیکھو وہ میرا کیا بگاڑتے ہیں؟) ﴿195﴾ (کہہ

الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿196﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

دیجیے:) بے شک میرا کارساز تو اللہ ہی ہے، جس نے یہ کتاب نازل کی، اور وہی نیک لوگوں کی کارسازی کرتا ہے ﴿196﴾ اور جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ

نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿197﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ

تمھاری مدد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں ﴿197﴾ اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ سن نہ پائیں گے، اور (اے نبی!) آپ

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾

انھیں دیکھتے ہیں کہ (بظاہر) وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے ﴿198﴾

قتادہ سے روایت ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اولاد دی تو انھوں نے اسے یہودی اور عیسائی بنا دیا۔ (1) صحیح سندوں سے مروی ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اور یہ اس آیت کی سب سے احسن تفسیر اور بہترین مفہوم ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

اس سیاق سے حضرت آدم و حواء مراد نہیں ہیں بلکہ آپ کی اولاد میں سے مشرک لوگ مراد ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿190﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔'' اور شروع میں اللہ تعالیٰ نے آدم و حواء کا ذکر بعد والے (مشرک) والدین کے لیے بطور تمہید کیا ہے۔ اور یہ اُس آیت کریمہ میں گویا فرد سے جنس کی طرف انتقال ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾

(1) تفسیر الطبری: 197/9.

(الملک 5:67) ''اور البتہ تحقیق ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور انھیں شیطانوں کو مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے۔'' اور معلوم ہے کہ یہاں مصابیح سے مراد وہ نجوم ہیں جن کے ساتھ آسمانِ دنیا کو زینت دی گئی ہے، ان سے مراد وہ نہیں ہیں جو شیطانوں کو مارے جاتے ہیں، یہ بھی مصابیح کے فرد سے اس کی جنس کی طرف انتقال ہے۔ قرآن مجید میں اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

تفسیر آیات: 191-198

مشرکین کے معبودانِ باطلہ کچھ اختیار نہیں رکھتے: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تردید فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں اور دیگر معبودانِ باطلہ کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ یہ تمام معبودانِ باطلہ اللہ ہی کے پیدا کردہ ہیں، اس کے پروردہ اور اسی کے بنائے ہوئے ہیں اور خود کسی چیز کے بھی مالک نہیں، نہ نفع و نقصان ہی کا کچھ اختیار رکھتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ اپنے پجاریوں کی مدد ہی کر سکتے ہیں بلکہ یہ تو بے جان ہیں، نہ حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی سنتے دیکھتے ہیں۔ سننے، دیکھنے اور پکڑنے کے اعتبار سے تو ان کی عبادت کرنے والے ان سے بہتر ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱ۡ﴾ ''کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں؟'' یعنی کیا تم ایسے معبودوں کو اللہ کا شریک بناتے ہو جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور نہ انھیں اس کی استطاعت ہی ہے۔

جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (الحج 22:73، 74) ''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، لہٰذا تم اسے غور سے سنو! بے شک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (عابد اور معبود دونوں) کمزور ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی، کچھ شک نہیں کہ اللہ زبردست (اور) نہایت غالب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اگر تمام معبودانِ باطلہ مل کر بھی ایک مکھی بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے، مکھی بنانا تو درکنار اگر مکھی ان کے کھانے کا کوئی ذرہ اٹھا کر اڑ جائے تو یہ اس سے واپس لینے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ اور جس کی کمزوری و ناتوانی کا یہ حال ہو تو حصول رزق و نصرت کے لیے اس کی عبادت کیسے کی جا سکتی ہے؟ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ؕ﴾ (النحل 16:20) ''وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں۔'' یعنی بلکہ یہ خود پیدا اور ایجاد کیے گئے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰٓفّٰت 37:95) ''تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟''

پھر فرمایا: ﴿ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا ﴾ ''اور نہ وہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں۔'' یعنی اپنی عبادت کرنے والوں

کی ﴿ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ ''اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔'' یعنی اگر کوئی ان کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہے تو اس وقت یہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور اپنے آپ کو اس سے نہیں بچا سکتے جیسا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑ دیا اور ان کی حد درجہ توہین و تذلیل کر دی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 93:37) ''پھر ان کو دائیں ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 58:21) ''پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔''

معاذ بن عمرو بن جَموح اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما دونوں جوان تھے ان کا واقعہ بھی اس بات کی دلیل ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے، پھر یہ دونوں رات کے وقت مشرکوں کے بتوں پر حملہ کر کے انھیں توڑ دیتے، انھیں تہس نہس کر دیتے اور ان کے ٹکڑوں کو ایندھن کے طور پر جلانے کے لیے بیوہ عورتوں کو دے دیتے تاکہ ان کی قوم عبرت حاصل کرے اور اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرے۔ عمرو بن جَموح جو اپنی قوم کا سردار تھا، اس کا بھی اپنا ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتا اور اسے خوشبو لگا کر معطر رکھتا تھا، یہ رات کے وقت آتے اور اس کے بت کو الٹا کر دیتے اور اس پر گندگی مل دیتے، عمرو بن جموح صبح کے وقت یہ منظر دیکھتا تو بہت سٹپٹاتا، اسے دھوتا، خوشبو لگاتا اور اس کے پاس ایک تلوار رکھ دیتا اور کہتا کہ لو! اس تلوار سے مدد لینا، یہ دونوں رات کو پھر آتے اور اسی طرح کرتے اور عمرو بن جموح بھی صبح کے وقت اسی طرح کرتا حتی کہ ایک بار تو ان دونوں نے اس بت کی توہین و تذلیل کی حد کر دی کہ اسے اٹھا لیا اور ایک مرے ہوئے کتے کے پاس جا کر رکھ دیا، پھر ان دونوں کو رسی سے باندھ کر ایک کنویں میں پھینک دیا۔ عمرو نے جب اپنے اس بت کا یہ حشر دیکھا تو اسے بھی یہ حقیقت معلوم ہو گئی کہ اس کا دین باطل ہے اور اس نے اس موقع پر یہ شعر کہا:

تَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا مُسْتَدَنِ لَمْ تَكُ وَالْكَلْبُ جَمِيعًا فِي قَرْنِ

''اللہ کی قسم! اگر تو واقعی قابلِ تعظیم معبود ہوتا تو تُو اور کتا دونوں یکجا نہ ہوتے۔''

پھر یہ مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے حتی کہ اللہ کے رستے میں جہاد کرتے ہوئے غزوۂ احد کے دن جام شہادت نوش کیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ وَجَعَلَ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ.

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ﴾ ''اور اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمھارا کہا نہ مانیں۔'' یعنی یہ بت بلانے والے کی آواز کو سنتے ہی نہیں، ان کے نزدیک بلانے والا اور نہ بلانے والا دونوں ہی یکساں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ○ ﴾ (مریم 42:19) ''میرے ابا جان! آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں؟''

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ بت بھی اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح ان کی پوجا کرنے والے لوگ مخلوق ہیں بلکہ یہ

لوگ ان سے اچھی مخلوق ہیں کہ یہ سنتے، دیکھتے اور پکڑتے ہیں اور یہ بت ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ ﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اپنے شریکوں کو بلا لو میرے بارے میں (جو) تدبیر کرنی ہو کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔'' یعنی انھیں میرے خلاف استعمال کرو، مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ دو اور پوری پوری کوشش کر دیکھو۔ ﴿اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ﴾ ''بے شک میرا مددگار تو اللہ ہی ہے جس نے کتاب (برحق) نازل کی اور نیک لوگوں کا وہی دوست ہے۔'' یعنی اللہ ہی مجھے کافی ہے، وہ میرا مددگار ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ وہ دنیا و آخرت میں میرا دوست ہے اور میرے علاوہ ہر نیک انسان کا بھی وہی دوست ہے۔

جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے کہا تھا جب ان کی قوم نے ان سے یہ کہا: ﴿اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○﴾ (ہود 11:54-56) ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا کر دیوانہ کر دیا ہے۔ انھوں نے کہا بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو بے شک جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، بے شک میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے، وہ اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے، بے شک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔''

اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۙ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۙ﴾ (الشعرآء 26:76-78) ''کچھ خبر بھی ہے جنھیں تم پوج رہے ہو؟ تم اور تمھارے اگلے باپ دادا بھی، پس بے شک وہ میرے دشمن ہیں مگر (اللہ) رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے۔'' یہ چند آیات اور اسی طرح انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے یہ بھی کہا تھا: ﴿اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ○ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ○﴾ (الزخرف 43:26-28) ''بے شک میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، ہاں! جس نے مجھ کو پیدا کیا بے شک وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔''

اور فرمانِ الٰہی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ......﴾ الآیۃ ''اور (مشرکو!) بے شک وہ لوگ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو......'' یہ سابقہ بات کی مزید تاکید ہے، صرف یہ فرق ہے کہ یہ صیغۂ خطاب کے ساتھ ہے جبکہ وہ صیغۂ غائب

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿199﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ

آپ (ان سے) درگزر کیجیے، اور نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے ﴿199﴾ اور اگر آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے، بے

نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿200﴾

شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿200﴾

کے ساتھ تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿197﴾ ﴾ ''وہ نہ تمھاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾ ﴾ ''اور اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو وہ سن نہ سکیں اور (اے نبی!) آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ (بظاہر) وہ آنکھیں کھولے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ ﴾ (فاطر 14:35) ''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار کو سن نہ سکیں۔'' ﴿ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿198﴾ ﴾ ''اور (اے نبی!) آپ انھیں دیکھتے ہیں کہ (بظاہر) وہ آنکھیں کھولے آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) وہ کچھ نہیں دیکھتے۔'' یعنی وہ آپ کو ایسی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، گویا وہ دیکھنے والی آنکھیں ہیں، حالانکہ وہ بے جان ہیں لیکن ان سے معاملہ ذوی العقول کا کیا گیا کیونکہ انھیں انسان کی شکل و صورت کے مطابق بنایا گیا ہے، اسی وجہ سے ذوی العقول کی ضمیر ان کے لیے استعمال کی گئی ہے۔

تفسیر آیات: 200,199

معاف کر دینے کا حکم: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ ''(اے نبی!) عفو اختیار کیجیے۔'' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیے رکھا کہ آپ مشرکوں کو معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں، چنانچہ آپ نے مکہ میں دس سال تک ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور ان کے بارے میں سختی کرنے کا حکم دیا۔[1] کئی ایک ائمۂ تفسیر نے امام مجاہد کا یہ قول روایت کیا ہے کہ تجسس نہ کرو اور لوگوں کے اخلاق و اعمال کے بارے میں عفو و درگزر سے کام لو۔[2] ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کے عادات و اطوار کے بارے میں عفو اختیار کریں۔[3] اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کے اخلاق میں سے آپ عفو کو اختیار کر لیں۔[4] صحیح بخاری میں ہشام کی اپنے باپ عروہ سے اور ان کی اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿ خُذِ الْعَفْوَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے اخلاق میں سے عفو کو لے لیں۔[5] ایک دوسری روایت جو ہشام نے اپنے باپ سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے[6] اور ایک اور روایت جو ہشام نے

[1] تفسير الطبري:205/9. [2] تفسير الطبري:204/9. [3] تفسير الطبري:204/9. [4] تفسير الطبري:204/9. [5] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ ﴾ (الأعراف 199:7)، حديث: 4644,4643 . [6] المستدرك للحاكم، العلم، فصل في توقير العالم:124/1، حديث:430 .

اپنے باپ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے، ان میں بھی اسی طرح ہے۔ واللہ أعلم.

امام ابن جریر اور ابن ابوحاتم دونوں نے یونس از سفیان بن عیینہ از اُبی روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ ؟ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ ، وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ ، وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ] ''جبریل! اس سے کیا مراد ہے؟ جبریل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ اسے معاف کر دیں جو آپ کو نہ دے، آپ اسے دیں اور جو آپ سے قطع تعلق کرے، آپ اس سے مل کر رہیں۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿ بِالْعُرْفِ ﴾ کے معنی نیکی کے ہیں، پھر انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عُیَیْنَہ بن حِصن بن حذیفہ آئے اور اپنے بھتیجے حُر بن قَیس کے پاس ٹھہرے اور یہ حُر ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاص قرب حاصل تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم نشین اور مشیر قرآن مجید کے عالم اور قاری ہوتے تھے، خواہ وہ ادھیڑ عمر ہوں یا جوان۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: اے برادر زادے! تجھے اس امیر کے ہاں خاص قرب حاصل ہے، لہٰذا میرے لیے بھی ان سے ملاقات کی اجازت طلب کرو، انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، میں آپ کے لیے ضرور اجازت طلب کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حُر نے عیینہ کے لیے اجازت طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی جب وہ اندر آئے تو حضرت عمر سے کہنے لگے: اے ابن خطاب! بات یہ ہے کہ اللہ کی قسم! تو ہمیں نہ زیادہ عطیے دیتا ہے اور نہ ہمارے بارے میں عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے حتی کہ انھوں نے اسے مارنے کا ارادہ کیا تو حر نے ان کی خدمت میں عرض کی: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''(اے نبی!) عفو اختیار کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کشی کر لیجیے۔'' اور یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں) اللہ کی قسم! جس وقت حر نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے سننے کے بعد ذرہ برابر بھی آگے نہ بڑھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے پاس ٹھہر جانے والے تھے۔[2] (اس کے مطابق عمل کرتے اور اس سے آگے نہ بڑھتے تھے۔) یہ روایت صرف صحیح بخاری میں ہے۔

بعض حکماء نے اس آیت کے مفہوم کو درج ذیل دو شعروں میں بھی بیان کیا ہے۔ اور ان دونوں کے (آخری الفاظ) ہم شکل ہونے کے باوجود مختلف معنی رکھتے ہیں:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِعُرْفٍ كَمَا   أُمِرْتَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

---

[1] تفسیر الطبری: 207/9 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1638/5. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (الأعراف 7:199)، حدیث: 4642.

''عفو کو اختیار کرو اور نیکی کا حکم دو جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ہے اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔''

وَلِنْ فِي الْكَلَامِ لِكُلِّ الْأَنَامِ فَمُسْتَحْسَنٌ مِّنْ ذَوِي الْجَاهِ لِينَ

''اور تمام لوگوں کے لیے کلام میں نرمی اختیار کرو، اصحاب جاہ کے لیے نرمی ہی مستحسن ہے۔''

بعض علماء نے کہا ہے کہ لوگ دو طرح کے ہیں: (1) نیک، اس کی نیکی کا لحاظ کرو اور اسے ایسی تکلیف نہ دو جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہو یا جو اسے مشقت میں ڈال دے اور (2) بد، اسے نیکی کا حکم دو اگر وہ اپنی ضلالت اور جہالت پر ہی اصرار کرے تو اس سے کنارہ کر لو، شاید اسی طرح اس کی سرکشی کا ازالہ ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:96-98) ''بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور کہو کہ اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔''

اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ ''اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں، آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹال دیجیے جو احسن ہو تو (آپ دیکھیں گے) یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، (ایسا ہو جائے گا) جیسے جگری دوست ہو اور یہ نہیں حاصل ہوتی مگر ان لوگوں کو جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔'' یعنی یہ وصیت: ﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34-36) ''اور اگر تمھیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو، بے شک وہ خوب سننے (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور اس سورۂ کریمہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝200 ﴾ ''اور اگر شیطان کی طرف سے تمھارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' یہ تین آیات جو سورۂ اعراف، مومنون اور حٰمٓ سجدہ میں ہیں، ان کی طرح کی اور کوئی چوتھی آیت نہیں ہے، ان میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ گناہ گار انسان سے ایسا معاملہ کیا جائے جو بہت ہی اچھا ہو کیونکہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی سرکشی سے باز آ جائے گا، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34) ''(ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی، وہ تمھارا گرم جوش دوست ہے۔'' اور شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ اللہ سے پناہ مانگی جائے کیونکہ نیکی اور احسان اسے تجھ سے دور نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ تو تمھیں بالکل تباہ و برباد کر دینا چاہتا ہے کیونکہ وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے جیسا

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿201﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿202﴾ ﴾

بے شک جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا جب انھیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ لیتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر وہ یکا یک سوجھ بوجھ والے ہو جاتے ہیں﴿201﴾ اور ان کے بھائی (شیطان) انھیں گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے﴿202﴾

کہ قبل ازیں اس نے تمھارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی دشمنی کی تھی۔

امام ابن جریر نے ﴿ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے تمھیں اس قدر غصہ آ جائے جو تمھیں جاہلوں سے کنارہ کشی سے روک دے اور ان سے انتقام لینے پر آمادہ کرے تو اس کے وسوسے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ ﴿ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿200﴾ ﴾ ''بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' یعنی وہ جاہل کی جہالت کو بھی سنتا ہے اور شیطان کے وسوسے سے آپ اللہ کی جو پناہ مانگتے ہیں، وہ اسے بھی سنتا ہے، علاوہ ازیں ساری مخلوق کے دیگر کلام کو بھی وہ سنتا ہے اور کوئی بات بھی اس سے مخفی نہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ شیطان کا وسوسہ آپ سے کس طرح دور ہوگا اور مخلوق کے دیگر تمام امور کو بھی خوب جانتا ہے۔[1] استعاذے کے متعلق احادیث تفسیر کے آغاز میں بیان کی جا چکی ہیں،[2] لہٰذا ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 202,201

وسوسے کے وقت اصحاب تقویٰ کا طریقہ: اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں، یعنی اپنے ان بندوں کے بارے میں فرمایا ہے جو اس کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے، ان سے اجتناب کرتے ہیں کہ ﴿ اِذَا مَسَّهُمْ ﴾ یعنی جب ان کو پہنچتا ہے طَيْفٌ ''کوئی وسوسہ'' اس لفظ میں دوسری قراءت ﴿ طٰٓئِفٌ ﴾ بھی ہے۔ اور یہ دونوں مشہور قراءتیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ کچھ علماء نے اس کے معنی غضب کے اور کچھ نے اس کے معنی شیطان کے آسیب زدہ کر دینے کے بیان کیے ہیں۔ بعض علماء نے اس کے معانی گناہ کے ارادے کے بیان کیے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی گناہ میں مبتلا ہو جانے کے ہیں۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَذَكَّرُوْا ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب، اس کے بے پایاں ثواب اور اس کے وعدوں اور وعیدوں کو یاد کرنے لگتے ہیں اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے اور جلد ہی اس سے لو لگا لیتے ہیں۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿201﴾ ﴾ ''تو وہ (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں۔'' یعنی سیدھے راستے کو اختیار کرتے ہوئے اپنے طرز عمل کو صحیح کر لیتے ہیں۔

شیطانوں کے بھائی سرکشی کی طرف کھینچتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ ﴾ ''اور ان (کفار)

[1] تفسیر الطبری:208/9. [2] دیکھیے الفاتحۃ، آیت: 1 عنوان ''تعوذ کی تفسیر اور احکام'' کے ذیل میں۔

وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡ لَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى

اور (اے نبی!) جب آپ ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں: تم خود کیوں نہیں بنا لائے؟ کہہ دیجیے: میں تو صرف اس چیز کا اتباع کرتا ہوں

اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ

جو میری طرف میرے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے، یہ تمھارے رب کی طرف سے روشن دلائل ہیں، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے

لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

جو ایمان لاتے ہیں ﴿۲۰۳﴾

کے بھائی انھیں کھینچے جاتے ہیں۔'' یعنی انسانوں میں سے شیطانوں کے بھائی جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ ؕ ﴾ (بنی إسرآئیل 27:17) ''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطانوں کے بھائی ہیں۔'' یعنی وہ جو شیطان کے پیروکار، اس کی باتوں کو سننے والے اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے والے ہیں، ﴿ يَمُدُّوۡنَهُمۡ فِى الۡغَىِّ ﴾ ''وہ انھیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں۔'' یعنی شیاطین گناہوں کے ارتکاب کے لیے ان کی مدد کرتے، گناہوں کو ان کے لیے آسان اور مزین کر دیتے ہیں۔

عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں: اَلْمَدُّ کے معنی زیادہ کر دینے کے ہوتے ہیں۔[1] تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کی گمراہی، یعنی جہالت اور حماقت میں اضافہ کر دیتے ہیں، ﴿ ثُمَّ لَا يُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ ﴾ ''پھر وہ (اس میں کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے۔'' یعنی شیاطین بڑھا دیتے ہیں اور انسان ان کی گمراہی کے مطابق عمل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نہ تو انسان اپنے ان اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں اور نہ شیاطین ہی ان کا پیچھا چھوڑتے ہیں۔[2] ﴿ لَا يُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ نہ تو ان اعمال سے اکتاتے ہیں اور نہ ان سے باز آتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ تَؤُزُّهُمۡ اَزًّا ۙ ﴾ (مریم 83:19) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے ﴿ تَؤُزُّهُمۡ اَزًّا ﴿۸۳﴾ ﴾ کے معنی بیان کیے ہیں کہ وہ ان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت: 203

مشرکین کا نشانیوں کو طلب کرنا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ قَالُوۡا لَوۡ لَا اجۡتَبَيۡتَهَا ﴾ یعنی تم نے اسے حاصل کیوں نہ کر لیا؟ دوسری بار انھوں نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تم نے اسے ایجاد کیوں نہ کر لیا۔[4] ابن جریر نے عبداللہ بن کثیر سے اور انھوں نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں

[1] تفسیر الطبری: 212/9. [2] تفسیر الطبری: 212/9. [3] تفسیر الطبری: 157/16. [4] تفسیر الطبری: 214/9.

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿204﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ﴿204﴾

کہ تم نے اسے فی البدیع کیوں نہ بنا لیا؟ یعنی وہ کہتے ہیں کہ تم اسے اپنی طرف سے بناتے ہو۔[1] قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[2]

اور ﴿ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ ﴾ ''اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے۔'' میں آیت سے مراد کوئی معجزہ اور خرق عادت بات ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 26:4) ''اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں، پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔'' گویا رسول اللہ ﷺ سے وہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ تم کوشش کر کے اللہ تعالیٰ سے نشانیاں طلب کیوں نہیں کر لیتے تا کہ ہم انھیں دیکھ کر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو صرف اسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔'' یعنی میں کسی بھی چیز میں اللہ تعالیٰ سے پیش قدمی نہیں کر سکتا بلکہ میں تو صرف اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری طرف جو وحی بھیجتا ہے، میں اس کی اطاعت بجا لاتا ہوں اگر وہ کوئی نشانی بھیجے تو میں اسے قبول کر لیتا ہوں اور اگر نہ بھیجے تو میں از خود اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی مجھے اجازت عطا فرما دے کیونکہ وہ حکیم و علیم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ سب سے بڑا معجزہ، سب سے واضح دلیل اور سب سے سچی نشانی تو یہ قرآن مجید ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿203﴾ ﴾ ''یہ (قرآن) تمھارے پروردگار کی جانب سے دانش و بصیرت اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

تفسیر آیت:204

قرآن مجید سننے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید لوگوں کے لیے دانش و بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تو اب ساتھ ہی یہ بھی حکم دے دیا ہے کہ تعظیم اور احترام کے پیش نظر قرآن مجید کی تلاوت کو خاموشی کے ساتھ سنا جائے اور کفار قریش اور مشرکین کی طرح یہ نہ کہا جائے: ﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 26:41) ''اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو۔'' امام ابن جریر نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ہم نماز میں ایک دوسرے کو سلام کہہ دیا کرتے تھے کہ فلاں پر سلام ہو فلاں پر سلام ہو حتی کہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہو گئی:[3] ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿204﴾ ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

[1] تفسير الطبرى:9/214. [2] تفسير الطبرى:9/214. [3] تفسير الطبرى:9/216.

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ

اور (اے نبی!) اپنے رب کو صبح اور شام اپنے دل میں یاد کیجیے، عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے، پست اور ہلکی آواز سے۔ اور آپ غافلوں

وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿205﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

میں (شامل) نہ ہوں﴿205﴾ بے شک جو (فرشتے) آپ کے رب کے پاس ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، وہ اس کی تسبیح بیان

عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿206﴾ۧ السجدة

کرتے ہیں اور اسی کو وہ سجدہ کرتے ہیں﴿206﴾

السجدۃ 1 — ع 24 — 18 — 14 — الثلاثة

تفسیر آیات: 206,205

صبح وشام ذکر وعبادت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دن کے ابتدائی اور آخری حصے میں کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جائے جیسا کہ ان دونوں وقتوں میں اس نے اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے بھی فرمایا ہے: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ﴾ (قٓ 39:50) ”اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔“ یہ آیت مکی ہے اور یہ حکم شبِ معراج پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے تھا۔ اور یہاں فرمایا: ﴿ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴾ ”صبح وشام“ غُدُوٌّ دن کے ابتدائی حصے کو کہتے ہیں اور آصال آخری حصے کو، اور یہ اصیل کی جمع ہے، جیسے: أَیْمَان یَمِین کی جمع ہے۔ ﴿ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ﴾ ”عاجزی اور خوف سے“ یعنی اپنے پروردگار کو اپنے دل میں شوق اور ڈر اور پست آواز سے یاد کرو، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾ ”اور پست آواز سے۔“ مستحب یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اسی طرح پست آواز سے کیا جائے نہ کہ بہت اونچی آواز سے اور چیخ چیخ کر۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں (غزوۂ خیبر سے واپسی پر) ہم لوگوں نے بہت اونچی آواز سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کیا تو نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا (إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ) إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ]، [وَالَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَةِ أَحَدِكُمْ] ”لوگو! اطمینان وسکون اختیار کرو بے شک تم کسی بہرے یا غائب کو تو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم تو اس ذات گرامی کو پکارتے ہو جو سننے والا اور قریب ہے۔ اور جس ذات کو تم پکارتے ہو وہ تو تمھاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ تمھارے قریب ہے۔“[1]

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں کو صبح وشام کثرت کے ساتھ ذکر کی ترغیب دی ہے تاکہ وہ غافل نہ ہو جائیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے جو رات دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے

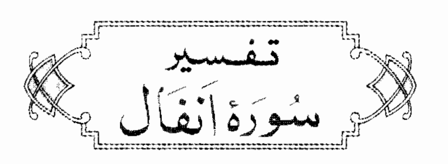
[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من رفع الصوت في التكبير، حديث:2992 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر......، حديث: (44)-2704، البتہ قوسین والے الفاظ سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار ، حديث:1526 اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، حديث: (46)-2704 میں ہے۔

رہتے ہیں اور اس سے ذرہ برابر نہیں اکتاتے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ ﴾ ''بے شک جو لوگ تمھارے پروردگار کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے گردن کشی نہیں کرتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا یہ ذکر اس لیے فرمایا ہے تاکہ کثرتِ طاعت وعبادت میں ان کی پیروی کی جائے۔

اس مقام پر ہمیں بھی سجدہ کرنے کا حکم اس لیے ہے کہ یہاں فرشتوں کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: [أَلَا تَصُفُّونَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا (فَقُلْنَا...... قَالَ:) يُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ] ''کیا تم اپنی صفوں کو اس طرح نہیں باندھو گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صف بستہ رہتے ہیں؟ (ہم نے کہا...... تو آپ نے فرمایا:) وہ پہلے پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''[1] یہ قرآن مجید میں پہلا سجدۂ تلاوت ہے، اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے اور اسے سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے۔



[1] صحیح مسلم، الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة......، حدیث: 430.



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪

(اے نبی!) وہ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دیجیے: مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

باہمی اصلاح کرلو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو①

یہ سورت مدنی ہے: اس سورت کی آیات 75، کلمات ایک ہزار چھ سو اکتیس اور حروف پانچ ہزار دو سو چورانوے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعلَم.

تفسیر آیت: 1

انفال کی تفسیر: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ انفال کے معنی غنیمتوں کے ہیں، پھر امام صاحب نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ انفال کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] اسی طرح علی بن ابوطلحہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انفال سے مراد وہ غنیمتیں ہیں جو خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے تھیں کسی اور کا ان میں کوئی حصہ نہ تھا۔[2] مجاہد، عِکرِمہ، عطاء، ضحاک، قتادہ، عطاء خراسانی، مُقاتل بن حیّان، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی فرمایا ہے کہ انفال سے مراد غنیمتیں ہیں۔[3]

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''نفل'' مقتول سے حاصل ہونے والے اس مال کو کہتے ہیں جسے امام اصل مال غنیمت کی تقسیم کے علاوہ بعض اشخاص کو بطور مال سلب یا انعام کے دے دے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انفال مال غنیمت کے پانچویں حصے کو کہتے

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ...... ﴾ (الأنفال8:1)، حدیث:4645 وصحیح مسلم، التفسیر، باب فی سورة براءة والأنفال والحشر، حدیث:3031. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1649/5 وتفسیر الطبری: 225/9. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:1649/5 وتفسیر الطبری:225,224/9.

ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ انفال مالِ فے کو کہتے ہیں، یعنی اس مال کو جو کفار سے لڑائی کیے بغیر لے لیا گیا ہو یا کفار کے اس جانور یا غلام یا لونڈی یا ساز و سامان کو کہتے ہیں جو ان سے الگ ہو کر مسلمانوں کے پاس آ جائے۔امام ابن جریر نے علی بن صالح بن حَیّ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس آیت میں انفال سے مراد سرایا ہیں۔[1] یعنی اس سے مراد وہ مال ہے جو امام کسی سریہ کے مجاہدوں کو باقی لشکر کے حصے کی نسبت کچھ زیادہ دے دے۔

سبب نزول: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج مشرکوں کا کام تمام کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت خوشی عطا فرمائی ہے، لہٰذا یہ تلوار مجھے عنایت فرما دیں؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّ هٰذَا السَّيْفَ لَيْسَ لَكَ وَلَا لِي، ضَعْهُ قَالَ: فَوَضَعْتُهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ قُلْتُ: عَسٰى أَنْ يُّعْطٰى هٰذَا السَّيْفُ الْيَوْمَ مَنْ (لَّا يُبْلِي) بَلَائِي، قَالَ: فَإِذَا رَجُلٌ يَّدْعُونِي مِنْ وَّرَائِي قَالَ: قُلْتُ: قَدْ أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ! قَالَ: كُنْتَ سَأَلْتَنِي السَّيْفَ وَلَيْسَ هُوَ لِي، وَإِنَّهُ قَدْ وُهِبَ لِي، فَهُوَ لَكَ قَالَ: وَأُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ:] ''یہ تلوار تمھارے لیے ہے نہ میرے لیے، لہٰذا اسے رکھ دو۔'' میں نے اسے رکھ دیا، پھر میں لوٹ گیا اور دل میں سوچ رہا تھا کہ شاید آج یہ تلوار اسے دے دی جائے جس نے میری طرح دادِ شجاعت نہ دی ہو، اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ ایک شخص پیچھے سے مجھے آواز دے رہا ہے، میں نے سوچا کہ میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے! (میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو) آپ نے فرمایا: ''تم نے مجھ سے اس تلوار کے بارے میں پوچھا تھا جو (پہلے) میرے لیے نہیں تھی مگر اب مجھے عطا کر دی گئی ہے، لہٰذا وہ میں تمھیں دیتا ہوں۔'' ان کا بیان ہے کہ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ﴾ (اے نبی! مجاہد لوگ) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے؟) کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے۔''[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ایک اور سببِ نزول: امام احمد نے ابواُمامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے عُبادہ رضی اللہ عنہ سے سورۂ انفال کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا یہ سورت ہم اصحاب بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب مال غنیمت کے بارے میں ہمارا اختلاف تھا اور اس سلسلے میں ہم نے اچھے اخلاق کا ثبوت نہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں سے چھین کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تمام مسلمانوں میں برابر تقسیم فرما دیا۔[3]

امام احمد ہی نے ابوامامہ کے واسطے سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، میں آپ کے ساتھ بدر میں بھی حاضر ہوا جب لوگوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست سے دوچار کر

---

[1] تفسیر الطبری:225/9 و تفسیر الماوردی:292/2. [2] مسند أحمد:178/1 و سنن أبی داود، الجهاد، باب فی النفل، حدیث:2740 اور [لایبلی] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأنفال، حدیث:3079 کے مطابق ہے۔ والسنن الکبری للنسائی، التفسیر، سورة الأنفال:349,348/6، حدیث:11196. [3] مسند أحمد:322/5.

دیا، ایک جماعت دشمن کے تعاقب میں گئی جو اسے بھگاتی اور قتل کرتی جاتی تھی، ایک جماعت لشکر کی طرف متوجہ تھی جو اس کی حفاظت کرتی اور اسے جمع رکھتی تھی اور ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی تاکہ دشمن دھوکے سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے حتی کہ جب رات آئی اور لوگ بھی اپنے ٹھکانوں پر واپس آ گئے تو مال غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا کہ اس مال کو ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا کسی دوسرے شخص کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے جو لوگ دشمن کی تلاش میں نکلے تھے، وہ کہنے لگے کہ تم اس مال کے زیادہ حق دار نہیں ہو کیونکہ ہم نے دشمن کو مار بھگایا اور اسے شکست سے دوچار کیا ہے جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا خوش گوار فریضہ سرانجام دیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، ہم نے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کی تاکہ دشمن دھوکے سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے اور اس کی وجہ سے ہم مشغول رہے تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪﴾ ''(اے نبی! مجاہد لوگ) آپ سے غنیمت کے مال کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ کیا حکم ہے؟) کہہ دیجیے کہ غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا مال ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔'' اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے مال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب دشمن کے علاقے میں حملہ آور ہوتے تو چوتھے حصے کو بطور غنیمت مجاہدوں میں برابر تقسیم کرتے اور جب واپسی پر حملہ آور ہوتے اور لوگ تھکے ہوتے تو آپ تہائی مال تقسیم کرتے اور بطور خاص کسی کو زائد دینے کو ناپسند فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: لِيَرُدَّ قَوِيُّ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى ضَعِيفِهِمْ ''طاقت ور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کمزور مومنوں کو بھی حصہ دیں۔''[1] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔[2]

ارشاد الٰہی: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪﴾ ''لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو۔'' یعنی اپنے امور و معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو، ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، آپس میں جھگڑے نہ کرو، اختلاف نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے تمھیں جس ہدایت اور علم سے سرفراز فرمایا ہے، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جس کی وجہ سے تم آپس میں جھگڑ رہے ہو۔ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ﴾ ''اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو۔'' اس تقسیم میں جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تم میں کر دی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو مال غنیمت کو اسی طرح عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم فرماتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مومنوں پر اس بات کو لازم قرار دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور آپس میں صلح رکھیں امام مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ اور سُدّی فرماتے ہیں کہ آپس میں صلح رکھو کے معنی یہ ہیں کہ آپس

[1] مسند أحمد:324,323/5. [2] جامع الترمذی، السیر، باب فی النفل، حدیث:1561 مختصرًا. وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب النفل، حدیث: 2852 مختصرًا .

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ

(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی

زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں② وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ

رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں③ یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے اپنے رب کے ہاں درجے ہیں اور بخشش ہے

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

اور باعزت رزق ہے④

میں سب و شتم نہ کرو۔[1]

تفسیر آیات:4-2

سچے مومنوں کے اوصاف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''(سچے) مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ منافقوں کے دل فرائض ادا کرتے ہوئے اللہ کے ذکر سے خالی ہوتے ہیں، اللہ کی آیات پر ان کا ایمان نہیں ہوتا، نہ اللہ کی ذات پر ان کا توکل ہوتا ہے، نہ وہ علیحدگی میں نماز ادا کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے مالوں کی زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ یہ مومن نہیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''(سچے) مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔'' اور وہ اس کے عائد کردہ فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ ''اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان اور بڑھا دیتی ہیں۔'' ان کی تصدیق میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ﴿وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ②﴾ ''اور وہ اپنے پروردگار ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔'' اور اس کے سوا کسی اور سے امید نہیں رکھتے۔[2]

مجاہد فرماتے ہیں: ﴿وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے دل ڈر جاتے اور خوف محسوس کرتے ہیں، سدی اور دیگر کئی ایک ائمہ تفسیر نے بھی یہی بیان فرمایا ہے۔[3] سچے مومن کی یہی نشانی ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل ڈر جائے اور اللہ کا خوف محسوس کرتے ہوئے اس کے احکام کو بجالائے اور جن کاموں سے اس نے منع فرما دیا ان سے رک جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾

① تفسير الطبرى:236/9 وتفسير ابن أبى حاتم:1654/5. ② تفسير الطبرى:238,237/9 وتفسير ابن أبى حاتم: 1656,1655/5. ③ تفسير الطبرى: 238/9 وتفسير ابن أبى حاتم:1655/5.

﴿ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۣ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (آل عمران 135:3) ''اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے نفسوں پر کوئی اور زیادتی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور وہ جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 41,40:79) ''اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا تو بے شک اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔'' امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میں نے سدی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ سورۂ انفال کی اس آیت کے بارے میں فرمارہے تھے کہ مومن وہ شخص ہے کہ جب وہ کوئی ظلم یا معصیت کا ارادہ کرے اور اس سے یہ کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ تو اس کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے دہل جائے۔[1]

تلاوتِ قرآن سے ایمان میں اضافہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ ''اور جب ان پر اس کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان اور بڑھا دیتی ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبة 124:9) ''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ چنانچہ جو لوگ ایمان والے ہیں اس سورت نے ان کو ایمان میں زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔'' اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات کریمہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کئی ائمہ نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، جمہور امت کا بھی یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابوعبید اور کئی ایک ائمہ نے بیان فرمایا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان میں اضافہ اور کمی ہوتی رہتی ہے۔ اس مسئلے پر ہم نے صحیح بخاری کی شرح کے آغاز میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

توکل کا بیان: ﴿ وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ اپنے پروردگار ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' یعنی اس کے سوا کسی سے امید نہیں رکھتے، کسی کا قصد نہیں کرتے، کسی کی جناب کی پناہ نہیں چاہتے، اسی سے اپنی حاجتوں کو طلب کرتے ہیں، اسی کی طرف رغبت اور شوق رکھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جو وہ چاہے گا وہی ہوگا اور جو وہ نہیں چاہے گا نہیں ہوگا کیونکہ اس کائنات میں صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کا تصرف و اختیار ہے، اس کے فیصلے کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل اور بھروسا ہی اصل ایمان ہے۔[2]

مومنوں کے اعمال کا تذکرہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ ''(اور) جو نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں۔'' مومنوں کے اعتقاد کو بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا تذکرہ فرمارہا ہے اور یہ اعمال نیکی کی تمام انواع واقسام پر مشتمل

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1655/5 و تفسیر الطبری:238/9. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1656/5.

ہیں۔اقامتِ صلاۃ حقوق اللہ میں سے ہے۔

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اقامت صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کے اوقات، وضو، رکوع اور سجود کی خوب خوب حفاظت کی جائے۔[1] مقاتل بن حیان نے بھی کہا ہے کہ اقامت صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اوقات کے مطابق ادا کیا جائے، طہارت کا خوب خوب اہتمام کیا جائے، رکوع و سجود صحیح طریقے سے ادا کیے جائیں، نماز میں قرآن مجید کی اچھی طرح تلاوت کی جائے، پھر تشہد اور تشہد میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف کا خاص اہتمام کیا جائے، یہ ہے اقامت صلاۃ کا مفہوم۔[2] اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرنا زکاۃ ادا کرنے اور دیگر تمام واجب اور مستحب حقوق العباد کے ادا کرنے پر مشتمل ہے، ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔

ایمان کی حقیقت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ﴾ ''یہی لوگ سچے مومن ہیں۔'' یعنی جو لوگ ان مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہیں وہی سچے مومن ہیں۔

ایمان کامل کا ثمرہ: ارشاد الٰہی ﴿ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کے لیے اپنے پروردگار کے ہاں (بڑے بڑے) درجے ہیں۔'' انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات اور مقامات حاصل ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴾ (آل عمران 163:3) ''ان لوگوں کے اللہ کے ہاں (مختلف اور متفاوت) درجے ہیں اور اللہ دیکھ رہا ہے جو وہ عمل کر رہے ہیں۔'' ﴿ وَمَغْفِرَةٌ ﴾ ''اور بخشش (ہے۔)'' اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کی نیکیوں کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهْلَ عِلِّيِّينَ لَيَرَاهُمْ مَّنْ هُوَ أَسْفَلُ مِنْهُمْ]، [كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ]، [قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! تِلْكَ مَنَازِلُ الْأَنْبِيَاءِ لَا يَبْلُغُهَا غَيْرُهُمْ، قَالَ: بَلٰى! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! رِجَالٌ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِينَ] ''بے شک اعلیٰ درجے والے اپنے سے نچلے درجے والے لوگوں کو دیکھیں گے جس طرح تم روشن ستارے کو آسمان کے کناروں میں دیکھتے ہو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو حضرات انبیائے کرام ہوں گے اور دوسرے لوگ ان کے درجات کو نہیں پا سکیں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ تو وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تصدیق کی۔''[3]

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1657/5. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1657/5. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة، حديث:3256 وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب ترائي أهل الجنة أهل الغرف......، حديث:2831 اس حدیث کا ابتدائی حصہ مسند أحمد:50/3، دوسرا حصہ مسند أحمد:61/3 اور آخری حصہ صحیحین کے مذکورہ بالا حوالے کے مطابق ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ⑤

جیسے (بدر کے موقع پر) آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر (مدینہ) سے حق (بہترین تدبیر) کے ساتھ نکالا تھا، اور بے شک (اس وقت) مومنوں کا ایک

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ؕ⑥

گروہ (اس نکلنے کو) ناپسند کرتا تھا⑤ وہ آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑتے تھے، گویا کہ انھیں موت کی طرف ہانکا

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

جا رہا تھا، اور وہ (اسے) دیکھ رہے تھے⑥ اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے، اور تم چاہتے تھے کہ

تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ⑦ لِيُحِقَّ

جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے وہی تمھارے ہاتھ لگے، اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ

الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ⑧

دے⑦ تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ (اسے) ناپسند ہی کریں⑧

ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے بروایت عطیہ، ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَرَوْنَ أَهْلَ عِلِّيِّينَ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ فِي أُفُقِ السَّمَاءِ ، وَإِنَّ أَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ لَمِنْهُمْ وَأَنْعَمَا] ''اہل جنت علیین والے لوگوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے کسی کنارے میں روشن تارے کو دیکھتے ہو، بلاشبہ ابوبکر و عمر بھی انھی بلند درجات والے لوگوں میں سے ہوں گے اور ان کے لیے یہ کیا خوب قسمت کی بات ہے!''[1]

تفسیر آیات:5-8

اتباعِ رسول ہی باعثِ خیر و برکت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠﴾ ''(ان لوگوں کو اپنے گھروں سے اس طرح نکلنا چاہیے تھا) جس طرح آپ کے پروردگار نے آپ کو حق (تدبیر) کے ساتھ اپنے گھر سے نکالا۔'' بعض ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ مومنوں کی بہتری و بھلائی کو، ان کے اپنے رب سے ڈرنے، آپس کے حالات کی اصلاح کرنے اور ان کے اپنے رب تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح مالِ غنیمت میں تمھارا لڑائی جھگڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے تمھارے ہاتھوں سے لے کر اس کی تقسیم کے معاملے کو اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے سپرد کر دیا اور اس طرح اسے عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیا گیا اور

[1] مسند أحمد: 61/3 وسنن أبي داود، الحروف والقراءات، باب، حديث: 3987 وجامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه ......، حديث: 3658 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب في فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، حديث: 96 تفسیر ابن کثیر میں [أهل عليين] کے بجائے [أَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى] کے الفاظ ہیں جن کا ذکر کتب احادیث میں اسی حدیث کی ابتدا میں ملتا ہے۔ والله أعلم .

اس میں یہی مصلحت کارفرما تھی۔ اسی طرح جب تم نے اس شان وشوکت والی لڑائی کے لیے دشمنوں کے مقابلے میں نکلنے کو ناپسند کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقابلے کے لیے نکلنے کو تمھارے مقدر میں کر دیا اور کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر دشمن کے مقابلے میں نکلنے کو تمھارے لیے رشد وہدایت کا سبب بنا دیا، دشمنوں سے مراد وہ کفار قریش ہیں جو اپنے دین کی مدد اور اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لیے نکلے تھے، یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○﴾ (البقرۃ 216:2) ''(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' ﴿وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ⑤﴾ ''اور بے شک (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت (اس نکلنے میں) ناخوش تھی۔'' سدی کہتے ہیں کہ وہ اس بات سے ناخوش تھی کہ مشرکوں کی تلاش میں نکلا جائے۔[1]

﴿يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ﴾ ''وہ لوگ آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑنے لگے۔'' بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ آپ سے جھگڑا کرتے ہوئے مالِ غنیمت کے بارے میں سوال کرتے ہیں جس طرح انھوں نے بدر کے دن جھگڑا کیا تھا اور کہا تھا کہ آپ نے ہمیں دشمن کے مقابلے کے لیے گھروں سے باہر تو نکال دیا ہے مگر جنگ کے بارے میں ہمیں کچھ بتایا نہیں تھا کہ ہم اس کی تیاری کر لیتے؟ ﴿وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ ''اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ تمھاری اور اس جماعت کی مڈبھیڑ ہو جو مسلح بھی تھی اور لڑائی کے لیے تیار بھی، پھر تمھیں اس کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نواز کر اپنے دین کو غلبہ اور اسلام کو سربلندی عطا فرما دے اور اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، تمام امور ومعاملات کے انجام کو وہی خوب جانتا ہے، تمھیں وہ حسنِ تدبیر سے نوازتا ہے اگرچہ لوگ اس کے خلاف ہی کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ﴾ (البقرۃ 216:2) ''(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو۔''

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی کہ ابوسفیان شام کی طرف سے آرہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: [هٰذِهِ عِيرُ قُرَيْشٍ فِيهَا أَمْوَالُهُمْ ، فَاخْرُجُوا إِلَيْهَا لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُنَفِّلَكُمُوهَا] ''دیکھو قریش کا یہ قافلہ اموال سے لدا پھندا ہے، چنانچہ اس کی طرف نکلو (نکل

---

[1] تفسير الطبرى: 243/9 وتفسير ابن أبي حاتم: 1659/5.

کراس کا مقابلہ کرو) ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمھیں (وہ بطور) مالِ غنیمت عطا فرما دے۔‘‘ آپ کا یہ فرمان سن کر لوگوں نے اس ترغیب کو قبول کیا اور بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے قدرے سستی کی اور اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے، ابوسفیان حجاز سے قریب ہوا تو وہ خبریں دریافت کرنے لگا۔ جو سوار ملتے ان سے صورتِ حال معلوم کرتا کیونکہ اس پر خوف طاری تھا۔ بعض سواروں نے اسے بتایا کہ محمد ﷺ نے تیرے اور تیرے قافلے کے لیے اپنے صحابہ کو نکلنے کی دعوت دی ہے۔

یہ سنتے ہی ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا شروع کر دیا اور ضَمْضَم بن عمرو غِفاری کو اجرت دے کر مکہ مکرمہ روانہ کر دیا تاکہ وہ قریش کے پاس جا کر انھیں یہ پیغام دے دے کہ اپنے اموال کی حفاظت کے لیے نکلو کیونکہ محمد ﷺ قافلے کے راستے میں حائل ہیں ضمضم بن عمرو یہ پیغام پہنچانے کے لیے تیز رفتاری کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے نکلے اور ایک وادی میں پہنچ گئے جسے ’’ذَفِران‘‘ کہا جاتا تھا، پھر اس وادی سے نکلنے لگے اور ابھی تک یہ وادی ختم نہ ہوئی تھی کہ اس کے ایک حصے میں پڑاؤ ڈال دیا اور اسی اثنا میں آپ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لیے چل پڑے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے قریش کی اس خبر سے صحابۂ کرام کو بھی مطلع کیا اور ان سے مشورہ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے تقریر کی اور خوب تقریر کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے بھی خوب تقریر کی، پھر مِقداد بن عمرو اٹھے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو جو حکم دے اسے پورا کیجیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝﴾ (المآئدۃ 5:24) ’’چنانچہ تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، پس ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔‘‘ بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار دونوں چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑیں گے، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں بَرْکُ الْغِماد (حبشہ کا ایک شہر) تک بھی لے چلیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے حتی کہ آپ تشریف لے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ!] ’’لوگو! مجھے مشورہ دو۔‘‘ آپ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس لیے بھی کہ انھوں نے بیعت عقبہ کے وقت کہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی ذمہ داری سے اس وقت تک بری ہیں جب تک آپ ہماری بستی میں تشریف نہیں لے آتے جب آپ تشریف لے آئیں گے تو آپ ہماری ذمہ داری میں ہوں گے، ہم آپ کی حفاظت ہر اس چیز سے کریں گے جس سے ہم اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں انصار یہ نہ سمجھتے ہوں کہ آپ کی امداد ان پر صرف اسی صورت میں لازم ہے کہ جب کوئی دشمن مدینہ میں آپ پر اچانک حملہ کر دے۔ اور اس صورت میں ان پر آپ کی امداد لازم

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ

(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک

مُرْدِفِيْنَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ

ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا⑨ اور اس (مدد) کو اللہ نے خوشخبری بنا دیا تا کہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو جائے اور مدد تو اللہ ہی کے پاس

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩

ہے۔ بے شک اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا⑩

نہیں ہے جب آپ انھیں ان کی بستی سے نکال کر کسی دشمن کے مقابلے میں لے جائیں۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا تو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ فرمایا: ''ہاں'' تو انھوں نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ آپ جس چیز کے ساتھ تشریف لائے ہیں وہ بلاشبہ حق ہے، ہم سمع و طاعت بجا لانے پر آپ سے پختہ عہد و پیمان کر چکے ہیں، اس لیے اے اللہ کے رسول! آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمارے سامنے اس سمندر کو پیش کر دیں اور اس میں داخل ہوں تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہ ہٹے گا، ہم اس بات کو قطعاً ناپسند نہیں کرتے کہ آپ ہمیں ساتھ لے کر کل ہی دشمن سے مقابلہ کریں۔ ہم جنگ میں بڑے بہادر اور دشمن کے مقابلے کے لیے بڑے جری لوگ ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے وہ منظر دکھائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، لہٰذا آپ ہمیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوں۔

سعد کی یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: [سِيرُوا عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ وَأَبْشِرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ ، وَاللّٰهِ! لَكَأَنِّي الْآنَ أَنْظُرُ إِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ] ''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! اس وقت میں دیکھ رہا ہوں کہ کفار قریش کس کس جگہ ڈھیر ہوں گے۔''[1] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] سدی، قتادہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی ایک علمائے سلف و خلف نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[3] ہم نے محمد بن اسحاق کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے ان کے اقوال کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

تفسیر آیات :10,9

مسلمانوں کی فریاد اور فرشتوں کا نزول: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا

① تفسیر الطبری:246,245/9 والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام:615/2 وتاریخ الطبری:22/3. ② تفسیر الطبری:248/9.

③ تفسیر الطبری:246/9-248.

ہے:باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ ﴾ تا ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (الأنفال 8:9-13) اوراس باب میں انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ میں مقداد بن اسود کی ایک ایسی بات کے موقع پر حاضر تھا کہ ساری دنیا مل جانے سے بھی مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ وہ بات کہنے کی مجھے سعادت میسر آتی اور وہ یہ کہ وہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب آپ مشرکین کے لیے بددعا فرما رہے تھے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا: ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ ﴾ (المآئدۃ 5:24) ''چنانچہ تم اور تمھارا رب جاؤ، پھر دونوں لڑو۔'' بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے میں نے دیکھا کہ مقداد کی اس بات سے نبیٔ اکرم ﷺ اس قدر مسرور ہوئے کہ چہرۂ اقدس گلنار ہو گیا۔[1]

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے بدر کے دن یہ دعا کی تھی: [اَللّٰهُمَّ! (إِنِّي) أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اللّٰهُمَّ! إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ] ''اے اللہ! بے شک میں تجھے تیری ذات کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تو اپنے عہد و پیمان کو پورا فرما دے، اے اللہ! اگر تو چاہے کہ تیری پوجا نہ ہو۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے تھام لیا اور عرض کی: بس اب کافی ہے، آپ وہاں سے نکلے تو اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾ (القمر 54:45) ''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔''[2] اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

ارشادِ الٰہی: ﴿ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ﴾ ''ہزار فرشتوں سے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے۔'' یعنی وہ ایک دوسرے کے پیچھے آئیں گے جیسا کہ ہارون بن عنترہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ مُرْدِفِيْنَ ۝ ﴾ کے معنی مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔[4] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مومنوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی جن میں سے پانچ سو فرشتوں کی قیادت حضرت جبریل کر رہے تھے اور پانچ سو کی قیادت حضرت میکائیل کے پاس تھی۔[5]

امام ابوجعفر بن جریر اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث روایت کی ہے جس میں یہ ذکر بھی ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے بھاگ رہا تھا کہ اس نے اپنے اوپر سے کوڑے اور ایک شہسوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا حَيْزُومُ آگے بڑھو، پھر اس نے دیکھا کہ وہ مشرک چاروں شانے چت گر گیا ہے، اس کی

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ ...... ﴾، حدیث: 3952. [2] صحیح البخاری، المغازی، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ ...... ﴾، حدیث: 3953. [3] السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، سورۃ القمر، قولہ تعالیٰ: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾ (القمر 54:45): 477/6، حدیث: 11557. [4] تفسیر الطبری: 253/9 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1663/5. [5] تفسیر ابن عباس: 247/1، رقم: 525 وتفسیر الطبری: 259/9.

ناک اور اس کا چہرہ زخموں سے اس طرح چور تھا، جیسے اس پر کوڑے برسائے گئے ہوں حتی کہ اس کے سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، انصاری نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ نے فرمایا:[صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ] ''تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان سے مدد تھی۔'' غزوۂ بدر کے دن ستر مشرک قتل ہوئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے تھے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بَابُ شُهُودِ الْمَلَائِكَةِ بَدْرًا ''بدر میں فرشتوں کے حاضر ہونے کا بیان'' میں رِفاعہ بن رافع زُرَقی کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے جو کہ اصحابِ بدر میں سے تھے، جبریل نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اہل بدر کو آپ اپنے ہاں کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:[مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ] ''وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں۔'' یا آپ نے اس طرح کے کوئی اور الفاظ فرمائے، جبریل نے عرض کی: اسی طرح ہم ان فرشتوں کو بھی سب سے افضل سمجھتے ہیں جنھوں نے جنگِ بدر میں شرکت کی تھی۔[2] اس روایت کو امام بخاری بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ امام طبرانی نے اسے ''المعجم الکبیر'' میں رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے جو کہ غلط ہے، صحیح بات یہی ہے کہ یہ رِفاعہ بن رافع سے مروی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انھوں نے حاطب بن ابوبلتعہ کے قتل کا مشورہ دیا تھا:[إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ] ''انھوں نے تو بدر میں شرکت کی تھی اور تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔''[4]

ارشادِ الٰہی: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى﴾ ''اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بھیجنے اور تمھیں ان کے بارے میں اطلاع دے دینے کو تمھارے لیے بشارت بنا دیا تھا۔ ﴿وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''تاکہ تمھارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں۔'' ورنہ وہ ذات اقدس تو اس بات پر بھی قادر ہے کہ اس کے بغیر بھی دشمنوں کے مقابلے میں تمھاری مدد فرما دیتی، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ○ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ○﴾

[1] صحيح مسلم، الجهاد......، باب الإمداد بالملائكة في غزوة بدر......، حديث:1763. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب شهود الملائكة بدرًا، حديث:3992. [3] المعجم الكبير للطبراني:277/4، حديث:4412. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب فضل من شهد بدرًا، حديث:3983 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة وأهل بدر ﷺ، حديث: 2494 ......

وَ يُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ○ (محمد 47:4-6) ''جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے چھوڑ دینا ہے یا کچھ مال لے کر یہاں تک کہ (فریقِ مقابل) لڑائی (کے) ہتھیار (ہاتھ سے) رکھ دے یہ (حکم یاد رکھو!) اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا (بلکہ) ان کو (سیدھے) رستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا اور ان کو بہشت میں جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے، داخل کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:140,141) ''اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نیست و نابود کر دے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کا حکم ہے کہ مومنوں کے ہاتھوں کفار کے خلاف جہاد ہو۔ انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں کو تو اللہ تعالیٰ مختلف عذابوں کی صورت میں سزا دیا کرتا تھا اور تکذیب کرنے والی ساری قوم عذاب کی لپیٹ میں آ جایا کرتی تھی جیسا کہ قوم نوح کو طوفان کے ساتھ، قوم عاد کو سخت آندھی کے ساتھ، قوم ثمود کو چنگھاڑ کے ساتھ، قوم لوط کو پتھروں کی بارش کے ساتھ اور قوم شعیب کو سائبان کے دن کے عذاب کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان کے دشمن فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا تو پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا اور اس میں کفار سے لڑنے کا حکم دیا، کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم ان کے بعد کی تمام شریعتوں میں بھی باقی رہا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَهۡلَكۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰى بَصَآئِرَ ﴾ (القصص 28:43) ''اور البتہ تحقیق ہم نے پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی (جس میں) بصیرت افروز دلائل ہیں۔'' مومنوں کے کافروں کو قتل کرنے میں کافروں کی بے حد توہین بھی ہے اور اس سے مومنوں کے سینے ٹھنڈے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے مومنوں سے فرمایا ہے: ﴿ قَاتِلُوۡهُمۡ يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ بِاَيۡدِيۡكُمۡ وَيُخۡزِهِمۡ وَيَنۡصُرۡكُمۡ عَلَيۡهِمۡ وَيَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۙ ﴾ (التوبۃ 9:14) ''ان سے (خوب) لڑو اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور رسوا کرے گا اور وہ تمھاری ان کے خلاف مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔'' سردارانِ قریش کا قتل، ان کے ان دشمنوں کے ہاتھوں جنھیں وہ نہایت حقارت سے دیکھتے تھے جہاں ان کے لیے بے حد ذلت و رسوائی کا سبب تھا، وہاں گروہ ایمان کے سینوں کے لیے بے پناہ ٹھنڈک کا ذریعہ بھی تھا۔

معرکۂ کارزار میں ابوجہل کا قتل، بستر پر کسی عذاب یا سزا سے دوچار ہو کر مرنے کی نسبت کہیں زیادہ توہین آمیز تھا، اسی

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

(یاد کرو) جب وہ (اللہ) اپنی طرف سے تمھیں امن وسکون دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪

کے ذریعے سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسوں کو لے جائے اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے، اور تاکہ اس کی وجہ سے (تمھیں) ثابت

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ

قدم رکھے ⑪ (اے نبی!) جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان

قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ

لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب

بَنَانٍ ؕ ⑫ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ

لگاؤ ⑫ یہ اس لیے کہ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو یقیناً اللہ سخت سزا

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭

دینے والا ہے ⑬ پس تم یہ (سزا) چکھو اور بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب (تیار) ہے ⑭

طرح ابولہب ملعون طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر اس قدر ذلت کی موت مرا کہ اس کے قریبی رشتے داروں میں سے بھی کوئی اس کے قریب نہ گیا بلکہ دور ہی سے اس پر پانی گرا دیا گیا، پھر اس پر دور ہی سے پتھر پھینک پھینک کر اسے دفن کر دیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ ''بے شک اللہ غالب ہے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں عزت اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور مومنوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المؤمن 41:51) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیاوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی۔)'' ﴿ حَكِيْمٌ ⑩ ﴾ ''حکمت والا ہے۔'' کہ اس نے حکمت ہی کی وجہ سے کفار سے لڑنے کا حکم دیا، حالانکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنی قدرت اور قوت کے ساتھ خود ہی کافروں کو تباہ و برباد اور ہلاک کر دے۔

تفسیر آیات:11-14

مسلمانوں پر اونگھ کا غلبہ: اللہ تعالیٰ اپنے اس انعام کا ذکر فرما رہا ہے جو اس نے اپنے ان بندوں پر اونگھ طاری کر کے فرمایا تھا تاکہ ان کا وہ خوف دور ہو جائے جو دشمن کی کثرت اور ان کی تعداد کی قلت کی وجہ سے تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے احد کے دن بھی ان پر اونگھ طاری فرما دی تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ (آل عمران 3:154) ''پھر اللہ نے غم و رنج کے بعد امن وسکون کے لیے تم پر اونگھ اتاری، اس (اونگھ) نے تم میں سے ایک گروہ کو ڈھانپ لیا اور (دوسرا) گروہ جنھیں ان کے نفس غمناک کر رہے

تھے۔'' ابوطلحہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوگئی تھی، اس اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی، میں اسے پکڑتا اور وہ گر جاتی تھی، پھر اسے پکڑتا اور وہ پھر گر جاتی تھی میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھولے لے رہے ہیں۔ ①

حافظ ابو یعلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بدر کے دن مقداد کے سوا اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا، میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص سو رہا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے نیچے نماز پڑھتے اور رو رو کر دعائیں کرتے رہے حتی کہ صبح ہوگئی۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میدان جنگ میں اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہوتی ہے مگر نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اونگھ کا تعلق سر سے اور نیند کا دل سے ہوتا ہے ③ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ احد کے دن طاری ہوئی تھی جیسا کہ یہ بہت ہی مشہور بات ہے مگر یہ آیت شریفہ قصۂ بدر کے سیاق میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے دن بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ طاری ہوئی تھی۔ گویا جب بھی شدید جنگ ہوتی تو اللہ تعالیٰ مومنوں پر اونگھ طاری فرما دیتا تھا تاکہ نصرتِ الٰہی کے ساتھ انھیں اطمینان وسکونِ قلب نصیب ہو اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و رحمت اور اس کی نعمت تھی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ ﴾ ''کیونکہ بلاشبہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے (اور) بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔'' (الانشراح 6,5:94)

اسی لیے صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کے دن سائبان کے نیچے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور دونوں دعائیں کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اونگھ طاری ہوگئی تھی، پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا: [أَبْشِرْ يَا أَبَا بَكْرٍ! هٰذَا جِبْرِيلُ...... عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ] ''ابوبکر! خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں......اس کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے۔'' پھر آپ باہر تشریف لے آئے اور آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت فرما رہے تھے: ﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ ﴾ (القمر 45:54) ''عنقریب یہ جمعیت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔'' ④

بدر کی رات بارش کا نزول: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور تم پر آسمان سے پانی برساتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر کی طرف چلے تو آپ نے اور مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو ان کے اور پانی کے درمیان ایک ٹیلہ تھا، مسلمانوں کو شدید کمزوری لاحق تھی، شیطان نے ان کے دلوں میں غصہ اور یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ تم تو اپنے آپ کو اللہ کے دوست سمجھتے ہو اور تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں مگر پانی

① تفسیر ابن أبی حاتم:1664/5. ② مسند أحمد:125/1 ومسند أبی یعلی الموصلی:242/1، حدیث:280 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالٰی: ﴿ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً ﴾:316/6، حدیث:11080. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:21664/5 وتفسیر الطبری:256/9. ④ دلائل النبوة للبیهقی، باب التقاء الجمعین و نزول الملائکة......: 81,80/3 مفصلاً عن عبداللہ بن أبی بکر. آیات کی تلاوت کا ذکر دیکھیے صحیح البخاری، المغازی، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ...... ﴾ (الأنفال 9:8)، حدیث: 3953 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ.

پر تو دشمنوں کا غلبہ ہے تو تم حالتِ جنابت میں نمازیں پڑھو گے! اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے شدید بارش نازل فرما دی، مسلمانوں نے پانی پیا، غسل بھی کیا اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسوں کو ان سے دور کر دیا، بارش کی وجہ سے یہ ریت والی زمین بھی مضبوط ہوگئی اور لوگوں اور جانوروں کو چلنے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کی مدد کے لیے ایک ہزار فرشتوں کو بھی نازل فرما دیا جن میں سے پانچ سو کے قائد جبریل اور پانچ سو کے قائد میکائیل تھے۔[1]

اس سلسلے میں سب سے بہتر روایت وہ ہے جسے صاحب ''المغازی'' امام محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی اور یہ وادی نرم زمین تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بارش کی وجہ سے یہ فائدہ ہوا کہ زمین مضبوط ہوگئی اور چلنے پھرنے میں کوئی دشواری نہ رہی اور اس سے قریش کے لیے یہ مصیبت پیدا ہوگئی کہ آپ کے مقابلے میں ان کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو اونگھ سے پہلے نازل فرمایا تھا، اس سے غبار بیٹھ گیا، زمین سخت ہوگئی، مسلمانوں کے دل خوش ہوگئے اور انھیں ثابت قدمی نصیب ہوئی۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ ''تاکہ وہ تم کو اس کے ذریعے سے پاک کر دے۔'' یعنی چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی ناپاکی سے اور یہ ظاہری طہارت ہے۔ ﴿وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ ''اور شیطانی وسوسے تم سے دور کر دے۔'' یعنی وسوسے اور برے خیال کو اور یہ باطنی طہارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ز وَّ حُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ج﴾ (الدھر 21:76) ''ان (کے بدنوں) پر سبز اور باریک ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انھیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔'' یہ ظاہری زینت ہے اور ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝﴾ (الدھر 21:76) ''اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔'' جو ان کو کینے، حسد اور بغض سے پاک کر دے گا اور یہ باطنی زینت اور طہارت ہے۔ ﴿وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے۔'' صبر اور دشمنوں کے مقابلے پر اقدام کے ساتھ۔ اور یہ باطنی شجاعت ہے۔ ﴿وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝١١ ؕ﴾ ''اور اس سے (تمھارے) پاؤں جمائے رکھے۔'' اور یہ ظاہری شجاعت ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط﴾ ''اے نبی! جب آپ کا پروردگار فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں۔'' یہ ایک خفیہ نصیحت تھی جس کا اللہ تعالیٰ نے اظہار فرما دیا تاکہ اس کے بندے اس کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان فرشتوں کی طرف یہ وحی فرمائی جنھیں اس نے اپنے نبی،

---

[1] تفسیر الطبری: 259,258/9. [2] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، نزول قریش بالعدوۃ والمسلمین ببدر: 620/2. [3] تفسیر الطبری: 260/9.

اپنے دین اور اپنے مومن بندوں کی نصرت کے لیے نازل فرمایا تھا کہ اہل ایمان کو تسلی دے کر ثابت قدم رکھو۔ ارشاد الٰہی:
﴿ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ﴾ ”میں عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈال دوں گا۔“ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور انھیں ان کے دشمنوں کے مقابلے میں طاقت ور بناؤ اور میں رعب، ذلت اور رسوائی ان لوگوں کے دلوں میں ڈال دوں گا جو میرے حکم کی مخالفت کریں گے اور میرے رسول کی تکذیب کریں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾ ”چنانچہ تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر پور پر ضرب لگاؤ۔“ یعنی ان کی کھوپڑیوں پر مارو اور انھیں توڑ دو، گردنوں کو مروڑ دو اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اور ارشاد الٰہی: ﴿ فَوْقَ الْاَعْنَاقِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے سروں کو مارو۔ اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ گردنوں کے اوپر مارو۔ ضحاک اور عطیہ عوفی نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اس طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ ﴾ (محمد 4:47) ”پھر جب تم کافروں سے ملو تو (ان کی) گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو۔“ ربیع بن انس نے کہا ہے کہ لوگ ان کافر مقتولوں کو پہچانتے تھے جنھیں جنگ بدر کے دن فرشتوں نے قتل کیا تھا اور وہ اس طرح کہ ان کی گردنوں اور پوروں پر اس طرح کالے نشان تھے جس طرح آگ سے جلنے کے نشان ہوتے ہیں۔[2]

ارشاد الٰہی: ﴿ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾ ”اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ۔“ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مومنو! تم اپنے دشمنوں کے ہاتھ اور پاؤں کے ایک ایک جوڑ کو مار کر توڑ دو۔ بَنَان، بَنَانَة کی جمع ہے۔[3] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعۂ بدر کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ انھیں یک دم قتل نہ کرنا بلکہ پکڑ لینا اور ان سے اعتراف کروا لینا کہ انھوں نے تمھارے دین میں طعنہ زنی کی اور لات و عزیٰ سے بے رغبتی اختیار کی تھی تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾ ”بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم ان کو ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ۔“[4]

جنگ بدر میں اُنہتر (69) آدمیوں میں ابوجہل ملعون بھی تھا جو مارا گیا، عقبہ بن ابومُعَیط گرفتار ہو کر حالتِ گرفتاری میں مارا گیا تھا اور اس طرح بدر میں قتل ہونے والوں کی تعداد پوری ستر ہو گئی تھی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

---

[1] تفسیر الطبری: 262/9. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1668/5. [3] تفسیر الطبری: 263/9. [4] المعجم الکبیر للطبرانی: 48/5، حدیث: 4550 لیکن یہاں آیت کے نزول کا ذکر نہیں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮

اے ایمان والو! جب تمھارا ان لوگوں کے لشکر سے مقابلہ ہو جنھوں نے کفر کیا تو تم ان سے پیٹھیں نہ پھیرو⑮ اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا،

وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ

سوائے اس شخص کے جولڑائی کے لیے پینترا بدلنے والا ہو یا (اپنے) کسی گروہ کی پناہ لینے والا ہو، تو یقیناً وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ⑯

ہے، اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے⑯

﴿ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ ﴾ ''یہ (سزا) اس لیے (دی گئی) کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔'' یعنی انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور اس طرح یہ ایک طرف ہو گئے اور شریعت، ایمان اور اس کی اتباع کو ایک طرف رکھ دیا۔ ﴿ شَآقُّوْا ﴾ شَقّ العَصَا کے محاورے سے مشتق ہے جس کے معنی لاٹھی کے دو ٹکڑے کر دینے کے ہیں۔ ﴿ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑬ ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ بھی سخت عذاب والا ہے۔'' جو اس کی مخالفت کرے وہ اسے گرفت میں لے لیتا اور اس پر غالب آ جاتا ہے، کوئی چیز اس سے اوجھل نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے غضب کا مقابلہ کر سکتی ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔ ﴿ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ⑭ ﴾ ''پس یہ (مزہ تو یہاں) چکھو اور بے شک کافروں کے لیے آگ کا عذاب (بھی تیار) ہے۔'' یہ کافروں سے خطاب ہے کہ دنیا میں اس عذاب اور سزا کو چکھو اور یاد رکھو! آخرت میں بھی کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

تفسیر آیات:16,15

میدانِ جنگ سے فرار کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ سے فرار کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم کفار کے لشکر سے ملو'' اور مقابلہ کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں تم ایک دوسرے کے قریب آ جاؤ ﴿ فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ⑮ ﴾ ''تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرنا۔'' یعنی راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ نہ جانا۔ ﴿ وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ ﴾ ''اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس شخص کے جولڑائی (کی مصلحت) کے لیے ہٹے۔'' یعنی جنگی تدبیر کے طور پر اپنے مدمقابل کے آگے سے بھاگ کر اسے تاثر یہ دے کہ یہ اس سے ڈر کر بھاگا ہے اور جب وہ اس کا پیچھا کرے تو یہ پلٹ کر اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دے تو اس طرح کی تدبیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سعید بن جبیر اور سُدّی نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[1] ضحاک بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ساتھیوں سے آگے نکل جائے تاکہ دشمن کو دھوکا دے کر اس پر حملہ آور ہو۔[2] ﴿ اَوْ

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1670/5. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 1670/5 و تفسیر الطبري: 265/9.

﴿ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ ﴾ ”یا کسی جماعت کی پناہ لینے والا ہو۔“ یعنی ادھر سے فرار اختیار کر کے مسلمانوں کی دوسری جماعت کی پناہ تاکہ یہ ان کی اور وہ اس کی مدد کر سکیں تو یہ جائز ہے حتی کہ اگر کوئی شخص کسی سریّے میں ہو اور وہ بھاگ کر امیر لشکر[1] یا امام اعظم کے پاس چلا جائے تو اسے بھی یہ رخصت حاصل ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوعبید کے بارے میں فرمایا تھا جب وہ ارض فارس میں مجوسیوں کے لشکر کی کثرت کی وجہ سے پل پر قتل ہو گئے تھے کہ اگر وہ میرے پاس آ جاتے تو وہ ﴿ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ ﴾ کی صورت اختیار کر لیتے۔ محمد بن سیرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اور ابوعثمان نہدی کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ جب ابوعبید شہید ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! میں تمھاری جماعت ہوں۔[3] اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ہر مسلمان کی جماعت ہوں۔[4] عبدالملک بن عمیر کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: لوگو! اس آیت کی وجہ سے تم دھوکے میں مبتلا نہ ہونا، اس کا تعلق بدر کے دن سے تھا اور میں ہر مسلمان کے لیے جماعت ہوں۔[5]

امام ابن ابوحاتم نے اپنے والد گرامی سے، حسان بن عبداللہ مصری، خلّاد بن سلیمان حضرمی کی سند کے ساتھ نافع سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم لوگ جنگ میں اپنے دشمن کو ثابت قدم نہیں رہنے دیتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ فئة سے مراد ہمارا امام ہے یا لشکر؟ تو انھوں نے فرمایا: فِئَة سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے تو ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا ...... ﴾ الآیة ”جب تم ان لوگوں کے لشکر سے ملو جنھوں نے کفر کیا......“ تو انھوں نے فرمایا: یہ آیت نہ پہلے اور نہ بعد بلکہ عین جنگ بدر کے دن نازل ہوئی تھی۔[6]

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ ﴿ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ ﴾ میں متحیز سے مراد وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کی طرف بھاگ کر آ جائے، اسی طرح آج کل جو بھاگ کر اپنے امیر یا اپنے ساتھیوں کی طرف آ جائے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔[7]

ان مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب کے بغیر میدان جنگ سے فرار اختیار کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: الشِّرْكُ بِاللّٰهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ] ”سات کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سے ہیں؟ فرمایا: (1) اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ (2) جادو کرنا (3) اس جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو۔ (4) سود کھانا (5) یتیم کے مال

[1] تفسیر الطبری: 266/9 . [2] تفسیر الطبری: 268/9. [3] تفسیر الطبری: 268/9. [4] تفسیر الطبری: 268/9.
[5] تفسیر ابن أبی حاتم: 1671/5. [6] تفسیر ابن أبی حاتم: 1671/5. [7] تفسیر ابن أبی حاتم: 1671/5.

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ

چنانچہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ ہی نے انھیں قتل کیا، اور (اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ

اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿17﴾

نے پھینکی اور تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿17﴾ یہ تھی بات (ہماری حکمت)

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿18﴾

اور بے شک اللہ کافروں کی چال کمزور کرنے والا ہے ﴿18﴾

کو کھانا (6) جنگ کے دن میدان سے پیٹھ پھیرنا اور (7) پاک دامن، غافل اور مومن عورتوں پر بہتان لگانا۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿16﴾﴾ ''چنانچہ وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

تفسیر آیات: 18,17

اللہ تعالیٰ کا کافروں کو قتل کرنا اور ان پر مٹی پھینکنا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے اور بندوں سے صادر ہونے والے تمام اچھے کاموں کی وجہ سے وہی قابل ستائش ہے کیونکہ اسی نے اپنے بندوں کو ان کاموں کی توفیق دی اور ان کی اعانت فرمائی، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص﴾ ''تم (لوگوں) نے انھیں قتل نہیں کیا اور بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا۔'' یعنی تم نے اپنے دشمنوں کو اپنی طاقت وقوت سے قتل نہیں کیا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ اور تمھاری تعداد کم تھی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمھیں ان پر کامیابی عطا فرمائی جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ﴾ (آل عمران 3:123) ''اور اللہ نے جنگ بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی تھی جب تم بے سروسامان تھے۔'' اور فرمایا: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴾ (التوبة 9:25) ''یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تم کو مدد دی ہے اور (جنگ) حنین کے دن بھی جبکہ تم کو تمھاری کثرت نے تمھیں حیرت وتعجب میں ڈال دیا تو اس (کثرت) نے تمھیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بات معلوم کروائی ہے کہ فتح ونصرت تعداد کی کثرت، ہتھیاروں سے مسلح ہونے اور ساز و سامان کی فراوانی پر موقوف نہیں ہے بلکہ فتح ونصرت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (البقرة 2:249) ''کئی بار تھوڑی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

---

[1] **صحيح البخاري**، الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا......﴾ الآية (النسآء 10:4)، حديث: 2766 و**صحيح مسلم**، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89.

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ

(کافروں سے کہہ دیجیے:) اگر تم فیصلہ مانگتے تھے تو فیصلہ تمھارے سامنے آ گیا۔ اور اگر تم باز آ جاؤ تو وہ تمھارے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم دوبارہ (پہلے کی

وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ

طرح) کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح کریں گے (تمھیں سزا دیں گے) اور تمھاری جماعت اگرچہ زیادہ ہی ہو وہ تمھیں ہرگز کچھ فائدہ نہ دے گی، اور بے

اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ⑲

شک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے⑲

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مٹی کی اس مٹھی کے بارے میں بھی فرمایا ہے جو آپ نے بدر کے دن اس وقت کافروں کے چہروں پر پھینک دی تھی جب آپ دعا اور الحاح وزاری کے بعد سائبان سے باہر تشریف لائے تھے اور کافروں پر مٹی کی مٹھی پھینکتے ہوئے فرمایا تھا: [شَاهَتِ الْوُجُوهُ] ''چہرے بگڑ جائیں۔'' ادھر اللہ تعالیٰ نے ان کنکریوں کو مشرکوں کی آنکھوں تک پہنچا دیا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکری نہ پڑی ہو۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ﴾ ''اور (اے نبی!) جس وقت آپ نے (کنکریوں کی مٹھی) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔''[1] یعنی ان کنکریوں کو ان تک آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہنچایا اور ان کے ساتھ انھیں ذلیل وخوار کیا تھا۔

محمد بن اسحاق لکھتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ بن زبیر کے حوالے سے ﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ﴾ ''تاکہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی یہ نعمت معلوم کروا لے جو اس نے انھیں اپنے دشمنوں پر غلبے کی صورت میں عطا فرمائی، حالانکہ دشمنوں کی تعداد زیادہ اور مومنوں کی تعداد کم تھی تاکہ مومن اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچان کر اس کی نعمت کا شکر بجا لائیں۔[2] امام ابن جریر نے بھی اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔[3] اور حدیث میں ہے: [وَكُلَّ بَلَاءٍ حَسَنٍ أَبْلَانَا] اور ہر اچھی نعمت پر (اس کا شکر) جو اس نے ہمیں دی۔''[4]

اور فرمان الٰہی: ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ⑰﴾ ''بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کی دعا کو سنتا ہے اور جانتا ہے کہ نصرت وغلبے کا کون مستحق ہے اور فرمایا: ﴿ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ⑱﴾ ''(بات) یہ (ہے) کچھ شک نہیں کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے۔'' مسلمانوں کو فتح ونصرت کے ساتھ ساتھ یہ ایک دوسری بشارت

① دیکھیے المعجم الكبير للطبراني، أبو بكر بن سليمان:203/3، حديث:3128 عن حكيم بن حزام رضی اللہ عنہ. اور صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة حنين، حديث:1775 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. و 1777 عن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ میں غزوۂ حنین کے موقع پر بھی کنکریاں یا مٹی پھینکنے کا ذکر ملتا ہے۔ و تفسیر الطبری:271/9. ② تفسیر ابن أبي حاتم:1674/5 و تفسير الطبري:272/9. ③ تفسير الطبري:272/9. ④ صحيح ابن حبان، الأطعمة، ذكر مايحمد العبد......:23/12، حديث:5219.

دی جارہی ہے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کردینے والا، انھیں ذلت ورسوائی میں مبتلا کردینے والا اور انھیں تباہی وبربادی سے دوچار کرنے والا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیت:19

مشرکوں کا فیصلہ طلب کرنے کی دعا کرنا اور اس کی قبولیت: اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا﴾ ''اگر تم فیصلہ چاہتے ہو۔'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے اور اسی سے فیصلہ کروانا چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ تمھارے اور تمھارے مومن دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرمادے تو تمھارے پاس وہ چیز آپہنچی ہے جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے امام زہری سے اور انھوں نے عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعَیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے بدر کے دن یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ! ہم میں سے جو شخص رشتوں کو زیادہ توڑنے والا اور ہمارے سامنے ایک غیر معروف بات پیش کرنے والا ہے، اسے آج صبح ہلاک کردے۔ اس طرح وہ خود اپنی بربادی کا دروازہ آپ کھولنے والا تھا۔ اسی سلسلے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ...... ﴾ الآیۃ [1] ''(کافروں سے کہہ دیجیے:) اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ (تمھارے سامنے) آگیا......۔''

امام احمد نے بھی عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا ہوئے تو ابوجہل نے کہا: اے اللہ! ہم میں سے جو شخص رشتوں کو زیادہ توڑنے والا اور ہمارے سامنے ایک غیر معروف بات پیش کرنے والا ہے، اسے آج صبح ہلاک کردے۔ اس طرح فیصلہ طلب کرنے والا ابوجہل تھا۔ [2] امام نسائی نے اسے تفسیر میں بیان کیا ہے اور امام حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ [3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، ضحاک، قتادہ، یزید بن رومان اور دیگر کئی ایک ائمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [4] سدی کہتے ہیں کہ مشرکین جب مکہ سے بدر کی طرف نکلنے لگے تو انھوں نے غلافِ کعبہ کو پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ! دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ، دونوں جماعتوں میں سے زیادہ معزز اور دونوں قبیلوں میں سے بہتر کو فتح ونصرت عطا فرما۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾ یعنی تم نے جو کہا اس کے مطابق میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ونصرت عطا فرمادی ہے۔ [5] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ یہ ان کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○﴾ [6] (الأنفال 32:8) ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1675/5. [2] مسند أحمد:431/5. [3] السنن الکبریٰ للنسائي، التفسیر، قوله تعالیٰ: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ﴾: 350/6، حدیث: 11201 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنفال: 328/2، حدیث:3264. [4] تفسیر الطبري:275,274/9. [5] تفسیر الطبري:275/9. [6] تفسیر الطبري:275/9.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿20﴾ وَلَا

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے نہ پھرو، حالانکہ تم سن رہے ہو﴿20﴾ اور تم ان لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿21﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ

جنھوں نے کہا: ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے نہیں تھے﴿21﴾ بے شک اللہ کے نزدیک چلنے پھرنے والوں میں بدترین وہ بہرے گونگے ہیں جو

الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿22﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

عقل نہیں رکھتے﴿22﴾ اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انھیں ضرور سنا دیتا، اور اگر وہ انھیں سنا دیتا تو بھی وہ ضرور پھرتے اور وہ اعراض

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾

کرنے والے ہیں﴿23﴾

دردناک عذاب لے آ۔“

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِنْ تَنْتَهُوْا ﴾ ”اور اگر تم باز آ جاؤ“ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے سے ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ ”تو وہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔“ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ ﴾ ”اور اگر تم لوٹو گے تو ہم بھی لوٹیں گے۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ ﴾ (بنی إسرآئیل 8:17) ”اور اگر تم لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔“ یعنی اگر تم پھر کفر و ضلالت کا مظاہرہ کرو گے تو ہم بھی دوبارہ تم سے اسی طرح کا سلوک کریں گے۔ ﴿ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ ﴾ ”اور اگرچہ تمھاری جماعت کتنی ہی زیادہ ہو وہ تمھیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گی۔“ یعنی تم جس قدر جماعتوں کو جمع کر سکتے ہو کر و لیکن جس کے ساتھ اللہ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿19﴾ ﴾ یعنی اللہ مومنوں کی جماعت کے ساتھ اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیات: 20-23

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت بجا لائیں اور اس بات سے انھیں ڈرایا ہے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور کافروں اور اس کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت اختیار کریں۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ﴾ ”اور اس سے نہ پھرو۔“ یعنی اس کی اطاعت ترک نہ کرو، اس نے جو حکم دیے ہیں ان کی اطاعت بجا لاؤ اور جن باتوں سے منع فرمایا ہے، انھیں ترک کر دو۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿20﴾ ﴾ ”اور تم سنتے ہو۔“ یعنی تم جانتے ہو کہ اس نے تمھیں کس بات کی دعوت دی ہے۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ”اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے کہا کہ ہم نے (اللہ کے حکم کو) سن لیا، حالانکہ وہ سنتے نہیں تھے۔“ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ اس سے مراد منافق ہیں کیونکہ وہ ظاہر یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے احکام الٰہی کو سن لیا اور قبول کر لیا ہے، حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 279/9.

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول (کی بات) کو قبول کرو جب وہ تمھیں اس (امر) کے لیے بلائے جو تمھیں زندگی بخشتا ہے، اور تم جان لو کہ یقیناً اللہ بندے

ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿24﴾

اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿24﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ ساری مخلوق میں سے بدترین ہیں، پس فرمایا: ﴿إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ کے ہاں چلنے پھرنے والوں میں بدترین بہرے ہیں۔“ یعنی جو حق کو سن نہیں سکتے ﴿ٱلْبُكْمُ﴾ ”گونگے ہیں۔“ جو حق کو سمجھ نہیں سکتے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿22﴾﴾ جو عقل نہیں رکھتے۔“ یہ ساری مخلوق میں سے بدترین ہیں کیونکہ ان کے سوا ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہے جس مقصد کی خاطر اسے پیدا کیا اسے وہ سرانجام دے رہی ہے اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا مگر انھوں نے کفر کو اختیار کیا ہے۔ اسی لیے حسب ذیل آیت کریمہ میں انھیں چوپایوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے: ﴿وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ كَمَثَلِ ٱلَّذِى يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَنِدَآءً ۚ ......﴾ الآية (البقرۃ2:171) ”جو لوگ کافر ہیں، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے......“ اور ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿أُو۟لَٰٓئِكَ كَٱلْأَنْعَٰمِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْغَٰفِلُونَ﴾ (الأعراف7:179) ”یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں مذکور ان لوگوں سے قریش کی بنی عبدالدار شاخ کی ایک جماعت مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہی مروی ہے اور امام ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[1] جبکہ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ ان سے منافق مراد ہیں۔[2] اس اعتبار سے مشرکین اور منافقین میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں گروہ ہی صحیح فہم اور عمل صالح سے محروم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا فہم صحیح ہے نہ ان کا قصد و ارادہ ہی صحیح ہے اگر بالفرض ان کا فہم صحیح ہوتا تو ﴿وَلَوْ عَلِمَ ٱللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ﴾ ”اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتا تو ان کو ضرور سناتا۔“ یعنی ان کو صحیح فہم عطا فرما دیتا لیکن ان میں نیکی کا مادہ نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فہم نہیں عطا فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے: ﴿وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ﴾ ”اور اگر وہ انھیں سنا دیتا۔“ یعنی فہم عطا فرما دیتا ﴿لَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿23﴾﴾ ”تو بھی وہ ضرور پھرتے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔“ یعنی فہم کے بعد بھی دیدہ دانستہ از راہِ عناد منہ پھیر کر بھاگ جاتے۔

تفسیر آیت:24

اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر لبیک کہنا: امام بخاری فرماتے ہیں: ﴿ٱسْتَجِيبُوا۟﴾ کے معنی ہیں کہ تم قبول کرو ﴿لِمَا

[1] صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ الأنفال، حدیث:4646 وتفسیر الطبری:280/9. [2] تفسیر الطبری:280/9.

﴿ يُحۡيِيكُمۡ ﴾ جو تمھاری اصلاح کر دیتا ہے۔ پھر انھوں نے ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور آپ نے مجھے بلایا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا بلکہ نماز سے فارغ ہو کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟ أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسۡتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمۡ ...... ﴾ ثُمَّ قَالَ: لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ] ''تم میرے پاس کیوں نہ آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: ''مومنو! اللہ اور اس کے رسول (کی بات) کو قبول کرو جب رسول اللہ ﷺ تمھیں بلائیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: (مسجد سے) نکلنے سے پہلے پہلے میں تمھیں قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سکھا دوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ (مسجد سے) باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا۔ اور معاذ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے بیان کیا کہ حفص بن عاصم نے صحابۂ کرام میں سے ایک شخص ابوسعید سے سنا کہ آپ نے فرمایا تھا: [هِيَ ﴿ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝ ﴾ اَلسَّبْعُ الْمَثَانِي] ''وہ ﴿ ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝ ﴾ ہے اور وہ سات آیتیں ہیں جو (نماز میں) بار بار پڑھی جاتی ہیں۔''[1]

اور محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے اور انھوں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسۡتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيكُمۡ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تمھیں اس لڑائی کی دعوت دیں جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت کے بعد عزت عطا فرمائی، کمزوری کے بعد طاقت وقوت سے سرفراز فرمایا اور کمزور وناتواں ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے دشمن سے محفوظ رکھا۔[2]

اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيۡنَ ٱلۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهِۦ ﴾ ''اور جان لو! یقیناً اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ مومن اور کفر کے درمیان اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔[3] اس روایت کو امام حاکم نے مستدرک میں موقوفاً روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح ہے لیکن امام بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[4] امام مجاہد، سعید، عکرمہ، ضحاک، ابوصالح، عَطِیّہ، مُقاتِل بن حَیّان اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[5] امام مجاہد سے ﴿ يَحُولُ بَيۡنَ ٱلۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهِۦ ﴾ کے بارے میں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ بندے کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی عقل کام نہیں کرتی۔[6] سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نہ ایمان لا سکتا ہے اور نہ کفر اختیار کر سکتا ہے۔[7] اس آیت کریمہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث مبارکہ بھی مروی

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱسۡتَجِيبُواْ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمۡ ...... ﴾ الآية (الأنفال8:24)، حديث:4647. ② تفسير ابن أبي حاتم:1679/5 والسيرة النبوية لابن هشام:669/2، ما نزل في حضّ المسلمين على طاعة الرسول. ③ تفسير الطبري:284/9. ④ المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الأنفال:328/2، حديث:3265. ⑤ تفسير الطبري:285,284/9. ⑥ تفسير الطبري:286/9 وتفسير ابن أبي حاتم:1681/5. ⑦ تفسير الطبري:286/9.

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اور اس فتنے سے ڈرو جو تم میں سے خاص طور پر (صرف) ان لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے ظلم کیا، (بلکہ سب اس کی زد میں آسکتے ہیں)

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿25﴾

اور تم جان لو کہ بے شک اللہ سخت سزا والا ہے ﴿25﴾

ہیں، مثلاً: امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ] ''اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔'' ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر اور آپ جس دین کو لے کر آئے ہیں، اس پر ایمان لائے ہیں تو کیا آپ کو ہمارے بارے میں کوئی ڈر ہے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ ، إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يُقَلِّبُهَا] ''ہاں، بے شک ہر ایک کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، اللہ عزوجل انھیں پھیرتا رہتا ہے۔''[1] امام ترمذی نے اپنی جامع کے کتاب القدر میں بھی اس حدیث کو بیان کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[2]

امام احمد ہی نے نَوّاس بن سَمْعان کِلابی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ قَلْبٍ إِلَّا وَهُوَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ (الرَّحْمٰنِ) رَبِّ الْعَالَمِينَ، إِنْ شَاءَ أَنْ يُّقِيمَهُ أَقَامَهُ وَإِنْ شَاءَ أَنْ يُّزِيغَهُ أَزَاغَهُ، وَكَانَ يَقُولُ: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلٰى دِينِكَ، وَالْمِيزَانُ بِيَدِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ يَخْفِضُهُ وَيَرْفَعُهُ] ''ہر دل اللہ رب العالمین کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، وہ اسے جب سیدھا رکھنا چاہے تو سیدھا رکھتا ہے اور جب ٹیڑھا کرنا چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ آپ یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے: اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ، اور میزان، رحمٰن کے ہاتھ میں ہے، وہ اسے نیچا اور اونچا کرتا رہتا ہے۔''[3]

تفسیر آیت:25

فتنۂ عام سے ڈرو: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس فتنے، یعنی امتحان و آزمائش سے ڈرایا ہے جو گناہ گاروں اور دیگر سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، صرف نافرمانوں اور گناہ گاروں ہی کو نہیں بلکہ سب لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لے گا جیسا کہ امام احمد نے مُطَرِّف سے روایت کیا ہے کہ ہم نے زبیر سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! تمھیں یہاں کون سی چیز لائی ہے؟ تم نے اس خلیفہ کو ضائع کر دیا جو شہید ہو گئے ہیں اور اب تم اس کے خون کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے ہو؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں اس آیت کو تو پڑھتے تھے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ﴾ ''اور اس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انھی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں

---

① مسند أحمد:112/3. ② جامع الترمذی، القدر، باب ما جاء أن القلوب بین أصبعی الرحمن، حدیث:2140.

③ مسند أحمد:182/4 جبکہ قوسین والا لفظ السنن الکبرٰی للنسائی، النعوت، قوله: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾ (طٰہٰ 39:20): 414/4، حدیث:7738 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فیما أنکرت الجهمیة، حدیث:199 میں ہے۔

نے ظلم کیا، (بلکہ سب اس کی زد میں آ سکتے ہیں۔)'' لیکن یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ ہم خود بھی اس فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے حتی کہ یہ واقعہ رونما ہو گیا۔[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ خطاب خصوصیت کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں برائی کو باقی نہ رہنے دیں ورنہ سب کو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے گا۔[3] یہ اس آیت کریمہ کی بہت ہی اچھی تفسیر ہے۔ اسی لیے امام مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ فتنہ تمھارے لیے بھی ہوگا۔[4] ضحاک، یزید بن حبیب اور دیگر کئی ایک مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔[5] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک فتنے میں مبتلا ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (التغابن 15:64) ''تمھارا مال اور تمھاری اولاد تو آزمائش ہے۔'' لہٰذا تم میں سے جو پناہ طلب کرنا چاہے، وہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کن فتنوں سے پناہ چاہے۔[6]

یہ قول صحیح ہے کہ اس آیت میں خطاب اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے مگر یہ عام ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر سب مسلمانوں کو فتنے سے ڈرایا گیا ہے اور اس پر وہ تمام احادیث دلالت کرتی ہیں جو فتنوں سے بچنے کے بارے میں وارد ہیں، اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے گی اور اس میں ان تمام کو بیان کیا جائے گا جیسا کہ بہت سے ائمۂ کرام نے اس موضوع پر مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ یہاں وہ حدیث بطور خاص قابلِ ذکر ہے جسے امام احمد نے بروایت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْ عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا پھر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، پھر تم اس سے دعا کرو گے مگر وہ تمھاری دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔''[7]

امام احمد نے ابورُقاد کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ میں اپنے آقا کے ساتھ نکلا اور میں ابھی بچہ تھا، پس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا تو اس وقت وہ یہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کوئی شخص ایک بات کہتا تو وہ منافق ہو جاتا مگر میں اس طرح کی بات تم میں سے ایک شخص سے ایک ہی مجلس میں چار دفعہ بھی سن لیتا ہوں (اور تم اسے منع نہیں کرتے) تم ضرور نیکی کا حکم دو گے، برائی سے منع کرو گے اور خیر و بھلائی کی ترغیب دو گے یا پھر اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا یا تمھارے برے لوگوں کو تمھارا حاکم بنا دے گا، پھر تمھارے نیک لوگ دعا کریں گے اور وہ قبول نہیں ہوگی۔[8]

---

[1] مسند أحمد:165/1. [2] تفسير القرطبی:391/7. [3] تفسير الطبری:288/9. [4] تفسير الطبری:288/9. [5] تفسير ابن أبي حاتم:1682/5 و الدر المنثور:322/3. [6] تفسير الطبری:289/9. [7] مسند أحمد:389,388/5 . [8] مسند أحمد:390/5 .

ایک اور حدیث: امام احمد ہی نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے:

[مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُودِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا، وَالْمُدَّهِنِ فِيهَا مَثَلُ قَوْمٍ رَّكِبُوا سَفِينَةً فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا وَأَوْعَرَهَا وَشَرَّهَا، وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوُا الْمَاءَ مَرُّوا عَلٰى مَنْ فَوْقَهُمْ فَآذَوْهُمْ، فَقَالُوا: لَوْ خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا فَاسْتَقَيْنَا مِنْهُ وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ تَرَكُوهُمْ وَأَمْرَهُمْ هَلَكُوا جَمِيعًا، وَّإِنْ أَخَذُوا عَلٰى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا جَمِيعًا]

''اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے، اس میں واقع ہو جانے والے اور اس میں مداہنت سے کام لینے والے کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو ایک بحری جہاز پر سوار ہوئے اور ان میں سے کچھ لوگوں کے حصے میں جہاز کا سب سے نچلا حصہ، گہرا اور برا حصہ آیا اور کچھ لوگ اس کے بالائی حصے میں سوار ہو گئے، نچلے حصے والے لوگوں کو پانی پینے کے لیے اوپر جانا پڑتا تھا جس کی وجہ سے وہ ان کے لیے اذیت کا باعث بنتے، اس لیے وہ کہنے لگے کہ اگر اپنے حصے میں سوراخ کر لیں تو اس سے پانی بھی حاصل کر لیں گے اور اوپر والوں کو تکلیف بھی نہ دیں گے اگر اوپر والے ان نیچے والوں کو ان کے حالات پر چھوڑ دیں اور انھیں یہ کام کر لینے دیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیں (اور انھیں جہاز کے پیندے میں سوراخ نہ کرنے دیں) تو سب کے سب بچ جائیں گے۔''[1] صحیح مسلم میں یہ روایت نہیں ہے، امام بخاری نے اسے الشِّرکة اور الشهادات اور امام ترمذی نے اسے فتن کے ابواب میں بیان کیا ہے۔[2]

ایک اور حدیث: امام احمد نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَاصِي فِي أُمَّتِي عَمَّهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَمَا فِيهِمْ (يَوْمَئِذٍ) أُنَاسٌ صَالِحُونَ؟ قَالَ: بَلٰى، قَالَتْ: فَكَيْفَ يُصْنَعُ أُولٰئِكَ؟ قَالَ: يُصِيبُهُمْ مَّا أَصَابَ النَّاسَ ثُمَّ يَصِيرُونَ إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ] ''جب میری امت میں گناہ عام ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ان میں نیک لوگ نہ ہوں گے؟ فرمایا: ''کیوں نہیں!'' کہنے لگیں: ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ فرمایا: ''وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوں گے جس میں دوسرے لوگ مبتلا ہوں گے لیکن پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی سے نوازے جائیں گے۔''[3]

ایک اور حدیث: امام احمد ہی نے حضرت جریر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنْ قَوْمٍ يُّعْمَلُ

---

[1] مسند أحمد:269/4. [2] صحيح البخاري، الشركة، باب : هل يقرعُ في القسمة والاستهام فيه؟ حديث:2493. وكتاب الشهادات، باب القُرعة في المشكلات، حديث:2686 وجامع الترمذي، الفتن، باب منه، حديث:2173 .

[3] مسند أحمد:304/6 .

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ

اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے

فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ 26

تمھیں ٹھکانا دیا، اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی، اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو ۝26

فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي هُمْ أَعَزُّ وَأَكْثَرُ مِمَّنْ يَعْمَلُهُ لَمْ يُغَيِّرُوهُ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ] ''جس قوم میں گناہ اور برے کام کیے جاتے ہوں اور وہ کرنے والوں سے زیادہ معزز اور تعداد میں زیادہ ہوں مگر پھر انھیں منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے گا۔''[1]

تفسیر آیت:26

مسلمانوں کی کمزوری و ناتوانی کو قوت و نصرت سے بدل دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا یہ انعام واحسان یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد کی قلت کو کثرت سے بدل دیا، کمزوری اور خوف کو قوت و نصرت سے بدل دیا، ان کے فقر اور تنگ دستی کو ختم کر کے انھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرما دیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بجا لائیں، مومنوں نے اپنے رب کے اس حکم کی اطاعت کی بلکہ اس کے تمام احکام کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا۔

یہ مومنوں کے مکہ میں قیام کے زمانے کے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وہاں تعداد میں قلیل تھے، چھپ چھپ کر اپنے دین کے مطابق عمل کرتے اور مغلوب و مقہور ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے کہ مشرک، مجوسی اور رومی انھیں اڑا نہ لے جائیں کیونکہ یہ سب لوگ ان کی قلت اور عدم قوت کے باعث ان کے دشمن تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرما دی تو اللہ تعالیٰ نے وہاں انھیں ٹھکانا عطا فرما دیا اور وہاں کے باشندوں کو توفیق عطا فرما دی اور انھوں نے مسلمانوں کو جگہ بھی دی، نیز بدر کے دن اور دوسرے موقعوں پر ان کی مدد بھی کی، ان کے لیے مالی ایثار بھی کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی جانیں بھی کھپا دیں۔

قتادہ بن دِعامہ سَدُوسی رحمہ اللہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین (مکہ) میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ عرب لوگ دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل تھے، ان کی معیشت سب سے زیادہ خراب تھی، یہ سب سے زیادہ بھوکے، ننگے اور گمراہ تھے جو زندہ تھے وہ سب سے زیادہ بدبخت اور جو مر جاتے وہ جہنم رسید ہوتے تھے فقیر اور محتاج تھے غنی نہ تھے، الغرض ساری زمین میں کوئی قبیلہ بھی ایسا نہ تھا جو ان سے زیادہ بدحال ہوتی کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا تو اسلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں

[1] مسند أحمد:364/4 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4009.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿27﴾

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور نہ تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو جبکہ تم جانتے ہو﴿27﴾ اور جان لو یقیناً تمھارے مال اور

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿28﴾

تمھاری اولاد فتنہ ہیں اور (جان لو) بے شک اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے﴿28﴾

زمین میں عزت دے دی، رزق میں فراوانی عطا فرما دی اور لوگوں کے بادشاہ بنا دیا، الغرض یہ ساری بہار جو تم دیکھ رہے ہو یہ اسلام ہی کی برکت سے ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤ کیونکہ تمھارا رب، منعم حقیقی اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے اور شکر ادا کرنے والوں کو وہ مزید نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 28,27

شان نزول: صحیح بخاری و مسلم میں حاطِب بن ابوبَلْتَعہ کا قصہ موجود ہے کہ انھوں نے فتح مکہ کے سال کفار قریش کو ایک خط لکھ کر رسول اللہ ﷺ کے قصد کے بارے میں مطلع کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس سے مطلع فرما دیا تو آپ نے خط لے کر جانے والی (بڑھیا) کے تعاقب میں (حضرت علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم) کو بھیجا اور اس خط کو حاصل کر لیا، پھر حاطب کو بلا کر اس خط کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے اس کا اقرار کر لیا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ اس نے اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کی خیانت کی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(دَعْهُ) إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ] ''یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور تمھیں معلوم نہیں کہ اہل بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھارے گناہ معاف کر دیے ہیں۔''[2]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے، خواہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کسی خاص سبب کے باعث نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ عام الفاظ کو دیکھا جاتا ہے خاص سبب کو نہیں۔ اس آیت کریمہ میں خیانت کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ چھوٹے بڑے، لازم اور متعدی تمام گناہوں پر مشتمل ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ ''اور نہ تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو'' میں امانت سے مراد وہ تمام اعمال اور فرائض ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امین ٹھہرایا ہے۔ ﴿لَا تَخُوْنُوْا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے مطابق عمل میں کمی نہ کرو۔[3]

---

[1] تفسیر الطبری: 291,290/9. [2] ملخص از صحیح البخاری، المغازی، باب فضل من شهد بدرًا، حدیث: 3983 وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبی بلتعة وأهل بدر رضی اللہ عنہم، حدیث: 2494، کتب احادیث میں [دعه] کے بجائے [مَهْلًا] ہے۔ دیکھیے المستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، باب ذكر أهل بدر: 77/4، حدیث: 6967. [3] تفسیر الطبری: 294/9.

عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں کہ تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی خیانت سے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح خیانت نہ کرو جس طرح منافقین کرتے ہیں۔[1] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ ﴾ ''اور جان لو! یقیناً تمھارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ نعمتیں امتحان و آزمائش کے لیے عطا فرمائی ہیں اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہو یا نہیں، ان نعمتوں کی موجودگی میں اس کی اطاعت کرتے ہو یا ان دلچسپیوں میں کھو کر اس سے غافل ہو جاتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (التغابن 15:64) ''بلاشبہ تمھارا مال اور تمھاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ ہی کے ہاں بڑا اجر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ ﴾ (الأنبيآء 35:21) ''اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے، برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾ (المنفقون 9:63) ''مومنو! تمھارے مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ...... ﴾ الآية (التغابن 14:64) ''مومنو! تمھاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو......۔'' فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور بے شک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔'' یعنی اس کا ثواب، اس کی نعمتیں اور اس کی بہشتیں تمھارے لیے تمھارے اموال و اولاد سے بہتر ہیں کیونکہ ان میں سے تو کوئی تمھارا دشمن بھی ہو سکتا ہے اور اکثر تمھارے کچھ کام نہیں آسکتے، اللہ رب ذوالجلال ہی کی ذات گرامی دنیا و آخرت میں متصرف و مختار ہے اور اسی کے پاس روز قیامت بے پایاں اجر و ثواب ہو گا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، (مَن كَانَ) يُحِبُّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ] ، [وَمَنْ كَانَ أَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ] ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں موجود ہوں گی تو وہ ان کے ساتھ ایمان کی حلاوت کو پا لیتا ہے: (1) جسے اللہ اور اس کا رسول دیگر تمام چیزوں کی نسبت زیادہ محبوب ہوں۔ (2) اور جو شخص کسی سے محبت کرتا ہو تو محض اللہ ہی کے لیے محبت کرتا ہو اور (3) جسے آگ میں ڈال دیا جانا زیادہ پسندیدہ ہو اس سے کہ وہ (دوبارہ) کفر کی طرف لوٹ جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے نجات دے دی ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ سے محبت تو اولاد، اموال اور اپنی جانوں کی محبت سے بھی مقدم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: [(وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!) لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ (نَّفْسِهِ) وَأَهْلِهِ وَمَالِهِ وَالنَّاسِ

---

[1] تفسير الطبرى: 293/9. [2] پہلا حصہ صحیح البخاری، الإیمان ، باب حلاوة الإیمان، حدیث: 16 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان خصائل من اتصف بهن وجد حلاوة الإیمان، حدیث: 43، قوسین والے الفاظ صحیح مسلم جبکہ دوسرا حصہ سنن ابن ماجه الفتن، باب الصبر على البلاء، حدیث: 4033 کے مطابق ہے۔ و مسند أحمد: 172/3.

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمھارے لیے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے گا اور تمھیں بخش دے گا۔ اور اللہ بہت

لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿29﴾

بڑے فضل والا ہے ﴿29﴾

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ

اور (اے نبی! یاد کیجیے) جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو (مکہ

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾

سے) نکال دیں اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے ﴿30﴾

أَجْمَعِينَ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے اپنی جان، اپنے اہل وعیال، اپنے مال اور سب لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ ہو۔''[1]

تفسیر آیت: 29

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ، مقاتل بن حیان رحمہ اللہ اور دیگر کئی ایک مفسرین نے فرمایا ہے کہ ﴿ فُرْقَانًا ﴾ کے معنی رنج وغم سے مخلصی ہے۔ اور مجاہد نے فرمایا ہے کہ دنیا و آخرت میں رنج وغم سے مخلصی مراد ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ اس کے معنی نجات ہیں۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے معنی نصرت کے ہیں۔[3] محمد بن اسحاق کا قول ہے کہ اس کے معنی حق و باطل میں فرق کے ہیں۔[4] پہلے اقوال کی نسبت ابن اسحاق کی یہ تفسیر زیادہ عموم پر مبنی ہے اور یہ ان تمام اقوال کو مستلزم ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کے احکام کو بجا لائے اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کرے تو اسے یقیناً حق و باطل میں فرق کرنے کی توفیق بھی مل جائے گی اور یہ توفیق یقیناً اس کی فتح و نصرت، نجات، دنیا کے رنج وغم سے مخلصی، روز قیامت کی سعادت، گناہوں کی بخشش اور کفارے، لوگوں سے عیوب کی پردہ پوشی اور اللہ کی طرف سے بے پایاں اجر و ثواب کے حصول کا سبب بن جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الحدید 28:57) ''مومنو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمھیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمھارے لیے روشنی کر دے گا جس میں تم چلو گے اور وہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل......، حديث: 44 عن أنس رضی اللہ عنہ. وسنن النسائي، الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان، حديث: 5017 جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ سنن النسائي، حديث: 5018 اور دوسری قوسین والا لفظ مسند أحمد: 233/4 کے مطابق ہے۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1686/5 و تفسير الطبري: 297,296/9.
[3] تفسير ابن أبي حاتم: 1686/5. [4] تفسير الطبري: 298/9.

تفسیر آیت:30

اہل مکہ کی نبیٔ کریم ﷺ کے خلاف تدبیریں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ لِيُثْبِتُوكَ ﴾ کے معنی ہیں کہ آپ کو قید کر دیں۔ سدی کا بھی یہی قول ہے کہ اثبات کے معنی قید کرنے کے ہیں۔ [1]

امام محمد بن اسحاق بن یسار صاحب مغازی نے عبداللہ بن ابو نَجِیح از مجاہد کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھ سے کلبی نے باذان مولیٰ ام ہانی سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش کے ہر قبیلے کے سرداروں پر مشتمل ایک جماعت جب دارالندوہ میں داخل ہونے کے لیے جمع ہوئی تو ان لوگوں سے ابلیس ایک خوش نما بوڑھے کی شکل میں آ ملا، انھوں نے جب اسے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں نجد کا رہنے والا ایک شیخ ہوں، سنا تھا کہ آپ لوگ ایک قرارداد کے مطابق جمع ہو رہے ہیں تو میں بھی چلا آیا ہوں تاکہ تم میری رائے دہی اور خیر خواہی سے محروم نہ رہو۔ انھوں نے کہا: اچھی بات ہے، آؤ تو اس طرح وہ بھی ان کے ساتھ دارالندوہ میں داخل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس آدمی کے بارے میں اچھی طرح غور کرو، اللہ کی قسم! یہ تم پر عنقریب غالب آ جائے گا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اسے لوہے کی ہتھکڑیوں میں جکڑ کر کسی جگہ قید کر دو، پھر اس کی موت کا انتظار کرو جس طرح کہ اس سے پہلے کے شعراء زُہیر اور نابِغہ پر موت آئی تھی کیونکہ یہ بھی انھی جیسا ایک شاعر ہی تو ہے۔

یہ سن کر اللہ کا یہ دشمن شیخ نجدی چیخا کہ نہیں، واللہ! تمھاری یہ رائے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اللہ کی قسم! اس کا رب اسے قید سے نکال کر اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھی تم پر حملہ کر کے اسے تمھارے ہاتھوں سے چھین لیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے اور مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ یہ تمھیں تمھارے علاقے سے نکال دیں گے۔ قریشیوں نے کہا کہ شیخ نے سچ کہا ہے، لہٰذا اس کے علاوہ اور رائے سوچو۔ تو پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اسے اپنے پاس سے نکال دو، اس طرح تم اس سے آرام میں ہو جاؤ گے اور جب وہ نکل جائے گا تو تمھیں کوئی نقصان نہ ہوگا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کہاں جا بستا ہے کیونکہ اس طرح اس کی ایذا تم سے ختم ہو جائے گی تم آرام پا لو گے اور اس کا معاملہ اب دوسرے لوگوں سے ہوگا۔ شیخ نجدی نے کہا: نہیں، واللہ! تمھاری یہ رائے بھی ٹھیک نہیں، کیا تم نے اس کی شیرینیٔ گفتار، خوبیٔ کلام اور اس کی بات کے دلوں پر اثر انداز ہونے کی کیفیت کو نہیں دیکھا؟ واللہ! اگر تم نے ایسا کیا تو مجھے یہ ڈر ہے کہ وہ عرب کے جس قبیلے میں ٹھہرے گا تو وہ اس کی شیریں کلام کی وجہ سے اس کے پیروکار بن جائیں گے، پھر وہ انھیں لے کر تم پر حملہ آور ہوگا اور تمھیں تمھارے علاقے سے نکال باہر کرے گا اور تمھارے سرداروں کو قتل کر دے گا۔ قریشیوں نے کہا: واللہ! شیخ نے سچ کہا ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور رائے اختیار کرو۔

چنانچہ ابو جہل لعنہ اللّٰہ نے کہا: واللہ! میری رائے ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کسی نے اب تک اس رائے کا اظہار کیا ہو اور

[1] تفسیر الطبری:9/299,298 و تفسیر ابن أبی حاتم:5/1688.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیں اگر ہم چاہیں تو اس طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں، یہ تو اگلے

اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿31﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

لوگوں ہی کی داستانیں ہیں﴿31﴾ اور جب انھوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿32﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

پر دردناک عذاب لے آ﴿32﴾ اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہیں کہ انھیں عذاب دے جبکہ آپ بھی ان کے درمیان (موجود) ہوں، اور اللہ انھیں عذاب

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾

دینے والا نہیں جبکہ وہ بخشش مانگتے ہوں﴿33﴾

اس کے سوا کوئی اور رائے ہو بھی نہیں سکتی۔ لوگوں نے پوچھا: تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میری یہ رائے ہے کہ ہر قبیلے میں سے ایک جواں مرد، نوعمر، قوی، شریف النسب لے لیں، ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں شمشیر بُرّاں دے دیں، پھر یہ سب جوان مرد اس پر اس طرح یک بارگی حملہ کریں، گویا یہ ایک ہی شخص کا وار ہو اور اس طرح جب یہ اسے قتل کر دیں گے تو اس کا خون تمام قبیلوں پر بٹ جائے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ خاندان بنی ہاشم سارے قریش سے جنگ نہ کر سکے گا اور وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائے گا، اس طرح ہم اس سے آرام پالیں گے اور اس کی مصیبت ختم ہو جائے گی۔ یہ سن کر شیخ نجدی کہنے لگا: واللہ! یہ رائے بہت ہی مناسب ہے، اس نوجوان نے بہت خوب رائے پیش کی ہے، میرے نزدیک بھی اس کے سوا کوئی اور رائے قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد سب لوگ اس رائے پر اتفاق کر کے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ہجرت نبوی: قریش کے اس مشورے کے بعد جبریل نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے قریش کے اس مشورے سے مطلع کرتے ہوئے کہا کہ آج کی رات آپ اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپ روزانہ آرام فرمایا کرتے ہیں اور ساتھ ہی جبریل نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں سے ہجرت کر جانے کی اجازت عطا فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد سورۂ انفال کو نازل فرمایا اور اس میں اپنے اس احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿30﴾ ﴾ ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کریں) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے کہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو (جان سے) مار دیں یا (مکہ سے) نکال دیں تو (ادھر) وہ تدبیریں کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' اور کفار قریش نے جو یہ کہا تھا کہ اسے لوہے کی ہتھکڑیوں میں جکڑ کر کہیں بند رکھو اور اس کی موت کا انتظار کرو جس طرح اس سے پہلے کے شاعر زُہیر اور نابغہ پر موت آئی تھی۔

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ ﴾ (الطور 52:30) ''کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ (نبی) شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث (موت) کا انتظار کر رہے ہیں؟'' اس دن کو



ہجرت نبوی

* نبی ﷺ 12 ربیع الاول مطابق 24 ستمبر 622ء کو بروز پیر قبا پہنچے۔
* یکم محرم 1ھ 16 جولائی 622ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتدا ہے۔

ہجرت کا راستہ

قافلوں کا راستہ

یَوْمُ الزَّحْمَۃِ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا جس میں کفار قریش مشورے کے لیے جمع ہوئے تھے۔[1] سدی نے بھی (تقریبًا) اسی طرح اسے بیان کیا ہے۔[2] اور محمد بن اسحاق نے محمد بن جعفر بن زبیر سے اور انھوں نے عروہ بن زبیر سے اس آیت: ﴿ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اپنی مضبوط و مستحکم تدبیر کے ساتھ میں نے کافروں کی چال کونا کام بنا کر تمھیں ان کے مکروفریب سے نجات عطا کردی۔[3]

تفسیر آیات: 31-33

قریش کا گمان کہ وہ بھی اس طرح کا قرآن بنا سکتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفر، سرکشی، دشمنی اور عناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات کو سنتے تو باطل دعویٰ کرتے ہوئے یہ کہتے: ﴿ قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ﴾ ''یقینًا (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔'' یہ ان کا محض ایک ایسا دعویٰ تھا جسے وہ پورا نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں تو قرآن نے کئی بار چیلنج کیا تھا کہ وہ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دیں مگر وہ قرآن مجید کے اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے، اس لیے ان کی یہ بات اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو محض دھوکا دینے کے مترادف تھی۔ کہا گیا ہے کہ یہ بات نضر بن حارث لعنہ اللہ نے کہی تھی جیسا کہ سعید بن جبیر، سدی اور ابن جریج وغیرہ نے کہا ہے۔[4]

نضر بن حارث ملعون بلاد فارس میں گیا اور وہاں اس نے ان سے ان کے بادشاہوں رستم اور اسفندیار کے قصے معلوم کیے اور جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرما دیا ہے اور آپ لوگوں کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تو پھر وہاں یہ نضر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو رستم اور اسفندیار کے قصے سنانے لگ جاتا، پھر کہتا کہ اے اللہ! تو ہی بتا ہم میں سے کس کے قصے اچھے ہیں، میرے یا محمد (ﷺ) کے؟ نَعُوذُ بِاللّٰہِ یہی وجہ ہے کہ جب یہ غزوۂ بدر میں قیدی بن کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کے سامنے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ آپ کے اس ارشاد کے مطابق اس کی گردن اڑا دی گئی تھی۔[5] وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

أَسَاطِیر ، أُسْطُورَۃ کی جمع ہے۔ کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن ہے ہی کیا، یہ صرف اگلے لوگوں کی حکایتیں ہیں جنھیں آپ نے اگلے لوگوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور آپ انھیں لوگوں کو سنا دیتے ہیں، یہ سخت جھوٹ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی ان کے متعلق بیان فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:5,6) ''اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح وشام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔ کہہ دیجیے کہ اس کو اس نے اتارا جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' جو شخص اس

---

[1] تفسیر الطبری:301,300/9 والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ہجرۃ الرسول:482,481/2. [2] تفسیر الطبری:302/9.
[3] تفسیر ابن أبی حاتم:1688/5. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1689/5 وتفسیر الطبری:305/9. [5] تفسیر الخازن: 308/2 بالفاظ دیگر والبدایۃ والنہایۃ:86/3 وتفسیر الطبری:306/9 .

کی طرف توبہ اور رجوع کرلے تو وہ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے معاف فرما دیتا ہے۔

مشرکین کا مطالبۂ عذاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' کفار مکہ نے یہ بات اپنی بے پناہ جہالت اور تکذیب و دشمنی کی شدت کی وجہ سے کہی تھی اور یہ ان کے لیے موجب عیب و عار بن گئی جبکہ انھیں کہنا یوں چاہیے تھا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری طرف سے برحق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت فرما اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما لیکن اس کے بجائے انھوں نے اپنے لیے جلد سزا اور عذاب کا مطالبہ کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 53:29) ''اور یہ لوگ آپ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ اگر (عذاب کا) ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو انھیں عذاب ضرور آ لیتا اور یقیناً وہ (کسی وقت میں) ان پر ضرور ناگہاں آ کر رہے گا اور ان کو شعور بھی نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ یَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ﴾ (صٓ 16:38) ''اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا (عذاب کا) حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔'' اور فرمایا: ﴿ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۝ ﴾ (المعارج 70:1-3) ''ایک طلب کرنے والے نے کافروں پر واقع ہونے والا عذاب طلب کیا جسے کوئی ٹال نہ سکے گا (اور وہ) اللہ صاحب درجات کی طرف سے (نازل ہوگا۔)''

سابقہ امتوں کے جاہلوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، مثلاً: قوم شعیب نے ان سے کہا تھا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:187) ''اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے۔'' اور ان کفار مکہ نے یہ کہا: ﴿ اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴾ ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' امام شعبہ نے عبدالحمید صاحب الزیادی[1] کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ بات ابوجہل نے کہی تھی اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ ''اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔''[2]

نبی اکرم ﷺ کا وجود مسعود اور مشرکین کا استغفار عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا

---

[1] زیاد بن ابوسفیان کے غلام محمد بن عون تھے، اس بنا پر یہ الزیادی کی نسبت سے معروف ہوئے اور عبدالحمید اسی محمد بن عون الزیادی کے ساتھی تھے، اسی لیے انھیں صاحب الزیادی کہا جاتا ہے۔ [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ...... ﴾ (الأنفال 8:32)، حدیث: 4648.

كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾ ''اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے، انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔'' امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ! لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ''میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔'' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: قَدْ قَدْ ''بے شک، بے شک۔'' اور کبھی وہ یہ کہا کرتے تھے: لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَ مَا مَلَكَ ''تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس کے جس کو تو نے خود اپنا شریک بنالیا ہے تو اس کا بھی اور جو اس کی ملکیت میں ہے اس کا بھی مالک ہے۔'' اور کبھی وہ یہ کہا کرتے تھے: غُفْرَانَكَ، غُفْرَانَكَ ''ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں، ہم تجھ سے بخشش مانگتے ہیں۔'' تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ...... ﴾ الآية ''اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ (جب تک) آپ ان میں تھے اور وہ انھیں عذاب دیتا......''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انھیں دو چیزوں کی وجہ سے امان حاصل تھا: (1) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور (2) استغفار [1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور استغفار باقی ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ أَمَانَيْنِ لِأُمَّتِي: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ فَإِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيهِمُ الْإِسْتِغْفَارَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے کہ میری امت کے لیے دو چیزیں باعث امان ہیں: ''اور (اے نبی!) اللہ ایسا نہ تھا کہ (جب تک) آپ ان میں تھے اور وہ انھیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انھیں عذاب دے۔'' اور جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا تو پھر ان میں قیامت کے دن تک کے لیے استغفار چھوڑ جاؤں گا۔'' [2]

اس حدیث کی شاہد وہ روایت بھی ہے جو مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ: وَعِزَّتِكَ يَارَبِّ! لَا أَبْرَحُ أُغْوِي عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ، قَالَ الرَّبُّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي! لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَّا اسْتَغْفَرُونِي] ''شیطان نے کہا: اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں ان کی روحیں باقی رہیں گی، میں انھیں گمراہ کرتا رہوں گا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: مجھے میرے عزت و جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے، میں انھیں معاف کرتا رہوں گا۔'' امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ [3]

---

[1] تفسير الطبري: 310/9 وتفسير ابن أبي حاتم: 1691/5. [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنفال، حديث: 3082 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ [3] مسند أحمد: 29/3 والمستدرك للحاكم، التوبة والإنابة: 261/4، حديث: 7672.

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ

اور (اب) ان کے لیے کونسی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کے متولی نہیں، اس کے متولی تو

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ

متقی لوگ ہی ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ﴿34﴾ اور بیت اللہ کے پاس ان (مشرکین) کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا

اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿35﴾

کچھ نہیں تھی، چنانچہ تم عذاب چکھو اس کفر کی وجہ سے جو تم کرتے تھے ﴿35﴾

تفسیر آیات : 35,34

نافرمانیوں کی وجہ سے مشرکوں کو عذاب : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ مشرکین اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں عذاب دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنے رسول ﷺ کے قیام کی برکت سے ان پر عذاب نازل نہیں کیا اور جب رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں سے تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن انھیں اپنے عذاب میں مبتلا کر دیا اور بہت سے صنادید قریش مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی فرمائی کہ جو وہ گناہ کر رہے ہیں ان سے استغفار کریں اور اپنے شرک وفساد سے باز آ جائیں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں۔

اگر ان میں وہ کمزور مومن مقیم نہ ہوتے جو استغفار کرتے رہتے ہیں تو پھر بھی وہ عذاب انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیتا جو کسی صورت ٹالا نہ جا سکتا لیکن مکہ میں مقیم ان کمزور مومنوں کی وجہ سے انھیں عذاب میں مبتلا نہ کیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ کے دن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾ (الفتح 25:48) ”یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں اور اگر (مکہ میں) ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، پھر بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچتی (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے، ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿34﴾ ﴾ ”اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ (لوگوں کو) مسجد حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں؟ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کیوں عذاب نہ دے جبکہ یہ مسجد

حرام سے جو مکہ میں واقع ہے، اہل ایمان کو اس میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے سے روکتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ یعنی وہ مسجد حرام کے متولی نہیں بلکہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ہی اس مسجد کے متولی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○﴾ (التوبۃ 9:17,18) ''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ انھی لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ ......﴾ الآیۃ (البقرۃ 2:217) ''اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ میں جانے) سے (روکنا) اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے......۔''

امام حاکم نے مستدرک میں رفاعہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو جمع فرمایا اور ان سے پوچھا: [هَلْ فِيكُمْ مِّنْ غَيْرِكُمْ ؟ فَقَالُوا: فِينَا ابْنُ أُخْتِنَا وَفِينَا حَلِيفُنَا وَفِينَا مَوْلَانَا، فَقَالَ: حَلِيفُنَا مِنَّا وَابْنُ أُخْتِنَا مِنَّا وَمَوْلَانَا مِنَّا إِنَّ أَوْلِيَائِي مِنْكُمُ الْمُتَّقُونَ] ''کیا اس وقت تم میں تمھارے علاوہ کوئی دوسرا شخص بھی موجود ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ اس وقت ہم میں ایک تو ہمارا بھانجا، ایک ہمارا حلیف اور ایک ہمارا آزاد کردہ غلام ہے۔ آپ نے فرمایا: ہمارا حلیف ہم میں سے ہے، ہمارا بھانجا ہم میں سے ہے اور ہمارا آزاد کردہ غلام بھی ہم میں سے ہے، تم میں سے میرے دوست وہ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔'' امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[1] عروہ، سدی اور محمد بن اسحاق نے ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔[2] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد متقین ہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں۔[3]

پھر مسجد حرام کے پاس کفار کے معاملے کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ﴾ ''اور ان لوگوں (مشرکین) کی نماز خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی۔'' عبداللہ بن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو رجاء العُطاردی، محمد بن کعب قرظی، حُجر بن عنبس، نُبیط بن شُریط،

[1] المستدرك للحاكم، التفسير:328/2، حديث:3266. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1694/5 وتفسير الطبري:9/315,316.

[3] تفسير ابن أبي حاتم:1694/5 وتفسير الطبري:316/9 والدر المنثور:331/3.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں تو وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے،

تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۟ۙ ﴿36﴾

پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ﴿36﴾ تاکہ اللہ

لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ

ناپاک کو پاک سے الگ کر دے، اور ناپاک (لوگوں) کو (ایک دوسرے پر) اوپر تلے رکھ کر سب کا ڈھیر لگا دے، پھر اسے جہنم میں ڈال دے،

جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿37﴾ ع

یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿37﴾

قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿مُكَآءً﴾ کے معنی سیٹی کے ہیں۔[1] مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اپنے مونہوں میں انگلیاں داخل کر لیتے تھے۔[2] سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ قریش بیت اللہ کا عریاں طواف کرتے ہوئے سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے۔ ﴿مُكَآءً﴾ کے معنی سیٹی بجانا اور ﴿تَصْدِيَةً ؕ﴾ کے معنی تالی بجانا ہے۔ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، مجاہد، محمد بن کعب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ضحاک، قتادہ، عطیہ عوفی، حجر بن عنبس اور ابن ابزیٰ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ﴿مُكَآءً﴾ کے معنی سیٹی بجانا اور ﴿تَصْدِيَةً ؕ﴾ کے معنی تالی بجانا ہیں۔[4]

سعید بن جبیر اور عبدالرحمٰن بن زید سے روایت ہے کہ ﴿تَصْدِيَةً ؕ﴾ کے معنی ان کا لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکنا ہے۔[5] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿35﴾﴾ ''چنانچہ تم عذاب کو چکھو اس کفر کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔'' ضحاک، ابن جریج اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس عذاب سے مراد کفار قریش کا بدر کے دن قتل اور قید ہونا ہے۔[6]

تفسیر آیات: 37,36

اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکنے کے لیے کفار کا خرچ کرنا باعث حسرت ہوگا: محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے زہری، محمد بن یحییٰ بن حبان، عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبدالرحمٰن بن عمرو بن سعد بن معاذ نے بیان کیا کہ جب قریش بدر کے دن قتل اور قید ہوئے اور باقی شکست خوردہ لوگ مکہ میں لوٹ آئے اور ابوسفیان بھی اپنے قافلے کے ساتھ واپس آیا تو عبداللہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:1695/5 وتفسير الطبري:318/9. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1695/5 وتفسير الطبري:319/9.
[3] تفسير ابن أبي حاتم:1696/5 وتفسير الطبري: 318,317/9. [4] تفسير الطبري:317/9. [5] تفسير الطبري: 321/9. [6] تفسير الطبري:321/9.

بن ابو ربیعہ، عکرمہ بن ابوجہل، اور صفوان بن امیہ نے کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر جن کے باپ، بیٹے یا بھائی جنگ بدر میں مارے گئے تھے، ابوسفیان بن حرب اور ان لوگوں سے گفتگو کی جن کا اس قافلے کے ساتھ تجارتی سامان تھا اور کہا کہ اے گروہِ قریش! محمد (ﷺ) نے تمھیں تباہ و برباد کر دیا اور تمھارے اچھے اچھے لوگوں کو قتل کر دیا ہے، لہٰذا اس مال کے ساتھ ہماری مدد کرو تاکہ ہم جنگ کر کے اس سے اپنے مقتولوں کا انتقام لے سکیں، انھوں نے ان کے مطالبے کو تسلیم کر لیا اور جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا ہے، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ۝ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکیں تو وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لیے باعث افسوس ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک (لوگوں) کو (ایک دوسرے پر) اوپر تلے رکھ کر سب کا ایک ڈھیر بنا دے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔''[1]

مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عیینہ، قتادہ، سدی اور ابن ابزیٰ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ ابوسفیان اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ احد میں اس کے مال خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] ضحاک کا قول ہے کہ یہ اہل بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔[3]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا حکم عام ہے، گو اس کا سبب نزول خاص ہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر یہ دی ہے کہ کفار حق کے رستے کی پیروی سے روکنے کے لیے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اور یہ اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے حتی کہ ان کے اموال ختم ہو جائیں گے اور کچھ حاصل نہ کر سکنے کی وجہ سے انھیں حسرت اور ندامت ہوگی کیونکہ یہ اللہ کے نور کو بجھانا اور کلمۂ حق کے مقابلے میں اپنی بات کو غالب کرنا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والا، اپنے کلمے کو سربلند کرنے والا اور اپنے دین کو باقی تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے۔

کافروں کے لیے دنیا میں یہ ذلت و رسوائی اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہوگا، ان میں سے جو زندہ رہا وہ اپنی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ لے گا اور اپنے کان سے وہ کچھ سن لے گا جو اس کو برا معلوم ہوگا اور ان میں سے جو مارا گیا یا مر گیا تو وہ ابدی ذلت و رسوائی اور سرمدی عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬﴾

---

[1] تفسیر الطبری:324,323/9 وتفسیر ابن أبی حاتم:1698/5 والدرالمنثور:334,333/3. [2] تفسیر الطبری: 323,322/9. [3] تفسیر الطبری:324/9.

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا ان سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ انھیں معاف کر دیا جائے گا، اور اگر وہ دوبارہ وہی کریں

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿38﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ

گے تو بلاشبہ اگلے لوگوں کا (جو) طریقہ گزر چکا ہے (وہی ان کا انجام ہوگا) ﴿38﴾ اور تم ان سے لڑو حتی کہ فتنہ (شرک) نہ رہے اور (ہر کہیں) سارے کا سارا دین اللہ

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿39﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ

ہی کا ہو، پھر اگر وہ (کافر) باز آ جائیں تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿39﴾ اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ یقیناً اللہ ہی تمھارا کارساز ہے،

الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿40﴾

وہ بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے ﴿40﴾

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿36﴾ ''تو وہ آئندہ بھی خرچ کریں گے، آخر وہ (خرچ کرنا) ان کے لیے باعث افسوس ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''

ارشاد الٰہی: ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ ''تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل سعادت کو اہل شقاوت سے الگ کر دے۔[1] یعنی ان کو الگ کر دے جو اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے دشمنوں اور کافروں سے جہاد کرتے ہیں یا اس کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد سے اعراض کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ ...... الآية﴾ (آل عمران 179:3) ''اللہ مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے بھی مطلع نہیں کرے گا......'' اور فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○﴾ (آل عمران 142:3) ''کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ (بلا آزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو (اچھی طرح) معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ صبر کرنے والوں کو جان لے۔'' آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانو! ہم نے کفار کے ساتھ تمھاری آزمائش کی ہے، وہ تم سے لڑائی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنے مالوں کو بھی خرچ کرتے ہیں۔

﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ﴾ یعنی تا کہ اللہ پاک سے ناپاک کو الگ کر دے، پھر سارے ناپاک (لوگوں) کو جمع کر کے ایک دوسرے پر اوپر تلے رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے۔ ﴿فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿37﴾﴾ ''پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے، یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔'' یعنی یہی لوگ دنیا و آخرت میں خسارہ پانے والے ہیں۔

[1] تفسير الطبری:325/9 .

تفسیر آیات: 38-40

کفار کو توبہ کی ترغیب اور کفر پر ترہیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا ﴾ ''(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں۔'' یعنی کفر، عداوت اور عناد سے رک جائیں اور اسلام، اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کو اختیار کر لیں۔ ﴿ يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ ﴾ ''تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ انھیں بخش دیا جائے گا۔'' جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ] ''جس نے اسلام میں اچھے عمل کیے تو اس سے جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جس نے اسلام میں برے عمل کیے تو اس سے پہلے اور بعد کے تمام اعمال کا مؤاخذہ کیا جائے گا۔''[1] اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ] ، [وَالتَّوْبَةُ تَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهَا] ''اسلام پہلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور توبہ بھی پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا ﴾ ''اور اگر وہ لوٹیں (وہی حرکات کرنے لگیں۔)'' یعنی جس طرح کے کام پہلے کرتے تھے، اسی طرح کے کام ہی کرتے رہیں گے۔ ﴿ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ ﴾ ''تو بلاشبہ اگلے لوگوں کا (جو) طریقہ گزر چکا ہے (وہی ان کے حق میں برتا جائے گا۔)'' یعنی اگلے لوگوں میں ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور اپنی سرکشی اور عناد کی اس روش کو برقرار رکھا تو ہم نے بھی انھیں جلد ہی اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا تھا۔

کفر و شرک کے خاتمے کے لیے جہاد کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ ﴾ ''اور تم ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (شرک) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آ کر یہ کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمٰن! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ...... الآية (الحجرات 49:9) ''اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں......'' تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے، آپ لڑائی کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے جواب دیا برادر زادے! مجھے اس آیت کی وجہ سے الزام دیا جائے اور میں لڑائی نہ کروں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ مجھے اس آیت کی وجہ سے الزام دیا جائے: ﴿ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ...... الآية

---

[1] صحیح البخاری، استتابة المرتدین والمعاندین وقتالهم، باب إثم من أشرك بالله وعقوبته فی الدنیا والآخرة......، حدیث: 6921 وصحیح مسلم، الإیمان، باب هل یؤاخذ بأعمال الجاهلیة؟ حدیث: 120. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب کون الإسلام یهدم ما قبله......، حدیث: 121 ومسند أحمد: 199/4 اور صحیح مسلم میں [یَجُبُّ] کے بجائے [یهدم] عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔ [والتوبة تجب ما كان قبلها] کے الفاظ کسی حدیث میں نہیں مل سکے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ. دیکھیے سلسلة الأحادیث الضعیفة: 141/3، رقم: 1039 .

(النسآء 93:4) ’’اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے......‘‘ اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ ’’اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (شرک) نہ رہے۔‘‘ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اس وقت اس آیت کے مطابق عمل کیا تھا جب اسلام ابھی زیادہ نہیں پھیلا تھا اور مسلمان کو دین کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا کر کے قتل کر دیا جاتا یا گرفتار کر لیا جاتا اور اب جب اسلام پھیل گیا ہے تو اب فتنہ باقی نہیں رہا ہے۔

اس شخص نے جب یہ دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی رائے سے اتفاق نہیں کر رہے تو اس نے کہا کہ پھر علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں میرا کیا قول ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو انھیں معاف فرما دیا ہے مگر تم نہیں چاہتے کہ اللہ انھیں معاف کرے۔ اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں میں یہ کہتا ہوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد اور داماد ہیں- اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا- اور یہ رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر جیسا کہ تم دیکھتے ہو (ان کے حبالۂ عقد میں ہے۔)[1] سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آئے تو ایک آدمی نے کہا کہ فتنے میں لڑائی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ فتنہ کیا ہے؟ حضرت محمد ﷺ مشرکوں سے لڑائی کرتے تھے اور ان پر داخل ہونا فتنہ تھا، اس سے تمھارا حکومت کے لیے لڑنا مراد نہیں ہے۔ یہ ساری روایت امام بخاری رحمہ اللہ کے سیاق کے مطابق ہے۔[2]

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ میں فتنے سے مراد شرک ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، سدی، مُقاتِل بن حیّان اور زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھے عروہ بن زبیر اور دیگر علماء کی امام زہری کے حوالے سے یہ روایت پہنچی ہے کہ کسی مومن کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کر دیا جائے۔[4] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ’’اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے۔‘‘ کے بارے میں ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ توحید اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائے۔[5] حسن، قتادہ اور ابن جریج نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ حتی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جانے لگ جائے۔[6] محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مومن کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کر دیا جائے، توحید خالص اللہ ہی کے لیے ہو جائے، اس میں شرک کی قطعاً کوئی آمیزش نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر تمام معبودوں کو چھوڑ دیا جائے۔[7]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے دین کے ساتھ ساتھ کفر باقی نہ رہے۔[8] اس کی

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ...... ﴾ (الأنفال 39:8)، حدیث: 4650 . [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ...... ﴾ (الأنفال 39:8)، حدیث: 4651 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1701/5 ودلائل النبوة للبیهقی، باب مبتدأ الإذعان بالقتال وماورد بعده ......:582/2. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:1701/5. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:1701/5. [6] تفسیر الطبری:327,326/9 وتفسیر ابن أبی حاتم:1701/5. [7] السیرة النبویة لابن هشام، نزول سورة الأنفال:672/2 . [8] تفسیر الطبری:328/9.

تائید صحیح بخاری ومسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ ، إِلَّا بِحَقِّهَا ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ] ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتی کہ وہ کہہ دیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور جب وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں گے تو مجھ سے اپنے خون اور اموال بچالیں گے مگر جو ان کا حق ہوا، پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔''①

صحیح بخاری ومسلم ہی میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص حمیت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص ریاکاری کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے رستے میں لڑنے والا کون ہے؟ فرمایا: [مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''جو شخص اس لیے لڑائی کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کو سربلندی حاصل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں لڑتا ہے۔''②

ارشاد الٰہی: ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ ''اور اگر وہ باز آجائیں۔'' یعنی حالتِ کفر میں تمھارے ساتھ لڑنے سے باز آجائیں تو تم بھی ان سے لڑائی کرنے سے رک جاؤ، خواہ تمھیں ان کی باطنی حالت کا علم نہ بھی ہو۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ﴾...... الآیۃ (التوبۃ 9:5) ''اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو......۔'' اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ﴾ (التوبۃ 9:11) ''تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○﴾ (البقرۃ 2:193) ''اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نیست و نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے، پھر اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے۔)''

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ تلوار لے کر ایک شخص پر چڑھ گئے تو اس نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا مگر اس کے باوجود اسامہ نے تلوار مار کر اسے قتل کر دیا اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ ذکر کیا گیا تو آپ نے اسامہ سے فرمایا: [أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ...... يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّمَا (قَالَهَا تَعَوُّذًا) قَالَ: (هَلَّا) شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ؟] ''اس کے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ روز قیامت تم لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا کیا جواب دو گے؟ اسامہ نے عرض کی: اے اللہ کے

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ﴾ (التوبة 9:5)، حديث: 25 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما. وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله محمد رسول الله......، حديث: (35)-21 واللفظ له عن جابر رضی اللہ عنہ. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171)، حديث: 7458 وصحيح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، حديث: (150)-1904 واللفظ له.

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿41﴾

فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا، اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے ﴿41﴾

رسول! اس نے تو بچنے کی خاطر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا تھا۔ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے دل کو چاک کر کے دیکھ کیوں نہیں لیا؟ آپ بار بار یہ مجھے فرماتے رہے: [(مَنْ لَّكَ بِلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟) ۔ قَالَ أُسَامَةُ ۔ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ إِلَّا يَوْمَئِذٍ] قیامت کے دن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے سامنے تیرا کون مددگار ہوگا؟۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ میں خواہش کرنے لگا کہ اے کاش! میں آج کے دن ہی مسلمان ہوا ہوتا۔''[1]

ارشادِ الٰہی: ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿40﴾﴾ ''اور اگر وہ پھریں تو جان رکھو کہ اللہ تمھارا حمایتی ہے (اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔'' یعنی اگر یہ تمھاری مخالفت کریں اور تمھارے خلاف جنگ برپا کرتے رہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمھارا کارساز، تمھارا آقا و مولیٰ اور تمھارے دشمنوں کے مقابلے میں تمھارا حامی و ناصر ہے اور وہ بہت اچھا کارساز بھی ہے اور بہت خوب حامی و مددگار بھی۔

تفسیر آیت:41

مالِ غنیمت اور فے کا حکم: سابقہ تمام امتوں کے مقابلے میں اس امتِ شریفہ کو اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت سے بھی نوازا ہے کہ اس کے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا ہے اور اس مقام پر اسی کی تفصیل کو بیان فرمایا ہے۔ غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو اونٹ اور گھوڑے دوڑا کر کفار سے حاصل کر لیا گیا ہو اور فے اس مال کو کہتے ہیں جو اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر ہی مل گیا ہو، مثلاً: وہ مال جو کفار سے صلح کر لینے کی وجہ سے حاصل ہوا ہو یا کافر فوت ہو گئے ہوں اور ان کا کوئی وارث نہ ہو یا وہ مال جو جزیہ اور خراج وغیرہ کی صورت میں کفار سے حاصل ہوا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ ''اور جان رکھو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت

---

[1] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿وَمَنْ اَحْيَاهَا﴾ (المائدة 32:5)، حديث:6872 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لاإله إلا الله، حديث:97,96 قوسین والے الفاظ علی الترتیب حوالہ جات کے مطابق ہیں: السنن الكبرى للنسائي، السير ، باب قول المشرك لا إله إلا الله:176/5 ، حديث:8595 والمعجم الكبير للطبراني، ترجمة السميط بن سمير عن عمران بن حصين:226/18 وسنن أبي داود، الجهاد، باب على ما يقاتل المشركون، حديث:2643.

حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کا ہے۔'' اس میں تاکید ہے کہ ہر چیز، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ حتی کہ سوئی دھاگے وغیرہ میں سے بھی پانچواں حصہ ضرور ادا کر دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ (آل عمران 161:3) ''اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ﴾ ''تو اس کا پانچواں حصہ یقیناً اللہ اور اس کے رسول کا ہے'' کے بارے میں ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی سَرِیّے کو بھیجتے اور وہ غنیمت کا پانچواں حصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا تو آپ اس پانچویں حصے کو مزید پانچ حصوں میں تقسیم فرما دیتے۔ پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ﴾...... الآیۃ. اور فرمایا کہ یہ آیت کلام باری تعالیٰ: ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ 284:2) کی مفتاح ہے، یعنی انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حصے کو ایک حصہ ہی قرار دیا۔[1] ابراہیم نخعی، حسن بن محمد ابن حنفیہ، حسن بصری، شعبی، عطاء بن ابورباح، عبداللہ بن بریدہ، قتادہ، مغیرہ اور دیگر کئی ایک اہل علم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔[2]

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام حافظ ابوبکر بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن شَقِیق سے اور انھوں نے بُلْقِین کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ میں نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ وادی قریٰ میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! غنیمت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: [لِلّٰهِ خُمُسُهَا وَأَرْبَعَةُ أَخْمَاسٍ لِّلْجَيْشِ، قُلْتُ: فَمَا أَحَدٌ أَوْلٰى بِهِ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَ: لَا، وَلَا السَّهْمُ تَسْتَخْرِجُهُ مِنْ جَنْبِكَ لَيْسَ أَنْتَ أَحَقَّ بِهِ مِنْ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ] ''اس کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور باقی چار حصے لشکر کے لیے ہیں۔ میں نے عرض کی: ان میں سے کوئی کسی دوسرے کی نسبت زیادہ حق دار نہیں ہے؟ فرمایا: نہیں، حتی کہ وہ تیر بھی جسے تم اپنے پہلو سے نکالو، اپنے مسلمان بھائی کی نسبت تم اس کے زیادہ حق دار نہیں ہو۔''[3]

امام احمد نے مقدام بن مَعْدِی کَرِب کِنْدی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ وہ عُبادہ بن صامت، ابوالدرداء اور حارث بن معاویہ کِنْدی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا تذکرہ شروع کر دیا۔ ابوالدرداء نے عُبادہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں غزوے میں مالِ غنیمت کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟ عبادہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوے میں صحابۂ کرام کو نماز پڑھائی اور اس وقت مال غنیمت کا ایک اونٹ آپ کے سامنے تھا، سلام

[1] تفسیر الطبری: 5/10. [2] تفسیر الطبری: 6/10. [3] السنن الکبرٰی للبیهقی، قسم الفیء والغنیمة، باب إخراج الخمس من رأس الغنيمة ......: 324/6 .

پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان اونٹ کی ایک مینگنی پکڑی اور فرمایا:

[إِنَّ هٰذِهِ مِنْ غَنَائِمِكُمْ وَإِنَّهُ لَيْسَ لِي فِيهَا إِلَّا نَصِيبِي مَعَكُمْ، إِلَّا الْخُمُسُ، وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ، فَأَدُّوا الْخَيْطَ وَالْمِخْيَطَ، وَأَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَأَصْغَرَ، وَلَا تَغُلُّوا فَإِنَّ الْغُلُولَ نَارٌ وَّعَارٌ عَلٰى أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَجَاهِدُوا النَّاسَ فِي اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ، وَلَا تُبَالُوا فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَّأَقِيمُوا حُدُودَ اللّٰهِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ عَظِيمٌ، يُّنَجِّي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى [بِهٖ] مِنَ الْغَمِّ وَالْهَمِّ]

''یہ بھی تمھاری غنیمتوں میں سے ہے اور خمس کے علاوہ باقی میرا حصہ بھی تمھارے حصے کے برابر ہی ہے اور یہ پانچواں حصہ بھی تمھی کو واپس کر دیا جاتا ہے، لہٰذا سوئی اور دھاگے کو بھی پیش کر دو، اس سے کوئی بڑی یا چھوٹی چیز ہو تو اسے بھی پیش کر و اور خیانت نہ کرو کیونکہ خیانت تو خائن لوگوں کے لیے دنیا و آخرت میں آگ اور عار ہے، اللہ کی خاطر قریب و بعید سب لوگوں سے جہاد کرو، اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو، سفر و حضر ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرو اور اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرو، جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک عظیم الشان دروازہ ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ غم و فکر سے نجات عطا فرماتا ہے۔''[1]

یہ حدیث حسن عظیم ہے مگر کتب ستہ میں یہ اس سند سے موجود نہیں ہے۔ ہاں، البتہ امام احمد، ابوداود اور نسائی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے غنیمت کے سلسلے میں اور خیانت کی ممانعت کے بارے میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] امام ابوداود اور نسائی نے عمرو بن عَنْبَسَہ سے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[3]

نبیٔ اکرم ﷺ مال غنیمت میں سے اپنے لیے غلام یا لونڈی یا گھوڑے یا تلوار وغیرہ جیسی کسی چیز کو پسند فرما لیا کرتے تھے جیسا کہ محمد بن سیرین اور عامر شَعْبی نے بیان کیا اور اکثر علماء نے بھی ان کی متابعت میں یہی بیان کیا ہے۔[4] امام احمد و ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالفقار نامی اپنی تلوار کو بدر کے دن مال غنیمت میں سے حاصل کیا تھا اور اسی تلوار کے بارے میں آپ نے احد کے دن خواب دیکھا تھا۔[5]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ صَفِیَّہ کا تعلق (غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی) لونڈیوں میں سے تھا۔[6]

اہل قرابت کا حصہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیا جاتا تھا کیونکہ بنو مطلب نے زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں بنو ہاشم کا ساتھ دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اظہار ہمدردی کے طور پر یہ بھی بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابوطالب میں داخل ہو گئے

① مسند أحمد:316/5. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، حديث:2694 وسنن النسائي، الهبة، باب هبة المشاع، حديث:3718 ومسند أحمد:184/2. ③ سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإمام يستأثر بشيء من الفيء لنفسه، حديث:2755 . ④ الدر المنثور:336/3. ⑤ مسند أحمد:271/1 وجامع الترمذي، السير، باب في النفل، حديث:1561. ⑥ سنن أبي داود، الخراج، باب ما جاء في سهم الصفي، حديث:2994 .

تھے، ان میں سے جو مسلمان تھے وہ تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے شعب ابوطالب میں داخل ہوئے تھے اور جو کافر تھے، وہ اپنے خاندان کے لیے حمیت اور رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب کی اطاعت کے لیے داخل ہوئے تھے۔

آیت کریمہ میں یتیموں سے مراد مسلمانوں کے یتیم ہیں اور محتاجوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنی گزر بسر کے لیے ضروری سامان موجود نہ ہو اور مسافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس قدر مسافت کا سفر کر رہے یا سفر کرنے کا ارادہ کر رہے ہوں جس میں نماز قصر کی جا سکتی ہو اور اس کے پاس سفر کے لیے زاد راہ نہ ہو۔ اس کی تفصیل سورۂ توبہ کی آیت صدقہ میں بیان کی جائے گی۔[1] إِنْ شَاءَ اللّٰهُ. وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا﴾ ''اگر تم اللہ پر اور اس (نصرت) پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی۔'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ، یوم آخرت اور اس پر ایمان رکھتے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تو مال غنیمت کے خمس کے بارے میں ہمارے حکم کی پابندی کرو۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وفد عبدالقیس سے متعلق حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، آمُرُكُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللّٰهِ، وَهَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ؟ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، (وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ) وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، (وَتُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ)] ''میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا اور چار سے منع کرتا ہوں۔ میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لاؤ، اور کیا تم جانتے ہو کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا اور یہ کہ تم مال غنیمت میں سے بھی پانچواں حصہ ادا کرو......'' لمبی حدیث ہے۔[2] اس حدیث میں آپ نے مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کو ادا کرنا بھی ایمان میں سے قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کی کتاب الإیمان میں ایک باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے: بَابُ أَدَاءِ الْخُمُسِ مِنَ الْإِيمَانِ ''غنیمت کے پانچویں حصے کو ادا کرنا بھی ایمان میں سے ہے۔'' پھر انھوں نے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہی حدیث بیان فرمائی ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤١﴾﴾ ''فیصلے کے دن (اتارا) جس دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوگئی تھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر اپنے اس انعام واحسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے بدر میں حق و باطل میں فرق کر دیا اور اس دن کو ''یوم الفرقان'' کے نام سے موسوم کیا کیونکہ اس دن اس نے کلمۂ ایمان کو کلمۂ باطل پر سربلند کر دیا تھا، اپنے دین کو غالب کر دیا اور اپنے نبی اور اپنی جماعت کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا

[1] دیکھیے آیت: 60 کے ذیل میں۔ [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصّٰفّٰت 37:96)، حدیث: 7556 لیکن پہلی قوسین والے الفاظ حدیث: 53 میں ہیں و صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله تعالى ورسولهﷺ وشرائع الدين......، حدیث: (23)-17 جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، حدیث: 87 کے مطابق ہیں۔ [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب أداء الخمس من الإيمان، حدیث: 53.

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ

جبکہ تم (میدان بدر کے) قریب والے کنارے پر تھے اور وہ (کافر) دور والے کنارے پر تھے اور (قریش کا تجارتی) قافلہ تم سے بہت نیچے (بحیرہ قلزم کے ساحل

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬

کی طرف) تھا۔ اور اگر تم (دونوں فریق جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر ضرور اختلاف کرتے اور لیکن (ہوا یہ کہ دونوں گروہ آمنے سامنے

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہونے والا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے (حق پہچان کر)

لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿42﴾

زندہ رہے، اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿42﴾

تھا۔ علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''یوم الفرقان'' سے مراد بدر کا دن ہے کیونکہ اس دن اللہ نے حق و باطل میں فرق کر دیا تھا۔[1] اسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[2] اسی طرح مجاہد، مِقْسَم، عبیداللہ بن عبداللہ، ضحاک، قتادہ، مُقاتِل بن حَیّان اور کئی ایک اہل علم نے کہا ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے۔[3]

تفسیر آیت: 42

یوم بدر کی کچھ تفصیل: اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ﴾ ''جس وقت (تم بدر کے) قریب والے کنارے پر تھے۔'' یعنی جب تم نے وادی کے اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا جو مدینہ سے قریب تھا۔ ﴿ وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى ﴾ ''اور کافر بعید کے کنارے پر تھے۔'' یعنی اس کنارے پر جو مدینہ سے بعید اور مکہ کی جانب تھا۔ ﴿ وَالرَّكْبُ ﴾ ''اور قافلہ'' جس میں ابوسفیان اپنے سامان تجارت کے ساتھ تھا ﴿ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ ﴾ ''تم سے نیچے (اتر گیا) تھا'' اور وہ ساحل سمندر کی طرف تھا ﴿ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ ﴾ ''اور اگر تم (جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے۔'' تم اور مشرک ایک جگہ جمع ہونے کے بارے میں آپس میں فیصلہ کر لیتے ﴿ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ ﴾ ''تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں اختلاف کرتے۔''

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ مڈھ بھیڑ تمھارے اور ان کے درمیان طے شدہ ایک وقت معین کے مطابق ہوتی، پھر تمھیں یہ معلوم ہوتا کہ ان کی تعداد زیادہ اور تمھاری تعداد کم ہے تو تم ان سے نہ ملتے۔ ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ ﴾ ''اور لیکن تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہو کر رہنے والا تھا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرمانے اور شرک و مشرکین کو ذلیل و رسوا کرنے کا اپنی قدرت کے ساتھ جو ارادہ فرمایا اسے پورا کر دے اور اپنے لطف و کرم

[1] تفسیر الطبری:12/10. [2] المستدرك للحاكم، المغازی والسرایا:23/3، حدیث:4307. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1706/5 و تفسیر الطبری:14,13/10.

کے ساتھ اس نے اپنے اس ارادے کو پورا فرما دیا۔① حدیث کعب بن مالک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان نکلے اور وہ قریش کے قافلے سے ملنا چاہتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان کے دشمنوں کو پہلے سے طے شدہ کسی وقت معین کے بغیر جمع کر دیا۔②

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے یزید بن رومان نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شام کے وقت علی بن ابوطالب، سعد بن ابووقاص اور زبیر بن عوام کو صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ بدر کے پانی کی طرف روانہ فرمایا تاکہ جستجو کر کے آپ تک خبریں پہنچائیں، ان کی قریش کی پانی لے جانے والی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، بنوسعید بن عاص کا ایک غلام اسلم اور بنوحجاج کا ایک غلام عریض ابویسار، صحابۂ کرام انھیں پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے، رسول اللہ ﷺ اس وقت نماز پڑھنے میں مصروف تھے، اس لیے صحابۂ کرام نے ان سے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ صحابۂ کرام نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم قریش کے سقے ہیں، انھوں نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ ہم ان کے پینے کے لیے پانی لے جائیں، لوگوں نے ان کی یہ بات قبول نہ کی اور انھیں خیال ہوا کہ شاید یہ ابوسفیان کے ملازم ہیں، اس لیے انھوں نے انھیں خوب مارا پیٹا تو وہ بول اٹھے کہ ہاں، ہم ابوسفیان ہی کے ملازم ہیں، اس پر انھوں نے انھیں چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا، پھر سجدے کیے اور نماز مکمل کرتے ہوئے سلام پھیر دیا اور فرمایا:

[إِذَا صَدَقَاكُمْ ضَرَبْتُمُوهُمَا، وَإِذَا كَذَبَاكُمْ تَرَكْتُمُوهُمَا، صَدَقَا، وَاللّٰهِ ! إِنَّهُمَا لِقُرَيْشٍ، أَخْبِرَانِي عَنْ قُرَيْشٍ؟ قَالَا: هُمْ وَاللّٰهِ! وَرَاءَ هٰذَا الْكَثِيبِ الَّذِي تَرٰى بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى۔ وَالْكَثِيبُ : الْعَقَنْقَلُ۔ فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَمِ الْقَوْمُ؟ قَالَا: كَثِيرٌ، قَالَ: مَا عِدَّتُهُمْ؟ قَالَا: لَا نَدْرِي، قَالَ: كَمْ يَنْحَرُونَ كُلَّ يَوْمٍ؟ قَالَا: يَوْمًا تِسْعًا وَّيَوْمًا عَشْرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الْقَوْمُ فِيمَا بَيْنَ التِّسْعِ مِائَةِ وَالْأَلْفِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: فَمَنْ فِيهِمْ مِّنْ أَشْرَافِ قُرَيْشٍ؟]

''جب ان دونوں نے تم سے سچ کہا تو تم نے زدوکوب کیا اور جب انھوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انھیں چھوڑ دیا۔ واللہ! ان دونوں نے سچ کہا ہے کہ وہ قریش کے ہیں۔'' (پھر آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ) ''مجھے قریش کے متعلق خبر دو گے؟'' انھوں نے کہا کہ واللہ! وہ اس ٹیلے کے پیچھے ہیں جو دور سے نظر آ رہا ہے۔ ٹیلہ عقنقل۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ وہ لوگ کتنے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ وہ بہت ہیں، آپ نے فرمایا: ''ان کی تعداد کتنی ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں، آپ نے فرمایا: ''وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا کہ ایک دن نو اور ایک دن دس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے درمیان ہے، پھر آپ نے ان دونوں سے پوچھا کہ لشکر میں

① السيرة النبوية لابن هشام، نزول سورة الأنفال: 672/2 وتفسير ابن أبي حاتم: 1708/5. ② تفسير الطبري: 16/10.

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي

(اے نبی! یاد کریں) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو ان کی تعداد کم دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور ہمت ہار دیتے اور

الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿43﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ

اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچالیا۔ بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے﴿43﴾ اور (اے مسلمانو یاد کرو!) جب تم

فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

(کافروں کے) آمنے سامنے ہوئے تو اللہ نے انھیں تمھاری نظروں میں تھوڑا دکھایا اور تمھیں ان کی نظروں میں تھوڑا دکھایا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿44﴾ ع

جو ہونے والا تھا۔ اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں﴿44﴾

سردارانِ قریش میں سے کون کون ہیں؟''

انھوں نے بتایا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خُوَیلد، حارث بن عامر بن نوفل، طُعَیمہ بن عدی بن نوفل، نَضر بن حارث، زَمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، اُمیہ بن خلف، حجاج کے بیٹے نُبیہ اور مُنبّہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبدوُدّ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا: [هٰذِهِ مَكَّةُ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْكُمْ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا] ''یہ مکہ ہے (اس) نے تمھاری طرف اپنے جگر کے ٹکڑے ڈال دیے ہیں۔''[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ﴾ ''تاکہ جو ہلاک ہو وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت وبصیرت کے ساتھ (حق پہچان کر) زندہ رہے۔'' محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ جس نے کفر کرنا ہے وہ حجت کے بعد، یعنی نشانی اور عبرت دیکھنے کے بعد کفر کرے اور جس نے ایمان لانا ہے، وہ بھی نشانی اور عبرت دیکھنے کے بعد ایمان لائے۔[2] یہ ایک اچھی تفسیر ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے تم کو تمھارے دشمن کے ساتھ پہلے سے طے شدہ کسی وقت معین کے بغیر ایک ہی میدان میں جمع کر دیا تاکہ تمھیں دشمن کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نوازے، کلمۂ حق کو باطل کے مقابلے میں سربلندی عطا فرمائے تاکہ معاملہ بالکل واضح ہو جائے کیونکہ یہ حجت قاطعہ اور یہ براہین ساطعہ ہیں اور ان کے بعد کسی کے پاس نہ کوئی حجت باقی رہے اور نہ کسی کے لیے کسی قسم کے شبہے کی کوئی گنجائش رہے اور یہ وہ صورت ہے کہ اگر کسی نے ہلاک ہی ہونا ہے تو وہ ہلاک ہو جائے، یعنی اگر کسی نے اپنے کفر ہی کی حالت پر برقرار رہنا ہے تو وہ بصیرت کے ساتھ کفر کو اختیار کرے کیونکہ وہ حجت قائم ہونے کے باوجود اپنے باطل مذہب پر قائم ہے، اسی طرح جس نے ایمان لانا ہے تو وہ بھی حجت وبصیرت کے ساتھ ایمان لائے اور ایمان تو دلوں کی زندگی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾ (الأنعام

[1] السيرة النبوية لابن هشام، ظفر المسلمين برجلين من قريش يقفانهم على أخبارهم: 617,616/2 . [2] تفسير الطبرى: 17/10.

(122:6) ’’کیا ایک ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔‘‘

واقعۂ اِفک کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ’’میرے بارے میں ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا۔‘‘ یعنی اس نے آپ کے بارے میں بہتان لگایا اور افتراء پردازی کی۔[1] ﴿ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيۡعٌ ﴾ ’’اور کچھ شک نہیں کہ اللہ خوب سننے والا ہے۔‘‘ یعنی تمھاری دعا، الحاح وزاری اور تمھاری فریاد کو وہ سنتا ہے۔ ﴿ عَلِيۡمٌ ﴾ یعنی تمھیں جانتا بھی ہے اور یقیناً کفار و معاندین کے مقابلے میں تمھی فتح ونصرت کے مستحق ہو۔

تفسیر آیات:44,43

اللہ تعالیٰ کا ہر جماعت کو دوسرے کی آنکھ میں تھوڑا کر کے دکھانا: امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خواب میں کافروں کی تعداد کو تھوڑا کر کے دکھایا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے بارے میں بتلایا تو اس سے انھیں حوصلہ اور ثابت قدمی نصیب ہوگئی۔ ابن اسحاق اور کئی دیگر اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔[2] فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَوۡ اَرٰىكَهُمۡ كَثِيۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ ﴾ ’’اور اگر وہ انھیں بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ بزدل ہو جاتے۔‘‘ یعنی تم بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے۔ ﴿ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ﴾ ’’لیکن اللہ نے (تمھیں اس سے) بچا لیا۔‘‘ اس طرح کہ دشمن تمھیں تھوڑی تعداد میں دکھائے۔ ﴿ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴾ ’’بے شک وہ سینوں کی باتوں سے واقف ہے۔‘‘ وہ تو ان باتوں سے بھی آگاہ ہے جن کو ضمیر چھپائے ہوتے ہیں اور جن پر انتڑیاں لپٹی ہوتی ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَعۡلَمُ خَآٮِٕنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ ﴾ (المؤمن19:40) ’’وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جنھیں سینوں نے چھپایا ہوا ہے۔‘‘

ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَيۡتُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِكُمۡ قَلِيۡلًا ﴾ ’’اور (اے مسلمانو یاد کرو!) جب تم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تو کافروں کو تمھاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا۔‘‘ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے ساتھ ایک خاص لطف وکرم تھا کہ اس نے کافروں کو مسلمانوں کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھایا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں پر جرأت اور رغبت دلائی۔

ابو اسحاق سبیعی نے ابو عبیدہ سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن کافر ہماری آنکھوں میں اس قدر تھوڑی تعداد میں دکھائے گئے کہ میں اپنے ساتھ کھڑے ہوئے آدمی سے یہ پوچھ رہا تھا کہ کافروں کی تعداد ستر ہوگی؟ اس نے کہا کہ نہیں ایک سو کی تعداد میں ہوں گے حتی کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر پوچھا کہ تمھاری تعداد کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم ایک ہزار ہیں۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[3] ﴿ وَّيُقَلِّلُكُمۡ

[1] مسند أحمد:195/6. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1709/5 و تفسير عبدالرزاق:123/2، رقم:1018 و تفسير الخازن: 315/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1710/5 و تفسير الطبري:19/10.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿45﴾

اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو ثابت (قدم) رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿45﴾ اور اللہ اور اس کے رسول

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ

کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿46﴾

والوں کے ساتھ ہے﴿46﴾

فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ﴾ ''اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا۔'' امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اس طرح اس نے بعض کو بعض پر برانگیختہ کیا، اس کی سند صحیح ہے۔[1]

محمد بن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن عبّاد بن عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد سے ﴿ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ ﴾ ''تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہونے والا تھا۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں جنگ کو برپا کر دیا تاکہ جس سے وہ انتقام لینا چاہے، اس سے انتقام لے لے اور اپنے جن دوستوں کو وہ انعام و اکرام سے نوازنا چاہے، نواز دے۔[2] آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کیا اور ایک دوسرے کو تھوڑی تعداد میں دکھایا تاکہ ہر ایک کو دوسرے کے بارے میں رغبت پیدا ہو جائے، تھوڑی تعداد میں دکھانے کا یہ عمل اس وقت تھا جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں لیکن جب گھمسان کا رن پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی تو کافروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ مومنوں کی تعداد ان سے دوگنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ (آل عمران 3:13) ''تمھارے لیے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (اللہ کی قدرت کی عظیم الشان) نشانی تھی ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) ان کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا مشاہدہ کر رہا تھا اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے جو اہل بصارت ہیں ان کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔'' اس طرح ان دونوں آیتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور ان میں سے ہر آیت مبنی برحق و صداقت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیات: 46,45

آداب جنگ کی تعلیم: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جنگ کے آداب اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت شجاعت و بہادری

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1710/5. [2] السيرة النبوية لابن هشام، نزول سورة الأنفال: 672/2 وتفسير ابن أبي حاتم: 1708/5.

کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا﴾ ''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے ملو (تمھارا مقابلہ ہو) تو ثابت (قدم) رہو۔'' صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان بعض ایام میں، جن میں دشمن سے آپ کا مقابلہ ہوا، انتظار فرمایا حتی کہ جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ] ''لوگو! دشمن سے مڈھ بھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہو اور جب تمھارا دشمنوں سے سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر نبیٔ اکرم ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ! کتاب کے نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے، جماعتوں کو شکست دینے والے ہمارے ان دشمنوں کو شکست دے اور ان سے مقابلے میں ہماری نصرت فرما۔''[1]

کعب احبار سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر سے بڑھ کر اور کوئی چیز پسند نہیں ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لوگوں کو نماز اور جہاد کا حکم نہ دیتا، دیکھو! اس نے جہاد کے وقت بھی لوگوں کو اپنے ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِيۡتُمۡ فِئَةً فَاثۡبُتُوۡا وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا لَّعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿٤٥﴾﴾ ''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے ملو (تمھارا مقابلہ ہو) تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[2]

دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے ثابت قدمی اور ان کی مبارزت کے وقت صبر کا مظاہرہ کیا جائے اور مومن فرار ہوں نہ منہ موڑیں اور نہ بزدلی کا مظاہرہ کریں بلکہ اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور اسے نہ بھولیں بلکہ اس سے مدد طلب کریں، اسی کی ذات گرامی پر توکل کریں اور اسی سے اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت طلب کریں، اس حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دامن نہ چھوڑیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے، اسے بجا لائیں اور جس سے منع فرما دیا ہے اس سے کنارہ کشی کریں اور آپس میں اختلاف بھی نہ کریں کیونکہ باہمی اختلاف ذلت و رسوائی اور شکست کا سبب بنے گا۔ ﴿وَتَذۡهَبَ رِيۡحُكُمۡ﴾ ''اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' یعنی تمھاری قوت و وحدت اور کامیابی و کامرانی ختم ہو جائے گی۔ ﴿وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿٤٦﴾﴾ ''اور صبر سے کام لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔''

حضرات صحابۂ کرام شجاعت و بہادری، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی بجا آوری اور اطاعت و فرمانبرداری کے اعتبار

[1] صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب كان النبي ﷺ إذا لم يقاتل أول النهار أخر القتال حتى تزول الشمس، حديث: 2966,2965 وصحيح مسلم، الجهاد......، باب كراهة تمنى لقاء العدو......، حديث:1742. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1711/5.

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿47﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ

تھے۔ اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے ﴿47﴾ اور (یاد کرو) جب شیطان نے ان کے اعمال ان کے لیے سجا کر پیش کیے اور وہ کہنے لگا:

لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ

آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمھارا ساتھی ہوں، پھر جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور

وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

کہنے لگا: بے شک میں تم سے بری ہوں۔ بے شک میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت

الْعِقَابِ ﴿48﴾ ع اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ

سزا دینے والا ہے ﴿48﴾ جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، یہ کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿49﴾

اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو بے شک اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ﴿49﴾

سے اس قدر آگے بڑھے ہوئے تھے کہ سابقہ امتوں اور زمانوں میں اس کی کوئی مثال نظر نہیں آتی اور نہ ہی بعد میں نظر آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے حکم کی اطاعت کی برکت سے انھوں نے بہت ہی قلیل مدت میں مشرق و مغرب کے ملکوں اور ان میں بسنے والے لوگوں کے دلوں کو فتح کر لیا، حالانکہ رومیوں، ایرانیوں، ترکوں، صَقالِبہ، بَربَر، حبشیوں، سوڈان کی مختلف قوموں، قبطیوں اور دیگر اقوام کے لشکر ہائے جرار کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت ہی قلیل تھی لیکن انھوں نے ان سب کو شکست دی حتی کہ اللہ کے کلمے کو سربلندی حاصل ہوگئی، اللہ کا دین تمام دینوں پر غالب آ گیا اور تیس سال سے بھی کم عرصے میں اسلامی ملکوں کا سلسلہ مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل گیا۔ فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ أَجْمَعِينَ، وَحَشَرَنَا فِي زُمْرَتِهِمْ إِنَّهُ كَرِيمٌ وَّهَّابٌ.

تفسیر آیات: 47-49

بدر کے دن مشرکوں کے نکلنے کی کیفیت: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کی راہ میں جہاد میں اخلاص سے کام لینے اور کثرت سے اس کا ذکر کرنے کے حکم کے بعد مشرکوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنے گھروں سے اس طرح نہ نکلو جس طرح مشرک نکلے تھے۔ ﴿ بَطَرًا ﴾ ”اتراتے ہوئے“ یعنی حق کا مقابلہ کرنے کے لیے، ﴿ وَّرِئَآءَ النَّاسِ ﴾ ”اور لوگوں کو دکھانے کے لیے۔“ یعنی فخر اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے جیسا کہ ابوجہل نے کہا: جب اس سے یہ کہا گیا کہ قافلہ بچ کر آ گیا ہے، لہٰذا لوٹ جاؤ تو اس نے کہا: نہیں، واللہ! ہم اس وقت تک واپس نہیں ہوں گے جب تک بدر کے پانی تک نہ پہنچ جائیں، اونٹوں کو ذبح نہ کر لیں، شرابیں نہ پی لیں، باندیاں گانے نہ گا لیں تاکہ ہماری آج کی اس شان و شوکت کے

بارے میں عرب ہمیشہ بیان کرتے رہیں۔[1]

لیکن یہ سب کچھ اس کے الٹ ثابت ہوا، اس لیے کہ وہ جب بدر کے کنویں پر آئے تو درحقیقت موت کے کنویں پر آئے تھے اور قتل ہونے کے بعد انھیں قلیب بدر میں اس طرح پھینک دیا گیا کہ وہ بے حد ذلیل ورسوا تھے اور نہایت شقاوت کے ساتھ سرمدی وابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾ ''اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اللہ جانتا ہے کہ وہ کس طرح آئے اور کس مقصد کے لیے آئے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں بدترین سزا دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور سدی نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ان مشرکوں کے بارے میں ہے جنھوں نے بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تھی۔[2] محمد بن کعب کہتے ہیں کہ جب قریش مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو وہ گانے بجانے والی عورتوں اور موسیقی کے آلات کے ساتھ نکلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔[3]

شیطان کا مشرکوں کو مبتلائے فریب کرنا: ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ...... ﴾ الآیة ''اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور یقیناً میں تمھارا رفیق ہوں......'' کفار جس مقصد کی خاطر آئے اور جو ان کا ارادہ تھا، شیطان ملعون نے وہ انھیں آراستہ کر کے دکھایا اور انھیں اس بات پر رغبت دلائی کہ آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آ سکے گا۔ اور اس خوف کو بھی ان سے دور کر دیا کہ ان کے دشمن بنو بکر میں سے بھی کوئی ان کے گھروں پر حملہ آور نہیں ہوگا اور کہا کہ میں تمھارا رفیق ہوں۔[4] شیطان کافروں کے سامنے سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں آیا تھا جو بنو مُدلج کا سردار اور اس علاقے کا ایک وڈیرا تھا۔[5]

شیطان نے کافروں سے یہ ساری باتیں کیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴾ (النسآء 4:120) ''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انھیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔'' ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب بدر کا دن تھا تو ابلیس اپنے پرچم اور لشکروں کے ساتھ مشرکوں کے ساتھ چلا اور مشرکوں کے دلوں میں اس نے یہ بات ڈال دی کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آ سکے گا اور میں تمھارا ساتھی ہوں لیکن جب مشرک اور کافر صف آرا ہوئے اور شیطان نے فرشتوں کی امداد کو دیکھا تو ﴿ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ ...... ﴾ الآیة۔ ''وہ الٹے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ بلاشبہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ

[1] تفسیر الطبری: 23,22/10 والسیرة النبویة لابن هشام: 673/2. [2] تفسیر الطبری: 24,23/10 وتفسیر ابن أبی حاتم: 1714,1713/5. [3] تفسیر الطبری: 24,23/10 والدر المنثور: 344/3. [4] تفسیر الطبری: 27/10. [5] تفسیر الطبری: 26/10.

رہے......۔“[1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابلیس بدر کے دن شیطانوں کے لشکر کے ساتھ آیا، اس کے پاس اس کا جھنڈا بھی تھا، وہ بنو مُدلج کے سردار سراقہ بن مالک بن جُعْشُم کی صورت میں آیا تھا اور مشرکوں سے اس نے کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا اور میں تمھارا رفیق ہوں جب لوگ صف آرا ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے مشرکوں کے چہروں کی طرف پھینک دیا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ جبریل علیہ السلام ابلیس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس وقت ابلیس ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا، اس نے جب حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو اپنا ہاتھ مشرک کے ہاتھ سے چھڑا لیا، پھر وہ اور اس کا سارا لشکر دم دبا کر بھاگ گیا، وہ مشرک جس کے ہاتھ میں ابلیس کا ہاتھ تھا کہنے لگا: سراقہ! تم تو کہتے تھے کہ میں تمھارا رفیق ہوں، ابلیس نے جواب دیا: میں وہ (فرشتے) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ ابلیس نے یہ پسپائی اس وقت اختیار کی جب اس نے میدان بدر میں فرشتوں کو اترتے ہوئے دیکھا تھا۔[2]

بدر کے دن منافقوں کا موقف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ﴾ ”اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا، کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔“ علی بن ابوطلحہ نے اس آیت کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں کی آنکھوں میں تھوڑی تعداد میں دکھایا اور مشرکوں کو مسلمانوں کی آنکھوں میں کم کر کے دکھایا تو مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے، انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ انھیں معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں ہیں اور وہ گمان یہ کر رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کو یقیناً شکست دے دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ ”اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو یقیناً اللہ غالب حکمت والا ہے۔“[3]

امام قتادہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے یہ دیکھا کہ مومنوں کی ایک جماعت نے اللہ کے دین کے بارے میں تشدد سے کام لیا ہے۔ نیز امام قتادہ نے کہا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے دشمن ابوجہل نے جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تو قساوت و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ آج کے بعد اللہ کی عبادت نہیں کر سکیں گے[4] عامر شعبی کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں نے اسلام کے بارے میں گفتگو کی اور بدر کے دن وہ مشرکوں کے ساتھ نکلے اور جب انھوں نے مسلمانوں کی قلتِ تعداد کو دیکھا تو کہا: ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔[5]

[1] تفسير الطبري:27/10. [2] تفسير الطبري:25/10 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:1717/5. [4] تفسير الطبري:29/10.
[5] تفسير الطبري:29,28/10.

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ

اور کاش! آپ دیکھیں، جبکہ فرشتے کافروں کو فوت کرتے ہیں، وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) تم

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

جلادینے والا عذاب چکھو﴿50﴾ یہ اسی کا بدلہ ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یہ (جان لو) کہ بے شک اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم

لِّلْعَبِيْدِ ۙ ﴿51﴾

کرنے والا نہیں﴿51﴾

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ ''اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو یقیناً اللہ غالب ہے۔'' یعنی جو اس کا سہارا ڈھونڈ لے، وہ ذلیل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ غالب، عالی جناب اور عظیم الشان سلطنت کا مالک ہے۔ ﴿ حَكِيْمٌ ﴿49﴾ ﴾ ''حکمت والا ہے۔'' اپنے تمام افعال میں حکیم ہے، تمام افعال کو ان کے مقام پر رکھتا ہے، لہٰذا جو مستحق نصرت ہو تو اسے فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور جو ذلت و رسوائی کا مستحق ہو تو اسے وہ ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔

تفسیر آیات: 51,50

فرشتوں کا کفار کو بوقتِ موت مارنا: اللہ نے فرمایا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ اس حالت کو دیکھ لیں جب فرشتے کفار کی روحیں قبض کر رہے ہوتے ہیں تو آپ ایک خطرناک، ہولناک اور دہشت ناک منظر دیکھیں گے جب ﴿ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾ ''وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔'' اور ان سے یہ کہتے ہیں: ﴿ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ﴾ ''اور تم جلا دینے والا عذاب چکھو۔'' ابن جریج نے امام مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾ سے ان کے سرین مراد ہیں، بدر کے دن۔ اور ابن جریج ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرکوں نے اپنے چہرے مسلمانوں کی طرف کیے تو فرشتوں نے ان کے چہروں پر تلواریں ماریں اور جب انھوں نے پیٹھ پھیری تو فرشتوں نے ان کا تعاقب کر کے ان کی پیٹھوں پر درے برسائے۔[1]

یہ آیت کریمہ اگرچہ واقعۂ بدر کے سیاق میں ہے لیکن یہ ہر کافر کے حق میں عام ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اسے اہل بدر کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ ﴾ ''اور کاش! آپ اس وقت (کی کیفیت) دیکھیں جب فرشتے کافروں کو فوت کرتے ہیں، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے ہیں۔'' سورۂ محمد میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔[2] اور قبل ازیں سورۂ انعام کی حسبِ ذیل آیت میں بھی یہ گزر چکا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ﴾ (الأنعام 93:6) ''اور کاش! آپ ان ظالم لوگوں کو اس وقت دیکھیں جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلا

[1] تفسیر الطبری: 31,30/10. [2] دیکھیے آیت: 27 کے ذیل میں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ

ان کی عادت آل فرعون اور ان لوگوں کی عادت جیسی ہے جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿52﴾

انھیں پکڑ لیا۔ بے شک اللہ بہت طاقتور، سخت سزا والا ہے ﴿52﴾

ہوتے ہیں اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں۔'' یعنی فرشتے اپنے رب کے حکم سے اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھا کر اس وقت انھیں مارتے ہیں جب ان کی روحیں ان کے جسموں سے نہیں نکلتیں تو فرشتے انھیں زبردستی نکالتے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غضب کی بشارت سناتے ہیں۔

چنانچہ حدیث براء میں ہے کہ موت کے وقت ملک الموت جب بہت ڈراؤنی شکل وصورت میں کافر کے پاس آتا ہے تو اس کی روح سے کہتا ہے: [أُخْرُجِي أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ! إِلٰى (سَمُومٍ وَّحَمِيمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُومٍ) فَتَفَرَّقَ فِي بَدَنِهٖ فَيَسْتَخْرِجُونَهَا مِنْ جَسَدِهٖ، كَمَا يَخْرُجُ السَّفُّودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ تَتَقَطَّعُ مَعَهَا الْعُرُوقُ وَالْعَصَبُ] ''اے خبیث نفس! (دوزخ کی لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے) کی طرف نکل تو یہ سن کر روح اس کے جسم میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور فرشتے اسے اس کے جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جس طرح گیلی اون سے لوہے کی سلاخ کو نکال لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی رگیں اور پٹھے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔''① اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے کہ اس وقت فرشتے ان سے یہ کہتے ہیں: ﴿ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿50﴾ ﴾ ''اور تم جلا دینے والا عذاب چکھو۔'' فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ ﴾ ''یہ ان (اعمال) کی سزا ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔'' یہ سزا تمھارے ان برے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنی دنیا کی زندگی میں کیے تھے، یہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں سزا دی ہے۔

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿51﴾ ﴾ ''اور یہ (جان لو!) کہ بے شک اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔'' وہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ تو حاکم عادل ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ غنی وحمید کی ذات بابرکات اس سے بہت ہی بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ ہے کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُّحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا......، يَا عِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ، (ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا) فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ] ''اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے اور اسے تمھارے لیے بھی حرام ٹھہرایا ہے، لہٰذا تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو...... اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جو میں تمھارے لیے

① مسند أحمد: 288/4 مفصلاً جبکہ قوسین والے الفاظ یہاں نہیں۔ اور تفسیر ابن کثیر میں [فتخرج معها العروق والعصب] کے الفاظ ہیں لیکن مراجع میں [فتخرج] کے بجائے [تَتَقَطَّعُ] ہے اور یہ الفاظ مسند احمد حوالۂ مذکورہ میں اسی حدیث کے بعد والی حدیث میں ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ کوئی نعمت، جو اس نے کسی قوم کو بخشی ہو، نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت بدلیں۔ اور بے شک اللہ خوب

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿53﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا

سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿53﴾ ان کی عادت آلِ فرعون اور ان لوگوں کی عادت جیسی ہے جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿54﴾

تو ہم نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا، اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ اور وہ سب ظالم تھے ﴿54﴾

شمار کر رہا ہوں، پھر میں تم کو اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا، لہٰذا جو شخص کوئی بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔''[1]

تفسیر آیت: 52

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی! ان مشرکین اور آپ جس دین کو لے کر آئے ہیں، اس کی تکذیب کرنے والوں کا فعل ان امتوں کے فعل جیسا ہے جنھوں نے ان سے پہلے تکذیب کی تھی، لہٰذا ان کے ساتھ بھی ہم نے اسی طرح کیا ہے جس طرح ان سے پہلے تکذیب کرنے والے فرعونیوں، انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی قوموں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے والوں کے ساتھ کیا تھا۔ ﴿فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ﴾ ''تو اللہ نے انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔'' ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا اور انھیں اس طرح پکڑا جس طرح کوئی غالب اور قدرت والا پکڑتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿52﴾﴾ ''بے شک اللہ زبردست (اور) سخت عذاب والا ہے۔'' یعنی اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور نہ کوئی بھاگنے والا اس سے بچ سکتا ہے۔

تفسیر آیات: 54,53

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے مکمل مبنی بر عدل و انصاف ہونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جو نعمت کسی کو دیا کرتا ہے تو اسے اس کے کسی گناہ کے ارتکاب کے سبب ہی اس سے محروم کرتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○﴾ (الرعد 11:13) ''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی ٹالنے والا نہیں اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔'' ارشاد الٰہی: ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ﴾ ''جیسا حال فرعونیوں کا (ہوا تھا۔)'' یعنی اس نے ان کا حال بھی ویسا کیا ہے جیسا حال اس نے فرعونیوں اور ان جیسے لوگوں کا کیا تھا جب انھوں نے اس کی آیات کی تکذیب کی اور اس نے ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا اور انھیں ان نعمتوں سے محروم کر دیا جو انھیں باغات، چشموں، کھیتیوں، خزانوں، نفیس مکانوں اور آرام کی ان چیزوں کی صورت میں عطا کی تھیں جن

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث:2577 مفصلاً.

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿55﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ

بے شک چلنے پھرنے والوں میں سے، اللہ کے نزدیک، بدترین وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا، پھر وہ ایمان نہیں لاتے ﴿55﴾ وہ جن سے آپ نے معاہدہ

مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿56﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي

کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے ﴿56﴾ پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں پائیں تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی بھگا دیں جو

الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿57﴾

ان کے پیچھے ہوں، شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿57﴾

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔

لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿58﴾ ع

بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿58﴾

میں وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کیا کرتے تھے، اس کے بارے میں اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔

تفسیر آیات: 55-57

کفر اور عہد شکنی کرنے والوں پر ضرب کاری لگانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر چلنے والے جان داروں میں سب سے بدتر وہ ہیں جو کافر ہیں اور ایمان نہیں لاتے، وہ جب بھی عہد کرتے ہیں تو اسے توڑ ڈالتے ہیں، خواہ قسمیں کھا کر کیسا ہی پختہ عہد کیوں نہ کریں، اسے پورا نہیں کرتے، ﴿وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ﴾ ''اور وہ (عہد توڑنے سے) نہیں بچتے۔'' یعنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے قطعاً نہیں ڈرتے۔ ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ یعنی پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں پائیں تو ان پر غلبہ و تسلط حاصل کر لیں ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ ''تو جو ان کے پیچھے ہوں، ان کو بھگا دیں۔'' یعنی انھیں بہت شدید اور عبرت ناک سزا دیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، ضحاک، سدی، عطاء خراسانی اور ابن عیینہ کا قول ہے۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں شدید ترین سزا دیں اور خوب تہ تیغ کریں تاکہ دیگر عرب و غیر عرب دشمنان اسلام بھی عبرت حاصل کریں۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ ''شاید کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو۔'' سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شاید وہ اس خوف کی وجہ سے عہد شکنی نہ کریں کہ کہیں ان کے ساتھ بھی اسی طرح نہ کیا جائے جیسے ان کے ساتھ کیا گیا ہے۔[2]

تفسیر آیت: 58

عہد شکنی پر برابر کا جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً﴾ ''اور اگر آپ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1719/5 و تفسیر الطبری: 35,34/10. [2] تفسیر الطبری: 35/10 و تفسیر ابن أبی حاتم: 1720/5.

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ؕ اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ ﴿59﴾ وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ سبقت لے گئے ہیں۔ بے شک وہ (اپنی چالوں سے اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے﴿59﴾ اور ان (کافروں کے

اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ وَاٰخَرِيۡنَ

مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت (تیر وتفنگ) اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں

مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَيۡءٍ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

کو ڈرائے رکھو جنھیں تم نہیں جانتے (مگر) اللہ انھیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمھیں (اس کا) پورا پورا (ثواب) دیا جائے گا۔ اور تم

يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿60﴾

پر ظلم نہیں کیا جائے گا﴿60﴾

کو کسی قوم سے خیانت (عہد شکنی) کا خوف ہو۔'' یعنی کسی ایسی قوم سے جن سے آپ نے عہد کیا ہو یہ خوف ہو کہ وہ عہد شکنی کرے گی ﴿ فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ ﴾ ''تو (ان کا عہد) انھیں کی طرف پھینک دیں (اور) برابر (کا جواب دیں۔)'' یعنی انھیں معلوم کرا دیں کہ آپ نے بھی عہد کو توڑ دیا ہے تاکہ آپ کو بھی اور ان کو بھی معلوم ہو کہ آپ کی ان کے ساتھ اور ان کی آپ کے ساتھ جنگ ہے اور اب آپ کے اور ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہے اور اب آپ اور وہ اس سلسلے میں برابر ہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ﴿58﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' حتی کہ کافروں کے حق میں بھی اللہ تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا۔

امام احمد نے سُلیم بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سرزمین روم میں چل رہے تھے، آپ کے اور ان کے مابین معاہدہ تھا، آپ چاہتے تھے کہ ان کے قریب پہنچ جائیں اور جب معاہدے کی مدت ختم ہو تو ان پر حملہ کر دیں تو انھوں نے دیکھا کہ ایک بزرگ جانور پر سوار ہیں اور کہہ رہے ہیں: اللہ اکبر! اللہ اکبر! وعدہ وفا کرنا ہے، بے وفائی نہیں کرنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [مَنۡ كَانَ بَيۡنَهُ وَبَيۡنَ قَوۡمٍ عَهۡدٌ فَلَا يُحُلَّنَّ عُقۡدَةً وَّلَا يَشُدَّهَا حَتّٰى يَنۡقَضِيَ أَمَدُهَا، أَوۡ يَنۡبِذَ إِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَاءٍ] ''جس کسی قوم کے مابین عہد ہو تو جب تک مدت گزر نہ جائے، کوئی گرہ کھولے نہ باندھے یا ان کا عہد انھی کی طرف پھینک دے اور برابر کا جواب دے۔'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث پہنچی تو وہ واپس آ گئے، حدیث بیان کرنے والے یہ بزرگ حضرت عمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہ تھے۔[1] اس حدیث کو امام ابوداود طیالسی، امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی نے اور ابن حبان رحمہم اللہ نے بھی اپنی ''صحیح'' میں بیان کیا اور ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

---

① مسند أحمد:111/4. ② مسند أبي داود الطيالسي:472/2، حديث عمرو بن عبسة......، حديث:1251 و سنن أبي داود، الجهاد، باب في الإمام يكون بينه وبين العدو عهد فيسير نحوه، حديث:2759 و جامع الترمذي، السير، باب ما جاء في الغدر، حديث:1580 و السنن الكبرى للنسائي، السير، باب الوفاء بالعهد:224,223/5، حديث:8732 و صحيح ابن حبان، السير، ذكر البيان بأن العقد إذا وقع بين المسلمين وأهل الحرب......:215/11، حديث:4871.

تفسیر آیات:60,59

دشمن سے مقابلے کے لیے مقدور بھر تیاری کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے نبی! ﴿ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ ﴾ یعنی کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمیں پیچھے چھوڑ جائیں گے اور ہم ان پر قدرت حاصل نہ کر سکیں گے بلکہ وہ تو ہماری قدرت اور ہمارے غلبے کے تحت ہیں اور وہ ہماری مشیت کے قبضے میں ہیں، لہٰذا وہ ہمیں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے جیسا کہ فرمایا:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ (العنکبوت 4:29) ''کیا وہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں، یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہم سے سبقت لے جائیں گے۔ بہت برا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (النور 24:57) ''ہرگز ایسا خیال نہ کرنا کہ کافر لوگ (ہم کو) زمین میں عاجز کر دیں گے (وہ جا ہی کہاں سکتے ہیں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بلاشبہ وہ واپسی کی بہت بری جگہ ہے۔'' اور فرمایا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (آل عمران 3:196,197) ''(اے پیغمبر!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکا نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں سے جنگ کرنے کے لیے حسب امکان واستطاعت آلاتِ جنگ تیار رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ﴾ ''اور جہاں تک ہو سکے قوت (تیر وتفنگ) سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ منبر پر فرما رہے تھے: [﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ] ''خبردار! قوت سے مراد تیراندازی ہے۔ خبردار! قوت سے مراد تیراندازی ہے۔ خبردار! قوت سے مراد تیراندازی ہے۔''[1]

امام مالک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اَلْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِّرَجُلٍ أَجْرٌ، وَّلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَّعَلٰى رَجُلٍ وِّزْرٌ، فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ: فَرَجُلٌ رَّبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَطَالَ لَهَا فِي مَرْجٍ أَوْ رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ فِي الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ، كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَّلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا، فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَّهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ يَّسْقِيَ بِهِ، كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَّهُ، فَهِيَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ، وَّرَجُلٌ رَّبَطَهَا تَغَنِّيًا وَّتَعَفُّفًا، وَّلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ، وَّرَجُلٌ رَّبَطَهَا فَخْرًا وَّرِيَاءً وَّنِوَاءً، فَهِيَ عَلٰى ذٰلِكَ وِزْرٌ، فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ، قَالَ: مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ]

[1] مسند أحمد:4/157 وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرمي والحث عليه......، حديث:1917 .

''گھوڑا تین اشخاص کے لیے ہے: ایک شخص کے لیے یہ باعث اجر ہے، دوسرے کے لیے یہ ستر پوشی کا ذریعہ ہے اور تیسرے کے لیے موجب گناہ ہے۔ باعث اجر اس کے لیے ہے جس نے اسے اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے باندھا اور چراگاہ یا باغ میں (چرانے کے لیے) اس کی رسی کو دراز رکھا اور اس نے اپنی رسی کی اس درازی کے ساتھ چراگاہ یا باغ میں سے جو بھی کھایا وہ اس گھوڑے کے مالک کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر اس نے اپنی رسی کو قطع کر دیا اور وہ ایک یا دو ٹیلوں پر چڑھ گیا تو اس کے قدموں کے نشانات اور اس کی لید وغیرہ بھی اس کے لیے نیکیاں بن جائیں گی اور اگر وہ گھوڑا کسی نہر کے پاس سے گزرا اور اس نے اس سے پانی پی لیا، خواہ گھوڑے کے مالک نے اسے پانی پلانے کا ارادہ نہ بھی کیا ہو تو پھر بھی وہ اس کے لیے نیکیاں بن جائے گا، الغرض یہ گھوڑا اس شخص کے لیے باعث اجر ہے۔ اور وہ شخص جس نے غنا اور عفت کے حصول کے لیے گھوڑا باندھا اور اس کی گردن اور پشت کے بارے میں وہ اللہ کے حق کو نہ بھولا تو یہ اس کے لیے ستر پوشی کا موجب ہوگا۔ اور جس شخص نے اسے فخر، ریا کاری اور مسلمانوں کی دشمنی کے لیے باندھا تو یہ اس کے لیے باعث گناہ ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر صرف یہ ایک جامع اور منفرد آیت نازل فرمائی ہے: ﴿فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۚ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال 8,7:99) ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی، وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''[1]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلۡخَيۡلُ ثَلَاثَةٌ: فَفَرَسٌ لِّلرَّحۡمٰنِ، وَفَرَسٌ لِّلۡإِنۡسَانِ وَفَرَسٌ لِّلشَّيۡطَانِ، فَأَمَّا فَرَسُ الرَّحۡمٰنِ: فَالَّذِي يُرۡبَطُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَعَلَفُهُ وَرَوۡثُهُ وَبَوۡلُهُ، وَذَكَرَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَأَمَّا فَرَسُ الشَّيۡطَانِ: فَالَّذِي يُقَامَرُ أَوۡ يُرَاهَنُ عَلَيۡهِ، وَأَمَّا فَرَسُ الۡإِنۡسَانِ: فَالۡفَرَسُ يَرۡتَبِطُهَا الۡإِنۡسَانُ يَلۡتَمِسُ بَطۡنَهَا، فَهِيَ تَسۡتُرُ مِنۡ فَقۡرٍ] ''گھوڑے تین قسم کے ہیں: (1) رحمان کے لیے (2) انسان کے لیے (3) شیطان کے لیے۔ رحمان کے لیے وہ گھوڑا ہے، جسے اللہ کے رستے کے لیے باندھا جائے تو اس کا چارا، لید اور پیشاب، آپ نے یہاں کچھ اور چیزوں کا بھی ذکر فرمایا۔ (قیامت کے دن ترازو میں نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا) شیطان کے لیے گھوڑا وہ ہے جسے جوئے اور گھڑ دوڑ کے لیے رکھا جائے۔ اور انسان کے لیے گھوڑا وہ ہے جسے افزائش نسل کے لیے باندھ کر رکھتا ہے، چنانچہ یہ گھوڑا اس کے فقر کو ڈھانپ لیتا ہے۔''[2]

صحیح بخاری میں عروہ بن ابوالجعد البارقی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلۡخَيۡلُ مَعۡقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الۡخَيۡرُ إِلٰى يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ، الۡأَجۡرُ وَالۡمَغۡنَمُ] ''گھوڑوں کی پیشانیوں کے ساتھ خیر، (یعنی) اجر و غنیمت کو قیامت کے دن تک

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال 8,7:99) ، حديث: 4962 وصحيح مسلم، الزكاة باب إثم مانع الزكاة، حديث: (26)-987 والموطأ للإمام مالك، الجهاد، باب الترغيب في الجهاد، حديث: 997. [2] مسند أحمد: 395/1.

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿61﴾ وَاِنْ

اور (اے نبی!) اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسا رکھیں، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب جاننے

يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾

والا ہے﴿61﴾ اور اگر وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو بے شک آپ کے لیے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی﴿62﴾ اور

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ

اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن

اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿63﴾

اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی۔ بے شک وہ زبردست (اور) خوب حکمت والا ہے﴿63﴾

کے لیے باندھ دیا گیا ہے۔"[1] ارشاد الٰہی: ﴿ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ﴾ "اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں کو ڈراؤ۔" امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اور لوگوں سے مراد بنوقریظہ ہیں۔[2] اور سدی کا قول ہے کہ ان سے مراد ایرانی ہیں۔[3] مقاتل بن حیان اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ان سے مراد منافقین ہیں۔[4] اس کی تائید درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ ﴾ (التوبة 9:101) "اور تمھارے گردونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔"

فرمانِ الٰہی: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿60﴾ ﴾ "اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے (تو اس کا ثواب) تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" یعنی جہاد کے لیے تم جو بھی خرچ کرو گے تو اس کا تمھیں پورا پورا ثواب دیا جائے گا جیسا کہ قبل ازیں اس ارشاد باری تعالیٰ میں بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (البقرة 2:261) "جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے، زیادہ کرتا ہے، وہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔"

تفسیر آیات: 61-63

اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو صلح کر لی جائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تمھیں کسی قوم کی طرف سے دغابازی کا خوف ہو تو ان کا عہد انھی کی طرف پھینک دو اور برابر کا جواب دو اور اگر وہ جنگ جاری رکھنا چاہیں تو تم بھی ان سے جنگ کرو۔

[1] صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب الجهاد ماض مع البر والفاجر، حدیث: 2852. [2] تفسیر الطبری: 41/10.
[3] تفسیر الطبری: 41/10. [4] تفسیر الطبری: 42/10.

﴿ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا ﴾ ''اور (اے نبی!) اگر یہ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں۔'' اور صلح کو قبول کرلیں، یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ کے سال جب مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے صلح کر کے نو سال تک جنگ نہ کرنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلے میں کچھ شرائط بھی پیش کیں تو آپ نے ان سے صلح کر لی تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي اخْتِلَافٌ أَوْ أَمْرٌ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَكُونَ السِّلْمَ فَافْعَلْ] ''میرے بعد بہت اختلاف وغیرہ رونما ہوگا، لہٰذا اگر تم صلح کی کوشش کر سکو تو ضرور کرو۔''[1] فرمانِ الٰہی: ﴿ وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور اللہ پر بھروسا کرو۔'' یعنی دشمنوں سے صلح کرلو اور بھروسا اللہ پر رکھو کہ اللہ تمھیں کافی ہے اور وہ تمھارا حامی و ناصر ہے۔ اگر ان کا صلح سے مقصود دھوکا دینا اور اپنی قوت کو مجتمع کر کے جنگ کی تیاری کرنا ہے، ﴿ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''تو بے شک وہ اللہ (واحد) ہی آپ کے لیے کافی ہے۔''

مومنوں کے دلوں میں الفت پیدا کرنے کی نعمت کی یاددہانی: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے کہ اس نے مہاجرین اور انصار مومنوں کے ساتھ تقویت بخشی، فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿62﴾ وَ اَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔'' ان کے دلوں کو آپ کے ساتھ ایمان لانے، آپ کی اطاعت بجالانے اور آپ کی نصرت و اعانت کرنے پر جمع کر دیا۔

﴿ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ﴾ ''اور اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔'' کیونکہ وہ شدید باہمی عداوت اور بغض میں مبتلا تھے، زمانۂ جاہلیت میں انصار اوس اور خزرج کے قبائل میں بہت سی جنگیں ہوئیں اور کئی ایسے امور وقوع پذیر ہوئے جن کی وجہ سے ان میں مسلسل خرابی رہی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان جنگوں اور خرابیوں کا نور ایمان کے ساتھ خاتمہ فرمایا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَ كُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴾ (آل عمران 3:103) ''اور تم اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔''

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کی غنیمتوں کے سلسلے میں خطاب کرتے ہوئے انصار سے فرمایا تھا: [يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَ كُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي، وَ كُنْتُمْ عَالَةً فَأَغْنَاكُمْ

[1] مسند أحمد: 90/1.

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿64﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ

اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اوران لوگوں کے لیے بھی جو مومنوں میں سے آپ کی پیروی کرتے ہیں ﴿64﴾ اے نبی!

الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ

مومنوں کو جہاد پر ابھاریں اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک سو

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿65﴾

(صابر) ہوں تو وہ ہزار (کافر) پر غالب آئیں گے، اس لیے کہ وہ لوگ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے ﴿65﴾ اب اللہ نے تم سے تخفیف کر دی اور

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا

اس نے جان لیا کہ تمھارے اندر کچھ کمزوری ہے، چنانچہ اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں

مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿66﴾

گے۔ اور اگر تم میں سے ایک ہزار (ایسے) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿66﴾

اللّٰهُ بِي؟ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ] ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمھیں گم کردہ راہ نہیں پایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے ہدایت بخشی؟ اور تم اختلاف وانتشار میں مبتلا تھے، میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں متفق و متحد کر دیا اور تم فقیر تھے تو میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں دولت مند بنا دیا؟ آپ اس سلسلے میں جب بھی کوئی بات فرماتے تو انصار جواب میں کہتے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿63﴾ ﴾ ''اور لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی، بے شک وہ زبردست (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی اس کی ذات گرامی بہت زبردست ہے جو اس پر توکل کرے وہ اس کی امید کو پورا کر دیتا ہے اور وہ اپنے تمام افعال واحکام میں حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات: 64-66

جہاد کی ترغیب اور فتح کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو جہاد، دشمنوں کے مقابلے اور مخالفین کو مبارزت کی دعوت دی ہے اور فرمایا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں وہ ان کا حامی وناصر اور مددگار رہے، خواہ ان کے دشمن کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، ان کے پاس اسباب ووسائل کی کتنی ہی فراوانی ہو اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کم ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ ﴾ ''اے نبی! مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریں۔''

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو دشمن کے سامنے صف آرا ہوتے وقت جہاد کی ترغیب دیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے بدر کے دن صحابۂ کرام کو اس وقت ترغیب دیتے ہوئے فرمایا، جب مشرک اپنی کثیر تعداد اور ساز وسامان کی کثرت کے ساتھ مدینے پر

[1] **صحيح البخاري**، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان، حديث:4330 عن عبدالله بن زيد بن عاصم ؓ. و**صحيح مسلم**، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام وتصبّر من قوي إيمانه، حديث:1061.

حملہ آور ہوئے تھے: [قُومُوا إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ] ''اس جنت کے لیے اٹھو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' عُمَیر بن حُمام نے عرض کی: اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو اس نے عرض کی: بہت خوب۔ پس نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ : بَخٍ بَخٍ ؟] ''یہ تم نے کیوں کہا ہے کہ بہت خوب؟'' اس نے عرض کی کہ اس امید سے کہ اللہ مجھے بھی اہل جنت میں سے بنا دے۔ پھر آپ نے فرمایا: [فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا] ''تم اہل جنت میں سے ہو۔'' اس نے پھر اپنے تھیلے سے کھجوریں نکال کر کھانا شروع کر دیں، پھر جلد ہی ہاتھ میں پکڑی ہوئی کھجوروں کو پھینک دیا اور کہا کہ اگر ان کھجوروں کے کھانے تک زندہ رہا تو یہ بہت طویل زندگی ہوگی، پھر آگے بڑھے اور خوب لڑے حتی کہ جام شہادت نوش کر گئے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔①

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بشارت اور حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ وَ اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ یَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ﴾ ''اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔'' یعنی ہر ایک دس پر غالب رہے گا، پھر یہ حکم تو منسوخ ہو گیا مگر بشارت برقرار رہی۔ عبداللہ بن مبارک نے جریر بن حازم از زبیر بن خرّیت از عکرمہ کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ حکم بہت گراں محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض قرار دیا کہ دس کافروں کے مقابلے سے ایک مسلمان نہ بھاگے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف کرتے ہوئے نازل فرمایا: ﴿ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ ﴾ ''اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے۔'' (ابن عباس رضی اللہ عنہما نے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تعداد میں کمی کر دی اور اسی کمی کے بقدر صبر بھی کم کر دیا۔② امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث ابن مبارک کے حوالے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔③

اور محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ بہت گراں گزری اور انھیں یہ بہت مشکل محسوس ہوا کہ بیس آدمی دو سو اور ایک سو ایک ہزار آدمیوں کا مقابلہ کریں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تخفیف کر دی اور دوسری آیت: ﴿ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ ﴾ تا ﴿ یَّغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ ۚ ﴾ میں اس حکم کو منسوخ کر دیا کہ اگر وہ دشمن کے مقابلے میں نصف تعداد میں ہوں تو پھر ان کے لیے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ہے، اور اگر ان کی تعداد

① صحیح مسلم، الإمارۃ، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث:1901 عن أنس بن مالك رضي الله عنه. ومسند أحمد:3/136,137 والسنن الكبرى للبيهقي، السير، باب من تبرع بالتعرض للقتل رجاء إحدى الحسنيين:9/43 . ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في التولي يوم الزحف، حديث:2646. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنۡکُمۡ وَ عَلِمَ اَنَّ فِیۡکُمۡ ضَعۡفًا ؕ ﴾ (الأنفال 8:66) ، حديث:4653 .

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ

کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامان دنیا چاہتے ہو اور

الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿67﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ

اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے﴿67﴾ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (ایک بات) لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (بدر کے

فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

قیدیوں سے) جو (فدیہ) لیا اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا﴿68﴾ پھر جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿69﴾ ع

ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿69﴾

اس سے بھی کم ہو تو پھر ان کے لیے لڑنا واجب نہیں ہے اور جائز ہے کہ ان کے مقابلے سے روگردانی کر لیں۔[1]

تفسیر آیات:67-69

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن قیدیوں کے بارے میں لوگوں سے مشورہ کیا اور فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَمْكَنَكُمْ مِّنْهُمْ قَالَ: فَقَامَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اِضْرِبْ أَعْنَاقَهُمْ قَالَ: فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ، قَالَ: ثُمَّ عَادَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَمْكَنَكُمْ مِّنْهُمْ، وَإِنَّمَا هُمْ إِخْوَانُكُمْ بِالْأَمْسِ] ''اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان پر دسترس عطا فرما دی ہے۔'' تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور مشورہ دیا: اے اللہ کے رسول! آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو! اللہ نے اب تمھیں ان پر دسترس عطا فرما دی ہے اور کل یہ تمھارے بھائی ہی تھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے اعراض کیا اور وہی ارشاد فرمایا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ انھیں معاف فرما دیں اور ان سے فدیہ قبول کر لیں۔ یہ رائے سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس سے غم کے تاثرات ختم ہو گئے، آپ نے انھیں معاف کر دیا اور ان سے فدیہ قبول فرما لیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھا ہوا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے، اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب چھوتا۔''[2]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر لوح محفوظ میں یہ نہ لکھا گیا ہوتا کہ غنیمتیں اور قیدی تمھارے لیے حلال ہیں، ﴿لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿68﴾﴾ تو اس فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔[3] لہٰذا ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا

---

[1] تفسير الطبری:51,50/10 . [2] مسند أحمد:243/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1734/5 مفصلاً.

طَيِّبًا ﴾...... الآیۃ ''جو مال غنیمت تمھیں ملا ہے، اسے کھاؤ (کہ وہ تمھارے لیے) حلال طیب ہے......۔'' عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے، نیز حضرت ابو ہریرہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عطاء، حسن بصری، قتادہ اور اعمش رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] ﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ ﴾ ''اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا۔'' اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اس امت کے لیے غنیمتیں حلال ہیں۔

اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ (مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ) قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا ......، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ (خَاصَّةً) وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کی گئیں: (1) میری ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے۔ (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور ذریعہ طہارت بنا دیا گیا ہے......، (3) میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دے دیا گیا ہے اور مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے بھی حلال نہ تھیں۔ (4) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے اور (5) ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔''[2]

اعمش نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِقَوْمٍ سُودِ الرُّؤُوسِ قَبْلَكُمْ] ''تم سے پہلے دیگر انسانوں میں سے کسی کے لیے بھی غنیمتیں حلال نہ تھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾...... الآیۃ ''پھر جو مال غنیمت تمھیں ملا ہے، اسے کھاؤ (کہ وہ تمھارے لیے) حلال طیب ہے......۔''[3] اس آیت کے پیش نظر انھوں نے قیدیوں سے فدیہ لے لیا۔

امام ابوداود نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اہل جاہلیت کا فدیہ چار سو مقرر فرمایا تھا۔[4] جمہور علماء کے نزدیک قیدیوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو انھیں قتل کر دے جیسا کہ بنوقریظہ کے قیدیوں کو قتل کر دیا گیا تھا اور اگر چاہے تو فدیہ لے لے جیسا کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا گیا تھا یا اُن کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت اور اس کی بیٹی کے معاملے میں کیا تھا جو خاندان سلمہ بن اکوع کی تھیں اور قیدی بن کر آئی تھیں اور ان کا آپ نے ان مسلمانوں سے تبادلہ کر لیا تھا جنھیں

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1735,1734/5 وتفسیر الطبري:58-61 . [2] صحیح البخاري، التیمّم، [باب]، حدیث:335 اور پہلی قوسین والے الفاظ حدیث: 438 میں ہیں۔ وصحیح مسلم، الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث: 521 . [3] السنن الکبرٰی للنسائي، التفسیر، قوله تعالٰی: ﴿ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾:352/6، حدیث:11209 مفصلاً. وجامع الترمذي، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأنفال، حدیث:3085 . [4] سنن أبي داود، الجهاد، باب في فداء الأسیر بالمال، حدیث:2691 .

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا

اے نبی! جو قیدی تمھارے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر

يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿70﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا

عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿70﴾ اور (اے نبی!) اگر وہ آپ سے خیانت (دغا)

خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾

کرنا چاہیں تو وہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، پھر اس نے انھیں تمھارے قبضے میں دے دیا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿71﴾

مشرکوں نے قیدی بنالیا تھا اور اگر وہ چاہے تو قیدیوں کو غلام بھی بنا سکتا ہے۔

تفسیر آیات: 71,70

قیدیوں سے اچھے معاوضے کا وعدہ: محمد بن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن اپنے صحابہ سے فرمایا: [إِنِّي عَرَفْتُ أَنَّ رِجَالاً مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ وَّغَيْرِهِمْ قَدْ أُخْرِجُوا كَرْهًا لَّاحَاجَةَ لَهُمْ بِقِتَالِنَا، فَمَنْ لَّقِيَ مِنْكُمْ أَحَدًا مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ فَلَا يَقْتُلْهُ، مَنْ لَّقِيَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَمَّ النَّبِيِّ ﷺ فَلَا يَقْتُلْهُ، فَإِنَّمَا أُخْرِجَ مُسْتَكْرِهًا] ”مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم اور دیگر خاندانوں کے کچھ لوگوں کو مجبور کر کے میدان جنگ میں لایا گیا ہے، وہ ہمارے ساتھ لڑنا نہیں چاہتے تھے، لہٰذا اگر تم بنو ہاشم کے کسی آدمی سے ملو تو اسے قتل نہ کرو، عباس بن عبدالمطلب، نبی ﷺ کا چچا ملے تو اسے بھی قتل نہ کرو کیونکہ انھیں بہت مجبور کر کے میدان میں لایا گیا ہے۔“ ابوحذیفہ بن عتبہ نے کہا کہ کیا ہم اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور خاندان کے لوگوں کو تو قتل کر دیں اور عباس کو قتل نہ کریں؟ واللہ! اگر میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں انھیں تلوار سے قتل کر دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ تک ابوحذیفہ کی یہ بات پہنچ گئی، آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: [يَا أَبَا حَفْصٍ! قَالَ عُمَرُ : وَاللّٰهِ ! إِنَّهُ لَأَوَّلُ يَوْمٍ كَنَانِي فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِأَبِي حَفْصٍ أَيُضْرَبُ وَجْهُ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِالسَّيْفِ؟] ”اے ابوحفص! حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ واللہ! یہ پہلا دن تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری کنیت ابوحفص رکھی، کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کے چہرے پر تلوار ماری جائے گی؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مجھے اجازت دیجیے، میں اس کی گردن اڑا دوں، واللہ! یہ تو منافق ہو گیا ہے۔ ابوحذیفہ اپنی بات پر نادم ہوئے، اس کے بعد کہا کرتے تھے: میں نے جو اُس دن بات کہی تو اس سے بے خوف نہیں ہوں بلکہ میں تو اس بات کی وجہ سے مسلسل ڈرتا رہا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ خون شہادت کے چھینٹوں سے میری اس غلطی کو مٹا دے۔ بالآخر وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اللہ ان سے راضی ہو۔[1]

[1] دلائل النبوة للبيهقي، باب ما فعل رسول اللّٰه ﷺ بالغنائم والأسارى......:140/3 والطبقات الكبرىٰ لابن سعد: 11,10/4.

اسی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بدر کی شام جب قیدی رسیوں کے ساتھ باندھے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ابتدائی حصے میں بیدار رہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ آرام نہیں فرما رہے؟ آپ نے فرمایا: [سَمِعْتُ أَنِينَ عَمِّي الْعَبَّاسِ فِي وِثَاقِهِ] ''مجھے اپنے چچا عباس کے (رسیوں میں) بندھے ہونے کی وجہ سے کراہنے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔'' وہ عباس کی طرف کھڑے ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کھول دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آرام فرمانے لگ گئے۔[1]

صحیح بخاری میں بروایت موسیٰ بن عقبہ، ابن شہاب نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ کچھ انصاری اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھانجے عباس کے فدیے کو چھوڑ دیں۔ فرمایا: [وَاللّٰهِ ! لَا تَذَرُونَ مِنْهُ دِرْهَمًا] ''اللہ کی قسم! تم ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔''[2] یونس بن بکیر نے از محمد بن اسحاق از یزید بن رومان از عروہ از زہری، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے۔ جن کا امام زہری نے نام بھی لیا۔ روایت کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا، ہر قوم نے اپنے اپنے قیدی کا وہ فدیہ دیا جس سے مسلمان راضی ہو گئے۔ عباس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں تو مسلمان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[(اَللّٰهُ) أَعْلَمُ بِإِسْلَامِكَ، فَإِنْ يَّكُنْ كَمَا تَقُولُ فَاللّٰهُ يُجْزِيكَ بِذٰلِكَ فَأَمَّا ظَاهِرًا مِّنْكَ فَكَانَ عَلَيْنَا. فَافْدِ نَفْسَكَ وَابْنَي أَخِيكَ نَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَعَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَحَلِيفَكَ عُتْبَةَ بْنَ عَمْرٍو أَخِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ فِهْرٍ قَالَ: مَا ذَاكَ عِنْدِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: فَأَيْنَ الْمَالُ الَّذِي دَفَنْتَهُ أَنْتَ وَأُمُّ الْفَضْلِ فَقُلْتَ لَهَا: إِنْ أُصِبْتُ فِي سَفَرِي هٰذَا، فَهٰذَا الْمَالُ الَّذِي دَفَنْتُهُ لِبَنِيَّ: الْفَضْلِ ابْنِ الْعَبَّاسِ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ وَقُثَمِ بْنِ الْعَبَّاسِ! فَقَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ؟: وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا شَيْءٌ مَّا عَلِمَهُ أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُ أُمِّ الْفَضْلِ، فَاحْسُبْ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا أَصَبْتُمْ مِّنِّي عِشْرِينَ أُوقِيَةً مِّنْ مَّالٍ كَانَ مَعِيَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا، ذَاكَ شَيْءٌ أَعْطَانَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْكَ]

''تمھارے اسلام کے بارے میں اللہ بہتر جانتا ہے اگر تم صحیح کہتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس کی جزا دے گا مگر بظاہر تو تم ہمارے مخالف گروہ کے ساتھ تھے۔ لہٰذا تم اپنا، اپنے بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابوطالب بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو، جس کا تعلق بنی حارث بن فہر سے ہے، کا فدیہ ادا کرو۔'' عباس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس تو فدیہ ادا کرنے کے لیے اس قدر مال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ مال کہاں ہے، جسے تم نے اور ام

[1] دلائل النبوة للبیهقی: 141/3 والطبقات الکبریٰ لابن سعد: 13/4. [2] صحیح البخاری، المغازی، باب، حدیث: 4018.

الفضل نے دفن کیا تھا؟ اور تم نے ام الفضل سے کہا تھا کہ اگر اس سفر میں میرا کام تمام ہو گیا تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قُثَم کے لیے ہوگا؟'' عباس نے عرض کی: واللہ! اے اللہ کے رسول! بے شک میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ ایک ایسی بات ہے، جسے میرے اور ام الفضل کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھ سے جو بیس اوقیے چاندی حاصل کر لی ہے اسے میرے فدیے میں شمار کر لیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، یہ مال تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ سے دلا دیا ہے۔''

بہر حال حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور اپنے حلیف کا فدیہ ادا کر دیا۔ اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ ''اے پیغمبر! جو قیدی آپ کے ہاتھوں میں (گرفتار) ہیں، ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے لے لیا گیا ہے، اس سے بہتر تمھیں عنایت فرمائے گا اور تمھارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے جو بیس اوقیہ چاندی بطور فدیہ ادا کی، اس کے بدلے میں اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے بیس غلام عطا فرما دیے اور ان میں سے ہر ایک کے پاس اس قدر مال تھا جو ضرب المثل تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی بھی امید ہے۔[1]

حافظ ابو بکر بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بحرین سے مال آیا تو آپ نے فرمایا: [أُنْثُرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ] ''اسے مسجد میں رکھ دو۔'' یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے والا سب سے زیادہ مال تھا۔ آپ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے مگر مال کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، نماز سے فراغت کے بعد آپ مال کے پاس بیٹھ گئے اور جو مسلمان بھی نظر آیا اسے مال سے نواز دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی مال دیجیے کہ میں نے اپنا فدیہ دیا اور عقیل کا فدیہ بھی دیا تھا تو آپ نے فرمایا: [خُذْ] ''ہاں! لے لو۔'' انھوں نے کپڑا بچھایا اور اسے مال سے اس قدر بھر لیا کہ جب اٹھانا چاہا تو اسے اٹھا نہ سکے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کسی کو حکم دیجیے جو مال اٹھانے میں میری مدد کرے، آپ نے فرمایا: [لَا] ''نہیں'' تو انھوں نے عرض کی: آپ ہی اسے اٹھا کر مجھ پر رکھ دیں، آپ نے فرمایا: ''نہیں'' تو انھوں نے اس میں سے کچھ نکال دیا، پھر اسے اپنے کاندھے پر اٹھا لیا اور چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی مال کی حرص کی وجہ سے مسلسل انھیں دیکھتے رہے حتی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیهقي، باب ما فعل رسول اللّٰه بالغنائم والأساری ...... :143,142/3 اس روایت کی ابتداء میں لفظ [اللّٰہ] السنن الکبرٰی للبیهقي:322/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا میں ہے۔ اور دیکھیے مسند أحمد:353/1 عن عبداللّٰه بن عباس رضی اللہ عنہما۔ وتفسیر القرطبي:52/8 والبدایة والنهایة، طرح رؤوس الكفر في بئر يوم بدر:300/3۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں

اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤٮِٕكَ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يُهَاجِرُوۡا مَا لَـكُمۡ

نے (مہاجروں کو اپنے ہاں) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر انھوں نے ہجرت

مِّنۡ وَّلَايَتِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا‌ ۚ وَاِنِ اسۡتَـنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ

نہیں کی، ان کی دوستی سے تمھیں کوئی غرض نہیں حتی کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملے) میں مدد مانگیں تو تم پر مدد

فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿72﴾

لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ جن کے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ ہو، اور تم جو کام کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے ﴿72﴾

نے بحرین سے آنے والا یہ سارا مال تقسیم فرما دیا تھا اور جب آپ اٹھے تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔[1] امام بخاری نے بھی اس روایت کو صحیح کے کئی ایک مقامات پر تعلیقاً مگر صیغۂ جزم کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡا خِيَانَتَكَ ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں گے۔'' ان اقوال کے سلسلے میں جو انھوں نے آپ کے لیے ظاہر کیے ہیں۔ ﴿ فَقَدۡ خَانُوا اللّٰهَ مِنۡ قَبۡلُ ﴾ ''تو یہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں۔'' یعنی بدر سے پہلے اللہ کے ساتھ کفر کی صورت میں خیانت کر چکے ہیں۔ ﴿ فَاَمۡكَنَ مِنۡهُمۡ‌ؕ ﴾ ''تو اس نے ان کو (تمھارے) قبضے میں کر دیا۔'' یعنی بدر کے دن انھیں تمھارا قیدی بنا دیا۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿71﴾ ﴾ ''اور اللہ دانا حکمت والا ہے۔'' وہ جو کرتا ہے اسے جانتا ہے اور جو کرتا ہے، وہ مبنی بر حکمت و دانش ہوتا ہے۔

تفسیر آیت:72

مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے دوست ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا ذکر کرتے ہوئے انھیں دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے: (1) مہاجرین جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکلے، اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کی مدد کے لیے آئے اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں کی بے دریغ بازی لگا دی اور (2) انصار، یعنی اہل مدینہ کے مسلمان جنھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنے مال ان پر نثار کر دیے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ ﴾ ''وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' یعنی ان میں سے ہر ایک، دوسرے کا زیادہ حق دار ہے۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مؤاخات قائم فرما دی تھی، یعنی مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنا دیا تھا حتی کہ وراثت میں وہ حقیقی رشتے داروں سے بھی زیادہ مقدم سمجھے جاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کے احکام نازل فرما کر اسے منسوخ فرما دیا تھا جیسا

[1] السنن الکبرٰی للبیھقی، قسم الفیء و الغنیمة، باب الاختیار فی التعجیل بقسمة مال الفیء إذا اجتمع:356/6.

[2] صحیح البخاری، الصلاة، باب القسمة وتعلیق القنو فی المسجد، حدیث:421 و3049 و3165 .

کہ صحیح بخاری میں یہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ثابت ہے۔[1]

امام احمد نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[اَلْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، وَّالطُّلَقَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ، وَّالْعُتَقَاءُ مِنْ ثَقِيفٍ، بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے رفیق ہیں، طلقاء (فتح مکہ کے دن مسلمان ہونے والے جن سے کوئی تعرض نہ کیا گیا تھا) قریش سے اور عتقاء (آزاد کردہ) ثقیف سے یہ سب لوگ قیامت تک ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں مہاجرین وانصار کی تعریف کی ہے، مثلاً: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبۃ 9:100) ''جن لوگوں نے سبقت کی (سب سے پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔'' اور فرمایا: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...... الآیة (التوبۃ 9:117) ''بے شک اللہ نے پیغمبر اور مہاجرین وانصار پر توجہ فرمائی جو مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے......۔''

اور فرمایا: لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر 59:8,9) ''(مال فے) ان مہاجر فقراء کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں، یہی لوگ سچے (ایمان دار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لیے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' اس آیت کے اس حصے: وَلَا يَجِدُوْنَ

[1] صحیح البخاری، الکفالة، باب قول اللّٰه عزوجل: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ (النسآء 4:33)، حدیث: 2292. [2] مسند أحمد: 4/363 و صحیح ابن حبان، إخباره عن مناقب الصحابة، باب فضل الصحابة والتابعين ﷺ: 16/250، حدیث: 7260 و المعجم الکبیر للطبرانی: 2/314، حدیث: 2310.

﴿ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ﴾ ''اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے۔'' کی تفسیر میں سب سے اچھا قول یہ ہے کہ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے جس فضل و شرف سے نوازا ہے، اس کی وجہ سے انصار ان سے حسد نہیں کرتے۔

ان آیات کریمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مہاجرین انصار سے زیادہ مقدم ہیں اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ہجرت نہ کرنے والے مومن سے کوئی سروکار نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ ''اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں۔'' ﴿ وَّلَايَتِهِمْ ﴾ کو حمزہ نے واو کے کسرہ کے ساتھ [وِلَايَتِهِمْ] اور دوسرے ائمہ نے فتحہ کے ساتھ [وَلَايَتِهِمْ] پڑھا ہے اور [الدِّلَالَةُ] اور [الدَّلَالَةُ] کی طرح دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ ﴿ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ﴾ ''یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔'' یہ مومنوں کی ایک تیسری قسم ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان تو لے آئے لیکن انھوں نے ہجرت نہیں کی بلکہ وہ اپنے علاقوں ہی میں مقیم رہے تو ان لوگوں کا مال غنیمت یا خمس میں سے اس وقت تک کوئی حصہ نہیں ہے جب تک یہ جہاد میں عملی طور پر شریک نہ ہوں۔

امام احمد نے بُریدہ بن حُصَیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو سَرِیّہ یا لشکر کا امیر بنا کر روانہ کرتے تو اسے یہ وصیت فرماتے کہ خود اللہ تعالیٰ کے تقوے کو اختیار کرے اور اپنے ہمراہ مسلمانوں سے خیر و بھلائی کا سلوک کرے۔ آپ فرماتے:

[أُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، فَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى إِحْدٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ إِلَيْهَا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، أُدْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ (وَكُفَّ عَنْهُمْ) ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَعْلِمْهُمْ إِنْ هُمْ فَعَلُوا ذٰلِكَ أَنَّ لَهُمْ مَّا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَأَنَّ عَلَيْهِمْ مَّا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا وَاخْتَارُوا دَارَهُمْ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ نَصِيبٌ إِلَّا أَنْ يُّجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا، فَادْعُهُمْ إِلٰى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ، فَإِنْ أَجَابُوا فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ثُمَّ قَاتِلْهُمْ]

''اللہ کے رستے میں اللہ کے نام سے جہاد کرو جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس سے لڑائی کرو اور جب اپنے دشمن مشرکوں سے ملو تو انھیں دعوت دو کہ وہ تین باتوں میں سے ایک کو قبول کر لیں اور ان میں سے وہ جس بات کو بھی قبول کر لیں تم اسے تسلیم کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ، انھیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسے قبول کر لیں تو اسے تسلیم کر لو، پھر انھیں دعوت دو کہ

وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔(اے مسلمانو!) اگر تم ایسا نہیں کرو گے

فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ کَبِیۡرٌ ﴿73﴾

تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد مچے گا﴿73﴾

وہ اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مہاجرین کے گھر میں آ جائیں اور انھیں بتاؤ کہ ایسا کرنے سے انھیں بھی وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں۔ اگر وہ انکار کر دیں اور اپنے گھروں ہی میں رہنا پسند کریں تو انھیں بتاؤ کہ اس صورت میں ان کی حیثیت مسلمان اعراب کی سی ہوگی، ان پر بھی اللہ کا وہ حکم نافذ ہوگا جو مومنوں پر نافذ ہے، اس صورت میں مال فے اور مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو انھیں جزیہ ادا کرنے کی دعوت دو اگر وہ اسے قبول کر لیں تو تم بھی اسے تسلیم کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے رک جاؤ اور اگر وہ جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ان کے خلاف جہاد کرو۔[1] صحیح مسلم کی روایت میں کچھ باتیں زائد بھی ہیں، نیز یہ روایت صرف صحیح مسلم میں ہے، صحیح بخاری میں نہیں ہے۔''[2]

ارشادِ الٰہی: ﴿وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ﴾ ''اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا لازم ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ اعراب جنھوں نے ہجرت نہیں کی، جہاد کے لیے اگر تم سے اپنے دشمن کے خلاف مدد طلب کریں تو ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے کیونکہ وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ ہاں، البتہ اگر وہ کسی ایسی کافر قوم کے خلاف تم سے مدد طلب کریں کہ ﴿بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ﴾ ''تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو (تو مدد نہیں کرنی چاہیے۔)'' یعنی اگر تم نے ایک مدت کے لیے ان سے صلح کر رکھی ہو تو پھر عہد شکنی نہ کرو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔[3]

تفسیر آیت:73

کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ مومن ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو اس سے اس نے مومنوں اور کافروں کے درمیان دوستی کو قطع کر دیا ہے جیسا کہ امام حاکم نے ''مستدرک'' میں حضرت اسامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا یَتَوَارَثُ أَھْلُ مِلَّتَیْنِ، وَلَا یَرِثُ مُسْلِمٌ کَافِرًا، وَّلَا کَافِرٌ مُّسْلِمًا] ''دو ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، یعنی مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا۔'' پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ کَبِیۡرٌ ﴿73﴾﴾ ''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو

[1] مسند أحمد:352/5 قوسین والے الفاظ مسند أحمد:358/5 کے مطابق ہیں۔ [2] صحیح مسلم، الجھاد......، باب تأمیر الإمام الأمراء علی البعوث......، حدیث:(3)-1731. [3] تفسیر الطبری:70/10.

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ سچے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿74﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے﴿74﴾ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ (مل کر)

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ

جہاد کیا تو وہ بھی تمھی میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز

كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿75﴾ ع 10 ۶

کو خوب جاننے والا ہے﴿75﴾

ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔'' امام حاکم نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے لیکن اسے امام بخاری و مسلم نے بیان نہیں فرمایا[1] لیکن یہ حدیث صحیحین میں بروایت اسامہ بن زید ہی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ] ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿73﴾﴾ سے مراد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تم نے مشرکوں سے کنارہ کشی نہ کی اور مومنوں سے دوستی نہ کی تو لوگوں میں فتنہ برپا ہو جائے گا، معاملات میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اس طرح کہ مومن اور کافر میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا جس کی وجہ سے لوگ بے حد و حساب طویل و عریض فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جائیں گے۔

تفسیر آیات: 75,74

سچے مومن: پہلے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مومنوں کے بارے میں حکم کو بیان کیا اور اب یہ ذکر فرما رہا ہے کہ آخرت میں ان کے لیے کیا ہوگا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ سچے مومن کون ہیں؟ جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں بھی یہ بیان فرمایا تھا، نیز اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو اچھی جزا دے گا، انھیں مغفرت سے نوازے گا اور اگر ان کے گناہ ہوئے تو انھیں معاف فرما دے گا اور انھیں رزق کریم سے نوازے گا، یعنی ایسے رزق سے جو بہت اچھا، بہت زیادہ، بہت پاکیزہ اور دائمی و ابدی ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ اس کے حسن و تنوع کی وجہ سے کبھی اس سے اکتاہٹ محسوس ہوگی۔

جو جن سے محبت کرتا ہوگا اس کا حشر بھی انھی کے ساتھ ہوگا: پھر یہ بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ دنیا میں ایمان اور عمل صالح میں مومنوں کی پیروی کریں گے، وہ آخرت میں بھی انھی کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ آیت کریمہ: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ

[1] المستدرك للحاكم، التفسير: 240/2، حديث: 2944. [2] صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ......، حديث: 6764 وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ......، حديث: 1614.

...... ﴾الآية (التوبة 100:9) اور آیت کریمہ: ﴿ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنۢ بَعْدِهِمْ ...... ﴾الآية (الحشر 10:59) میں فرمایا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی اور اس کے علاوہ کئی صحیح سندوں سے مروی متواتر حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ] ''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔''[1] دوسری حدیث میں ہے: [مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا، فَهُوَ مِنْهُمْ] ''جو کسی قوم سے محبت کرے تو وہ انھی میں سے ہوگا۔''[2] اور ایک روایت میں ہے: [حُشِرَ مَعَهُمْ] ''وہ ان کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔''[3]

وراثت رشتے داروں کے لیے ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ أُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ ''اور رشتے دار اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں اولوا الارحام سے مراد وہ رشتے دار نہیں ہیں جو علمائے میراث کی اصطلاح میں اولوا الارحام ہیں، یعنی جن کے لیے میراث میں سے کوئی حصہ فرض نہیں ہے اور نہ انھیں عصبہ ہونے کی وجہ سے کچھ ملتا ہے بلکہ اصحاب الفروض اور عصبات سے جو کچھ بچ جائے وہ انھیں ملتا ہے، مثلاً: خالہ، ماموں، پھوپھی، نواسے اور بھانجے وغیرہ جیسا کہ یہ بعض علماء کا خیال ہے اور وہ اس آیت سے استدلال کرتے اور اسے اس مسئلے میں صریح قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس سے مراد تمام رشتے دار ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور کئی ایک اہل علم کا قول ہے کہ اس آیت نے اس میراث کو منسوخ کر دیا ہے جس کے لوگ حلف اور مؤاخات کی بنیاد پر حق دار قرار پاتے تھے۔[4]

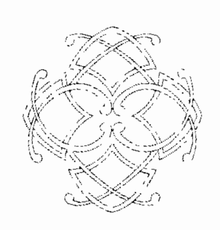
اس تفسیر کے مطابق یہ آیت ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے اسم خاص کے مطابق ذوی الارحام ہیں (جن کے حصے مقرر ہیں یا جو عصبہ ہیں۔) اور جن علماء نے مقرر حصے والے یا عصبہ بننے والے ورثاء کے علاوہ رشتے داروں کو وارث قرار نہیں دیا انھوں نے کئی دلائل سے استدلال کیا ہے اور ان میں سے ان کی سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے: [إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب کسی وارث کے لیے

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب علامة الحب في الله لقوله تعالیٰ: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران 31:3)، حديث: 6168 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ. وصحيح مسلم، البر والصلة، باب المرء مع من أحب، حديث: 2640 وجامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء أن المرء مع من أحب، حديث: 2385 عن أنس رضی اللہ عنہ. ومسند أحمد: 207/3 عن أنس رضی اللہ عنہ. و 240/4 عن صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ. و 336/3 عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ. و 392/4 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ. [2] اس حدیث کا پہلا حصہ المعجم الكبير للطبراني: 3/3، حديث: 2519 کے مطابق ہے مگر اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے، دیکھیے ضعيف الجامع الصغير: 771/1، حديث: 5343، البتہ اس مفہوم کی تائید صحیح بخاری کی سابقہ حدیث سے ہوتی ہے۔ اور دوسرا حصہ سنن سعيد بن منصور، باب من أسلم على الميراث قبل أن يقسم: 78/1، حديث: 198 کے مطابق ہے لیکن اس حدیث کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں: [مَنْ تَوَلّٰى قَوْمًا......] ''جو کسی قوم سے دوستی رکھے گا......'' [3] المستدرك للحاكم، الهجرة: 18/3، حديث: 4294 مطولاً. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 1743/5 والدر المنثور: 374/3 وتفسير الماوردي: 334/2.

وصیت نہیں ہے۔''[1] ان علماء نے فرمایا ہے کہ اگر اس (جس کا حصہ بھی مقرر نہیں اور نہ ہی وہ عصبہ ہے) کا کوئی حق ہوتا تو کتاب اللہ میں اس کا حصہ بھی مقرر ہوتا اور جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ وارث بھی نہیں ہے۔وَاللّٰہ أَعلَم.

سورۂ انفال کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ، وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ وَهُوَ حَسْبُنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.



[1] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية ، حديث:3565 وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث:2120 عن أبي أمامة رضي الله عنه.

نوٹ: احکامِ وراثت اور حصص کے موضوع پر آخر میں ضمیمہ ملاحظہ کیجیے۔

ضمیمہ احکامِ وراثت (سورۂ نساء، آیات:11، 12) ــــــــــ مرتب: ابونعمان بشیر احمد ﷾

علم وراثت کی اصطلاحی تعریف: وہ اصول وقواعد جن سے ترکے میں وارثوں کے حصے معلوم کیے جائیں، علم میراث کہلاتے ہیں۔
وارث ہونے کی شرائط تین ہیں: ① مرحوم کی موت کے وقت وارث زندہ ہو۔ ② مرحوم کی موت کا یقین ہو۔ ③ وراثت سے مانع کوئی سبب نہ ہو۔
وراثت سے مانع اسباب چار ہیں: ❁ **قتل:** جس قتل کی وجہ سے قصاص یا دِیَت لازم آئے اس کی بنا پر قاتل وراثت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''قاتل کسی چیز کا بھی وارث نہیں بن سکتا۔'' (ابوداود:4564، ترمذی:2109)
❁ **اختلافِ دین:** مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔ (بخاری:6764، مسلم:1614) ❁ **وَلَدِ زِنا:** زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے زانی باپ کا وارث ہوگا نہ باپ اپنے حرامی بچے کا وارث ہوگا' البتہ بچہ اور اس کی ماں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (مسلم:1492) ❁ **غلامی:** غلام نہ خود وارث بنتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے کیونکہ اس کی تمام کمائی مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔
اسباب وراثت تین ہیں: ❁ **نسبی رشتہ:** وُرثا خونی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں، مثلاً: اولاد، والدین اور بہن بھائی وغیرہ۔ ❁ **نکاح:** میاں بیوی شرعی نکاح کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ❁ **ولاء:** کوئی شخص غلام آزاد کرے اور آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث بھی نہ ہو تو آزاد کرنے والا اس کا وارث ہوگا۔
ترکے کی تقسیم: میت کا ترکہ تین مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی ورثا میں تقسیم ہوگا: ❁ **کفن دفن:** اگر کفن دفن کا انتظام کرنے والا کوئی نہ ہو تو سب سے پہلے میت کے ترکے میں سے کفن دفن کا انتظام کیا جائے گا۔ ❁ **قرض:** اگر ورثا ادائیگیٔ قرض کی ذمہ داری قبول نہ کریں تو میت کے ترکے میں سے قرض ادا کیا جائے گا، خواہ اس میں تمام ترکہ صرف ہو جائے۔ ❁ **وَصِیّت:** میت کی جائز وصیت کو پورا کیا جائے گا۔ جائز وصیت وہ ہوگی جو تہائی ترکے سے زیادہ نہ ہو، نیز ورثا کے بارے میں نہ ہو اور حرام کام کے متعلق نہ کی گئی ہو۔

بنیادی اصطلاحات

وراثت کی تفصیل سے پہلے چند بنیادی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے:
اصحابِ فرائض: قرآن وحدیث میں جن ورثا کے حصے مقرر ہیں، ان کی کل تعداد 12 ہے جن میں 4 مرد اور 8 عورتیں ہیں، مثلاً: خاوند، بیوی، ماں وغیرہ۔
عصبہ: میت کے وہ قریبی رشتے دار جو اصحابِ فرائض سے بچا ہوا ترکہ لیتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں تمام ترکے کے وارث بنتے ہیں، مثلاً: بیٹا، باپ، بھائی اور چچا وغیرہ۔
عصبہ کی اقسام: ❁ عصبہ نسبی ❁ عصبہ سببی
عصبہ نسبی: یہ خونی رشتے کی وجہ سے عصبہ بنتے ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں:
(ا) **عصبہ بالنفس:** میت کے وہ مذکر رشتے دار جن کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے۔ ان کی ترتیب وار چار صورتیں ہیں اور ترکے کی تقسیم میں بھی اس ترتیب کا لحاظ ضروری ہے:
(i) میت کا بیٹا اور اس کی عدم موجودگی میں پوتا، پھر پڑپوتا...... (ii) میت کا باپ اور اس کی عدم موجودگی میں دادا، پھر پردادا......

(iii) میت کا بھائی اور اس کی عدم موجودگی میں بھتیجا...... (iv) میت کا چچا اور اس کی عدم موجودگی میں چچا کا بیٹا......

(ب) **عصبہ بالغیر**: ہر وہ مونث جو اصحاب فرائض میں سے ہو اور وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بنے۔ عصبہ بالغیر صرف چار ہیں:

❁ بیٹی ❁ پوتی یا پڑپوتی ❁ حقیقی بہن ❁ پدری بہن

(ج) **عصبہ مع الغیر**: ہر وہ مؤنث جو کسی دوسری مونث کی وجہ سے عصبہ بنے، اس میں صرف حقیقی بہن اور پدری بہن آتی ہیں جب وہ بیٹی یا پوتی کے ساتھ شریک ہوں۔

عصبہ سببی: جو خونی رشتے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی سبب کی وجہ سے عصبہ بنے، مثلاً: آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو آزاد کرنے والا مالک اس کا وارث بنے گا۔

ذوی الارحام: میت کے وہ رشتے دار جو اصحابِ فرائض اور عصبہ میں سے نہ ہوں، مثلاً: بیٹیوں کی اولاد، ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔ ذوی الارحام اس وقت وارث بنتے ہیں جب اصحابِ فرائض یا عصبہ میں سے کوئی نہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ❁ اگر ذوی الارحام میں سے صرف ایک وارث ہو تو وہ اکیلا تمام ترکہ لے گا۔ ❁ اگر ایک سے زیادہ وارث ہوں اور سب کا رشتہ برابر درجے کا ہو تو ان کے درمیان ترکہ برابر تقسیم کیا جائے گا، مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا۔ اگر درجہ برابر نہ ہو تو ترکہ قریبی کو ملے گا اور بعید والا محروم ہوگا۔

حجب: کسی وارث کا دوسرے وارث کی موجودگی میں اپنے کل یا بعض حصے سے محروم ہو جانا۔

حجب کی اقسام: ❁ **حجبِ نقصان**: کسی وارث کا دوسرے وارث کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے زیادہ حصّے سے کم کی طرف منتقل ہو جانا، مثلاً: خاوند کا اولاد کی وجہ سے آدھے سے چوتھائی حصے کی طرف منتقل ہو جانا۔ ❁ **حَجبِ حرمان**: کسی وارث کا دوسرے وارث کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے تمام حصے سے محروم ہو جانا، مثلاً: بیٹے کی وجہ سے پوتے کا محروم ہونا۔

اصل: میت کو اوپر کی طرف جن رشتوں سے منسوب کیا جائے، مثلاً: والدین، دادا، پردادا۔

فرع: میت کو نیچے کی طرف جن رشتوں سے منسوب کیا جائے، مثلاً: بیٹے، بیٹیاں یا پوتے، پوتیاں۔

جدِّ صحیح: وہ جدّ جب اس کا رشتہ میت سے ملایا جائے تو درمیان میں جدّہ فاسدہ (نانی) کا واسطہ نہ ہو، مثلاً: دادا، پردادا۔

جدّہ صحیحہ: وہ دادی یا نانی جب اس کا رشتہ میت سے ملایا جائے تو درمیان میں جدّ فاسد (نانے) کا واسطہ نہ ہو، جیسے دادی، پردادی، نانی، پرنانی۔

ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ سب سے پہلے اصحاب فرائض، پھر عصبہ کو اور ان دونوں کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو دیا جائے گا۔

اصحابِ فرائض کی تفصیل

① **خاوند**: بیوی کی وراثت میں خاوند کے وارث ہونے کی دو صورتیں ہیں: ❁ جب بیوی کی کوئی فرع (بیٹے، بیٹیاں یا پوتے، پوتیاں) وارث نہ ہو تو خاوند کو آدھا ($\frac{1}{2}$) ترکہ ملے گا۔ ❁ جب بیوی کی فرع وارث ہو تو خاوند کو چوتھا حصہ ($\frac{1}{4}$) ملے گا۔

② **بیوی**: خاوند کی وراثت میں بیوی کے وارث ہونے کی دو صورتیں ہیں: ❁ جب خاوند کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ($\frac{1}{4}$) ملے گا۔ ❁ جب خاوند کی فرع وارث ہو تو اسے آٹھواں حصہ ($\frac{1}{8}$) ملے گا۔

③ **باپ**: اولاد کی وراثت میں باپ کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی مذکر فرع (بیٹا، پوتا) وارث ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) ملے گا۔ ❁ جب میت کی مؤنث فرع وارث ہو تو باپ چھٹا حصہ پانے کے ساتھ عصبہ بھی بنے گا۔ ❁ جب میت کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو باپ بطور عصبہ وارث بنے گا۔

④ **دادا:** باپ کی عدم موجودگی میں میت کا وارث اس کا دادا بنتا ہے اور باپ کے وارث ہونے کی مذکورہ بالا تینوں صورتیں دادا پر لاگو ہوں گی۔

⑤ **ماں:** اولاد کی وراثت میں ماں کے وارث ہونے کی بھی تین صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی کوئی فرع وارث ہو یا اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) ملے گا۔ ❁ جب میت کے مذکورہ وُرثا (اولاد یا ایک سے زیادہ بہن بھائی) نہ ہوں تو ماں کو کل مال کا تہائی حصہ ($\frac{1}{3}$) ملے گا۔ ❁ جب مسئلہ عُمَرِیَّتَین ہو، یعنی میت کے والدین کے ساتھ خاوند یا بیوی بھی موجود ہو تو خاوند یا بیوی کو مقرر حصہ دینے کے بعد ماں کو باقی ترکے کا تہائی حصہ ($\frac{1}{3}$) ملے گا۔

⑥ **دادی و نانی:** ماں کی عدم موجودگی میں میت کی دادی اور نانی (جدّہ صحیحہ) چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) لیں گی جبکہ باپ کی موجودگی میں دادی محروم ہو جائے گی، البتہ نانی وارث بنے گی۔

وضاحت: اگر دادی اور نانی میں سے ایک موجود ہو تو وہ اکیلی چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) لے گی اور قریبی کی موجودگی میں بعید والی محروم ہو جائے گی، مثلاً: دادی یا نانی کی موجودگی میں پردادی اور پرنانی محروم رہیں گی۔

⑦ **بیٹی:** والدین کی وراثت میں بیٹی کے وارث ہونے کی تین صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی وارث صرف ایک بیٹی ہی ہو تو اسے آدھا ترکہ ($\frac{1}{2}$) ملے گا۔ ❁ جب وارث محض ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو وہ دو تہائی حصہ ($\frac{2}{3}$) پائیں گی۔ ❁ جب وارث بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔

⑧ **پوتی:** اس کی پانچ صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی فرع میں سے صرف ایک پوتی ہو تو وہ آدھا ترکہ لے گی۔ ❁ جب ایک سے زیادہ پوتیاں ہوں تو وہ دو تہائی لیں گی۔ ❁ جب پوتیوں کے ساتھ میت کی ایک بیٹی بھی ہو تو بیٹی کو آدھا اور پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ ❁ جب پوتیوں کے ساتھ میت کا پوتا بھی ہو تو وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ اور مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا۔ ❁ جب میت کی نرینہ اولاد ہو یا ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو پوتیاں محروم ہو جائیں گی۔

⑨ **مادری بہن** ⑩ **مادری بھائی:** مادری بہن اور بھائی وراثت میں برابر ہوتے ہیں۔ ان کی تین صورتیں ہیں: ❁ ایک مادری بھائی ہو تو چھٹا حصہ لے گا۔ ❁ ایک سے زیادہ ہوں تو تہائی لیں گے۔ ❁ میت کے فرع وارث، باپ یا دادا کی موجودگی میں محروم ہو جائیں گے۔

⑪ **حقیقی بہنیں:** ان کی پانچ صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی صرف ایک حقیقی بہن ہو تو اُسے آدھا ترکہ ملے گا۔ ❁ جب ایک سے زیادہ بہنیں ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا۔ ❁ جب بہنوں کے ساتھ اُن کا بھائی بھی ہو تو وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ اور بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔ ❁ جب بہنوں کے ساتھ میت کی مؤنث فرع (بیٹی، پوتی) وارث بھی اُن کے ساتھ ہو تو بہنیں بطور عصبہ حصہ لیں گی۔ ❁ جب میت کی مذکر فرع (بیٹا، پوتا......) یا باپ موجود ہو تو بہنیں محروم ہو جائیں گی۔

⑫ **پدری بہنیں:** ان کی چھ صورتیں ہیں: ❁ جب میت کی صرف ایک پدری بہن ہو اور حقیقی بہن بھی نہ ہو تو اسے آدھا ترکہ ملے گا۔ ❁ جب ایک سے زیادہ پدری بہنیں ہوں اور حقیقی بہن نہ ہو تو وہ دو تہائی لیں گی۔ ❁ پدری بہنیں ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں چھٹے حصے کی وارث ہوں گی۔ ❁ جب پدری بہنوں کے ساتھ ان کا بھائی یا میت کی مؤنث فرع وارث بھی موجود ہو تو وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ ❁ جب پدری بہنوں کے ساتھ میت کی مذکر فرع (بیٹے، پوتے) یا باپ یا حقیقی بھائی وارث ہو تو وہ محروم ہو جائیں گی۔ ❁ جب میت کی ایک سے زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو بھی پدری بہنیں محروم ہو جاتی ہیں الا یہ کہ ان کے ساتھ پدری بھائی بھی شریک ہو جائے، اس صورت میں وہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔

اصحاب فرائض عصبات	1 بیٹی	2 بیٹیاں	3 پوتی	4 پوتیاں	5 ماں	6 دادی نانی	7 حقیقی بہن	8 حقیقی بہنیں	9 پدری بہن	10 پدری بہنیں	11 مادری بہن بھائی	12 متعدد مادری بہن بھائی	13 خاوند	14 بیوی	15 بیٹا	16 پوتا	17 باپ	18 دادا	19 حقیقی بھائی	20 پدری بھائی	21 حقیقی بھتیجا	22 پدری بھتیجا	23 حقیقی چچا	24 پدری چچا	25 حقیقی چچا کا بیٹا	26 پدری چچا کا بیٹا
1 بیٹی ($\frac{1}{2}$)	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
2 بیٹیاں ($\frac{2}{3}$)	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
3 پوتی ($\frac{1}{2}$)	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	م	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
4 پوتیاں ($\frac{2}{3}$)	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	م	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
5 ماں ($\frac{1}{3}$)	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	مل	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$
6 دادی نانی ($\frac{1}{6}$)	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	م (دادی)	م (پڑدادی)	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$
7 حقیقی بہن ($\frac{1}{2}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	م	م	م	مخ	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
8 حقیقی بہنیں ($\frac{2}{3}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	م	م	م	مخ	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
9 پدری بہن ($\frac{1}{2}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	م	م	م	مخ	م	کر	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
10 پدری بہنیں ($\frac{2}{3}$)	ب	ب	ب	ب	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{1}{6}$	م	ش $\frac{2}{3}$	ش $\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	م	م	م	مخ	م	کر	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{2}{3}$
11 مادری بہن بھائی ($\frac{1}{6}$)	م	م	م	م	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	ش $\frac{1}{3}$	ش $\frac{1}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	م	م	م	م	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$
12 متعدد مادری بہن بھائی ($\frac{1}{3}$)	م	م	م	م	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	ش $\frac{1}{3}$	ش $\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	م	م	م	م	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{3}$
13 خاوند ($\frac{1}{2}$)	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	مل	مل	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$
14 بیوی ($\frac{1}{4}$)	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	مل	ش $\frac{1}{4}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{4}$
15 بیٹا (عصبہ)	کر	کر	ک	ک	ب	ب	کل	ک	ک	ک	ک	ک	ب	ب	شک	ک	ب	ب	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
16 پوتا (عصبہ)	ب	ب	کر	کر	ب	ب	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ب	ب	م	شک	ب	ب	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
17 باپ (عصبہ)	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	ب	ک (دادی)	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ب	ب	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	مل	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
18 دادا (عصبہ)	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	$\frac{1}{6}$+ب	ب	ک (پڑدادی)	مخ	مخ	مخ	مخ	ک	ک	ب	ب	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$	مل	مخ	مخ	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
19 حقیقی بھائی (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	کر	کر	ک	ک	ب	ب	ب	ب	مخ	مخ	مخ	مخ	شک	ک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
20 پدری بھائی (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	کر	کر	ب	ب	ب	ب	م	م	م	مخ	م	شک	ک	ک	ک	ک	ک	ک
21 حقیقی بھتیجا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک	ک	ک	ک
22 پدری بھتیجا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک	ک	ک
23 حقیقی چچا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک	ک
24 پدری چچا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک	ک
25 حقیقی چچا کا بیٹا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	م	م	شک	ک
26 پدری چچا کا بیٹا (عصبہ)	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	ب	م	م	م	م	م	م	م	م	م	م	م	شک

نقشہ میں مستعمل اشارات

اشارات	$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{3}$	$\frac{2}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{8}$	$\frac{1}{4}$	ش	م	مخ	ک	ب	کر	مل
اشارات سے مراد	آدھا	تہائی	دوتہائی	چھٹا	آٹھواں	چوتھائی	مشترک	محروم	مختلف	کل مال	باقی مال	مذکر کو دو حصے مؤنث کو ایک حصہ	مہمل

نقشہ دیکھنے کا طریقہ ① اگر کسی وارث کا انفرادی حصہ معلوم کرنا چاہیں تو دائیں طرف (سرخ لکھائی میں) ہر وارث کے ساتھ اس کا حصہ درج ہے۔

② دوسرے ورثا کے ساتھ اکٹھا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں طرف (سرخ لکھائی میں) وارث کو، اوپر (کالی لکھائی میں) وارث کے ساتھ 90° درجے کے زاویے پر ملائیں۔ جس خانے میں دونوں اکٹھے ہو جائیں وہاں دائیں طرف (سرخ لکھائی میں) وارث کا حصہ ہوگا، مثلاً: ماں کا انفرادی صورت میں $\frac{1}{3}$ حصہ ہے۔ جب اس کو حقیقی بہنوں کے ساتھ 90° درجے کے زاویے پر ملایا جائے تو وہ دونوں خانہ $\frac{1}{6}$ میں اکٹھی ہوئیں، چنانچہ جب ماں ایک سے زیادہ بہنوں کے ساتھ شریک ہو تو اُسے چھٹا حصہ ملے گا۔

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	دار النشر	مدينة النشر	سنة النشر
الإتقان	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن السيوطى (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث الطوال	للحافظ سليمان بن أحمد الطبرانى (260-360ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق عمان	1419 ھ 1998 م
الأحاديث المختارة	لأبى عبدالله محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلى المقدسى (567-643ھ)	مكتبة النهضة الحديثة	مكة المكرمة	1410 ھ
أحكام القرآن	للإمام أبى بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربى (468-543ھ)	دار الكتب العربى	//	1421 ھ 2000 م
الأدب المفرد	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى (194-256ھ)	المكتبة الإسلامية	الأردن	1423 ھ 2003 م
إرشاد السارى	للإمام شهاب الدين أبى العباس أحمد بن محمد الشافعى القسطلانى (المتوفى 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416 ھ 1996 م
إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420	المكتب الإسلامى	بيروت	1405 ھ 1985 م
الاستذكار	لأبى عمر يوسف بن عبدالله بن عبدالبر النمرى الأندلسى (5368-5463ھ)	دارالوعى	حلب القاهرة	1414 ھ 1993 م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبى الحسن على بن محمد الجَزَرى (المتوفى 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن على بن حجر العَسْقَلانى (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	//	1415 ھ 1995 م

إكمال المُعلم بفوائد صحيح مسلم	للإمام الحافظ أبي الفضل عياض بن موسى بن عياض اليَحْصِبى (المتوفى 544ھ)	دار الوفاء	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبي عبداللّٰه محمد بن إدريس الشافعى القرشى (المتوفى 204ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1420ھ 2000م
بائبل، قرآن اور سائنس (اردو)	موريس بوكائے	نگارشات	لاهور پاكستان	1999م
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبي بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العَتَكى البزّار (المتوفى 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم	بيروت	1409ھ 1988م
البداية والنهاية	لأبي الفداء الحافظ ابن كثير الدِّمشقى (المتوفى 774ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البيان فى عدّ آى القرآن	لأبي عمرو عثمان بن سعيد الأموى الدانى (371-444ھ)	مركز المخطوطات	الكويت	1414ھ 1994م
تاج العروس	للإمام محب الدين أبي فيض السيد محمد مرتضى الحسينى الزبيدى (المتوفى 1205ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
تاريخ ابن خلدون	لعبد الرحمن بن خلدون (732-808ھ/1332-1406م)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1992م
تاريخ بغداد	للحافظ أبي بكر أحمد بن على الخطيب البغدادى (المتوفى 463ھ)	دار الفكر	//	1418ھ 1998م
تاريخ دمشق	للإمام الحافظ أبي القاسم على بن الحسن الدمشقى الشافعى المعروف بابن عساكر (499-571ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1421ھ 2001م
تاريخ الطبرى	لأبي جعفر محمد بن جرير الطبرى (المتوفى 310ھ)	//	//	
التاريخ الكبير	للإمام أبي عبداللّٰه محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجُعفِى (194-256ھ)	دار الكتب العلمية	//	1414ھ 1993م

تحفة الأحوذی	للإمام الحافظ أبی العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخيار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار بلنسية	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدين أبی الحجاج يوسف المِزِّی (654-742ھ)	دار الغرب الإسلامی	بیروت	1999م
تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	دار الكتب العلمية	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغيب و الترهيب	للإمام الحافظ زکی الدين عبدالعظيم بن عبدالقوی المنذری (المتوفی 656ھ)	دار الحديث	القاهرة	1407ھ 1987م
تغليق التعليق	لأحمد بن علی ابن حجر العسقلانی المتوفی(852ھ)	المكتب الإسلامی	بیروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسير البغوی	للإمام أبی محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوی الشافعی(المتوفی 516ھ)	دار إحياء التراث العربی	بیروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوی	للإمام ناصر الدين أبی الخير عبدالله بن عمر ابن محمد الشيرازی الشافعی البيضاوی (المتوفی 691ھ)	دار إحياء التراث العربی	//	1418ھ 1998م
تفسير ابن أبی حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازی ابن أبی حاتم (المتوفی 327ھ)	مكتبة نزار مصطفی الباز	مكة المكرمة الرياض	1417ھ 1997م
تفسير الرازی	للإمام فخر الدين الرازی (المتوفی 606ھ)	دار إحياء التراث العربی	//	1415ھ 1995م
تفسير السمعانی	للإمام أبی المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمی المَرْوَزِی الشافعی (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م

تفسیر الطبری	لأبی جعفر محمد بن جریر الطبَری (المتوفی 310ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسیر عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	دارالکتب العلمیة	//	1419ھ 1999م
تفسیر القرطبی	لأبی عبداللّٰه محمد بن أحمد الأنصاری القُرطبی	دارالکتب العلمیة	//	1413ھ 1993م
تفسیر الماوردی	لأبی الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری (364-450ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1412ھ 1992م
التلخیص الحبیر	للإمام الحافظ أبی الفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م
تمام المنّة	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	دار الرایة	الریاض السعودیة	1417ھ
التمهید	للإمام الحافظ أبی عمر یوسف بن عبداللّٰه ابن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	مکتبة السوادی	جدة	1387ھ 1967
تنویر المقباس	للإمام السید حبر الأمة عبداللّٰه بن عباس الهاشمی القرشی (المتوفی 68ھ)	مطبعة أمیر	قم ایران	
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عیسی محمد بن عیسی ابن سورة الترمذی (200-279ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
جامع المسانید والسنن	للإمام عماد الدین أبی الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفکر	بیروت	
حلیة الأولیاء	للإمام الحافظ أبی نُعَیم أحمد بن عبداللّٰه الأصفهانی الشافعی (المتوفی 430ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1418ھ 1997م
الدر المنثور فی التفسیر المأثور	للإمام جلال الدین عبدالرحمٰن بن أبی بکر السیوطی (المتوفی 911ھ)	دارالکتب العلمیة	//	1421ھ 2000م

دلائل النبوة	لأبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1405 ھ 1985 م
الدِّیباج	للحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی (المتوفی 911ھ)	شرکة دار الأرقم بن أبی الأرقم	//	
الرحیق المختوم (اردو)	للشیخ صفی الرحمن مبارکفوری	المکتبة السلفیة	لاهور باکستان	1416 ھ 1995 م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شهاب الدین السید محمود الألوسی البغدادی (المتوفی127ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1417 ھ 1997 م
زاد المسیر	للإمام أبی الفَرَج جمال الدین عبدالرحمن ابن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1414 ھ 1994 م
زاد المعاد	للإمام شمس الدین أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بکر الزرعی الدمشقی المشهور بابن قیم الجوزیة (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	//	1415 ھ 1995 م
سلسلة الأحادیث الصحیحة	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی1420ھ)	مکتبة المعارف	الریاض السعودیة	1415 ھ 1995 م
سلسلة الأحادیث الضعیفة	// // //	//	//	1420 ھ 2000 م
سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417 ھ 1996 م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰه بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بهرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1417 ھ 1996 م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السِجِستانی (المتوفی 275ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420 ھ 1999 م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصمیعی	//	1420 ھ 2000 م

السنن الکبریٰ	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	إدارۃ تألیفات أشرفیة	ملتان پاکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبریٰ	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القَزْوِینی (209-273ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دار السلام	//	1420ھ 1999م
السیرة النبویة	لولی الدین أبی زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحیم الحضرمی الأشبیلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	//	1418ھ 1998م
السیرة النبویة	لأبی محمد عبدالملك بن هشام بن أیوب الحِمْیَرِی (المتوفی 218ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ محی السنة أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (436-516ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت	1403ھ 1983م
شرح معانی الآثار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت	1407ھ 1987م
شرح النووی	محی الدین أبوزکریا یحیی بن شرف بن مری الحزامی الحواربی الشافعی (المتوفی 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
شعب الإیمان	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1410ھ 1990م

الصحاح	لأبی نصر إسماعیل بن حماد الجوهری الفارابی المتوفی (398ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1419 ھ 1999 م
صحیح البخاری	للإمام أبی عبدالله محمد بن إسماعیل البخاری الجعفی (194-256ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1419 ھ 1999 م
صحیح الترغیب والترهیب	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مکتبة المعارف	الریاض	1421 ھ 2000 م
صحیح الجامع الصغیر وزیادته	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1408 ھ 1988 م
صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان الفارسی	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	//	1414 ھ 1993 م
صحیح ابن خزیمة	للإمام أبی بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة السلمی النیسابوری (المتوفی 311ھ)	المکتب الإسلامی	//	1412 ھ 1992 م
صحیح سنن أبی داود	للإمام المحدث الشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی1420ھ-1999م)	مؤسسة غراس	الکویت	1423 ھ 2002 م
صحیح مسلم	للإمام أبی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری (204-261ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1419 ھ 1998 م
ضعیف الجامع الصغیر وزیادته	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1410 ھ 1990 م
ضعیف سنن ابن ماجه	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	//	//	1415 ھ 1994 م
الطبقات الکبریٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منیع (المتوفی 230ھ)	دار صادر	بیروت	1418 ھ 1998 م
عمدة القاری	للشیخ الإمام العلامة بدر الدین أبی محمد محمود بن أحمد العینی (المتوفی 855ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1418 ھ 1998 م

عون المعبود	للعلامة أبی الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی	دار الکتب العلمیة	//	1410ھ 1990م
فتح الباری	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار نشر الکتب الإسلامیة	لاهور باکستان	1401ھ 1981م
فتح البیان	لأبی الطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی القَنُّوجی البخاری (المتوفی 1307ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
کتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخریج السنة	لأبی بکر عمرو بن أبی عاصم الضحاك ابن مخلد الشیبانی المتوفی (287ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
کتاب الزهد	للإمام الشیخ عبدالله بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	//	//	1419ھ 1998م
کتاب العرش	لأبی عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی (المتوفی 748ھ)	مکتبة أضواء السلف ومکتبة الإمام البخاری	الریاض السعودیة مصر	1420ھ 1999م
کتاب العظمة	لأبی محمد عبدالله بن محمد بن جعفر بن حیّان المعروف بأبي الشیخ الأصبهاني (274-369ھ)	دار العاصمة	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
الکشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخشری (المتوفی 528ھ)	دار الریان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
کشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الهیثمی (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1399ھ 1979م
کشف الظنون	للمؤرخ الکامل مصطفی بن عبدالله المشهور بحاجی خلیفة (1017-1067ھ)	دار إحیاء التراث العربی	//	
اللآلئ المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة	للإمام جلال الدین أبی الفضل عبدالرحمٰن ابن الکمال السیوطی (849-911ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1417ھ 1996م

مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين علی بن أبی بکر الهیثمی (المتوفی 807ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414 ھ 1994 م
مجموعة الفتاوی	لشیخ الإسلام تقی الدین أحمد بن تیمیة الحَرَّانی (المتوفی 728ھ)	مکتبة العبیکان	الریاض السعودیة	1419 ھ 1998 م
المحلی	لأبی محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم المتوفی (456ھ)	دارالجبل دارالآفاق الجدیدة	بیروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدین أبی الفضل أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	مؤسسة الکتب الثقافیة	بیروت لبنان	1412 ھ 1992 م
مختصر سنن أبی داود	عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللّٰه بن سلامة بن سعد زکی الدین أبومحمد المنذری الشامی المصری (المتوفی 656ھ)	مکتبة السنة المحمدیة مکتبة ابن تیمیة	القاهرة	1423 ھ 2002 م
مختصر قیام اللیل	للشیخ أبی عبداللّٰه محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مکتبة المنار	الأُردُن	1413 ھ 1993 م
المراسیل	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1418 ھ 1998 م
المستدرك	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن عبداللّٰه الحاکم النیسابوری (المتوفی 405ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1420 ھ 2000 م
مسند أحمد (طبع میمنیة)	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه أحمد بن محمد ابن حنبل الشیبانی البغدادی (164-241ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق	1403 ھ 1983 م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه أحمد بن محمد بن حنبل الشَّیبانی البغدادی (164-241ھ)	بیت الأفکار الدولیة	الریاض السعودیة	1419 ھ 1998 م
مسند أبی داود الطَّیالِسی	لسلیمان بن داود بن الجارود (المتوفی 204ھ)	هجر	أمبابة	1419 ھ 1999 م
المسند الضعیف	للإمام أبی جعفر محمد بن عمرو بن وهبی بن حماد العقیلی (المتوفی 322ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1422 ھ 2001 م

مسند أبی عوانة	للإمام أبی عوانة یعقوب بن إسحاق الأسفرائینی (المتوفی 316ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبی یعلی المَوصلی	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن المثنی التمِیمی (210-307ھ)	دار الثقافة العربیة	بیروت دمشق	1412ھ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبی بکر عبداللّٰہ بن محمد بن أبی شیبة (المتوفی 235ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الکبیر أبی بکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	المکتب الإسلامی	//	1403ھ 1983م
المطالب العالیة	للحافظ ابن حجر أحمد بن علی العسقلانی (773-852ھ)	دار المعرفة	//	1414ھ 1993م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدین أبی عبداللّٰہ یاقوت بن عبداللّٰہ الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	//	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبداللّٰہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (المتوفی 773ھ)	مکتبة دار البیان	دولة الکویت	1421ھ 2000م
المعجم الکبیر	للحافظ أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مطبعة الزهراء الحدیثیة	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبداللّٰہ بن عبدالعزیز البکری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الکتب	بیروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدین أبی محمد عبداللّٰہ بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
منهاج السنة النبویة	لأبی العباس تقی الدین أحمد بن عبدالحلیم ابن تیمیة الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م
الموسوعة الحدیثیة (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبداللّٰہ بن عبدالمحسن الترکی	مؤسسة الرسالة	//	1420ھ 1999م
الموضوعات	لأبی الفرَج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی القرشی (510-597ھ)	مکتبة ابن تیمیة	القاهرة	1407ھ 1987م

النجوم الزاهرة فى ملوك مصر والقاهرة	لجمال الدين أبى المحاسن يوسف بن تغرى بُردى (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار ابن القيم ودار ابن عفان	القاهرة	1422 ھ 2001 م

